توضیحات
شرح اردو
مشکوٰۃ شریف
حضرت مولانا فضل محمد صاحب دامت برکاتہم
جامع المعقول والمنقول واستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
ناشر
المکتبۃ العربیۃ
0331-3788677, 0300-9268449
Email : mustaqimbilwani@yahoo.com

توضیحات

اُردو شرح

مشکوٰۃ

متن، ترجمہ، تشریح و توضیح کے ساتھ

تالیف

مولانا فضل محمد یوسف زئی
استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

کتاب کا نام : توضیحات شرح مشکوٰۃ (جلد ششم)

مصنف : استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد صاحب یوسف زئی مدظلہ

سن اشاعت : 2010ء

تعداد صفحات : (744)

ناشر :

(021-35470973)
(0321-3788955)

ملنے کے پتے

مکتبہ انعامیہ، اردو بازار کراچی

کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی

دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی

کتب خانہ مظہری، گلشن اقبال کراچی

بیت الاشاعت، بہار کالونی، کراچی

مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

دارالکتاب اردو بازار لاہور

مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور

مکتبۃ الحرمین اردو بازار لاہور

وحیدی کتب خانہ پشاور

مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی

میں اپنی اس محنتِ شاقہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی
جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدث العصر حضرت اقدس حضرت مولانا محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ
اور صدر مدرس حضرت اقدس حضرت مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ سے

احادیثِ مقدسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَأً سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحَفِظَهَا
وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا (الحدیث طبرانی)

وَمِنْ مَّذْهَبِیْ حُبُّ النَّبِیِّ وَکَلَامِهٖ
وَلِلنَّاسِ فِیْمَا یَعْشَقُوْنَ مَذَاهِبُ

روزِ محشر ہر کسے با خویش دارد توشۂ
من نیز حاضر میشوم "توضیحِ مشکوٰۃ" در بغل

مورخہ ۱۲ صفر ۱۴۲۶ھ

کتاب الجهاد

جہاد کا بیان

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾

وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (سورۃ النسآء)

جہاد کی تعریف

(۱) عَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَاالْجِهَادُ؟ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَالَقِيْتَهُمْ قِيْلَ فَاَيُّ الْجِهَادِاَفْضَلُ؟ قَالَ مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وَاُهْرِيْقَ دَمُهُ.

(کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۷ وطبرانی ومسند احمد)

ترجمہ ”حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا کہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑائی لڑو پوچھا گیا کہ افضل ترین جہاد کون سا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کا جہاد سب سے افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور پھر خود اس کا خون بہایا جائے“۔

(۲) قَالَ وَمَاالْجِهَادُ؟ قَالَ اَنْ تُقَاتِلَ الْكُفَّارَ اِذَا لَقِيْتَهُمْ وَلَاتَغُلَّ وَلَاتَجْبُنْ.

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان ورواہ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۶)

(ترجمہ ”ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ جہاد کیا چیز ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد یہ ہے کہ تم بوقت مقابلہ کفار سے لڑائی لڑو اور اس راستہ میں نہ خیانت کرو اور نہ بزدلی دکھاؤ“۔

(۳) اَلْجِهَادُ بِكَسْرِ الْجِيْمِ اَصْلُهُ لُغَةً هُوَ الْمَشَقَّةُ وَشَرْعًا بَذْلُ الْجُهْدِ فِي قِتَالِ الْكُفَّارِ.

(فتح الباری جلد ٦ صفحہ ۳)

ترجمہ ”جہاد کسرۂ جیم کے ساتھ لغت میں محنت ومشقت کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں کفار سے لڑنے میں اپنی پوری طاقت استعمال کرنے کا نام جہاد ہے“۔

فائدہ

مذکورہ بالا جہاد کی شرعی تعریفات ہیں ہر تعریف میں کفار سے لڑنے اور لڑائی کا ذکر ہے نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مشکوۃ کی شرح مرقاۃ میں جہاد کی تعریف اس طرح کی ہے "اپنی پوری توانائی کو کفار سے لڑنے میں صرف کرنے کا نام شریعت میں جہاد ہے"۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں جہاد کی شرعی تعریف اس طرح کی ہے "اپنی پوری طاقت کفار کے مار بھگانے میں صرف کرنے کا نام جہاد ہے" کتاب شرعۃ الاسلام کی شرح میں جہاد کی اس طرح تعریف کی ہے "دین کے دشمنوں کو مغلوب کرنے اور کفار سے لڑنے کا نام جہاد ہے" اسی طرح قاموس نے یہ تعریف کی ہے "دشمنان اسلام سے لڑنے کا نام جہاد ہے" ان تمام تعریفات کے پیش نظر ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جہاد کے اسی شرعی مفہوم کو اپنائے، کیونکہ شریعت میں احکام کا مدار شرعی اصطلاحی مفہوم پر رکھا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی کو جہاد سمجھ کر کفار کے مقابلے کے لئے مسلح ہو کر نکلا کرتے تھے اور پھر میدان میں بڑے بڑے مقابلے ہوتے تھے، انہوں نے جہاد کے لغوی معنی کو نہیں دیکھا کہ جہاد صرف مشقت اور محنت کا نام ہے جس میں کفار سے لڑنے اور مقابلہ کرنے اور تلوار اٹھانے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی۔ شرعی احکام میں لغوی مفہوم اختیار کرنے سے بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے مثلاً کوئی شخص صلوٰۃ کے لغوی مفہوم کو اپنا کر کہتا ہے کہ صلوٰۃ کا معنی دعاء ہے میں صرف دعا کروں گا نماز نہیں پڑھوں گا یا صوم یعنی روزہ کا مفہوم تھوڑی دیر کے لئے کھانے پینے سے رکنا ہے اب ایک شخص کچھ وقت کے لئے کھانے پینے سے رک جاتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ بس روزہ ہو گیا یا کوئی شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ زکوۃ پاکیزگی کا نام ہے اور میں یہ پاکیزگی کسی اور طرح سے حاصل کرلوں گا یا حج کا لغوی مفہوم قصد کرنا ہے اب ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے گھر جانے کا قصد کرلیا ہے مسجد وغیرہ جانے کا قصد کرلیا ہے بس اب حج ہو گیا تو دیکھئے لغوی مفہوم مراد لینے سے کتنا بڑا نقصان ہوا کہ شریعت کے اصل حکم سے یہ شخص محروم رہ گیا اور لغوی مفہوم سے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا اسی طرح جہاد کو صرف مشقت اور محنت کا نام دے کر کفار سے لڑنے کے لئے نہ نکلنا اپنا ہی نقصان کرنا ہے، دیکھئے ذکری فرقہ نے نماز کو ذکر کے مفہوم میں لیا اور اصل تعریف کو چھوڑ دیا تو پورے دین سے محروم ہو گئے۔

جہاد کی اقسام

﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (سورۃ نساء ۹۶)

''اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو گھر میں بیٹھنے والوں کے مقابلے میں اجر عظیم دیا ہے''۔

قرآن کریم کی اس آیت اور احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بڑی بڑی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں اور دونوں قسمیں فرض ہیں قسم اول کو فرض کفایہ کہتے ہیں اور قسم ثانی کو فرض عین کہا جاتا ہے۔ فرض عین اور فرض کفایہ جہاد کے اپنے احوال کے تحت ہوتا ہے کہ حالات کبھی کبھی ایسے ہو جاتے ہیں کہ جہاد فرض کفایہ کے درجے میں چلا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی حالات اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ ہر مسلمان پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے بہر حال دونوں حالتوں میں جہاد فرض کے درجے میں رہتا ہے جہاد کا کوئی درجہ فرض سے کم نہیں۔

قسم اول فرض کفایہ

جب مسلمانوں کو پورے عالم میں غلبہ اور شوکت حاصل ہو تو اس وقت فریضۂ جہاد کو باقی اور جاری رکھنے کے لئے اور اسلام کو مزید پھیلانے کے لئے دنیا کے کسی حصہ میں ایک ایسی جماعت ہو جو کفار کے ساتھ بر سر پیکار اور جہاد میں مصروف ہو ایسی حالت میں جہاد فرض کفایہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ ایک جماعت نے جب یہ کام سنبھال لیا تو باقی مسلمانوں کا ذمہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ کفار کے مقابلے کے لئے یہ جماعت کافی ہو اور اگر دنیا کے تمام مسلمانوں نے جہاد کو یکسر چھوڑ دیا تو سارے کے سارے گناہ گار ہو جائیں گے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے ''ان ترکوا جمیعا اثم الکل'' یعنی اگر تمام مسلمانوں نے عمل جہاد کو ترک کر دیا تو سب گناہ گار ہوں گے اس قسم کی عبارات فقہ کی دوسری بڑی کتابوں اور فتاویٰ میں موجود ہیں جہاد کی اس قسم کو جہاد اقدامی بھی کہتے ہیں اور یہ فرض کفایہ ہوتا ہے اس کے لئے چند شرائط بھی ہیں۔

(۱) والدین اور سرپرست کی اجازت (۲) امارت شرعیہ (۳) بعض کے یہاں طاقت کا توازن (۴) دعوت الی الاسلام، یاد رہے جہاد سے پہلے جو دعوت کفار کو دی جاتی ہے اور جس پر جہاد موقوف ہوتا ہے اس دعوت کے تین جملے ہوتے ہیں۔

(۱) اسلام قبول کرو (۲) ورنہ جزیہ ادا کرو (۳) نہیں تو پھر میدان جنگ میں لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ یہ دعوت بھی ان کفار کے لئے ضروری ہے جنہوں نے کسی طور پر اسلام کا نام نہ سنا ہو اور نہ اسلام سے واقف ہوں لیکن جن لوگوں کو ایک بار دعوت اسلام پہنچ چکی ہو یا انہوں نے کسی نشریاتی ذریعہ سے اسلام کا نام سنا ہو ان کو دوبارہ میدان جنگ میں دعوت دینا صرف مستحب ہے۔ خلاصہ یہ کہ جہاد چونکہ کفار سے ہوتا ہے تو یہ دعوت بھی کفار ہی کے ساتھ خاص ہوگی اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ کسی مقام پر آئے گی۔ قرآن عظیم کی مذکورہ آیت ہی سے علماء اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اس قسم کو مستنبط کیا ہے کیونکہ

آیت میں دو جماعتوں کا ذکر ہے اور دونوں مقبول ہیں ایک وہ جماعت ہے جو گھر میں بیٹھ کر عبادت اور دوسرے نیک کاموں میں مشغول رہتی ہے اور ایک وہ جماعت ہے جو جہاد کے لئے کفار کے مقابلے پر نکلی ہوئی ہے اب گھر میں بیٹھنے کی جب ان کو اجازت مل گئی تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک قسم جہاد کی ایسی بھی ہے جس سے کچھ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں اور وہی فرض کفایہ ہے اب نکلنے والے مجاہد ہوئے جن کا بہت بڑا درجہ ہے اور بیٹھنے والے اس وقت مجاہد نہیں ہوئے اور ان کا درجہ بھی کم رہا اگر چہ وہ تمام عبادات میں مشغول تھے اس آیت سے دو باتیں واضح ہوگئیں ایک یہ کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں ان میں ایک فرض کفایہ ہے اور ایک فرض عین ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ ہر عابد اور جہاد کے علاوہ دوسرے نیک کام کرنے والے کو مجاہد نہیں کہا جا سکتا شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں اس طرح لکھا ہے:۔

"اس سے معلوم ہوگیا جہاد فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گنہگار ہوں گے"۔ (تفسیر عثمانی ۱۲۳)

اسی قسم کا مضمون اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے (سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۴)

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾

یعنی "چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو"

اس آیت کے تحت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

"معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود یہ راہ مسلمانی کی نہیں"۔ (موضح القرآن صفحہ ۱۰۱)

قسم دوم فرض عین

اور اگر کفار مسلمانوں کے کسی علاقے پر چڑھائی کرتے ہیں، لوگوں کو مار بھگاتے ہیں اور عزت و مال کو لوٹ لیتے ہیں اور مسلمان دفاعی پوزیشن میں ہوتے ہیں تو اس وقت جہاد کی یہ قسم دفاعی اور فرض عین ہو جاتی ہے یہ جہاد پہلے قرب وجوار کے لوگوں پر فرض عین ہے اگر وہ ناکافی ہوں تو رفتہ رفتہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے جہاد کی اس قسم کے لئے شرائط نہیں ہیں، بس نفیر عام پر سب مسلمانوں کو نکلنا ہوگا غلام کو آقا سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں نہ بیٹے کو باپ سے اور نہ بیوی کو شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت ہے بس جو کچھ ہاتھ لگا اسے اٹھا کر مقابلہ کے لئے نکلنا ہوگا اس وقت دعوت الی الاسلام بھی ختم ہو جاتی ہے۔ علامہ سرخسی اور فتاویٰ تاتارخانیہ اور فقہ کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے الکوکب الدری شرح ترمذی میں علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "وان ھجموعلینا سقطت الدعوۃ" (یعنی اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے بلہ بول دیا تو دعوت ساقط ہو جائیگی)۔صاحب بحرالرائق نے کتاب الجھاد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان عورت مشرق میں کافروں نے قید کر لی تو مغرب تک تمام مسلمانوں پر اس کو کافروں کی قید سے چھڑانا فرض عین ہے۔ باقی جہاد فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم سب مسلمانوں کی طرف ذاتی اور شخصی طور پر متوجہ ہوجاتا ہے تو کسی کی باری آج آئے گی وہ جائیں گے اور کسی کی باری بعد میں آئے گی جب جانے والے لوٹ آئیں گے اس طرح ایک دستہ جائے گا جب وہ واپس آئے گا تو دوسرا جائے گا تو نظام بھی چلتا رہے گا اور جہاد کا کام بھی ہوتا رہے گا جس طرح حج فرض عین ہے لیکن سب دنیا والے ایک ہی سال میں نہیں جاتے بلکہ موقع بموقع جاتے آتے ہیں فتح القدیر نے اس بات کو اسی طرح لکھا ہے، یہ بات بھی یاد رہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ،سعید بن المسیب رحمہ اللہ،ابن شبرمہ رحمہ اللہ اور کچھ دوسرے فقہاء کرام کے نزدیک جہاد کی ایک ہی قسم ہے وہ فرماتے ہیں کہ جہاد فرض عین ہی ہے فرض کفایہ نہیں تاہم عام فقہاء نے یہ تقسیم کی ہے،ہم اس تقسیم کے قائل ہیں مگر اس وقت دنیا میں تقریباً ہر جگہ مسلمان دفاع میں جہاد لڑ رہے ہیں جو فرض عین ہے۔نفیر عام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وقت کا بادشاہ یا جہاد کا عام امیر لوگوں کے نکلنے کا عام اعلان کردے دوسری صورت یہ کہ مظلومین اور بے بس مسلمانوں کی فریاد کسی طرح کسی کے کانوں تک پہنچ جائے۔ (تاتارخانیہ)

جہاد کی چند انواع

﴿وَعَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاھِدُوا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ﴾ (مشکوۃ صفحہ ۳۳۲)

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مشرکین کے خلاف جہاد کرو اپنے مالوں سے، اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے''۔

اس حدیث میں جہاد کی تین انواع کا ذکر آیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں اور جنکی کچھ تفصیل ہے۔

جہاد بالمال

اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کا مال جہاد اور مجاہدین کے کام میں آجائے اور اس سے براہ راست میدان جہاد کو فائدہ پہنچ جائے اگر ایک شخص کسی غریب فقیر کو مال دیتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے یا اپنے کسی رشتہ دار کی مدد کرتا ہے یہ ایک نیک کام تو ہوسکتا ہے اور اس پر اس کو ثواب بھی مل سکتا ہے لیکن اس سے وہ شخص اپنے آپ کو مجاہد بالمال نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کا مال بے شک ایک نیک جگہ میں لگ گیا مگر جہاد میں نہیں لگا اگر وہ اپنے بارے میں یہ سوچتا ہے کہ میں نے مالی جہاد کیا تو یہ بات

اور یہ خیال بے محل ہوگا حدیث میں "مشرکین کے خلاف اپنے مالوں سے جہاد کرو" کے الفاظ آئے ہیں یہاں کس مشرک کے خلاف اس نے اپنا مال خرچ کیا ہے کہ وہ جہاد بالمال کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہے؟ قرآن و حدیث میں جہاد بالمال کی بہت ترغیب آئی ہے کیونکہ مال کے بغیر جہاد کا مکمل معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور مالی جہاد ہر آدمی کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ مال کو مقدم رکھا ہے۔

جہاد بالنفس

جہاد بالنفس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو جہاد میں استعمال کرے کفار سے مقابلوں کے لئے میدان جہاد میں اس نفس کو دھکیل دے اور حق و باطل کے معرکوں میں اس نفس کو مکمل طور پر جھونک دے" جہاد بالنفس" عربی کا کلمہ ہے اور بالنفس میں با کالفظ آلہ پر داخل ہے یعنی "نفس کے ساتھ جہاد کرنا" یہ لفظ ایسا ہے جیسے کوئی کہدے بندوق کے ساتھ جہاد یا تلوار کے ساتھ جہاد، راکٹ لانچر کے ساتھ جہاد، توپ کے ساتھ جہاد، کلاشنکوف کے ساتھ جہاد، یہ جتنے آلات حرب وضرب ہیں اس پر "ب" کے داخل ہونے کے بعد یہ مطلب سمجھ میں آتا ہے کہ ان اشیاء کو بطور آلہ استعمال کیا گیا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس شخص نے جہاد بالسیف کیا یعنی تلوار کے مقابلہ میں آکر تلوار کو مارنا شروع کر دیا بلکہ اس کا عربی محاورہ میں یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس شخص نے جہاد کے میدان میں تلوار کو استعمال کیا اور تلوار لے کر اس کے ساتھ کفار سے مقابلہ کیا بالکل اسی طرح جہاد بالنفس کا مطلب ہے کہ اس نفس کو کفار کے مقابلے میں استعمال کیا جائے یہی مطلب صحابہ کرامؓ نے اور سلف صالحین نے اس جملے کا لیا ہے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں "والمجاهد من جاهد نفسه بنفسه" یعنی "مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے اسی نفس کے ذریعہ جہاد کرے" یعنی نفس کو جہاد کے میدان میں ڈال دے اور اسے مقابلہ کفار میں استعمال کرے یہ نفس کے ذریعہ سے کفار سے مقابلہ بھی ہوا اور اس ضمن میں نفس کا مجاہدہ بھی ہوا کیونکہ نفس کا مجاہدہ اسی عمل سے ہوتا ہے جو نفس کی خواہش کے خلاف ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ جہاد میں جا کر لڑنا نفس کو کتنا دشوار معلوم ہوتا ہے جہاد بالنفس کے متعلق ایک حدیث کا حوالہ بھی لوگ دیتے ہیں جس کی روشنی میں جہاد کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں ایک چھوٹا جہاد اور دوسرا بڑا جہاد اس حدیث سے متعلق بحث بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جہاد اکبر اور جہاد اصغر کی بحث

جب قوموں کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو ان کی ہمتیں پست ہو جاتی ہیں اور جب ہمتیں پست ہو جاتی ہیں تو پھر زبان پر کمزور جملے آتے ہیں دل و دماغ میں ہر وہ فلسفہ بیٹھ جاتا ہے جو آدمی کو پستی کی طرف لے جاتا ہے پھر اس وقت دشمن آرام سے بیٹھ جاتا ہے اور زوال پذیر قوم خود بخود اپنے زوال کے منصوبے بناتی رہتی ہے چنانچہ اسلام کا سنہرا دور جب چلا گیا اور اسلام کے

بلند و بالا جھنڈے نیچے اترنے لگے اور عزت وعظمت اور شان وشوکت کے بعد جب مسلمان مجموعی اعتبار سے پستی کی طرف گرنے لگے تو ان کے ہاں ایسے معذرت خواہانہ جملے رائج ہونے لگے جن کی روشنی میں آرام طلبی سہولت پسندی کے اچھے مواقع تو فراہم ہوگئے لیکن اس کے ضمن میں مسلمان کسی کارنامے، کردار یا تاریخ سازی کی حیثیت سے محروم ہوگئے، اسی محرومی کے زمانے کا ایک جملہ گھڑ لیا گیا اور اس کو حدیث کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات کا رخ اعداء اسلام کے بجائے اپنی ہی جانوں کی طرف مڑ جائے اور ''قہر درویش بر جان درویش'' کا مکمل مصداق بن جائے، راہ فرار اختیار کرنے کے لئے جس جملے کو حدیث کا نام دے کر اس کی خوب تشہیر کی گئی وہ یہ ہے۔

''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ قَالُوْا وَمَا الْجِهَادُ الْأَكْبَرُ؟ قَالَ جِهَادُ الْقَلْبِ''.

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ کر بڑے جہاد کی طرف آگئے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ جہاد اکبر کون سا جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نفس کا جہاد (یعنی کفار سے لڑنا چھوٹا جہاد ہے) ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں حرف الراء کے ضمن میں (صفحہ ۱۲۷) پر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا کہ لوگوں کے ہاں یہ حدیث زبانوں پر چڑھی ہوئی ہے حالانکہ یہ ابراہیم بن عبلہ نامی شخص کا مقولہ ہے۔

(۱) تنظیم الاشتات شرح مشکوٰۃ جلد ا صفحہ ۲۹ میں اس حدیث کے متعلق بحوالہ تعلیق الصبیح اور تفسیر بیضاوی لکھا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''هٰذَا حَدِيْثٌ لَا اَصْلَ لَهٗ'' یعنی اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔

(۲) اسی طرح فتاوی عزیزی صفحہ ۱۰۲ میں شاہ عبدالعزیز نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ کلام صوفیاء کرام کی کتابوں میں اکثر پایا جاتا ہے اور یہ ان کے نزدیک حدیث نبوی ہے بلکہ بعض علماء محدثین نے بھی یہ عبارت ذکر کی ہے اس غرض سے کہ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا افضل ہے مگر مجھ کو یاد نہیں کہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ عبارت میں نے دیکھی ہے۔ بہر حال جہاد اکبر سے مراد یہ نہیں کہ جہاد سے فارغ ہو کر واپس آئے، بلکہ جہاد اکبر سے یہ مراد ہے کہ نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کیا جائے یہ تفسیر صوفیاء کے خیال کے مطابق ہے اور جمیع علماء کے خلاف ہے کہ جہاد اکبر سے مراد جہاد سے فارغ ہو کر آنا ہے اور سلیقہ کتاب دانی اور عبارت شناسی اس خیال سے بالکل متنفر ہے اس واسطے کہ مراجعت یعنی واپسی آنا لفظ رجعنا سے مفہوم ہوتا ہے۔

اور جہاد اصغر ابتداء کی غایت ہے اور جہاد اکبر انتہاء کی غایت ہے اور دونوں غایت جس چیز کی غایت ہوتی ہے اس سے مغایر ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ دونوں جہاد اصغر اور جہاد اکبر مراجعت یعنی واپسی کے مغایر ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ کلام ذرا مغلق ہے لیکن اس سے یہ بات صاف واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک یہ کلام صوفیاء کا کلام ہو سکتا ہے مگر حدیث نہیں ہے نیز مفہوم کے لحاظ سے بھی تمام علماء نے اس کلام کو جہاد اصغر سے واپس جہاد اکبر کی

طرف لوٹنے کے معنی پر نہیں لیا ہے نیز عبارات کے سمجھنے کا سلیقہ بھی اس طرح نہیں ہے۔ اور کتاب دانی کا طریقہ بھی یہ نہیں ہے آگے شاہ صاحب نے عبارت پر اعتراض کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث نہیں ہو سکتی ہے۔

(۳) مشارع الاشواق الی مصارع العشاق کے مقدمہ (صفحہ ۳۰) پر لکھا ہے کہ دشمنان اسلام نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے پاس دفاع کے لئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد ایک عظیم بنیادی طاقت ہے اور جب تک جہاد قائم رہے گا تو دشمنان اسلام کے پیر کہیں جم نہیں سکتے کیونکہ جہاد کی برکت اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے مسلمانوں نے نصف صدی سے بھی کم مدت میں آدھی دنیا کو فتح کر لیا تاریخ کے صفحات پر جب کفار نے اس چیز کو دیکھا تو انہوں نے جہاد کو توڑنے اور اسے کمزور کرنے کے لئے کئی سال تک گٹھ جوڑ کر کے غور وخوض کیا یہاں تک کہ انہوں نے اس مشکل کا حل ڈھونڈ لیا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو آسائش وآرائش میں ڈال کر جہاد سے ہٹا لیا جائے پھر اس کے لئے کفار نے ایک مہذب طریقہ اختیار کر لیا اور وہ یہ کہ انہوں نے جہاد کی اصغر اور اکبر کی طرف تقسیم کردی کہ نفس کے ساتھ جہاد بڑا جہاد ہے اور کفار سے جہاد کرنا چھوٹا جہاد ہے پھر اس مقصد کے حصول کے لئے دشمنان اسلام نے احادیث گھڑ لیں اور اس کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت سے مسلمان اسے جلدی قبول کرلیں گے چنانچہ انہوں نے "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" کی حدیث گھڑی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح جھوٹ ہے اور احادیث کی کتابوں میں مطلقاً یہ حدیث موجود نہیں ہیں ابراہیم بن علیہ رحمہ اللہ اگرچہ ثقہ آدمی ہیں مگر دارقطنی نے کہا ہے کہ ان کی طرف بھی اس عبارت کی نسبت واضح نہیں ہے پھر اس گھڑی ہوئی حدیث کا اثر کمزور مسلمانوں پر اس طرح ہوا کہ انہوں نے جب دیکھا کہ نفس وشیطان کا مقابلہ بڑا جہاد ہے تو وہ کفار سے جہاد کرنے سے باز آگئے اور کنارہ کش ہو کر تسبیح اور ذکر وفکر میں مشغول ہو کر دنیا کو کفار کیلئے خالی چھوڑ گئے تو کفار غالب آگئے اور مسلمان غلام ہو کر رہ گئے۔

(۴) خطیب بغدادی وغیرہ نے اس عبارت سے ذرا مختلف ایک اور حدیث کا ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے جب واپس آئے تو آپ نے صحابہ سے فرمایا خوش آمدید خوش آمدید تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہو صحابہ نے پوچھا کہ بڑا جہاد کون سا ہے تو آپ نے فرمایا بندے کا اپنی خواہشات کے خلاف مجاہدہ کرنا بڑا جہاد ہے۔ اس حدیث پر بھی محدثین نے جرح کی ہے چنانچہ اس میں ایک راوی "خلف بن محمد خیام" ہے حاکم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کی حدیثیں ناقابل اعتبار ہیں اور ابو یعلی خلیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بہت ہی ضعیف تھا ان کو اشتباہ ہوتا تھا اور کبھی ایسی حدیثیں نقل کرتا تھا جس کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا تھا، ابوزرعہ رحمہ اللہ نے بھی ان کی روایت کردہ حدیثوں سے براءت کا اعلان کیا تھا اس روایت میں ایک راوی یحییٰ بن علاء ہیں ان کے متعلق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بڑا جھوٹا آدمی تھا جو حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا ابن عدی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس

آدمی کی ساری حدیثیں گھڑی ہوئی ہیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بعض لوگ جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضور نے تبوک کے غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ:

﴿رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ فَلَا اَصْلَ لَهُ﴾

یعنی "ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں ہے"۔ (مقدمہ مشارع الاشواق صفحہ ۳۱)

جہاد مع النفس اور جہاد الکفار کے متعلق ترمذی شریف کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے کوکب الدری جلد ا صفحہ ۴۲۵ پر اس طرح لکھا ہے۔

﴿وَلَا يَخْفَى مَا بَيْنَ الْجِهَادَيْنِ مِنَ الْاِلْتِئَامِ وَالْاِتِّصَالِ فَاِنَّ مُجَاهَدَةَ الْكُفَّارِ لَا تَخْلُوْا عَنْ مُجَاهَدَةِ النَّفْسِ وَلَا تُتَصَوَّرُ دُوْنَهَا وَمُجَاهَدَةُ النَّفْسِ اِذَا كَمُلَتْ لَا تَكَادُ تَتْرُكُ الرَّجُلَ لَا يُجَاهِدُ الْكُفَّارَ بِلِسَانِهٖ اَوْ بِسِنَانِهٖ﴾

"اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جہاد مع النفس اور جہاد الکفار دونوں میں آپس میں ایک جوڑ اور اتصال ہے کیونکہ کفار سے لڑنے میں نفس کا مجاہدہ ہوتا ہی ہے نفس کے مجاہدے کے بغیر کفار سے لڑنے کا تصور ممکن نہیں ہے اور رہ گیا نفس کا مجاہدہ تو یہ مجاہدہ نفس جب مکمل ہو جائے تو یہ آدمی کو کفار سے لڑائے بغیر چھوڑتا ہی نہیں چاہے زبان سے یا تلوار و سنان سے"۔

(۵) ان تفصیلات کے بعد میں اس بحث کی ابتداء کی آیت ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ کی طرف لوٹتا ہوں کہ اس آیت کے پہلے مخاطب صحابہ کرام ہیں، ان میں ایک جماعت آیت کے اترنے کے وقت وہ تھی جو جہاد پر نکل چکی تھی اور ایک جماعت وہ تھی جو جہاد پر نہیں نکلی تھی کیونکہ فرض کفایہ کی صورت میں ان کو نہ جانے کی اجازت تھی البتہ جو جماعت جہاد پر گئی تھی ان کو اللہ تعالیٰ نے دو امتیازات سے ممتاز کر دیا ایک یہ کہ بیٹھنے والوں اور نہ جانے والوں کے مقابلے میں جانے والوں کا درجہ بہت اونچا ہے اور ان کو اجر عظیم ملے گا دوسرا یہ کہ جانے والے مجاہدین ہیں اور اس وقت جہاد پر نہ جانے والے قاعدین (یعنی بیٹھنے والے) مجاہدین نہیں ہیں، اب غور کرنا چاہئے کہ جو صحابہ کرام مسجد نبوی میں رہ گئے تھے وہ سارے کے سارے نمازی، تہجد گزار تھے، روزہ رکھنے والے تھے نفلی عبادات، صدقات اور نفس کے ریاضیات میں بہت زیادہ مشغول تھے لیکن ان تمام محنتوں اور نفس کے مجاہدہ کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو مجاہدین نہیں فرمایا بلکہ مجاہدین وہی ہوئے جو کفار سے لڑنے کے لئے نکلے تھے اگر نفس سے مجاہدہ کرنے والا بھی مجاہد ہو جائے تو پھر ﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ﴾ کا کیا مطلب لیا جا سکتا ہے؟ پھر تو آیت کا مفہوم سمجھنا دشوار ہو جائے گا نیز ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ سلف صالحین نے جہاد کے متعلق جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں سب جہاد مع الکفار ہی کے حوالے سے لکھی ہیں نفس سے ریاضت کے لئے جو کتابیں لکھی ہیں ان کا نام انہوں نے کتاب الزہد رکھا ہے آج تک اسلام میں ایک کتاب بھی ایسی موجود نہیں ہے

جو کسی نے کتاب الجہاد یا فضائل الجہاد کے نام سے موسوم کر کے لکھی ہو اور اس میں نفس سے جہاد کے مباحث درج کیے ہوں ہاں البتہ نفس کی ریاضت کے لئے جو کتابیں لکھی گئیں ہیں ان کو زہد وتقویٰ وغیرہ کے نام سے موسوم کیا ہے خود عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی ایک کتاب ہے کتاب الجہاد اور دوسری کتاب الزہد ہے، دونوں کے مباحث اور مضامین الگ الگ ہیں نام بھی الگ الگ ہیں۔ لہٰذا جہاد الکفار اور چیز ہے اور ریاضۃ النفس اور چیز ہے پھر یہ سوچیں کہ تقریباً پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے میدان جہاد میں جام شہادت نوش کیا باقی سارے صحابہ نے جہاد میں حصہ لیا تو کیا ان کی زندگیاں ایک ایسے کام میں صرف ہوئیں جو شریعت میں اصغر اور کم تر درجے کا تھا۔ حاشا وکلا۔

جہاد باللسان

انواع جہاد کی ابتدا میں جو حدیث لکھی گئی ہے اس میں تیسری نوع جہاد باللسان ہے اسلام میں جہاد باللسان کی بھی بہت اہمیت ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ مشرکین سے زبانوں کے ذریعہ سے جہاد کرو حدیث کے شارحین نے جہاد باللسان کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ زبانی تقریر وتحریر سے لوگوں کو شوق جہاد دلایا جائے جہاد کے فضائل ومسائل بیان کئے جائیں، جہاد کی نظمیں پڑھی جائیں۔ اب اگر ایک آدمی ایک گھنٹہ تقریر عمامہ کی فضیلت پر کرے اور پھر کہہ دے کہ میں نے جہاد باللسان کیا تو یہ غلط ہوگا جہاد باللسان ہر وہ گفتگو ہے جس سے میدان جہاد اور مجاہدین وجہاد کو فائدہ پہنچتا ہو یہ تقریر جو عمامہ کے متعلق ہے بے شک ثواب کا کام ہے لیکن جہاد باللسان نہیں ہے کیونکہ اس سے جہاد یا مجاہد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا چنانچہ اس حدیث کی تشریح میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنے رسالۃ جہاد (صفحہ ۴۵) پر فرماتے ہیں کہ مال کا جہاد یہ ہے کہ مال کو جہاد کے کاموں میں صرف کیا جائے اور زبان کا جہاد یہ ہے کہ لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر اس پر آمادہ کریں، اور جہاد کے احکام بتائیں اور یہ بھی کہ اپنی گفتگو اور تقریر سے دشمن کو مرعوب کریں، ایسی نظمیں جن سے مسلمانوں میں جذبہ جہاد قوی ہو یا جن سے دشمنوں کی تذلیل ہو، وہ بھی اسی جہاد میں داخل ہیں جیسے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو شعراء صحابہ میں سے ہیں ان کی نظمیں جو مشرکین مکہ کے مقابلے پر کہی گئی ہیں ان کو جہاد فرمایا گیا۔ (رسالہ جہاد ص ۴۵)

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق

ایک حدیث میں آیا ہے:

﴿افضل الجهاد من قال كلمة حق عند سلطان جائر﴾

یعنی ”ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا کلمہ کہنا افضل ترین جہاد ہے۔“

اس حدیث سے یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ یہاں تو جہاد نہیں ہے پھر اس زبانی کلمہ کو افضل جہاد کیسے فرمایا؟ تو اس کی تشریح حضرت

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے کوکب الدری شرح الترمذی صفحہ ۴ جلد ۲ میں اس طرح کی ہے:

''چونکہ مجاہد دو باتوں کے درمیان ہوتا ہے یا تو جہاد کر کے کفار کو قتل کر دے گا اور مال غنیمت حاصل کرے گا اور یا خود شہید ہو کر خون میں رنگین ہو جائے گا لیکن وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق کا کلمہ بلند کرتا ہے اس کے حق میں تو یقین ہی ہے کہ مارا جائے گا (بچنے کی امید نہیں) اس لئے وہ افضل ہوا، اس کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ غازی جب کفار سے میدان میں لڑتا ہے تو موت اور حیات دونوں کا احتمال ہے لیکن یہ شخص جس نے ظالم کے سامنے حق کا کلمہ بلند کیا اس کی موت یقینی ہے لہٰذا یہ بھی جہاد بلکہ افضل جہاد ہوا۔

دعوت اسلام

امت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اسلامی احکامات کو مانتی ہے اور جتنا ہو سکتا ہے اس پر عمل کرتی ہے امت کے اس حصہ کو اصطلاح شرع میں ''امت اجابت'' کہا جاتا ہے دوسری قسم وہ ہے کہ جنہوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ اپنے کفر پر برابر قائم ہے امت کے اس حصہ کو اصطلاح شرع میں ''امت دعوت'' کہا جاتا ہے۔ جہاد سے پہلے اسلام نے جس دعوت کو ضروری قرار دیا ہے وہ دعوت صرف امت دعوت کے لئے ہے کیونکہ یہ دعوت امت اجابت میں چل ہی نہیں سکتی اس دعوت کے تین جملے ہوتے ہیں: (۱) اسلام قبول کر لو (۲) اگر اسلام قبول نہیں تو جزیہ ادا کرو (۳) اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجاہدین کو روانہ فرماتے تو ان کو انہیں چیزوں کی وصیت فرماتے چنانچہ مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث میں یہ تینوں چیزیں ترتیب کے ساتھ مذکور ہیں، میں اس حدیث کے ان ہی تین جملوں کو حدیث سے مختصر کر کے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي ضِمْنِ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ: وَإِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ. (مشکوۃ صفحہ ۳۴۱)

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں (مجاہدین کے امیر کو) اس طرح وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جب تم اپنے دشمن مشرکین سے ملو تو ان کو اسلام کی دعوت دو اگر انہوں نے قبول کر لیا تو پھر ان سے لڑائی سے باز رہو پس اگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو ان سے جزیہ ادا کرنے کا مطالبہ کرو اگر انہوں نے جزیہ قبول کر لیا تو ان سے لڑنے سے باز رہو پس اگر انہوں نے جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کیا تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور ان کفار سے لڑو۔''

(۲) وَعَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ إِلَى أَهْلِ فَارِسَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ إِلَى رُسْتَمَ وَمِهْرَانَ فِي مَلَاءِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّا نَدْعُوْكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ

كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. (مشکوۃ صفحہ ۳۴۲)

''ابووائل سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل فارس کو بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد اس طرح لکھا: ہم تمہیں اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ اسلام قبول کرلو اگر تم نے اس سے انکار کیا تو پھر تم ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرو (اگر یہ بھی نہیں) تو پھر لڑائی کے لئے تیار ہوجاؤ بیشک میرے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو راہ خدا میں موت کو اس طرح پسند کرتے ہیں جیسا کہ فارس والے شراب پینے کو پسند کرتے ہیں۔ اور جو ہدایت کو قبول کرے اس پر سلامتی ہو۔''

دعوت اسلام فقہاء کی نظر میں

جہاد سے پہلے جو دعوت واجب ہوتی ہے اور جس پر جہاد موقوف ہوتا ہے اس دعوت کے متعلق فقہاء کرام رحمہم اللہ نے الگ الگ تفصیل پیش کی ہے جس کو رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ نامی ایک معتمد کتاب نے اس طرح بیان کیا ہے۔ (عربی عبارات کے ترجمے ملاحظہ فرمائیں۔)

امام مالک رحمہ اللہ

فقہاء کرام کے ہاں دعوت کے مسئلہ میں تعبیرات میں اختلاف ہے وہ اس طرح کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہوں تو ان کو دعوت اسلام دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوس کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مانتے نہیں) اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک وشبہ دور ہوجائے۔ (رحمۃ الامۃ صفحہ ۲۹۳)

امام شافعی رحمہ اللہ

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں آج کل کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نہ کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہوں یا خزر (چیچنیا) کے پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہو تو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہئے۔ (صفحہ ۲۹۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر ان کفار تک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوت اسلام دے ورنہ جزیہ کی ادائگی کا کہے تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا تو دیت وقصاص نہیں

ہوگا (صفحہ ۲۹۳) محیط میں لکھا ہے کہ دعوت کا پہنچنا دو قسم پر ہے حقیقۃً یا حکماً اور حکماً اس طرح ہوتا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہور اور عام ہو جائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر لڑتے ہیں اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا۔ (فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۱۹۶)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول

اگر کفار کو دعوت نہیں پہنچی تو لڑنے سے پہلے دعوت واجب ہے اور اگر دعوت کسی طرح پہنچ چکی ہے تو پھر دعوت دینا مسنون و مستحب کے درجے میں ہے ہاں اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے حملہ بول دیا تو پھر دعوت ساقط ہو جائے گی۔

(الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ ۲۱۳)

صاحب ترمذی کا قول

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت الی الاسلام والی روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام کی یہ رائے تھی کہ دعوت سے پہلے کفار سے جنگ نہ کی جائے جنگ سے پہلے دعوت دی جائے کیونکہ اس سے دشمن مرعوب ہو جائے گا لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ آج کل کفار کو دعوت دینے کی ضرورت نہیں ہے امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی کو دعوت دینا ضروری ہے۔ (ترمذی کتاب الجہاد)

صاحب درمختار کا قول

فقہ کی دوسری کتابوں اور خاص کر درمختار میں دعوت کا مسئلہ اس طرح لکھا گیا ہے کہ اگر ہم نے کفار کا محاصرہ کر لیا تو ہم ان کو پہلے اسلام کی طرف بلائیں گے اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو بہت اچھا ورنہ پھر جزیہ دینے کی طرف بلائیں گے اگر انہوں نے جزیہ قبول کر لیا تو پھر ہم اور وہ قانون اسلام اور قانون انصاف کے سامنے یکساں ہوں گے اور جن کفار تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو ان سے قبل از دعوت لڑنا جائز نہیں ہے لیکن جن کفار تک دعوت پہنچی ہو تو ان کو پھر دعوت دینا مستحب ہے ہاں اگر اس دعوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر دعوت نہیں دی جائے گی اگر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا تو پھر ہم اللہ کا نام لے کر ان سے لڑیں گے۔ منجنیق (راکٹ لانچر، بھاری توپ خانہ) سے ان پر گولہ باری کریں گے، آگ سے انہیں جلائیں گے یا پانی میں ڈبو دیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کو بھی تباہ کریں گے۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ کا قول

وَلَایَجُوْزُ اَنْ یُّقَاتَلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْهُ الدَّعْوَةُ اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا اَنْ یَدْعُوْهُ لِقَوْلِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ وَصِیَّةِ

أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ: فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. وَيَسْتَحِبُّ أَنْ يَدْعُوَا مَنْ بَلَغَتْهُ الدَّعْوَةُ مُبَالَغَةً فِي الْإِنْذَارِ وَلَا يَجِبُ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّوْنَ وَعَهِدَ إِلَى أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنْ يُغِيْرَ عَلَى "أُبْنَى" صَبَاحًا ثُمَّ يُحَرِّقَ وَالْغَارَةُ لَا يَكُوْنُ بِدَعْوَةٍ. (هدایه جلد ۱ صفحه ۵۶۰)

''صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ''ان کفار کو پہلے کلمۂ شہادت کی دعوت دیا کرو'' اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا صرف مستحب ہے تاکہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہو جائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مار کر حملہ بول دیا تھا کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقہ ''اُبنٰی'' کے لوگوں پر چھاپہ مار کارروائی کرو اور پھر علاقہ میں آگ لگا دو۔ (ظاہر ہے) کہ چھاپہ مار کر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہو سکتی ہے''۔

فائدہ ! صاحب ہدایہ کی مندرجہ بالا عبارت کی طرح قدوری میں بھی اور کنز الدقائق میں بھی اسی طرح مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور شرح وقایہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے اس کے علاوہ فقہ کی دوسری چھوٹی بڑی کتابوں میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح موجود ہے لہٰذا مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ جہاد سے پہلے اس دعوت کو دیا کریں ہاں اگر مجاہدین دفاعی جنگ لڑ رہے ہوں تو پھر یہ دعوت ساقط ہو جائے گی اور جہاں دعوت پہنچی ہے وہاں بھی یہ دعوت صرف مستحب ہے اگر حالات موافق ہیں تو اس مستحب پر عمل کریں ورنہ مستحب کا چھوڑنا کوئی گناہ نہیں۔

دعوت کے فوائد

فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے دعوت کے چند فوائد کا بھی ذکر کیا ہے پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اگر کفار نے بات مان لی اور اسلام قبول کر لیا تو مقصد حاصل ہو جائے گا اور مسلمان لڑائی کی مشکلات سے بچ جائیں گے۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دعوت دینے سے کفار کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ مسلمان صرف ملک گیری یا اموال اکٹھا کرنے اور عورتوں بچوں کو قید کرنے کے لئے نہیں لڑ رہے بلکہ یہ لوگ اسلام اور اس کے نظام کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب کفار دعوت اسلام کو ٹھکرائیں گے تو پھر ان کا مقابلہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شروع ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے پر آئیں گے ضرور شکست کھائیں گے۔ اور چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اسلام کا ایک حکم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ زندہ رہے گا۔ مشکوۃ شریف کی کتاب الجہاد کی

ابتدائی مباحث میں یہ چند صفحات کی بحث میں نے اپنی تالیف ''دعوت جہاد'' سے نقل کر کے یہاں لکھدیا ہے تاکہ جہاد کے مفہوم پر کچھ روشنی پڑ جائے اب احادیث کی روشنی میں جہاد کے موضوع سے متعلق احادیث پڑھئے اور آگے بڑھئے۔

نوٹ: الحمدللہ توضیحات جلد سادس کے مسودہ کی تحریر کا آغاز ۲۹ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۷ جون ۲۰۰۵ء میں افریقہ زامبیا کے سفر کے دوران لوسا کا شہر میں مفتی محمد ایوب بوبات صاحب کے گھر میں قیام کے موقع پر ہوا۔ (فضل محمد)

الفصل الاول

جہاد افضل ترین عمل ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ جَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ جَلَسَ فِيْ أَرْضِهِ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا قَالُوْا أَفَلَا نُبَشِّرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا بَيْنَ الدَّرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْأَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے ذریعہ دنیا میں بھیجی (یعنی شریعت) پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر (از راہ فضل و کرم حسب اپنے وعدے کے) واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ اللہ تعالیٰ کی راہ جہاد کرے اور خواہ اپنے وطن و گھر میں جہاں پیدا ہوا ہے بیٹھا رہے'' صحابہؓ نے سن کر عرض کیا کہ ''لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنادیں؟'' آنحضرت نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ لہذا جب تم اللہ سے (جہاد پر درجہ عالی) مانگو تو فردوس کو مانگو کیونکہ وہ (فردوس) اوسط جنت ہے (یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر و افضل ہے) اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر خدا کا عرش ہے (گویا وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں (یعنی جو چار چیزیں جنت کی نہروں کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد۔ وہ جنت الفردوس ہی سے جاری ہوتی ہیں۔ (بخاری)

توضیح

''وصام رمضان'' اس حدیث میں صلوۃ وصوم کا ذکر کیا گیا ہے زکوۃ اور حج وغیرہ عبادات کا ذکر نہیں ہے یہاں دونوں

عبادات کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔
''او جلس فی بیته'' گھر میں بیٹھے رہے اور جہاد پر نکلنے میں یہ اختیار اس وقت ہوتا ہے جب جہاد فرض کفایہ کے درجہ میں ہو، اگر جہاد فرض عین کے درجہ میں ہو جائے یا امیر المؤمنین کی طرف سے نفیر عام یعنی نکلنے کا عمومی اعلان ہو جائے اس وقت جہاد میں نکلنا ہی ہوگا۔ بہر حال دخول جنت سے یہاں دخول اولی مراد ہے۔
''قالوا'' صحابہ میں سے یہ سوال حضرت معاذ بن جبلؓ نے کیا تھا آپ نے جب سنا کہ جہاد کرنے کے بغیر بھی جنت میں جانا ممکن ہے تو آپ نے اس سہولت کی خوشخبری کو عام کرنے کی درخواست کی اس پر نبی پاکؐ نے جواب میں فرمایا کہ لوگوں کو چھوڑ دو تا کہ جہاد کے عمل میں لگے رہیں کیونکہ جنت کے عالیشان درجات جہاد سے حاصل ہونگے۔
ترمذی کی حدیث میں اس طرح الفاظ ہیں ''قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَرِ النَّاسَ يَعْمَلُوْنَ فَاِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ'' الخ.
''اوسط'' یہ لفظ افضل، اوسع اور عمدہ تر کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔
''عرش الرحمن'' جنت فردوس کی چھت عرش کا فرش ہے۔ (مرقات)

ایمان کے بعد جہاد افضل عمل ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ روزہ رکھنے والا نماز اور عبادات کرنے والا جو روزہ رکھنے اور نماز پڑھنے (یعنی عبادات میں منہمک رہنے) سے کبھی نہیں تھکتا، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اپنے گھر واپس آجائے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''مثل المجاهد'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ایک صحابی کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی ہے اس نے مجاہد فی سبیل اللہ کے درجات پانے کی درخواست کی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک خاتون نے بھی درخواست کی تھی کہ میرا شوہر جہاد میں گیا ہے میں ایسا عمل کروں کہ جنت میں ان کے درجات کے برابر درجہ پاؤں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں ہے ہاں اگر کوئی آدمی ایسا کر سکتا ہے کہ رات بھر نمازیں پڑھے اور دن بھر روزہ رکھے اور اس کا ایک لمحہ عبادت سے خالی نہ گذرے وہ مجاہد کا رتبہ پا سکتا ہے کیونکہ مجاہد کے بھی تمام لمحات عبادت میں شمار ہوتے ہیں اور ایسا عمل کوئی نہیں کر سکتا ہے لہذا مجاہد کا رتبہ کوئی نہیں پا سکتا۔ یہ تعلیق بالمحال ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد تمام اعمال سے افضل

ہے جیسا کہ مشکوۃ کی حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قِیْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ" ۔ (کتاب الحج ص۲۲۳)

بخاری شریف میں ایک حدیث ہے "جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ یَعْدِلُ الْجِهَادُ قَالَ لَااَجِدُهٗ.

ابن ھمامؒ نے فتح القدیر میں اس پر طویل کلام کیا ہے کہ آیا جہاد افضل ہے یا نماز افضل ہے۔ دونوں کے افضل ہونے پر احادیث موجود ہیں بعض علماء نے جہاد کو ایمان کے بعد افضل قرار دیا ہے لیکن اکثر علماء نے نماز کو جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف سائلین کے سوال کے جواب میں ان کے احوال کے مطابق جواب دیا ہے جس کے مناسب جہاد تھا اس کے لئے جہاد کو افضل قرار دیا باقی کے لئے نماز کو افضل قرار دیا۔ بعض علماء نے اس طرح بہتر تطبیق کی ہے کہ جب جہاد فرض عین ہو تو یہ تمام اعمال سے مطلقاً افضل ہے لیکن جب جہاد فرض کفایہ ہو تو نماز مطلقاً افضل ہے۔

علامہ ابن ھمام کی عبارت میں ایک نایاب حدیث بھی مذکور ہے فرمایا۔ وَاَمَّا قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ "اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ" فَدَلِیْلٌ عَلٰی وُجُوْبِهٖ وَاَنَّهٗ لَایُنْسَخُ۔ (مرقات ص۳۴۹ ج۷)

"لایفتر" ای لایسئام ولایمل من العبادۃ "نہ عبادت سے تھکے نہ اکتائے یہ صیغہ باب نصر سے ہے۔

مجاہد ہر حال میں کامیاب ہے

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنْتَدَبَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِهٖ لَایُخْرِجُهٗ اِلَّا اِیْمَانٌ بِیْ وَتَصْدِیْقٌ بِرُسُلِیْ اَنْ اُرْجِعَهٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَةٍ اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہو گیا، اس کو (جہاد کے لئے) مجھ پر اس کے ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق کے علاوہ اور کسی نے نہیں نکالا (یعنی اس کا جہاد میں جانا دکھاوے سنانے کے لئے یا دنیا کی کسی طلب وخواہش کے پیش نظر نہیں بلکہ وہ محض میری رضا وخوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلا ہے) تو میں اس کو (یا تو بغیر غنیمت کے محض) آخرت کے اجر وثواب کے ساتھ یا مال غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا اور یا (اگر شہید ہو گیا تو) میں اس کو (بغیر حساب وعذاب کے سب سے پہلے جنت میں جانے والوں کے ساتھ، جنت میں داخل کروں گا (بخاری ومسلم)

توضیح

''انتدب'' اس لفظ کا آسان ترجمہ تکفل اور تضمن ہے جو کفالت وضمانت کے معنی میں ہے''من اجر او غنیمة'' یعنی یا صرف ثواب لیکر آئے گا مال غنیمت نہیں ہوگا یا صرف غنیمت لیکر آئے گا۔ اس طرز بیان سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اگر غنیمت حاصل ہوگئی تو پھر اجر نہیں ملے گا حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں''او'' کا لفظ مانعة الخلو کے طور پر ہے کہ دو چیزوں سے خالی ہو کر مجاہد واپس نہیں آئے گا یا ثواب ہوگا یا مال غنیمت ہوگا ہاں اگر دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو مضایقہ نہیں ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ''او'' کا لفظ تنویع کے لئے ہے یعنی یہ نوع بھی ملے گی وہ نوع بھی ملے گی ایک نسخہ میں''او'' نہیں بلکہ واؤ ہے پھر تو کوئی اشکال نہیں ہے۔

''او ادخله الجنة'' اس عبارت میں بھی''او'' کا لفظ ہے یہاں''او'' مانعة الجمع کے لئے ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کو اللہ تعالیٰ کبھی زندہ واپس لوٹاتا ہے تو وہ ثواب اور غنیمت لیکر آتا ہے اور اگر زندہ واپس نہ کیا بلکہ شہادت دیدی تو پھر اس کو جنت میں داخل فرمائے گا یہاں غنیمت اور شہادت دونوں اکٹھے نہیں ہوسکتے، الگ ہوسکتے ہیں۔

نبی پاکؐ نے ہر جنگ میں شریک ہونے اور شہید ہونے کی تمنا فرمائی

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَطِيْبُ أَنْفُسُهُمْ أَنْ يَتَخَلَّفُوْا عَنِّيْ وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ ثُمَّ أُحْيٰى ثُمَّ أُقْتَلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خوف ولحاظ نہ ہوتا کہ بہت سے (وہ) مسلمان (جو مفلس نادار ہیں) اپنے بارے میں اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ وہ مجھ سے پیچھے اور مجھ سے جدا رہیں اور مجھے ایسی کوئی سواری میسر نہیں ہے جس پر ان سب کو سوار کردوں تو میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کسی بھی لشکر سے پیچھے نہ رہتا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری خواہش وتمنا تو یہی ہے کہ میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں (یعنی بار بار زندہ کیا جاؤں اور بار بار مارا جاؤں تاکہ ہر بار نیا ثواب پاؤں)۔ (بخاری ومسلمؒ)

توضیح

''والذی نفسی بیدہ'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ۲۷ جنگوں میں حصہ لیا ہے بعض میں جنگ نہیں ہوئی بعض میں ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵۶ چھاپہ مار دستے جہاد پر بھیجے ہیں یہ کل ۸۳ جنگیں بنتی ہیں گویا دس سالہ مدنی دور میں اوسطاً فی سال آٹھ جنگوں سے کچھ زیادہ ہوئی ہیں اس پورے عرصے میں طرفین کے ایک ہزار اٹھارہ آدمی مارے گئے ہیں ۲۵۹ صحابہ کرام شہید ہوئے ہیں اور ۷۵۹ کفار ہلاک ہوئے۔ اس کے بعد جا کر جزیرۂ عرب کفر کے چنگل سے آزاد ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ شہادت اتنا بلند تھا کہ آپ نے ہر معرکہ میں جانے اور شہید ہونے کی تمنا فرمائی لیکن آپ چند معرکوں میں خود اس لئے شریک نہ ہو سکے کہ پیچھے مدینہ منورہ میں کچھ نادار لوگ تھے جو بوجہ فقر وفاقہ اور عدم وسائل جہاد پر نہیں جا سکتے تھے ادھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اتنے وسائل نہیں تھے کہ ان سب کو سواریاں فراہم فرماتے اگر نبی پاک ان کو مدینہ میں چھوڑ کر خود جہاد پر چلے جاتے تو ان بیچاروں کو دو غم لاحق ہو جاتے ایک تو جہاد پر نہ جانے کا غم ہوتا دوسرا آنحضرت کی جدائی کا غم ہوتا اس وجہ سے آپ نے فرمایا کہ کبھی میں ان کے ساتھ پیچھے رہ جاتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کے بعد پھر زندہ ہونے کی تمنا اس لئے فرمائی ہے کہ اس سے مزید شہادت کا موقع ملتا ہے اور شہادت جہاد کرنے پر موقوف ہے تو درحقیقت یہاں جہاد کرنے کی تمنا ہے چونکہ جہاد اشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد غلبۂ دین اور اشاعت اسلام تھا اس لئے آپ نے بار بار شہادت اور جہاد کی تمنا فرمائی ہے تاکہ عالم فساد سے خالی ہو جائے اور دین غالب آ جائے۔

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں جہاد کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں کہ

''اَلْجِهَادُ اِخْلَاءُ الْعَالَمِ عَنِ الْفَسَادِ وَهُوَ دَعْوَتُهُمْ اِلَى الدِّيْنِ الْحَقِّ وَقِتَالُهُمْ اِنْ لَّمْ يَقْبَلُوْا. (مرقات)

یعنی دنیا کو فساد سے خالی کرنے اور کفار کو دین اسلام کی دعوت دینے اور قبول نہ کرنے کی صورت میں ان سے لڑنے کا نام جہاد ہے۔

اسلامی سرحدات پر پہرہ دینے کے فضائل

﴿۵﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی راہ میں ایک دن کی چوکیداری دنیا سے اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح

''رباط یوم'' یا رجاط ہے جو باندھنے کے معنی میں آتا ہے کیونکہ سرحدات اسلامیہ پر پہرہ دینے والا شخص بھی اپنے گھوڑے اور اپنے آپ کو سرحد پر باندھ کر پہرہ دیتا ہے قرآن کی آیت ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اور آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ سے رباط ماخوذ ہے۔احادیث میں رباط کی بڑی فضیلتیں مذکور ہیں۔

اسلامی ملک کی سرحدات پر پہرہ دینے اور کفار کی سرحدات پر نظر رکھنے کا نام رباط ہے۔یہاں احادیث میں ایک لفظ ''حراسۃ'' کا بھی آیا ہے جو چوکیداری کے معنی میں ہے حراسہ اور رباط میں اتنا فرق ہے کہ حراسہ اس چوکیداری کو کہتے ہیں جو اندرون ملک میں ہو اور رباط اس پہرہ کو کہتے ہیں کہ جو کافر ملک کی سرحدات پر نگاہ رکھنے اور اسلامی ملک کی سرحدات کی حفاظت کے لئے ہو لہٰذا دو مسلمان ملکوں کے درمیان سرحدات پر جو پہرہ دیا جاتا ہے رباط کی فضیلت اس کو حاصل نہیں ہے اسی طرح تبلیغی اجتماعات میں چوکیداری کرنے پر رباط کی احادیث کو چسپاں کرنا جائز نہیں ہے۔اس کے لئے حراسہ کی احادیث کی فضیلت حاصل ہوسکتی ہے لغوی طور پر رباط کا اطلاق کبھی کبھی دیگر اعمال پر بھی ہوا ہے مگر وہ اصطلاحی رباط نہیں ہے رباط کی پوری تفصیل میری کتاب ''دعوت جہاد'' میں موجود ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔

''من الدنیا'' اس جملہ کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی تمام نعمتوں اور اس کے سارے ساز و سامان سے رباط میں ایک دن کا پہرہ بہتر ہے کیونکہ آخرت کا ثواب باقی ہے دنیا کی نعمتیں فانی ہیں۔دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا کی ساری دولت کو اگر اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائے اور بڑا ثواب مل جائے رباط میں ایک دن کا ثواب اس سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔اس طرح کا جملہ جہاں بھی استعمال ہوا ہو اس کے بھی یہی دو مفہوم بیان کئے جاسکتے ہیں جس طرح آنے والی حدیث میں یہی جملہ آیا ہے۔

سبیل اللہ کا مطلب کیا ہے؟

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا　مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایک صبح کے لئے یا ایک شام کے لئے خدا کی راہ میں (شرکت جہاد کی غرض سے) جانا دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے۔　(بخاری و مسلم)

توضیح

"لـغـدوۃ" صبح کے وقت سفر کرنے کو غدوۃ کہتے ہیں اور شام کے وقت سفر کرنے کو "روحۃ" کہتے ہیں ان دو اوقات کا خصوصی طور پر ذکر اس لئے کیا گیا کہ عام طور پر پہلے زمانے میں جنگ انہیں دو اوقات میں لڑی جاتی تھی کیونکہ ان اوقات میں گرمی کی شدت نہیں ہوتی تھی اور ظہر کے بعد نصرت الٰہی کی ہوائیں چلتی ہیں اس لئے جہادی معرکوں کے لئے ان دو وقتوں کو منتخب کیا گیا۔ تبلیغی حضرات اس حدیث کو اپنے گشتوں کے لئے بیان کرتے ہیں ان کو احتیاط کرنا چاہئے گشت کا عمل ابتداء میں حضرت مولانا الیاسؒ کو بھی معلوم نہ تھا بعد میں معلوم ہوا صحابہ کو گشت کا کیا علم؟۔

"فی سبیل اللّٰہ" اللہ تعالیٰ کی راہ سے جہاد کا راستہ اور جہاد میں شرکت کرنا مراد ہے۔

علامہ ابن حجرؒ فتح الباری میں سبیل اللہ کی شرح میں لکھتے ہیں "ای الجھاد"۔

قرآن عظیم میں یہ لفظ بار بار آیا ہے قرآن پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سبیل اللہ کا لفظ تین طرح استعمال کیا گیا ہے اس کا پہلا اطلاق اور استعمال جہاد کے لئے ہوا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ یہ لفظ خاص ہے جیسے "یـقـاتـلـون فـی سبیـل الـلـہ۔ یجاھدون فی سبیل اللہ" اور اس قسم کی دیگر آیتیں ہیں یہ جہاد کے ساتھ خاص ہیں اور صریح طور پر قرآن میں "سبیل اللہ" کا لفظ ۳۶ مقامات میں مذکور ہے۔

اس لفظ کا دوسرا اطلاق اور استعمال عموم کے طور پر مطلق دین کے لئے ہوا ہے جو دین کے تمام شعبوں کے لئے عام ہے کسی شعبہ کے ساتھ خاص نہیں جیسے "یـصـدون عـن سبیل اللہ" آیت ہے اور اس کے علاوہ دیگر آیتیں ہیں صریح طور پر قرآن عظیم میں یہ لفظ ۲۵ مقامات میں مذکور ہے۔ اس لفظ کا تیسرا اطلاق مشترک طور پر ہوا ہے کبھی انفاق فی سبیل اللہ میں استعمال ہوا ہے کبھی جہاد میں استعمال ہوا ہے اور کبھی مطلق دین کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسے "وانـفـقـوا فـی سبیـل الـلـہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" والی آیت ہے صریح طور پر قرآن میں یہ لفظ سات مقامات میں استعمال ہوا ہے۔

علامہ نووی نے واضح طور پر "الـمـجـمـوع" میں لکھا ہے کہ سبیل اللہ کا پہلا مصداق جہاد فی سبیل اللہ ہے ابن دقیق العید نے بھی اسی طرح لکھا ہے اور ابن حزم اندلسی نے المحلی میں اسی طرح تحقیق فرمائی ہے۔

امام احمد بن حنبل اور امام محمدؒ نے سبیل اللہ کے مفہوم میں ایک حدیث کی وجہ سے حاجیوں اور علم دین کے طلباء کو بھی داخل مانا ہے۔ صاحب ہدایہ نے کتاب الزکوۃ میں وفی سبیل اللہ کی تشریح میں لکھا ہے "ای الـمـنـقـطـع الغزاۃ لانہ المتناھم عـنـد الاطلاق" یعنی جب فی سبیل اللہ مطلق استعمال ہو جائے تو اس کا پہلا مصداق مجاہدین ہیں۔ مشکوۃ شریف میں کتاب الجہاد میں یہ لفظ تقریباً (۹۰) نوے بار آیا ہے جو جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ لفظ فی سبیل اللہ کے

مفہوم کو نہ زیادہ تنگ رکھے اور نہ زیادہ وسیع کرے۔ سبیل اللہ کو اہل تبلیغ اپنے کام کے ساتھ خاص کرتے ہیں جو غلط ہے۔

فضائل رباط فی سبیل اللہ کی چند احادیث

﴿۷﴾وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ وَاِنْ مَاتَ جَرٰى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهُ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ وَاَمِنَ الْفَتَّانَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جہاد میں ایک دن اور ایک رات چوکیداری کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے روزے اور شب بیداری سے بہتر ہے اور اگر وہ چوکیدار اس خدمت کی انجام دہی کے دوران مر جائے تو وہ جس نیک عمل پر عامل تھا اس کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ہمیشہ پہنچتا رہے گا اور اس کے لئے (جنت کے طعام و شراب سے) اس کا رزق جاری کر دیا جاتا ہے اور وہ شیطان یا دجال کے مکر و فریب اور قبر میں عذاب کے فرشتے کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔'' (مسلم)

توضیح

''وامن الفتان'' اس حدیث میں ایک بات یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دن اور ایک رات کا پہرہ اللہ کے راستے جہاد میں ایک ماہ کے دن بھر روزہ اور رات بھر تہجد سے افضل ہے دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ مرابط کا نیک عمل جو دنیا میں وہ کر رہا تھا مرنے کے بعد اس کا ثواب منقطع نہیں ہوگا بلکہ جاری رہیگا اسی طرح اس کے مرنے کے بعد قبر میں جنت سے نعمتوں کی صورت میں رزق جاری ہو جائے گا۔ تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ مرابط فی سبیل اللہ عذاب قبر کے فتنہ سے محفوظ رہیگا۔

فتــــان کے لفظ میں فاپر فتحہ اور ضمہ دونوں ہے اور تاپر شد ہے اس سے عذاب قبر کا فتنہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور دجال کا فتنہ بھی لیا جاسکتا ہے اور شیطان کا فتنہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

بعض شارحین نے اس لفظ کو جمع کا صیغہ قرار دیا ہے جس کا مفرد فاتن ہے اور اس سے جہنم کے داروغہ کا فتنہ مراد لیا ہے۔

بہر حال جب مرابط اتنے بڑے فتنوں سے محفوظ رہیگا تو چھوٹے فتنے کچھ نہیں ہونگے۔

جہاد کے راستے کا غبار

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِيْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوعبسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس بندے کے پاؤں خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں

گردآلود ہو جاتے ہیں تو پھر اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوتی۔" (بخاری)

توضیح

"مااغبرت" اللہ تعالیٰ کے راستے جہاد میں ایک مجاہد کا سب سے زیادہ مٹی اور غبار سے واسطہ پڑتا ہے اور یہی چیز مجاہد کی نجات کا ضامن ہے کبھی تو سر سے پیروں تک مجاہد غبار میں اٹا پڑا رہتا ہے اس سے راہ جہاد کی تمام مشقتوں کی طرف بھی اشارہ ہے جب ان مشقتوں پر اتنا ثواب ملتا ہے تو جان کی بازی لگانے اور زخم کھانے یا گرفتار ہونے کا کیا ثواب ہوگا۔ سبحان اللہ! تبلیغ والے اس فضیلت کو اپنے لئے بیان کرتے ہیں ان کو چاہئے کہ پہلے اس کو جہاد کے لئے بیان کریں پھر اپنے آپ کو اس میں داخل کریں مفت میں تحریف نہ کریں۔

جہاد میں کافر کو مارنے کا ثواب

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَجْتَمِعُ كَافِرٌ وَقَاتِلُهُ فِي النَّارِ أَبَدًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کافر اور اس کو مارنے والا (مسلمان) کبھی بھی دوزخ میں یکجا نہیں ہو سکتے ہیں"۔ (مسلم)

توضیح

"لایجتمع" جہاد کرنے اور کافروں سے لڑنے اور انہیں قتل کرنے کی ترغیب اس حدیث میں دی گئی ہے کیونکہ جو آدمی جہاد میں جاتا ہے تو کسی کافر کو قتل کرنے کی نوبت بھی آجاتی ہے اگر کسی نے اس طرح کافر کو مار دیا تو کافر دوزخ میں جائے گا اور مجاہد جنت میں جائیگا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس قتل کی وجہ سے مجاہد دوزخ میں جائے اور دونوں دوزخ میں اکٹھے ہو جائیں۔ قرآن عظیم میں ۹۷ صیغے ایسے استعمال ہوئے ہیں جن میں کافروں سے قتال کرنے کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے قرآن عظیم کے حکم کو دیکھ کر صحابہ کرام نے کافروں کو قتل کرنے کا ثواب کمایا ہے بعض میدانوں میں ایک ایک لاکھ کفار کو واصل جہنم کیا ہے قرآن کریم کے حکم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر صحابہ کرام نے کفار کو قتل کیا ہے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے میدان میں ایک کافر کو قتل کیا ہے جس کا نام ابی بن خلف تھا۔ لہٰذا یہ فلسفہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ کفار کو قتل نہ کرو کیونکہ وہ دوزخ میں چلے جائیں گے یہ گویا قتل کرنے والے نے اس کو دوزخ میں پہنچا دیا۔ ان سے گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ رحم کرنے والے نہ بنو خراب ہو جاؤ گے۔ بہر حال اس حدیث میں کافر کو میدان جنگ میں قتل کرنے والے مسلمان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

مسلمانوں کی بہترین زندگی کونسی ہے؟

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَيْرِ مَعَاشِ النَّاسِ لَهُمْ رَجُلٌ مُمْسِكٌ عِنَانَ فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَطِيْرُ عَلٰى مَتْنِهٖ كُلَّمَا سَمِعَ هَيْعَةً أَوْ فَزْعَةً طَارَ عَلَيْهِ يَبْتَغِي الْقَتْلَ وَالْمَوْتَ مَظَانَّهٗ أَوْ رَجُلٌ فِيْ غُنَيْمَةٍ فِيْ رَأْسِ شَعَفَةٍ مِنْ هٰذِهِ الشَّعَفِ أَوْ بَطْنِ وَادٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَوْدِيَةِ يُقِيْمُ الصَّلَاةَ وَيُؤْتِي الزَّكَاةَ وَيَعْبُدُ رَبَّهٗ حَتّٰى يَأْتِيَهُ الْيَقِيْنُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ إِلَّا فِيْ خَيْرٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو خدا کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہو اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور اس خوفزدہ یا فریاد رس کی آواز کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے جہاں موت کا گمان ہو یا بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر یا ان وادیوں میں سے کسی ایک وادی میں اقامت گزین ہے اور نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اپنے پروردگار کی عبادت و بندگی میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اسکو موت آ جائے اور یہ شخص انسانوں کے بکھیڑوں میں شریک نہیں ہے بلکہ صرف بھلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔" (مسلم)

توضیح

"معاش" یہ عیش سے ہے جو زندگی کے معنی میں ہے یعنی انسان کی بہترین زندگی "لھم" یعنی جو زندگی اس انسان کے فائدہ کے لئے ہو اس کے لئے وبال نہ ہو "رجل" ای معاش رجل، مضاف محذوف ہے "عنان" لگام کو عنان کہتے ہیں "یطیر" اڑنے کو کہتے ہیں یہاں مراد تیز دوڑنا ہے گویا اڑ رہا ہے شاعر حماسی کہتا ہے۔

قوم اذا الشر ابدی ناجذیہ لھم
طاروا الیہ زرافات ووحدانا

"ھیعۃ" گھبراہٹ میں فریاد کی آواز کو ھیعۃ کہتے ہیں "او فزعۃ" انتہائی خوف کے وقت مدد و نصرت کے لئے بلانے کو فزعہ کہتے ہیں "او" تنویع کے لئے ہے دونوں کا معنی قریب قریب ہے خوفزدہ فریاد رس آدمی مراد ہے۔

"مظانہ" یہ لفظ موت کے لفظ سے بدل بھی ہو سکتا ہے مگر "یبتغی" کے لئے اگر ظرف ہو جائے تو معنی زیادہ واضح ہو گا یعنی جہاں موت کا گمان ہو ایسے مقامات میں موت کو تلاش کر رہا ہے۔ "مظانہ" مظنۃ، کی جمع ہے اور ضمیر مفرد اس لئے لائے ہیں کہ ہر ایک کی طرف راجع ہے یا اقرب کی طرف ضمیر لوٹتی ہے جو موت ہے۔

"او رجل" ای او معاش رجل ،یعنی دوسرے اس شخص کی زندگی بہترین زندگی ہے۔

"غنیمة" یہ غنم کی تصغیر ہے تقلیل کے لئے ہے یعنی بکریوں کے ایک ٹکڑے میں ہے۔ " شعفة" شین اور عین اور فا پر فتحہ ہے پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں۔

"یوتی الزکاة" یعنی اگر مالدار صاحب نصاب ہے تو زکوۃ بھی ادا کرتا ہے "الیقین" اس سے موت مراد ہے۔

"لیس من الناس" یعنی نہ لوگوں کو خود ایذا دیتا ہے اور نہ لوگوں کے شر میں اپنے آپ کو مبتلا کرتا ہے۔اس حدیث سے ایک یہ تعلیم ملتی ہے کہ دشمنان اسلام کے مقابلے کے لئے ہر وقت مؤمن کو تیار رہنا چاہئے اور جہاد کے راستے میں جان کو ہتھیلی پر رکھنا چاہئے۔حدیث سے دوسری تعلیم یہ ملی کہ شر وفساد اور فتن ومحن کے وقت آدمی کو چاہئے کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے سہولت والی زندگی کو چھوڑ کر لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر گمنامی اور گوشہ نشینی اور فقر وفاقہ اور مشقت والی زندگی اختیار کرے گوشہ نشینی اور عوام الناس سے الگ زندگی گذارنا اس وقت افضل ہے جب دین وایمان کا خطرہ لاحق ہو ورنہ عام احوال میں لوگوں کے اندر رہنا اور ان کی اصلاح کی فکر کرنا اور ان کی مشقتوں کو برداشت کرنا افضل ہے تمام انبیاء واولیاء اور علماء کا یہی معمول رہا ہے۔

مجاہد کو جہاد پر بھیجنا بھی جہاد ہے

﴿۱۱﴾وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِيًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ أَهْلِهِ فَقَدْ غَزَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا سامان درست کیا اس نے گویا جہاد ہی کیا (یعنی وہ بھی جہاد کرنے والوں کے حکم میں داخل ہے اور جہاد کے ثواب میں شریک ہے۔اور جو شخص کسی غازی ومجاہد کا اس کے اہل وعیال کے لئے نائب وخلیفہ بنا (یعنی جو شخص کسی غازی ومجاہد کے جہاد میں چلے جانے کے بعد اس کے اہل وعیال کا خدمت گذار اور نگہبان بنا۔اس نے بھی گویا جہاد کیا۔(بخاری ومسلم)

توضیح

"جهز" یہ تجهیز سے ہے کسی کو تیار کر کے جہاد پر روانہ کرنے کے معنی میں ہے۔تیار کرنا یہ ہے کہ اس کو جہاد کی ترغیب دی پھر اس کو کرایہ دیا اسلحہ دیا راستہ کا خرچہ دیا "خلف" یعنی مجاہد جب جہاد پر گیا اور پیچھے اس کے گھر کی نگرانی کسی نے کی اور ان کے اہل وعیال کا خیال رکھا تو ایسے شخص کو بھی جہاد کا ثواب ملتا ہے۔

مجاہدین کی عورتوں کا احترام لازم ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُرْمَةُ نِسَاءِ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ كَحُرْمَةِ أُمَّهَاتِهِمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ مِنَ الْقَاعِدِيْنَ يَخْلُفُ رَجُلًا مِنَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ أَهْلِهِ فَيَخُوْنُهُ فِيْهِمْ إِلَّا وُقِفَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَأْخُذُ مِنْ عَمَلِهِ مَا شَاءَ فَمَا ظَنُّكُمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مجاہدین کی عورتوں کی عزت و حرمت بیٹھے والوں (یعنی جہاد کے لئے نہ جانے والوں) پر اسی طرح لازم ہے جس طرح کہ خود ان کی ماؤں کی عزت و حرمت ان پر لازم ہے لہٰذا (یاد رکھو) بیٹھے والوں یعنی جہاد میں نہ جانے والوں میں سے جو شخص کسی مجاہد کا اس کا اہل و عیال کیلئے نائب و خلیفہ بنا یعنی ان کا نگران بنا اور پھر اس نے اس (مجاہد) کے اہل و عیال اور مال میں خیانت کی تو اس کو قیامت کے دن اس مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائیگا اور مجاہد اسکے (نیک) اعمال میں سے جسقدر چاہے گا لے لیگا، ایسی حالت میں تمہارا کیا خیال ہے؟" (مسلم)

توضیح

"**الا وقف له**" یعنی اس خیانت کرنے والے کو مجاہد کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور وہ اس کی جتنی نیکیاں لینا چاہیگا لے سکے گا "**فما ظنکم**" یعنی تمہارا کیا خیال ہے کہ قیامت کے دن اس ضرورت کے موقع پر مجاہد اس کی کسی نیکی کو چھوڑ یگا؟ نہیں بلکہ سب کچھ لے لے گا یا اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ خائن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تمام نیکیاں مجاہد کو دلوائے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہیں کوئی شک ہے؟ ایسا خیال اور شک نہ کرو۔

بہر حال اس حدیث میں مجاہدین کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے جس کا دائرہ اس کے خاندان اور کنبہ تک پھیلتا جا رہا ہے کہ مجاہدین کی بیویوں کا احترام عام مسلمانوں پر اس طرح لازم ہے جس طرح اپنی ماؤں کا احترام لازم ہے حدیث کی اس تعلیم کے بعد ہر مسلمان کو سوچنا چاہئے کہ ان کے قول و فعل سے اگر کسی مجاہد کی تحقیر و توہین ہوگئی تو وہ جرم کتنا سنگین ہوگا جب مجاہدین کی بیویوں کا یہ مقام ہے تو خود مجاہدین کا کیا مقام ہوگا؟

جہاد میں مالی مدد کرنے کی عظیم فضیلت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ بِنَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ فَقَالَ هٰذِهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُمِائَةِ نَاقَةٍ كُلُّهَا مَخْطُوْمَةٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن دربار نبوت میں) ایک شخص نکیل پڑی ہوئی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ اللہ کی راہ کے لئے ہے یعنی میں اس اونٹنی کو اللہ کی رضا کے لئے جہاد میں پیش کرتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ''(میں تمہاری اس پیشکش کو بہ تحسین قبول کرتا ہوں اور تمہیں یہ بشارت دیتا ہوں کہ (اس کے بدلے میں قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور سب کی نکیل پڑی ہوگی۔'' (مسلم)

توضیح

''مخطومۃ'' خطام سے ہے جو لگام اور مہار کے معنی میں ہے یعنی لگام پڑی اونٹنی۔

''سبعمأۃ'' یعنی اس ایک اونٹنی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سات سو اونٹنیاں عطا فرمائے گا۔ یہ حدیث اسی حدیث کی طرح ہے جس میں آیا ہے کہ جو شخص گھر میں بیٹھا ہو مگر اس نے جہاد کے میدان کے لئے ایک روپیہ بھیج دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو سات سو روپیہ کا ثواب عطا کریگا۔

ہر گھر سے ایک مجاہد جہاد پر جائے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا إِلٰى بَنِي لِحْيَانَ مِنْ هُذَيْلٍ فَقَالَ لِيَنْبَعِثْ مِنْ كُلِّ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا وَالْأَجْرُ بَيْنَهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کے مقابلہ پر جہاد کے لئے ایک لشکر روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو حکم دیا کہ چاہئے کہ ہر دو شخصوں میں ایک شخص جہاد میں جانے کے لئے نکلے اور جہاد کا ثواب دونوں کو برابر ہوگا۔ (مسلمؒ)

توضیح

''لینبعث'' یہ جہاد پر بھیجنے کی تشکیل کی ایک صورت ہے یعنی ہر گھر سے ایک آدمی جہاد پر جائے اور دوسرا اس کے گھر کی نگرانی کرنے کے لئے پیچھے رہ جائے اور ثواب دونوں میں برابر سرابر ہوگا، مجاہد کو تو جہاد پر جانے کا ثواب ملیگا لیکن اس کے گھر بار کی نگرانی کرنے والے کو نگرانی میں جہاد کا پورا ثواب ملے گا۔

دین کی حفاظت کے لئے مجاہدین قیامت تک لڑتے رہیں گے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَبْرَحَ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا اور مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک جماعت اس دین کی حفاظت کے لئے قیامت تک لڑتی رہے گی۔'' (مسلم)

توضیح

''لن یبرح ''یعنی جب تک زمین پر ایک ایسی جماعت رہیگی جو جہاد کرتی رہیگی تو یہ دین قائم ودائم رہیگا مجاہدین کی یہ جماعت کبھی دنیا کے ایک کونے میں ہوگی تو کبھی دوسرے کونے میں ہوگی مگر زمین ان سے خالی نہیں رہے گی ہاں قرب قیامت کے وقت یہ جماعت ختم ہوجائے گی۔اس حدیث کونصب الرایۃ ج۳ص ۳۷۷اور مجمع الزوائد ج۱ص ۱۰۶میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے''الجهاد ماض الى يوم القيامة ''(مرقات ص۳۳۹ج ۷)۔معجم الاوسط ج ۵ص ۳۹۰پر یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔''والجهاد ماض الى يوم القيامة''طبرانی کی روایت میں ایک راوی ضعیف ہے بہر حال حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔یعنی جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ مجاہدین کی یہ جماعت شام میں ہوگی جس کو دوسری احدیث میں طائفۃ منصورۃ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ آج کل روم میں یہ طائفہ برسرپیکار ہے پھر فرماتے ہیں کہ تحقیقی بات یہ ہے کہ اس جماعت سے مراد مجاہدین کی وہ جماعت ہے جو کسی زمان ومکان کے ساتھ خاص نہیں ہے۔(یعنی دنیا کے مختلف علاقوں میں ہونگے)

بہر حال قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿ولتكن منكم امة يدعون الى الخير﴾ اور آیت ﴿كنتم خير امة اخرجت للناس﴾ میں اسی جماعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

آیت ولتكن الخ کے تحت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید کرنے کو تا خلاف دین کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم ہوں وہی کامیاب ہیں اور یہ کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے موسیٰ بدین خود عیسیٰ بدین خود یہ راہ مسلمانی کی نہیں۔ (ال عمران آیت ۱۰۴)

شاہ عبدالقادرؒ آیت كنتم خير امة الخ کے تحت لکھتے ہیں یعنی یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اسی دو وصف میں امر معروف یعنی جہاد اور ایمان یعنی توحید کا تقید اس قدر اور دین میں نہیں۔ (ال عمران آیت ۱۱۰)

راہ جہاد میں زخم لگنے کی فضیلت

﴿۱۶﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُكْلَمُ أَحَدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكْلَمُ فِيْ سَبِيْلِهِ اِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجُرْحُهُ يَثْعَبُ دَمًا اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں زخمی کیا جاتا ہے، اور خدا اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ میں زخمی کیا جاتا ہے تو وہ مجاہد قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا اس خون کا رنگ خون کے رنگ کا سا ہوگا اور اس کی بو مشک کی خوشبو کی طرح ہوگی۔ (بخاری ومسلمؒ)

توضیح

"لا یکلم" باب نصر وضرب سے مجہول کا صیغہ ہے زخم لگنے کے معنی میں ہے "ای لا یجرح"۔ "یثعب" یہ فتح یفتح سے ہے زخم سے فوارہ کی طرح خون بہنے کو کہتے ہیں ایک روایت میں یتفجر کا لفظ ہے جو اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

بہر حال مجاہد کے زخم سے قیامت کے روز خون بہنے کی حکمت یہ ہے کہ گویا یہ خون مجاہد کی قربانی پر بطور گواہ موجود ہوگا اور ان کی فضیلت پر علامت ہوگی گویا مجاہد بزبان حال کہہ رہا ہے۔

میرے رستے ہوئے زخموں کو دکھا کر کہنا

ایسے تمغوں کے طلبگار یہاں اور بھی ہیں

اس حدیث میں اخلاص کی طرف اشارہ ہے کہ راہ جہاد میں بے ریا مخلص مجاہد کون ہوتا ہے اور ریا کار کون ہوتا ہے۔

شہادت کی فضیلت وتمنا

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَافِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنَّى أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں داخل ہونے والا کوئی شخص بھی یہ پسند نہیں کریگا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور (جنت کی نعمتوں کے عوض دنیا کی تمام) چیزوں کو قبول کرے مگر شہید یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار خدا کی راہ میں شہید ہو جائے کیونکہ وہ شہادت کی عظمت اور اس کے ثواب کو جانتا ہے۔" (بخاری ومسلمؒ)

شہداء کی حیات بعد الموت

﴿۱۸﴾ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْنَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ وَلَاتَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الْآيَةَ قَالَ إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَرْوَاحُهُمْ فِيْ أَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ لَهَا قَنَادِيْلُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ

حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ تَأْوِيْ اِلٰى تِلْكَ الْقَنَادِيْلِ فَاطَّلَعَ اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ اِطِّلَاعَةً فَقَالَ هَلْ تَشْتَهُوْنَ شَيْئًا قَالُوْا أَيَّ شَيْءٍ نَشْتَهِيْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا فَفَعَلَ ذٰلِكَ بِهِمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتْرَكُوْا مِنْ أَنْ يَسْأَلُوْا قَالُوْا يَارَبِّ نُرِيْدُ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِيْ أَجْسَادِنَا حَتّٰى نُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِكَ مَرَّةً أُخْرٰى فَلَمَّا رَأٰى أَنْ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةٌ تُرِكُوْا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت مسروق (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی جو لوگ خدا کی راہ جہاد میں مارے گئے ہیں ان کو تم مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے الخ۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ "ان (شہداء) کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں ان کے (رہنے) کے لئے عرش الٰہی کے نیچے کے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں وہ (روحیں) بہشت میں سے جہاں سے ان کا جی چاہتا ہے میوے کھاتی ہیں پھر ان قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں تب پروردگاران (شہداء) کی طرف جھانکتا ہے اور فرماتا ہے کہ "کیا تم کو کسی چیز کی خواہش ہے؟" وہ عرض کرتے ہیں" کہ ہم کس چیز کی خواہش کریں درانحالیکہ ہم بہشت میں سے جہاں سے ہمارا جی چاہتا ہے میوے کھاتے ہیں۔" اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تین مرتبہ یہی معاملہ کرتا ہے (یعنی تین بار ان سے یہی سوال کرتا ہے) اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں پوچھے جانے والے سے چھوڑا نہیں جائے گا (یعنی جب وہ جانتے ہیں کہ پروردگار کی مراد یہ ہے کہ ہم کسی خواہش کا اظہار کریں) تو وہ عرض کرتے ہیں کہ "اے ہمارے پروردگار! ہماری بس یہی خواہش ہے کہ تو ہماری روحوں کو جسموں میں واپس کر دے اور ہمیں دنیا میں واپس بھیجدے تاکہ ہم ایک بار پھر تیری راہ میں مارے جائیں" جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی (متعین) خواہش وحاجت نہیں ہے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے) (مسلمؒ)

توضیح

"ارواحھم فی اجواف طیر" اجواف جوف کی جمع ہے پرندہ کے پوٹے کو کہتے ہیں جہاں ابتدائی طور پر غذا جمع ہو جاتی ہے جو پرندہ کے چونچ کے نیچے ابھرا ہوا حصہ ہوتا ہے جس کے لئے دوسری روایات میں حواصل کا لفظ آیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھنا شہداء کے اکرام واحترام کے طور پر ہے اس حدیث کی دلالۃ النص سے حیات شہداء ثابت ہوتی ہے اور اشارۃ النص سے حیات انبیاء ثابت ہوتی ہے کیونکہ شہداء سے انبیاء کا مقام بلند وبالا ہے لہٰذا ان کی حیات کا ثبوت بطریق اولیٰ ہے۔

سماع موتی کا مسئلہ ایک حد تک توضیحات جلد اول میں لکھا گیا ہے اور حیات انبیاء کا مسئلہ بھرپور طریقہ سے توضیحات جلد دوم میں لکھا گیا ہے یہاں اس مسئلہ کی تفصیل مقصود نہیں البتہ اس حدیث سے پیدا شدہ ایک سوال اور اس کا جواب لکھا جاتا ہے۔

سوال

اس حدیث سے ہندو اور چین کے کچھ لوگ عقیدہ تناسخ (آواگون) ثابت کرتے ہیں۔ تناسخ کا مطلب ان کے ہاں یہ ہے کہ اس دنیا میں جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی روح کسی اور حیوان میں منتقل ہوجاتی ہے اگر مرنے والا نیک اور اچھا آدمی تھا تو اس کی روح بادشاہ یا کسی حاکم کے جسم میں منتقل ہوجاتی ہے جس کے ذریعہ سے یہ روح مزے اڑاتی ہے اور یہی اس کی جنت ہے اور اگر مرنے والا آدمی برا تھا تو اس کی روح گدھے یا کتے یا کسی ذلیل حیوان میں جاتی ہے لوگ اس کو مارتے ہیں ستاتے ہیں جس سے یہ روح ذلیل ہوجاتی ہے یہی اس کی جہنم اور دوزخ ہے۔ سوال یہ ہے کہ آیا اس حدیث سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب

ان سب لوگوں کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق آخرت سے ہے کہ آخرت میں یہ ارواح پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور جو لوگ تناسخ کے قائل ہیں وہ دنیا میں مرنے والے کی روح کو کسی اور کے اندر داخل ہونے کے قائل ہیں آخرت کو تو وہ لوگ مانتے نہیں ہیں پھر آخرت والی حدیث سے استدلال کیسے کرتے ہیں؟

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ طیر خضر شہدا کی ارواح کے لئے بطور ظرف وصندوق ہیں نہ یہ کہ ان ارواح نے طیور کے قالب وجسم میں حلول کیا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نے موتی کو صندوق میں رکھدیا تو یہ صندوق موتی کے لئے ظرف ہے نہ یہ کہ موتی نے صندوق میں حلول کیا ہے۔

تفہیم وتسہیل کے لئے تیسرا جواب یوں سمجھ لیں کہ یہاں طیر خضر کی جو تعبیر ہے یہ جنت کی سواریوں میں سے کسی سواری کی طرف اشارہ ہے مثلاً ہیلی کاپٹر ہے اس میں دنیا میں آدمی بیٹھ کر مختلف اطراف کی طرف اڑ کر جاتا ہے پھر واپس اپنے ٹھکانے پر آتا ہے ہیلی کاپٹر کا سامنے والا حصہ بالکل پرندہ کے پوٹے کی طرح ہے شیشہ میں سب کچھ سیر وتفریح ہوتی ہے تو یہاں بھی طیر خضر سبز پرندوں سے جنت کے سبز ہیلی کاپٹر مراد ہوسکتے ہیں۔

''فاطلع'' نظر اور تجلی کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جھانک کر انہیں ایسا دیکھا جو اللہ کے شایان شان ہو۔

''رؤا'' یعنی شہداء نے جب دیکھا ''لن یترکوا'' مجہول کا صیغہ ہے یعنی شہدا نے دیکھا کہ انہیں سوال کئے بغیر نہیں چھوڑا جاتا ہے۔ ''ان یسالوا'' یعنی کہ یہ شہدا اللہ تعالیٰ سے سوال کر کے کچھ مانگیں یہ معلوم کا صیغہ ہے۔

''ترکوا'' مجہول کا صیغہ ہے یعنی جب یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ لوگ کچھ مانگنے والے نہیں ہیں تو ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

شہادت سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيْهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْإِيْمَانَ بِاللّٰهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَيُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَيُكَفِّرُ عَنِّيْ خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرِيْلَ قَالَ لِيْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور (اس خطبہ میں) انکو آگاہ کیا کہ "اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے بہتر اعمال ہیں۔" (یہ سن کر) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ہاں۔" بشرطیکہ تم اللہ کی راہ میں اس حال میں مارے گئے کہ تم (سختیوں پر) صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے پر جمے رہنے والے ہو۔ "پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ" تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے عرض کیا کہ" مجھے یہ بتایئے کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہاں! بشرطیکہ تم صبر کرنے والے ہو، ثواب کے طالب ہو اور پیٹھ دکھا کر بھاگنے والے نہ ہو بلکہ دشمن کے مقابلے کے پر جمنے والے ہو مگر قرض (یعنی وہ قرض معاف نہیں ہوگا جس کی ادائیگی کی نیت ہی نہ ہو) اور مجھ سے جبرائیلؑ نے یہی فرمایا ہے۔" (مسلم)

توضیح

"افضل الاعمال" ایمان کے بعد افضل عمل کونسا ہے اس کی توضیح وتشریح اس باب کی حدیث نمبر ا اور حدیث نمبر ۲ میں ہو چکی ہے۔

"محتسب" صابر سے مراد میدان جنگ میں کفار کے مقابلے میں صبر کرنا مراد ہے کہ بزدلی نہ دکھائے جزع فزع نہ کرے اور محتسب سے ثواب کی امید کرنا مراد ہے جہاد خالص رضائے الٰہی کے لئے ہو آخرت کا ثواب مطلوب ہو دنیا کی غرض نہ ہو اور دکھاوا اور ریا کاری مقصود نہ ہو، نیز کوئی قومی تعصب وحمایت کا جذبہ نہ ہو۔

"کیف قلت" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کا سوال معلوم تھا مگر دوبارہ سوال اس لئے کیا تاکہ وہ آدمی خوب غور

سے جواب کو سنے اور جواب میں جو اضافہ ہے اس کو سمجھ لے۔

''الا الدین'' اس سے مراد کوئی خاص قرض نہیں بلکہ حقوق العباد مراد ہے وہ جہاد و شہادت سے معاف نہیں ہو سکتے اس کے علاوہ تمام حقوق اللہ معاف ہو سکتے ہیں۔ ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ سمندری جنگ میں جو آدمی شہید ہو جائے اس سے حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں بعض روایات میں ہے کہ ابتدا میں حکم اسی طرح تھا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی فرمادی ہے کہ شہید سے حقوق العباد کو بھی اس طرح معاف فرمادیگا کہ صاحب حق کو قیامت میں اس کے عوض ثواب عطا فرمائے گا وہ راضی ہو جائے گا اور شہید معاف ہو جائے گا۔

بہر حال مجاہد کو میدان جہاد میں جانے سے پہلے وصیت کر کے قرض کا انتظام کرنا چاہئے۔

مسلم شریف میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں ''یغفر للشہید کل ذنب الا الدین'' معلوم ہوا جہاد اور شہادت گناہوں کے دھونے کی سب سے بڑی واشنگ مشین ہے آنے والی روایت کی تشریح وتوضیح بھی اسی طرح ہے۔

﴿۲۰﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا الدَّيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں) مارا جانا دین (حقوق العباد) کے علاوہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔'' (مسلم)

قاتل اور مقتول دونوں جنت میں

﴿۲۱﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَضْحَكُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلٰى رَجُلَيْنِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ يَدْخُلَانِ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُ هٰذَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلُ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَى الْقَاتِلِ فَيُسْتَشْهَدُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ ان دو شخصوں پر ہنستا ہے (یعنی ان سے راضی ہوتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ ان متوجہ ہوتا ہے) ان میں سے ایک تو وہ ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے (یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہوتا ہے) پھر اللہ تعالیٰ اس کے قاتل کو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے (اور وہ کفر سے تائب ہو کر ایمان لے آتا ہے) اور پھر خدا کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (لہٰذا اس کو بھی جنت میں داخل کیا جاتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

''یضحک اللہ'' اللہ تعالیٰ کے ہنسنے سے مراد اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا اور خوش ہونا ہے یہ متشابہ الفاظ میں سے ہے اس کی بہترین تاویل یہ ہے کہ ''ای مایلیق بشانہ'' یعنی جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہو۔

میدان جہاد میں قاتل اور مقتول دونوں کے جنت میں جانے کی صورت میں ہوتی ہے کہ مثلاً کسی کافر نے مسلمان کو شہید کر دیا مسلمان جنت پہنچ گیا پھر اس قاتل نے اسلام قبول کر لیا اور دین کے لئے لڑتے لڑتے خود بھی شہید ہو گیا یہ بھی جنت میں چلا گیا تو اس کا مقتول بھی جنت میں ہے اور یہ خود بھی جنت میں ہے۔ اس طرح واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اور آپ کے بعد بھی بہت دفعہ پیش آیا ہے۔

شہادت کی سچی تمنا بھی شہادت ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سہلؓ ابن حنیف کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص سچے دل (یعنی طلب صادق کے جذبے سے) اللہ تعالیٰ سے شہادت کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے شہیدوں کے درجہ پر پہنچاتا ہے اگر چہ وہ اپنے بستر پر مرے (یعنی وہ صدق نیت اور طلب صادق کی وجہ سے شہیدوں جیسا ثواب پاتا ہے)'' (مسلم)

توضیح

''الشہادۃ'' چونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اس لئے سچی اور پکی نیت کے ساتھ جو مسلمان جہاد فی سبیل اللہ میں شہادت چاہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا بھی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کے مقام پر پہنچا دیتا ہے اگر چہ وہ اپنے گھر میں فراش پر مر جائے۔ اس حدیث سے مسلمانوں کو ایک عالی جذبہ اور حوصلہ دلانا مقصود ہے کہ ہر مسلمان کے دل و دماغ میں جذبۂ جہاد اور شوق شہادت ہر وقت موجزن رہنا چاہئے شہادت مانگنے کا مطلب یہ نہیں کہ موت وقت سے پہلے آجائے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو موت اپنے وقت پر آنے والی ہے وہ شہادت میں بدل جائے۔

میدان جہاد میں نامعلوم گولی لگنے سے بھی شہادت ملتی ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ الْبَرَاءِ وَهِيَ أُمُّ حَارِثَةَ بْنِ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ أَلَا تُحَدِّثُنِيْ عَنْ حَارِثَةَ وَكَانَ قُتِلَ يَوْمَ بَدْرٍ أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَإِنْ كَانَ فِي

الْجَنَّةِ صَبَرْتُ وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذٰلِكَ اجْتَهَدْتُ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ فَقَالَ يَاأُمَّ حَارِثَةَ إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّ ابْنَكِ أَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْأَعْلٰى. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (میری پھوپھی) حضرت ربیع بنت براء جو حضرت حارثہؓ ابن سراقہ کی ماں ہیں (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ "یا نبی اللہ! کیا آپ مجھ سے میرے بیٹے حارثہؓ کا حال بیان نہیں کریں گے اور حارثہؓ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر میں) شہید ہو گئے تھے اور ان کو ایک ایسا تیر لگا تھا جس کا چلانے والا معلوم نہ ہوا کہ کون تھا' اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور اگر وہ کسی اور جگہ ہو تو میں رونے کی کوشش کروں (یعنی خوب رؤوں جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے)" آنحضرتؐ نے فرمایا 'حارثہ کی ماں! حقیقت یہ ہے کہ جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تمہارا بیٹا فردوس اعلیٰ میں پہنچا ہوا ہے (جو جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے)" (بخاری)

توضیح

"ام حارثہ" جنگ بدر میں حضرت حارثہ بن سراقہ ایک کنوئیں کے پاس پانی حاصل کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک کسی طرف سے تیر آکران کو لگا جس سے وہ شہید ہو گئے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیر کس کی طرف سے آکران کو لگا تھا احتمال تھا کہ کسی مسلمان کا تیر آکران کو لگا ہو جس سے ان کی شہادت کو نقصان پہنچا ہو نیز وہ اس وقت جنگ کے میدان سے باہر بھی تھے اور موت واقع ہو گئی تھی انہیں دو باتوں نے حضرت حارثہ کی والدہ کو پریشان کر رکھا تھا کہ نہ معلوم حارثہ کا انجام کیسا ہوا، اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر حارثہ کا انجام اچھا رہا ہے تو میں ان کی موت پر صبر کروں ورنہ دوسری صورت میں جزع فزع کر کے خوب رونا دھونا شروع کر دوں آنحضرت نے ان کو تسلی دیدی اور بشارت سنادی کہ جنت ایک نہیں بلکہ مختلف درجات پر مشتمل مختلف جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا تو اعلیٰ وارفع مقام جنت فردوس میں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہاد کے میدان میں کسی کی بھی گولی لگنے سے اللہ تعالیٰ شہادت عطا کرتا ہے آج کل جہاد میں غلطی سے ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں "سہم غرب" اسی نامعلوم تیر یا گولی کو کہتے ہیں۔

کھجور پھینک کر جام شہادت نوش کیا

﴿۳۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ انْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتّٰى سَبَقُوا الْمُشْرِكِيْنَ إِلٰى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا إِلٰى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَحْمِلُكَ عَلٰى قَوْلِكَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِلَّا رَجَاءَ أَنْ أَكُوْنَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ

فَأَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرْنِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ أَنَا حَيِيتُ حَتَّى آكُلَ تَمَرَاتِي إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (غزوہ بدر کے موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ (مدینہ سے) روانہ ہوئے اور مشرکوں سے پہلے بدر (کے میدان جنگ) میں پہنچ گئے پھر (جب اسلامی مجاہدین کے پہنچنے کے بعد) مشرکین کا لشکر آیا اور (مقابلہ کی تیاری شروع ہوئی) تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "جنت کے راستے پر کھڑے ہو جاؤ وہ جنت جس کا عرض زمین و آسمان کے عرض کے برابر ہے، (ایک صحابی) حضرت عمیرؓ ابن حمام انصاری نے (یہ ارشاد سن کر کہا کہ "خوب! خوب!" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے خوب خوب کیوں کہا؟ عمیرؓ نے کہا کہ "یا رسول اللہ! میں نے یہ الفاظ (اظہار تعجب یا کسی اور مطلب سے نہیں کہے بلکہ میں نے درحقیقت ان الفاظ کے ذریعہ اپنی اس آرزو کا اظہار کیا ہے کہ میں بھی جنتی ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس میں کوئی شک نہیں تم جنتی ہو۔" راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمیرؓ نے سرکار دو عالم کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کو کھانا شروع کیا اور پھر کہنے لگے کہ اگر میں ان (ساری) کھجوروں کو کھانے تک زندہ رہا تو زندگی طویل ہوگی چنانچہ انہوں نے ان کھجوروں کو جو ان کے پاس تھیں پھینک دیا اور کفار سے لڑنے لگے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (مسلم)

توضیح

"قوموا الی جنة" یعنی جنت کے دروازہ میں داخل ہونے کے لئے کھڑے ہو جاؤ ایسی جنت جس کی چوڑائی زمین اور آسمانوں کے برابر ہے "فقال عمیر" یہ نوعمر مجاہد جنگ بدر میں سب سے پہلے شہید ہو گیا تھا۔

"بخ بخ" با مفتوح اور خ ساکن ہے بطور مبالغہ یہ لفظ مکرر ہے ایک نسخہ میں خ پر تنوین ہے اور خ پر شد بھی پڑھا گیا ہے عرب خوشی و تعجب، فخر اور مدح کے وقت یہ کلمہ استعمال کرتے ہیں اس کا ترجمہ "خوب خوب" اور "واہ واہ" ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ آیا اس نے یہ کلمہ ارادہ کیساتھ زبان پر لایا ہے یا ایسے اتفاقی طور پر نکلا ہے حضرت عمیر نے جواب دیا کہ بغیر ارادہ نہیں بلکہ سچا ارادہ ہے کہ یہ جنت مجھے مل جائے اور میری جان قربان ہو جائے جب حضور اکرم کی جانب سے بشارت ملی تو کسی تاخیر کے بغیر حضرت عمیر نے جان کی بازی لگا دی اور کھجور چبانے اور کھانے تک دیر کو بھی برداشت نہ کیا اور جان لڑا دی۔

علماء نے اس حدیث اور حضرت عمیر کے اس اقدام کو "خودکش بمبار" کارروائی کے لئے بطور دلیل پیش کیا ہے۔

یاد رہے کہ کفار پر بمبار حملہ کرنا خودکشی نہیں ہوتی ہے بلکہ یہ درحقیقت دیگر کش حملہ ہوتا ہے لوگ اس کو خودکش حملہ کہتے ہیں ہاں ملک کے اندر اس طرح افراتفری پھیلانا اچھا نہیں ہے۔

نوٹ:۔(کتاب الجہاد کی ابتداء سے یہاں تک افریقہ زامبیا کے سفر کے دوران مولانا ایواب بوبات کے ہاں لوسا کا شہر میں لکھا گیا ہے۔جون ۲۰۰۵)

شہید کا مطلب اور شہداء کی اقسام

﴿۲۵﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِيْ اِذًا لَقَلِيْلٌ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہؓ) سے پوچھا کہ تم اپنے آپ میں سے کس کو شہید شمار کرتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو شخص اللہ کی راہ مارا جائے وہ شہید ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔"اس صورت میں میری امت کے اندر شہیدوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ تو (حقیقی شہید ہے) لیکن جو شخص اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں (بغیر قتل و قتال کے خود اپنی موت سے مر جائے وہ بھی شہید ہے۔ جو شخص وبا میں مرے وہ بھی شہید ہے اور جو شخص پیٹ کی بیماری میں مرے وہ بھی شہید ہے۔(یعنی یہ سب بھی حقیقی شہداء کے درجات و ثواب میں ہیں نہ کہ ان کے جمیع احکام میں!(مسلمؒ)

توضیح

"الشہید فیکم" یعنی تم آپس میں کس کو شہید شمار کرتے ہو؟ شہید فعیل کے وزن پر ہے اور فعیل کبھی اسم مفعول کے معنی میں آتا ہے اور کبھی اسم فاعل کے معنی میں آتا ہے اگر یہاں شہید کو مشہود اسم مفعول کے معنی میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اعزاز و اکرام کے لئے اس کے پاس فرشتے حاضر ہو جاتے ہیں۔

اور اگر شہید کو شاہد اسم فاعل کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شہید خود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مشاہدہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لئے حاضر ہو جاتا ہے یا موت کے وقت جنت میں اپنے درجات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

یا شہید کا لفظ شہادت کے معنی میں ہے یعنی شہید خود اپنے عمل سے اپنے اخلاص کی گواہی دیتا ہے۔ یا شہید کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ سارے مسلمان اور فرشتے ان کے لئے جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

اسلام میں شہید حقیقت میں وہ شخص ہوتا ہے جو کفار سے مقابلہ کے دوران مارا جائے یا ظلما تیز دھار آلہ سے قتل کیا جائے اور وہ دنیوی اشیاء سے نفع اٹھائے بغیر مر جائے یہ حقیقی شہید ہے اس کے علاوہ چند شہداء کا ذکر زیر بحث حدیث میں آیا ہے یہ ثواب

کے اعتبار سے شہداء ہیں دیگر احکام کے اعتبار سے شہداء نہیں ہے۔ یعنی جو شخص جہاد کے راستے میں طبعی موت مر جائے یا جو شخص طاعون سے مر جائے یا ہیضہ سے مر جائے یا پہاڑ سے گر کر مر جائے یا آگ میں جل کر مر جائے یا پانی میں ڈوب کر مر جائے یا زچگی میں عورت مر جائے یا علم کے حصول میں طالب علم مر جائے یہ سب شہدا ایسے ہیں جو صرف ثواب کے اعتبار سے شہید شمار ہوتے ہیں کیونکہ شہید کا ایک اصل ثواب ہے اور ایک فضل ثواب ہے یہ لوگ اصل ثواب میں شریک ہیں فضل ثواب میں شریک نہیں ہیں۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں

"ومن مات بالطاعون او بوجع في البطن ملحق بمن قتل في سبيل الله لمشاركته اياه في بعض ماينال من الكرامة بسبب ماكابده من الشدة لافي جملة الاحكام والفضائل .طیبی جلد ۷ ص ۲۸۲.

یعنی جو آدمی طاعون یا ہیضہ سے مر جائے وہ مقتول فی سبیل اللہ کے ساتھ بعض فضائل و کرامات میں شریک اور ملحق ہیں کیونکہ اس نے محنت اٹھائی ہے لیکن تمام احکام اور شہید کے تمام فضائل میں شریک نہیں۔

شہید حقیقی اور شہید حکمی کے درمیان فرق کرتے ہوئے ملا علی قاری لکھتے ہیں۔

والمعنى انهم يشاركون في نوع من انواع المثوبات التي يستحقها الشهداء لاالمساوات في جميع انواعها. (مرقات ج۷ص۳۷۹)

یعنی مطلب یہ ہے کہ شہید حکمی شہداء حقیقی کے بعض فضائل میں شریک ہے پورے ثواب میں مساوات نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ احکامات کے اعتبار سے شہدا تین قسم پر ہیں۔

(۱) پہلا وہ شہید ہے جو دنیا کے اعتبار سے بھی شہید ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی شہید ہے اس پر شہید کے دنیوی احکام نافذ ہونگے کہ غسل کے بغیر اپنے کپڑوں میں خون کے ساتھ دفنایا جائے گا یہ کامل مؤمن شہید ہے جس کو آخرت میں درجات ملیں گے۔

(۲) دوسرا وہ شہید ہے جو آخرت کے اعتبار سے شہید نہیں ہے صرف دنیا کے اعتبار سے شہید ہے یہ وہ بدعقیدہ مقتول ہے جو یا منافق ہے یا قادیانی، آغاخانی ہے یا رافضی ہے یا ذکری، بہائی وغیرہ ہے ایسے لوگ شہید نہیں ہوتے ہیں ہاں ان پر شہدا کے دنیوی احکام نافذ ہونگے۔

(۳) تیسرا وہ شہید ہے جو آخرت کا شہید ہے مگر دنیا کا شہید نہیں ہے یہ وہ شخص ہے جو طاعون وغیرہ سے مر گیا ہو ان کو آخرت میں شہید کا ثواب ملیگا لیکن شہید کے دنیوی احکام اس پر نافذ نہیں ہونگے۔ مزید تفصیلات میری کتاب دعوت جہاد میں

ملاحظہ کریں۔

شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے
شہید کا جو خون ہے وہ خون کی زکوۃ ہے

مجاہد کے اجر کی تقسیم

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تَغْزُوْ فَتَغْنَمُ وَتَسْلَمُ إِلَّا كَانُوْا قَدْ تَعَجَّلُوْا ثُلُثَيْ أُجُوْرِهِمْ وَمَامِنْ غَازِيَةٍ أَوْ سَرِيَّةٍ تُخْفِقُ وَتُصَابُ إِلَّا تَمَّ أُجُوْرُهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور مال غنیمت لے کر صحیح سالم واپس آ گیا اس کا دو تہائی اجر جلدی مل گیا اور جہاد کرنے والی جس جماعت یا جہاد کرنے والے جس لشکر نے جہاد کیا اور نہ صرف یہ کہ اسکو مال غنیمت نہیں ملا بلکہ اس جماعت ولشکر کے لوگ زخمی کئے گئے یا شہید کردیئے گئے تو ان کا اجر پورا باقی رہا۔'' (مسلم)

توضیح

''غازیة'' اس کا موصوف قطعة یا جماعة ہے اور یہاں لفظ ''او'' شک کیلئے نہیں ہے یا ممکن ہے کہ کسی راوی کو شک ہو گیا ہو۔

''ثلثی اجورھم'' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مجاہد کے اجر وثواب کو تین اثلاث پر تقسیم کیا گیا ہے۔ غنیمت حاصل کرنا ایک ثلث ہے اور صحیح سالم لوٹنا دوسرا ثلث ہے اور جہاد کا اُخروی ثواب تیسرا ثلث ہے تو جس شخص نے غنیمت بھی حاصل کی اور صحیح سالم بھی لوٹ آیا اس کے دوثلث چلے گئے صرف آخرت کا حصہ ایک ثلث رہ گیا اور جس شخص نے ان دونوں ثلثوں کو حاصل نہیں کیا تو اس کا اجر کامل ومکمل رہ گیا جو تین اثلاث ہیں۔

علامہ ابن ملکؒ نے اس حدیث کو سمجھنے کے لئے اس کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ غازی کو جب مال غنیمت بھی حاصل ہو گیا اور صحیح سالم بھی لوٹ آیا تو اس نے اپنے جہاد کے ثمرات میں سے دو ثمرات حاصل کر لئے اور تیسرا ثمرہ دخول جنت ہے جو ابھی باقی ہے۔

اور اگر غازی نہ غنیمت حاصل کر سکا اور نہ صحیح سالم لوٹ سکا تو اس کا کامل مکمل ثواب محفوظ ہو گیا۔ الغرض ایک مجاہد وہ ہے جو صحیح سالم مال غنیمت کے ساتھ لوٹ آیا دوسرا وہ ہے جو صحیح سالم تو لوٹ آیا مگر مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا اور تیسرا وہ جو زخمی یا شہید ہوا مال بھی حاصل نہیں ہوا۔

"تخفق" اخفاق سے ہے جو ناکامی ومحرومی کے معنی میں ہے یعنی جہاد کیا مگر مال غنیمت حاصل نہیں ہوا۔
"تصاب" یہ مصیبت پہنچنے کے معنی میں ہے یعنی یا زخمی ہوگیا یا شہید ہوگیا یا کسی اور مصیبت کا سامنا کیا۔

جس مسلمان کے دل میں جذبہ جہاد نہ ہو وہ نفاق کی موت مریگا

﴿۲۷﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان شخص مر جائے اور اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کرنے کا خیال گزرا ہو تو اس کی موت ایک طرح کے نفاق پر ہوگی۔" (مسلم)

توضیح

"من مات" یعنی جس شخص نے نہ جہاد کیا نہ جہاد کا اس طرح جذبہ رکھا کہ اے کاش میں بھی جہاد میں شریک ہوتا نہ اس نے جہاد کی تیاری کی نہ اسلحہ سیکھا اور نہ رکھا تو ایسے شخص کی جب موت آئے گی تو نفاق پر آئے گی، نزول قرآن کے وقت جن لوگوں نے جہاد کا انکار کیا یا جہاد پر اعتراضات کئے قرآن نے ان کو منافقین کے نام سے یاد کیا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ جہاد کا شوق رکھے اور اس کے لئے تیاری کرے خواہ جہاد فرض عین ہو یا فرض کفایہ ہو۔

اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، حسن بصریؒ اور سعید بن مسیبؒ نے استدلال کیا ہے کہ جہاد کی صرف ایک ہی قسم ہے جو فرض عین ہے فرض کفایہ کی کوئی قسم نہیں ہے لیکن جمہور امت نے جہاد کی دو قسموں کو قرآن کی آیتوں کی وجہ سے قبول کیا ہے ارشاد عالی ہے ﴿وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما﴾۔

"نفسه" یہ منصوب بنزع الخافض ہے یعنی "في نفسه"۔

حقیقی مجاہد کون ہے

﴿۲۸﴾وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرٰى مَكَانُهُ فَمَنْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "ایک تو وہ شخص ہے جو مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے، ایک وہ شخص ہے جو ذکر (یعنی آوازہ اور شہرت) کے جس کو

سمعہ کہتے ہیں) کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو اس لئے جنگ کرتا ہے تا کہ اس کا مرتبہ دیکھا جائے (یعنی اپنی شجاعت و بہادری دکھانے کے لئے جنگ کرتا ہے کہ جس کو ریا کہتے ہیں تو ان (تینوں) میں کون اللہ کی راہ میں جہاد (کرنے والا) ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ''جو شخص اس لئے جنگ کرے تا کہ اللہ کا دین سربلند ہو حقیقت میں وہی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

عذر کی بنا پر پیچھے رہنے والے کو جہاد کا ثواب ملتا ہے

﴿۲۹﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ أَقْوَاماً مَاسِرْتُمْ مَسِيْراً وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِياً اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِي الْأَجْرِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ جَابِرٍ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آ رہے تھے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ ''مدینے میں کچھ لوگ ایسے ہیں (جو اس سفر جہاد میں بظاہر تمہارے ساتھ نہیں تھے لیکن) تم نے ایسا کوئی راستہ طے نہیں کیا اور کسی ایسی وادی و جنگل کو عبور نہیں کیا جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں (یعنی ان کے جسم تو ان کے گھروں میں تھے لیکن ان کی دعائیں ان کے دل اور ان کی ہمتیں تمہارے ساتھ تھیں)'' اور ایک روایت میں یعنی جس میں وہ تمہارے ساتھ نہ رہے ہوں کے بجائے یہ ہے کہ جس ''اجر و ثواب میں وہ تمہارے شریک نہ ہوں'' صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! اور وہ لوگ مدینہ ہی میں ہیں؟ (یعنی جبکہ وہ ہمارے ساتھ جہاد میں نہیں گئے اور اپنے گھروں میں موجود رہے پھر وہ ہمارے ساتھ کیسے رہے اور ہمارے اجر و ثواب میں کیسے شریک ہوئے)؟ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں وہ مدینہ میں ہیں (لیکن اس کے باوجود وہ اجر و ثواب میں تمہارے شریک ہیں) کیونکہ ان کے عذر نے ان کو روکا ہے۔ بخاریؒ اور مسلم نے اس روایت کو حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

ماں باپ کی خدمت کا مقام و اہتمام

﴿۳۰﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ فَقَالَ أَحَيٌّ وَالِدَاكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَارْجِعْ اِلٰى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا.

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی تو آپؐ نے اس سے پوچھا کہ ''کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟'' اس نے عرض کیا ''ہاں'' آپؐ نے فرمایا

!پھر تم انہیں کے درمیان رہ کر) جہاد کرو یعنی پوری محنت وتندہی کے ساتھ ان کی خدمت کرو کہ تمہارے حق میں یہی جہاد ہے ۔ (بخاری ومسلمؒ) اور مسلمؒ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس شخص سے فرمایا کہ تو پھر تم اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اور ان کی صحبت کو بہتر بناؤ یعنی ان کی خدمت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اچھی طرح کرو۔

توضیح

''احی والداک ''یعنی تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اگر زندہ ہیں تو انہیں کی خدمت کرو تمہیں اس میں جہاد کا ثواب ملے گا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے علاوہ ان کے والدین کی خدمت کے لئے کوئی اور نہیں تھا لہٰذا والدین کی خدمت اس کے ذمہ متعین تھی جو فرض عین کے درجہ میں تھی، ادھر جہاد بھی فرض کفایہ کے درجہ میں تھا اس لئے اس شخص کو والدین کی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا یہ ایک خاص مجبوری تھی عام ضابطہ نہیں ہے اور جب جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں ہے ملا علی قاری نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم رکھا گیا ہے لہٰذا والدین کی موجودگی میں جہاد جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام کی اس عظیم جماعت میں صرف یہ ایک شخص تھا جن کے والدین حیات تھے؟ غزوہ تبوک میں تیس ہزار صحابہ کرام شریک ہوئے کیا ان تمام کے والدین مر چکے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی خاص مجبوری تھی جس کی وجہ سے اس شخص کو اجازت ملی۔

بہر حال جو والدین غیر مسلم ہوں یا وہ کفار کے مقابلے میں لڑنے کو جائز نہیں سمجھتے ہوں یا وہ قادیانی ہوں یا آغا خانی ہوں۔تو ایسے والدین سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہیں نیز تربیت اور ٹریننگ کے لئے جانے میں بھی والدین کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ٹریننگ ہر مسلمان پر لازم ہے اور اس میں جان کا خطرہ بھی نہیں کہ والدین پریشان ہوں۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت ختم ہوگئی

﴿۳۱﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ وَاِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا'' اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہٰذا جب تم کو (جہاد کے لئے) بلایا جائے تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔ (کیونکہ نفیر عام کے موقع پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے)'' ۔ (بخاری ومسلمؒ)

توضیح

''لاھجرۃ'' یعنی مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف جو خاص ہجرت فرض تھی اس کی فرضیت ختم ہوگئی کیونکہ اب مکہ مکرمہ دارالسلام بن گیا اب وہاں سے ہجرت کی ضرورت نہیں رہی البتہ دیگر دنیا سے ہجرت کا فریضہ اب بھی باقی ہے۔ یاد رکھو ہجرت بھاگنے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ بیوی بچوں کو محفوظ جگہ میں چھوڑ کر پھر پلٹنے کا نام ہجرت ہے ﴿واخرجوھم من حیث اخرجوکم﴾ اللہ کا حکم ہے ہجرت کی تعریف اس طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی رضا کیلئے اور اپنی جان مال اور ایمان کی حفاظت کے لئے اپنے وطن مالوف کو ترک کرنے کا نام ہجرت ہے۔

(۱) ہجرت کی ایک قسم یہ ہے دار کفر سے دار امن کی طرف آدمی ہجرت کرے جیسے مکہ سے حبشہ کی طرف ہوئی۔

(۲) دوسری قسم دار کفر سے دار اسلام کی طرف ہجرت کرنا ہے جیسے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔

(۳) ہجرت کی تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی دار الفتن سے دار التقویٰ کی طرف ہجرت کرے جیسے پاکستان سے لوگ طالبان کی اسلامی خلافت کی طرف ہجرت کرتے تھے۔ آج کل امریکہ وہاں افغانستان پر قابض ہے جس کی وجہ سے وہ ملک دار حرب میں بدل گیا ہے۔

(۴) ہجرت کی چوتھی قسم وہ ہے کہ لوگ مدینہ کے اطراف وقبائل سے علم سیکھنے سکھانے کی غرض سے مدینہ آکر قیام کرتے تھے اس کو ہجرت القبائل کا نام دیا جاتا تھا۔

زیر بحث حدیث میں صرف مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی نفی کی گئی ہے

''ولکن'' چونکہ ہجرت جہاد کے لئے پیش خیمہ ہوتی ہے تو اس کی نفی سے وہم ہوسکتا تھا کہ جب ہجرت ختم ہوگئی تو جہاد بھی ختم ہونا چاہئے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے لکن کے ساتھ جہاد کا استدراک فرمایا کہ جہاد اور اس کی نیت اب بھی باقی ہے۔

''استنفار'' نفیر عام کو کہتے ہیں یعنی جب وقت کا حاکم یا جہادی امیر تم کو جہاد میں نکلنے کے لئے بلائے تو تم فوراً نکلو۔

الفصل الثانی

جہاد باقی رہیگا حتّٰی کہ مجاہدین دجال سے لڑیں گے

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ

يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰى يُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" میری امت کی کوئی نہ کوئی جماعت ہمیشہ حق کی حمایت وحفاظت کے لئے برسر جنگ رہے گی اور جو بھی شخص اس جماعت کے ساتھ دشمنی کریگا وہ اس پر غالب رہیگی یہاں تک کہ اس جماعت کے آخری لوگ مسیح دجال سے جنگ کریں گے۔(ابوداؤدؒ)

توضیح

"ظاهرين" اى غالبين اومعروفين مشهورين. "ناواهم" مناوات عداوت اور دشمنی کے معنی میں ہے یعنی ان سے جو عداوت رکھیں گے یہ ان پر غالب آئیں گے۔اس جملہ کا مفہوم ومطلب اس طرح ہوا کہ اس امت میں ایک طائفہ منصورہ مجاہدین کا ہمیشہ کے لئے قائم رہیگا اس کو کوئی ختم نہیں کر سکے گا وہ کبھی بزور بازو دنیا پر غالب آئے گا اور کبھی صرف شہرت ومعرفت کے اعتبار سے قائم رہیگا۔ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ مجاہدین کا یہ طائفہ کسی خطہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ دنیا کے مختلف حصوں میں ہوگا اور آخر میں حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں یہ طائفہ نمودار ہوگا دجال مارا جائیگا اور بڑی جنگیں ہونگی قرب قیامت تک یہ طائفہ قائم رہیگا۔

جہاد نہ کرنے والوں کے لئے شدید وعید

﴿۳۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًا أَوْ يَخْلُفْ غَازِيًا فِيْ أَهْلِهِ بِخَيْرٍ أَصَابَهُ اللّٰهُ بِقَارِعَةٍ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوامامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا"جس شخص نے نہ تو خود جہاد کیا اور نہ کسی مجاہد کا سامان درست کیا اور نہ کسی غازی کے اہل وعیال کے حق میں بھلائی کے ساتھ اس کا نائب بنا تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سے پہلے کسی سخت مصیبت میں مبتلا کرے گا۔"(ابوداؤد)

جان مال اور زبان کے ذریعہ سے جہاد کا حکم

﴿۳۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا"مشرکین یعنی دشمنان اسلام سے تم اپنی جان اپنے مال اور اپنی زبان کے ذریعہ سے جہاد کرو"(ابوداؤدؒ،نسائیؒ،دارمیؒ)

توضیح

''باموالکم'' مال کے ذریعہ سے جہاد کے ذکر کو مقدم کیا کیونکہ مال کے ساتھ جہاد عام ہے جو تمام انواع بشر کو شامل ہے اس لئے کہ مال کے ساتھ جہاد بوڑھے لوگ بچے، مرد عورتیں اور تندرست و بیمار سب کر سکتے ہیں۔ نیز مال کے بغیر ایک مجاہد میدان جہاد تک پہنچ بھی نہیں سکتا اور لڑ بھی نہیں سکتا کیونکہ کرایہ، خرچہ اور اسلحہ جب تک نہ ہو جہاد کیسے ہو سکے گا یہاں یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جہاد بالمال وہ ہوتا ہے کہ کسی کا مال جہاد کے میدان میں لگ جائے کسی کو صدقہ یا خیرات کرنا اچھا اور نیک کام ہو سکتا ہے مگر اس کو جہاد نہیں کہا جا سکتا ہے اسی طرح جان کے ذریعہ جہاد وہ ہے کہ کسی کی جان جہاد کے میدان میں کام آجائے اور جہاد کو اس سے فائدہ پہنچ جائے صرف گھر میں محنت وعبادت کو جہاد بالنفس نہیں کہا جا سکتا ہے اسی طرح جہاد باللسان وہ ہوتا ہے کہ کسی کی تقریر وتحریر اور ترغیب وترہیب سے جہاد کے میدان کو فائدہ پہنچ جائے صرف پگڑی سے متعلق ایک گھنٹہ تقریر کو جہاد نہیں کہا جا سکتا ہے زبان سے جہاد یہ بھی ہے کہ اس کے فضائل ومسائل بیان کئے جائیں اور ہر وقت مجاہدین کے لئے دعائیں کریں زبان سے جہاد یہ بھی ہے کہ دشمن پر رعب ڈالا جائے اس کو سخت سست جملے کہے جائیں اور جہاد سے متعلق اشعار گائے جائیں اور ترغیب کے لئے نظمیں کہی جائیں حضرت حسانؓ اور دیگر شعرائے صحابہ نے اسی طرح کیا ہے۔ تبلیغ والے جو بیان کرتے ہیں یہ جہاد نہیں ہے وعظ و بیان ہے۔

کفار کی کھوپڑیاں اڑاؤ جنت کماؤ

﴿۳۵﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاضْرِبُوا الْهَامَ تُوْرَثُوا الْجِنَانَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''سلام کو عام کرو (یعنی ہر آشنا و ناآشنا کو سلام کرو) اور (غریب ومحتاج لوگوں) کو کھانا کھلاؤ اور کفار (کے فتنہ وفساد) کا سر کچلو، جنت کے وارث بنائے جاؤ گے۔'' اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

جہاد میں پاسبانی کی فضیلت

﴿۳۶﴾وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلٰى عَمَلِهٖ إِلَّا الَّذِيْ مَاتَ مُرَابِطاً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَإِنَّهٗ يُنْمٰى لَهٗ عَمَلُهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَيَأْمَنُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

اور حضرت فضالہ ابن عبید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "ہر میت اپنے عمل پر اختتام پذیر ہوتی ہے (یعنی ہر شخص کا عمل اس کی زندگی تک رہتا ہے، مرنے کے بعد اس کا عمل بایں طور باقی نہیں رہتا کہ اس کو نیا ثواب ملتا رہے) لیکن جو شخص اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں پاسبانی کرتا ہوا مر جائے تو اس کے لئے اس کا عمل قیامت کے دن تک بڑھادیا جاتا ہے اور وہ قبر کے فتنہ وعذاب سے مامون رہتا ہے۔" ترمذیؒ ابوداودؒ اور دارمیؒ نے اس روایت کو عقبہؓ ابن عامر سے نقل کیا ہے۔

تھوڑی دیر کے لئے جہاد میں شرکت کی فضیلت

﴿۲۷﴾ وَعَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ للّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَوَاقَ نَاقَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ جُرِحَ جُرْحًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ نُكِبَ نَكْبَةً فَاِنَّهَا تَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاَغْزَرِ مَاكَانَتْ ۔ لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ وَرِيْحُهَا الْمِسْكُ وَمَنْ خَرَجَ بِهٖ خُرَاجٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنَّ عَلَيْهِ طَابِعَ الشُّهَدَاءِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت معاذؓ ابن جبل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد میں اونٹنی کے فواق کے بقدر (یعنی تھوڑی دیر کے لئے) بھی لڑا اس کے لئے (ابتداء) ہی جنت واجب ہوگی، جو شخص اللہ کی راہ (جہاد) میں (دشمنوں کے ہتھیاروں سے) زخمی ہوا یا وہ کسی زخم کی تکلیف میں مبتلا ہوا تو وہ زخم قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا جیسا کہ وہ دنیا میں تھا (یعنی وہ شخص قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا وہ زخم زیادہ تازہ حالت میں ہوگا) اور اس (زخم) کا رنگ زعفران جیسا اور اس کی بو مشک جیسی ہوگی اور جس شخص کے (بدن میں) اللہ کی راہ (جہاد) میں پھوڑا نکلا تو (قیامت کے دن) اس پھوڑے پر یا پھوڑے والے پر شہیدوں کی مہر ہوگی (یعنی اس شخص کے ساتھ شہیدوں کی علامت ہوگی تاکہ جانا جائے کہ اس شخص نے دین کی سربلندی وحفاظت کے لئے جدوجہد کی تھی چنانچہ اس کو وہی اجر وانعام دیا جائے گا جو مجاہدین اسلام کو ملیگا۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح

"فواق ناقة" اونٹنی کا دودھ جب نکالا جاتا ہے تو اس کے بچے کو تھنوں پر چھوڑا جاتا ہے اونٹنی اپنے بچے کے لئے دودھ چھوڑ دیتی ہے آدمی آکر بچے کو ہٹا دیتا ہے اور دودھ خود نکالتا ہے اس پر اونٹنی مزید دودھ کو روک لیتی ہے آدمی چالاک ہوتا ہے وہ اونٹنی کے بچے کو دوبارہ نیچے لاکر تھنوں سے لگا دیتا ہے اونٹنی سمجھتی ہے کہ بچہ آگیا ہے وہ پھر دودھ نیچے پستانوں کیطرف چھوڑ دیتی ہے آدمی پھر آتا ہے اور بچے کو ہٹا کر دودھ خود نکالتا ہے اس طرح معاملہ دو تین مرتبہ ہوتا ہے ایک بار دودھ نکالنے اور دوبارہ

نکالنے کے اس درمیانی وقفہ کو فواق ناقہ کہتے ہیں جس سے مراد تھوڑا سا وقفہ ہے بعض شارحین نے فواق کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دودھ نکالنے والا جب اونٹنی کے پستان پر زور ڈالتا ہے اور دودھ کھینچنے کے لئے ہاتھ نیچے کی طرف لاتا ہے پھر اوپر لے جاتا ہے اس کے درمیان جو تھوڑا سا وقفہ ہے اس کو فواق ناقہ کہتے ہیں یعنی اتنے معمولی وقت تک بھی اگر کسی نے جہاد کی مقدس جنگ میں حصہ لیا اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

''جرح جرحا'' دشمن اور کفار کی طرف سے زخم لگنے کے معنی میں ہے''نکبۃ'' اس سے عام مصیبت مراد ہے جو راستہ میں کسی حادثاتی طور پر پیش آجاتی ہے۔

''خراج'' جسم میں دانہ اور پھوڑا نکلنے کے معنی میں ہے''خ'' پر ضمہ اور''ر'' پر شد ہے۔

''طابع الشہداء'' طابع مہر کو کہتے ہیں مگر یہاں مطلق علامت مراد ہے۔

جہاد میں ایک روپیہ خرچ کرو سات سو کا ثواب کماؤ

﴿۳۸﴾وَعَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كُتِبَ لَهٗ بِسَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت خریمؓ ابن فاتک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''جو شخص خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں اپنے مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرے گا اس کے لئے سات سو گنا ثواب لکھا جائے گا''

اس حدیث کی توضیح اس باب کی حدیث ٦٩ میں تفصیل سے آئے گی کچھ انتظار کیجئے۔

بہترین صدقہ

﴿۳۹﴾وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَاتِ ظِلُّ فُسْطَاطٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنِيْحَةُ خَادِمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ طَرُوْقَةُ فَحْلٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''بہترین صدقہ اس خیمہ کا سایہ ہے جو خدا کی راہ جہاد میں دیا جائے اور بہترین صدقہ اللہ کی راہ میں خادم کا عطیہ کرنا یا ایسی اونٹنی کا دینا ہے جو نر کے جفتی کے قابل ہو (یعنی خدا کی راہ میں ایسی اونٹنی کا دینا افضل ہے جو نر کے ساتھ جفتی کی عمر کو پہنچ گئی ہے تاکہ وہ سواروں کے کام آسکے (ترمذی)

توضیح

''فسطاط'' بڑے خیمے کو کہتے ہیں یعنی کسی مجاہد کو خیمہ دیا جس سے اس کو سر چھپانے کا موقع ملا، یہ بہترین صدقہ ہے۔

''منحة'' بطور عطیہ یا عاریت کسی مجاہد کو خدمت کے لئے غلام دیا یہ بہترین صدقہ ہے۔
''طروقة فحل'' فحل اونٹ کو کہتے ہیں اور طروقہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو نر اونٹ کی جفتی کے قابل ہو یعنی جوان اونٹنی کسی مجاہد کو دیا یہ بہترین صدقہ ہے۔ معلوم ہوا جہاد کے راستے میں مال خرچ کرنا تمام راستوں سے افضل ہے۔

ہفتہ مورخہ ۱۵ صفر ۱۴۱۸ھ

مجاہد کی فضیلت

﴿۴۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ حَتَّى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ وَلَايَجْتَمِعُ عَلٰى عَبْدٍ غُبَارٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ.
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ النَّسَائِيُّ فِيْ أُخْرٰى فِيْ مَنْخَرَيْ مُسْلِمٍ أَبَداً وَفِيْ أُخْرٰى لَهُ فِيْ جَوْفِ عَبْدٍ أَبَداً وَلَايَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ أَبَداً

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو خدا کے خوف سے رویا ہو یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اور کسی بندہ میں اللہ کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں یک جا نہیں ہو سکتے۔ حاصل یہ کہ مجاہد دوزخ میں نہیں جائے گا۔) (ترمذیؒ) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ'' اور کسی مسلمان (کی ناک کے) دونوں نتھنوں میں خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی یک جا نہیں ہو سکتے)'' اور نسائی ہی کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ'' بندے کے پیٹ میں (خدا کی راہ کا غبار اور دوزخ کا دھواں کبھی بھی (یک جا نہیں ہو سکتے)''۔ (ترمذیؒ)

توضیح

''منخری'' منخر ناک کے نتھنے کو کہتے ہیں یعنی ناک کا سوراخ۔
''الشح'' یعنی کسی دل میں کنجوسی اور ایمان اکٹھے نہیں ہو سکتے ہیں شح اور بخل میں اتنا فرق ہے کہ بخل عام کنجوسی کو کہتے ہیں اور شح ایک خاص قسم کنجوسی کو کہتے ہیں جس میں آدمی حرام کو کھائے اور واجب الاداء حق زکوٰۃ کو دبائے اور دوسروں کا مال ظلماً کھائے۔
اب سوال یہ ہے کہ کنجوسی اور بخل کی وجہ سے کیا کوئی آدمی ایمان سے خارج ہو جاتا ہے؟
اس کا جواب علامہ طیبی نے دیا ہے فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر تین چیزیں ہیں جس سے انسان مرکب ہے۔ روح، نفس، قلب، لغوی اعتبار سے قلب کو اس لئے قلب کہتے ہیں کہ اس میں حرکت و انقلاب کا معنی پڑا ہے اب ہوتا یہ ہے کہ

کبھی یہ قلب جب حرکت کرتا ہے تو روح کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے جس سے دل روشن اور منور ہو جاتا ہے اور کبھی یہ قلب جب حرکت کرتا ہے تو نفس کی صفات سے متصف ہو کر آلودہ ہو جاتا ہے نفس کی صفات میں سے ایک شح اور بخل ہے جب دل شح اور بخل کی آلودگی میں آلودہ ہو گیا تو یہ تاریک ہو جاتا ہے جب دل تاریک ہو گیا تو ایمان کی روشنی ختم ہو گئی اس لئے فرمایا کہ شح اور ایمان اکٹھا نہیں ہو سکتے۔

''یعود اللبن فی الضرع'' یہ تعلیق بالمحال کی ایک مثال ہے کیونکہ تھنوں سے نکلا ہوا دودھ واپس تھنوں میں نہیں جا سکتا۔

﴿۴۱﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو (دوزخ کی) آگ چھو بھی نہ سکے گی۔ ایک تو وہ آنکھ جو خدا کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ ہے جس نے خدا کی راہ (یعنی جہاد) میں (کفار سے مجاہدین کی) نگہبانی کرتے ہوئے رات گزاری ہو۔ (ترمذی)

توضیح

اس حدیث میں دو قسم آنکھوں کی فضیلت کا بیان ہے ایک تو عالم و عابد کی آنکھ ہے جو عبادت و علم میں مشقت اٹھاتی ہے دوسری مجاہد کی آنکھ ہے جو چوکیداری میں جاگی رہتی ہے دونوں پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔

جہاد میں کچھ وقت گذارنا گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے افضل ہے

﴿۴۲﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِعْبٍ فِيْهِ عُيَيْنَةٌ مِنْ مَاءٍ عَذْبَةٍ فَأَعْجَبَتْهُ فَقَالَ لَوِاعْتَزَلْتُ النَّاسَ فَأَقَمْتُ فِيْ هٰذَا الشِّعْبِ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَاتَفْعَلْ فَإِنَّ مَقَامَ أَحَدِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاتِهِ فِيْ بَيْتِهِ سَبْعِيْنَ عَامًا أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَيُدْخِلَكُمُ الْجَنَّةَ اُغْزُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ قَاتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُوَاقَ نَاقَةٍ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک سفر کے دوران) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی پہاڑی کے درہ سے گزرے جس میں شیریں پانی کا ایک چشمہ تھا تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا، وہ کہنے لگے کہ کاش! میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلوں اور درّے میں آ کر رہوں! ؟ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ نے (ان صحابی سے) فرمایا کہ ''تم ایسا نہ کرنا، کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ (یعنی جہاد میں) قیام کرنا اس کا گھر میں ستر برس

نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے اور تمہیں (ابتداء ہی میں) جنت میں داخل کردے؟ خدا کی راہ میں جہاد کرو (کیونکہ) جس شخص نے خدا کی راہ میں اونٹنی کے فواق کے بقدر (یعنی تھوڑی دیر کے لئے) بھی جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔" (ترمذی)

ہزار دنوں کی عبادت سے افضل عمل جہاد ہے

﴿۴۳﴾وَعَنْ عُثْمَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رِبَاطُ يَوْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ يَوْمٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَنَازِلِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عثمان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کی راہ یعنی (جہاد) میں کفر کی سرحدوں پر ایک دن بھی پاسبانی کی خدمت میں گزارنا گھروں کی عبادتوں میں ہزار دن تک مشغول رہنے سے بہتر ہے۔" (ترمذی ونسائی)

جنت میں پہلے داخل ہونے والے لوگ

﴿۴۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَيَّ أَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ شَهِيْدٌ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ وَعَبْدٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ وَنَصَحَ لِمَوَالِيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے وہ پہلے تین شخص پیش کئے گئے۔ جو (شروع ہی میں) جنت میں داخل ہوں گے ان میں سے ایک شخص تو شہید ہے دوسرا وہ شخص ہے جو حرام سے بچے اور سوال نہ کرے (یعنی فسق وفجور سے بچنے والا اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے والا) اور تیسرا شخص وہ غلام ہے جس نے اپنے اللہ کی (بھی) اچھی اطاعت وعبادت کی اور اپنے مالکوں کا بھی خیر خواہ رہا۔" ترمذی

توضیح

یہ لوگ انبیاء کے بعد سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے ہونگے اور یہ صرف تین آدمی نہیں بلکہ تین قسم کے لوگ ہونگے جن میں اول نمبر پر شہداء ہونگے پھر پاک باز و پاک دامن لوگ ہونگے جو فسق وفجور اور سوال سے محفوظ رہے ہونگے تیسرے نمبر پر فرمانبردار غلام ہونگے جنہوں نے اسلام قبول کیا ہوگا اور مولیٰ کی اطاعت کی ہوگی۔

افضل مجاہد اور افضل شہید

﴿۴۵﴾وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ

الْقِيَامِ قِيْلَ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ قِيْلَ فَأَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ هَجَرَ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ قِيْلَ فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ جَاهَدَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَالِهِ وَنَفْسِهِ قِيْلَ فَأَيُّ الْقَتْلِ أَشْرَفُ قَالَ مَنْ أُهْرِيْقَ دَمُهُ وَعُقِرَ جَوَادُهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ لَاشَكَّ فِيْهِ وَجِهَادٌ لَاغُلُوْلَ فِيْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَأَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ ثُمَّ اتَّفَقَا فِي الْبَاقِيْ

اور حضرت عبد اللہ ابن حبشی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ (نماز کے) اعمال (ارکان میں سے کونسا عمل (رکن) افضل ہے؟'' آپ نے فرمایا ''طویل قیام کرنا'' پوچھا گیا ''کون سا صدقہ افضل ہے۔'' فرمایا ''مفلس ومحتاج کا جد وجہد کرنا، یعنی وہ خیرات افضل ہے جو کوئی مفلس ومحتاج اپنے فقر وافلاس کے باوجود محنت ومشقت کر کے نکالے۔'' پوچھا گیا ''کون سی ہجرت بہتر ہے؟'' فرمایا ''اس شخص کی ہجرت جو اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے یعنی اگرچہ ہجرت کے معنی دار الکفر کو چھوڑ کر دار الاسلام میں چلے جانا ہیں لیکن حرام چیزوں کو چھوڑ کر حلال چیزوں کو اختیار کرنا بھی ''ہجرت ہی کہلاتا ہے بلکہ یہی ہجرت بہتر ہے۔'' پوچھا گیا ''کون سا جہاد بہتر ہے۔'' فرمایا ''اس شخص کا جہاد جو اپنے مال اور اپنی جان کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرے۔'' پوچھا گیا ''جہاد میں کون سا مارا جانا بہتر ہے یعنی کون سا شہید افضل ہے؟'' فرمایا ''اس شخص کا مارا جانا جس کا خون بہایا جائے اور جس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹی جائیں یعنی وہ شہید افضل ہے کو خود بھی مارا جائے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے۔'' (ابوداود)

اور نسائی کی روایت میں یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''اعمال میں کون سا عمل افضل ہے؟'' آپ نے فرمایا ''وہ ایمان جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہ ہو۔ وہ جہاد جس میں (حاصل شدہ مال غنیمت کے بارے میں) کسی طرح کی خیانت نہ کی گئی ہو اور حج مقبول۔'' پھر پوچھا گیا کہ ''نماز'' میں کونسی چیز افضل ہے؟ فرمایا ''قیام کو طویل کرنا'' اس کے بعد حدیث کے الفاظ (ابوداود ونسائی) نے یکساں نقل کئے ہیں۔

توضیح

افضل ایک نوع ہے اس میں صرف ایک عمل نہیں آتا بلکہ اس نوع کے تحت بہت سارے اعمال افضل ہو سکتے ہیں۔
''جهد المقل'' یعنی بے بس وبیکس غریب مفلس جو صدقہ کرتا ہے وہ بہت عمدہ ہے اهراق دم سے مراد خون گرایا جانا ہے یعنی خود شہید ہو جائے۔ ''عقر جوادہ'' یعنی اس کا عمدہ گھوڑا بھی مارا جائے اس طرح اس شخص نے اپنے تمام سرمایہ کو قربان کر دیا۔ گویا

جو پاس تھا وہ سب لٹا ہی دیا حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہی کیا

شہید کے چھ امتیازی نشان

﴿۲۶﴾ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلشَّهِيْدِ عِنْدَ اللّٰهِ سِتُّ خِصَالٍ يُغْفَرُ لَهُ فِيْ أَوَّلِ دَفْعَةٍ وَيُرٰى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَيُجَارُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ وَيُوْضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ تَاجُ الْوَقَارِ الْيَاقُوْتَةُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَيُزَوَّجُ ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ زَوْجَةً مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ وَيُشَفَّعُ فِيْ سَبْعِيْنَ مِنْ أَقْرِبَائِهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت مقدام ابن معدی کرب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حق تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ خصلتیں (یعنی چھ امتیازی) انعامات ہیں (۱) اس کی پہلی مرتبہ میں ہی مغفرت کی جاتی ہے (۲) اس کو (جان نکلتے وقت ہی) جنت میں اپنا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے (۳) وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے (۴) وہ بڑی گھبراہٹ (یعنی آگ کے عذاب) سے مامون رہیگا (۵) اس کے سر پر عظمت و وقار کا تاج رکھا جائے گا جس کا یاقوت دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر و گرانمایہ ہوگا (۶) اس کی زوجیت میں بڑی آنکھوں والی بہتر حوریں دی جائیں گی اور اس کے عزیز و اقارب میں سے ستر آدمیوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔"

توضیح

"اول دفعة" دال پر زبر اور پیش دونوں آسکتے ہیں شہید کے جسم سے خون کا پہلا قطرہ جو زمین پر گرتا ہے وہ مراد ہے۔ مطلب یہ کہ اس پہلے قطرہ خون کے گرنے پر شہید معاف ہو جاتا ہے۔

"ویری" یعنی جان کنی کے وقت شہید کو جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ایک خصلت میں شمار کرنا چاہئے تاکہ حدیث میں چھ کی تعداد برقرار رہے ورنہ سات خصلتیں ہو جائیں گی۔

"الفزع الاکبر" بڑی گھبراہٹ سے قرآن کی اس ایت کی طرف اشارہ ہے "لایحزنهم الفزع الاکبر" اس سے یا قیامت کا نفخۂ آخر مراد ہے یا جہنم کا عذاب مراد ہے یا آگ پر پیش ہونا مراد ہے یا قبر کا عذاب مراد ہے۔

"سبعین" یعنی اپنے رشتہ داروں میں سے ستر ایسے لوگوں کی شفاعت کریگا جن کے لئے دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا۔

بعض علماء سے میں نے سنا ہے کہ شہید کے اس اعزاز میں یہ خصوصیت بھی ہے کہ ان کو اختیار ہوگا کہ اس امت کے افراد کی شفاعت کرے یا سابقہ امتوں میں سے کسی کی شفاعت کر کے ستر کی تعداد پوری کرے کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

جس نے جہاد نہ کیا اس کا ایمان ناقص رہیگا

۴۷ ﴿وعن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لقی اللہ بغیر اثر من جھاد لقی اللہ وفیہ ثلمۃ﴾ رواہ الترمذی وابن ماجہ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہوگا کہ اس پر جہاد کا کوئی اثر نہیں ہوگا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کا دین ناقص ہوگا۔" (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"بغیر اثر" اثر سے مراد جسمانی زخم بھی ہوسکتا ہے جو ظاہری اثر ہوگا اور نظر آئے گا اسی طرح اس سے معنوی اثر بھی مراد ہوسکتا ہے جو جہاد کے راستے میں گرد وغبار لگنے سے بن جائے گا یا جہاد میں مال خرچ کرنے سے اور دیگر مشقتوں کے برداشت کرنے سے حاصل ہوجائے گا۔ بہرحال ایک مسلمان پر لازم ہے کہ جہاد کی وجہ سے اس کو جہاد کی ظاہری یا معنوی علامت حاصل ہوجائے جو اس کے ایمان کی تکمیل کی سند بن جائے۔

"ثلمۃ" ثا پر ضمہ ہے اور لام ساکن ہے نقصان اور خلل کو کہتے ہیں یعنی قیامت کے دن اگر کسی شخص کے جسم پر جہاد کی ظاہری یا معنوی علامت نہ ہو تو اس شخص کا ایمان ناقص رہیگا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ایمان بناؤ پھر جہاد میں جاؤ حالانکہ یہ حدیث بتارہی ہے کہ جہاد کے بغیر ایمان نہیں بنتا ہے۔

شہید موت کی تکالیف سے محفوظ رہتا ہے

۴۸ ﴿وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشھید لایجد الم القتل الا کما یجد احدکم الم القرصۃ﴾ رواہ الترمذی والنسائی والدارمی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شہید اپنے قتل کی بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے پر محسوس کرتا ہے۔" (ترمذی، نسائی، دارمی اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"الم القرصۃ" الم درد کو کہتے ہیں اور قرصہ چیونٹی کے کاٹنے کو کہتے ہیں یا دو انگلیوں سے چنڈی مارنے کو کہتے ہیں۔ مطلب

یہ ہے کہ شہید لذت شہادت کی وجہ سے موت کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا ہے یہ احتمال بھی ہے کہ آخرت کی نعمتوں کے مشاہدہ کی وجہ سے وہ موت کی تکلیف کو چیونٹی کے کاٹنے کے برابر تصور کریگا چیونٹی کاٹنے سے جسم میں میٹھا میٹھا درد محسوس ہوتا ہے۔

جہاد میں گرنے والا قطرہ خون محبوب تر چیز ہے

﴿۴۹﴾وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَأَثَرَيْنِ قَطْرَةُ دُمُوْعٍ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَقَطْرَةُ دَمٍ يُهْرَاقُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَمَّا الْأَثَرَانِ فَأَثَرٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَثَرٌ فِي فَرِيْضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ تَعَالٰى رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا خدا کے نزدیک دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہیں ہے ایک تو خدا کے خوف سے بہا ہوا آنسوؤں کا قطرہ ہے اور دوسرا قطرہ خون ہے جو خدا کی راہ میں بہایا گیا ہو اور دو نشانوں میں سے ایک نشان تو وہ ہے جو اللہ کی راہ جہاد میں قائم ہوا ہو۔ اور دوسرا نشان وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں میں سے کسی فرض چیز کے سلسلے میں پیدا ہوا ہو" امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"اثران" ایک اثر تو جہاد کے عمل کا ہے جس کی تفصیل گذر گئی ہے دوسرا اثر عبادت فرضیہ کا ہے کہ سردی میں عبادت سے ہاتھ پیر پھٹ جاتے ہیں۔ یا سجدہ کے اعضا پر نشان پڑ جاتے ہیں یا روزہ دار کے منہ سے خوشبو کا اثر ظاہر ہوتا ہے یا حاجی کے جسم پر حج کے دوران گرد و غبار لگنے سے اثر ظاہر ہو جاتا ہے یہ فرائض کا اثر ہے۔

شدید ضرورت کے بغیر سمندر کا سفر نہ کرو

﴿۵۰﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَرْكَبِ الْبَحْرَ إِلَّا حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ غَازِيًا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَإِنَّ تَحْتَ الْبَحْرِ نَارًا وَتَحْتَ النَّارِ بَحْرًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم بارادہ حج یا عمرہ اور یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے جانے کے علاوہ دریا میں سفر نہ کرو کیونکہ دریا کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے دریا ہے۔ (ابوداؤدؒ)

توضیح

"لاتركب البحر" یعنی حج و عمرہ اور جہاد کی غرض سے سمندر کا سفر کرو اس کے علاوہ سمندر میں سفر کی کوشش نہ کرو کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یہ کلام یا حقیقت پر محمول ہے کہ واقعی سمندر کے نیچے آگ ہے جس کی طرف "والبحر المسجور" میں

اشارہ موجود ہے اس آگ کے نیچے پھر پانی ہے اور پھر ہوا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر قائم ہے یا یہ کلام مجاز پر محمول ہے یعنی سمندر کے اندر سخت خطرات موجود ہیں غرق ہونے کے قوی امکانات ہیں لہٰذا ضروری سفر کے علاوہ اس کا سفر نہیں کرنا چاہئے۔

بدریائے منافع بیشمار است ☆ اگر خواہی سلامت بر کنار است

﴿۵۱﴾ وَعَنْ أُمِّ حَرَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ الَّذِيْ يُصِيْبُهُ الْقَيْءُ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ وَالْغَرِيْقُ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدَيْنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور ام حرامؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریا وسمندر کے سفر میں جس شخص کا سر چکرا کر گھومنے لگے اور اس کی وجہ سے اس کو قے ہو تو اس کو ایک شہید کا ثواب ملے گا اور جو شخص سفر کے دوران دریا میں ڈوب جائے تو اس کو دو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔" (ابوداؤدؒ)

توضیح

"المائد" "ماد یمید" سے "المائد" اسم فاعل ہے سر چکرانے اور سر گھومنے کے معنی میں ہے سمندر میں ایسا ہوتا ہے سمندری لہروں اور طوفانوں کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے پھر الٹیاں ہو جاتی ہیں قے کی جو مقید ہے یہ اتفاقی ہے الٹیاں ہوں یا نہ ہوں مجاہد کو سمندر کے اس سفر میں یہ ثواب ملتا ہے حج اور علم کے سفر میں بھی اسی طرح ثواب ملتا ہے لیکن تجارت کی غرض سے جو سفر ہوتا ہے اس میں یہ ثواب نہیں ہے۔

جہاد میں ہر طرح کی موت شہادت ہے

﴿۵۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ فَصَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ وَقَصَهُ فَرَسُهُ أَوْ بَعِيْرُهُ أَوْ لَدَغَتْهُ هَامَّةٌ أَوْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ بِأَيِّ حَتْفٍ شَاءَ اللّٰهُ فَإِنَّهُ شَهِيْدٌ وَإِنَّ لَهُ الْجَنَّةَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو مالک اشعریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ (یعنی جہاد جیسے مقاصد میں گھر سے) نکلا (اور زخمی ہو جانے کی وجہ سے) مر گیا یا اس کو جان سے مار ڈالا گیا۔ یا اس کے گھوڑے یا اس کے اونٹ نے اس کو کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور (جیسے سانپ وغیرہ) نے اس کو ڈس لیا اور یا (کسی بیماری کی وجہ سے یا اچانک یوں ہی) اللہ کی مرضی سے اپنے بستر پر مر گیا تو وہ (ہر صورت میں) شہید ہے (یعنی وہ ابتداء ہی میں شہداء وصالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''وقصه'' یعنی گھوڑے نے گرا کر گردن توڑ دیا۔

''او دلـدغ'' ڈسنے اور ڈنگ مارنے کے معنی میں ہے۔ ''هـامة'' زہریلا حیوان مراد ہے جیسے سانپ بچھو وغیرہ حشرات الارض ہیں۔ ''حتف'' طبعی موت کو حتف کہتے ہیں۔

مجاہد گھر لوٹنے تک جہاد میں شمار ہوتا ہے

﴿۵۳﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَفْلَةٌ كَغَزْوَةٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جہاد سے لوٹ کر آنا بھی جہاد پر جانے کی مانند ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

''قفلة'' جہاد سے لوٹ کر جو آدمی گھر آرہا ہو اس لوٹنے کو قفلة کہا گیا ہے گویا میدان جہاد سے نکل کر ایک مجاہد جب تک گھر نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ جہاد میں شمار ہوتا ہے ثواب ملتا ہے۔

کسی مجاہد کو جہاد پر بھیجنے کا ثواب

﴿۵۴﴾وَعَنْهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْغَازِىْ أَجْرُهٗ وَلِلْجَاعِلِ أَجْرُهٗ وَأَجْرُ الْغَازِىْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جہاد کرنے والے کو اس کا اپنا اجر ملتا ہے (یعنی مجاہد کے لئے جہاد کا جو مخصوص اجر ہے وہ اس کو پورا ملتا ہے) اور جاعل یعنی مال دینے والے کو اسکا اپنا اجر بھی ملتا ہے اور جہاد کرنے والے کا بھی۔'' (ابوداؤدؒ)

توضیح

''وللجاعل'' جاعل اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی غازی کو مال دیکر جہاد پر روانہ کرتا ہے، اس طرح اس شخص کو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک تو مال خرچ کرنے کا اور دوسرا غازی کے جہاد کرنے کا یہ شخص اگر محض معاون ہے تو اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ لیکن ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اس جاعل سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کو مزدور رکھ کر جہاد پر روانہ کرتا

ہے اور معاوضہ دیتا ہے۔ اور خود جہاد سے پیچھے رہ جاتا ہے احناف کے ہاں اس مزدور کا جہاد بھی صحیح ہے اور بھیجنے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ لیکن شوافع کے ہاں یہ ناجائز ہے اس مسئلہ کی تفصیل ابھی آ رہی ہے کچھ انتظار کیجئے۔

اجرتی مجاہد بننا بہت برا ہے

﴿۵۵﴾وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الْأَمْصَارُ وَسَتَكُونُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ يُقْطَعُ عَلَيْكُمْ فِيهَا بُعُوثٌ فَيَكْرَهُ الرَّجُلُ الْبَعْثَ فَيَتَخَلَّصُ مِنْ قَوْمِهِ ثُمَّ يَتَصَفَّحُ الْقَبَائِلَ يَعْرِضُ نَفْسَهُ عَلَيْهِمْ مَنْ أَكْفِيهِ بَعْثَ كَذَا أَلَا وَذٰلِكَ الْأَجِيرُ إِلَى آخِرِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

اور حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''عنقریب تمہارے لئے (بڑے بڑے) شہر فتح ہوں گے اور لشکر کے جدا جدا کئی جھنڈے ہوں گے جن میں تمہارے لئے فوجیں معین کی جائیں گی تو جو شخص بلا معاوضہ جہاد پر جانے کو پسند نہیں کریگا تو وہ اپنی قوم سے نکل بھاگے گا اور پھر دوسرے قبیلوں کو تلاش کرتا پھرے گا اور ان کے سامنے اپنی خدمات پیش کرے گا اور کہے گا کہ کون شخص ہے جس کو میں ایسے لشکر سے کفایت کروں (یعنی وہ کون ہے جو میری خدمات کو اجرت پر حاصل کرے اور مجھے نوکر رکھے تاکہ میں اس کی طرف سے لشکر میں جا کر لڑائی کی محنت ومشقت اپنے ذمہ لوں۔ حاصل یہ کہ وہ شخص بغیر اجرت کے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جہاد میں جانے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ چنانچہ آنحضرتؐ ایسے شخص کی مذمت فرماتے ہیں کہ)! خبردار! وہ شخص اپنے آخری قطرۂ خون تک مزدور ہی رہے گا یعنی ایسے شخص کو غازی یا مجاہد مت سمجھنا بلکہ وہ کرایہ کا ٹٹو ہوگا جو دوسروں کی طرف سے میدان جنگ میں لڑے گا یہاں تک کہ مارا بھی جائے گا۔'' (ابوداؤدؒ)

توضیح

''جنود مجندة ''یعنی تمہارے الگ الگ جھنڈے اور لشکر کے بڑے بڑے مجموعے ہونگے۔ ''ویقطع علیکم''یعنی امیر الجیش جب تم میں سے ایک مجموعہ الگ کر کے دشمن کی طرف روانہ کریگا تو ایک شخص اس جانے کو پسند نہیں کریگا بلکہ اجرت و مزدوری کی غرض سے الگ ہوجائے گا اور پھر اپنے آپ کو قبائل پر پیش کریگا کہ مجھے مزدوری و معاوضہ پر بھیجنے کے لئے کون تیار ہے کہ میں ان کی طرف سے کافی ہوجاؤں وہ میرے گھریلو اخراجات برداشت کرے اور میں ان کی طرف سے جہاد پر جاؤں فرمایا یہ آخری قطرۂ خون تک مزدور ہی رہیگا جہاد کا ثواب نہیں ملے گا مالکیہ اور احناف کے نزدیک اجرت پر جہاد کرانا جائز ہے مگر شوافع کے نزدیک بالکل منع ہے زیر بحث حدیث شوافع کے حق میں ہے۔

اجرت پر جہاد میں جانے والے کا حکم

﴿۵۶﴾ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ آذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْغَزْوِ وَأَنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ لَيْسَ لِيْ خَادِمٌ فَالْتَمَسْتُ أَجِيْراً يَكْفِيْنِيْ فَوَجَدْتُ رَجُلاً سَمَّيْتُ لَهُ ثَلَاثَةَ دَنَانِيْرَ فَلَمَّا حَضَرَتْ غَنِيْمَةٌ أَرَدْتُ أَنْ أُجْرِيَ لَهُ سَهْمَهُ فَجِئْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهُ فَقَالَ مَا أَجِدُ لَهُ فِيْ غَزْوَتِهِ هٰذِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا دَنَانِيْرَهُ الَّتِيْ تُسَمّٰى. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ کہتے ہیں کہ (ایک موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد پر جانے کے لئے آگاہ کیا تو چونکہ میں بڑا بوڑھا تھا اور میرے پاس کوئی خادم نہیں تھا اس لئے میں نے کوئی ایسا مزدور تلاش کیا (جو دوران جہاد میری دیکھ بھال کر سکے) چنانچہ مجھ کو ایک شخص مل گیا جس کی اجرت تین دینار میں نے مقرر کر دی پھر (جہاد سے فراغت کے بعد) جب مال غنیمت آیا تو میں نے ارادہ کیا کہ (اس مال غنیمت میں سے) اس شخص کا بھی حصہ لگاؤں چنانچہ (اس بارے میں مسئلہ دریافت کرنے کے لئے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے صورت حال بیان کی، آپؐ نے فرمایا "مجھے اس شخص کے لئے اس جہاد کے تعلق سے دنیا و آخرت میں علاوہ اس دینار کے جو متعین کئے گئے ہیں اور کوئی چیز نہیں ملتی۔" (ابوداؤد)

توضیح

"الادنانیرہ" یعنی اس اجرتی مجاہد کو متعین دنانیر کے سوا کچھ بھی نہیں ملیگا۔ علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ اس اجرتی غازی کو مال غنیمت میں سے حصہ ملیگا یا نہیں ملیگا۔ امام اوزاعی اور اسحاق بن راھویہ اور ایک قول میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ شخص مزدور ہے یہ میدان جہاد میں لڑے یا نہ لڑے اس کو مال غنیمت میں سے کوئی حصہ نہیں ملیگا۔
امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو ہر حالت میں حصہ دیا جائیگا احناف کے اصول اور قواعد کا بھی یہی تقاضا ہے۔ بعض علماء نے یہ راستہ اختیار کیا ہے کہ اس شخص کو اختیار ہے کہ مزدوری کا پیسہ لے لے یا ایسے چھوڑ کر مال غنیمت کا حصہ لے لے ظاہری احادیث شوافع کے حق میں ہیں۔

صرف دنیا کے لئے جہاد کرنے والے کو ثواب نہیں ملے گا

﴿۵۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَجُلٌ يُرِيْدُ الْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَهُوَ يَبْتَغِيْ عَرَضاً مِنْ عَرَضِ الدُّنْيَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أَجْرَ لَهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ایک شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ

رکھتا ہے حالانکہ وہ (اس جہاد کے ذریعہ) دنیا کے مال واسباب کا خواہشمند ہے؟" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"
اس کے نصیب میں ثواب نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"عرضا" دنیاوی ساز وسامان کو عرض کہا گیا ہے یعنی جو شخص اخلاص نیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی غرض سے نہیں بلکہ دنیوی اسباب ومتاع کے لئے جہاد کرتا ہے تو وہ آخرت کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے ظاہر ہے جب ایک آدمی اتنے بڑے جہاد کو اتنی حقیر دنیا کی بھینٹ چڑھاتا ہے اور خود بھی دل میں ثواب کی نیت نہیں کرتا ہے تو کیا خود بخود اس کے ساتھ ثواب چپک کر لگے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اس حدیث کے پیش نظر مسلم ممالک کی افواج اگر صرف مزدوری کی غرض سے فوج میں بھرتی ہوگی تو انکو بھی کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

حقیقی مجاہد کا تعارف

﴿۵۸﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغَزْوُ غَزْوَانِ فَأَمَّا مَنِ ابْتَغَى وَجْهَ اللّٰهِ وَأَطَاعَ الْإِمَامَ وَأَنْفَقَ الْكَرِيْمَةَ وَيَاسَرَ الشَّرِيْكَ وَاجْتَنَبَ الْفَسَادَ فَإِنَّ نَوْمَهُ وَنُبْهَهُ أَجْرٌ كُلُّهُ وَأَمَّا مَنْ غَزَا فَخْرًا وَرِيَاءً وَسُمْعَةً وَعَصَى الْإِمَامَ وَأَفْسَدَ فِي الْأَرْضِ فَإِنَّهُ لَمْ يَرْجِعْ بِالْكَفَافِ.
رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت معاذ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد دو طرح کا ہوتا ہے۔ چنانچہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے جہاد میں شرکت کی؛ اور امام کی اطاعت کی؛ اپنے پاک مال اور اپنی پاک جان کو خدا کی راہ میں صرف کیا اور اپنے شریک کار سے اچھا معاملہ رکھا اور فتنہ وفساد کرنے سے بچتا رہا (یعنی لوٹ مار کرنے ویرانی پھیلانے اور خیانت کرنے کے ذریعہ حدود شریعت سے تجاوز نہیں کیا) تو اس کا سونا اور اس کا جاگنا سب کچھ اجر وثواب کا موجب ہے اور جس شخص نے بطریق فخر (یعنی ناموری) اور دکھانے سنانے کے لئے جہاد کیا، امام کی نافرمانی کی اور روئے زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا تو وہ کوئی بدلہ لیکر واپس نہیں آئے گا یعنی اس طرح کے جہاد سے نہ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے اور نہ اس کو کوئی ثواب ملے گا۔"

توضیح

"انفق الکریمۃ" یعنی جہاد میں اپنا عمدہ مال خرچ کیا "یاسر" یعنی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا "عصی الامام" یعنی وقت کے امیر المؤمنین کی نافرمانی بھی کرتا ہے اور اپنے جہادی امیر کی بھی نافرمانی کرتا ہے ہروقت فساد

برپا کرتا ہے پروپیگنڈے کرتا ہے۔

"بالکفاف" کفاف برابری کو کہتے ہیں یعنی یہ شخص برابر سرابر نہیں لوٹے گا کہ نہ گناہ ہو اور نہ ثواب ہو بلکہ یہ گناہ کے ساتھ لوٹ کر آئے گا اور اگر کفاف سے ثواب مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ شخص ثواب کما کر واپس نہیں آئے گا۔

﴿۵۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْجِهَادِ فَقَالَ يَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَکَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَاِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا بَعَثَکَ اللّٰهُ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا يَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو عَلٰى اَیِّ حَالٍ قَاتَلْتَ اَوْ قُتِلْتَ بَعَثَکَ اللّٰهُ عَلٰى تِلْکَ الْحَالِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہؓ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے جہاد کے بارے میں بتایئے (کہ کس طرح کا جہاد موجب ثواب ہے؟) آنحضرتؐ نے فرمایا! اے عبداللہ ابن عمرو! اگر تم اس حال میں لڑو کہ صبر کرنے والے اور ثواب چاہنے والے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت کے دن) صبر کرنے والا اور ثواب چاہنے والا ہی اٹھائے گا (یعنی تم جس طرح ان صفات کے ساتھ جہاد کرو گے اور ان صفات پر مرو گے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ان صفات کے ساتھ اٹھائے گا اور تمہیں ان کا ثواب عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ "کما تعشیون تموتون و کما تموتون تحشرون" یعنی تم جس حالت پر جیتے ہو اسی حالت پر مرو گے اور جس حالت پر مرو گے اسی حالت پر اٹھائے جاؤ گے) اور اگر تم نمائش کی نیت سے اور اپنا زور جتلانے کے لئے لڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں (قیامت کے دن) نمائش کرنے والا زور جتلانے والا اٹھائے گا (یعنی میدان حشر میں تمہارے بارے میں اعلان کیا جائے گا کہ یہ شخص وہ ہے جو نمائش کی نیت سے اور فخر کرنے اور زیادہ مال و منال حاصل کرنے کے لئے لڑا تھا۔ اے عبداللہ ابن عمرو (یاد رکھو) تم جس حال میں لڑو گے یا جس حال میں مارے جاؤ گے اللہ تعالیٰ تمہیں اسی حال میں اٹھائے گا۔" (ابوداؤد)

توضیح

"محتسبا" ثواب کی نیت سے کام کرنے کو کہتے ہیں "بعثک اللہ" قیامت میں اٹھانے کے معنی میں ہے۔

"مرائیا" ریاکاری اور نمائش کو کہتے ہیں۔ "مکاثرا" شیخی جتلانے کی غرض سے جو کام کیا جائے اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے جو کام کیا جائے اس پر مکاثر کا لفظ بولا جاتا ہے شارحین حدیث نے مکاثر کا مطلب مال بڑھانا بھی لیا ہے کہ صرف مال جمع کرنے کے لئے لڑتا ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

نافرمان امیر کو معزول کیا جا سکتا ہے

﴿۲۰﴾وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَعَجَزْتُمْ إِذَا بَعَثْتُ رَجُلًا فَلَمْ يَمْضِ لِأَمْرِي أَنْ تَجْعَلُوْا مَكَانَهُ مَنْ يَمْضِي لِأَمْرِي. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ فَضَالَةَ وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِ الْإِيْمَانِ.

اور حضرت عقبہؓ ابن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا'' کہ کیا تم اس سے عاجز ہو کہ جب میں کسی شخص کو (تمہارا امیر و حاکم بنا کر) بھیجوں اور وہ میرے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے (یعنی وہ میرے کسی حکم یا میری کسی ممانعت کی مخالفت کرے) تو تم اس کو معزول کر دو اور اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو مقرر کر دو جو میرے مفوضہ کام کو انجام دے۔'' (ابوداؤد)

توضیح

'' فلم یمض لامری ''یعنی میرے حکم کی بجا آوری نہ کرے تو تم اس امیر کو معزول کر دو اور ایسے امیر کو مقرر کرلو جو میرے حکم کو نافذ کرتا ہو گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ میں نے مثلاً ایک امیر کو مقرر کیا مگر وہ آگے جا کر خودسر ہو گیا اور مجموعہ شر ہو گیا میرے بتائے ہوئے قوانین کی جگہ اپنا راستہ متعین کرتا ہے اپنا قانون بنا کر چلتا ہے تو تم اس کو معزول کر دو۔ علماء کرام نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر کوئی حاکم رعیت پر ظلم کرتا ہے عوام کے حقوق کا خیال نہیں رکھتا اور اسلامی نظام کو نافذ بھی نہیں کرتا بلکہ غیروں کے قوانین چلاتا ہے اور اس پر مسلمانوں کو ڈالتا ہے تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو معزول کر کے دوسرے کو حاکم بنائے۔

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حاکم رعیت کے اموال پر تجاوز کرتا ہے مگر اس کے ہٹائے جانے میں خونریزی اور فتنہ کا خطرہ ہے تو ایسے حاکم کو نہ چھیڑا جائے بلکہ چھوڑا جائے لیکن اگر کوئی حاکم لوگوں کی جانوں کو لیتا ہے عوام وخواص کو قتل کرتا ہے تو اگر اس کے معزول کرنے اور قتل کرنے میں زیادہ خونریزی کا خطرہ ہے تو اس کو چھوڑا جائے اور اگر معزول کرنے اور قتل کرنے میں کم خونریزی کا خطرہ اور باقی رکھنے میں زیادہ ہلاکتوں کا خطرہ ہے تو پھر اس کو اور اس کی پارٹی کے لوگوں کا قتل کرنا جائز ہے۔

(مرقات ج ۷ ص ۳۰۹)

مورخہ ۱۶ صفر ۱۴۱۸ھ

الفصل الثالث

اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں

﴿۲۱﴾عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَمَرَّ رَجُلٌ بِغَارٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ وَبَقْلٍ فَحَدَّثَ نَفْسَهُ بِأَنْ يُقِيْمَ فِيْهِ وَيَتَخَلّٰى مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَأْذَنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَمْ أُبْعَثْ بِالْيَهُوْدِيَّةِ وَلَا بِالنَّصْرَانِيَّةِ وَلٰكِنِّيْ بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَغَدْوَةٌ أَوْ رَوْحَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا وَلَمَقَامُ أَحَدِكُمْ فِي الصَّفِّ خَيْرٌ مِنْ صَلَاتِهٖ سِتِّيْنَ سَنَةً. رَوَاهُ أَحْمَدُ

حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لشکر میں نکلے تو دوران سفر جب (ہم میں سے) ایک شخص ایک ایسے غار (وادی) کے درمیان سے گزرا جس میں کچھ پانی اور سبزہ تھا تو اس نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ اسی غار میں رہ جائے اور دنیا سے کنارہ کشی کر لے۔ چنانچہ اس نے اس بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، آپؐ نے فرمایا "یاد رکھو! نہ تو میں دین یہودیت دے کر (اس دنیا میں) بھیجا گیا ہوں اور نہ دین عیسائیت دے کر (کہ میں تم لوگوں کو رہبانیت کی تعلیم دوں، بیجا مشقت وتکلیف میں مبتلا کروں اور لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور لذات دنیا سے مطلقاً کنارہ کشی کی اجازت دوں بلکہ میں تو دین حنیفیہ لے کر بھیجا گیا ہوں جو ایک آسان دین ہے جس میں نہ تو انسانیت عامہ کے لئے بیجا تکلیف وحرج ہے اور نہ زائد از ضرورت مشقت ومحنت ہے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! دن کے (صرف ابتدائی یا آخری حصے میں یعنی صبح وشام کو خدا کی راہ (جہاد) میں چلے جانا دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا میدان جنگ کی صف میں کھڑا ہونا اس کی ساٹھ سال کی (تنہا پڑھی جانے والی) نماز سے بہتر ہے۔" (احمد)

توضیح

"الیھودیۃ" یعنی جہاد کو چھوڑ کر غاروں میں بیٹھنا اور رہبانیت اختیار کر کے عبادت میں لگنا اور عام معاشرہ سے الگ تھلگ ہو کر درویش بننے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ اس دین کی بڑی عبادت میدان کارزار میں ہے اس کے پیرو کار رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوتے ہیں۔

سکھایا ہے ہمیں اے دوست طیبہ کے والیؐ نے
کہ ہو جہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایمان ہے

جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی

برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایمان ہے

''الحنیفیة'' یہ حنفاء کی طرف منسوب ہے دین توحید مراد ہے ''السمحة'' یہ آسان اور واضح کے معنی میں ہے یعنی میرے رب نے مجھے دین توحید پر بھیجا ہے جو آسان تر دین ہے جس میں یہود و نصاریٰ کی طرح بے جا تشدد نہیں ہے اور نہ کوئی ایسی مشقت ہے جو نا قابل برداشت ہو۔

جہاد میں اخلاص نیت ضروری ہے

﴿۶۲﴾وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَمْ يَنْوِ اِلَّا عِقَالاً فَلَهٗ مَانَوٰى رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے ایک رسی کے بھی حصول کی نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا تو اس کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہے۔'' (نسائی)

مجاہدین کے اونچے درجے

﴿۶۳﴾وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْناً وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْسَعِيْدٍ فَقَالَ أَعِدْهَا عَلَيَّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰى يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَابَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَاهِيَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین برحق ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہوا (یعنی دل سے ان سب کو مانا) تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔'' ابوسعیدؓ نے یہ ارشاد سنا تو ان کو اس پر بڑا تعجب ہوا انہوں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! ان کلمات کو ایک مرتبہ پھر میرے سامنے ارشاد فرمایئے۔'' آنحضرتؐ نے ان کے سامنے پھر یہی کلمات ارشاد فرمائے اور پھر فرمایا کہ ''ایک چیز اور ہے جس کے سبب اللہ تعالیٰ جنت میں بندے کو سو درجے کی بلندی پر پہنچاتا ہے اور ان میں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔'' ابوسعیدؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! وہ کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ (مسلم)

توضیح

''عقالا'' رسی کو عربی میں عقال کہتے ہیں یعنی جہاد میں اگر کسی نے ایک رسی کی نیت بھی کی تو وہی رسی ملے گی ثواب نہیں ملے گا۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ جہاد میں اخلاص کی آخری حد اور تقویٰ کے آخری مقام کو بتایا گیا ہے کہ حقیر سے حقیر چیز کی نیت بھی جہاد کے پاکیزہ عمل کے ساتھ شامل نہ ہو۔ لیکن اگر ایک شخص جہاد کے ساتھ ساتھ مال کی نیت بھی رکھتا ہے تو اس سے جہاد کا ثواب باطل نہیں ہوگا اور شرعا اس طرح نیت جائز ہے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص ریاکاری کے ساتھ جہاد کرتا ہے اس میں بھی جہاد کا سارا عمل ضائع نہیں ہوگا اگرچہ ریاکاری بے کار ہے۔ بہرحال ایک تقویٰ کا مقام ہے دوسرا فتویٰ کا مقام ہے فرق کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

جنت تلواروں کے سائے تلے ہے

﴿۲۴﴾وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْهَيْئَةِ فَقَالَ يَا أَبَا مُوسَى أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَقْرَأُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ ثُمَّ كَسَرَ جَفْنَ سَيْفِهِ فَأَلْقَاهُ ثُمَّ مَشٰى بِسَيْفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتّٰى قُتِلَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک مجلس میں) یہ بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے'' جنت کے دروازے تلواروں کے سائے میں ہیں'' (یہ سن کر) ایک خستہ حال شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ'' ابوموسیٰؓ! کیا تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ یعنی آنحضرتؐ سے تمہارا یہ سننا جزم ویقین کے طور پر ہے؟ انہوں نے کہا'' ہاں''! (یہ سنتے ہی) وہ شخص اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہا کہ'' میں تمہیں (آخری) سلام کرتا ہوں اور پھر اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا (یعنی اس کے ذریعہ اس نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں لوٹ کر نہیں آؤں گا) یعنی اپنی تلوار لے کر دشمنوں کی طرف روانہ ہوا اور ان سے لڑا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔'' (مسلمؒ)

توضیح

''تحت ظلال السیوف'' اس جملہ کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ مجاہد جب کسی کافر کے سر پر مارنے کے لئے تلوار اٹھاتا ہے اور سایہ کافر پر پڑتا ہے تو اس کے نیچے جنت ہے کیونکہ کافر کے مارنے سے ثواب حاصل ہوگا جو موجب جنت بنے گا۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی کافر کسی مسلمان کے سر پر مارنے کے لئے تلوار اٹھاتا ہے اور تلوار کا سایہ مسلمان پر پڑتا ہے

تو اس سایہ کے نیچے جنت ہے کیونکہ مسلمان کو شہادت ملے گی جو باعث جنت ہے یہاں ابواب کے لفظ سے اشارہ ہوتا ہے کہ مجاہد جہاں بھی ہوگا جنت کے راستے پر ہوگا۔

''رث الھیئۃ'' یعنی پھٹے پرانے کپڑے اور پراگندہ بال خستہ حال صورت کا مالک کوئی تابعی شخص تھا۔

''جفن'' تلوار کے پرتلے اور نیام کو کہتے ہیں۔ یہ حدیث ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ دین کے حکم کے سننے کے بعد اس پر عمل کی ضرورت ہے اس شخص کو دیکھئے حدیث سنی اور عمل کیا آج کل عوام اور خواص کی مثال ربڑ کی طرح ہے کہ کھینچ کھینچ کر جب چھوڑا جائے تو جہاں سے کھینچا تھا وہیں پر چلا جاتا ہے۔ پھر تبلیغی جماعت کے بعض حضرات نے بھی جہاد میں تشویش پیدا کی ہے۔

شہداء احد کے بارے میں بشارت

﴿۶۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِأَصْحَابِهِ إِنَّهُ لَمَّا أُصِيْبَ إِخْوَانُكُمْ يَوْمَ أُحُدٍ جَعَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَهُمْ فِيْ جَوْفِ طَيْرٍ خُضْرٍ تَرِدُ أَنْهَارَ الْجَنَّةِ تَأْكُلُ مِنْ ثِمَارِهَا وَتَأْوِيْ إِلٰى قَنَادِيْلَ مِنْ ذَهَبٍ مُعَلَّقَةٍ فِيْ ظِلِّ الْعَرْشِ فَلَمَّا وَجَدُوْا طِيْبَ مَأْكَلِهِمْ وَمَشْرَبِهِمْ وَمَقِيْلِهِمْ قَالُوْا مَنْ يُبَلِّغُ إِخْوَانَنَا عَنَّا أَنَّنَا أَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ لِئَلَّا يَزْهَدُوْا فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَنْكُلُوْا عِنْدَ الْحَرْبِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَا أُبَلِّغُهُمْ عَنْكُمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ. إِلٰى آخِرِ الْآيَاتِ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا ''جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں منتقل کر دیا، چنانچہ وہ روحیں (ان پرندوں کے قالب میں) جنت کی نہروں پر آتی ہیں، وہاں کے میوے کھاتی ہیں اور پھر ان سونے کی قندیلوں میں جا کر بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے سایہ میں لٹکی ہوئی ہیں۔ تو جب ان روحوں نے اپنے کھانے پینے اور اپنے بسیرے کی لطف اندوزی کو پایا تو کہنے لگیں کہ ''کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ پیغام پہونچا دے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور حق تعالیٰ کی ایسی ایسی عظیم نعمتوں سے لطف اندوز ہیں تا کہ وہ جنت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی و کوتاہی نہ کریں (بلکہ جنت کے درجات کو حاصل کرنے میں راغب ہوں) اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے (ان کی یہ بات سن کر) فرمایا (گھبراؤ نہیں) تمہاری طرف سے میں ان کو یہ پیغام پہنچاؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (ابوداؤد)

تین قسم کے مسلمان

﴿۶۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا

عَلٰی ثَلَاثَةِ أَجْزَاءٍ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِأَمْوَالِھِمْ وَأَنْفُسِھِمْ فِيْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْ یَأْمَنُہُ النَّاسُ عَلٰی أَمْوَالِھِمْ وَأَنْفُسِھِمْ ثُمَّ الَّذِیْ إِذَا أَشْرَفَ عَلٰی طَمَعٍ تَرَکَہٗ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ. رَوَاہُ أَحْمَدُ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دنیا میں تین طرح کے مومن ہیں ایک تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کسی شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہوئے، نیز انہوں نے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے ذریعہ اللہ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مومنین کی یہ وہ جماعت ہے جس نے اپنے ایمان کو کامل اور اپنے نفس کو مہذب (پاکیزہ) بنایا اور اس کے ساتھ ہی مخلوق خدا کی فلاح و بہبودی اور ان کی پاکیزگی کے لئے بھی جدوجہد کی اور یہی وہ جماعت ہے جو مرتبہ کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و اشرف ہے) دوسرا مومن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے مال اور ان کی جان محفوظ ہیں (یعنی اگر چہ اس نے مخلوق خدا کی فلاح و بہبودی کے لئے جدوجہد نہیں کی لیکن اس کے ذریعہ لوگوں کو کسی طرح نقصان وضرر بھی نہیں پہنچا نیز نہ تو اس نے احتکار کیا اور نہ طمع وحرص میں مبتلا ہوا) اور پھر تیسرا مومن وہ شخص ہے کہ جب اس کے دل میں طمع پیدا ہوجائے تو اللہ کے خوف سے اس طمع کو چھوڑ دے۔" (احمد)

شہید کی تمنا

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِیْ عَمِیْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ یَقْبِضُھَا رَبُّھَا تُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ إِلَیْکُمْ وَأَنَّ لَھَا الدُّنْیَا وَمَافِیْھَا غَیْرَ الشَّھِیْدِ قَالَ ابْنُ أَبِیْ عَمِیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَأَنْ أُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ أَحَبُّ إِلَیَّ مِنْ أَنْ یَکُوْنَ لِیْ أَھْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ رَوَاہُ النَّسَائِیُّ

اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کے علاوہ اور ایسا کوئی مسلمان شخص نہیں ہے جو اپنے پروردگار کی طرف سے اپنی روح قبض کئے جانے کے بعد اس بات کو پسند کرے کہ وہ لوٹ کر تمہارے پاس آئے اور دنیا و مافیہا کی چیزوں کو حاصل کرے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (بھی) فرمایا کہ خدا کی قسم! میرا خدا کی راہ میں مارا جانا میرے نزدیک اس چیز سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ خیمے والے اور حویلیوں والے میرے مملوک ومحکوم ہوں۔ (نسائی)

توضیح

"اھل الوبر" وبر اونٹ کے بال اور پشم کو کہتے ہیں مراد خیمے ہیں اور خیموں والے لوگ خانہ بدوش اور صحرائی لوگ ہوتے

ہیں مطلب آبادی سے دور خانہ بدوش لوگوں کے علاقے ہیں اور "المدر" اس سے مراد مٹی اور کچے مکانات کے لوگ ہیں مطلب یہ کہ مجھے جہاد اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ان تمام لوگوں کا حاکم بن جاؤں اور حکومت کروں۔

چار قسم کے لوگ جنت میں ہوں گے

﴿۲۸﴾وَعَنْ حَسْنَاءَ بِنْتِ مُعَاوِيَةَ قَالَتْ حَدَّثَنَا عَمِّيْ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فِي الْجَنَّةِ قَالَ، النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ وَالشَّهِيْدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْمَوْلُوْدُ فِي الْجَنَّةِ وَالْوَئِيْدُ فِي الْجَنَّةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت حسناء بنت معاویہ (ابن سلیم) کہتی ہیں کہ مجھ سے میرے چچا حضرت اسلمؓ ابن سلیم نے بیان کیا کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "جنت میں کون کون لوگ ہوں گے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت میں نبی ہوں گے، شہید ہوں گے، جنت میں بچے ہوں گے اور جنت میں وہ ہوں گے جن کو جیتے جی گاڑ دیا گیا ہے۔" (ابوداودؒ)

"المولود" چھوٹے بچے کو مولود کہتے ہیں "الوئید" زندہ درگور بچے کو وئید بمعنی موؤد کہتے ہیں۔

جہاد میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور انچاس کروڑ کی بات

﴿۲۹﴾وَعَنْ عَلِيٍّ وَأَبِي الدَّرْدَاءِ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ وَأَبِيْ أُمَامَةَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَجَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ كُلُّهُمْ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَنْ أَرْسَلَ نَفَقَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَقَامَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ دِرْهَمٍ وَمَنْ غَزَا بِنَفْسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَنْفَقَ فِيْ وَجْهِهٖ ذٰلِكَ فَلَهٗ بِكُلِّ دِرْهَمٍ سَبْعُمِائَةِ أَلْفِ دِرْهَمٍ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه

اور حضرت علیؓ، حضرت ابودرداؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ، حضرت عبداللہ ابن عمروؓ، حضرت جابر ابن عبداللہ اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہم اجمعین یہ سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "جس شخص نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں روپیہ پیسہ اور سامان و اسباب بھیجا اور خود اپنے گھر میں بیٹھا رہا (یعنی جہاد میں خود شریک نہیں ہوا بلکہ روپے پیسے اور سامان سے جہاد میں مدد کی) تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات سو درہم کا ثواب ملے گا اور جس شخص نے خود جہاد بھی کیا اور جہاد میں روپیہ پیسہ اور مال بھی خرچ کیا (یعنی لڑائی میں خود شریک بھی ہوا اور مالی مدد بھی پہنچائی) تو اس کو ہر درہم کے بدلے سات لاکھ درہم کا ثواب ملے گا (کیونکہ اس نے اپنے نفس کو بھی مشقت و دکھ میں مبتلا کیا اور اپنا مال بھی خرچ کیا) پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے ثواب میں مزید اضافہ کرتا ہے۔" (ابن ماجہؒ)

توضیح

اس سے پہلے حدیث ۱۳ اور حدیث ۳۸ میں یہ بات مذکور ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں ایک اونٹنی کے بدلے سات سو اونٹنیاں ملیں گی اور دنیا میں ایک درہم خرچ کرنے کے عوض قیامت میں سات سو درہم ملیں گے زیر بحث حدیث میں بھی اس کا تذکرہ ہے لیکن یہاں دو قسم کے لوگ ہیں اور دونوں کا ثواب الگ الگ ہے ایک وہ شخص ہے جو مجاہدین کے لئے پیسہ بھیج دیتا ہے مگر خود گھر میں بیٹھا ہوا ہے جہاد میں شریک نہیں ہے اس کو ایک درہم کے بدلے سات سو درہم ملیں گے دوسرا وہ شخص ہے کہ خود بھی جہاد میں شریک ہے اور اس راستے میں پیسہ بھی خرچ کر رہا ہے تو زیر بحث حدیث میں ہے کہ اس کو ایک درہم کے عوض سات لاکھ درہم ملیں گے اب یہاں دونوں آدمی بھی الگ ہیں دونوں کے عمل میں بھی فرق ہے دونوں کے ثواب اور اجر میں بھی فرق ہے لہٰذا دونوں کو الگ الگ رکھنا چاہئے تبلیغی حضرات یہاں اس حدیث سے انچاس کروڑ کا ثواب نکالتے ہیں اور طریقہ یہ اختیار کرتے ہیں کہ سات سو درہم والی حدیث سے سات لاکھ والی حدیث میں ضرب دیتے ہیں مثلاً ۷۰۰۰۰۰×۷۰۰= ۴۹۰۰۰۰۰۰۰ اس خطیر رقم کو حاصل کرنے کے بعد یہ حضرات اس فضیلت کو اپنے مخصوص اعمال کے ساتھ خاص کرتے ہیں یہاں سوال یہ ہے کہ سبیل اللہ عام ہے یا خاص ہے اگر عام ہے تو یہ ثواب طلباء، علماء، خطباء، فقہاء، حجاج کرام، اہل تبلیغ اور مجاہدین سب کو ملنا چاہئے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے راستے ہیں اور اگر سبیل اللہ خاص ہے تو پھر انصاف کا تقاضا ہے کہ یہ فضیلت صرف مجاہدین کو حاصل ہو کیونکہ سبیل اللہ جب مطلق ذکر ہو جائے تو اس سے جہاد کا راستہ مراد ہوتا ہے نیز حدیث بھی کتاب الجہاد میں مذکور ہے جو مجاہدین کے ساتھ خاص ہے نہ کہ اہل تبلیغ کے ساتھ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں انچاس کروڑ نکالنے کی آخر ضرورت کیا ہے اور کونسی مجبوری ہے؟ کیا حدیث سمجھنے کے لئے اس طرح ضرب دینے کی ضرورت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو دو الگ الگ قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا ہے تو دو کو ایک بنانے کا جواز کہاں سے آیا؟ پھر چلو اگر دو قسم لوگوں کا ثواب ایک قسم کو دینا ہے تو جب سات سو والے کا ثواب سات لاکھ والے کو دیدیا تو اس کے پاس سات لاکھ سات سو عدد کا ثواب آگیا یہ انچاس کروڑ کہاں سے آگیا؟۔

اگر کوئی شخص "یضعف" کے الفاظ سے استدلال کرنا چاہتا ہے کہ اس میں دوگنا کرنے کا ذکر ہے تو عرض یہ ہے کہ دو چند اور دوگنا کرنے کی حد خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادی کہ ایک کا ثواب سات سو تک اور دوسرے کا سات لاکھ تک بڑھ جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے تضعیف اور دو چند کرنے کی حد بتادی ہے آپ اس سے آگے کیوں جاتے ہو؟ اگر قیامت میں لوگ انچاس کروڑ مانگنا شروع کردیں تو یہ حضرات کہاں سے دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ تعین نہیں ہے یہ تو ان حضرات کا اپنا مفروضہ ہے حالانکہ انچاس کروڑ عدد کے لئے عربی کے الفاظ بتانا بھی ان حضرات کو نہیں آتا تحفۃ الاحوذی

میں لکھا ہے کہ "والفضائل لاتؤخذ بالقیاس" یعنی فضائل کو قیاس کر کے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے یہاں تو تعین ہوتا ہے قیاس نہیں چلتا۔

باقی ایک ضابطہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ شریعت میں ثواب بڑھنے اور زیادہ ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے "واللہ یضاعف لمن یشاء" قرآن کی آیت ہے اونچاس کروڑ کیا اونچاس ارب ثواب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن شریعت نے جہاں تعین کیا ہے ہم کریں گے اور جہاں شریعت نے مبہم چھوڑ کر تعین نہیں کیا ہے تو کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تعین کرے، آج کل بیشمار لوگ بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ بیت اللہ میں ایک نیکی ایک لاکھ کی ہے اور دعوت وتبلیغ میں اونچاس کروڑ کی ہے۔ ماہنامہ البلاغ میں ایک دفعہ زیر بحث ابن ماجہ کی حدیث کے متعلق ایک فتویٰ آیا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ابن ماجہ کی یہ حدیث ضعیف ہے لہٰذا جو شخص بھی اس حدیث کو بیان کرے گا اس پر لازم ہوگا کہ وہ عوام کو یہ بھی بتائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

مجاہد کے بلند درجات کو دیکھ کر سر سے ٹوپی گر گئی

﴿۴۰﴾ وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ أَرْبَعَةٌ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَّقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ أَعْيُنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰكَذَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ حَتّٰى سَقَطَتْ قَلَنْسُوَتُهُ فَمَا أَدْرِيْ أَقَلَنْسُوَةَ عُمَرَ أَرَادَ أَمْ قَلَنْسُوَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ جَيِّدُ الْإِيْمَانِ لَقِيَ الْعَدُوَّ كَأَنَّمَا ضُرِبَ جِلْدُهُ بِشَوْكِ طَلْحٍ مِنَ الْجُبْنِ أَتَاهُ سَهْمٌ غَرْبٌ فَقَتَلَهُ فَهُوَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّانِيَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الثَّالِثَةِ وَرَجُلٌ مُؤْمِنٌ أَسْرَفَ عَلٰى نَفْسِهِ لَقِيَ الْعَدُوَّ فَصَدَقَ اللّٰهَ حَتّٰى قُتِلَ فَذٰلِكَ فِي الدَّرَجَةِ الرَّابِعَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت فضالہ ابن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ابن خطابؓ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "شہید چار طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ شخص ہے جو کامل الایمان مسلمان تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا، تو یہ وہ شخص ہے جس کی طرف قیامت کے دن لوگ اس طرح سر اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنا سر اٹھایا یہاں تک کہ ان کی ٹوپی گر پڑی۔" حدیث کے وہ راوی جنہوں نے اس روایت کو حضرت فضالہؓ سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ حضرت فضالہؓ کی

مراد کس کی ٹوپی تھی (یعنی انہوں نے یہ واضح نہیں کیا) کہ حضرت عمرؓ (نے حدیث بیان کرتے وقت آنحضرت کی طرح سر اٹھا کر دکھلایا تو ان) کی ٹوپی گری تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی گری تھی (بہر کیف حاصل یہ کہ قیامت کے دن یہ شخص اتنا عالی مرتبہ ہوگا کہ لوگ اس کی طرف اچک اچک کر دیکھیں گے) پھر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اور دوسرا وہ شخص جو جید الایمان مومن تھا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنی بزدلی کی وجہ سے ایسا نظر آنے لگا جیسے اس کے بدن میں خاردار درخت کے کانٹے ہوں (یعنی یہ اس شخص کے خوف کی وجہ سے تھرتھر کانپنے اور دہشت سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی کیفیت کو کنایۃً بیان کیا گیا ہے) اور پھر ایک تیر آ کر اس کو لگا جس کو چلانے والا نامعلوم تھا اور اس تیر نے اس کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا تو یہ شخص (پہلے شخص کی بہ نسبت) دوسرے درجہ کا ہے اور تیسرا شخص وہ مومن تھا جس نے کچھ اچھے اور کچھ برے اعمال کئے تھے اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ (لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص تیسرے درجہ کا ہے اور چوتھا شخص وہ مسلمان ہے جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا تھا (یعنی جس نے بہت زیادہ گناہ کئے تھے) اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو سچ کر دکھایا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا تو یہ شخص چوتھے درجہ کا ہے۔'' امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

''الشهداء اربعة'' یعنی شہدا کی چار انواع ہیں صرف چار آدمی مراد نہیں ''العدو'' یعنی کفار سے مڈبھیڑ ہوئی۔

''فصدق الله'' یہ صیغہ تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے جو مشہور ہے اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس مجاہد نے اپنی جرأت و شجاعت کے ساتھ اس وعدہ کو پورا کیا جو وعدہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔

قال الله تعالیٰ ﴿رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه﴾۔

علامہ طیبیؒ نے اس جملہ کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کی صفت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ ثواب کی نیت سے لڑنے والے ہوتے ہیں۔ جب اس شخص نے اپنے فعل سے اپنی ثابت قدمی اور اخلاص کے ساتھ لڑنے کو ثابت کیا تو گویا اس نے اپنے کردار سے اللہ تعالیٰ کے قول کو سچ کر دکھایا ''صدق الله حتى قتل'' کا یہی مطلب ہے۔

''قلنسوته'' یعنی حضرت عمر یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید کے بلند درجات کو بتانے کے لئے آسمان کی طرف اتنا سر اٹھایا کہ آپ کی ٹوپی پیچھے کی طرف گر گئی اس حدیث سے شہید کے بلند درجات کا جہاں ثبوت ملتا ہے وہیں پر آنحضرت کا ٹوپی زیب تن کرنا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ ''فـــمـــا ادری'' یہ راوی کا قول ہے جو حضرت فضالہ سے روایت کرتے ہیں

''اراد'' یعنی حضرت فضالہ نے حضرت عمر کی ٹوپی گرنے کا کہا یا نبی مکرم کی ٹوپی گرنے کی بات کی، بظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ٹوپی مراد ہے کیونکہ متبادر یہی ہے۔

''بشوک طلح'' شوک کانٹے کو کہتے ہیں اور طلح کیکر وغیرہ خاردار درخت کو کہتے ہیں جس میں بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں یعنی بزدلی کی وجہ سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں گویا اس میں کانٹے چبھ رہے ہیں چار قسم آدمیوں میں اول جید الایمان بہادر ہے دوسرا جید الایمان بزدل ہے تیسرا کچھ گناہ گار ہے چوتھا مکمل گناہ گار ہے سب شہید ہیں معلوم ہوا گناہ گار آدمی بھی جہاد میں حصہ لے سکتا ہے۔ تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ پہلے فرشتہ بنو پھر جہاد ہوگا یاد رکھو نہ ان کا کوئی آدمی فرشتہ بنے گا نہ جہاد ہوگا۔

منافق شہید نہیں ہوتا

﴿۱۷﴾وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِ السُّلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَتْلٰى ثَلَاثَةٌ مُؤْمِنٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ فَذٰلِكَ الشَّهِيْدُ الْمُمْتَحَنُ فِيْ خَيْمَةِ اللّٰهِ تَحْتَ عَرْشِهٖ لَايَفْضُلُهُ النَّبِيُّوْنَ اِلَّا بِدَرَجَةِ النُّبُوَّةِ وَمُؤْمِنٌ خَلَطَ عَمَلًا صَالِحاً وَآخَرَ سَيِّئًا جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ مُمَصْمِصَةٌ مَحَتْ ذُنُوْبَهٗ وَخَطَايَاهُ اِنَّ السَّيْفَ مَحَّاءٌ لِلْخَطَايَا وَاُدْخِلَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ وَمُنَافِقٌ جَاهَدَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَاِذَا لَقِيَ الْعَدُوَّ قَاتَلَ حَتّٰى يُقْتَلَ فَذَاكَ فِي النَّارِ اِنَّ السَّيْفَ لَايَمْحُو النِّفَاقَ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

اور حضرت عتبہؓ ابن عبد السلمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو لوگ جہاد میں مارے جاتے ہیں وہ تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ کامل مومن جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا چنانچہ جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی (تو وہ پوری بہادری اور شجاعت) کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ'' یہ وہ شہید ہے جس کو جہاد کی مشقتوں اور آزمائش میں مبتلا کیا گیا، یہ شہید (آخرت میں) عرش الہی کے نیچے اللہ کے خیمے میں ہوگا اور انبیاء اس سے صرف درجہ نبوت میں زیادہ ہوں گے۔ اور دوسرا شخص وہ مومن ہے جس کے اعمال ملے جلے ہوں کہ اس نے کچھ نیک عمل کئے ہوں اور کچھ برے عمل، چنانچہ اس نے اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو پوری بہادری اور شجاعت کے ساتھ لڑا یہاں تک کہ مارا گیا۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا'' کہ یہ شہادت یا خصلت، پاک

کرنے والی ہے کہ اس کے گناہوں اور خطاؤں کو مٹاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تلوار خطاؤں کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے، یہ وہ شہید ہے کہ جس دروازے سے جانا چاہے گا جنت میں داخل کیا جائے گا۔" اور تیسرا شخص منافق ہے کہ (اگرچہ) اس نے (بھی) اپنی جان اور اپنے مال کے ذریعہ جہاد کیا اور جب دشمن سے اس کی مڈبھیڑ ہوئی تو (خوب) لڑا یہاں تک کہ مارا گیا (لیکن) یہ شخص دوزخ میں جائے گا، کیونکہ تلوار نفاق کو نہیں مٹاتی۔" (دارمی)

توضیح

"الممتحن" اسم مفعول کا صیغہ ہے امتحان و آزمائش میں ڈالے ہوئے کے معنی میں ہے لیکن یہاں اس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم شہید کے دل کو ایمان وتقویٰ کے لئے کھولدیا اور ایمان وتقویٰ پر اس کا شرح صدر ہوگیا جیسے آیت میں ہے ﴿اولئک الذین امتحن اللہ قلوبهم للتقوی﴾ یہ لوگ عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ خیمے میں ہونگے۔

"ممصمصة" مدحرجة کے باب پر بیان ہے اس کا موصوف یا لفظ "شهادة" ہے اور اصل یہ ہے ای شهادة ممصمصة او فصلة ممصمصة، مصمص مضمضہ کے وزن پر صفائی اور طہارت و پاکیزگی کی معنی میں ہے یعنی یہ شہادت گناہوں سے آدمی کو پاک وصاف کرنے والی ہے۔

"ذاک فی النار" یعنی منافق اگرچہ جہاد کرے خوب لڑے اور دنیوی شہید بھی بنے اپنے کپڑوں میں بغیر غسل کے شہید کی طرح دفن بھی ہوجائے پھر بھی جنت کے بجائے دوزخ میں جائیگا کیونکہ تلوار گناہوں کو دھوڈالتی ہے مگر غلط عقیدہ کو بدل نہیں سکتی ہے جیسے قادیانی، آغاخانی، رافضی ملحد ذکری وغیرہ ہیں جو پاکستانی فوج میں سروس کیلئے لڑتے ہیں اور مرتے ہیں مگر یہ شہید نہیں ہوتے ہیں کیونکہ منافق شہید نہیں ہوتے ہیں۔

صرف ایک نیکی پر جنت، عجیب قصہ

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَيْهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهُ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ رَآهُ اَحَدٌ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ حَرَسَ لَيْلَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَصَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثٰى عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُكَ يَظُنُّوْنَ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقَالَ يَاعُمَرُ اِنَّكَ لَاتُسْأَلُ عَنْ اَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

اور حضرت ابن عائذ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازے کے ساتھ چلے (تاکہ اس

کی نماز پڑھیں) جب جنازہ رکھا گیا تو حضرت عمر ابن خطابؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس جنازے کی نماز نہ پڑھئے کیونکہ یہ ایک فاسق شخص تھا۔" (یہ سن کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "کیا تم میں سے کسی نے اس کو اپنی زندگی میں کوئی ایسا عمل کرتے دیکھا ہے جو حقیقی اسلام پر دلالت کرے تو وہ ہمیں بتائے ایک شخص نے عرض کیا" ہاں، یا رسول اللہ! اس شخص نے ایک رات اللہ کی راہ میں پاسبانی کی خدمت انجام دی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ کی نماز پڑھی اور (تدفین کے وقت اس کی قبر پر) مٹی ڈالی اور (گویا میت کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ "تیرے ساتھیوں کا تو یہ گمان ہے کہ تو دوزخی ہے اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے۔" اور پھر (حضرت عمرؓ سے فرمایا) "عمر! تم سے لوگوں کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا بلکہ تم سے دین اسلام کی بابت پوچھا جائیگا۔

(اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

توضیح

"علی عمل الاسلام" یعنی کسی نے اس شخص کو ایسے عمل پر دیکھا ہے جو اس کے حقیقی اسلام پر دلالت کرتا ہوا ایک شخص نے کہا کہ میں نے اس کو جہاد فی سبیل اللہ میں ایک دفعہ چوکیداری کرتے دیکھا تھا یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھا دی کیونکہ ایمان و اسلام پر جہاد کے ایک عمل نے دلالت کی، غیب کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے مردے کو مرنے کے بعد اچھے القاب سے یاد کرنا چاہئے حکم لگانا بندے کا کام نہیں ہے اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو تنبیہ فرمائی اور غیب کے معاملہ پر حکم لگانے سے منع فرمادیا کہ نفس اسلام کو دیکھا کرو قیامت میں فطرت اسلام کا سوال ہوگا پوشیدہ اعمال کے ٹٹولنے میں نہ پڑو پھر حضور اکرم نے اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگ تجھے دوزخی خیال کرتے ہیں لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ تم جنتی ہو، ایک تو اسلام کی وجہ ہے کہ تم مسلمان ہو، دوسرا جہاد کا عمل ہے جو ایک عظیم عمل ہے۔ سبحان اللہ جہاد کتنا بڑا عمل ہے کہ بے عمل بھی یہاں باعمل ہے۔

یہاں ان حضرات کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو دن رات یہی گن گاتے ہیں کہ پہلے ایمان بناؤ پھر جہاد میں جاؤ گویا جب تک فرشتہ نہیں ہوگے جہاد کے قریب جانا حرام ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ"۔

مورخہ ۱۷ صفر ۱۴۱۹ھ

باب اعداد آلة الجهاد

سامان جہاد کی تیاری کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿واعدوا الهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم﴾

الفصل الاول

بقدر استطاعت جہاد کے لئے طاقت فراہم کرنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَااسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْىُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْىُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْىُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عقبہ ابن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اور تم کافروں سے جنگ کرنے کے لئے (اپنی) طاقت وقوت کی جو (بھی) چیز تیار وفراہم کر سکتے ہو کرو۔ یاد رکھو! تیر اندازی قوت ہے یاد رکھو! تیر اندازی قوت ہے، یاد رکھو تیر اندازی قوت ہے۔'' (مسلم)

توضیح

'' واعدوا الهم مااستطعتم من قوة '' اعداد سامان وغیرہ کی تیاری کے معنی میں ہے صاحب مشکوۃ نے یہ عنوان اسی آیت کے پیش نظر قائم کر رکھا ہے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ واعدوا میں امر کا جو صیغہ ہے تمام مسلمان اس کے مخاطب ہیں اور ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہے کہ وہ ذاتی طور پر جہاد کی تیاری کرے اور اپنی ایک قوت پیدا کرے یہ قوت اگر چہ پوری دنیا کی قوت کے برابر نہ ہو پھر بھی اپنی طاقت کے مطابق قوت پیدا کرنا ضروری ہے۔

''مااستطعتم'' کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ تم سے جتنا ہو سکتا ہے اتنا کرو۔

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اعداد الات جہاد پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام'' اسلام اور ہتھیار'' رکھا ہے اس میں آپ نے قرآن وحدیث سے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلحہ سیکھ بھی لے اور گھر میں رکھ بھی لے اور کفار پر استعمال بھی کرے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت اس وقت پیش آئی کہ جب ہندوستان میں انگریز کی طرف سے عام پروپیگنڈہ ہو گیا کہ اسلام میں ہتھیار اور تلوار کا کوئی مقام نہیں یہاں تک کہ اخبارات میں مضامین شائع

ہونے لگے اس پر کچھ مسلمانوں نے دارالعلوم دیوبند سے فتوی مانگا کہ آیا اسلام میں تلوار کا کوئی مقام ہے یا نہیں، علماء دیوبند نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری کو جواب دینے کے لئے منتخب کیا آپ نے یہ کتاب لکھی جس پر سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے دستخط موجود ہیں روزنامہ انقلاب مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء میں یہ فتوی جاری کردیا گیا، میں نے اس کتاب کو دعوت جہاد ص ۲۵۰ پر پورا نقل کردیا ہے۔ اعداد آلہ جہاد اور اسلحہ سازی کا اہتمام وانتظام خود نبی آخرزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ترجیحی بنیادوں پر کیا تھا۔ چنانچہ جب طائف کے قلعہ کا محاصرہ طویل ہوگیا تو آپ نے قلعہ شکن اسلحہ کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا اس پر حضرت سلمان فارسیؓ نے منجنیق تیار کی، پھر آنحضرت نے اسی طائف سے دو صحابہ کو دمشق کے علاقہ جرش کی طرف روانہ فرمایا کیونکہ جرش میں اس وقت دو قسم کے نئے اسلحے تیار ہورہے تھے ایک کا نام دبابہ یعنی ٹینک تھا اور دوسرے کا نام ضبور تھا یہ ایک قسم کی گاڑی تھی جس طرح آج کل بکتر بند گاڑی ہوتی ہے۔

آنحضرت نے چاہا کہ مسلمان صرف ٹینک خرید کر نہ لائیں بلکہ اسلحہ سازی کی ٹیکنالوجی سیکھ کر آئیں چنانچہ حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن مسلمہ نے جاکر اس کو سیکھا اور واپس آگئے۔

جنگ خندق کے بعد بنوقریظہ کو جب شکست ہوگئی اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنائی گئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے بازاروں میں ان عورتوں کو اسلحہ کے بدلے فروخت کیا اور اسلحہ حاصل کیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلحہ سازی کی بے انتہا ترغیب دی ہے احادیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ سیکھنے سکھانے، رکھنے اور چلانے کی بے حد ترغیب دی ہے کیونکہ کفار مادی قوت سے ڈرتے ہیں روحانی قوت کی وہ کوئی پرواہ نہیں کرتے عرفات میں ۶۰ لاکھ حجاج کرام چیخ چیخ کر کفار کے کے لئے بددعا کرتے ہیں مگر کسی بھی جگہ کافر پیچھے نہیں ہٹتے لیکن اگر پسٹل کی معمولی گولی ان پر کشمیر وغیرہ میں چلائی جائے تو ان کی فوج کی فوج بھاگ جاتی ہے۔

لہٰذا اسلحہ کی اس مادی قوت کو معطل کرنا اس کی جگہ روحانی قوت کی بات کرنا شریعت کی تعطیل اور احکام الٰہی کی تعطیل کے مترادف ہے مسلمانوں کو اس طرح کی باتوں سے احتراز کرنا چاہئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گھوڑوں کی سواری، شمشیرزنی، نیزہ بازی اور تیراندازی وغیرہ سامان جہاد اور مروج اسلحہ ہوتا تھا آج بندوق توپ راکٹ لانچر ہوائی جہاز جیٹ طیارے ٹینک توپیں بکتر بندگاڑیاں آبدوز کشتیاں بم ایٹم بم آہن پوش اور کروز میزائل وغیرہ کا زمانہ ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان تمام مروج اسلحہ کو خوب سے خوب تر تیار کریں فتح وظفر تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے خود ان اسباب کے استعمال کا حکم مسلمانوں کو دیا ہے اسباب پر اتکال ناجائز ہے اسباب کا استعمال تو اسلام کا حکم ہے ورنہ اسباب کو یکسر مسترد کرنے سے آدمی فرقۂ ضالہ جبریہ میں داخل ہوجاتا ہے۔

سورت حدید میں آیت ہے ﴿وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب﴾ اس میں واضح طور پر حکم ہے کہ اپنے دین کی مدد اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کی حفاظت کے لئے لوہے سے جہاد کا کام لو، دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک خصوصیت رکھی ہے اس خصوصیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا ہے مثلاً ایک آدمی کو پیاس لگی ہے پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا کیا ہے اور اس میں پیاس بجھانے کی خاصیت رکھی ہے اب اگر کوئی شخص متوکل بنتا ہے اور پانی پینے کے بجائے وہ مسجد کا رخ کرتا ہے اور نماز پڑھنے لگ جاتا ہے تو یہ خودکشی کے مترادف ہوگا یا تو اس شخص پر خرق عادات اور کرامات کا بھوت سوار ہے یا اس شخص کے دماغ میں خلل ہے۔

بالکل اسی طرح کفار کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوہا پیدا کیا ہے اور اس سے بنے ہوئے ہتھیاروں میں دفاع کی خاصیت رکھی ہے اسی کے استعمال سے کافر مغلوب ہونگے اور بھاگ جائیں گے اگر کوئی شخص یہ کہنا شروع کردے کہ کفار کو بھگانے کے لئے روحانیت پیدا کرو نیک بنو اعمال پر آجاؤ اور اسلحہ کو ہاتھ نہ لگاؤ کفار کی ٹیکنالوجی خود بخود ٹوٹ جائیں گی تو یہ فلسفہ اور یہ ذہنیت قرآن وحدیث کے بھی منافی ہے اور حضور اکرم وصحابہ کرام کی دس سالہ مسلح جنگ کے بھی منافی ہے اور سلف صالحین کی پوری تاریخ کے بھی منافی ہے اسی ذہنیت کو دور کرنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اعدوا لہ جہاد کی تفسیر میں دومرتبہ فرمایا ''الا ان القوة الرمي الا ان القوة الرمي ''یعنی مار پھینکنا قوت ہے تیر چلانا قوت ہے روحانی قوتوں میں الجھ کر کہیں اپنا نقصان نہ کرلو، بیشک مسلمان بنو نیک بنو مگر اسلحہ استعمال کرو اسلحہ پر اتکال نہ کرو اس کا استعمال کرو اور شاہین بن کر اپنے دین کی مدد کرو، منت سماجت سے اور معذرت خواہانہ لہجہ سے کافر سر پر چڑھ کر سب کچھ تباہ کردیں گے شاعر مشرق نے خوب کہا۔

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو ☆ دیکھے نہ تیری آنکھ نے قدرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ☆ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اسلحہ پر کافروں کے اعتراضات کا جواب دیں۔

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو جائز ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ مغرب سے درگزر

''الرمی'' کا لفظ عجیب جامع لفظ ہے اس میں تلوار کا وار بھی داخل ہے پتھر مارنا تیر مارنا نیزہ مارنا توپ کا گولہ پھینکنا بم گرانا

راکٹ واغناسب رمی کے مفہوم میں داخل ہے۔

خطرہ نہ بھی ہو پھر بھی اسلحہ کا شغل جاری رکھو

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ سَتُفْتَحُ عَلَيْكُمُ الرُّوْمُ وَيَكْفِيْكُمُ اللّٰهُ فَلَا يَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَلْهُوَ بِأَسْهُمِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”عنقریب تمہارے لئے روم کو فتح کردیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہیں (اہل روم کی شرانگیزیوں سے کفایت کرے گا لہٰذا خبردار! تم میں سے کوئی شخص اپنے تیروں کے ساتھ کھیلنے میں سستی نہ کرے۔“ (مسلم)

توضیح

یعنی شام اور روم کے لوگ تیراندازی کے بڑے ماہر ہیں تم ان کا مقابلہ تیراندازی سے کرو گے لہٰذا تیراندازی کو خوب سیکھ لو اور جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان لوگوں پر فتح عطا کی تو ایسا نہ کرو کہ اسلحہ کا مشغلہ اس وجہ سے چھوڑ دو کہ اب تو شام فتح ہو گیا ہے اب اسلحہ کی کیا ضرورت ہے بلکہ اسلحہ کا شغل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایسا جاری رکھو کہ گویا یہ تمہارے کھیل کا حصہ ہے۔ کیونکہ کسی وقت بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے، مسلمانوں کو سوچنا چاہئے کہ وہ آج کل جہاد کے حوالہ سے کس طرح غفلت میں پڑے ہیں تلوار غائب کردی گئی اور ہاتھ میں ذلت کا بلا لے لیا۔

بیٹیاں لٹتی رہیں اور ہم دعا کرتے رہے　　تو ژدی تلوار ہاتھ میں لیا بلا ہم نے

اسلحہ سیکھ کر بھول جانا بڑا گناہ ہے

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَلِمَ الرَّمْيَ ثُمَّ تَرَكَهُ فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ قَدْ عَصٰى　　رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عقبہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جس شخص نے تیراندازی سیکھی اور پھر اسکو چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقے پر چلنے والوں میں شامل نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس نے نافرمانی کی۔“ (مسلم)

تیراندازی کرو میں سب کے ساتھ ہوں

﴿۴﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى قَوْمٍ مِنْ أَسْلَمَ يَتَنَاضَلُوْنَ بِالسُّوْقِ فَقَالَ ارْمُوْا بَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ فَإِنَّ أَبَاكُمْ كَانَ رَامِيًا وَأَنَا مَعَ بَنِيْ فُلَانٍ لِأَحَدِ

الْفَرِيقَيْنِ فَأَمْسَكُوا بِأَيْدِيهِمْ فَقَالَ مَالَكُمْ قَالُوا كَيْفَ نَرْمِي وَأَنْتَ مَعَ بَنِي فُلَانٍ قَالَ ارْمُوا وَأَنَا مَعَكُمْ كُلِّكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت سلمہؓ ابن اکوع کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسلم کے ایک قبیلہ میں تشریف لائے اور وہ لوگ اس وقت بازار میں آپس میں تیراندازی (کی مشق) کر رہے تھے آنحضرتؐ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اے اولاد اسمٰعیل (یعنی اے عربو) تیراندازی کرو، کیونکہ تمہارے (باپ حضرت اسماعیلؑ تیرانداز تھے اور میں (بھی) فلاں قبیلے کے ساتھ ہوں (یعنی اس وقت بنی اسلم کے جو دو فریق آپس میں تیراندازی کی مشق کر رہے تھے آپؐ نے ان میں سے ایک کا نام لے کر فرمایا کہ اس مشق میں میں اس فریق کی طرف ہوں) لیکن دوسرے فریق نے اپنے ہاتھ روک لئے (یعنی جب آنحضرتؐ ایک فریق کی طرف ہوگئے تو مقابل فریق نے تیراندازی سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "تمہیں کیا ہوا؟ یعنی تم نے تیر پھینکنے کیوں بند کر دیئے؟ انہوں نے کہا کہ ہم اس صورت میں کیسے تیراندازی کر سکتے ہیں جبکہ آپ فلاں (فریق) کے ساتھ ہیں (یعنی ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپؐ ہمیں چھوڑ کر دوسرے فریق کی طرف ہو جائیں آنحضرتؐ نے فرمایا "(اچھا) تم تیراندازی کرو میں تم سب کے ساتھ ہوں۔" (بخاری)

﴿۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُو طَلْحَةَ يَتَتَرَّسُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتُرْسٍ وَاحِدٍ وَكَانَ أَبُو طَلْحَةَ حَسَنَ الرَّمْيِ فَكَانَ إِذَا رَمَى تَشَرَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْظُرُ إِلَى مَوْضِعِ نَبْلِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ (میدان جنگ میں) ایک ڈھال کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کر رہے تھے، ابوطلحہؓ ایک بہترین تیرانداز تھے چنانچہ (وہ دشمنوں پر بڑی مہارت اور چابکدستی کے ساتھ تیراندازی بھی کر رہے تھے اور آنحضرت کی حفاظت بھی) جب وہ تیر پھینکتے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جھانک کر دیکھتے کہ تیر کہاں لگا ہے اور کس کو لگا ہے" (بخاری)

توضیح

"بترس" یعنی ایک ڈھال کے ذریعہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچاؤ کرتے تھے دو ڈھال نہیں تھے یہ نہایت قرب کی طرف اشارہ ہے کہ ساتھ ساتھ تھے "تشرف" جھانک کر دیکھنے کو کہتے ہیں۔

جہادی گھوڑوں کی فضیلت

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَرَكَةُ فِي نَوَاصِي الْخَيْلِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے (بخاری ومسلم)

﴿۷﴾وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْوِىْ نَاصِيَةَ فَرَسٍ بِإِصْبَعِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ الْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ بِنَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ الْأَجْرُ وَالْغَنِيْمَةُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جریر ابن عبداللہ بجلیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے کی پیشانی کے بالوں کو اپنی انگلی سے بل دیتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ گھوڑے (وہ جانور ہیں) جن کی پیشانیوں میں قیامت تک کے لئے خیر و بھلائی بندھی ہوئی ہے (کیونکہ گھوڑوں کے ذریعہ جہاد کرنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس میں دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہے جیسا کہ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ جہاد میں آخرت کا ثواب ملتا ہے اور دنیا کا مال غنیمت حاصل ہوتا ہے) (مسلم)

توضیح

''یلوی'' موڑنے اور بل دینے کے معنی میں ہے ''معقود'' عقد سے باندھنے کے معنی میں ہے۔ ''نواصی'' یہ ناصیہ کی جمع ہے پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں مگر مراد گھوڑوں کی ذات ہے گھوڑے کی پیشانی میں خیر و برکت قیامت تک اس لئے باندھی گئی ہے کہ جہاد قیامت تک باقی رہے گا اور جہاد کا بڑا ذریعہ گھوڑے ہیں تو گھوڑوں میں جہاد ہے اور جہاد میں قیامت تک دین اور دنیا کی بھلائی ہے لہٰذا گھوڑوں میں یہ بھلائی ہے۔

جہادی گھوڑے کا چارہ پانی پیشاب اور لید بھی نیک اعمال میں ہونگے

﴿۸﴾وَعَنْ أَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَبَسَ فَرَساً فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِيْمَاناً بِاللّٰهِ وَتَصْدِيْقاً بِوَعْدِهٖ فَإِنَّ شِبَعَهٗ وَرِيَّهٗ وَرَوْثَهٗ وَبَوْلَهٗ فِىْ مِيْزَانِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے اور اس کے وعدے کو سچ جاننے کی وجہ سے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے اپنے گھر) گھوڑا باندھا تو اس گھوڑے کی سیری و سیرابی (یعنی اس نے دنیا میں جو کچھ کھایا اور پیا ہے وہ) اور اس کی لید اور اس کا پیشاب قیامت کے دن اس شخص کے اعمال کی ترازو میں تولے جائیں گے۔'' (بخاری)

توضیح

''شبعہ'' کھانے کی اشیاء ''ریہ'' پینے کی اشیاء۔ جس طرح جہادی گھوڑے کے پالنے میں اتنا ثواب ہے اسی طرح آج کل جہاد کے لئے اسلحہ رکھنے میں بھی ثواب ملے گا اور جب گھوڑے کی یہ شان ہے تو اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے مجاہد کی کیا شان ہوگی؟

اشکل گھوڑا ناپسندیدہ ہے

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ الشِّكَالَ فِي الْخَيْلِ وَالشِّكَالُ أَنْ يَكُوْنَ الْفَرَسُ فِيْ رِجْلِهِ الْيُمْنٰى بَيَاضٌ وَفِيْ يَدِهِ الْيُسْرٰى أَوْ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى وَرِجْلِهِ الْيُسْرٰى. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے میں شکال کو ناپسند کرتے تھے، اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ پر سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں پر سفیدی ہو۔" (مسلم)

توضیح

"الشکال" راوی نے حدیث میں شکال گھوڑے کا مکمل تعارف کیا ہے لیکن عام اہل لغت اس سے اتفاق نہیں کرتے ہیں صاحب قاموس وغیرہ اہل لغت نے لکھا ہے کہ شکال گھوڑا وہ ہوتا ہے جس کے تین پاؤں سفید ہوں اور ایک پاؤں باقی بدن کے ہم شکل ہو یا اس کا عکس سمجھ لیجئے کہ ایک پاؤں سفید ہو اور باقی تین پاؤں بدن کے ہم رنگ ہوں۔

گھوڑوں میں مسابقت جہادی ٹریننگ کا حصہ ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ ضُمِّرَتْ مِنَ الْحَفْيَاءِ وَأَمَدُهَا ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ وَبَيْنَهُمَا سِتَّةُ أَمْيَالٍ وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِيْ لَمْ تُضَمَّرْ مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِيْ زُرَيْقٍ وَبَيْنَهُمَا مِيْلٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گھوڑوں کے درمیان مسابقت (گھوڑ دوڑ کرائی جو اضمار کئے گئے تھے اور یہ مسابقت حفیاء سے شروع ہوئی اور ثنیۃ الوداع پر ختم ہوئی اور ان دونوں مقامات کے درمیان چھ میل کا فاصلہ تھا، اور جن گھوڑوں کا اضمار نہیں کیا گیا تھا ان کے درمیان ثنیۃ الوداع سے مسجد بنی زریق تک مسابقت کرائی اور ان دونوں مقامات (یعنی ثنیۃ الوداع اور مسجد بنی زریق) کا درمیانی فاصلہ ایک میل تھا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح

"سابق" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں دو قسم کے گھوڑوں نے مسابقت میں حصہ لیا ہے ایک قسم سدھائے ہوئے ٹریننگ یافتہ گھوڑے تھے ان کی مسابقت چھ میل کے فاصلہ تک دوڑنے میں تھی۔ دوسری قسم وہ گھوڑے تھے جو سدھائے ہوئے نہیں تھے تربیت یافتہ نہیں تھے ان کی مسابقت کا فاصلہ تین میل تک تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ٹریننگ کی ہے

اور دوسروں کو بھی کرائی ہے گھڑ دوڑ میں خود بھی حصہ لیا ہے اور دوسروں کو بھی آمادہ کیا ہے جیسے حدیث نمبر ۱۱ میں آرہا ہے۔

''اضمرت'' گھوڑوں کو سدھانے کی غرض سے دوڑایا جاتا ہے، اس عمل کو تضمیر کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے گھوڑے کو کھلا پلا کر خوب فربہ کیا جاتا ہے پھر چالیس دن تک صبح صبح نہار منہ اس کو دوڑایا جاتا ہے اور بہت کم خوراک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ آہستہ آہستہ چالیس دن میں گھوڑے کا پیٹ اس کی پیٹھ کے ساتھ لگ جاتا ہے یہ تضمیر شدہ گھوڑا ہوتا ہے جو ہوا کی طرح دوڑتا ہے۔

ایک دیہاتی مقابلے میں آگے نکلا

﴿۱۱﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ نَاقَةٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُسَمَّى الْعَضْبَاءُ وَكَانَتْ لَاتُسْبَقُ فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ عَلٰى قَعُوْدٍ لَهٗ فَسَبَقَهَا فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَايَرْتَفِعَ شَيْءٌ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهٗ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اونٹنی تھی جس کا نام عضبا تھا اور وہ کبھی پیچھے نہیں رہتی تھی (یعنی اس کا جس اونٹ سے بھی دوڑ میں مقابلہ ہوتا اس کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتی تھی) لیکن (ایک دن) ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر آیا اور جب اس نے عضباء سے اپنے اونٹ کو دوڑایا تو اس کا اونٹ آگے نکل گیا۔ یہ بات مسلمانوں پر سخت گزری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حق تعالیٰ کا یہ ایک ثابت شدہ فیصلہ ہے کہ دنیا کی جو بھی چیز سربلند ہوجاتی ہے خدا اس کو پست کر دیتا ہے۔'' (بخاری)

توضیح

''العضباء'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی کا نام عضباء تھا دراصل جس اونٹنی کے کان پیدائشی طور پر نہ ہوں یا کان کٹے ہوئے ہوں اس کو عضباء کہتے ہیں یہاں اس اونٹنی کے کان موجود تھے لیکن چھوٹے تھے۔ اس لئے اس کو عضباء کا نام دیا گیا تھا۔

''لاتسبق'' یعنی کوئی اونٹ اس سے آگے نکل کر اس کو پیچھے نہیں کیا جاسکتا تھا مجہول کا صیغہ ہے۔ عضباء کا عام طور پر مقابلہ کے لئے تیار رکھا جاتا تھا اس نے تمام اونٹوں سے آگے نکلنے کا ایک ریکارڈ قائم کیا تھا۔

''اعرابی'' دیہاتی کو کہتے ہیں ''قعود'' دوسال سے لیکر چھ سال تک کی عمر میں اونٹ کو قعود کہتے ہیں چھ سال کے بعد کے اونٹ کو جمل کہتے ہیں گویا قعود وہ جوان اونٹ ہوتا ہے جو ابھی ابھی سواری کے لئے تیار کیا گیا ہو۔

''فاشتد ذلک'' یعنی صحابہ کرام پر دیہاتی کے اونٹ کا آگے نکل جانا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا ریکارڈ ٹوٹ

جانا سخت ناگوار گذرا، کیونکہ عرب معاشرہ میں مسابقت میں پیچھے رہ جانا عار کا سبب تھا۔
اس پر حضور اکرم نے صحابہ کو تسلی دی کہ دنیا کے معاملات میں جو کوئی سر اٹھا کر آگے نکل جاتا ہے اور نامور ہو جاتا ہے تو کسی وقت اللہ تعالیٰ اس کو پیچھے گراتا ہے تاکہ دنیا کا فخر ختم ہو جائے لہٰذا اس اونٹنی کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے یہی معاملہ کیا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

الفصل الثانی

ایک تیر کے ذریعہ تین آدمی جنت جاتے ہیں

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُدْخِلُ بِالسَّهْمِ الْوَاحِدِ ثَلَاثَةَ نَفَرٍ الْجَنَّةَ صَانِعَهُ يَحْتَسِبُ فِيْ صَنْعَتِهِ الْخَيْرَ وَالرَّامِيَ بِهِ وَمُنَبِّلَهُ فَارْمُوْا وَارْكَبُوْا وَاَنْ تَرْمُوْا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ تَرْكَبُوْا كُلُّ شَيْءٍ يَلْهُوْ بِهِ الرَّجُلُ بَاطِلٌ اِلَّا رَمْيَهُ بِقَوْسِهِ وَتَاْدِيْبَهُ فَرَسَهُ وَمُلَاعَبَتَهُ امْرَاَتَهُ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجه وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَمَنْ تَرَكَ الرَّمْيَ بَعْدَ مَا عَلِمَهُ رَغْبَةً عَنْهُ فَاِنَّهُ نِعْمَةٌ تَرَكَهَا اَوْ قَالَ كَفَرَهَا

اور حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ (کفار پر چلائے جانے والے) ایک تیر کے بدلے میں تین آدمیوں کو جنت میں داخل کرتا ہے ایک تو اس تیر کے بنانے والے کو جبکہ وہ اپنے روزگار کے ساتھ ثواب کی بھی امید رکھے (یعنی جب وہ تیر بنائے تو اپنے روزگار کے ساتھ نیت بھی رکھے کہ میں یہ تیر جہاد میں کام آنے کے لئے بنا رہا ہوں) دوسرے جہاد میں تیر چلانے والے کو اور تیسرے تیر دینے والے کو (یعنی وہ شخص جو تیر انداز کے ہاتھ میں اپنا یا اسی کا تیر دے اور خواہ پہلے ہی دے یا نشانے پر سے اٹھا کر دے) لہٰذا تم تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سواری کرو اور تمہاری تیر اندازی میرے نزدیک سواری کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔" اور یاد رکھو انسان جس چیز کو لہو و لعب (یعنی محض کھیل اور تفریح) کے طور پر اختیار کرے وہ باطل اور ناروا ہے مگر اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا، اپنے گھوڑے کو سدھارنا اور اپنی بیوی کے ساتھ کھیل و تفریح کرنا، یہ سب چیزیں حق ہیں۔ (ترمذیؒ، ابن ماجہؒ) ابوداؤدؒ اور دارمیؒ نے (اپنی روایت میں) یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "اور جو شخص تیر اندازی سیکھنے کے بعد اس کو بے نیازی اور بیزاری کے جذبہ سے چھوڑ دے تو وہ تیر اندازی ایک نعمت ہے جس کو اس نے چھوڑ دیا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس نے اس نعمت کا کفران کیا۔

توضیح

"ثلاثة نفر" یعنی جہاد میں استعمال ہونے والے ایک تیر کے ذریعہ اچھی نیت کی وجہ سے تین آدمی جنت میں داخل ہو جاتے

ہیں ایک وہ بنانے والا جو جہاد کی نیت سے تیر یا بندوق وغیرہ اپنے کارخانہ میں بناتا ہے دوسرا مارنے والا مجاہد اور تیسرا "منبل" مجاہد کے ساتھ مورچہ میں کھڑا آدمی جو تیر چلانے والے مجاہد کے ہاتھ میں تیر دیتا ہے اسکو "منبل" کہتے ہیں۔ "نبال" تیراندازی کو کہتے ہیں اور "نبل" تیر کو کہتے ہیں۔

"وارموا وارکبوا" اس جملہ کا ایک آسان مفہوم یہ ہے کہ تیراندازی بھی سیکھو اور گھڑسواری بھی سیکھو، دونوں کام جہادی ٹریننگ کا حصہ ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تیراندازی بھی کرو اور گھوڑے پر سوار ہو کر نیزہ بھی استعمال کرو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نیزہ بازی سے تیراندازی زیادہ پسند ہے کیونکہ تیراندازی میں خوداعتمادی زیادہ ہے اور یہ خالص زمینی جنگ ہے جس سے جنگ کا نتیجہ ہاتھ آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہر قسم کی مشق اچھی ہے لیکن تیراندازی کی مشق دیگر مشقوں سے مجھے زیادہ پسند ہے چنانچہ احادیث میں تیر چلانے کو مقدم رکھا گیا ہے۔ بہرحال مشق کر کے بھولنا گناہ ہے "کفرھا" یعنی ایک نعمت کی ناقدری اور ناشکری کی۔

میدان جہاد میں تیر مارنے کا ثواب

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي نَجِيحٍ السُّلَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ بَلَغَ بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ لَهُ عَدْلُ مُحَرَّرٍ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ الْفَصْلَ الْأَوَّلَ وَالنَّسَائِيُّ الْأَوَّلَ وَالثَّانِيَ وَالتِّرْمِذِيُّ الثَّانِيَ وَالثَّالِثَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَدَلَ فِي الْإِسْلَامِ

اور حضرت ابو نجیح سلمیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص نے اللہ کی راہ (یعنی جہاد) میں ایک تیر (نشانے پر) پہنچایا (یعنی اس نے تیر چلا کر کافر کو مار ڈالا) تو اس کیلئے جنت میں ایک بڑا درجہ ہے اور جس شخص نے اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد) میں تیر پھینکا (خواہ وہ کافر کو لگا یا نہ لگا) تو وہ اس کے لئے ایک بردہ (غلام یا لونڈی آزاد کرنے کے برابر ہے اور جو شخص اسلام (کی حالت) میں بوڑھا ہو گیا (یعنی خدا نے اس کو اسلام کی حالت پر برقرار رکھا یہاں تک کہ وہ بوڑھا ہو گیا اور مر گیا) تو وہ بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا۔" (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے) ابوداؤد نے (روایت کا صرف) پہلا جز؛ نسائی نے پہلا اور دوسرا جز (کہ جن میں تیر اندازی کی فضیلت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا جز نقل کیا ہے! نیز بیہقی اور ترمذی کی روایت میں "فی الاسلام" یعنی اسلام کی حالت میں کے بجائے فی سبیل اللہ "یعنی کی راہ میں" ہے۔

توضیح

''بلغ ''یعنی ایک تیر نشانہ پر پہنچادیا جو کافر کو جالگا'' ومن رمی ''یعنی کفار کی طرف تیر پھینکا خواہ لگا یا نہ لگا۔''عدل ''برابر اور مساوی کے معنی میں ہے ''محرر ''یعنی غلام یا لونڈی کے آزاد کرنے کے برابر ہے۔

''الفصل الاول ''اس حدیث کے تین حصے ہیں انہیں حصوں کو فصل اول وثانی وثالث کہا گیا ہے۔

من بلغ سے ومن رمی تک ایک حصہ ہے اس کو فصل اول کہا گیا ہے ابوداؤد نے اتنا ہی نقل کیا ہے ومن رمی سے ومن شاب تک دوسرا حصہ ہے امام نسائی نے پہلا اور دوسرا حصہ نقل کیا ہے اور ترمذی نے دوسرا اور تیسرا حصہ نقل کیا ہے تیسرا حصہ ومن شاب سے آخر تک ہے فصل سے مراد حصہ اور جزء ہے۔

''وفی روایتھما ''بظاہر تثنیہ کی یہ ضمیر نسائی اور ترمذی کی طرف لوٹنی چاہئے کیونکہ دونوں پاس پاس ہیں لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ نسائی نے تیسرا جز نقل نہیں کیا ہے لہذا تثنیہ کی یہ ضمیر ترمذی اور بیہقی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ بیہقی نے پوری حدیث کو نقل کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بیہقی نے شیبۃ فی الاسلام کا لفظ استعمال کیا ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں ہے تو بیہقی کے بارہ میں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال نہیں کیا ہے پھر یہاں صاحب مشکوٰۃ نے کیسے کہہ دیا کہ ''وفی روایتھما فی سبیل اللہ الخ''۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیہقی سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں فی الاسلام کا لفظ ہے جو ترمذی میں نہیں ہے دوسری روایت میں فی سبیل اللہ کا لفظ ہے جو ترمذی میں بھی ہے اور بیہقی میں بھی ہے۔لہذا وفی روایتھما کا جملہ درست ہوا۔ (تدبر وتشکر)

جہادی ٹریننگ میں شرط لگانا جائز ہے

﴿۱۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاسَبَقَ إِلَّا فِيْ نَصْلٍ أَوْ خُفٍّ أَوْ حَافِرٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''مسابقت کی شرط کا مال لینا صرف تین چیزوں (یعنی) تیر چلانے،اونٹ دوڑانے،اور گھوڑ دوڑ میں جائز ہے۔'' (ترمذی،ابوداؤد،نسائی)

توضیح

''لاسبق ''آگے نکلنے میں شرط لگانے کو سبق اور سباق کہا گیا ہے یعنی بازی لیجانے میں انعام کی شرط لگانا جہادی ٹریننگ میں

جائز ہے اس کے علاوہ ناجائز ہے کیونکہ یہ جوا ہے جو چیزیں جہاد کے وسائل و ذرائع میں شامل ہیں ان کی مسابقت میں شرط باندھنا اور بازی لگانا اور شرط کی رقم لینا دراصل جہاد کی ترغیب دینے کے پیش نظر ہوتا ہے اور اعداد آلۂ جہاد اور اس کی تشویق وترغیب کے حکم میں آتا ہے اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا جہاد عجیب عبادت ہے اور اس کے عجیب نرالے احکام ہیں کئی چیزیں دوسری جگہ ناجائز ہوتی ہیں لیکن جہاد میں جائز ہوتی ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

تفرد بالاحکام فی اهله الهوی

فانت جمیل الخلف مستحسن الکذب

''نصل'' ای ذو نصل نصل بھالے کو کہتے ہیں جو نیزہ اور تیر میں ہوتا ہے ''او خف'' ای ذوخف، اونٹ کو کہتے ہیں ''حافر'' ای ذو حافر ''گھوڑے کو کہتے ہیں حدیث میں ان تین چیزوں کو خاص کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کسی چیز میں شرط لگا کر رقم حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن فقہاء کرام نے ان تین چیزوں کے حکم میں ان اشیاء کو بھی شامل کیا ہے جو اعداد آلۂ جہاد میں استعمال ہوتی ہیں مثلاً خچر گدھا اور ہاتھی ہے یا پیدل دوڑ کر مقابلہ کرنا ہے یا بندوق وغیرہ کا نشانہ ٹھیک کرنا ہے جب یہ چیزیں محض جہادی ٹریننگ کی غرض سے ہوں تو اس میں بھی شرط لگا کر رقم وصول کی جاسکتی ہے کیونکہ علت مشترک ہے۔ میں نے فقہاء کی یہ بات نقل کی ہے۔ (کذا فی المرقات)

مسابقت میں محلل کے شامل ہونے کا حکم

﴿۱۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْخَلَ فَرَساً بَيْنَ فَرَسَيْنِ فَإِنْ كَانَ يُؤْمَنُ أَنْ يُسْبَقَ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ وَإِنْ كَانَ لَايُؤْمَنُ أَنْ يُسْبَقَ فَلَابَأْسَ بِهِ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ قَالَ مَنْ أَدْخَلَ فَرَساً بَيْنَ فَرَسَيْنِ يَعْنِيْ وَهُوَ لَايَأْمَنُ أَنْ يَسْبِقَ فَلَيْسَ بِقِمَارٍ وَمَنْ أَدْخَلَ فَرَساً بَيْنَ فَرَسَيْنِ وَقَدْ أَمِنَ أَنْ يَسْبِقَ فَهُوَ قِمَارٌ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے تو اگر وہ گھوڑا ایسا ہے کہ (جس کے تیز رو ہونے کی وجہ سے) اس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ (ان دونوں گھوڑوں سے) آگے نکل جائے گا تو اس میں بھلائی نہیں ہے اور اگر یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو پھر اس میں مضائقہ نہیں۔'' (شرح السنۃ)

اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا) اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے درمیان اپنا گھوڑا شامل کرے

جس کے بارے میں یہ یقین نہیں ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار (جوا) نہیں ہے اور اگر کوئی شخص دو گھوڑوں کے در میان اپنا (ایسا) گھوڑا شامل کرے جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ آگے نکل جائے گا تو یہ قمار ہے۔

توضیح

''ادخال فرسابین فرسین '' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ جہادی ٹریننگ میں نہیں ہے بلکہ عام گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہے اسی لئے اس کے جواز کے لئے ایک خاص صورت بتائی گئی ہے حالانکہ جہادی معاملہ میں کوئی صورت ناجائز نہیں ہے جیسا پہلے گذر گیا میں نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے واللہ اعلم۔ بہرحال اس حدیث کا پس منظر اور جائز و ناجائز صورتوں کا نقشہ اس طرح ہے کہ مثلاً دو آدمیوں میں گھڑ دوڑ کا مقابلہ ہے اگر کسی کمپنی یا کسی حاکم نے ان میں سے آگے نکلنے والے کے لئے بطور انعام کوئی شرط رکھدی ہے تو یہ جائز ہے اسی طرح دونوں گھوڑوں کے مالکوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہدیا کہ اگر آپ آگے نکل گئے تو میں اتنی رقم دوں گا اور اگر میں آگے نکلا تو کچھ بھی نہیں لوں گا یہ صورت بھی جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے دونوں نے شرط رکھدی تو یہ معاملہ جوا ہے جو ناجائز ہے ہاں اگر اس میں محلل آگیا تو پھر طرفین کا معاملہ جائز ہوگا۔ محلل اس تیسرے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنا گھوڑا لاکر شرط لگانے والوں کے ساتھ شامل کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تم دونوں سے آگے نکل گیا تو تم دونوں سے اتنی رقم لوں گا اور اگر میں پیچھے رہ گیا تو میں تمہیں کچھ نہیں دوں گا مجھ سے کچھ نہیں لوگے اب اس محلل کے داخل ہونے سے گھڑ دوڑ کے پہلے شرط باندھنے والے دونوں آدمیوں کے لئے شرط کی رقم حلال ہوگئی اسی وجہ سے اس کو محلل کہتے ہیں اب اگر محلل آگے نہیں نکلا اور ان دونوں میں سے کوئی آگے نکل گیا تو وہ اپنے ساتھی سے مقررہ شرط وصول کریگا اور اگر دونوں ایک ساتھ پہنچ گئے تو کسی کو رقم نہیں ملے گی۔ ہاں حدیث میں اس محلل کے لئے ایک قید لگائی گئی ہے وہ یہ کہ اس کے گھوڑے کا ان دونوں کے گھوڑوں سے آگے نکلنا یقینی نہ ہو، بلکہ احتمال ہو کہ آگے نکل جائے یا پیچھے رہ جائے اگر سب لوگوں کو یقینی طور پر معلوم ہو کہ محلل کا گھوڑا آگے ہی نکلے گا تو پھر یہ آدمی محلل نہیں بن سکتا بلکہ پورا معاملہ ناجائز ہو جائے گا۔

گھوڑوں میں جلب، اور جنب منع ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاجَلَبَ وَلَا جَنَبَ زَادَ يَحْيٰى فِي الرِّهَانِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ فِي بَابِ الْغَصَبِ

اور حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ '' نہ جلب (جائز) ہے اور نہ جنب اور (ایک راوی (یحیٰ نے اپنی روایت میں لفظ ''فی الرہان'' بھی نقل کیا ہے (یعنی ان کی روایت میں یہ ہے کہ رہان یعنی گھوڑوں کی شرط و مسابقت میں نہ جلب جائز ہے

اور نہ جنب اس روایت کو ابوداؤ دونسائی نے نقل کیا ہے۔ نیز ترمذی نے بھی اس روایت کو کچھ زکم الفاظ و معانی کے ساتھ باب الغصب میں نقل کیا ہے۔"

توضیح

جلب اور جنب کی یہ اصطلاح کتاب الزکوۃ میں بھی استعمال کی گئی ہے اور کتاب الجہاد میں بھی استعمال کی گئی ہے اور کتاب البیوع میں اس کا صرف ایک لفظ جلب استعمال کیا گیا ہے کتاب الزکوۃ اور بیوع میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ یہاں اس اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ گھوڑ دوڑ کے مقابلے میں ایک آدمی اپنے گھوڑے کے پیچھے ایک اور سوار کو رکھتا ہے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہے مگر مقابلے والے شخص کے گھوڑے کو پیچھے سے جھڑکتا ہے آوازیں دے کر اس کو تیز کرتا رہتا ہے یہ ناجائز ہے جیسے گدھے کو بھگانے کے لئے اس کا سوار لوٹا وغیرہ بجاتا ہے یا اونٹوں کے مقابلہ میں ظالم عرب معصوم بچے کو سوار کرتا ہے بچہ ڈر کی وجہ سے چلاتا ہے تو اونٹ ڈر کر تیز دوڑتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ٹھکانے لگادے۔

"ولا جنب" جنب یہ ہے کہ مقابلہ کرنے والے نے ساتھ ساتھ ایک فارغ گھوڑا پہلو میں رکھا ہے تاکہ جب اپنی سواری تھک جائے تو اس تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو جائے جو پہلو میں ہے یہ بھی ناجائز ہے۔

"فی الرھان" گھوڑ دوڑ کا مقابلہ اور شرط لگانے کو رھان کہتے ہیں۔

عمدہ گھوڑے کی علامت

﴿۱۷﴾وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ الْأَقْرَحُ الْأَرْثَمُ ثُمَّ الْأَقْرَحُ الْمُحَجَّلُ طَلْقُ الْيَمِيْنِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ أَدْهَمُ فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت ابوقتادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بہترین گھوڑا سیاہ گھوڑا ہے۔ جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ناک کی جانب سفیدی ہو پھر وہ گھوڑا بہتر ہے جس کی پیشانی پر تھوڑی سی سفیدی ہو اور ہاتھ پاؤں سفید ہوں لیکن دایاں ہاتھ سفید نہ ہو اور اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو تو پھر اسی قسم کا کمیت (بھی بہتر گھوڑا ہے۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح

"الادھم" بہت زیادہ سیاہ گھوڑے کو ادھم کہتے ہیں اس سیاہ گھوڑے کی کچھ صفات بھی اس حدیث میں مذکور ہیں پہلی صفت "اقرح" ہے یعنی جس کی پیشانی پر سفید داغ ہو جو غرہ سے کم ہو۔

''الارثم'' یہ دوسری صفت ہے یعنی اوپر والے ہونٹ کا حصہ ناک کی طرف سے سفید ہو۔
''ثم الاقرح المحجل ''یعنی ادھم کی اوپر والی صفات اگر ادھم میں نہ ہوں تو ادھم میں دوسرے نمبر پر وہ گھوڑا سب سے عمدہ ہے جس کی پیشانی کے سفید داغ کے ساتھ اس کے پاؤں بھی ایک حد تک سفید ہوں خواہ سب سفید ہوں یا دو سفید ہوں یا تین سفید ہوں۔
''طلق الیمین ''یعنی اگر پاؤں میں کچھ سفید ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ صرف دایاں پاؤں سفید نہ ہو بلکہ یہ پاؤں آزاد ہو۔
''فکمیت ''یعنی اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو تو اس کے بعد کمیت گھوڑا عمدہ ہے کمیت وہ گھوڑا ہوتا ہے جس کے ایال اور دم کے بال سیاہ ہوں باقی گھوڑا سرخ ہو،''علی ھذہ الشیۃ ''شیۃ کی جمع شیات ہے یہ اس داغ کو کہتے ہیں جو جسم کے عام رنگ کے خلاف ہو شاعر ساحر نے ادھم اور شیۃ کو ایک شعر میں اس طرح جمع کیا ہے۔

افاعیل الوریٰ من قبل دھم ☆ وفعلک فی فعالھم شیات

اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر سیاہ گھوڑا نہ ہو تو پھر کمیت بھی عمدہ ہے لیکن ادھم کی صفت پر ہو کہ اقرح وارثم ومحجل ہو۔

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَبِىْ وَهْبِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِكُلِّ كُمَيْتٍ أَغَرَّ مُحَجَّلٍ أَوْ أَشْقَرَ أَغَرَّ مُحَجَّلٍ أَوْ أَدْهَمَ أَغَرَّ مُحَجَّلٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابو وہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والا کمیت گھوڑا ضروری ہے پھر اشقر گھوڑا ہونا چاہئے جس کی پیشانی بھی سفید ہو اور ہاتھ پاؤں بھی سفید ہوں یا سیاہ گھوڑا ہو جو سفید پیشانی والا ہو اور سفید ہاتھ پاؤں ہوں۔ (ابوداؤد، نسائی)

سرخ گھوڑوں میں برکت ہوتی ہے

﴿۱۹﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُمْنُ الْخَيْلِ فِى الشُّقْرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کی برکت سرخ رنگ کے گھوڑوں میں ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤدؒ)

توضیح

''اغر ''غرۃ سے ہے پیشانی کے سفید داغ کو کہتے ہیں۔''اشقر ''سرخ رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں جو مکمل سرخ ہوتا ہے اور کمیت بھی سرخ ہوتا ہے لیکن اس کی دم اور ایال کے بال سیاہ ہوتے ہیں اتنا ہی فرق ہے اور شُقر سرخ رنگ کو کہتے ہیں۔

گھوڑوں کی پیشانی، ایال اور دم کے بال نہ کاٹو

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ عَبْدِالسُّلَمِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَقُصُّوْا نَوَاصِيَ الْخَيْلِ وَلَامَعَارِفَهَا وَلَاأَذْنَابَهَا فَإِنَّ أَذْنَابَهَا مَذَابُّهَا وَمَعَارِفَهَا دِفَاءُ هَا وَنَوَاصِيهَا مَعْقُوْدٌ فِيْهَا الْخَيْرُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عتبہؓ ابن عبدالسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "گھوڑوں کی پیشانی کے بال ان کی ایال اور ان کی دموں کو نہ کاٹو کیونکہ ان کی دمیں، ان کے مورچھل ہیں (کہ جن کو وہ ہلا ہلا کر مکھیوں اور کیڑوں کو اڑاتے ہیں) اور ان کی ایالیں ان کو گرمی پہنچانے کی چیزیں ہیں اور ان کی پیشانی کے بالوں میں بھلائی بندھی ہوئی ہے"۔ (ابوداود)

توضیح

"لاتقصوا" قص کاٹنے کے معنی میں ہے۔ "نواصی ناصیة" کی جمع ہے پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں۔

"معارف" اس کا مفرد عرف ہے یا معرفۃ ہے گھوڑے کی گردن پر جو بال اوپر کی طرف کھڑے رہتے ہیں وہ مراد ہیں جس کو ایال کہتے ہیں "اذنابها" اس کا مفرد "ذنب" ہے دم کو کہتے ہیں مراد دم کے بال ہیں۔ حدیث کے بقیہ حصہ میں اس ممانعت کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ "مذابها" یہ ذب سے ہے دفع کرنے کے معنی میں ہے یعنی دم کے بالوں سے گھوڑا مکھیاں وغیرہ دفع کرتا ہے یہ اس کا پنکھا ہے۔

"دفائها" دفاء گرمی کو کہتے ہیں یعنی ایال کے بال سے گھوڑا گرمی حاصل کرتا ہے تاکہ گردن ٹھنڈک وغیرہ سے محفوظ رہے۔

"معقود" یعنی پیشانی کے بالوں میں اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی ہے۔

جہادی گھوڑوں کی دیکھ بال کرو

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِي وَهْبِ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَبِطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوْا بِنَوَاصِيْهَا وَأَعْجَازِهَا أَوْ قَالَ أَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوْهَا وَلَاتُقَلِّدُوْهَا الْأَوْتَارَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت وہب جشمیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑوں کو باندھ کر رکھو۔ ان کی پیشانیوں اور ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا کرو۔ یا (اعجازها کی جگہ) اکفالها فرمایا اور ان دونوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں پیٹھ مراد ہے اور ان کی گردن میں کنڈا (پٹا) باندھو لیکن ان کی گردن میں کمان کی تانت نہ باندھو۔ (ابوداؤد ونسائی)

توضیح

''ارتبطوا'' باندھ رکھو یعنی اس کی اچھی دیکھ بھال کرو ان کو خوب کھلاؤ پلاؤ تاکہ خوب موٹے تازے ہوں اور بوقت جہاد جنگ میں خوب جوہر دکھائیں ''اعجاز'' عجز کی جمع ہے ''اکفال'' کفل کی جمع ہے دونوں کا ترجمہ پچھلا حصہ ہے یعنی انس محبت اور صفائی و خدمت کی غرض سے گھوڑے کی پیٹھ اور پچھلے حصہ پر ہاتھ پھیرا کرو ''وقلدوھا'' یعنی گھوڑے کے گلے میں قلادہ ڈالا کرو تاکہ دشمنان اسلام سے لڑنے کے لئے اور دین کی سربلندی کے لئے ہروقت تیار ہو''الاوتار'' یہ وتر کی جمع ہے کمان کے تانت اور تسمہ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ تسمہ گھوڑے کے گلے میں نہ ڈالو اس کے ساتھ گھوڑا اٹک کر لٹک جائے گا، یا وتر سے مراد وہ شرکیہ تانت و تسمہ ہے جس کو عرب دفع ضرر کے لئے جانوروں کے گلوں میں باندھتے تھے اور شرک کا عقیدہ رکھتے تھے اسلام نے اس کو رد کر دیا ہے۔

اہل بیت کی تین خصوصیات

﴿۲۲﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْداً مَأْمُوْراً مَااخْتَصَّنَا دُوْنَ النَّاسِ بِشَيْءٍ اِلَّا بِثَلَاثٍ اَمَرَنَا اَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَاَنْ لَانَأْكُلَ الصَّدَقَةَ وَاَنْ لَانُنْزِیَ حِمَاراً عَلٰى فَرَسٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مامور بندے تھے آپ نے ہم کو (یعنی اپنے اہل بیت کو اور دوسرے لوگوں سے الگ کر کے تین باتوں کے علاوہ اور کسی بات کا مخصوص طور پر حکم نہیں دیا اور وہ (تین باتیں جن کا خاص طور پر اہل بیت کو حکم دیا تھا) یہ ہیں کہ (۱) ہم وضو کو پورا کریں۔ (۲) ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں۔ (۳) ہم گھوڑوں پر گدھے نہ چھوڑیں۔ (ترمذی، نسائی)

توضیح

''عبداً ماموراً'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند بندے تھے جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا تھا وہ عوام الناس میں برابر جاری فرماتے تھے ایسا نہیں تھا کہ اپنے کسی قرابت دار کو خصوصی حکم سے نواز ا اور دوسروں کو نظر انداز کیا اسی طرح احکام میں آپ کسی امتیاز اور خصوصیت کو روا نہیں رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ یہ وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم نے ہم اہل بیت کو بھی کسی چیز کا خصوصی حکم نہیں دیا ہاں تین چیزوں کا ہم کو بطور خاص تاکیدی حکم کیا اگرچہ امت ان میں سے بھی دو چیزوں میں ہمارے ساتھ شریک ہے مگر ہم کو بطور خاص حکم دیا گیا ہے وہ تین وصیتیں مکمل

وضو بنانا ہے صدقہ نہ کھانا ہے اور گدھے کو گھوڑے پر نہ چڑھانا ہے۔ گدھے کو گھوڑے پر چڑھانے سے گھوڑی کی نسل خراب ہوجاتی ہے اور اعلیٰ چیز کے بجائے گھٹیا چیز ہاتھ میں آجاتی ہے کیونکہ خچر گھوڑے سے ادنیٰ ہے اس وصیت میں اور کامل ومکمل وضو بنانے کی وصیت میں باقی امت بھی شریک ہے البتہ صدقہ نہ کھانا اہل بیت کی خصوصیات میں سے ہے اس حدیث سے روافض پر واضح رد ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت علی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی وصیتیں کی تھیں روافض ازان میں اس کا اظہار و وصی رسول اللہ کے الفاظ سے کرتے ہیں، حضرت علی اور اہل بیت نے بار بار اس نظریہ کی تردید کی ہے مگر روافض بہت غلط لوگ ہیں۔

گھوڑی پر گدھا چھوڑنا منع ہے

﴿۲۳﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَغْلَةٌ فَرَكِبَهَا فَقَالَ عَلِيٌّ لَوْ حَمَلْنَا الْحَمِيْرَ عَلَى الْخَيْلِ فَكَانَتْ لَنَا مِثْلُ هٰذِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ (ایک موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ اس پر سوار ہوئے حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ اگر ہم گھوڑیوں پر گدھے چھوڑیں تو ہمیں (بھی) ایسے خچر مل جائیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (سن کر) فرمایا کہ یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو ناواقف ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

''لایعلمون'' یعنی گدھے کو گھوڑی پر چھوڑنا، نامعقول لوگوں کا کام ہے اگر یہ لوگ دانشمند ہوتے تو گھوڑی پر گھوڑے کو چھوڑتے تاکہ عمدہ نسل والے گھوڑے پیدا ہوں گدھے کی نسل سے بیکار خچر پیدا ہونگے یہ لوگ صحیح فیصلہ کرنے سے ہٹ گئے اور صحیح راستہ سے بھٹک گئے ہیں جو اس مکروہ کام میں مشغول ہوگئے۔

حضور اکرم کی تلوار

﴿۲۴﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ قَبِيْعَةُ سَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضے کی ٹوپی چاندی کی تھی۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمیؒ)

''قبیعة سیف'' تلوار کی ٹوپی کو کہتے ہیں جو دستہ کے پیچھے ہوتی ہے تلوار کی زینت کے لئے معمولی سا سونا استعمال کرنا جائز

ہے چاندی بھی جائز ہے مگر زیادہ نہ ہو۔

﴿۲۵﴾وَعَنْ هُوْدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ جَدِّهٖ مَزِيْدَةَ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلٰى سَيْفِهٖ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ہود بن عبداللہ ابن سعد اپنے دادا سے کہ جن کا نام مزیدہ تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن (مکہ میں) داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے پاس جو تلوار تھی اس پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

احد کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہیں پہنیں

﴿۲۶﴾وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت سائبؓ ابن یزید سے روایت ہے کہ غزوہ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے جسم مبارک) پر دو زرہیں تھیں آپ نے ایک کو دوسرے پر پہن رکھا تھا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

"قد ظاھر" یعنی ایک دوسرے پر اوپر نیچے پہن رکھے تھے معلوم ہوا زیادہ سے زیادہ اسلحہ استعمال کرنا توکل کے منافی نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ لڑی ہے اور بھرپور انداز سے لڑی ہے جو لوگ اس کو عیب یا عار سمجھتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی جھنڈا

﴿۲۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ رَايَةُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوْدَاءَ وَلِوَاؤُهٗ أَبْيَضَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا۔ اور چھوٹا جھنڈا سفید رنگ کا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"رایة" ملکی قومی بڑے جھنڈے کو رایہ کہتے ہیں یہ جھنڈا سیاہ تھا سیاہ کا مطلب یہ نہیں کہ بالکل کالا تھا بلکہ دور سے کالا نظر

آتا تھا اور اگر قریب سے کوئی اس کو دیکھتا تو اس میں سفید پٹیاں نظر آتی تھیں اور اسی کو نمرہ چتکبرا کہا جاتا ہے۔

''ولواءہ ابیض'' یعنی آپ کا جنگی چھوٹا جھنڈا سفید ہوتا تھا جو امن کی طرف اشارہ ہے۔

﴿۲۸﴾وَعَنْ مُوسٰى بْنِ عُبَيْدَةَ مَوْلٰى مُحَمَّدِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ بَعَثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ الْقَاسِمِ اِلَى الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ يَسْأَلُهُ عَنْ رَايَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ سَوْدَاءَ مُرَبَّعَةً مِنْ نَمِرَةٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت موسیٰ ابن عبیدۃ جو حضرت محمد ابن قاسم (تابعی) کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ حضرت محمد ابن قاسم نے مجھے حضرت براء ابن عازب کے پاس بھیجا تا کہ یہ دریافت ہو سکے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کیسا تھا، چنانچہ حضرت براء نے فرمایا کہ جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا اس کا کپڑا چوکور اور نمرہ کی طرح تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

''مربعة'' یعنی اس کا طول وعرض چوکور تھا۔ ''نمرة'' چیتے کے رنگ پر تھا

﴿۲۹﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَلِوَاؤُهُ أَبْيَضُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه .

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فتح مکہ کے دن) مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے ساتھ سفید جھنڈا تھا۔ (ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

﴿۳۰﴾عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ النِّسَاءِ مِنَ الْخَيْلِ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں عورتوں کے بعد (جہاد کے مقاصد کے لئے) گھوڑوں سے زیادہ محبوب وپسندیدہ اور کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ (نسائی)

اپنا قومی اسلحہ بناؤ اور اسی کو اپناؤ

﴿۳۱﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَتْ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْسٌ عَرَبِيَّةٌ فَرَاٰى رَجُلًا بِيَدِهٖ قَوْسٌ فَارِسِيَّةٌ قَالَ مَا هٰذِهٖ اَلْقِهَا عَلَيْكُمْ بِهٰذِهٖ وَأَشْبَاهِهَا وَرِمَاحِ الْقَنَا فَاِنَّهَا يُؤَيِّدُ اللّٰهُ لَكُمْ بِهَا فِي الدِّيْنِ وَيُمَكِّنُ لَكُمْ فِي الْبِلَادِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه .

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں (کسی میدان میں یا ویسے ہی کسی موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں

عربی کمان تھی۔ جب آپ نے ایک شخص (صحابی) کے ہاتھ میں فارسی (ایرانی) کمان دیکھی تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اس کو پھینک دو، تمہیں (یعنی عربی) کمان رکھنی چاہیئے اور اس طرح (یعنی اس وضع کی) رکھنی چاہیئے۔ نیز تمہیں کامل نیزے رکھنے چاہئیں۔ یقیناً ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دین (کو سربلند کرنے) میں تمہاری مدد کرے گا۔ اور (دشمنوں کے) شہروں میں تمہیں جمادے گا۔　　(ابن ماجہ)

توضیح

عورتوں کے بعد گھوڑوں سے آنحضرت کی محبت جہاد سے محبت کی طرف اشارہ ہے اس وقت گھوڑا جیٹ طیارہ کا کام کرتا تھا حدیث میں اعداد کی حوصلہ افزائی ہے۔

''قوس فارسیة'' ایک عربی کمان ہوتی ہے ایک فارسی کمان ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں عربی کمان تھی اور کسی صحابی کے ہاتھ میں فارسی ایرانی کمان تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ اس کو پھینک دو اور عربی کمان کو ہاتھ میں لیکر استعمال کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کمان پر عربی کمان کو کیوں ترجیح دی؟ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ عربی کمان ٹوٹنے کے بعد بھی لڑائی میں کام آتی تھی مگر فارسی کمان میں یہ صفت نہیں تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی کمان کی عمدگی کے پیش نظر اسے اختیار کرنے کا حکم دیدیا یہ بہت اچھی توجیہہ ہے کاش کہیں کسی نے کتاب میں لکھا ہوتا۔

دوسری توجیہ جو میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علاقائی اور قومی اسلحہ کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے کہ عربی کمان ہماری مصنوعات میں سے ہے ہمیں اس پر بھرپور اعتماد کرنا چاہئے اور دوسروں کے بنائے ہوئے اسلحہ پر اپنی قومی بنیاد نہیں رکھنا چاہئے حضرت خالد بھی عام جنگوں میں اپنے ہی قومی اسلحہ کو ترجیح دیا کرتے تھے خواہ غیر کا اسلحہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہوتا حدیث کا سیاق وسباق ان دونوں توجیہات کے ساتھ بالکل موافق ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی اسلحہ کی وجہ سے اور جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ دین میں تمہاری مدد کرتا ہے اور ملکوں میں تمہیں جماتا ہے۔ ایک تیسری توجیہہ بھی ہے جس کو تمام شارحین نے لیا ہے۔ ملا علی قاری علامہ طیبی ودیگر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس صحابی کا خیال تھا کہ فارسی کمان مضبوط ہوتی ہے اس سے ہمیں زیادہ سے زیادہ فتوحات حاصل ہونگی اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا خیال صحیح نہیں ہے آلات حرب وضرب سے فتوحات حاصل نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ومدد سے حاصل ہوتی ہیں یہ نصیحت اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن زیر بحث حدیث کا سیاق وسباق اس توجیہہ سے بہت دور ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''انھـــا'' سے آخر تک اسلحہ استعمال کرنے اور آلات حرب وضرب

اختیار کرنے کو دین کی ترقی کا ذریعہ بتایا ہے ''فانھا'' میں ضمیر قصہ ہے۔ یعنی قصہ یہ ہے کہ ان کمانوں اور نیزوں سے اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی تائید کرتا ہے اور تمہارے قدموں کو دنیا میں مضبوط بناتا ہے۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاد اور جہاد کے اسلحہ کو مضبوط کرے جتنا اسلحہ اور ایمان مضبوط ہوگا مسلمانوں کا جہاد مضبوط ہوگا لوگوں کا ذہن جہادی ہوگا تو دین بھی ترقی کریگا مسلمان حکومتیں بھی مضبوط ہونگی دنیا بھی آباد ہوگی امن بھی قائم ہوگا عزتیں وعظمتیں بھی محفوظ ہونگی معاشرہ بھی پاکیزہ ہوگا اور ملک بھی خوشحال ہوگا ورنہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا اور ذلت مسلط ہوگی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کافروں کو مغلوب کرنے کا جو نسخہ دیا ہے وہ جہاد اور جہادی اسلحہ ہے ترک اسلحہ نہیں ہے۔ جو لوگ اسلحہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ قرآن وحدیث کی توھین کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر جہاد کے منکر ہو جاتے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ اسلحہ فساد کا ذریعہ نہیں بلکہ امن وامان کا ذریعہ ہے اس دعویٰ پر قبائل کے لوگوں کے ہاں امن وآمان کا ہونا واضح دلیل ہے جن کے پاس اسلحہ کے ڈھیر لگے رہتے ہیں مگر ناحق اتنے قتل نہیں ہوتے ہیں جتنے قتل ان شہری علاقوں میں ہوتے ہیں جہاں ڈاکو مسلح ہوتے ہیں اور شرفاء کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے ہیں کسی نے جہاد کے اسلحہ کے بارے میں کیا خوب کہا ہے۔ ؎

سکھایا ہے ہمیں اپنے دوست طیبہ کے والی نے
کہ بوجہلوں سے ٹکرا کر ابھرنا عین ایمان ہے
جہاں باطل مقابل ہو وہاں نوک سناں سے بھی
برائے دین اسلام رقص کرنا عین ایمان ہے

مورخہ ۱۸ صفر ۱۴۰۰ھ

باب آداب السفر

سفر کے آداب کا بیان

قال الله تعالیٰ:﴿ولا یطئون موطئا یغیظ الکفار ولا ینالون من عدو نیلا إلا کتب لهم به عمل صالح﴾

آداب جمع ہے اس کا مفرد ادب ہے خصائل حمیدہ کے اپنانے اور خصائل رذیلہ سے بچنے کا نام ادب ہے یعنی ہر چیز کو اس کا جائز مقام اور مناسب حق دینے کا نام ادب ہے۔

سفر سے مراد عام اور مطلق سفر ہے مگر یہاں زیادہ تر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادی اسفار اور اس کے آداب کا بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت ملنے سے پہلے تیرہ سال کی عمر میں شام کی طرف ایک سفر کیا تھا جو نا تمام رہ گیا تھا اور آپ مکہ واپس آگئے تھے پھر آپ نے ۲۵ سال کی عمر میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے دوسرا سفر کیا تھا۔ نبوت ملنے کے بعد آپ کا ایک سفر مکہ سے طائف کی طرف ہوا تھا اس کا مقصد طائف والوں کو دعوت اسلام بھی دینا تھا اور اپنے ساتھیوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ تلاش کرنا بھی مقصود تھا، پھر مکہ سے مدینہ کی طرف آپ نے ۵۳ سال کی عمر میں ہجرت کا ایک عظیم الشان سفر کیا مدینہ منورہ سے چھ ہجری میں آپ کا ایک سفر عمرہ کے لئے ہوا جو حدیبیہ پر ختم ہوا اور آپ بغیر عمرہ واپس مدینہ چلے گئے پھر آیندہ سال عمرۃ القضاء کا ایک سفر ہوا تھا پھر دس ہجری میں آپ نے حج کے ارادہ سے سوا لاکھ یا کم وبیش صحابہ کے ساتھ حجۃ الوداع کا سفر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سات اسفار کے علاوہ باقی تمام اسفار جہاد کے لئے ہوئے ہیں جو جزیرۂ عرب کے اندر اندر تھے جزیرۂ عرب سے باہر آپ کا ایک جہادی سفر ہوا تھا جو غزوہ تبوک کے لئے ارض شام کی طرف ہوا تھا، علماء وطلباء اور صلحاء عوام پر لازم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر جس مقصد کے لئے ہوا تھا اس سفر کو اسی مقصد کے لئے بیان کریں جہاد کے سفر کو تشکیل کا نام دینا کونسا انصاف ہے؟ جبکہ آج کل عوام الناس کے دل ودماغ میں تشکیل کا ایک خاص تصور ہے جس میں جہاد کا تصور شامل کرنا حرام سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال جہاد کے سفر کے چند آداب بھی لکھے جاتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اعلاء کلمۃ اللہ کی خالص نیت ہو۔ (۲) بغیر کسی تکبر کے نہایت عاجزی سے آئے اور جائے۔ (۳) آپس کا جھگڑا اور ٹکراؤ نہ ہو بلکہ تعاون ہو۔ (۴) سفر حضور اکرم کے طریقوں کے مطابق ہو۔ (۵) دشمن سے لڑائی کی تمنا نہ کی جائے لیکن جب لڑائی ہو تو ثابت قدم رہ کر خوب صبر کرے۔ (۶) عدد وعُدد پر نظر نہ جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو اور تعلق مع اللہ خوب

مضبوط ہو۔ (۷) بلندی اور نشیبی پر آنے جانے کے وقت زبان ذکر اللہ اور اللہ اکبر کے نعروں سے لبریز ہو۔ (۸) فتح کے بعد نہ تکبر کرے نہ ظلم کرے بلکہ عاجزی کرے۔

الفصل الاول

جہاد کے لئے یوم الخمیس کا انتخاب

﴿۱﴾ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يَخْرُجَ يَوْمَ الْخَمِيسِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت کعبؓ ابن مالک راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک کے لئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے اور آنحضرت اس کو پسند فرماتے تھے کہ جہاد کے سفر کی ابتداء جمعرات کے دن سے کریں۔ (بخاری)

توضیح

"یوم الخمیس" جمعرات کے دن کو خمیس کہتے ہیں آنحضرت کے عمومی اسفار خمیس میں ہوئے تھے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوا ہے خمیس کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہفتہ بھر کے اعمال خمیس کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں جہاد کا بڑا عمل بھی اس میں ہو تو کیا خوب ہو دوسری وجہ یہ کہ خمیس اور خمس میں مناسبت لفظی ہے خمس مال غنیمت کے حصہ کو کہتے ہیں تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت کے لشکر کا نام الخمیس تھا جس کے پانچ حصے ہوتے تھے یعنی مقدمة الجیش، ساقة الجیش، میمنة الجیش، میسرة الجیش اور قلب الجیش۔ اسی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خمیس کے دن سفر فرماتے تھے یہود نے خیبر میں آنحضرت کے لشکر کو دیکھا تو انہوں نے اس موقع پر کہا "محمد والخمیس و اللہ" اس لئے تفاول کے طور پر آپ نے خمیس کا دن عموماً سفر کے لئے منتخب کیا۔

تنہا سفر کرنے کی ممانعت

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي الْوَحْدَةِ مَاأَعْلَمُ مَاسَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحْدَهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ اس چیز کو جو تنہا سفر کرنے سے پیش آتی ہے اتنا جان لیں جتنا میں جانتا ہوں تو کوئی سوار رات میں کبھی سفر (کرنے کی ہمت) نہ کرے۔ (بخاری)

توضیح

یعنی تنہا سفر کرنے کے جو دینوی اور اخروی نقصانات مجھے معلوم ہیں اگر وہ کسی کو معلوم ہو جائیں تو کوئی سوار کسی وقت تنہا سفر نہیں کرے گا دینی نقصان تو یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز تنہا آدمی کو نصیب نہیں ہوتی اور دنیوی نقصان یہ ہے کہ کسی حادثہ کے وقت یا سامان کی حفاظت کے وقت اس کی مدد کے لئے کوئی نہیں ہوگا اور خاص کر جب جہاد کا زمانہ ہو تو تنہا آدمی کے لئے جان کا کتنا خطرہ ہوگا۔ بہر حال آج کل اجتماعی اسفار کی ترتیب ہوتی ہے کوئی آدمی کہیں بھی تنہا نہیں ہوتا شاید اس سفر میں اور پرانے زمانے کے سفر میں فرق ہو۔

اگر قافلہ میں کتا اور ریکارڈنگ ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں ہونگے

﴿۳﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيْهَا كَلْبٌ وَلَاجَرَسٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قافلہ کیساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتا اور گھنٹال ہو۔ (مسلم)

توضیح

''الملائکة'' رحمت کے فرشتے مراد ہیں وہ ساتھ نہیں ہونگے رحمت کے فرشتے اور کراما کاتبین تو ساتھ ہوتے ہیں جرس سے مراد گھنگرو اور گھنٹیاں ہیں جو بجتے ہیں اس سے ریکارڈنگ کی حرمت آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے کتے سے شوقیہ کتا مراد ہے کلب صید یا کلب حراسہ مراد نہیں ہے۔

﴿۴﴾وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجَرَسُ مَزَامِيْرُ الشَّيْطَانِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمیا جرس (یعنی گھنگرو اور گھنٹی) مزامیر شیطان (یعنی شیطانی باجہ) ہے۔ (مسلم)

﴿۵﴾وَعَنْ أَبِي بَشِيْرٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَأَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا لَاتُبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيْرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو بشیر انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ کسی سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ تو (وہ بیان کرتے

ہیں کہ اس سفر کے موقع پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قافلہ کے اندر اس حکم کے اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کمان کی تانت کے قلادے (پٹے) کو باقی نہ رکھا جائے۔ یا یہ فرمایا کہ قلادے کو باقی نہ رکھا جائے بلکہ کاٹ ڈالا جائے۔ (بخاری، مسلم)

''قلادۃ'' قلادہ کی ممانعت اس لئے آئی کہ اس میں بجنے والے گھنگرو ہوتے ہیں اگر گھنگرو نہ ہوں اور کوئی شرکیہ پٹا نہ ہو تو محض قلادہ کی ممانعت نہیں ہے۔

جانوروں پر سواری سے متعلق ہدایت

﴿۶﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي الْخِصْبِ فَأَعْطُوا الْإِبِلَ حَقَّهَا مِنَ الْأَرْضِ وَإِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَأَسْرِعُوْا عَلَيْهَا السَّيْرَ وَإِذَا عَرَّسْتُمْ بِاللَّيْلِ فَاجْتَنِبُوا الطَّرِيْقَ فَإِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَابِّ وَمَأْوَى الْهَوَامِّ بِاللَّيْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا سَافَرْتُمْ فِي السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْيَهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم ارزانی کے زمانے میں (اونٹوں پر) سفر کرو تو ان اونٹوں کو ان کا زمین (سے کھانے) کا حق دو (یعنی ان کو گھاس کھانے کا موقع دو بایں طور کہ سفر کے دوران ان کو تھوڑی دیر کے بعد چرنے کے لئے چھوڑ دیا کرو تاکہ وہ پیٹ بھر کر چریں۔ اور تیز چلیں) اور جب تم قحط سالی کے زمانے میں سفر کرو تو ان پر جلدی سفر کرو (یعنی سفر کے دوران راستہ میں تاخیر نہ کرو تاکہ اونٹ پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ضعف ونقاہت میں مبتلا ہونے سے پہلے تمہیں منزل مقصود پر پہنچادیں) نیز جب تم کہیں رات میں پڑاؤ ڈالو تو راستے پر پڑاؤ نہ ڈالو کیونکہ ان پر چوپائے چلتے ہیں اور وہ موذی (زہریلے) جانوروں (جیسے سانپ وبچھو وغیرہ) کا مسکن اور ان کی گزرگاہیں ہیں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب تم قحط سالی کے زمانے میں (اونٹوں پر) سفر کرو تو تیزی کے ساتھ سفر طے کرو جبکہ اونٹوں میں گودا (یعنی بدن کی طاقت) موجود ہو۔ (مسلم)

توضیح

''الخصب'' سرسبز وشادابی اور ارزانی وآسانی کے زمانے میں سفر کو الخصب کہتے ہیں۔

''حقها'' یعنی گھاس چرنے کا حق دیدو ''السنة'' خشک سالی اور قحط کو کہتے ہیں یعنی ایسے موقع پر بہت تیز چلو تاکہ قحط کی وجہ سے ہلاکت سے پہلے پہلے بچ کر نکل جاؤ ''عرستم'' تعریس آخری رات کے وقت پڑاؤ ڈالنے کو کہتے ہیں۔ ''الطریق'' یعنی راستہ میں قیام نہ کرو بلکہ راستہ سے ہٹ کر رات گزارو تاکہ درندوں اور حشرات الارض اور جنات سے بچ جاؤ کیونکہ رات کو

یہ اشیاء راستوں پر آتی ہیں "ماوٰی" ٹھکانہ بنانے کے معنی میں ہے "الھوام" حشرات الارض اور موذی اشیاء کو کہتے ہیں۔
"نقیھا" یعنی گودا ختم ہونے اور لاغر ہو کر بے بس ہو جانے سے پہلے پہلے جانوروں کو بچا کر نکال لو۔

ضرورت مند رفیقِ سفر کی مدد کرو

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلٰى رَاحِلَةٍ فَجَعَلَ يَضْرِبُ يَمِيْنًا وَشِمَالًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلٰى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ حَتّٰى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ ایک موقع پر جبکہ ہم ایک سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اچانک ایک شخص آنحضرت کے پاس اونٹ پر آیا اور اونٹ کو دائیں بائیں پھیرنے موڑنے لگا چنانچہ یہ (دیکھ کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس (اپنی ضرورت سے) زائد سواری ہو اس کو چاہیے کہ وہ سواری اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس شخص کے پاس اپنی ضرورت سے زائد کھانے پینے کا سامان ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ کھانے پینے کا سامان اس شخص کو دیدے جس کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت نے مال اور چیزوں کی اقسام کو ذکر کیا (یعنی آپ نے چیزوں کا نام لے کر فرمایا کہ جس شخص کے پاس فلاں چیز اور فلاں چیز جیسے کپڑا وغیرہ اپنی حاجت سے زائد ہو تو اس کو اس شخص پر خرچ کیا جانا چاہیے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو) یہاں تک کہ (آپ کی ترغیب ونصیحت سے) احساس ہو گیا کہ ہم میں سے کسی کا اپنی اس چیز پر کوئی حق نہیں ہے جو اس کے پاس اس کی ضرورت سے زائد ہے۔ (بلکہ اس چیز کا حقیقی مستحق وہ شخص ہے جو اس وقت اس چیز سے محروم ہے۔) (مسلم)

توضیح

"یضرب یمینا وشمالا" یضرب موڑنے اور گھمانے کے معنی میں ہے چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں یصرف کا لفظ موجود ہے جو پھیرنے کے معنی میں ہے، مسلم کی اس روایت میں یصرف کے بعد بصرہ کا لفظ بھی موجود ہے اس سے مطلب زیادہ واضح ہو گیا کہ اس شخص کی سواری چونکہ زیادہ تھک چکی تھی اور اس کے پاس سامان سفر بھی نہیں تھا اس لئے وہ دائیں بائیں نظر گھمارہا تھا کہ کوئی مسلمان ان کی مدد کرے اس توجیہ کے ساتھ پوری حدیث کا سمجھنا آسان ہو جائے گا کیونکہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے ساتھ مدد کرنے کی ترغیب دیدی ہے۔ شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اس شخص کی سواری اتنی کمزور ہو گئی تھی کہ وہ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی اس وجہ سے وہ دائیں بائیں جھول

کھاتی ہوئی پریشان تھی اور وہ شخص اس کو دائیں بائیں موڑتا تھا یہ توجیہ بعید ہے۔

''فضل زاد'' یعنی کسی کے پاس اگر زائد سواری ہو یا زائد سامان اور خوراک ہو تو وہ اس سے اپنے بھائی کی مدد کرے۔

''فلیعد بہ'' یہ صیغہ عاد یعود نصر ینصر سے ہے اساس البلاغہ میں علامہ زمخشریؒ نے اس کا معنی رفق و نرمی بتایا ہے 'ای فلیرفق بہ، یقال ھذا الامر اعود علیک، ای ارفق بک، لیکن منجد میں لکھا ہے کہ عاد یعود لوٹانے اور احسان کرنے کے معنی میں ہے'' یقال عاد السائل ای ردہ و صرفہ، عاد فلانا بالمعروف صنعہ معہ، یعنی اس کے ساتھ احسان کیا زیر بحث حدیث کے مناسب یہی معنی ہے اگرچہ علامہ طیبیؒ نے پہلا معنی لکھا ہے مطلب یہ ہوا کہ جس شخص کے پاس جو کچھ زائد سواری یا سامان ہو یا خوراک ہو وہ اپنے محتاج بھائی پر احسان کر کے دیدے حضور نے اتنی ترغیب دیدی کہ صحابہ نے خیال کیا کہ زائد سامان پر ان کا کوئی حق نہیں ہے۔

مقصد سفر پورا ہو جانے پر فوراً گھر آؤ

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَكُمْ نَوْمَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰى نَهْمَتَهٗ مِنْ وَجْهِهٖ فَلْیُعَجِّلْ اِلٰى اَهْلِهٖ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ جو تمہیں نہ تو (آرام وراحت سے) سونے دیتا ہے اور نہ (ڈھنگ سے) کھانے پینے دیتا ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص (کہیں سفر میں جائے اور) اپنے سفر کی غرض کو پورا کرے۔ (یعنی جس مقصد کے لئے سفر کیا ہے وہ مقصد پورا ہو جائے) تو اس کو چاہیے کہ اپنے گھر والوں کے پاس واپس آ جانے میں جلدی کرے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

''نہمتہ'' مقصد اور حاجت و ضرورت کے معنی میں ہے۔ ''من وجھہ'' یعنی جس طرف مسافر متوجہ ہو کر مقصد برآری کے لئے گیا ہے وہاں سے جب مقصد پورا ہو جائے تو فوراً لوٹ کر گھر آ جائے یہ حکم اسفار غیر واجبہ کے لئے ہے اگر سفر واجب ہو جیسے حج اور جہاد وغیرہ تو اس کا یہ حکم نہیں ہے اگرچہ حدیث اس کو بھی شامل ہو سکتی ہے۔

سفر کو عذاب کا ٹکڑا اس لئے قرار دیا ہے کہ انسان تمام سہولیات سے محروم رہ جاتا ہے اگر سہولت مہیا بھی ہو پھر بھی گھر سے الگ ہونا وطن اور خاندان سے الگ ہونا کیا کوئی کم پریشانی ہے؟ بے مقصد اسفار میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ بسوں کے حادثے ہو جاتے ہیں جیسے مزارات کے لئے سفر میلوں اور ٹورسٹ کے لئے اسفار اکثر مصائب سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

معزز مہمان یا مسافر کی آمد پر استقبال جائز ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ تُلُقِّيَ بِصِبْيَانِ أَهْلِ بَيْتِهِ وَإِنَّهُ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَسُبِقَ بِيْ إِلَيْهِ فَحَمَلَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ثُمَّ جِيْءَ بِأَحَدِ ابْنَيْ فَاطِمَةَ فَأَرْدَفَهُ خَلْفَهُ قَالَ فَأُدْخِلْنَا الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَةً عَلٰى دَابَّةٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو آپ کے اہل بیت کے بچوں کے ذریعہ آپ کا استقبال کیا جاتا (یعنی آپ کے اہل بیت اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں لے جاتے) چنانچہ (ایک روز) آنحضرت جب سفر سے واپس تشریف لائے (اور مدینہ کے قریب پہنچے) تو مجھ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے مجھے اٹھایا اور اپنے آگے سوار کر لیا پھر حضرت فاطمہؓ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک بیٹے حسن یا حسین کو لایا گیا تو آپ نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا اور پھر (اس طرح ہم تینوں ایک جانور پر (سوار) مدینہ میں داخل ہوئے۔ (مسلم)

توضیح

"تلقی بالصبیان" مطلب یہ ہے کہ بچوں کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا جاتا تھا یعنی اہل بیت کے بچے آنحضرت کی ملاقات کے لئے لیجائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا استقبال اہل مدینہ نے اسلحہ لہراتے ہوئے اس وقت کیا تھا جب آنحضرت مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے پھر غزوات کے اسفار سے واپسی پر موقع بموقع صحابہ نے آپ کا استقبال کیا ہے اس لئے معزز مہمان کی آمد پر اور اسی طرح علمی شخصیت کی آمد پر اگر عوام الناس استقبال کرتے ہیں تو یہ ناجائز نہیں ہوگا تاہم شرعی منکرات سے پاک ہونا چاہئے بعض خشک مزاج لوگ استقبال کو ناجائز کہتے ہیں۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ أَقْبَلَ هُوَ وَأَبُوْ طَلْحَةَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَفِيَّةُ مُرْدِفُهَا عَلٰى رَاحِلَتِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ (انسؓ) اور حضرت طلحہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (خیبر کے سفر سے) واپس آئے تو اس موقع پر حضرت صفیہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور آپ نے ان کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا۔ (بخاری)

سفر سے گھر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا وقت

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَطْرُقُ أَهْلَهُ لَيْلًا وَكَانَ لَا يَدْخُلُ إِلَّا غُدْوَةً أَوْ عَشِيَّةً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس (سفر سے) رات کے وقت واپس نہیں آیا کرتے تھے بلکہ دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت، یا آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت (گھر میں) داخل ہوا کرتے تھے۔ (بخاری)

توضیح

حضرت انسؓ کی اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ سفر سے جب آدمی گھر آتا ہے تو اس کو چاہئے کہ دن کے وقت آئے اس کے ساتھ والی حضرت جابر کی حدیث نمبر ۱۲ میں واضح طور پر منع کیا گیا ہے کہ طویل سفر کے بعد رات کے وقت گھر میں داخل نہیں ہونا چاہئے ان دونوں حدیثوں کے ساتھ آئندہ آنے والی حضرت جابر کی حدیث ۳۰ کا تعارض ہے جس میں رات کے وقت گھر میں آنے کو بہتر اور اچھا قرار دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب سفر لمبا ہو اور شوہر طویل عرصہ تک گھر سے غائب رہا ہو تو ایسی صورت میں رات کے وقت اچانک گھر میں نہیں آنا چاہئے بلکہ دن کو پہلے مسجد میں دو رکعت پڑھنی چاہئیں اور لوگوں سے ملاقات کے بعد گھر جانا چاہئے تاکہ گھر میں بیوی اپنا بناؤ سنگھار کر سکے اور اگر سفر دور کا نہ ہو بلکہ قریب کا ہو تو رات کے اول حصہ میں آنا بہتر ہے جس طرح کہ آئندہ حدیث نمبر ۳۰ میں آ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں آنے سے خود اس مسافر کو بھی اطمینان ہوگا اور دیر سے آمد کی وجہ سے گھر کے لوگ بھی پریشان نہیں ہونگے، نیز اول شب میں شوہر بیوی سے ہمبستری کر کے رات بھر آرام کر لیگا۔

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں رات کے وقت آنے کی ممانعت ہے ان احادیث کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ سفر لمبا ہو اور شوہر کی آمد کا کچھ پتہ نہ ہو اگر شوہر اچانک داخل ہوگا اور بیوی چڑیل کی طرح بیٹھی ہوگی تو گھریلو تعلقات خراب ہو جائیں گے مختصر سفر میں یہ صورت نہیں ہوگی، نیز اگر سفر لمبا ہوا ہو مگر شوہر نے اپنے آنے سے پہلے اطلاع کر دی ہو تو اس صورت میں بھی شوہر گھر میں ہر وقت آ سکتا ہے اسلام چاہتا ہے کہ گھریلو نظام مضبوط سے مضبوط تر ہو مگر یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹ این جی اوز عائلی نظام کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ساتھ والی حدیث کی بھی یہی تشریح ہے۔

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی غیر حاضری کا عرصہ طویل ہو جائے۔ (یعنی اس کو سفر میں زیادہ دن لگ جائیں) تو وہ (سفر سے واپسی کے وقت) اپنے گھر میں رات کے وقت داخل نہ ہو۔ (بخاری، ومسلم)

﴿۱۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا دَخَلْتَ لَيْلًا فَلَا تَدْخُلْ عَلٰى أَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ وَتَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم (سفر سے واپسی پر اپنے شہر وآبادی میں) رات کے وقت پہنچو تو اپنے گھر میں داخل نہ ہو جب تک کہ شوہر غائب بیوی زیر ناف بالوں کو صاف نہ کر لے۔ اور وہ بیوی کہ جس کے بال پراگندہ ہوں کنگھی چوٹی نہ کر لے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

''تستحد'' حدید استعمال کرنے کو کہا جاتا ہے مراد زیر ناف بالوں کا ازالہ ہے تو مرد کے لئے لوہا استعمال کرنا طبی لحاظ سے مفید ہے اور عورت کے لئے لوہے کے بجائے کوئی اور طریقہ اختیار کرنا بہتر ہے مثلاً نوچنا یا نورہ استعمال کرنا یا بال صفا سے ازالہ کرنا مناسب ہے۔

''تمتشط'' امتشاط کنگھی استعمال کرنے کو کہتے ہیں ''الشعثة'' پراگندہ بال عورت کو الشعثۃ کہا گیا ہے اس قسم کی حدیثوں کی پوری تفصیل توضیحات جلد پنجم کتاب النکاح میں گذر چکی ہے۔

سفر سے واپسی پر دعوت کرنا مسنون ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ نَحَرَ جَزُوْرًا أَوْ بَقَرَةً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے اونٹ یا گائے ذبح کی۔ (بخاری ومسلم)

سفر سے واپسی پر مسجد میں بیٹھنا اور نفل پڑھنا مسنون ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَإِذَا قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيهِ لِلنَّاسِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت کعبؓ ابن مالک کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت کے علاوہ اور کسی وقت سفر سے واپس نہیں آیا کرتے تھے چنانچہ جب آپ (سفر سے) واپس آتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور وہاں بیٹھنے سے پہلے تحیۃ

المسجد یا چاشت کی دو رکعت نماز پڑھتے اور پھر لوگوں سے ملاقات کرنے کے لئے وہاں بیٹھتے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۶﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ قَالَ لِي ادْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک) سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا چنانچہ جب ہم مدینہ واپس آئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو۔ (بخاری)

الفصل الثانی

صبح سویرے کام پر جانے والے کے لئے برکت کی دعا

﴿۱۷﴾عَنْ صَخْرِ بْنِ وَدَاعَةَ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا وَكَانَ اِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشاً بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ وَكَانَ صَخْرٌ تَاجِراً فَكَانَ يَبْعَثُ تِجَارَتَهُ أَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت صخرؓ بن وداعہ غامدی کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا (یعنی یوں دعا فرمائی اے اللہ میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما۔ چنانچہ آنحضرت جب کوئی چھوٹا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو اس کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ اور صخرہ جو ایک تاجر (سوداگر) تھے (اس دعا کی برکت حاصل کرنے کے پیش نظر) اپنا تجارتی مال دن کے ابتدائی حصہ ہی میں روانہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مالدار ہوئے اور ان کے مال میں بہت اضافہ ہوا۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمیؒ)

توضیح

"بکورھا" یعنی صبح سویرے جہاد کے سفر پر جانے والے کے لئے یا تجارت کے سفر کرنے والے کے لئے آنحضرت نے برکت کی دعا فرمائی ہے "صخر" ایک تاجر صحابی کا نام ہے جو اس حدیث پر عمل کرتے تھے اور سویرے سویرے تجارتی سامان روانہ کرتے تھے "فاثری" یعنی خوب مالدار ہوگیا "کثر مالہ" یہ اثری کی تشریح ہے۔

آج کل کافروں کی طرح مسلمان امت اس حدیث کے خلاف چل رہی ہے دن کے گیارہ یا بارہ بجے دکان پر آتے ہیں اس میں کیا خاک برکت آئے گی۔

دن کے سفر کے ساتھ کچھ رات بھی ملایا کرو

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ فَإِنَّ الْأَرْضَ تُطْوٰى بِاللَّيْلِ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم رات کے وقت چلنا اپنے لئے ضروری سمجھو کیونکہ رات کے وقت زمین لپیٹ دی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"علیکم" اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دن کو سفر نہ کرو دن کے سفر کا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ سویرے سفر کرو۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ دن کے سفر کے ساتھ کچھ حصہ رات کا بھی شامل کیا کرو کیونکہ رات کے سفر میں ایک تو گرمی اور دھوپ نہیں ہوتی دوسرا یہ کہ کچھ نظر نہیں آتا اس لئے سفر میں یکسوئی اور برکت رہتی ہے اسی کو حدیث میں فرمایا کہ گویا اس کے لئے زمین سمیٹی جاتی ہے۔"الدلجة" رات کے ابتدائی حصہ میں سفر کو دلجہ کہتے ہیں۔

سفر میں کم سے کم تین آدمی ساتھ ہوں

﴿۱۹﴾وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں۔ اور تین سوار، سوار ہیں۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"الثلاثة رکب" یعنی تین سوار جماعت ہے ایک سوار یا دو سوار شیطان ہیں اس لئے کہ ایک اور دو ساتھیوں کو جب پریشانی لاحق ہوگی شیطان بہت خوش ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک یا دو ساتھیوں کو شیطان آسانی سے گمراہ کر سکے گا اس لئے اس کو سفری شیطان کہا گیا۔ خلاصہ یہ کہ سفر میں کم سے کم تین آدمی ہونے چاہئیں۔ تاکہ نماز ادا کرتے وقت صحیح طریقہ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ اگر ایک ساتھی کسی کام سے چلا گیا تو باقی دو آپس میں تسلی سے رہیں گے اور اگر اس کے آنے میں تاخیر ہو جائے تو دوسرا اطلاع کے لئے جائے گا اور تیسرا پیچھے سامان کی حفاظت کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسفار کا معاملہ انتہائی خطرناک ہوتا تھا عرب کے صحراؤں کی دشواریاں الگ

تھیں اور دشمن کے خطرات الگ تھے اس لئے تین کی جماعت کا ہونا ادنی درجہ کا انتظام تھا آج کل وہ صورت تو نہیں ہے مگر پھر بھی ظاہر حدیث پر عمل میں بیشمار فائدے ہیں۔

تین کی جماعت ایک کو امیر بنائے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (مثلا سفر میں) تین شخص ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو امیر بنالینا چاہیے۔ (ابوداؤد)

توضیح

تین یا تین سے زیادہ آدمیوں کو چاہئے کہ وہ سفر میں اپنے کسی اچھے ساتھی کو اپنا امیر بنائے تا کہ وہ سفر کے تمام انتظام کی نگرانی کرے اور اختلاف وتنازعہ کی صورت میں صحیح فیصلہ کرے اس کے لئے ہوشیار سمجھدار غمخوار آدمی چاہئے وہ اپنے آپ کو ساتھیوں کا خادم تصور کرے نہ کہ مخدوم اپنے آپ کو سب سے چھوٹا تصور کرے، ساتھیوں کو بھی چاہئے کہ وہ جائز امور میں اس کی اطاعت کریں۔

عمدہ فوج اور عمدہ سریہ

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا أَرْبَعُمِائَةٍ وَخَيْرُ الْجُيُوشِ أَرْبَعَةُ آلَافٍ وَلَنْ يُغْلَبَ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا مِنْ قِلَّةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بہترین ساتھی اور رفقاء وہ ہیں جو (کم سے کم) چار کی تعداد میں ہوں۔ چھوٹے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں چار سو (مجاہد ہوں) اور بڑے لشکروں میں بہترین لشکر وہ ہے جس میں بارہ ہزار (مجاہد) ہوں اور بارہ ہزار (مجاہد) کم ہونے کی وجہ سے کبھی مغلوب نہیں ہوتے۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمیؒ) نیز ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

''اربعة'' یعنی بہترین ساتھی چار ہیں کیونکہ تین ادنی درجہ ہے اور اس سے کم منع ہے چار کی جماعت میں اگر ایک امام ہو جائے

تو تین کامل جماعت ہے اور اگر ایک بیمار ہو جائے اور دوسرے کو وصی بنائے تو باقی دو بطور گواہ ہو جائیں گے۔

سرایا جمع ہے اس کا مفرد سریہ ہے یہ چھاپہ مار فوجی دستے کو کہتے ہیں سریہ وہ ہوتا ہے جو چار سو سے زیادہ نہ ہو اگر زیادہ ہو گیا تو پھر وہ فوج میں داخل ہے دوسری شرط یہ ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں اسلام میں کل سرایا چھپن ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت نہیں فرمائی غزوہ موتہ کا جو سریہ تھا وہ تین ہزار صحابہ پر مشتمل تھا اس لئے وہ سریہ کی تعریف سے نکل کر جیش کے حکم میں آ گیا اگر چہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک نہیں تھے جیش اسامہ کا بھی یہی معاملہ تھا ان کے ساتھ تین ہزار لشکر تھا چار ہزار لشکر بڑی تعداد ہے اس لئے اس کو بہترین لشکر کہا گیا جس طرح سریہ کے لئے چار سو بڑی تعداد ہے جس کو بہترین قرار دیا گیا ہے۔

''اثنا عشر ''یعنی بارہ ہزار کا لشکر اس وجہ سے شکست نہیں کھاتا کہ وہ تھوڑے ہیں انہوں نے جو شکست کھائی ہے اس کی وجہ کوئی اور ہو سکتی ہے کیونکہ بارہ ہزار کا لشکر ایک ڈویژن فوج ہے یہ بڑی تعداد ہے تو تعداد کی وجہ سے شکست نہیں ہوئی شاید کسی نافرمانی یا غرور و تکبر کی وجہ سے شکست ہوگئی ہوگی، اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک بارہ ہزار فوج نہ ہو جہاد نہیں ہوگا جیسے تبلیغی حضرات کہتے ہیں کہ اب تک بارہ ہزار کہاں ہیں بارہ ہزار ہو نگے تو ہم مغلوب نہیں ہو نگے جب بارہ ہزار نہیں ہو نگے تو جہاد نہیں ہوگا۔

﴿۲۲﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ فَيُزْجِي الضَّعِيْفَ وَيُرْدِفُ وَيَدْعُوْلَهُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (سفر کے دوران) چلتے وقت (تواضع وانکساری کی وجہ سے اور دوسروں کی مدد و خبر گیری کے پیش نظر قافلے سے) پیچھے رہا کرتے تھے چنانچہ آپ کمزور (کی سواری) کو ہانکا کرتے تھے تاکہ وہ ہمراہیوں کے ساتھ مل جائے اور جو کمزور و ضعیف شخص سواری سے محروم ہونے کی وجہ سے پیدل چلتا ہو تو اس کو اپنے پیچھے سوار کر لیتے اور ان (قافلہ والوں) کے لئے دعا کرتے رہتے۔ (ابوداؤد)

﴿۲۳﴾وَعَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ كَانَ النَّاسُ إِذَا نَزَلُوْا مَنْزِلًا تَفَرَّقُوْا فِي الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ إِنَّمَا ذٰلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ فَلَمْ يَنْزِلُوْا بَعْدَ ذٰلِكَ مَنْزِلًا إِلَّا انْضَمَّ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ حَتّٰى يُقَالَ لَوْ بُسِطَ عَلَيْهِمْ ثَوْبٌ لَعَمَّهُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ (پہلے عام طور پر ایسا ہوتا تھا کہ) لوگ (یعنی صحابہؓ) جب کسی منزل پر اترتے تو الگ الگ ہو کر پہاڑ۔۔۔وں اور وادیوں میں پھیل جاتے تھے (یعنی کوئی کہیں اترتا تھا اور کہیں) چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

(اس طریقے کو ختم کرنے کے لئے بایں طور فرمایا) کہ تمہارا اس طرح ان دروں اور وادیوں میں الگ الگ ہو کر اترنا محض شیطان کی طرف سے ہے (یعنی یہ شیطان کے فریب کے سبب سے ہے کہ وہ تمہیں اس لئے الگ الگ کر دینا چاہتا ہے تا کہ دشمن تم پر قابو پا لے اور تمہیں نقصان اور آزار پہنچائے) اس ارشاد کے بعد لوگ جب بھی کسی منزل پر اترتے تو آپس میں اتنے پاس پاس ٹھہرتے کہ کہا جانے لگا کہ اگر ان سب پر ایک ہی کپڑا پھیلا دیا جائے تو وہ سب کو ڈھانک لے۔ (ابوداؤد)

توضیح

چونکہ اس زمانہ میں صف بندی کے ساتھ جنگ ہوتی تھی تو ساتھیوں کا اکٹھا ہونا انتہائی ضروری ہوتا تھا کیونکہ تنہا ساتھی کو پاکر دشمن دبا دیتا مگر آج کل چونکہ ہوائی بمباری ہوتی ہے نیز راکٹ اور گولے گرتے ہیں تو اس کے لئے حکمت عملی وہ ہوگی جو بچاؤ کے لئے مفید تر ہوگی۔

اسلام نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدیا ہے مگر اس کو کسی ہیئات اور کیفیات کا پابند نہیں بنایا ہے جس طرح دعوت وتبلیغ کا حکم دیا ہے مگر کسی خاص شکل بنانے اور اپنانے کا پابند نہیں بنایا ہے لہٰذا جہاد اور دعوت کی جو صورت آسان اور مفید ہو وہ اپنائی جائیگی کسی خاص صورت کا التزام کرنا بدعت ہوگی۔

جہادی سفر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم نمونہ

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا يَوْمَ بَدْرٍ كُلُّ ثَلَاثَةٍ عَلٰى بَعِيْرٍ فَكَانَ أَبُوْلُبَابَةَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ زَمِيْلَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَكَانَتْ إِذَا جَاءَتْ عُقْبَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَا نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْكَ قَالَ مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰى مِنِّيْ وَمَا أَنَا بِأَغْنٰى عَنِ الْأَجْرِ مِنْكُمَا. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ بدر کے دن (یعنی جنگ بدر کے موقع پر) ہماری یہ حالت تھی کہ ہم میں سے ہر تین آدمی ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ (یعنی تین آدمیوں میں ایک اونٹ تھا کہ وہ تینوں باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ میں شریک سفر تھے حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ صورت حال یہ تھی کہ جب (اس اونٹ پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کی باری آتی تو ابولبابہؓ اور حضرت علیؓ عرض کرتے کہ آپ کے بدلے ہم پیدل چلیں گے (آپ اونٹ پر ہی سوار رہیں) لیکن آنحضرت فرماتے کہ نہ تو تم (اس دنیا کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہو (کہ بس تم پیدل چلنے کی طاقت رکھتے ہو اور میں پیدل نہیں چل سکتا) اور نہ میں (آخرت کا) زیادہ ثواب حاصل کرنے میں تم سے بے پرواہ ہوں (شرح السنۃ)

توضیح

''ماانا باغنی'' جنگ بدر میں جانے والے تین سو تیرہ صحابہ کے پاس صرف ۷۰ اونٹ تھے اس لئے ایک اونٹ پر کئی کئی ساتھی سفر کرتے تھے مثلاً تین آدمیوں کو ایک اونٹ ملتا تو دو سوار ہوتے اور ایک مہار پکڑ کر پیدل چلتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا آپ کے ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت ابولبابہؓ ایک اونٹ میں شریک تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے اور اونٹ کے مہار پکڑنے کی باری آتی تو دونوں ساتھی فرماتے کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کی طرف سے پیدل چلیں گے آنحضرت فرماتے کہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور بھی نہیں ہو اور نہ میں پیدل چلنے کے ثواب سے بے نیاز ہوں لہذا مقرر ترتیب پر جائیں گے۔ اس حدیث سے جہادی سفر کی فضیلت اور عظیم ثواب کا پتہ چلتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کتنی تواضع اور انکساری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ اپنے ساتھیوں کے لئے کتنے مہربان تھے کسی نے سچ کہا ہے۔

لم یخلق الرحمن مثل محمد ابدا وعلمی انہ لایخلق

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

سواری کے جانوروں پر رحم کرو

﴿۲۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّکُمْ مَنَابِرَ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِنَّمَا سَخَّرَ لَکُمْ لِتُبَلِّغَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَمْ تَکُوْنُوْا بَالِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ وَجَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فَعَلَیْهَا فَاقْضُوْا حَاجَاتِکُمْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابوہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو محض اس لئے تمہارے تابع کیا ہے کہ وہ تمہیں ان شہروں اور علاقوں میں پہنچا دیں جہاں تم (پیدل چلنے کے ذریعہ) جانی مشقت و محنت کے ساتھ ہی پہنچ سکتے تھے یعنی جانوروں سے مقصود ان پر سواری کرنا اور ان کے ذریعہ اپنے مقصد کو حاصل کرنا ہے لہذا ان کو ایذا پہنچانا روا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لئے (اسی غرض سے) پیدا کیا ہے لہذا تم اس پر اپنے کاموں اور اپنی حاجتوں کو پورا کرو۔ (ابوداؤد)

توضیح

''منابر'' یعنی سواری کے جانوروں کی پیٹھوں کو بیٹھنے اور خطبہ دینے کے لئے منبر نہ بناؤ کہ بغیر ضرورت اور بغیر سفر ان کی

پیٹھوں کو اپنے گپ شپ کے لئے قیام گاہ بناؤ آخر وہ بھی جاندار ہیں ان کو بھی استراحت وآرام کا موقع دیا کرو ان کی پشتوں سے اتر کر زمین پر اپنی مجلسیں جماؤ اس سے وہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کسی خاص ضرورت کے تحت سواری کی پشت پر بیٹھ کر خطبہ دیا جائے تاکہ آواز دور تک پہنچ جائے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عرفہ میں کیا تھا۔

﴿۲٦﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا إِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَا نُسَبِّحُ حَتَّى نَحُلَّ الرِّحَالَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم (دوران سفر یا سفر کے بعد) کسی منزل پر اترتے تو اس وقت تک نفل نماز نہ پڑھتے تھے جبکہ جانوروں پر سے سامان نہ کھول کیا جاتا۔ (ابوداؤد)

''لانسبح'' اس سے نفل نماز پڑھنا مراد ہے یعنی نفل پڑھنے سے پہلے سواریوں کے کجاوے کھول دیئے جاتے۔

گاڑی کا مالک فرنٹ سیٹ کا حقدار ہے

﴿۲۷﴾وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِيْ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ مَعَهُ حِمَارٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ارْكَبْ وَتَأَخَّرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، أَنْتَ أَحَقُّ بِصَدْرِ دَابَّتِكَ إِلَّا أَنْ تَجْعَلَهُ لِيْ قَالَ جَعَلْتُهُ لَكَ فَرَكِبَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک سفر میں) پیدل راستہ طے کر رہے تھے کہ اس دوران اچانک ایک شخص اپنے گدھے کے ساتھ یعنی اس پر سوار) آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ (میرے گدھے پر سوار ہو جائیے اور (یہ کہہ کر) وہ شخص (گدھے کی پشت پر) پیچھے سرک گیا تاکہ آنحضرت آگے بیٹھ جائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ میں آگے نہیں بیٹھونگا کیونکہ اپنی سواری کے جانور پر آگے بیٹھنے کے تم ہی مستحق ہو الا یہ کہ تم مجھے اس کا حقدار بنا دو (یعنی اگرچہ اس شخص کا پیچھے سرکنا اسی لئے تھا کہ گویا اس نے آپ کو آگے بیٹھے رہنے کا حقدار بنا دیا تھا مگر آنحضرت نے کمال احتیاط کے پیش نظر اس پر واضح کیا کہ میں تمہاری سواری پر آگے اسی وقت بیٹھ سکتا ہوں جب کہ تم صریح الفاظ میں مجھ سے آگے بیٹھنے کے لئے کہو اس شخص نے کہا کہ میں صراحت کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ آپ کو میں نے اس کا حقدار بنا دیا۔ اس کے بعد آنحضرت اس کے آگے بیٹھ گئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

شیطانی اونٹ اور شیطانی گھر

﴿۲۸﴾وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِيْ هِنْدٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ إِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ أَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْا بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِأَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَأَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ أَرَهَا كَانَ

سَعِیْدٌ یَقُوْلُ لَااُرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِیْ یَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّیْبَاجِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت سعید ابن ابو ہند (تابعی) حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (کچھ) اونٹ شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں۔ اور (کچھ) گھر شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جو اونٹ شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں ان کو میں نے دیکھا ہے جیسے تم سے کوئی شخص عمدہ قسم کی اونٹنیوں کو لیکر نکلتا ہے جن کو اس نے خوب فربہ کیا لیکن ان میں سے کسی اونٹ پر سوار نہیں ہوتا ہے اور جب (کسی سفر میں) اپنے اس مسلمان بھائی کے ساتھ راستہ طے کرتا ہے جو (اپنی کمزوری اور سواری سے محرومی کی وجہ سے) چلتے چلتے تھک گیا ہے تو اس کو بھی وہ اونٹ پر سوار نہیں کرتا اور جو گھر شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں۔ ان کو میں نے نہیں دیکھا ہے حدیث کے راوی حضرت سعیدؒ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ گھر (جو شیطانوں کے لئے ہوجاتے ہیں) وہ پنجرے ہیں جن کو لوگ ریشمی کپڑوں (کے پردوں سے) ڈھانکتے ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

''بنجیبات'' نجیبات عمدہ اونٹیوں کو کہتے ہیں ''فلا یعلوا'' یعنی اونٹ کو خالی چھوڑ کر ہنکاتا ہے نہ کسی اور کو اس پر سوار کرتا ہے نہ خود سوار ہوتا ہے کیونکہ اس کو ضرورت نہیں بلکہ کبھی اپنے مجبور بھائی پر گزر بھی ہوتا ہے مگر اس کو سوار نہیں کرتا یہ شیطانی اونٹ ہیں کہ اس کی پشت میں کسی غریب اور مجبور کا حق نہیں ہے۔

''الاقفاص'' یہ قفص کی جمع ہے قفص پنجرے کو کہتے ہیں یہاں مراد کجاوے ہیں لیکن وہ کجاوے جن پر ریشمی کپڑے ڈالے گئے ہوں تو ریشم کی وجہ سے یہ کجاوے شیطان کے پنجرے اور گھونسلے بن گئے۔

راستہ تنگ کر کے جہاد کا ثواب خراب نہ کرو

﴿۲۹﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَضَیَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِیْقَ فَبَعَثَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِیًا یُنَادِیْ فِی النَّاسِ اِنَّ مَنْ ضَیَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِیْقًا فَلَاجِهَادَ لَهٗ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت سہل ابن معاذ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ جب ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں گئے۔ (اور منزل پر قیام کیا) تو لوگوں نے اس منزل کی ساری جگہوں کو تنگ کر دیا اور راستہ کو کاٹ دیا (یعنی بعض لوگوں نے بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ جگہوں پر قبضہ کر لیا جس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو جگہ کی تنگی ہوگئی اس طرح راستہ بھی تنگ ہوگیا جس سے آنے جانے والوں کو پریشانی ہونے لگی چنانچہ (یہ دیکھکر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک منادی کرنے والے کو لوگوں کے درمیان بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ جس شخص نے منزل کی جگہوں کو تنگ کیا یا راستے کو کاٹا تو لوگوں کو ضرر و تکلیف پہنچانے کی وجہ سے اس کو جہاد کا ثواب نہیں ملے گا۔ (ابوداؤد)

﴿۳۰﴾وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَحْسَنَ مَادَخَلَ الرَّجُلُ أَهْلَهُ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ أَوَّلُ اللَّيْلِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سفر سے واپس آنیوالے مرد کے لئے اپنے گھر والوں کے پاس پہنچنے کا بہترین وقت رات کا ابتدائی حصہ ہے۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۳۱﴾عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَعَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى يَمِيْنِهِ وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تو (کسی پڑاؤ پر) رات کے آخری حصہ میں (یعنی طلوع سحر سے) پہلے اترتے اور دائیں کروٹ پر لیٹ رہتے اور جب صبح سے کچھ پہلے اترتے تو اپنا داہنا ہاتھ کھڑا کر کے اس کی ہتھیلی پر اپنا سر رکھ لیتے (یعنی تھوڑی دیر کے لئے اس انداز میں آرام فرماتے تاکہ نیند غالب نہ آجائے۔ (مسلم)

توضیح

"بلیل" یعنی رات کے آخری حصہ میں جب آنحضرت پڑاؤ ڈالتے تو اگر صبح صادق میں کچھ وقت ہوتا تو آپ سیدھے پہلو پر کروٹ لگا کر آرام فرماتے کیونکہ وقت زیادہ ہوتا تھا لیکن اگر وقت بہت کم ہوتا تو آپ داہنا ہاتھ کھڑا کر کے اسکی ہتھیلی پر آرام فرماتے تاکہ فجر کی نماز نہ نکل جائے۔

جہادی سفر میں تاخیر باعث نقصان ہوتا ہے

﴿۳۲﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَوَافَقَ ذٰلِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَغَدَا أَصْحَابُهُ وَقَالَ أَتَخَلَّفُ وَأُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَلَمَّا صَلَّى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَآهُ فَقَالَ مَامَنَعَكَ أَنْ تَغْدُوَ مَعَ أَصْحَابِكَ فَقَالَ أَرَدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ مَعَكَ ثُمَّ أَلْحَقُهُمْ فَقَالَ لَوْ أَنْفَقْتَ مَافِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَاأَدْرَكْتَ فَضْلَ غَدْوَتِهِمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہؓ کو (جہاد) کے لئے ایک چھوٹے لشکر کے ساتھ

روانہ کیا اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا جس میں آنحضرت نے ان کو جہاد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا چنانچہ ان کے ساتھی یعنی لشکر کے لوگ صبح کے وقت روانہ ہو گئے لیکن عبداللہ بن رواحہ نے اپنے دل میں سوچا یا کسی ساتھی سے کہا کہ میں بعد میں روانہ ہوں گا۔ میں پہلے یہاں مدینہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھونگا پھر لشکر والوں سے جاملونگا جب عبداللہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جمعہ کی نماز پڑھ چکے اور آنحضرت نے ان کو دیکھا (کہ وہ ابھی یہیں ہی موجود ہیں) تو فرمایا کہ تمہیں صبح کے وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ سوچا کہ میں جمعہ کی نماز آپ کے ساتھ پڑھ لوں اور پھر اپنے ساتھیوں سے جاملوں گا آنحضرت نے یہ سن کر فرمایا تم روئے زمین پر ساری چیزوں کو بھی خرچ کرو تو صبح کے وقت جانے والے اپنے ساتھیوں کے برابر ثواب حاصل نہیں کرسکو گے۔ (ترمذی)

توضیح

''فی سریۃ'' ۸ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً تین ہزار صحابہ کرام کو روما سلطنت سے جہاد کے لئے روانہ فرمایا تھا حضرت زید اور انکے بعد حضرت جعفر اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ تینوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے ترتیب کے ساتھ امیر بنایا تھا جب مدینہ سے یہ حضرات نکلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی غرض سے مدینہ میں رک گئے آپ کے دونوں ساتھی لشکر اسلام کے ساتھ چلے گئے جمعہ کا دن تھا حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سوچا کہ شاید یہ زندگی کا آخری جمعہ ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زیارت ہو مسجد نبوی کی آخری نماز ہو اس غرض سے جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھنے کے لئے رک گئے جمعہ پڑھا جب آنحضرت نے ان کو دیکھا تو پوچھنے لگے کہ کس وجہ سے تاخیر کی آپ نے عذر بتا دیا کہ ساتھیوں کے ساتھ جا کر ملنا کوئی مشکل نہیں ہے ابھی چلا جاؤں گا آپ کے ساتھ جمعہ پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوگئی اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین میں جو کچھ ہے اس سب کو بھی خرچ کرلو پھر بھی جہاد کے سفر میں صبح نکلنے والوں کی فضیلت نہیں پاؤ گے معلوم ہوا کہ جہاد کا عمل بہت اونچا عمل ہے اور یہ سب سے افضل عمل ہے۔ اس حدیث کو تبلیغی جماعت کے ساتھی اپنے سہ روزوں چلوں اور گشت میں نکلنے کے لئے بیان کرتے ہیں اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس میں جہاد کا نام تک نہیں آتا یہ ان حضرات کی طرف سے اس حدیث میں واضح تحریف ہے خدا کا خوف کرنا چاہئے۔

﴿۴۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَصْحَبُ الْمَلَائِكَةُ رُفْقَةً فِيهَا جِلْدُ نَمِرٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قافلے کیساتھ رحمت کے فرشتے نہیں ہوتے جس میں چیتے کی کھال ہو۔ یعنی چیتے کی کھال پر سوار کو بیٹھنا یا اس کو استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے تکبر

کی شان پیدا ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

''جلد نمرۃ'' یعنی چیتے کی کھال کو سواری پر بچھا کر سفر کرتے ہیں یا زمین پر بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں چونکہ اس سے دل و دماغ میں تکبر پیدا ہوتا ہے کہ میں چیتے پر بیٹھا ہوں اس تکبر کی وجہ سے رحمت کے فرشتے ساتھ نہیں ہوتے ہیں۔

جو خادم ہوتا ہے وہی سردار ہوتا ہے

﴿۳۴﴾وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ الْقَوْمِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُمْ فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ يَسْبِقُوْهُ بِعَمَلٍ إِلَّا الشَّهَادَةَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

اورحضرت سہل ؓ بن سعد کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفر میں جماعت کا امیر اور سردار، ان کا خادم ہے لہٰذا جو شخص ان (سفر کرنے والوں کی) خدمت میں سبقت لے گیا اس کے مقابلہ میں کوئی شخص شہادت کے علاوہ اور کسی عمل کے ذریعہ سبقت نہیں لے جاسکتا۔ (بیہقی)

توضیح

''سید القوم'' حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا ہے وہ اصل میں سب کا سردار بن جاتا ہے کیونکہ وہ خدمت کی وجہ سے سب کے دلوں کو جیت لیتا ہے نیز ہر کام میں لوگ اس کے محتاج ہوجاتے ہیں اس طرح وہ سب کا سردار بن جاتا ہے اگر چہ غریب آدمی ہوتا ہے۔

حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے ساتھیوں کا امیر بنا تو ساتھیوں کا خادم وہی ہے پھر ان کو چاہئے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا رہے اس طرح نہ ہو کہ خود بڑا بن کر بیٹھا رہے اور دوسروں پر حکومت چلاتا رہے اسی لئے حدیث کے آخری الفاظ میں ارشاد ہے کہ خادم جب خدمت کے ذریعہ سے آگے بڑھتا ہے تو اس کے مقام تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ہے الا وہ شخص جو شہادت کا مقام پالے۔

سوموار ۱۹ صفر ۱۴۲۶ھ

باب الكتاب الى الكفار ودعائهم الى الاسلام

کفار کو خطوط کے ذریعہ دعوت دینے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿ومن احسن قولا ممن دعاالی الله وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین﴾

کفار کو جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب ہے بشرطیکہ ان تک دعوت نہیں پہنچی ہو اگر دعوت پہنچ گئی ہو تو پھر دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے اس پر کتاب الجہاد کی ابتدا میں تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے دعوت کے بہت سارے طریقے ہیں خود جا کر دعوت دینا یا کسی نشریاتی ادارہ سے اعلان کرنا یا کسی مشہور واقعہ سے کفار کو معلوم ہو جانا کہ مسلمان بھی کوئی قوم ہے جو اپنے پاس آسمانی کتاب اور مذہب رکھتے ہیں انہیں طریقوں میں سے دعوت کا ایک طریقہ کفار کو خط لکھنا بھی ہے اسلام میں دعوت ایک شعبہ تو ہے لیکن اس کی کوئی مخصوص متعین شکل نہیں ہے زمانے کے احوال کے مطابق جس جائز صورت کو کوئی اختیار کرتا ہے دعوت کا کام ہو جاتا ہے۔ بہر حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کفار مکہ سے دس سال کے لئے حدیبیہ میں جنگ بندی پر صلح کر لی تو اس صلح کے بہت سارے فائدے حاصل ہو گئے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ کفار نے قریب سے مسلمانوں کو دیکھا اور آپس میں میل جول کے ذریعے سے کفار نے بہتر طور پر اسلام کو سمجھ لیا اور پھر اچھی خاصی تعداد نے اسلام کو قبول کر لیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جزیرۂ عرب کے اندر کے دشمنوں سے مطمئن ہو کر فارغ ہو گئے تو آپ نے جزیرۂ عرب سے باہر دنیا کے تمام کفار کو بذریعہ خطوط اسلام کی دعوت دیدی آپ اگر چہ جزیرۂ عرب سے باہر خود نہیں گئے مگر خطوط کے ذریعہ سے آپ نے دعوت پہنچادی اور اتنی دعوت ضروری اور جہاد کے لئے کافی تھی۔

اس وقت دنیا پر دو بڑی قومیں حکمرانی کرتی تھیں (جس طرح ہمارے دور میں روس اور امریکہ ہوتا تھا روس تو ٹوٹ گیا اب انشاء اللہ امریکہ کی باری ہے) ایک قوت کا نام فارس تھا دوسری قوت کا نام روم تھا لوگ فارس کے بڑے کو کسریٰ اور روم کے بڑے کو قیصر کے نام سے پکارتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر وکسریٰ دونوں کو خطوط بھیجے ہیں چنانچہ وہ لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو قبول نہیں کرتے تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی بنوائی اور اس میں یہ عبارت کندہ کروائی ''محمد رسول اللہ'' اس کے لکھنے کا طریقہ اس طرح تھا کہ لفظ اللہ سب سے اوپر تھا اس کے بعد لفظ رسول اور اس کے بعد سب سے نیچے محمد کا لفظ ہوتا تھا۔

الله

رسول

محمد

الفصل الاول

قیصر روم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب

﴿۱﴾عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلٰى قَيْصَرَ يَدْعُوْهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَبَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلَيْهِ دِحْيَةَ الْكَلْبِيَّ وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيْمِ بُصْرٰى لِيَدْفَعَهُ إِلٰى قَيْصَرَ فَإِذَا فِيْهِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّابَعْدُ فَإِنِّيْ أَدْعُوْكَ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ وَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيْسِيِّيْنَ وَيَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَانُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَايَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ إِثْمُ الْيَرِيْسِيِّيْنَ وَقَالَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر یعنی روم کے بادشاہ کو ایک گرامی نامہ لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی اور آپ نے اپنا وہ گرامی نامہ دحیہ کلبیؓ (صحابی) کے ہاتھ روانہ فرمایا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ حاکم بصریٰ اس کو قیصر کے پاس پہنچادے اس گرامی نامہ میں یہ لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد کی جانب سے جو خدا کا بندہ خاص اور رسول ہے۔ ہرقل کے نام جو روم کا حکمران اعلیٰ ہے اس پر سلامتی ہو جو (قبولیت اسلام اور اپنے نیک کردار اور اعمال کے ذریعہ) ہدایت کا پیرو ہے بعد ازاں میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں آپ اسلام قبول کر لیجئے دنیا کے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ و مامون رہے گا آپ مسلمان ہو جائے ۔اللہ تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر آپ منہ پھیریں گے یعنی اسلام قبول نہیں کریں گے تو آپ کو واضح رہنا چاہیئے ۔کہ اس انکار و اعراض کی وجہ سے آپ پر صرف اپنے ہی گناہ کا وبال نہیں ہوگا بلکہ آپ کے ملک والوں اور آپ کی رعیت کا گناہ بھی آپ پر ہوگا کیونکہ آپ کے اسلام نہ لانے سے وہ بھی کفر میں مبتلا رہیں گے اس لئے ان کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی اے اہل کتاب ایسے کلمے اور دین کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں اور مشترک ہے یعنی اس کلمہ اور دین میں ہمارے تمہارے رسولوں اور کتابوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور وہ کلمہ و دین یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا رب نہ بنائے جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو رب بنالیا ہے پس اگر اہل کتاب اس بات کو قبول کرنے سے اعراض و انکار کریں تو اے مومنو تم یہ اعلان کردو کہ اے کافرو گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

''دحیة'' یہ صحابی انتہائی خوبصورت اور وجیہہ وشکیل تھے یوسف هذه الامة کے لقب سے مشہور تھے اس لئے بطور سفیر آنحضرت ان کو روانہ فرماتے تھے اور جبرئیل امین بھی انہیں کی شکل میں وحی لیکر آتے تھے ''ھرقل'' ھا پر کسرہ ہے را پر فتحہ ہے اور قاف پر سکون ہے نیز را پر سکون اور قاف پر فتحہ بھی پڑھا جاسکتا ہے روم کے فرمان روا کا نام ہے اس زمانہ میں دنیا کی بڑی طاقتوں میں ایک طاقت روم تھی جس کا دارالخلافہ قسطنطینیة تھا اور یورپ کے مختلف ممالک کے علاوہ مصر شام اور فلسطین کے علاقے بھی اس کے زیر اثر تھے روم کے بادشاہ کا لقب قیصر ہوتا تھا جیسا کہ فارس کے بادشاہ کا لقب خسرو ہوتا تھا جس کو عربی میں کسریٰ کہتے ہیں مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوتا تھا ترکوں کے بادشاہ کا لقب خاقان ہوتا تھا حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی اور یمن کے بادشاہ کا لقب تبع ہوتا تھا ہندوستان کے بادشاہ کا لقب راجہ ہوتا تھا اور چین کے بادشاہ کا لقب فغفور ہوتا تھا۔ بہر حال ھرقل کے نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب ارسال فرمایا حضرت دحیہ کلبی کے واسطہ سے بصری شام کے گورنر تک یہ خط پہنچا اور اس نے ھرقل تک پہنچادیا ھرقل نے پڑھا اور نہایت احترام کے ساتھ رکھا۔

''عظیم الروم'' اس لفظ سے معلوم ہوگیا کہ دنیوی لحاظ سے کسی بڑے منصب والے آدمی کے مقام کا خیال رکھنا جائز ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھرقل کو عظیم الروم کے نام سے یاد فرمایا ہے، غیر مسلم کے لئے سلام کا طریقہ والسلام علی من اتبع الهدیٰ ہوتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم نہیں فرمایا۔

''دعیة الاسلام'' داعیہ عافیہ اور عاقبہ کی طرح مصدر ہے جو الدعوۃ کے معنی میں ہے ایک روایت میں دعایة بھی ہے وہ بھی دعوت کے معنی میں ہے۔

''اسلم'' یعنی اسلام قبول کرلو ''تسلم'' یعنی عقائد فاسدہ شرکیہ اور اخلاق ردیہ قبیحہ اور ہلاکتوں سے بچ جاؤ گے۔ یہ لفظ ''ت'' کے فتحہ اور سین کے سکون اور لام کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ ہے کہتے ہیں کہ دنیا میں اگر کسی نے سب سے زیادہ زوردار اور مختصر خط لکھا ہے وہ حضرت سلیمان کا خط ہے جو قرآن میں مذکور ہے لیکن اس خط سے آنحضرت کا یہ خط زیادہ مختصر اور زوردار ہے۔ ''اجرک مرتین'' یہود ونصاریٰ میں سے جو شخص اپنے نبی پر ایمان لائے اور پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کرلے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔

''الاریسیین'' یہ لفظ ''اَرِیْسِیِّیْنَ'' ہے ہمزہ مفتوح ہے اس کے بعد را پر کسرہ ہے اور پھر یا ساکن ہے پھر سین پر کسرہ پھر یا پر شد ہے اور پھر یا ساکن اور آخر میں نون ہے یہ لفظ یریسیین بھی آیا ہے ہمزہ کی جگہ ''ی'' مفتوح ہے باقی کلمہ اسی انداز پر ہے یہ لفظ اریسین بھی آیا ہے ہمزہ پر کسرہ ہے را پر شد ہے پھر یا ساکن ہے صحیح قول کے مطابق ملک کے چوہدری اور بڑے

کسانوں پر اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا چنانچہ بعض روایات میں "اَکّارِیْنَ" کا لفظ بھی آیا ہے جو مزارع اور کسان کے معنی میں ہے حدیث میں اس لفظ سے عام رعایا مراد لیا گیا ہے۔

"اربابا من دون الله" کسی شخص کو حلال کے حرام کرنے اور حرام کے حلال کرنے کا اختیار دینا اس کو رب بنانا ہے عیسائی لوگ یہ اختیار اپنے بڑوں کو دیتے تھے حضرت عدی بن حاتم جب مسلمان ہوئے تو اس نے حضور اکرم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ہم نے کبھی بھی اپنے پادریوں کو رب نہیں بنایا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا ان کو حلال وحرام کی تبدیلی کا اختیار دیتے تھے یا نہیں اس نے کہا یہ اختیار تو دیتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی تو رب بنانا ہے۔

ھرقل نے آنحضرت کے مکتوب کا بہت احترام کیا اور اپنے ملک کے بڑوں سے ایمان لانے کی درخواست بھی کی لیکن لوگ اس پر بگڑ گئے لہٰذا اس نے اسلام قبول نہیں کیا اگرچہ قبول کرنے کی بار بار خواہش کی، امام بخاری نے بخاری میں اشارہ کیا ہے کہ ھرقل کفر پر مرا ہے۔ عام طور پر مذہب کے اعتبار سے روم کے لوگ عیسائی تھے۔

جب صحابہ انطاکیہ پر قابض ہوگئے تو ھرقل بیوی بچوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر سرزمین شام پر نظر ڈال کر بولا "السلام علیک یا ارض الشام لا اراک الی یوم القیامة" یہ کہہ کر اپنے بیٹے قسطنطین کے پاس چلا گیا اور پھر مر گیا۔

شاہ فارس پرویز کے نام حضور کا خط

﴿٢﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ إِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَ مَزَّقَهُ قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے نام اپنا نامہ مبارک عبداللہ ابن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ روانہ کیا جو تقریباً اسی مضمون پر مشتمل تھا جو قیصر وغیرہ کو بھیجا گیا تھا۔ اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ اس نامہ مبارک کو بحرین کے حاکم کے پاس لے جائیں (تا کہ وہ اس کو کسریٰ تک پہنچادے) چنانچہ عبداللہ ابن حذافہؓ وہ نامہ مبارک بحرین کے حاکم کے پاس لے گئے اور بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے پاس پہنچا دیا جب کسریٰ نے وہ نامہ مبارک پڑھا تو (بجائے اس پر عمل کرنے) اس کو پھاڑ ڈالا (حدیث کے ایک راوی) ابن مسیب کہتے ہیں کہ آنحضرت نے کسریٰ اور اس کی رعایا کیلئے یہ بددعا فرمائی کہ وہ پارہ پارہ کردیئے جائیں بالکل پارہ پارہ۔ (بخاری)

توضیح

"الی کسری" روم کی طرح فارس بھی ساسانیوں ایرانیوں کی عظیم طاقتور سلطنت تھی ایک طرف سے اس کی حدود سندھ تک

پھیلی ہوئی تھی اور دوسری طرف سے عراق اور عرب کے کچھ علاقے مثلاً یمن و بحرین اور عمان بھی اس کے ماتحت تھے یہ ایشیاء کی عظیم مملکت اور دنیا کی دوسری سپر پاور تھی بادشاہ کا لقب خسرو ہوتا تھا جس کو عربی میں کسریٰ کہا جاتا تھا۔ اس وقت اس بدبخت بادشاہ کا نام پرویز تھا جس طرح آج کل پاکستان کے بدبخت صدر کا نام پرویز ہے خدا کرے دونوں کا انجام ایک ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ کے ہاتھ کسریٰ کے نام مکتوب ارسال فرمایا تھا پرویز بڑا مغرور تھا وہ غصہ ہوا کہ میرا نام بعد میں لکھا ہے اپنا نام پہلے لکھا ہے اس پر اس نے حضور کے مکتوب کو پھاڑ کر پھینک دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعا دی۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ اس بدبخت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لئے دو آدمی مدینہ روانہ کیئے، یہ قاصد مدینہ آئے آنحضرت نے فرمایا کل تک انتظار کرو دوسرے کل آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ میرے رب نے تمہارے رب کو مار دیا اور پرویز کے بیٹے شیرویہ نے اس کو قتل کر دیا ہے پھر شرویہ نے باپ کے خزانہ میں زہر سے بھری ہوئی ایک شیشی دیکھی جس پر لکھا تھا "دواء نافع للباہ" اس نے قوت باہ کی دوا سمجھ کر زہر کو پی لیا اور مر گیا چھ ماہ کے اندر دونوں کا خاتمہ ہو گیا پھر لوگوں نے بنت کسریٰ (آرمیدخت) کو اپنا سربراہ بنایا آنحضرت نے فرمایا وہ قوم کبھی کامیاب نہیں رہ سکتی جن کی سربراہی عورت کے ہاتھ میں ہو۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص کی قیادت میں صحابہ اس طرف متوجہ ہوئے اور فارس کا آخری فرمانروا یزدجرد کو ہمیشہ کے لئے مٹی میں سلا دیا اور قیامت تک قیصر و کسریٰ کا نام و نشان مٹ گیا۔

﴿۳﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلٰى كِسْرٰى وَإِلٰى قَيْصَرَ وَإِلَى النَّجَاشِيِّ وَإِلٰى كُلِّ جَبَّارٍ يَدْعُوْهُمْ إِلَى اللّٰهِ وَلَيْسَ بِالنَّجَاشِيِّ الَّذِيْ صَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فارس یعنی ایران کے بادشاہ، کسریٰ روم کے بادشاہ، قیصر اور حبشہ کے بادشاہ، نجاشی، اور ہر متکبر و مقتدر بادشاہ کو خطوط لکھے جن میں انہیں اللہ (یعنی دین اسلام) کی طرف بلایا گیا تھا۔ اور یہ نجاشی کہ جس کو آپ نے یہ خط بھیجا تھا وہ نجاشی نہیں ہے جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تھی۔ (مسلم)

توضیح

"نجاشی" یہ لفظ اصل میں نجوس تھا حبشہ کے بادشاہ کو وہ لوگ نجوس کہتے تھے عرب نے اس لفظ کو نجاشی بنا دیا آج کل حبشہ کا نام کافروں نے ایتھوپیا رکھا ہے تاکہ مسلمانوں کی تاریخ مٹ جائے۔ زیر بحث حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ آنحضرت نے

حبشہ کے جس نجاشی کو خط لکھا تھا یہ وہ نجاشی ہے جس نے اسلام قبول کیا تھا اور حضور نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

دعوت اسلام کا طریقہ اور جہاد کے آداب

﴿۴﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلٰى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوْا بِسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ قَاتِلُوْا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اغْزُوْا فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا تَمْثُلُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَإِذَا لَقِيْتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَادْعُهُمْ إِلٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلٰى دَارِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِيْنَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوْا مِنْهَا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُوْنُوْنَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِيْنَ يَجْرِيْ عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللّٰهِ الَّذِيْ يَجْرِيْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَكُوْنُ لَهُمْ فِي الْغَنِيْمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوْا مَعَ الْمُسْلِمِيْنَ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ فَإِنْ هُمْ أَجَابُوْكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَقَاتِلْهُمْ وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ فَإِنَّكُمْ أَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوْا ذِمَّةَ اللّٰهِ وَذِمَّةَ رَسُوْلِهِ وَإِنْ حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوْكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلٰى حُكْمِكَ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ أَتُصِيْبُ حُكْمَ اللّٰهِ فِيْهِمْ أَمْ لَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد (حضرت بریدہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی چھوٹے یا بڑے لشکر کا امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کی ذات سے متعلق تو اس کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کے ساتھ (جہاد میں) جانے والے مسلمانوں کے متعلق اس کو نیکی و بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے (کہ مجاہدین کا جو لشکر تمہاری کمان میں جا رہا ہے ہمیشہ ان کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرنا اور ان کے حق میں حسن سلوک واحسان اور نرمی و ملاطفت کا رویہ اختیار کرنا) اور اس کے بعد یہ فرماتے کہ جاؤ خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو (یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اور اس کے دین کا جھنڈا سربلند کرنے کی غرض سے اسلام دشمن طاقتوں سے جنگ کرو) اس شخص کے خلاف جہاد کرو جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے جہاد کرو غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرنا، عہد شکنی نہ کرنا

مثلہ نہ کرنا (یعنی کسی کے اعضاء جسم جیسے ناک، کان وغیرہ نہ کاٹنا) اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ اور (اے امیر لشکر) جب تم اپنے مشرک دشمنوں کے سامنے پہنچو تو پہلے ان کو تین چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی دعوت دو (حدیث کے راوی اپنے شک کا اظہار کرتے ہیں کہ آپ نے ثلاث خصال کے بجائے ثلاث خلال فرمایا۔ (خصال اور خلال دونوں کے ایک ہی معنی ہیں) ان تین چیزوں میں سے وہ مشرک جس چیز کو تم سے اختیار کریں۔ اور اپنے لئے پسند کریں تم اس کو منظور کر لو اور ان کو اس سے زیادہ کسی اور چیز پر مجبور کرنے سے باز رہو۔ پھر یعنی ان تین چیزوں میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ سب دعوت قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو۔ پھر وہ اسلام قبول کریں تو ان کے اپنے ملک یعنی دار الحرب سے مہاجرین کے ملک یعنی دار الاسلام کو منتقل ہو جانے یعنی ہجرت کرنے کی دعوت دو اور ان کو یہ بتا دو کہ اگر وہ ایسا کریں گے (یعنی ہجرت کر کے دار الاسلام آ جائیں گے تو ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مہاجرین پر عائد ہیں اگر وہ ترک سکونت اختیار کرنے پر تیار نہ ہوں تو ان کو بتا دو کہ ایسی صورت میں وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے اور ان پر خدا کا ایسا حکم نافذ کیا جائے گا جو تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتا ہے یعنی نماز و زکوۃ وغیرہ کا واجب ہونا اور قصاص و دیت جیسے احکام نافذ ہونا اور غنیمت و فیئ کے مال میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا البتہ اس کو اس وقت حصہ ملے گا جبکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو کر جہاد کریں اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو پھر ان سے جزیہ دینے کا مطالبہ کرو۔ اور اگر وہ جزیہ دینا قبول کریں تو تم بھی اس کو منظور کر لو اور ان سے جنگ کرنے سے باز رہو اور اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو تیسری چیز یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان سے جنگ شروع کر دو اور جب تم کسی قلعہ یا بستی کے لوگوں یعنی دشمن کا محاصرہ کرو اور وہ قلعہ یا بستی والے تم سے اللہ اور اس کے نبی کا عہد و امان لینا چاہیں تو تم ان کو اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے امان دینے کا عہد نہ کرنا البتہ اپنے رفقاء جہاد کی طرف سے عہد و امان دے دینا کیونکہ اگر تم اپنے اور اپنے رفقاء کے دیئے ہوئے عہد و امان کو توڑ دو گے تو یہ اللہ اور اس کے رسول کے عہد و امان کو توڑ دینے سے زیادہ سہل ہوگا اور جب تم کسی قلعہ کے لوگوں کا محاصرہ کرو اور وہ (قلعہ والے) تم سے اللہ کے حکم پر اپنا محاصرہ اٹھا لینے کی درخواست کریں تو تم اللہ کے حکم پر ان کا محاصرہ نہ اٹھانا بلکہ اپنے حکم پر ان کا محاصرہ اٹھانا کیونکہ تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت اللہ کے حکم تک پہنچ گئے ہو یا نہیں (یعنی تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ تم نے ان کا محاصرہ اٹھا لینے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ خدا کے نزدیک صحیح بھی ہے یا نہیں اور اس کے حکم کے مطابق بھی ہے یا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم سے چوک ہو جائے جیسا کہ مجتہد کی شان ہے کہ وہ صحیح حکم تک بھی پہنچ جاتا ہے اور خطاء میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

''ثم ادعھم الی الاسلام'' دعوت اسلام کی تین خصلتوں میں سے یہ پہلی خصلت ہے کہ ایمان کی دعوت دو یہاں بعض

نسخوں میں "ثم" کا لفظ نہیں ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے جس طرح ابوداؤد کی روایت میں ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دعوت کے بعد اگر لوگوں نے اسلام کو قبول کر لیا تو پھر ان لوگوں سے کہدو کہ ان شہروں میں آجاؤ جہاں مسلمان آباد ہیں اگر وہ لوگ ہجرت کر کے دیہاتوں سے شہروں میں آگئے تو مہاجرین کے سارے حقوق ان کو ملیں گے اور اگر وہ لوگ شہروں میں نہیں آئے تو پھر ان کا معاملہ دیہاتیوں کی طرح ہوگا کہ اگر جہاد میں شریک ہو گئے تو مال غنیمت میں حصہ ملیگا ورنہ نہیں ملیگا البتہ اسلام کے قوانین ان پر نافذ ہونگے۔

"فسلهم الجزية" یعنی اگر کفار نے اسلام کو قبول نہیں کیا تو دعوت اسلام کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کے سامنے جزیہ دینے کی بات رکھو۔ "فاستعن بالله" یعنی اگر جزیہ دینے سے بھی ان لوگوں نے انکار کیا تو پھر دعوت اسلام کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ان لوگوں سے جنگ لڑو۔

جہاد کی مقدس جنگ کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کر لو اور قلعہ والے تم سے اللہ تعالیٰ کے نام کی ذمہ داری پر عہد و امان لینا چاہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری پر معاہدہ نہ کرو بلکہ اپنی صوابدید پر معاہدہ کرو کیونکہ اگر معاہدہ کسی مجبوری سے توڑنا پڑے تو یہ بہتر ہوگا کہ تمہارے حوالہ سے جو عہد و امان دیا گیا تھا وہ ٹوٹ جائے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اسی طرح جنگ کے آداب میں سے دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر کسی قلعہ کے محاصرین قلعہ سے اس شرط پر اترنا چاہیں کہ ان کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہ ان پر نافذ ہوگا ایسا معاہدہ بھی نہ کرو بلکہ ان سے کہو کہ ہمارے حکم کے مطابق اتر جاؤ جو فیصلہ ہم کریں گے وہ نافذ ہوگا یہ اس لئے کہ تم کو کیا معلوم کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم کیا ہے اور کہاں پر ہے وہ لوگ کچھ اور کہیں گے تم کچھ اور کہو گے اس طرح تم ایک الجھن میں پھنس جاؤ گے اس لئے ان سے صاف کہدو کہ ہمارا کمانڈر جو فیصلہ کریگا اسی کا اعتبار ہوگا ظاہر ہے کہ مسلمان کمانڈر شریعت کے خلاف فیصلہ نہیں کریگا جو فیصلہ ہوگا وہ انصاف اور حکمت پر مبنی ہوگا۔

جنگ کی تمنا نہ کرو جب سر پر آئے تو جم کر لڑو

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفَى أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَعْضِ أَيَّامِهِ الَّتِيْ لَقِيَ فِيْهَا الْعَدُوَّ انْتَظَرَ حَتّٰى مَالَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَامَ فِي النَّاسِ فَقَالَ يَاأَيُّهَاالنَّاسُ لَاتَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَاسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيْتُمْ فَاصْبِرُوْا وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ مُنْزِلَ الْكِتَابِ وَمُجْرِيَ السَّحَابِ وَهَازِمَ الْأَحْزَابِ اهْزِمْهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دنوں میں سے ایک دن جبکہ آپ دشمن کے

مقابلہ پر تھے (یعنی جہاد کے موقع رمیدان جنگ میں تھے) سورج ڈھلنے تک جنگ شروع کرنے کا انتظار کرتے رہے پھر جب سورج ڈھل گیا تو آپ لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! تم اپنے دشمن سے مقابلہ کی آرزو نہ کرو یعنی یہ نہ چاہو کہ کفار سے قتل وقتال کا بازار گرم ہو کیونکہ یہ چاہنا گویا ابتلاء ومصیبت کی خواہش کرنا ہے جو ممنوع ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے امن وعافیت کے طالب رہو جب دشمن سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو پھر پوری بہادری کے ساتھ ڈٹ جاؤ اور صبر واستقامت سے کام لو اور اس بات کو جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یعنی تم جنت کے بالکل قریب ہو اس کے بعد آپ نے یہ دعا فرمائی اے اللہ کتاب کو نازل فرمانے والے بادلوں کو چلانے والے اور کفار کی جماعت کو شکست دینے والے ان دشمنوں کو شکست دے اور ہم کو ان پر فتح عطا فرما۔ (بخاری ومسلم)

جنگ خیبر میں اللہ اکبر کا نعرہ

﴿۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْماً لَمْ يَكُنْ يَغْزُوْ بِنَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ إِلَيْهِمْ فَإِنْ سَمِعَ أَذَاناً كَفَّ عَنْهُمْ وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَاناً أَغَارَ عَلَيْهِمْ قَالَ فَخَرَجْنَا إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلاً فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَاناً رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِيْ طَلْحَةَ وَإِنَّ قَدَمِيْ لَتَمَسُّ قَدَمَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَخَرَجُوْا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيْهِمْ فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيْسُ فَلَجَئُوْا إِلَى الْحِصْنِ فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کسی دشمن قوم سے جہاد کرتے یعنی جب جہاد کے موقع پر کسی ایسی دشمن آبادی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ فرماتے جس کے حالات کا علم نہیں ہوتا اور ہم لوگ آپ کے ہمراہ شریک جہاد ہوتے تو صبح ہونے سے پہلے ہمارے ساتھ ان پر حملہ آور نہیں ہوتے پھر جب صبح ہو جاتی تو ان دشمنوں کی آبادی اور ان کے ٹھکانوں پر نظر ڈالتے تاکہ مشاہدہ یا قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کون لوگ ہیں اگر ان کی طرف سے اذان کی آواز سنتے تو ان سے جنگ کرنے سے باز رہتے اور اگر اذان کی آواز نہیں سنتے اور اس قرینہ سے یہ ثابت ہو جاتا کہ ان لوگوں میں مسلمان نہیں ہیں۔ تو ان پر حملہ کر دیتے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت کے ہمراہ جہاد کے لئے خیبر روانہ ہوئے تو ان کی سرحدوں پر رات کے وقت پہنچے جب صبح ہو گئی اور ان کی طرف سے اذان سنائی نہ دی تو آنحضرت سواری پر سوار ہوئے اور میں ابوطلحہؓ کی سواری پر ان کے پیچھے بیٹھا اور ہماری سواری آنحضرت کی سواری کے اتنے قریب تھی کہ میرے پاؤں آنحضرت کے قدم مبارک سے لگتے تھے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب صبح ہونے پر خیبر والے ہماری آمد سے بے خبر اپنے کھیتوں میں جانے کے لئے اپنے پھاوڑے تھیلے (یعنی کھیتی باڑی کا سامان) لئے ہوئے اپنے گھروں سے

نکلے اور ہماری طرف آئے اور انہوں نے آنحضرت کو دیکھا تو چیخ چیخ کر کہنے لگے محمد آ گئے خدا کی قسم محمد اور ان کا خمیس لشکر آ گیا یہ کہتے ہوئے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح بھاگتے ہوئے دیکھا تو گویا اس کو ان کی شکست سے تعبیر کرتے ہوئے از راہ تفاؤل فرمایا اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے خیبر برباد ہو گیا اس میں کوئی شک نہیں ہم مسلمانوں کی جماعت یا انبیاء جب کسی قوم کے میدان میں جنگ کے لئے اترتے ہیں تو اس ڈرائی گئی قوم کی صبح بڑی خراب ہو جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''مکاتل'' مکتل کی جمع ہے بڑے تھیلے کو مکتل کہتے ہیں۔ ''مساحی'' کا مفرد مسحات ہے پھاوڑے کو کہتے ہیں۔ ''الخمیس'' پانچ پرے کے لشکر کو خمیس کہتے ہیں۔ کسی کافر علاقے پر حملہ کرنے سے پہلے اگر اذان ہو جائے تو پھر احتیاط سے جنگ کی کاروائی کرنی پڑتی ہے تاکہ مسلمانوں کا نقصان نہ ہو لیکن اگر اذان نہ ہو تو پھر بھرپور انداز سے حملہ ہوتا ہے اس لئے حضور اکرمؐ نے احتیاط فرمائی۔

﴿۷﴾وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ انْتَظَرَ حَتّٰى تَهُبَّ الْأَرْوَاحُ وَتَحْضُرَ الصَّلَاةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اور حضرت نعمانؓ بن مقرن کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا ہوں چنانچہ جب کسی دن آپ صبح کے وقت جنگ شروع نہ کرتے تو اس وقت کا انتظار فرماتے جبکہ ہوا چل پڑے اور ظہر کی نماز کا وقت آ جائے۔ (بخاری)

توضیح

جہاد مقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو اوقات میں ہوتا تھا صبح سے لیکر دھوپ تیز ہونے تک پھر رک جاتا تھا اس کے بعد سہ پہر میں ہوتا تھا جب دھوپ کم ہو جاتی تھی زیر بحث حدیث میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر آنحضرت صبح کے وقت جہاد میں لڑنے کے لئے نہ نکلتے تو آپ انتظر فرماتے تاکہ ظہر کے بعد نصرت ومدد کی ہوائیں چلنے لگ جائیں ہوائیں چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نازل ہو جائے اس کی ایک ظاہری صورت بھی ہوتی تھی وہ یہ کہ ظہر کی نماز کے بعد عام مسلمان نمازوں میں اور نمازوں کے بعد مجاہدین کے لئے دعائیں مانگتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی نصرت ومدد فرمائے معلوم ہوا مجاہدین کے لئے مساجد میں دعائیں ہونے چاہئے۔

الفصل الثانی

﴿۸﴾عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا لَمْ يُقَاتِلْ اَوَّلَ النَّهَارِ اِنْتَظَرَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت نعمان ابن مقرن کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (لڑائیوں میں) شریک ہوا چنانچہ آنحضرت جب دن کے ابتدائی حصہ میں یعنی صبح کے وقت جنگ نہ چھیڑتے تو اس وقت تک جنگ کی ابتداء کرنے کا انتظار کرتے جب تک کہ سورج نہ ڈھل جاتا ہوا نہ چلنے لگتی۔ اور نصرت یعنی فتح کی ہوا نازل نہ ہو جاتی یا نصرت نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کہ ظہر کی نماز کے بعد مجاہدین اسلام کے لئے مسلمانوں کی دعاء کی برکت سے فتح کے آثار ظاہر نہ ہو جاتے۔ (ابوداؤد)

زوال شمس کے بعد ایک تو نصرت کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور دوسرا یہ کہ عام مسلمان ظہر کی نماز میں مجاہدین کے لئے فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے ہیں معلوم ہوا کہ مجاہدین کے لئے دعائیں مانگنا عام مسلمانوں پر لازم ہیں۔

﴿۹﴾وَعَنْ قَتَادَةَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ مُقَرِّنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتْ قَاتَلَ فَاِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ اَمْسَكَ حَتّٰى تَزُوْلَ الشَّمْسُ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ قَاتَلَ حَتَّى الْعَصْرِ ثُمَّ اَمْسَكَ حَتّٰى يُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ يُقَاتِلُ قَالَ قَتَادَةُ كَانَ يُقَالُ عِنْدَ ذٰلِكَ تَهِيْجُ رِيَاحُ النَّصْرِ وَيَدْعُو الْمُؤْمِنُوْنَ لِجُيُوْشِهِمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت قتادہ، حضرت نعمان ابن مقرن سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا ہے چنانچہ آپ فجر کے بعد اس وقت تک جنگ شروع کرنے سے رکے رہتے جب تک کہ آپ فجر کی نماز سے فارغ نہ ہو جاتے اور سورج نہ نکل آتا پھر جب سورج نکل آتا تو جنگ شروع کر دیتے اور جب دوپہر ہو جاتی تو دوپہر ڈھلنے تک کے لئے جنگ سے رک جاتے پھر جب دوپہر ڈھل جاتی اور ظہر کی نماز پڑھ لیتے تو عصر تک جنگ کرتے اور پھر رک جاتے یہاں تک کہ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر جنگ میں مشغول ہو جاتے قتادہ کہتے ہیں کہ کہا جاتا تھا (یعنی صحابہ آنحضرت کے اس جنگی نظام الاوقات کی حکمت کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ اس وجہ سے تھا کہ ان اوقات میں نصرت کی ہوائیں چلتی ہیں اور مسلمان اپنی نماز میں اپنے لشکروں کے لئے فتح وکامرانی کی دعائیں کرتے ہیں یعنی نماز کے بعد دعائیں مانگتے ہیں یا نماز کے دوران ہی دعائیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ قنوت پڑھنے کے سلسلہ میں احادیث منقول ہیں۔ (ترمذی)

﴿۱۰﴾وَعَنْ عِصَامِ الْمُزَنِيِّ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَقَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوْا أَحَدًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت عصام مزنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہاد کے لئے ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا اور فرمایا کہ جب کسی جگہ تم کوئی مسجد دیکھو یا موذن کو اذان دیتے سنو تو وہاں کسی کو قتل نہ کرنا۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح

''مسجدا'' یعنی اگر کوئی اسلامی شعار مثلاً اذان و مسجد تمہیں مل جائے تو پھر لڑنے میں احتیاط کرو صرف کافروں کو مارو ہاں اگر دار حرب میں مسلمان قیام پذیر ہیں اور وہ اعلان واطلاع کے باوجود کفار سے الگ نہیں ہوئے تو پھر ان کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا لڑائی لڑی جائے گی اگرچہ کفار مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کرے اس وقت کافر کی نیت کر کے مارنا چاہئے ایسے مسلمان کا خون ہدر ہے۔

الفصل الثالث

کفار کے نام حضرت خالد بن ولیدؓ کا ایک عظیم مکتوب

﴿۱۱﴾عَنْ أَبِيْ وَائِلٍ قَالَ كَتَبَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ إِلَى أَهْلِ فَارِسَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ إِلَى رُسْتَمَ وَمِهْرَانَ فِيْ مَلَاءِ فَارِسَ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّا نَدْعُوْكُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَأَنْتُمْ صَاغِرُوْنَ فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَإِنَّ مَعِيَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا يُحِبُّ فَارِسُ الْخَمْرَ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حضرت ابو وائلؒ کہتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے فارس یعنی ایران کے لوگوں یعنی ان کے زعماء اور سرداروں کو یہ مکتوب بھیجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خالد بن ولیدؓ کی طرف سے رستم و مہران کے نام جو زعماء ایران میں سے ہیں اس شخص پر سلامتی ہو جو حق و ہدایت کی پیروی کرے بعد ازاں واضح ہو کہ ہم تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو ذلت و خواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرو اور اگر تم اس جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کرو گے تو تمہیں آگاہ ہو جانا چاہئے کہ ہلاکت و پشیمانی تمہارا مقدر بن چکی ہے کیونکہ بلاشک وشبہ میرے ساتھ ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو خون بہانے کو یا خدا کی راہ میں اپنی جان قربان کر دینے کو اسی طرح پسند کرتے ہیں جس طرح ایران کے لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں یعنی جس طرح تم ایران والوں کو شراب کے نشہ میں کیف و سرور حاصل ہوتا ہے اسی طرح میری جماعت کے لوگوں کو قتل و قتال میں سرمستی

وسرشاری حاصل ہوتی ہے یا ان کو جان لینے اور جان دینے میں وہی خوشی اور وہی لذت حاصل ہوتی ہے جو تم شراب میں محسوس کرتے ہو اور سلامتی ہو اس پر جو حق وہدایت کی پیروی کرے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"القتل" یعنی یہ خیال دماغ سے نکالدو کہ ہم موت سے ڈرنے والے ہیں ہمیں میدان کارزار میں لڑنے اور جام شہادت نوش کرنے میں وہی مستی اور مزہ حاصل ہوتا ہے جس طرح تم کو شراب پینے میں لذت حاصل ہوتی ہے ایسی قوم کا مقابلہ تم نہیں کر سکتے ہو لہٰذا ہمارا راستہ خواہ مخواہ نہ روکو۔ سبحان اللہ یہ بھی ایک دور تھا جس پر اسلام آج تک ناز کرتا ہے۔ شاعر نے کہا ہے ۔

مصلحت در دین ما جنگ وشکوہ مصلحت در دین عیسیٰ غار وکوہ

یعنی ہمارے دین کی مصلحت تو جہاد اور رعب وداب میں ہے اور عیسائی مذہب کی مصلحت پادری بن کر غاروں میں رہنا ہے

حضرت خالدؓ کا یہ خط فارس والوں کے نام آپ نے اس وقت لکھا تھا جب آپ جہاد کے ابتدائی دور میں عراق میں تھے پھر حضرت صدیق نے آپ کو عراق سے شام کی طرف بلالیا اور امیر الجیش بنایا شام کو فتح کرتے ہوئے آپ براستہ مصر صعید مصر پہنچے ہیں اور وہاں عظیم جہاد کیا ہے۔

۲۰ صفر ۱۴۱۸ھ

باب القتال فی الجهاد

جہاد میں لڑائی کی ترتیب کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿فاذالقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب﴾
فقہ کی تمام کتابوں میں اس باب کے ساتھ کیفیة القتال کا لفظ لگا دیا گیا ہے احادیث میں بھی کیفیت قتال بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ اس باب میں جتنی احادیث مذکور ہیں تقریبا سب میں قتال کی کوئی نہ کوئی کیفیت کا ذکر ہے۔
ملاعلی قاری فرماتے ہیں "ای فی حث القتال وترغیبه وثوابه" یعنی اس باب میں کفار سے لڑنے کی ترغیب کا بیان ہے اس کے ثواب کا بیان ہے اور کفار سے لڑنے پر ابھارنے اور برانگیختہ کرنے کا بیان ہے۔
کچھ لوگ ایسے ہیں جو طبعی طور پر جہاد کو مکروہ سمجھتے ہیں وہ یہاں خوش ہو جاتے ہیں کہ دیکھو جہاد اور چیز ہے اور لڑنا اور چیز ہے ہم اگر چہ لڑتے نہیں ہیں مگر جہاد میں برابر لگے ہوئے ہیں اور جہاد میں لڑنا ایک جزدی معاملہ ہے جو بدرجہ مجبوری ہے میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے جہاد کے باب میں لڑنے کی احادیث کیوں آئی ہیں اگر جہاد اور چیز ہے تو جہاد کے باب میں لڑنے کی احادیث کا ذکر تک نہیں ہونا چاہئے تھا حالانکہ پورا باب لڑائی کی احادیث اور فضائل سے بھرا پڑا ہے، جب یہ طے شدہ امر ہے کہ جہاد میں لڑنا پڑتا ہے اور لڑنا جہاد کا حصہ ہے تو اس کی کیفیت اور ترتیب وطریقہ بیان کرنا ضروری تھا اس لئے جہاد کے عمومی باب سے اس کی کیفیت کو الگ کر کے مستقل باب میں رکھدیا۔

مشروعیت جہاد کی حکمت

اسلام میں مشروعیت جہاد کی بڑی حکمتیں ہیں (۱) جہاد سے دین کے راستے کھلتے ہیں (۲) فساد ختم ہو کر امن آتا ہے (۳) اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوجاتا ہے کفر وظلم کی کمر ٹوٹ جاتی ہے (۴) ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ جب سارے انسان اللہ تعالیٰ کے بندے اور غلام ہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کی غلامی میں رہنا چاہئے مگر بعض بندے اللہ تعالیٰ کے احکامات سے سول نافرمانی کرتے ہیں اور بغاوت پر اتر آتے ہیں اور دوسرے پرامن انسانوں کے لئے باعث مصیبت بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے وفادار بندوں کو حکم ہوجاتا ہے کہ اب ان کو قتل کرو یہ اب جانور بن چکے ہیں اس لئے ان جانوروں کو میدان جہاد میں مارنا بھی جائز ہے اور پکڑ کر ذبح کرنا بھی جائز ہے اوران کی خرید وفروخت بھی جائز ہے اور ان کو غلام ولونڈی بنانا بھی جائز ہے مثال کے طور پر ایک حکومت ہے ان کی فوج ہے اس فوج میں بغاوت ہوگئی اور فوج دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ایک وفادار فوج ہے ایک

باغی فوج ہے بین الاقوامی قانون کے مطابق دنیا کی تمام حکومتیں یہ بات ضروری سمجھتی ہیں کہ وفادار فوج اس باغی فوج سے لڑائی لڑے اور اس کو ختم کرے بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے وفادار بندوں کو حکم دیتا ہے کہ مجھ سے بغاوت کرنے والی فوج سے خوب لڑو اور ان کو مار دو۔ (۵) جہاد کی حکمت آپ اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جسم میں جب کینسر ہو جاتا ہے تو اس حصہ کے آپریشن کو ہر عقلمند انسان اور ڈاکٹر ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس کینسر کے لپیٹ میں باقی جسم نہ آئے اسی طرح کافروں کا وجود انسان کے صالح جسم کے اندر بمنزلہ کینسر ہے اس کو کاٹنا اس لئے ضروری ہے تاکہ پوری انسانیت کا جسم اس مہلک مرض سے محفوظ رہ جائے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے سورت توبہ کی آیت نمبر ۴ کی تفسیر میں جہاد کی چھ حکمتوں کو اسی طرح بیان کیا ہے۔

الفصل الاول

شوق شہادت

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فَأَيْنَ أَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَأَلْقَى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهِ ثُمَّ قَاتَلَ حَتَّى قُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ احد کی جنگ کے دن (میدان جنگ میں) ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ آپ بتایئے! اگر میں مارا جاؤں (یعنی دشمنان اسلام سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں) تو میں کہاں ہوں گا یعنی جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنت میں" (یہ سنتے ہی) اس شخص نے (جنت میں پہنچ جانے کی تمنا میں مرتبہ شہادت جلد سے جلد حاصل کرنے کے لئے) وہ کھجوریں پھینک دیں جو (کھانے کے لئے) اس کے ہاتھ میں تھیں اور لڑائی میں مشغول ہو گیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ (بخاری ومسلم)

جہاد پر نکلنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی

﴿۲﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا حَتَّى كَانَتْ تِلْكَ الْغَزْوَةُ يَعْنِي غَزْوَةَ تَبُوْكَ غَزَاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرٍّ شَدِيْدٍ وَاسْتَقْبَلَ سَفَرًا بَعِيْدًا وَمَفَازًا وَعَدُوًّا كَثِيْرًا فَجَلَّى لِلْمُسْلِمِيْنَ أَمْرَهُمْ لِيَتَأَهَّبُوْا أُهْبَةَ غَزْوِهِمْ فَأَخْبَرَهُمْ بِوَجْهِهِ الَّذِيْ يُرِيْدُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ (یعنی جہاد کرنے) کا ارادہ کرتے تو اس کے بجائے دوسرے کا توریہ فرماتے یہاں تک کہ یہ غزوہ یعنی غزوہ تبوک واقع ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سخت ترین گرمی کے زمانے میں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دور دراز کا سفر فرمایا اور بے آب وگیاہ

جنگلات کو طے کیا۔ نیز اس میں دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس غزوے کا ارادہ فرمایا تو اس کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان صاف صاف اعلان کیا۔ (اور اس غزوے کے دوران پیش آنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا) تاکہ وہ لوگ (جنگ کے لئے) اچھی طرح تیار ہو جائیں۔ اور اپنے سامان جہاد کو درست کرلیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان راستوں اور مقامات کے بارے میں بھی بتا دیا تھا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم (تبوک پہنچنے کے لئے) اختیار کرنا چاہتے تھے۔ (بخاری)

توضیح

''ورّی'' یہ لفظ توریہ سے ہے جو باب تفعیل سے ہے توریہ تعریض اور کنایہ کو کہتے ہیں کہ دشمن سے اصل حقیقت کو چھپایا جائے اور دوسری بات کو ظاہر کیا جائے مثلاً جانا کسی ایک طرف ہے اور تفتیش و تذکرے کسی دوسری طرف کے شروع کئے جائیں مثال کے طور پر آنحضرت کا ارادہ فتح مکہ کے موقع پر مکہ جانے کا تھا لیکن آپ نے خیبر کے احوال کی جستجو اور تذکرے شروع کئے اس حکمت عملی میں یہ فائدہ ہوتا ہے کہ دشمن بے خبری میں ہوتا ہے اور وہ جنگ کی تیاری سے غافل رہ کر اس پر حملہ ہو جاتا ہے اسی کو "الحرب خدعة" کہا گیا ہے اس میں تصریح نہیں ہوتی ہے اگر صراحت کے ساتھ یہ کہا جائے کہ میں لکھنؤ شہر جا رہا ہوں اور دل میں چھپا رکھا ہے کہ میں فیروز آباد جاؤں گا تو یہ توریہ نہیں ہے بلکہ یہ صریح جھوٹ ہے جس کی اجازت شریعت میں نہیں ہے۔ ''غزوۂ تبوک'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں کنایہ اور تعریض سے کام نہیں لیا بلکہ واضح الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ جہاد کے لئے تبوک جانا ہے اس تصریح کی وجہ یہ تھی کہ یہ مشقتوں سے بھرا ہوا سفر تھا راستہ انتہائی دور تھا کیونکہ مدینہ سے تبوک قریباً ایک ہزار کلومیٹر ہے غذائی اشیاء کی سخت قلت تھی اور شدید گرمی تھی تو مکمل تیاری کی ضرورت تھی اس لئے آنحضرت نے واضح اعلان فرمادیا یہ غزوۂ ۹ ھ میں پیش آیا تھا آنحضرت کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر تھا مقابلے میں رومی عیسائی لاکھوں کی تعداد میں تھے مدینہ سے براستہ خیبر جا کر آگے العُلا کا علاقہ آتا ہے اس کے بعد مدائن صالح اور وادی ثمود آتا ہے اس کے بعد تبوک کا علاقہ ہے۔

جنگ چال اور تدبیر کا نام ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَرْبُ خَدْعَةٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جنگ مکر و فریب (کا نام) ہے۔ (بخاریؒ و مسلم)

توضیح

''الخدعة'' یہ لفظ خا کے ضمہ کے ساتھ ہے دال ساکن ہے مگر اہل لغت کے نزدیک خا پر فتحہ اور دال پر سکون زیادہ فصیح اور بہتر

ہے چال، تدبیر، مکر وحیلہ اور فریب کا نام خدعة ہے جو جہاد میں جائز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنگ میں کثرت تعداد اتنی مفید نہیں جتنا کہ چال اور تدبیر وفریب مفید ہوتی ہے آج کل اس تدبیر کو حکمت عملی کہتے ہیں چنانچہ کامیاب کمانڈر وہی ہوتا ہے جو جنگی حکمت عملی اور داؤ پیچ سے زیادہ کام لیتا ہو اور دشمن کی بڑی فوج کو پسپائی پر مجبور کرتا ہو اس جنگی حکمت عملی میں ہر تدبیر اور مکر وحیلہ جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس حکمت عملی سے طے شدہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو جائے اور نہ وہ طے شدہ معاہدہ ٹوٹ جائے جو معاہدہ دشمن کے ساتھ کیا گیا ہو۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جہاد کے معاملہ اور اس کے فائدہ میں صریح جھوٹ بولنا بھی جائز ہے مگر تعریض زیادہ بہتر ہے اس لئے صریح جھوٹ سے بچنا چاہئے۔

جہاد میں عورتوں کے شریک ہونے کا حکم

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْبِأُمِّ سُلَيْمٍ وَنِسْوَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مَعَهُ إِذَا غَزَا يَسْقِيْنَ الْمَاءَ وَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى . رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کے ہمراہ جہاد میں تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ ام سلیمؓ اور انصار کی دوسری عورتوں کو بھی لے جاتے وہ عورتیں غازیان اسلام کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی اور دیکھ بھال کرتیں (مسلم)

توضیح

"یغزو بام سلیم" عورتوں پر عام حالات میں جہاد فرض نہیں ہے الّا یہ کہ جہاد فرض عین ہو جائے اور گھروں کے دروازوں تک پہنچ جائے پھر ہر عورت پر اپنی عزت اور آبرو کی حفاظت کے لئے لڑنا فرض ہے ہاں اگر عام حالت میں عورتیں جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہیں تو جوان عورتوں کو لے جانا جائز نہیں ہے عمر رسیدہ عورتیں زخمیوں کی دیکھ بھال اور مرہم پٹی کے لئے اور پانی پلانے کھانا پکانے کی غرض سے جاسکتی ہے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ میدان جنگ میں بالکل آخری مورچوں میں بوقت ضرورت پردہ کے ساتھ عورتیں لڑائی میں شرکت بھی کرسکتی ہیں، اگر شوہر اپنی خدمت یا ضرورت مباشرت کے لئے عورت کو لے جانا چاہتا ہے تو آزاد عورت کے بجائے اپنی لونڈی کو اس خدمت کے لئے لے جانا زیادہ بہتر ہے۔

زخمیوں کی خدمت میں عورت زخمی کے جسم کے اس حصہ پر دوائی لگاسکتی ہے جہاں زخم لگا ہے اور اس حصہ کو چھو بھی سکتی ہے اس کے علاوہ عام جسم کو ہاتھ نہیں لگاسکتی ہے اس زمانہ میں عورتوں کو جنگ میں لے جانے میں ایک فائدہ یہ ہوتا تھا کہ عورتوں کی وجہ سے مرد بے جگری سے لڑتے تھے اور بھاگنے کا نام نہیں لیتے تھے دوسرا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ عورتیں مردوں کو بھاگنے سے عار دلا دلا کر روکتی تھیں اس وجہ سے مرد جم کر لڑا کرتے تھے، ام سلیم، ام عمارہ، ام عطیہ ام ابان، خولہ وغیرھن وہ بہادر عورتیں ہیں

جنہوں نے کئی جنگوں میں باقاعدہ حصہ لیا ہے اور کفار کو مار بھگایا ہے۔

﴿۵﴾وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ أَخْلُفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَأُدَاوِي الْجَرْحٰى وَأَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ام عطیہ کہتی ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزووں میں شریک ہوئی ہوں۔ میں (میدان جنگ میں) ان (مجاہدین) کے پیچھے ان کے ڈیروں میں رہا کرتی تھی۔ جہاں میں ان کے لئے کھانا پکاتی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی اور دوا دارو کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ (مسلم)

جہاد میں عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا منع ہے

﴿۶﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور لڑکوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاریؒ و مسلم)

توضیح

عورتوں بچوں اور پادریوں کے قتل کرنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے تاہم اگر پادری اور عورت کفار کو جنگی مشورے دیتے ہوں یا لڑنے میں شرکت کرتے ہوں یا مالی معاونت کرتے ہوں یا پادری نے شادی کرلی اور بچوں کو پیدا کرنا شروع کیا تو پھر ان لوگوں کو مارنا جائز ہوگا۔ بچہ بھی اگر لڑنے کے لئے میدان میں آئے گا اور کچھ نہ کچھ لڑائی میں حصہ لیگا تو اس کو بھی قتل کیا جا سکتا ہے اسی طرح وہ بچہ جو سردار اور بادشاہ کا بچہ ہو جس پر سب لوگ متفق ہو کر مجتمع ہو جاتے ہوں اس بچے کا قتل کرنا بھی جائز ہے اسی طرح اگر مسلمان رات کو کفار پر حملہ بول دیں اور گھروں میں عورتیں اور بچے مارے جائیں تو یہ بھی بوجہ مجبوری جائز ہے کیونکہ اس سے بچنا مشکل ہے شیخ فانی سے بوڑھا کھوسٹ مراد ہے ان کو نہ مارو ہاں اگر وہ جنگی تدبیر یا مشورہ دیتا ہو تو مارنا جائز ہے حضور نے درید بن صمہ کے مارنے کا حکم دیا تھا جبکہ ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی جنگ حنین میں ایسا ہوا تھا، کیونکہ درید انتہائی سمجھدار اور مشورہ کار آدمی تھا۔

شب خون میں عورتیں اور بچے مارے جا سکتے ہیں

﴿۷﴾وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَهْلِ الدِّيَارِ يُبَيَّتُوْنَ مِنَ

الْمُشْرِكِيْنَ فَيُصَابُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ قَالَ هُمْ مِنْهُمْ، وَفِيْ رِوَايَةٍ هُمْ مِنْ آبَائِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت صعب ابن جثامہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا جو گھروں والے ہیں (یعنی جو آبادیوں میں رہتے ہیں) کہ اگر ان پر شبخون مارا جائے اور اس کے نتیجے میں ان کی عورتیں اور بچے مارے جائیں تو کیا حکم ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ بھی انہیں میں سے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ وہ اپنے باپوں کے تابع ہیں۔ (بخاری ومسلم)

دشمن کے باغات کے کاٹنے اور جلانے کا مسئلہ

﴿۸﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيْرِ وَحَرَّقَ وَلَهَا يَقُوْلُ حَسَّانُ :

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

وَفِيْ ذٰلِكَ نَزَلَتْ ﴿مَاقَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجوروں کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم فرمایا۔ اسی کے بارے میں (دربار رسالت کے صحابی شاعر) حضرت حسان ابن ثابت انصاریؓ نے یہ شعر کہا۔ یعنی بنی لوی کے سرداروں کے لئے پھیلے ہوئے بویرہ کو جلا ڈالنا آسان ہو گیا۔ نیز اسی کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ﴿تم نے کھجور کے درخت پر سے جو کچھ کاٹا یا جو کچھ اس کی جڑ پر کھڑا ہوا چھوڑ دیا (یعنی جو کچھ نہیں کاٹا) یہ سب خدا کے حکم سے ہے۔﴾ (بخاری ومسلم)

توضیح

''وھان'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تو مدینہ میں آپ کا واسطہ یہود سے پڑا ان کے تین بڑے قبائل تھے بنوقینقاع بنونضیر اور بنوقریظہ اول الذکر نے کوئی معاہدہ نہیں کیا تو مسلمانوں نے ابتدا ہی سے ان کو مدینہ سے نکالدیا ثانی الذکر بنونضیر نے معاہدہ کیا مگر پھر غداری کی، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اس پر مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا وہ قلعہ بند ہو گئے آنحضرت نے ان کے باغات کو آگ لگانے کا حکم دیا اس پر یہود نے کہا کہ یہ تو محض فساد ہے اس پر قرآن کی آیتیں اتریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے اب مسئلہ یہ نکلا کہ اگر باغات اور کھیتوں کے جلانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو جلانا جائز ہے لیکن بغیر مجبوری نہیں جلانا چاہئے''بویرہ'' بنونضیر کے علاقے کا نام ہے جہاں ان کے باغات تھے ان باغات کو جب آگ لگائی گئی تو اس پر حضرت حسان نے بطور طنز چند اشعار کہے جن

میں سے ایک شعر اس حدیث میں ہے یعنی قریش پر نہایت آسان گذری وہ آگ جو ہم نے بویرہ مقام میں لگائی تھی جو بھڑک کر بلند ہورہی تھی۔

''بنی لوئی'' سے مراد صحابہ بھی لئے جاسکتے ہیں کہ ان کے سامنے آگ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی یعنی کوئی شخص مزاحمت نہ کرسکا اور بنولوئی سے مراد قریش مکہ بھی ہوسکتے ہیں اور یہ زیادہ واضح ہے مطلب یہ کہ بویرہ مقام میں بھڑکتی آگ کفار کے لئے آسان ہوگئی وہ مزاحمت نہ کرسکے اور آسانی سے اس ذلت کو قبول کرلیا ابوسفیان بن حارث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار تھا اس نے اس شعر کا جواب یوں دیا۔

اَدَامَ اللّٰهُ ذٰلِکَ مِنْ صَنِيْعٍ وَحَرَّقَ فِي نَوَاحِيْهَا السَّعِيْرُ

سَتَعْلَمُ اَيُّنَا مِنْهَا بِنُزْهٍ وَتَعْلَمُ اَیَّ اَرْضِيْنَا نَضِيْرُ

یعنی اللہ تعالیٰ اس آگ کے شعلوں کو مدینہ کی اطراف تک پھیلا کر دوام دے۔ عنقریب تم جان لوگے کہ اس آگ سے ہم کتنے دور ہونگے اور تم یہ بھی جان لوگے کہ یہ ہم میں سے کس کی زمین کا نقصان ہے۔

غفلت کی حالت میں دشمن پر حملہ جائز ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَوْنٍ اَنَّ نَافِعًا كَتَبَ اِلَيْهِ يُخْبِرُهُ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَغَارَ عَلٰى بَنِي الْمُصْطَلِقِ غَارِّيْنَ فِي نَعَمِهِمْ بِالْمُرَيْسِيْعِ فَقَتَلَ الْمُقَاتِلَةَ وَسَبَى الذُّرِّيَّةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ بن عونؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ نے ان عبداللہ بن عون کو ایک مکتوب بھیجا جس میں حضرت نافعؒ نے ان کو مطلع کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے ان (نافعؒ) سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق پر اس وقت ٹوٹ پڑے تھے جب وہ مریسیع میں اپنے مویشیوں کے درمیان غافل پڑے تھے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لڑنے والوں کو قتل کردیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر لے آئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

بنو المصطلق: بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے اور مریسیع ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے پانچ ہجری میں اس مقام پر جنگ ہوئی تھی اور کفار مارے گئے تھے اسی سفر میں حضرت عائشہ پر بہتان لگا تھا۔

''غارین'' یعنی وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اس سے معلوم ہوا کہ جب دعوت ایک دفعہ پہنچ جائے تو پھر بغیر دعوت کے کفار پر حملہ ہوسکتا ہے اگر دعوت نہ بھی پہنچی ہو اور کاروائی کرنے میں مصلحت ہو تو بھی حملہ ہوسکتا ہے اگرچہ منع ہے۔

''المقاتلہ'' یعنی لڑنے کے قابل لوگوں کو قتل کردیا اور چھوٹے بچوں کو گرفتار کرلیا اور غلام بنایا گیا۔

جنگ سے متعلق ایک حکمت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي أُسَيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَنَا يَوْمَ بَدْرٍ حِيْنَ صَفَفْنَا لِقُرَيْشٍ وَصَفُّوْا لَنَا. إِذَا أَكْثَبُوْكُمْ فَعَلَيْكُمْ بِالنَّبْلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ إِذَا أَكْثَبُوْكُمْ فَارْمُوْهُمْ وَاسْتَبْقُوْا نَبْلَكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَحَدِيْثُ سَعْدٍ هَلْ تُنْصَرُوْنَ سَنَذْكُرُ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ وَحَدِيْثُ الْبَرَاءِ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطًا فِيْ بَابِ الْمُعْجِزَاتِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور حضرت ابو اسیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن (میدان جنگ) میں جبکہ ہم قریش کے خلاف اور قریش مکہ ہمارے خلاف صف آراء ہو گئے تو ہمیں یہ حکم دیا کہ جب وہ دشمن یعنی قریش مکہ تمہارے اتنے قریب آجائیں کہ تمہارے تیر ان تک پہنچ سکیں تو ان پر تیر مارو ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ان دشمنوں پر اس وقت تیر چلاؤ جب وہ تمہارے قریب آجائیں اور اپنے تیروں کو باقی رکھو یعنی اپنے سب تیر ختم نہ کر ڈالو بلکہ ان کو احتیاط کے ساتھ استعمال کر کے کچھ باقی بھی رکھو تا کہ دشمن تمہارے نہتے ہونے کا فائدہ اٹھا کر تم پر غالب نہ آجائے۔ (بخاری)

توضیح

"اکثبوکم" یعنی جب کفار خوب قریب ہو جائیں پھر ان پر تیر برساؤ تا کہ ایک تیر بھی ضائع نہ جائے۔
"استبقوا" یعنی تیروں کو فضول ضائع نہ کرو بلکہ ضرورت کے موقع کے لئے بچا کر رکھو۔

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَبَّأَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَدْرٍ لَيْلًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں ہمیں رات کو تعبیہ کیا۔ (ترمذی)

توضیح

"عبانا" یہ تعبیہ سے ہے جو تیار کرنے اور بھرنے کے معنی میں ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے موقع میں رات کے وقت ہماری صف بندی فرمائی تھی اور یہ ہدایت فرمائی کہ جب تک دشمن قریب نہیں آتا اس سے پہلے تیر خراب نہ کرو، بلکہ جب دشمن قریب آجائے پھر تیر مارو۔

جنگی شعار اور کوڈ ورڈ

﴿۱۲﴾ وَعَنِ الْمُهَلَّبِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنْ بَيَّتَكُمُ الْعَدُوُّ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ

حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت مہلبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں ہم سے فرمایا کہ اگر دشمن تم پر شبخون مارے تو تمہاری (یعنی مسلمانوں کی) علامت حم لاینصرون کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"حم لاینصرون" یعنی اے حم نازل کرنے والے اللہ کفار کی مدد نہ کی جائے۔ فوجی اور جنگی اصطلاح میں ایسے مختصر الفاظ کو کوڈ ورڈ کہتے ہیں تا کہ اپنے ساتھیوں کی پہچان کے لئے میدان میں ایک علامت ہو۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ شِعَارُ الْمُهَاجِرِيْنَ عَبْدُاللّٰهِ وَشِعَارُ الْأَنْصَارِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ غزوات میں عموماً لفظ عبداللہ مہاجرین کی علامت تھی اور لفظ عبدالرحمن انصار کی علامت تھی۔ (ابوداؤد)

﴿۱۴﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ أَبِيْ بَكْرٍ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيَّتْنَاهُمْ نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ أَمِتْ أَمِتْ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ (یعنی ان کی سربراہی میں) جہاد کیا چنانچہ ہم نے ان دشمنوں پر شبخون مارا اور ان کو قتل کیا اور اس رات میں ہماری شناختی علامت امت امت کے الفاظ تھے (ان الفاظ کے معنی ہیں اے اللہ دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دے) (ابوداؤد)

"امت امت" یعنی اے اللہ اس دشمن کو ہلاک کردے ہلاک کردے۔

جنگ کے وقت شور وشغب منع ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عُبَادٍ قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُوْنَ الصَّوْتَ عِنْدَ الْقِتَالِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت قیس ابن عبادؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میدان جنگ میں لڑائی کے وقت اللہ کا نام لینے کے علاوہ آواز کے شور وشغب کو ناپسند کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۶﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ وَاسْتَحْيُوْا شَرْخَهُمْ أَيْ صِبْيَانَهُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مشرکین (یعنی دشمنوں) کے بڑی عمر والے لوگوں کو قتل کرو اور چھوٹی عمر والوں یعنی ان دشمنوں کے بچوں کو زندہ رہنے دو (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"شیوخ المشرکین" "شیوخ کا مفرد شیخ ہے یہاں شیخ سے مراد بوڑھا نہیں بلکہ بچوں کے مقابلہ میں مرد اور رجال مراد ہیں۔

"شرخ" چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں "ای صبیانھم" یہ کسی راوی کی طرف سے تفسیر ہے۔

دشمن کے شہر اور کھیتوں کو بوقت ضرورت جلا ڈالو

﴿۱۷﴾وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ حَدَّثَنِيُ أُسَامَةُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَهِدَ اِلَيْهِ قَالَ أَغِرْ عَلٰى أُبْنٰى صَبَاحاً وَحَرِّق. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ حضرت اسامہؓ نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ نے اسامہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا تو یہ ہدایت وتاکید کی کہ تم ابنا پر صبح کے وقت دھاوا بول دینا اور (دشمن کے گھر بار، کھیت کھلیان اور درخت وباغات کو) جلا ڈالنا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"اُبنا" یہ شام میں ایک جگہ کا نام ہے یہاں آنحضرت نے تاخت وتاراج کا حکم دیا" اغر "یعنی کفار پر غارت اور تباہی ڈالدو۔

جب کفار قابو میں آجائیں تو مارو

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَبِىْ أُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ اِذَا أَكْثَبُوْكُمْ فَارْمُوْهُمْ وَلَاتَسُلُّوا السُّيُوْفَ حَتّٰى يَغْشَوْكُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابواسیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن (مجاہدین اسلام سے) فرمایا کہ میدان جنگ میں جب کفار یعنی دشمن تمہارے بالکل قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور تلوار اس وقت تک نیام سے نہ کھینچنا جب تک کہ وہ تمہارے بالکل قریب نہ پہنچ جائیں۔ (ابوداؤد)

عورت اور غلام کو نہ مارو

﴿۱۹﴾وَعَنْ رَبَاحِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِيْنَ عَلٰى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلٰى مَا اجْتَمَعَ هٰؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيْلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هٰذِهِ لِتُقَاتِلَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَاتَقْتُلِ امْرَأَةً وَلَا عَسِيْفًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت رباح ابن ربیعؓ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میدان جنگ میں تھے آپؐ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ کسی چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں چنانچہ آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا اور فرمایا کہ وہاں جاکر دیکھو لوگ کس چیز کے پاس جمع ہو رہے ہیں اس شخص نے واپس آکر عرض کیا کہ ایک عورت کو قتل کر دیا گیا ہے لوگ اس کی نعش کے پاس جمع ہیں آپ نے فرمایا وہ عورت تو نہیں لڑ رہی تھی پھر اس کو کیوں قتل کر دیا گیا؟ لشکر کی اگلی صفوں کی کمان حضرت خالد بن ولیدؓ کے سپرد تھی آپ نے پھر اس شخص کو ان کے پاس بھیجا کہ وہ جاکر خالدؓ سے یہ کہدے کہ کسی عورت اور مزدور کو قتل نہ کرو۔ (ابوداؤد)

''عسیفا'' عسیف خادم اور غلام کو کہتے ہیں یعنی غلام اور عورت کو جہاد میں قتل نہ کرو۔

مجاہدین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں

﴿۲۰﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ انْطَلِقُوْا بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَاتَقْتُلُوْا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا صَغِيْرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَاتَغُلُّوْا وَضُمُّوْا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوْا وَأَحْسِنُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو جہاد کے لئے روانہ کرتے وقت یہ ہدایات دیں کہ جاؤ اللہ کا نام لے کر اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے دین پر یہاں سے کوچ کرو! (یاد رکھو) شیخ فانی (یعنی بڈھے کھوسٹ) کی جان نہ مارنا، نہ چھوٹے لڑکے اور عورت کو قتل کرنا، مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، مال غنیمت کو جمع کرنا، آپس میں صلح صفائی رکھنا (اصلحوا کے ایک معنی تو یہی ہیں کہ تم مجاہدین اپنے آپس کے تنازعات کو ختم کر کے ایک دوسرے کے ساتھ میل ملاپ سے رہنا یا یہ معنی ہیں کہ اگر تم مصلحت دیکھو تو دشمن سے صلح کر لینا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم اپنے دینی اور دنیاوی معاملات کو ٹھیک ٹھاک رکھنا) اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نیکی و بھلائی کرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی اور بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (ابوداؤد)

بدر کے میدان میں تین کا تین سے مقابلہ

﴿۲۱﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ تَقَدَّمَ عُتْبَةُ ابْنُ رَبِيعَةَ وَتَبِعَهُ ابْنُهُ وَأَخُوْهُ فَنَادٰى مَنْ يُبَارِزُ فَانْتَدَبَ لَهُ شَبَابٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ مَنْ أَنْتُمْ فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْكُمْ إِنَّمَا أَرَدْنَا بَنِي عَمِّنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْ يَا حَمْزَةُ قُمْ يَا عَلِيُّ قُمْ يَا عُبَيْدَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَأَقْبَلَ حَمْزَةُ إِلٰى عُتْبَةَ وَأَقْبَلْتُ إِلٰى شَيْبَةَ وَاخْتَلَفَ بَيْنَ عُبَيْدَةَ وَالْوَلِيْدِ ضَرْبَتَانِ فَأَثْخَنَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ ثُمَّ مِلْنَا عَلَى الْوَلِيْدِ فَقَتَلْنَاهُ وَاحْتَمَلْنَا عُبَيْدَةَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ جب معرکہ بدر کا دن آیا اور میدان جنگ میں مجاہدین اسلام اور کفار مکہ ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے تو کفار مکہ میں سے عتبہ ابن ربیعہ لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر آگے بڑھا اس کے پیچھے اس کا بیٹا یعنی ولید ابن عتبہ اور اس کا بھائی یعنی شیبہ ابن ربیعہ بھی آیا عتبہ نے پکار کر کہا کون ہے جو ہمارے مقابلہ پر لڑنے کے لئے میدان میں آئے؟ مجاہدین اسلام کی جانب سے اس کا جواب انصار کے کئی جوانوں نے دیا یعنی وہ عتبہ اور اس کے ساتھیوں سے لڑنے کے لئے صف میں سے نکل کر میدان میں آئے عتبہ نے ان کو دیکھا تو پوچھا کہ تم کون ہو؟ ان جوانوں نے عتبہ کو بتایا کہ ہم مدینہ کے انصار ہیں عتبہ نے کہا کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے یعنی ہم تمہارے ساتھ لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتے بلکہ ہم تو اپنے چچا کے بیٹوں یعنی مکہ سے ہجرت کر کے چلے جانے والے قریشی مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا حمزہ تم کھڑے ہو جاؤ۔ علی تم کھڑے ہو جاؤ، عبیدہ ابن حارث تم کھڑے ہو جاؤ اور آگے بڑھ کر ان نشہ طاقت کے سرمستوں کا سر اور غرور و تکبر کو کچل دو چنانچہ حمزہؓ عتبہ کے مقابلہ پر گئے اور اس کو مار ڈالا میں یعنی علیؓ شیبہ کے مقابلہ پر گیا اور اس کو مار ڈالا عبیدہؓ اور ولید کے درمیان دو سخت وار ہوئے اور ان میں سے ایک نے اپنے مقابل کو زخمی اور نڈھال کر دیا پھر ہم نے ولید پر حملہ کیا اور اس کو مار ڈالا اور عبیدہؓ کو جو ولید کے وار سے سخت زخمی ہو گئے تھے معرکہ کے میدان سے اٹھا لائے۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

بدر میں پہلا حملہ کفار نے کیا عتبہ اور شیبہ دو بھائی اور عتبہ کا بیٹا ولید تینوں مقابلے پر آئے اور مقابل کے خواہاں ہوئے گلشن نبوی سے تین جوان مقابلے پر آئے جن کا تعلق انصار سے تھا کفار نے ان کو مقابلہ میں قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے جوانوں میں سے کسی کو طلب کیا تاکہ بہادری کا خوب جوہر دکھائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ، حضرت علی، اور عبیدہ بن حارث کو مقابلہ پر روانہ فرمایا دو بدو لڑائی تھی حمزہ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا تو اس کو جہنم رسید کیا حضرت علی نے بھی اپنے مقابل شیبہ

کو مہلت نہ دی، لیکن حضرت عبید بن حارث اور ولید کا مقابلہ کچھ دیر تک رہا اور ہر ایک نے دوسرے کو زخمی کیا پھر حضرت حمزہ وعلی پلٹے اور ولید کا کام تمام کیا حضرت عبید زخموں کی تاب نہ لا کر راستے میں شہید ہو گئے۔

جنگ موتہ کا واقعہ

﴿۲۲﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَحَاصَ النَّاسُ حَيْصَةً فَأَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَاخْتَفَيْنَا بِهَا وَقُلْنَا هَلَكْنَا ثُمَّ أَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ قَالَ بَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ وَأَنَا فِئَتُكُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ نَحْوَهُ وَقَالَ لَابَلْ أَنْتُمُ الْعَكَّارُوْنَ قَالَ فَدَنَوْنَا فَقَبَّلْنَا يَدَهُ فَقَالَ أَنَا فِئَةُ الْمُسْلِمِيْنَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ كَانَ يَسْتَفْتِحُ وَحَدِيْثَ أَبِي الدَّرْدَاءِ ابْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فِيْ بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی جگہ جہاد کرنے کے لئے ہمارا ایک لشکر بھیجا وہاں پہنچ کر ہمارے لشکر کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے چنانچہ ہم مدینہ واپس آئے تو مارے شرم وندامت کے اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے اور ہم نے آپس میں اپنے دل میں کہا کہ دشمنوں کے مقابلہ سے بھاگ کر ہم نے جو گناہ کیا ہے اس کی وجہ سے گویا ہم تو ہلاک ہو گئے۔ پھر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو میدان چھوڑ کر بھاگ آنے والے لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو اور میں تمہاری جماعت ہوں۔ (ترمذی)

اور ابوداؤد نے ایسی روایت نقل کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "نہیں" بلکہ تم دوبارہ حملہ کرنے والے لوگ ہو، حضرت عمرؓ کہتے ہیں (جب ہم نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی جواب طلب کرنے یا کوئی سرزنش کرنے کے بجائے اس شفقت آمیز انداز میں ہماری ہمت بڑھائی ہے تو فرط عقیدت ومحبت سے) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے اور آپ کے دست مبارک کا بوسہ لیا۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا میں مسلمانوں کی جماعت ہوں۔

توضیح

اس حدیث میں جنگ موتہ کی طرف اشارہ ہے اس سے پہلے اس واقعہ کی طرف میں نے اجمالی اشارہ کیا ہے "فحاص الناس حیصة" دشمن کے مقابلے سے بھاگنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اگرچہ اس کا معنی حملہ کرنا بھی آتا ہے "فاختفینا" یعنی مدینہ میں اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ جا سکے۔

''الفرارون'' فرار مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ہم تو بہت زیادہ بھاگنے والے ہیں۔

''الکرارون'' کرار بھی مبالغہ کا صیغہ ہے دشمن پر بار بار حملہ کرنے کے معنی میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بھاگنے والے نہیں ہو بلکہ بار بار جنگ کی طرف لوٹنے والے اور حملہ کرنے والے ہو''وانا فئتکم'' دشمن سے بھاگنے کی ایک صورت جائز ہے وہ اس طرح ہے کہ آدمی اپنے مرکزی لشکر کی طرف بھاگ جائے تاکہ مضبوط ہو کر پھر حملہ کر سکے، جس کیمپ اور مرکزی لشکر کی طرف آدمی جاتا ہے وہ کیمپ اس کے لئے فئۃ ہے''انا فئتکم'' کا مطلب یہی ہے کہ تم دشمن سے بھاگے نہیں ہو بلکہ اپنے مرکز کے پاس آئے ہو، صحابہ نے خیال کیا کہ ہم بھاگ آئے ہیں حقیقت ایسی نہیں تھی بلکہ حضرت خالد بن ولید نے انتہائی ہوشیاری سے صحابہ کو تنگ مقام سے پیچھے لایا اور پھر کھلے میدان میں لڑے تو دشمن بھاگ گئے صحابہ واپس آگئے حضرت خالد نے فوج کو جو حکمت عملی کے تحت پیچھے کیا تھا اسی کو صحابہ نے بھاگنا خیال کیا۔

الفصل الثالث

غزوۂ طائف میں منجنیق کا استعمال

﴿۴۳﴾ عَنْ ثَوْبَانَ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلٰى أَهْلِ الطَّائِفِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا.

اور حضرت ثوبانؓ ابن یزید سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے مقابلہ پر منجنیق نصب کی اس روایت کو ترمذی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح

''منجنیق'' یہ اصل میں فارسی لفظ ہے یعنی''من چہ نیک''میں کتنا اچھا ہوں یہ ایک جنگی آلہ ہوتا تھا جو ہاتھ سے استعمال ہوتا تھا اور آج کل کی راکٹوں کا کام کرتا تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک بڑا پتھر اس آلہ میں رکھ کر کھینچ لیا جاتا اور پھر چھوڑا جاتا تھا وہ پتھر زور سے جا کر قلعہ پر لگتا تھا جس سے دیوار ٹوٹ جاتی تھی پھر صحابہ اندر داخل ہوتے تھے طائف کا قلعہ چونکہ بہت مضبوط تھا اس میں مالک بن عوف کفار کی کمان کر رہا تھا ۲۵ دن تک قلعہ فتح نہیں ہوا اس لئے اس پر منجنیق استعمال کرنا پڑا اسلام میں یہ پہلا موقع ہے کہ صحابہ نے منجنیق استعمال کیا اس جنگ کے دوران حضرت طفیل بن عمرو کو منجنیق اور ٹینک مل گئے تھے''یا جرش'' مقام سے دو صحابی ٹینک لائے تھے اور یہاں استعمال بھی ہوئے تھے نیز آنحضرت نے قلعہ کے اردگرد حسک کانٹے بچھائے تھے تاکہ اندر سے کوئی بھاگ کر نہ جائے اس سے مائن بچھانے کی تعلیم مسلمانوں کو حاصل ہوگئی مگر مسلمان اسلحہ

سے غافل ہو گئے کفار نے اسلحہ لے لیا تو مسلمان غلام بن کر رہ گئے جنگ حنین پر میری ایک کتاب ہے اس کو دیکھنا چاہیے۔
طائف آج بھی حجاز کا بڑا شہر ہے مکہ سے ۳۶ یا ۴۵ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو ۹۰ کلومیٹر ہے آج کل جس جگہ کو مشناۃ کہتے ہیں اسی جگہ میں اصل طائف آباد تھا۔ اس وقت طائف میں دو باغ ہیں جہاں دو چھوٹی مسجدیں بنی ہیں ایک مسجد کا نام مسجد علی ہے اور دوسری کا نام مسجد الجعفی ہے ان دو مسجدوں کے درمیان ایک وادی ہے جس کا نام ''وج'' ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ اسی مقام سے آں حضرت نے طائف کا محاصرہ کیا تھا اور غالباً اسی جگہ آپ نے منجنیق نصب کیا تھا۔ آج کل طائف کی جامع مسجد جہاں بنی ہے اسی جگہ میں آنحضرت نے طائف میں قیام فرمایا تھا۔

مورخہ ۲۲ صفر ۱۴۱۸ھ

باب حکم الاسراء

قیدیوں کے احکامات کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿ماکان لنبی ان یکون له اسریٰ حتی یثخن فی الارض﴾

اسراء اسیر کی جمع ہے اسیر قیدی اور گرفتار شخص کو کہتے ہیں میدان جہاد میں جس طرح مقابلہ ہوتا ہے اور لوگ مارے جاتے ہیں وہیں پر لوگ گرفتار بھی ہوجاتے ہیں گرفتار دونوں طرف سے ہوتے ہیں مسلمانوں کے بھی اور کفار کے بھی ہوتے ہیں پھر ان قیدیوں کی رہائی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں کبھی تو قیدیوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور کبھی تاوان بھر کر چھڑایا جاتا ہے اور کبھی ویسے احسان کر کے چھوڑا جاتا ہے اور کبھی قتل بھی کیا جاتا ہے اسلام میں قیدیوں کے مکمل قوانین موجود ہیں لہٰذا ہمارا مقدس اسلام اقوام متحدہ یا جنیوا کنونشن کے قواعد کا محتاج نہیں ہے جن قواعد پر خود اس کے بنانے والے بھی عمل نہیں کرتے ہیں مندرجہ بالا تمام صورتوں پر مسلمان عمل کر سکتے ہیں اگرچہ کفار جلتے رہیں گے مذکورہ باب میں ان قیدیوں کا بیان ہے جو غیر مسلم ہوتے تھے اور مسلمانوں کے پاس تھے مسلمانوں نے انتہائی حسن سلوک کا مظاہرہ کیا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر ان کا اکرام کیا آنحضرت نے صحابہ کو حسن سلوک کا حکم دیا تھا آنحضرت کے زمانے میں کافروں کے علاوہ کوئی مسلمان قیدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھا اور نہ اس وقت باقاعدہ کوئی جیل تھی۔

الفصل الاول

کفار کی گردنوں میں زنجیر ڈال کر اسلام کی طرف لاؤ

﴿۱﴾ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ قَوْمٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ فِي السَّلَاسِلِ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُقَادُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ بِالسَّلَاسِلِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم پر تعجب کرتا ہے یعنی ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے جنت میں داخل ہوتے ہیں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے خوش ہوتا ہے جو زنجیروں میں باندھ کر جنت کی طرف لے جائے جاتے ہیں۔ (بخاری)

توضیح

''عجب الله'' اللہ تعجب کرتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ ''فی السلاسل'' سلسلۃ: زنجیر کے معنی میں

ہے یعنی زنجیروں میں پکڑا ہوا لایا گیا اس نے اسلام قبول کرلیا اور جنت کا مستحق بنا، یہ حدیث یہاں مفصل نہیں بلکہ مجمل ہے اس حدیث کی تفصیل ان احادیث میں ہے جن کو مفسرین نے آیت ﴿کنتم خیر امۃ اخرجت للناس﴾ کے تحت ذکر کیا ہے۔

(۱) قال ابن کثیر قال البخاری بسندہ عن ابی ہریرۃ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس قال خیر الناس للناس تأتون بھم فی السلاسل فی اعناقھم حتی یدخلوا فی الاسلام. (ابن کثیر ج ا ص ۳۹۱)

(۲) قال القرطبی قال ابوھریرۃ نحن خیر الناس للناس نسوقھم بالسلاسل الی الاسلام. (رواہ الترمذی)

ان احادیث سے اس آیت کی تفسیر معلوم ہوگئی تبلیغی حضرات اس کی تفسیر میں اس طرف اشارہ بھی نہیں کرتے ہیں بلکہ خود ساختہ تفسیر بیان کرتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جہاد بہت بڑا ذریعہ ہے جس سے لوگ اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں ابتدا میں کفار اسلام قبول کرنے سے خوش نہیں ہوتے آخر میں خوش ہوجاتے ہیں ﴿ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا﴾ جہاد سے دین کے راستے کھلتے ہیں بند نہیں ہوتے ہیں۔

جو لوگ جہاد کو دین کی اشاعت کے راستے میں رکاوٹ سمجھتے ہیں انہوں نے دین کو بالکل نہیں سمجھا ہے یا اپنے مزاج کا دین بنایا ہے۔

جاسوس کو قتل کرو

﴿۲﴾وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَهُوَ فِيْ سَفَرٍ فَجَلَسَ عِنْدَ أَصْحَابِهِ يَتَحَدَّثُ ثُمَّ انْفَتَلَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطْلُبُوْهُ وَاقْتُلُوْهُ فَقَتَلْتُهُ فَنَفَّلَنِيْ سَلَبَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مشرکین کا ایک جاسوس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ آپ سفر کے دوران تھے چنانچہ اس جاسوس نے (ٹوہ لینے کے لئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر باتیں کیں اور پھر چلا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا اس کو تلاش کرو اور قتل کر ڈالو۔ چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈ نکالا اور قتل کر ڈالا آنحضرت نے اس کا سامان واسباب مجھے مرحمت فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''فقتلتہ'' یہ شخص چونکہ جاسوس تھا اس لئے اس کا قتل کرنا ضروری تھا اسی طرح اس کافر کو بھی قتل کیا جاسکتا ہے جو حربی ہو اور امان لئے بغیر مسلمانوں کے علاقہ میں داخل ہوا ہو۔ ''فنفلنی'' یعنی بطور انعام مجھے اس کے جسم کا سامان دیدیا۔

﴿۳﴾وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوَازِنَ فَبَيْنَا نَحْنُ نَتَضَحّٰى مَعَ رَسُوْلِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ فَأَنَاخَهُ وَجَعَلَ يَنْظُرُ وَفِيْنَا ضَعْفَةٌ وَرِقَّةٌ مِنَ الظَّهْرِ وَبَعْضُنَا مُشَاةٌ إِذْ خَرَجَ يَشْتَدُّ فَأَتَى جَمَلَهُ فَأَثَارَهُ فَاشْتَدَّ بِهِ الْجَمَلُ فَخَرَجْتُ أَشْتَدُّ حَتَّى أَخَذْتُ بِخِطَامِ الْجَمَلِ فَأَنَخْتُهُ ثُمَّ اخْتَرَطْتُ سَيْفِيْ فَضَرَبْتُ رَأْسَ الرَّجُلِ ثُمَّ جِئْتُ بِالْجَمَلِ أَقُوْدُهُ عَلَيْهِ رَحْلُهُ وَسِلَاحُهُ فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ الرَّجُلَ قَالُوا ابْنُ الْأَكْوَعِ قَالَ لَهُ سَلَبُهُ أَجْمَعُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت سلمہؓ ابن اکوع کہتے ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبیلہ قیس کی ایک شاخ ہوازن کے خلاف جہاد میں شریک تھے ایک دن اس وقت جبکہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ دوپہر کا کھانا کھارہے تھے اچانک ایک شخص جو دشمن کا جاسوس تھا اور سرخ اونٹ پر سوار تھا آیا اس نے اونٹ کو بٹھا دیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا یعنی وہ ہماری حالت وکیفیت کی ٹوہ لینے لگا اس وقت ہم اپنی خستہ حالی اور پیادہ پائی کی وجہ سے بہت نڈھال ہورہے تھے ہمارے پاس سواریوں کی کمی تھی اور ہم میں سے بعض لوگ پیدل تھے چنانچہ جب اس شخص نے ہماری اس کمزوری کا اندازہ لگالیا کہ ہم سواریوں کی کمی اور اپنی خستہ حالی کی وجہ سے سخت پریشان اور نڈھال ہیں تو دشمن کو اس کی اطلاع دینے کے لئے وہ اچانک ہمارے درمیان سے دوڑتا ہوا نکلا اور اپنے اونٹ کے پاس پہنچ کر اس پر سوار ہونے کے بعد اس کو کھڑا کیا اور وہ اونٹ اس کو لیکر تیزی سے دوڑنے لگا میں نے جب یہ صورت حال دیکھی تو میں بھی اپنے لوگوں کے درمیان سے نکلا اور اس شخص کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ میں نے اس کو جالیا اور اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اس کو بٹھا دیا اور پھر اپنی تلوار سونت کر اس شخص کے سر پر بھرپور وار کیا جس سے اس کا کام تمام ہوگیا اس کے بعد اونٹ کو جس پر اس شخص کا سامان اور اس کے ہتھیار تھے کھینچتا ہوا لایا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ میرے سامنے آئے تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا اس شخص کو کس نے قتل کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ سلمہ ابن اکوع نے آپؐ نے فرمایا اس سارے سامان کے حقدار یہی (سلمہؓ) ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''ھوازن'' یہ ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے جو تیراندازی میں اپنی نظیر آپ تھا حنین اور اوطاس میں ھوازن کے ساتھ بڑا معرکہ ہوا عرفات اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام حنین ہے۔

''نتضحی'' یہ لفظ تضحیہ سے ہے اصل میں سفر کے دوران گھاس والی جگہ اترنے اور اونٹوں کو گھاس چرانے اور آرام دلانے کے لئے استعمال ہوتا تھا پھر زمی کے لئے استعمال ہوا پھر چاشت کی نماز کے لئے استعمال ہوا پھر چاشت کے وقت کھانے کے لئے استعمال ہوا یہاں یہی معنی مراد ہے ''رقة من الظهر'' یعنی سواریوں کی کمی کی وجہ سے ہم میں کمزوری تھی پیدل چل چل کر تھکے ہوئے تھے ''وبعضنا مشاة'' یہ جملہ رقة من الظهر کے لئے عطف بیان اور تفسیر ہے ''اخترطت سیفی''

تلوار سونتنے کو کہتے ہیں" اشتد" دوڑنے کے معنی میں ہے "خطام" مہار کو کہتے ہیں۔

بنو قریظہ میں حضرت سعد کا فیصلہ

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُو قُرَيْظَةَ عَلَى حُكْمِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلَى حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ فَجَاءَ فَجَلَسَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ نَزَلُوا عَلَى حُكْمِكَ قَالَ فَإِنِّي أَحْكُمُ أَنْ تُقْتَلَ الْمُقَاتِلَةُ وَأَنْ تُسْبَى الذُّرِّيَّةُ قَالَ لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ الْمَلِكِ وَفِي رِوَايَةٍ بِحُكْمِ اللّٰهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب مدینہ میں آباد بنو قریظہ کے یہود حضرت سعد ابن معاذؓ کو حکم تسلیم کرلینے پر اتر آئے یعنی وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ سعد ابن معاذؓ جو فیصلہ کریں گے ہم اس کو تسلیم کرلیں گے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بلانے کے لئے ایک آدمی بھیجا سعد ابن معاذؓ ایک گدھے پر سوار ہو کر آئے اور جب وہ قریب پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے کہا کہ تم لوگ اپنے سردار کی تعظیم یا ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ سعد ابن معاذؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر بیٹھ گئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ یعنی بنو قریظہ کے یہودی تمہیں حکم ماننے پر راضی ہو گئے ہیں۔ سعد ابن معاذؓ نے کہا کہ میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان یہودیوں میں سے جو لوگ لڑنے کی صلاحیت رکھنے والے ہیں ان کو قتل کردیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے آنحضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا تم نے ان کے بارے میں بادشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے یعنی تم نے ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ (بخاریؒ و مسلم)

توضیح

"قوموا الی سیدکم" حضرت سعد انصار کے سردار تھے جنگ خندق میں ان کو گہرا زخم لگا تھا انہوں نے یہود بنو قریظہ کی غداری پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہود سے اپنا دل ٹھنڈا نہ کروں ادھر جنگ خندق کے بعد فوراً مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کرلیا ۲۵ دن سے زیادہ محاصرہ رہا تب یہود اپنے قلعوں سے اترنے پر راضی ہو گئے مگر ان بدبختوں نے کہا ہمارا فیصلہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ کرے بلکہ سعد بن معاذ کرے حضرت سعد کے ان لوگوں سے پرانے مراسم بھی تھے اور یہ لوگ ایک دوسرے کے حلیف بھی تھے یہود کا خیال تھا کہ سعد ہمارے حق میں فیصلہ کردیگا۔

حضرت سعد چونکہ زخمی تھے اس لئے مسجد نبوی کے پاس سے گدھے پر سوار کرا کر لائے گئے جب محلہ بنو قریظہ میں پہنچ گئے

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قوموا الی سیدکم" چونکہ ان کی مدد کی ضرورت تھی اس لئے حضور نے فرمایا کہ اپنے سردار کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ ان کو گدھے سے اتارو لہذا اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے جس میں آیا ہے کہ "من سره ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوء مقعده من النار" کیونکہ یہاں مجبوری تھی شوقیہ کسی کے لئے دست بستہ کھڑا ہونا منع ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں صرف استقبال کے طور پر احترام واکرام کے لئے کھڑا ہونا تھا اس سے صرف استقبال ثابت ہوتا ہے۔ اعاجم کے ممنوع قیام سے اس کا کوئی تعلق نہیں جس کا ذکر من سرہ والی حدیث میں ہے۔

بہر حال حضرت سعد نے فیصلہ فرمادیا کہ قابل جنگ یہود کو قتل کیا جائے اور عورتوں بچوں کو غلام بنایا جائے یہی فیصلہ تورات کا بھی تھا آنحضرت نے فرمایا کہ سعد کا فیصلہ عرش والے بادشاہ کا فیصلہ ہے۔

سردار یمامہ ثمامہ کا عجیب قصہ

﴿۵﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِيْ حَنِيْفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ سَيِّدُ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَرَبَطُوْهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ يَامُحَمَّدُ خَيْرٌ إِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ فَقَالَ لَهُ مَاعِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ مَاقُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَتَرَكَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ لَهُ مَاعِنْدَكَ يَاثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِيْ مَاقُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ وَإِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَادَمٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْهُ مَاشِئْتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلِقُوْا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلٰى نَخْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَاكَانَ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَاكَانَ مِنْ دِيْنٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِيْنِكَ فَأَصْبَحَ دِيْنُكَ أَحَبَّ الدِّيْنِ كُلِّهِ إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَاكَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ كُلِّهَا إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِيْ وَأَنَا أُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ

مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ أَصَبَوْتَ فَقَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ أَسْلَمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰهِ لَا تَأْتِيْكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتّٰى يَأْذَنَ فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاخْتَصَرَهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ نے ایک لشکر کو جہاد کرنے کے لئے نجد کی طرف روانہ کیا لشکر کے لوگ قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ کر مدینہ لائے جس کا نام ثمامہ ابن اثال تھا اور جو شہر یمامہ کے لوگوں کا سردار تھا اس شخص کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا تا کہ وہ بھاگ نہ سکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہ کہو ثمامہ تمہارے پاس کہنے سننے کو کیا ہے؟ یعنی بتاؤ تمہارا کیا حال ہے یا میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کس طرح کا سلوک کروں گا؟ ثمامہ نے کہا کہ میرے پاس بھلائی ہی بھلائی ہے یا میرے پاس بہت مال ہے اگر آپ مجھ کو قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے جو قتل ہی کئے جانے کا مستحق ہے ان الفاظ کے ذریعہ گویا ثمامہ نے اپنی تقصیر کا اعتراف واقرار کیا یا اس کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ اگر آپ مجھے قتل کردیں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا کیونکہ میری قوم میرا خون معاف نہیں کرے گی بلکہ آپ سے بدلہ لے گی اس صورت میں اس نے گویا اپنی امارت اور اپنی ریاست ووجاہت کا دعویٰ کیا اور اگر آپ مجھے باعزت رہائی دے کر میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گذار وقدر دان ہے یعنی میں بھی اس اچھے سلوک کا آپ کو بدلہ دوں گا اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیئے جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا یہ باتیں سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو (اسکے حال پر) چھوڑ دیا جب دوسرا دن آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے پوچھا کہ کہو ثمامہ تمہارے پاس کہنے سننے کو کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گذار وقدر دان ہے اگر آپ قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیئے جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن بھی یہ سن کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا اور جب تیسرا دن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے پوچھا کہ کہو ثمامہ تمہارے پاس کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرے پاس وہی چیز ہے جو میں کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ اچھا سلوک کریں گے تو ایک ایسے شخص کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے جو شکر گذار وقدر دان ہے اگر قتل کریں گے تو ایک خون والے شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو مانگیئے جتنا مال چاہیں گے دیا جائے گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو رہا کر دیا جائے چنانچہ رہائی پانے کے بعد کچھ کہے سنے بغیر کھجوروں کے ان درختوں کے جھنڈ میں چلا گیا جو مسجد نبوی کے قریب تھے اور وہاں سے نہا دھو کر پھر مسجد نبوی میں آیا اور آنحضرت کے سامنے کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ یعنی میں سچے دل کے اعتراف واقرار کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ اللہ

کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور پھر کہنے لگا کہ اے محمد خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ نفرت انگیز کوئی چہرہ نہیں تھا (یعنی مجھے آپ کی ذات سے جتنی زیادہ نفرت تھی اتنی نفرت اور کسی ذات سے نہیں تھی) لیکن اب آپ کا چہرہ مبارک میرے نزدیک دنیا کے سارے چہروں سے زیادہ پیارا ہے خدا کی قسم میرے نزدیک آپ کے دین سے زیادہ نفرت انگیز کوئی دین نہیں تھا لیکن اب آپ کا دین میرے نزدیک سارے دینوں سے زیادہ پیارا ہے اور خدا کی قسم میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ نفرت انگیز کوئی شہر نہیں تھا لیکن اب میرے نزدیک آپ کا شہر دنیا کے سارے شہروں سے زیادہ پیارا ہے پھر اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے لشکر نے مجھے اس وقت گرفتار کیا تھا جبکہ میں عمرہ کرنے کے لئے مکہ جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو اب آپ مجھ کو کیا حکم دیتے ہیں آیا میں عمرہ کے لئے مکہ جاؤں یا نہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو اس کو بشارت دی کہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے تمہیں شرف و عظمت انسانیت حاصل ہوگئی ہے اور تمہارے پہلے سارے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اور پھر ان کو عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ثمامہ جب (عمرہ کرنے کیلئے) مکہ پہنچے تو کسی کہنے والے نے ان سے کہا کہ تم تو بے دین ہوگئے ہو، ثمامہ نے جواب دیا کہ نہیں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہے میں بے دین نہیں ہوا ہوں اور (یاد رکھو) خدا کی قسم اب ثمامہ سے تم کو گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں بھیجا جائیگا جب تک کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت نہ دیں۔ (مسلم) اس روایت کو بخاری نے بھی اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

توضیح

''خیلا'' شہسواروں کا ایک دستہ بغرض جہاد نجد کی طرف روانہ کر دیا گیا تھا انہوں نے ثمامہ کو گرفتار کیا جو قوم کا سردار تھا اس کو مسجد نبوی کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھا گیا ''ما عندک'' یعنی تیرا کیا خیال ہے کہ میں تیرے ساتھ کیا کروں گا؟ ''عندی خیر'' یعنی تیرے بارہ میں اچھا گمان ہے کیونکہ آپ ظلم نہیں کریں گے۔ ''ان تقتل تقتل ذادم'' یعنی اگر مجھے قتل کر دوگے تو میرا بدلہ لیا جائے گا میرا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ دوسرا مطلب یہ کہ میں نے خون کیا ہے مجرم ہوں آپ ایک مجرم کو قتل کر دوگے۔

''وان تنعم'' یعنی اگر احسان کیا اور مجھے معاف کر دیا تو ایک شریف زادے قدر دان شکر شناس اور شکر گذار شخص پر احسان ہوگا تین دن تک اسی طرح سوال و جواب چلتا رہا پھر تیسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احسان اس کو رہا کر دیا کیونکہ خلیفہ اور امیر کی صوابدید پر اس طرح رہا کرنا جائز ہے۔

''اصبوت'' کیا آپ صابی اور بددین ہوگئے؟ اس نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اب محمد عربی کی سفارش کے بغیر یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی اہل مکہ کے پاس نہیں آئے گا۔

احسان کا بدلہ احسان ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي أُسَارِى بَدْرٍ لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا کہ اگر مطعم ابن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان ناپاک قیدیوں کے حق میں سفارش کرتے تو میں ان قیدیوں کو مطعم کی سفارش پر رہا کر دیتا۔ (بخاری)

توضیح

حضرت جبیر اس حدیث کے راوی ہیں مگر جس وقت اس نے یہ حدیث سنی ہے اس وقت وہ مسلمان نہیں تھے بلکہ جنگ بدر میں دیگر کفار کے ساتھ گرفتار ہو گئے تھے حدیث تو حالت کفر میں سنی مگر بیان حالت اسلام میں کر رہا ہے ان کے والد کا نام مطعم بن عدی تھا وہ کفر کی حالت میں مر گئے تھے مطعم بن عدی وہ شخص ہے جس نے آنحضرت کو طائف سے واپسی پر پناہ دی تھی اور آپ کو مکہ مکرمہ میں اپنے ساتھ داخل کرایا تھا چونکہ اس نے بڑا احسان کیا تھا اس لئے حضور نے ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' کے طور پر فرمایا کہ آج اگر مطعم زندہ ہوتے اور بدر کے ان بدبودار مشرک قیدیوں کے بارہ میں مجھ سے سفارش کرتے تو ان کی خاطر میں سب کو رہا کر دیتا۔

حدیبیہ کے موقع پر ۸۰ مشرک گرفتار پھر رہا

﴿۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ ثَمَانِيْنَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ هَبَطُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جَبَلِ التَّنْعِيْمِ مُتَسَلِّحِيْنَ يُرِيْدُوْنَ غِرَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَأَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ، وَفِي رِوَايَةٍ فَأَعْتَقَهُمْ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ صلح حدیبیہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکہ کے اسی آدمی ہتھیاروں سے لیس ہو کر تنعیم کے پہاڑ سے اتر آئے جن کا ارادہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ پر اچانک حملہ کر کے ان کو نقصان پہنچائیں لیکن آنحضرتؐ نے لڑے بھڑے بغیر ان سب کو بے بس اور ذلیل کر کے گرفتار کر لیا اور پھر ان کو زندہ چھوڑ دیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ پھر ان کو رہا کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور وہ اللہ ایسا ہے جس نے نواح مکہ میں ان کفار کا ہاتھ تمہارے خلاف اور تمہارا ہاتھ ان کے خلاف بند رکھا۔ (مسلم)

''غرۃ النبی'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بے خبری میں حملہ کر کے شہید کرنا چاہتے تھے اللہ تعالی نے مسلمانوں کے ہاتھ میں پکڑ وا دیا۔

قلیب بدر میں صنادید قریش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

﴿۸﴾وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذَكَرَلَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ يَوْمَ بَدْرٍ بِأَرْبَعَةٍ وَعِشْرِيْنَ رَجُلًا مِنْ صَنَادِيْدِ قُرَيْشٍ فَقُذِفُوْا فِيْ طَوِيٍّ مِنْ أَطْوَاءِ بَدْرٍ خَبِيْثٍ مُخْبِثٍ وَكَانَ اِذَا ظَهَرَ عَلٰى قَوْمٍ أَقَامَ بِالْعَرْصَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَلَمَّا كَانَ بِبَدْرٍ الْيَوْمُ الثَّالِثُ أَمَرَ بِرَاحِلَتِهٖ فَشُدَّ عَلَيْهَا رَحْلُهَا ثُمَّ مَشٰى وَاتَّبَعَهٗ أَصْحَابُهٗ حَتّٰى قَامَ عَلٰى شَفَةِ الرَّكِيِّ فَجَعَلَ يُنَادِيْهِمْ بِأَسْمَائِهِمْ وَأَسْمَاءِ آبَائِهِمْ يَافُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ وَيَافُلَانُ بْنُ فُلَانٍ أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَاوَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ لَاأَرْوَاحَ لَهَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مَاأَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَايُجِيْبُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ قَالَ قَتَادَةُ أَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيْخًا وَتَصْغِيْرًا وَنِقْمَةً وَحَسْرَةً وَنَدَمًا

اور حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک نے حضرت ابوطلحہؓ کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن مکہ کے کفار قریش کے چوبیس مقتولین سرداروں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک ایسے کنوئیں میں ڈال دیا گیا جو ناپاک تھا اور ناپاک کرنے والا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی جب آپ جنگ میں کسی قوم پر غلبہ اور فتح پالیتے تھے تو اس میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے تھے چنانچہ اسی عادت کے مطابق آپ جنگ جیت لینے کے بعد بدر کے میدان جنگ میں بھی تین راتیں قیام فرمارہے تھے اور جب تین دن گذر گئے تو آپ نے اپنی سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم دیا چنانچہ کجاوہ باندھ دیا گیا اور آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور آپ کے صحابہ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے جب اس کنوئیں پر پہنچے جس میں سرداران قریش کی نعشیں ڈالی گئی تھیں تو آپ اس کنوئیں سے کنارے کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا اب تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بلاشبہ ہمیں تو وہ چیز حاصل ہو گئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے عذاب کا مطلب یہ کہ ہم کو تو خدا کے وعدے کے مطابق فتح و کامیابی حاصل ہو گئی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے پروردگار

نے تمہیں ڈرایا تھا؟ گویا آنحضرت کا یہ سوال از راہ توبیخ تھا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ایسے جسموں کو مخاطب کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے ان جسموں سے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں ہو اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو اور یہ جواب نہیں دے سکتے۔ (بخاری ومسلم) بخاری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے وقت زندہ کر دیا تھا تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لیں جس سے ان کو سرزنش ہو اور وہ ذلت وخواری، عذاب اور افسوس وپشیمانی کو محسوس کریں۔

توضیح

''صنادید'' صندید کی جمع ہے اشراف وسردار کے معنی میں ہے۔ ''طوی'' جس کنوئیں کے اردگرد خوب مضبوط پتھروں کی منڈیر ہو اس کو طوی کہتے ہیں شاعر نے کہا ہے۔

فان الماء ماء ابی وجدی و بیری ذو حفرت و ذو طویت

''طوی'' آباد کنواں ہوتا ہے اور قلیب اس کنوئیں کو کہتے ہیں جو ویران اور خراب ہو، راویوں نے زیادہ خیال نہیں کیا تو طوی کا لفظ بھی بعض راویوں نے ذکر کیا اور بعض نے قلیب کا لفظ استعمال کیا تھوڑا سا فرق ہے کسی نے خیال نہیں کیا، بدر کا کنواں ویران اور خراب تھا۔

''خبیث مخبث'' یعنی خود بھی گندہ تھا اور جو صنادید قریش اس میں ڈالے گئے وہ بھی خبیث ہو گئے یعنی خود بھی فاسد دوسرے کو بھی فاسد کرنے والا تھا۔

''فجعل ینادیھم'' تبکیت وتذلیل وتوہین وتحقیر وتحسیر کی غرض سے آنحضرت نے سرداران قریش سے یہ گفتگو فرمائی ہے حضرت حسان نے اپنے اشعار میں اس پس منظر کو یوں بیان کیا ہے۔

فغادرنا اباجهل صريعا وعتبة قد تركنا بالجبوب

وشيبة قد تركنا في رجال ذوی حسب اذا نسبوا النسيب

يناديهم رسول الله لما قذفناهم كباكب في القليب

الم تجدوا كلامي كان حقا وامر الله ياخذ بالقلوب

فما نطقوا ولو نطقوا القالوا اصبت وكنت ذارأی مصيب

ترجمہ: ہم نے ابوجہل کو منہ کے بل گرا کر چھوڑا اور عتبہ کو بھی ہم نے سنگ لاخ زمین پر چھوڑا۔
اور شیبہ کو ہم نے ایسے لوگوں کے ساتھ قتل کر کے چھوڑا جو بڑے نسب حسب والے تھے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو اس وقت آواز دے رہے تھے جبکہ ہم نے انکو گندے کنوئیں میں اوپر نیچے ڈال کر چھوڑا تھا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے میری بات کو سچا نہیں پایا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم دلوں میں اترتا ہے۔
کفار قریش نے بات نہیں کی اگر وہ جواب دیتے تو یہ کہتے کہ آپ نے سچ کہا تھا اور آپ کی رائے درست تھی۔

اس حدیث کے تحت سماع موتی کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے مگر میں نے توضیحات جلد اول ص ۳۵۴ پر یہ مسئلہ لکھا ہے خوب تفصیل ہے۔

جنگ حنین کے چھ ہزار قیدی

﴿۹﴾ وَعَنْ مَرْوَانَ وَالْمِسْوَرِبْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ حِيْنَ جَاءَهُ وَفْدُ هَوَازِنَ مُسْلِمِيْنَ فَسَأَلُوْهُ اَنْ يَرُدَّ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَسَبْيَهُمْ فَقَالَ فَاخْتَارُوْا اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ اِمَّا السَّبْيَ وَاِمَّا الْمَالَ قَالُوْا فَاِنَّا نَخْتَارُ سَبْيَنَا فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اِخْوَانَكُمْ قَدْجَاؤُا تَائِبِيْنَ وَاِنِّيْ قَدْرَأَيْتُ اَنْ اَرُدَّاِلَيْهِمْ سَبْيَهُمْ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يُطَيِّبَ ذٰلِكَ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَكُوْنَ عَلٰى حَظِّهٖ حَتّٰى نُعْطِيَهُ اِيَّاهُ مِنْ اَوَّلِ مَايُفِيْئُ اللّٰهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ فَقَالَ النَّاسُ قَدْ طَيَّبْنَا ذٰلِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّالَانَدْرِيْ مَنْ اَذِنَ مِنْكُمْ مِمَّنْ لَمْ يَأْذَنْ فَارْجِعُوْا حَتّٰى يَرْفَعَ اِلَيْنَا عُرَفَاؤُكُمْ اَمْرَكُمْ فَرَجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرَفَاؤُهُمْ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّهُمْ قَدْ طَيَّبُوْا وَاَذِنُوْا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت مروانؓ اور حضرت مسور ابن مخرمہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد کرنے کے لئے کھڑے ہوئے جب قبیلہ ہوازن کے لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ ان کا مال اور ان کے قیدی واپس کر دیئے جائیں آپ نے ان سے فرمایا کہ دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر لو یعنی یا تو قیدیوں کو رہا کرا لے جاؤ یا مال واپس لے لو؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے قیدیوں کو رہا کرانا پسند کرتے ہیں تب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے سامنے یہ خطبہ ارشاد فرمایا پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے اور پھر فرمایا کہ بعد ازاں! یہ قبیلہ ہوازن کے لوگ جو تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں اپنے کفر وشرک سے توبہ کر کے اور مسلمان ہو کر تمہارے پاس آئے ہیں میں نے اس چیز کو مناسب سمجھا ہے کہ ان کو ان کے قیدی واپس کر دوں لہٰذا تم میں سے جو شخص خوشی کے ساتھ قیدیوں کو واپس کرنا چاہے تو وہ ایسا ہی کرے (یعنی اسکے پاس جو قیدی

ہے اس کو واپس کر دے) اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا چاہتا ہے تا وقتیکہ ہم ان کو اس کا عوض اس پہلے آنے والے مال میں سے دے دیں جو اللہ تعالیٰ ہمیں غنیمت کے طور پر عطا کرے تو وہ ایسا ہی کرے لوگوں نے (یعنی بعض صحابہؓ یا بلا امتیاز تمام صحابہؓ نے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اس پر یعنی قیدیوں کو واپس کر دینے پر خوشی کے ساتھ آمادہ ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں اس مجمع میں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ تم میں سے کون شخص راضی ہے اور کون شخص راضی نہیں ہے اس کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا لہٰذا تم سب لوگ اپنے اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اپنے خاندان وقبیلہ کے سرداروں سے اس بارے میں مشورہ کرلو تا آں کہ تمہارے وہ سردار تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے تمہارا فیصلہ پیش کریں چنانچہ سب لوگ لوٹ کر چلے گئے اور جب ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کر لی تو وہ لوگ آنحضرت کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو بتایا کہ وہ قیدیوں کو واپس کر دینے پر راضی ہیں اور انھوں نے اس امر کی اجازت دے دی ہے۔ (بخاری)

توضیح

"اموالھم وسبیھم" جنگ حنین میں چھ ہزار انسان گرفتار ہوئے تھے جن میں بچے بھی تھے عورتیں بھی تھیں اور بوڑھے بھی تھے جوان بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم غنائم میں کافی تاخیر کی تا کہ ھوازن کے لوگ مذاکرات کے لئے آجائیں وہ لوگ کافی تاخیر سے آگئے لیکن ایسے قصائد پڑھے کہ لوگوں کو رلا دیا آنحضرت نے فرمایا کہ اب اموال غنائم تقسیم ہو چکے ہیں اب تم دو باتوں میں ایک پسند کر لو یا مال واپس لے لو یا مال چھوڑ کر اپنے قیدی واپس کرلو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے انسانوں کو واپس کرنا چاہتے ہیں آنحضرت نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ ھوازن کے لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں اب ان کے قیدیوں کو جو بخوشی واپس کرنا چاہے واپس کر دے اور جو واپس نہیں کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی قیدی واپس کر دے مگر وہ اپنے قیدی کے بدلے آئندہ ہم سے غلام لے لے صحابہ نے فرمایا کہ ہم واپس کرنے پر راضی ہیں آنحضرت نے فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کون خوش ہیں کون خوش نہیں تم اپنے قبیلے کے سرداروں سے بات کرلو سرداروں نے بھی خوشی کا اظہار کیا تب سارے قیدی واپس کر دئے گئے اور اموال تقسیم ہو گئے جن میں چالیس ہزار بکریاں تھیں چوبیس ہزار اونٹ تھے اور چار ہزار اوقیہ ہاتھ لگے تھے۔

قیدیوں کا تبادلہ جائز ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفٌ حَلِيفاً لِبَنِيْ عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفٌ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ عُقَيْلٍ فَأَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ

يَا مُحَمَّدُ فِيمَ أُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيفٍ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَامُحَمَّدُ يَامُحَمَّدُ فَرَحِمَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَاشَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْقُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ قَالَ فَفَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالرَّجُلَيْنِ الَّذَيْنِ أَسَرَتْهُمَا ثَقِيفٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت عمرانؓ بن حصین کہتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف، بنوعقیل کا حلیف تھا چنانچہ جب قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کرلیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے بنوعقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کرلیا اور اس کو مضبوطی سے باندھ کر حرہ میں ڈال دیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گذرے تو اس قیدی نے پکارا، اے محمد! اے محمد! مجھے کس جرم میں گرفتار کرلیا گیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اپنے حلیف قبیلہ ثقیف کے لوگوں کے جرم میں یعنی قبیلہ ثقیف کے لوگوں نے ہمارے دو مسلمانوں کو پکڑ لیا ہے ان کے بدلے میں تمہیں پکڑ لیا گیا ہے یہ کہہ کر آپ نے اس کو اس کے حال پر اسی جگہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھ گئے اس نے آنحضرت کو پھر پکارا، اے محمد! اے محمد! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آ گیا اور اس کے پاس واپس آئے اور فرمایا کہ تم کس حال میں ہو؟ اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں آپؐ نے فرمایا کاش! تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم خود اپنے اختیار کے مالک تھے (یعنی جب کہ تم قید ہونے سے پہلے اپنے اوپر اختیار رکھتے تھے اور تم پر کوئی دباؤ نہیں تھا اگر اس وقت بطریق رغبت کے یہ کہتے کہ میں مسلمان ہوں) تو تم نجات پا جاتے کامل نجات یعنی دنیا میں تو یہ نجات ملتی کہ قید نہ ہوتے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا پاتے راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ان دونوں آدمیوں کے بدلے میں جن کو ثقیف نے گرفتار کیا تھا چھوڑ دیا۔ (مسلم)

توضیح

''بجریرۃ حلفائکم'' معاہدہ معاقدہ اور محالفہ میں یہ ہوتا تھا کہ ایک دوسرے کے برے بھلے میں دونوں برابر کے شریک ہوتے تھے بنوثقیف اور بنوعقیل ایک دوسرے کے معاہد تھے بنوثقیف نے صحابہ میں سے دو آدمیوں کو قید کر رکھا تھا صحابہ کرام نے بنوعقیل کے ایک آدمی کو پکڑ لیا اور باندھ کر گرم ریت پر ڈالدیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر گذر ہوا تو اس نے آواز دی کہ مجھے کس جرم میں گرفتار کرلیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ تمہارے معاہد بنوثقیف کے جرم میں تم کو پکڑا ہے کہ انہوں نے ہمارے دو آدمیوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ دوسرے دن اس شخص نے پھر آواز دی کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے اسلام لاتے تو ایک بات تھی اب تو تم بطور نفاق بھی کہہ سکتے ہو کہ میں مسلمان ہوں تا کہ تم کو آزادی ملے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو صحابہ کے بدلے اس شخص کو رہا کردیا،

اس حدیث سے قیدیوں کے تبادلے کی تعلیم مل گئی۔

الفصل الثانی

بدر کے قیدیوں میں آنحضرت کا داماد تھا

﴿۱۱﴾عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَعَثَ أَهْلُ مَكَّةَ فِيْ فِدَاءِ أُسَرَائِهِمْ بَعَثَتْ زَيْنَبُ فِيْ فِدَاءِ أَبِي الْعَاصِ بِمَالٍ وَبَعَثَتْ فِيْهِ بِقِلَادَةٍ لَهَا كَانَتْ عِنْدَ خَدِيْجَةَ أَدْخَلَتْهَا بِهَا عَلَى أَبِي الْعَاصِ فَلَمَّا رَآهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَقَّ لَهَا رِقَّةً شَدِيْدَةً وَقَالَ إِنْ رَأَيْتُمْ أَنْ تُطْلِقُوْا لَهَا أَسِيْرَهَا وَتَرُدُّوْا عَلَيْهَا الَّذِيْ لَهَا فَقَالُوْا نَعَمْ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ عَلَيْهِ أَنْ يُخَلِّيَ سَبِيْلَ زَيْنَبَ إِلَيْهِ وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ وَرَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ كُوْنَا بِبَطْنِ يَاجِجَ حَتّٰى تَمُرَّ بِكُمَا زَيْنَبُ فَتَصْحَبَاهَا حَتّٰى تَأْتِيَا بِهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو کفار مکہ پر غلبہ اور فتح عطا فرمائی اور ان میں سے کچھ تو قتل کردیئے گئے اور کچھ قیدی بنا کر مدینہ لائے گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی رہائی کے بدلے میں مال طلب کیا تو اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی رہائی کا معاوضہ روانہ کیا آنحضرت کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص کی رہائی کے بدلے میں کچھ مال بھیجا جس میں ان کا وہ ہار بھی تھا جو پہلے حضرت خدیجہؓ کے پاس تھا اور اس کو انہوں نے ابوالعاص کے ساتھ زینبؓ کے نکاح کے وقت ان کو جہیز میں دیا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار دیکھا تو زینبؓ کے لئے آپ پر سخت رقت طاری ہوگئی۔ یعنی اس وقت اپنی بیٹی حضرت زینبؓ کی غربت وتنہائی کا احساس کر کے اور حضرت خدیجہؓ کی رفاقت کی یاد تازہ ہو جانے کی وجہ سے جن کے گلے میں وہ ہار رہتا تھا آپ کا دل امنڈ آیا اور آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کی خاطر اس کے قیدی ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دو اور زینبؓ کو اس کی وہ سب چیزیں جو اس نے ابوالعاص کی رہائی کے لئے بھیجی ہیں واپس کردو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بہتر ہے ہم زینبؓ کا مال واپس کر کے ابوالعاص کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ابوالعاص کو رہا کر دیا گیا۔ اور رہائی کے وقت آنحضرتؐ نے ابوالعاص سے یہ عہد اور وعدہ لیا کہ وہ آپ کے پاس زینبؓ کے آنے کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالیں۔ یعنی آپ نے ابوالعاص کو رہا کرتے وقت ان سے کہا یہ پختہ وعدہ کرو کہ مکہ پہنچ کر زینبؓ کو میرے پاس مدینہ آنے دو گے اور اس کا راستہ نہیں روکو گے۔ اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن حارثؓ اور انصار میں سے ایک شخص کو مکہ روانہ کیا اور ان سے کہا کہ تم لوگ بطن یاجج میں ٹھہر جانا جب زینبؓ مکہ سے روانہ ہو کر وہاں تمہارے پاس آجائے تو تم اس کے ساتھ ہو جانا اور مدینہ لے آنا۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

''فـداء ابـی العاص '' ابوالعاص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے ان کے نکاح میں حضرت زینبؓ تھیں۔حضرت ابوالعاص ایک دفعہ بدر کی جنگ میں قید ہوگئے تھے جب فدیہ کے ذریعہ سے قیدیوں کی رہائی کا عمل شروع ہوگیا تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لئے وہ ہار بھیجا جو ہار بوقت رخصتی حضرت خدیجہ نے ان کو دیا تھا آنحضرت نے جب یہ ہار دیکھا تو پرانا دور یاد آگیا آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر میری بیٹی کے ہار کو بھی واپس کرلو اور قیدی بھی چھوڑ دو تو اچھا ہوگا صحابہ نے اس کو پسند فرمایا آنحضرت نے ابوالعاص سے یہ شرط لگائی کہ میری بیٹی کو مدینہ روانہ کردو چنانچہ ابوالعاص نے وفاداری کی اور بطن یاجج مقام پر حضرت زینب کو دو صحابہ کے حوالہ کردیا اور صحابہ اس کو مدینہ لے گئے ان میں سے ایک حضور کا منہ بولا بیٹا زید بن حارثہ تھا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دین ایک مضبوط نظام ہے اور اس کی آبیاری کے لئے بڑی قربانیاں دیدی گئی ہیں۔

قیدی کو قتل کرنا بھی جائز ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَسَرَ أَهْلَ بَدْرٍ قَتَلَ عُقْبَةَ بْنَ أَبِيْ مُعَيْطٍ وَالنَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَمَنَّ عَلٰى أَبِيْ عَزَّةَ الْجُمَحِيِّ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جنگ میں مجاہدین اسلام کے خلاف لڑنے والوں میں سے جن کفار کو قید کیا تھا ان میں سے عقبہ ابن ابومعیط اور نضر ابن حارث کو قتل کرادیا اور ابوعزۃ کو بلا معاوضہ رہا کر کے ممنون کیا۔(شرح السنہ)

توضیح

''قتل عـقبة بن ابی معیط '' عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حارث وہ دو بدبخت تھے جنہوں نے آنحضرت کو مکہ مکرمہ میں سخت ایذا پہنچائی تھی عقبہ پرلے درجہ کا بیوقوف اور ابوجہل کا خاص الہ کار چمچہ تھا اس نے کئی دفعہ آنحضرت پر ہاتھ اٹھایا اور جسم پر گندگی ڈالی۔آج یہ بدر کے قیدیوں میں تھا اور کہہ رہا تھا کہ محمد کی آنکھوں میں موت نظر آرہی ہے نضر بن حارث قرآن کا دشمن تھا اور اس کا مذاق اڑاتا تھا دونوں کو گرفتاری کے بعد قتل کردیا گیا اور تیسرا شخص ابـو عـزه جمحی شاعر تھا حضور اکرم نے ان کو اس شرط پر رہا کردیا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف نہ ہاتھ استعمال کروگے اور نہ زبان استعمال کروگے یہ بدبخت پھر احد کے میدان میں آگیا اور بعد میں راستے میں پکڑا گیا اور گرفتاری کے بعد حضور اکرم نے قتل کا حکم دیدیا اور فرمایا کہ مسلمان ایک

سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاسکتا۔

﴿۱۳﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ قَتْلَ عُقْبَةَ بْنِ أَبِيْ مُعَيْطٍ قَالَ مَنْ لِلصِّبْيَةِ قَالَ النَّارُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عقبہ ابن ابومعیط کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا کہ میرے بچوں کو کون پالے گا؟ آپ ﷺ فرمایا ''آگ''۔ (ابوداؤد)

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

﴿۱۴﴾وَعَنْ عَلِيٍّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ جِبْرِيْلَ هَبَطَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ خَيِّرْهُمْ يَعْنِيْ أَصْحَابَكَ فِيْ أُسَارَى بَدْرٍ الْقَتْلَ أَوِ الْفِدَاءَ عَلَى أَنْ يُقْتَلَ مِنْهُمْ قَابِلًا مِثْلُهُمْ قَالُوْا الْفِدَاءَ وَيُقْتَلُ مِنَّا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختیار دے دیجئے کہ خواہ وہ ان قیدیوں کو قتل کردیں یا فدیہ لے لیں یعنی مال لے کر ان کو چھوڑ دیں لیکن فدیہ لینے کی صورت میں آیندہ سال ان صحابہؓ کے اتنے ہی آدمی مارے جائیں گے صحابہؓ نے اس اختیار کو سن کر عرض کیا کہ ہم فدیہ لینے کو اور اپنے ستر آدمیوں کے مارے جانے کو اختیار کرتے ہیں۔ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

''القتل أو الفداء'' بدر میں جو لوگ گرفتار ہوئے تھے وہ اہل مکہ کے ستر آدمی تھے جن میں بڑے نامور اشخاص بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا تھا کہ ان لوگوں کو قتل کردو یا فدیہ لیلو لیکن فدیہ کی صورت میں آیندہ تمہارے ستر آدمی مارے جائیں گے اس فیصلہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت حال کو صحابہ کے سامنے رکھا اور اپنی رائے یہ ظاہر فرمادی کہ فدیہ لینا اچھا ہے۔ صدیق اکبر نے بھی فدیہ لینے کو بہتر قرار دیا تاکہ فی الحال فدیہ کے مال سے جہاد کا میدان مستحکم ہوجائے باقی ہم شہادت کے متلاشی ہیں اگر ہمارے آدمی آیندہ سال شہید ہوجائیں تو کوئی مضایقہ نہیں عام صحابہ کی بھی یہی رائے تھی۔ صرف حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ دونوں کی رائے تھی کہ یہ صنادید قریش ہیں فدیہ نہیں لینا چاہئے بلکہ قتل کردینا چاہئے بہر حال فیصلہ حضور اکرم اور عام صحابہ کی رائے کے مطابق ہوگیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید وعید آئی حضور اکرم نے فرمایا کہ اس درخت تک عذاب پہنچ گیا تھا اگر عذاب الٰہی آتا تو عمر وسعد کے سوا دوسرا کوئی نہ بچتا

۔اب سوال یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو دونوں چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا اختیار تھا تو پھر یہ وعید اور سرزنش کیوں آئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اختیار بھی امتحان کے طور پر تھا اللہ تعالیٰ کے ہاں فدیہ نہ لینا تھا کہ سب کا فرقتل ہوجائے اس وجہ سے سرزنش آئی۔

قیدیوں کی عمر میں تحقیق وتفتیش

﴿۵﴾وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ قَالَ كُنْتُ فِي سَبْيِ قُرَيْظَةَ عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوْا يَنْظُرُوْنَ فَمَنْ أَنْبَتَ الشَّعْرَ قُتِلَ وَمَنْ لَمْ يُنْبِتْ لَمْ يُقْتَلْ فَكَشَفُوْا عَانَتِيْ فَوَجَدُوْهَا لَمْ تُنْبِتْ فَجَعَلُوْنِيْ فِي السَّبْيِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت عطیہ قرظی کہتے ہیں کہ بنو قریظہ کے جو لوگ قیدی بنا کر لائے گئے تھے ان میں میں بھی تھا ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔اس وقت صحابہؓ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قیدیوں میں جو چھوٹی عمر والے تھے ان کے زیر ناف حصے کو کھول کھول کر دیکھ رہے تھے جس کے زیر ناف حصے پر بال اگ آئے تھے اس کو قتل کردیا جاتا۔کیونکہ زیر ناف حصے پر بال اگ آنا بلوغ کی علامت ہے لہٰذا ایسے شخص مسلمانوں سے لڑنے والا شمار کیا جاتا تھا۔اور جس کے بال نہ اگے ہوئے تھے اس کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔کیونکہ اس کو ذریت یعنی بچوں میں شمار کیا جاتا تھا چنانچہ میرے زیر ناف حصے کو بھی کھولا گیا اور جب وہاں اگے ہوئے بال نہیں پائے گئے تو مجھ کو قیدیوں ہی میں زندہ رکھا گیا۔(ابوداؤد،ابن ماجہؒ،دارمیؒ)

توضیح

''القرظی'' یہ بنو قریظہ کی طرف نسبت ہے حضرت عطیہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی اور اب وہ آخرت میں مزے لوٹ رہے ہیں اور دنیا میں مسلمانوں کے لئے شیخ الحدیث بن گئے صحابہ نے زیر ناف بال کو بلوغ کی علامت قرار دیا۔فقہاء نے بھی اس کو بلوغ کی نشانی قرار دیا ہے۔

کسی مسلمان کو کافروں کے حوالہ کرنا حرام ہے

﴿۱۶﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجَ عُبْدَانٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ قَبْلَ الصُّلْحِ فَكَتَبَ إِلَيْهِ مَوَالِيْهِمْ قَالُوْا يَامُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَاخَرَجُوْا إِلَيْكَ رَغْبَةً فِيْ دِيْنِكَ وَإِنَّمَا خَرَجُوْا هَرَبًا مِنَ الرِّقِّ فَقَالَ نَاسٌ صَدَقُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رُدَّهُمْ إِلَيْهِمْ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَاأُرَاكُمْ تَنْتَهُوْنَ يَامَعْشَرَ قُرَيْشٍ حَتّٰى يَبْعَثَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مَنْ يَضْرِبُ رِقَابَكُمْ عَلٰى هٰذَا

وَأَبَى أَنْ يَرُدَّهُمْ وَقَالَ هُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان معاہدہ لکھے جانے سے پہلے کچھ غلام مکہ سے آکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان کے مالکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا کہ اے محمد! خدا کی قسم یہ غلام تمہارے پاس اس لئے نہیں پہنچے ہیں کہ وہ تمہارے دین کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ بلکہ یہ لوگ غلامی سے نجات پانے کی غرض سے بھاگ کر گئے ہیں۔ جب صحابہؓ میں سے چند لوگوں نے یہ مکتوب دیکھا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کے مالکوں نے بالکل صحیح لکھا ہے۔ آپ ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس واپس بھیج دیجئے یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غضب ناک ہو گئے اور فرمایا کہ قریش والو! میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہیں آؤ گے تا وقتیکہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو مسلط نہ کر دے جو تمہارے اس فیصلے کی بناء پر تمہاری گردن اڑا دے۔ پھر آپ نے ان غلاموں کی واپسی کے مطالبہ کو رد کر دیا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ (ابوداؤد)

"فغضب" آنحضرت اس لئے غصہ ہوئے کہ یہ غلام خالص مسلمان تھے اور لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ ان کو اپنے پرانے آقاؤں کی طرف لوٹا دو اور آزادی کے بعد پھر ان کو غلام بنایا جائے۔

الفصل الثالث

ایک کی بے احتیاطی سے سب کی مصیبت

﴿۱۷﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ إِلَى بَنِيْ جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا أَنْ يَقُوْلُوْا أَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ إِلَى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيْرَهُ حَتّٰى إِذَا كَانَ يَوْمٌ أَمَرَ خَالِدٌ أَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا أَسِيْرَهُ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَا أَقْتُلُ أَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِيْ أَسِيْرَهُ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَاهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ ابن ولید کو ایک قبیلہ بنی جذیمہ میں بھیجا خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ لوگ اضطراب وسراسیمگی کے عالم میں یہ اچھی طرح سے نہیں کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے یعنی وہ اپنی زبانوں سے اسلام کا کلمہ پوری طرح ادا نہیں کر سکے بلکہ انہوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ صبانا صبانا یعنی ہم نے اپنا دین چھوڑ دیا اپنا دین چھوڑ دیا خالدؓ نے جب ان کی زبان سے یہ سنا تو ان کے بعض لوگوں کو قتل کرنا اور بعض کو گرفتار کرنا شروع کر دیا اور پھر ہم لوگ جو ان کے ساتھ تھے ان میں سے ہر شخص کو اس کا قیدی سپرد کر دیا یعنی جو لوگ قیدی بنائے گئے انکو ہمارے درمیان تقسیم کر کے ایک ایک قیدی ہر ایک کے سپرد کر دیا اور یہ حکم دیا کہ ہم ان قیدیوں کی اس وقت تک حفاظت

نگرانی کریں جب تک کہ ہمیں ان کو قتل کر دینے کا حکم نہ دیا جائے چنانچہ جب ایک وہ دن آیا جس میں خالدؓ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے قید کو قتل کر دے یہ حکم سن کر میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں اپنے قیدی کو قتل نہیں کروں گا اور نہ میرے ساتھیوں میں سے کوئی شخص اپنے قیدی کو قتل کرے گا بلکہ ہم لوگ اپنے قیدیوں کو اس وقت تک اپنی حفاظت میں رکھیں گے جب تک کہ ہم دربار رسالت میں نہ پہنچ جائیں اور اس بارے میں کوئی آخری حکم حاصل نہ کریں۔ چنانچہ ہم نے اپنے قیدیوں کو اپنی حفاظت میں رکھا یہاں تک کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے پورا واقعہ بیان کیا آنحضرتؐ نے واقعہ کی تفصیل سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے یہ کہا کہ اے اللہ میں تیرے حضور میں خالد کے عمل سے اپنی بیزاری و بے رضائی کا اظہار کرتا ہوں۔ آپؐ نے یہ الفاظ دو مرتبہ ارشاد فرمائے۔ (بخاری)

توضیح

"صبئنا صبئنا" یہ اسلام قبول کرنے کی ایک تعبیر تھی اس بارہ میں صحابہ کرام اور حضرت خالدؓ نے یہ خیال نہ کیا کہ یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کی غرض سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں اس وجہ سے بعض صحابہ نے اپنے قیدیوں کو رہا کرنے کے بجائے قتل کر دیا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر حضرت خالد کے اس فعل سے براءت کا اعلان کر دیا۔
علماء نے لکھا ہے کہ خون گرانے کے سلسلہ میں مبہم الفاظ پر کبھی بھی عمل نہیں کرنا چاہئے۔

باب الامان

امان دینے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ﴾

امان اور امن خوف کا ضد ہے کسی کو جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ دینا امن کہلاتا ہے۔امان کی مشہور تین صورتیں ہیں۔(۱) کوئی کافر حربی دار اسلام میں آکر امن طلب کرے اور مسلمانوں میں رہے یہ مستأمن کہلاتا ہے ان کی جان و مال دونوں کی حفاظت ضروری ہے اور یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

(۲) امان کی دوسری صورت یہ ہے کہ معاہدو حلیف یعنی جن لوگوں یا ملکوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہو اور خلیفۂ وقت نے ان سے عدم قتال پر معاہدہ کیا ہو تمام مسلمانوں پر اس کی پاسداری لازم ہے یاد رہے کفار کے ساتھ دس سال سے زیادہ جنگ بندی کا معاہدہ جائز نہیں ہے۔(۳) جو شخص کسی قوم و ملک یا کسی قبیلہ کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہو ان کی حفاظت لازم ہے لفظ امان ان تینوں صورتوں کو شامل ہے۔

فتح مکہ کے دن امان کی ایک صورت

﴿۱﴾ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ ذَهَبْتُ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ بِثَوْبٍ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ أَنَا أُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِئٍ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِي ثَوْبٍ ثُمَّ انْصَرَفَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ أُمِّي عَلِيٌّ أَنَّهُ قَاتِلٌ رَجُلًا أَجَرْتُهُ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ أُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ قَالَتْ أَجَرْتُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَحْمَائِي فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ .

حضرت ام ہانیؓ بنت ابوطالب کہتی ہیں کہ فتح مکہ کے سال یعنی فتح مکہ کے موقع پر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔آنحضرتؐ اس وقت غسل فرمارہے تھے اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کپڑے سے آپ کو پردہ کئے ہوئے تھیں۔میں نے سلام عرض کیا۔آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں ام ہانیؓ بنت ابوطالب آپ نے

فرمایا ام ہانیؓ کو خوش آمدید! پھر جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو جسم پر کپڑا لپیٹے ہوئے آپ کھڑے ہوئے اور نماز چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھیں اور جب نماز پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں کے بیٹے یعنی حضرت علیؓ نے بتایا ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کرنے والے ہیں جس کو میں نے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یعنی فلاں شخص کو جو ہبیرہ کا بیٹا ہے! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ہانیؓ جس کو تم نے پناہ دی ہے گویا اس کو ہم نے پناہ دی حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ یہ واقعہ چاشت کے وقت کا ہے۔

اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ام ہانیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے دو آدمیوں کو پناہ دی ہے جو میرے خاوند کے رشتہ دار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری طرف سے اس شخص کے لئے امان ہے جس کو تم نے امان دی ہے۔

توضیح

"یغتسل" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر وادی محصب کے پاس ایک جگہ پر اپنے رہنے کے لئے ایک خیمہ نصب کرایا تھا اور وہیں پر اپنا جھنڈا گاڑا تھا اس جگہ میں آج کل ایک مسجد موجود ہے جس کا نام **مسجد رایۃ** ہے جو چھپرہ بازار کے آخر میں واقع ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ میں غسل فرما رہے تھے کہ ام ھانی وہاں آئی ام ہانی کا اصل نام فاختہ یا عاتکہ تھا آنحضرت کی چچازاد بہن ابوطالب کی بیٹی تھی ان کے شوہر کا نام ہبیرہ تھا فتح مکہ کے دن آنحضرت نے امن کا عام اعلان کیا تھا مگر یہ شرط رکھی تھی کہ جو اسلحہ ڈالدے یا گھر کا دروازہ بند کردے یا حرم میں یا مسجد حرام میں داخل ہو جائے یا ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے۔ حضرت علی جب اپنی بہن ام ھانی کے گھر میں داخل ہوئے تو وہاں ایک آدمی ملا حضرت علی نے خیال کیا کہ اس شخص کو امن حاصل نہیں لہٰذا ان کو قتل کرنا چاہئے حضرت ام ہانی آڑے آئی مگر حضرت علی سخت غصہ میں تھے ام ھانی دوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور امن حاصل کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیدیا ام ھانی نے حضرت علی کو ابن امی بطور شفقت کہا ہے کیونکہ ماں کا ماماتا زیادہ ہوتا ہے فلان بن ھبیرہ سے یہی شخص مراد ہے جو ھبیرہ کا بیٹا تھا تفصیلی روایت میں ہے کہ یہ دو شخص تھے جو ھبیرہ کے رشتہ دار تھے شاید ایک بیٹا ہو دوسرا کوئی اور ہو۔

الفصل الثانی

عورت کے عہد وامان کی پاسداری مسلمانوں پر لازم ہے

﴿۲﴾ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَرْأَةَ لَتَأْخُذُ لِلْقَوْمِ یَعْنِیْ تُجِیْرُ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کسی قوم کے لئے عہد لیتی ہے یعنی وہ مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتی ہے۔ (ترمذی)

توضیح

یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ گمنام آدمی حتیٰ کہ عورت بھی اگر جنگ کے دوران کسی کافر کو پناہ دیدے تو سارے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس عورت کے عہد وامان کی حفاظت و پاسداری کریں اور غداری نہ کریں، مسلمانوں کو سوچنا چاہیے یہ اسلام کا حکم ہے اس پر مسلمان عمل کیوں نہیں کرتے ہیں وزیرستان میں آج کل ہزاروں مسلمانوں نے ملکر چند مجاہدین کو امن دیا ہے جو خالص مسلمان ہیں مگر پاکستان کی ملحد حکومت ان پر بمباری کررہی ہے اور اس امن کو توڑ رہی ہے اور غداری کی مرتکب ہورہی ہے۔

عہد وامان توڑنے والے کے لئے وعید

﴿۳﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَمِقِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَمَّنَ رَجُلًا عَلٰى نَفْسِهٖ فَقَتَلَهٗ اُعْطِيَ لِوَاءَ الْغَدْرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت عمرو بن حمقؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی کو اس کی جان کی امان دے اور پھر اس کو مار ڈالے تو قیامت کے دن اس کو بدعہدی کا نشان دیا جائے گا۔ (شرح السنۃ)

یعنی عرصات قیامت میں مشہور کردیا جائے گا کہ فلاں شخص نے غداری کی تھی اس شہرت سے اس شخص کی تذلیل وتحقیر ہوگی لوگوں سے کہا جائے گا کہ دیکھو یہ شخص کس قدر ذلیل ہے۔

حضرت معاویہؓ نے حدیث سن کر فوج واپس کردی

﴿۴﴾وَعَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَكَانَ يَسِيْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى اِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ اَغَارَ عَلَيْهِمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى فَرَسٍ اَوْ بِرْذَوْنٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَاِذَا هُوَ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَسَاَلَهٗ مُعَاوِيَةُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّ عَهْدًا وَلَا يَشُدَّنَّهٗ حَتّٰى يَمْضِيَ اَمَدُهٗ اَوْ يَنْبِذَ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ قَالَ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ بِالنَّاسِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت سلیمؒ ابن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان یہ معاہدہ ہوا تھا کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور حضرت معاویہؓ اس معاہدے کے زمانہ میں رومیوں کے شہروں میں گشت کرکے

حالات کا اندازہ لگایا کرتے تھے تاکہ جب معاہدہ کی مدت گذر جائے تو وہ ان رومیوں پر یکبارگی سے ٹوٹ پڑیں اور ان کے ٹھکانوں کو تاخت وتاراج کردیں ۔ پھر ا نہی دنوں میں جبکہ امیر معاویہؓ اپنے لشکر والوں کے ساتھ رومیوں کے شہر میں پھر رہے تھے ایک شخص عربی یا ترکی گھوڑے پر سوار یہ کہتے ہوئے آئے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر! وفا کو ملحوظ رکھو نہ کہ بدعہدی کو جب لوگوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ شخص ایک صحابیؓ حضرت عمرو ابن عبسہؓ ہیں حضرت امیر معاویہؓ نے ان سے اس بات کو پوچھا کہ رومیوں کے شہروں میں ہمارا پھرنا عہد شکنی کے مرادف کیسے ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس کو چاہیئے کہ وہ اپنے عہد کو نہ توڑے اور نہ باندھے تاآنکہ اس معاہدہ کی مدت گذر جائے یا وہ ان کو مطلع کرکے برابری کی بنیاد پر اپنا عہد توڑ دے (یعنی اس معاہدہ کے خلاف کرنا یا تو اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس معاہدہ کی مدت ختم ہوگئی ہو یا اس صورت میں جائز ہے جبکہ کسی مجبوری یا مصلحت کی بناء پر مدت کے دوران ہی معاہدہ توڑنا ضروری ہوگیا ہو اور فریق مخالف کو پہلے سے آگاہ کردیا گیا ہو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا ہم اس کو توڑتے ہیں ۔ اب ہم اور تم دونوں برابر ہیں کہ جس کی جو مرضی ہو کرے) حدیث کے راوی حضرت سلیمؒ ابن عامر کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت ابن عبسہؓ کی یہ بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن کر اپنے لوگوں کے ساتھ رومیوں کے شہر سے اپنے کیمپ میں واپس چلے آئے ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"یسیر" حضرت معاویہؓ نے معاہدہ کے دوران حملہ کرنا نہیں چاہا بلکہ آپ نے یہ سوچا کہ جب معاہدہ کی مدت ختم ہوجائے گی تو حملہ کرنے کے لئے فوج تیار ہوجائے گی اس غرض سے اسلامی افواج کو روم کی سرحد کے قریب پہنچانا چاہا حضرت معاویہ یہ تیاری کررہے تھے کہ ایک صحابی عربی گھوڑے یا ترکی گھوڑے پر آئے اور فرمایا وفاداری کرو غداری نہ کرو یعنی یا مدت کے ختم ہونے کے بعد فوج روانہ کردو اور یا بوجہ مصلحت معاہدہ ختم کرنے کا واضح اعلان کردو تاکہ دشمن بے خبر نہ رہے "ینبذ الیھم علی سواء" کا یہی مطلب ہے حضرت معاویہؓ نے یہ حدیث سن کر افواج کو واپس کردیا سبحان اللہ دین کی ایک بات کی کتنی پاسداری تھی؟ اس حدیث کا ترجمہ ومطلب صاحب مظاہر حق جدید نے صحیح نہیں لکھا ہے خیال کرنا چاہئے ۔

"فلا یحلن" یعنی معاہدہ نہ توڑے اور غداری نہ کرے "ولا یشدنہ" مطلب یہ کہ معاہدہ میں کوئی تغیر نہ کرے خواہ نئے معاہدہ کے ساتھ کیوں نہ ہو یہ بطور مبالغہ فرمایا کہ معاہدہ میں کوئی تغیر نہ کرے ورنہ تجدید معاہدہ کی ممانعت نہیں ہے "فرس" عربی گھوڑا "برذون" ترکی گھوڑا۔

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِيْ قُرَيْشٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُلْقِيَ فِيْ قَلْبِيَ الْإِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ وَاللّٰهِ لَا أَرْجِعُ إِلَيْهِمْ أَبَدًا

قَالَ اِنِّیْ لَا أَخِیْسُ بِالْعَھْدِ وَلَا أَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰکِنِ ارْجِعْ فَاِنْ کَانَ فِیْ نَفْسِکَ الَّذِیْ فِیْ نَفْسِکَ الْآنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَھَبْتُ ثُمَّ أَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمْتُ۔ رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش نے مجھے اپنا قاصد بنا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جب میری نظر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو بے اختیار میرے دل میں اسلام کی صداقت وحقانیت نے گھر کر لیا میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ خدا کی قسم میں اب کبھی بھی ان کفار قریش کے پاس واپس نہیں جاؤں گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہ تو عہد کو توڑا کرتا ہوں اور نہ قاصدوں کو روکا کرتا ہوں۔ البتہ تم اب تو واپس چلے جاؤ۔ اگر تمہارے دل میں وہ چیز یعنی اسلام قائم رہے جو اس وقت موجود ہے تو پھر میرے پاس چلے آنا۔ حضرت ابورافع کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق میں مکہ واپس ہو گیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گیا اور اسلام قبول کر لیا یعنی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''لااخیس'' خاس یخیس معاہدہ توڑنے کے معنی میں ہے ''ای لاانقض العھد''۔ ''البرد'' یہ برید کی جمع ہے ڈاک اور پیغام لانے لیجانے والے قاصد کو کہتے ہیں۔

علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ برید اصل میں خچر کو کہا جاتا تھا یہ لفظ اصل میں بریدہ دم تھا جو فارسی لفظ ہے یعنی وہ خچر جس کی دم کے بال کاٹ دیئے گئے ہوں ایسے خچروں کی دموں سے لمبے بال کاٹ دیا کرتے تھے پھر عرب نے اس کو مخفف کر کے برید کر دیا پھر اس کا اطلاق خچر کے شہسوار پر ہوا، پھر برید اس مسافت پر بولا جانے لگا جو گھوڑے کی دوڑ کی مقدار تھی جو بارہ میل تک ہوتی تھی قدیم زمانہ میں ڈاک اور پیغام لانے لیجانے کا ایک عجیب سریع الحرکت نظام قائم تھا وہ اس طرح تھا کہ ہر برید پر تازہ دم گھوڑے کھڑے رہتے تھے مثلاً لاہور سے دہلی تک مغول بادشاہوں کے زمانہ میں ہر برید پر گھوڑے ہوتے تھے بارہ میل تک گھوڑا تیز گاڑی کی طرح دوڑتا ہے پھر تھک جاتا ہے ایک برید تک جب گھوڑا دوڑتا تھا تو ایک برید کے بعد یہ گھوڑا رہ جاتا تھا اور وہاں سے تازہ دم گھوڑا سامان لیکر چلتا تھا اور دوسرے برید پر جا کر رکتا تھا وہاں سے اور گھوڑا چلتا تھا چنانچہ صبح کے وقت کے ثمار لاہور سے شام ہونے سے پہلے دہلی پہنچ جاتا تھا اور وہاں سے لاہور تک سامان آتا تھا ڈاک کا نظام بھی اسی طرح چلتا تھا۔

قاصد کو قتل نہیں کیا جا سکتا

﴿۶﴾ وَعَنْ نُعَيْمِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلَيْنِ جَاءَ ا مِنْ عِنْدِ مُسَيْلِمَةَ أَمَا وَاللّٰهِ لَوْ لَا أَنَّ الرُّسُلَ لَاتُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت نعیم ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں سے فرمایا جو مسیلمہ کے پاس سے آئے تھے کہ یاد رکھو! خدا کی قسم اگر قاصد کو مارنا شرعی طور پر ممنوع نہ ہوتا تو میں تمہاری گردنیں اڑا دیتا۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

"لرجلین" یہ دو قاصد تھے ایک کا نام عبداللہ بن نواحہ تھا اور دوسرے کا نام ابن اثال تھا جیسا کہ حدیث ۸ میں آرہا ہے۔

"مسیلمہ" یہ شخص مسیلمہ کذاب تھا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر میں دعویٰ کر چکا تھا آنحضرت کے پاس ایک وفد میں یہ آیا بھی تھا مگر ملاقات نہیں کی، اس نے حضور کو ایک خط لکھا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں "الی مسیلمة الکذاب" لکھا تھا اسی سے کذاب مشہور ہو گیا حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کے خلاف جو جنگیں لڑیں اس میں زیادہ تر جنگیں مسیلمہ کذاب سے ہوئیں حضرت خالد نے ان پر چڑھائی کی مسیلمہ کذاب کے پاس چالیس ہزار طاقتور فوج تھی یمامہ کی جنگ میں ایک قلعہ کے اندر گھسان کی جنگ ہوئی بڑی تعداد میں صحابہ شہید ہوئے وحشی بن حرب نے مسیلمہ کذاب پر حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس وقت مسیلمہ کذاب کی عمر ۱۲۰ سال تھی جہاں یہ معرکہ ہوا کثرت اموت کی وجہ سے اس جگہ کا نام حدیقة الموت مشہور ہو گیا تھا۔

"الرسل" قاصد جس طرح پیغام لاتا ہے اسی طرح واپس پیغام لیجاتا ہے اس لئے یہ آپس کے روابط اور مذاکرات کا واحد ذریعہ ہے جو طرفین کے مفاد میں ہے اس لئے بین الاقوامی طور پر قاصدوں کا احترام کیا جاتا ہے اور ان کو قتل نہیں کیا جاتا اسلام کا قانون بھی یہی ہے لیکن آج کل جو سفیر ہوتے ہیں یہ محض جاسوس ہوتے ہیں مگر نام قاصد وسفیر ہے۔

"اعناقکما" یعنی آنحضرت کے سامنے ان دو قاصدوں نے مسیلمہ کذاب کی نبوت کی گواہی دی اس لئے واجب القتل تھے اگر قاصد نہ ہوتے۔

اسلام کا ضابطہ مکمل اور کافی ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ أَوْفُوْا بِحِلْفِ الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهٗ لَايَزِيْدُهٗ يَعْنِي الْإِسْلَامَ إِلَّا شِدَّةً وَلَاتُحْدِثُوْا حِلْفًا فِي الْإِسْلَامِ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حُسَيْنِ بْنِ ذَكْوَانَ عَنْ عَمْرٍو وَقَالَ حَسَنٌ ذُكِرَ حَدِيْثُ عَلِيٍّ اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَأُ دِمَائُهُمْ فِيْ كِتَابِ الْقِصَاصِ.

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت کی قسم کو پورا کرو کیونکہ وہ یعنی اسلام اس قسم کو زیادہ ہی مضبوط کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی قسم اور اپنے عہد کو پورا کرنا اسلام میں کہیں زیادہ ضروری ہے اس اعتبار سے اسلامی احکام اور ایفاء عہد وحلف میں کوئی تضاد نہیں ہے اور اسلام میں حلف یعنی قسما قسمی کو رواج نہ دو امام ترمذی نے اس حدیث کو حسین ابن ذکوان کی سند سے بر وایت حضرت عمروؓ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

توضیح

''اوفوا'' یعنی جاہلیت کے زمانہ میں جو معاہدہ ہوگیا ہے اس کی پاسداری کرو اسلام اس کو توڑتا نہیں بلکہ مزید مستحکم کرتا ہے لیکن اس میں ان تمام قواعد کو دیکھا جائے گا جو اسلام کے قواعد کے مطابق ہوں اسلام کے مخالف قواعد کو برقرار نہیں رکھا جائے گا۔

''ولاتحدثوا'' یعنی میراث کے احکامات کے نفاذ کے بعد کسی جدید معاہدہ کی ضرورت نہیں کہ کوئی کسی کو اپنا وارث بنانے کا معاہدہ کرے کیونکہ جو حقوق اسلام نے دیے ہیں میراث نے اس کو متعین کر دیا ہے۔

الفصل الثالث

مسیلمہ کذاب کے دو قاصد

﴿۸﴾ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ ابْنُ النَّوَّاحَةِ وَابْنُ أُثَالٍ رَسُوْلاَ مُسَيْلِمَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمَا أَتَشْهَدَانِ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالاَ نَشْهَدُ أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لَوْ كُنْتُ قَاتِلاً رَسُوْلاً لَقَتَلْتُكُمَا قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَمَضَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الرَّسُوْلَ لاَيُقْتَلُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ.

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد ابن نواحہ اور ابن اثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اس حقیقت کی گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ ان دونوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ خدا کا رسول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا! اگر میں قاصدوں اور ایلچیوں کو قتل کرنے والا ہوتا تو یقیناً میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت کے اس ارشاد گرامی کے پیش نظر پھر یہ سنت جاری ہوگئی (یعنی یہ ضابطہ قرار پایا کہ

کسی قاصد ایلچی کو قتل نہ کیا جائے خواہ وہ کتنی ہی غیر مناسب بات کیوں نہ کرے اور قتل ہی کا سزاوار کیوں نہ ہو)۔ (احمد)

توضیح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کے دو قاصدوں سے اپنی نبوت ورسالت کی گواہی مانگی تو انہوں نے جواب میں کہدیا کہ ہم تو صرف مسیلمہ کو رسول مانتے ہیں اس لئے آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دے سکتے اس کے جواب میں آنحضرت نے ایک اعلیٰ منصف کی حیثیت سے جواب میں فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کو مانتا ہوں مسیلمہ کذاب رسول نہیں ہے بلکہ کذاب اور ملعون ہے اور تمہاری ناشائستہ گفتگو کے پیش نظر تم واجب القتل ہو لیکن میں قاصدوں کو قتل نہیں کرتا ہوں اس لئے تم بچ گئے راوی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت کے کلام سے بین الاقوامی طور پر یہ ضابطہ چل پڑا کہ کسی ایلچی کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔

باب قسمة الغنائم و الغلول فيها

مال غنیمت کی تقسیم اور خیانت کا بیان

قال الله تعالىٰ ﴿واعلموا ان ماغنتم من شيء فان لله خمسه وللرسول ولذى القربىٰ الخ﴾

غنائم غنيمة کی جمع ہے میدان جہاد میں کفار سے جنگ کے ذریعہ جو مال حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت کہلاتا ہے اگر کوئی مال جنگ کے بغیر حاصل ہو جائے وہ وہ مال فی کہلاتا ہے جس کا ذکر الگ باب میں آنے والا ہے مال غنیمت کو انفال ونفل بھی کہتے ہیں نفل زائد کے معنی میں ہے چونکہ جہاد کا اصل مقصود اعلاء کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور مال اس مقصود سے زائد ہوتا ہے اس لئے اس کو نفل اور زائد کہتے ہیں۔

"**واعلموا انما غنتم**" کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کی تقسیم اس طرح فرمائی کہ چار حصے مجاہدین کے لئے ہیں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے غنائم کی مباحث میں چند اصطلاحی الفاظ آئے ہیں اس کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔

الغنيمة: جہاد فی سبیل اللہ میں بزور بازو کفار سے جو مال چھینا جاتا ہے اس کو غنیمت کہتے ہیں۔

الفي: لڑائی کے بغیر صرف کفار پر چڑھائی کے ذریعہ سے جو مال حاصل ہو جائے وہ مال فی ہے۔

تنفيل: یہ نفل سے ہے جو زائد کے معنی میں ہے بادشاہ یا امیر الحرب کسی کارنامے پر مجاہد کے لئے انعام کا جو اعلان کرتا ہے وہ تنفیل ہے مثلاً بادشاہ کہتا ہے کہ اگر کسی نے فلاں قلعہ فتح کیا تو ان کو اس قلعہ کا دسواں حصہ مال دیا جائے گا یا کافر بادشاہ کی بیٹی اس کو ملے گی۔

السلب: سلب چھیننے کے معنی میں ہے بادشاہ یا امیر الحرب جب اعلان کرے کہ جس شخص نے جس کافر کو قتل کیا تو اس کو اس مقتول کے بدن کا سامان ملیگا۔ مثلاً گھڑی کپڑے جوتے جیب کا سامان اسلحہ اور سواری وغیرہ سب سلب میں داخل ہیں۔

الرضخ: رضخ عطیہ کے معنی میں ہے جن لوگوں کو مال غنیمت میں حصہ نہیں دیا جاتا وہ اگر جہاد میں حاضر ہو گئے تو غنیمت کے حصہ کی جگہ ان کو کچھ عطیہ دیا جاتا ہے اسی کو رضخ کہتے ہیں۔ خمس ہٹانے کے بعد بقیہ مال میں سے یہ عطیہ غلاموں بچوں اور عورتوں کو دیا جاتا ہے۔

الصفي: صفی چننے اور انتخاب کے معنی میں ہے تقسیم غنیمت سے پہلے آنحضرت کسی تلوار یا زرہ یا لونڈی کا انتخاب کر کے لیتے تھے اس کا نام صفی تھا چنانچہ کہتے ہیں ام **المؤمنين صفية من الصفية** حضور اکرم کے بعد یہ حصہ منسوخ ہو گیا ہے اب کسی بادشاہ کا مال غنیمت سے صفی اٹھانا جائز نہیں ہے۔

غلول: مال غنیمت میں خیانت کو غلول کہتے ہیں جو بہت بڑا گناہ ہے۔
باقی تفصیلات میری کتاب دعوت جہاد کے ابواب غنائم میں ہیں وہاں دیکھنا چاہئے۔

الفصل الاول

مال غنیمت کا استعمال اس امت کی خصوصیات میں سے ہے

﴿۱﴾عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ رَأَى ضَعْفَنَا وَعِجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس غنیمت کا مال ہم سے پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالی طور پر کمزور و عاجز دیکھا تو اس مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"فلم تحل" سابقہ امتوں پر چند مذہبی تنگیاں تھیں اس امت سے اللہ تعالیٰ نے نبی مکرم کی برکت سے وہ تنگیاں ہٹا دی جو اس امت کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں سابقہ امتوں میں مال غنیمت اور قربانی کا گوشت استعمال کرنا ممنوع تھا آسمان سے آگ آتی تھی اور مقبول مال کو جلا کر کھا جاتی تھی اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا سابقہ امتوں کے لئے مسجد سے باہر اور جماعت کے بغیر نماز جائز نہیں تھی اس امت کے لئے سب جائز ہے۔
سابقہ امتوں کے لئے پانی کے علاوہ طہارت حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اس امت کے لئے پانی کو مٹی کا قائم مقام بنایا گیا اور تیمم کا حکم دیا گیا یہود پر چربی حرام کی گئی تھی اور ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار حرام تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا وہ اگر رات کے وقت گناہ کرتے تو دن میں دروازہ پر لکھا جاتا تھا کپڑے پر نجاست لگتی تو کاٹنا پڑتا تھا دھونے کی اجازت نہیں تھی۔
اس امت سے یہ سارے بوجھ ہٹا لئے گئے نصاریٰ نے جس رہبانیت میں اپنے آپ کو مبتلا کیا تھا اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کی برکت سے مسلمانوں کو ان تمام تنگیوں سے آزاد فرمایا اسی احسان کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرما کر مال غنیمت استعمال کرنا حلال کر دیا۔

کافر مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل مجاہد کا ہے

﴿۲﴾وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ حُنَيْنٍ فَلَمَّا الْتَقَيْنَا

كَانَتْ لِلْمُسْلِمِيْنَ جَوْلَةٌ فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَدْعَلَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَضَرَبْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ بِالسَّيْفِ فَقَطَعْتُ الدِّرْعَ وَأَقْبَلَ عَلَيَّ فَضَمَّنِيْ ضَمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيْحَ الْمَوْتِ ثُمَّ أَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَأَرْسَلَنِيْ فَلَحِقْتُ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ فَقُلْتُ مَابَالُ النَّاسِ قَالَ أَمْرُاللّٰهِ ثُمَّ رَجَعُوْا وَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلَبُهُ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُلْتُ مَنْ يَشْهَدُ لِيْ ثُمَّ جَلَسْتُ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ فَقُمْتُ فَقَالَ مَالَكَ يَااَبَاقَتَادَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رَجُلٌ صَدَقَ وَسَلَبُهُ عِنْدِيْ فَأَرْضِهِ مِنِّيْ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ لَاهَااللّٰهِ اِذَنْ لَايَعْمِدُ اِلٰى أَسَدٍ مِنْ أُسْدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَيُعْطِيْكَ سَلَبَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ فَأَعْطِهِ فَأَعْطَانِيْهِ فَابْتَعْتُ بِهٖ مَخْرَفًا فِيْ بَنِيْ سَلِمَةَ فَاِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأَثَّلْتُهُ فِي الْاِسْلَامِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین کے سال ہم جہاد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ روانہ ہوئے جب کافروں سے ہمارا مقابلہ ہوا تو کچھ دیر کے لئے مسلمانوں کو شکست کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آ گیا ہے میں نے اس کے پیچھے سے اس کی گردن کی رگ پر تلوار کا بھرپور وار کر کے اس کی زرہ کاٹ ڈالی وہ مشرک مجھ پر جھپٹ پڑا اور اس نے اتنے زور سے مجھے دبوچا کہ اس کی وجہ سے موت کا مزہ آ گیا یعنی میں مرنے کے قریب ہو گیا پھر میرے ایک اور وار سے موت نے اسے دبالیا اور میں اس سے چھوٹ گیا۔ اس کے بعد میں حضرت عمر ابن خطابؓ سے ملا اور کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگ رہے؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کا حکم یہی ہے یعنی یہ جو کچھ ہو رہا ہے قضا وقدر کے مطابق ہو رہا ہے پھر لوگ اس عارضی پسپائی کے بعد دوبارہ لڑنے کے لئے میدان جنگ میں واپس آ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کردے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو اور خواہ ایک ہی گواہ ہو تو مقتول کو چھینا ہوا مال اسی قتل کرنے والے شخص کا ہوگا۔
یہ سن کر میں کھڑا ہوا اور ارادہ کیا کہ اس مشرک کو قتل کرنے کا واقعہ بیان کروں لیکن دل میں کہا کہ میری گواہی کون شخص دے گا کہ میں نے اس مشرک کو قتل کیا ہے آخر میں بیٹھ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پھر فرمایا کہ جو شخص دشمن کے کسی آدمی کو قتل کردے اور اس کے قتل کرنے کا کوئی گواہ ہو تو مقتول کا چھینا ہوا مال اسی شخص کا ہوگا میں نے پھر کھڑے ہو کر اپنا واقعہ بیان کرنا چاہا لیکن میں نے دل میں کہا کہ میری گواہی کون شخص دے گا؟ اور میں پھر بیٹھ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح تیسری مرتبہ فرمایا میں جب اس مرتبہ بھی کھڑا ہوا لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوقتادہ کیا بات ہے تم کسی غرض مند اور طالب حاجت کی طرح بار بار کھڑے ہوتے ہو اور بیٹھ جاتے ہو مگر زبان

سے کچھ نہیں کہتے؟ تب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے فلاں مشرک کو قتل کیا ہے ایک شخص نے میری بات سن کر کہا کہ ابوقتادہؓ سچ کہتے ہیں اور اس مشرک کا مال میرے پاس موجود ہے آپ ان کو میری طرف سے راضی کر دیجئے۔ کہ یہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں۔ اور ان کو اس مشرک کے مال کے عوض کوئی اور چیز دے دی جائے یا ان کو اس بات پر رضامند کر دیجئے کہ یہ میرے ساتھ کسی اور طرح مصالحت کر لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے یہ سن کر اس شخص سے کہا کہ نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں ابوقتادہؓ کی مرضی کے خلاف کوئی ارادہ نہیں کریں گے ابوقتادہؓ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے دشمن سے لڑتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس مال پر ابوقتادہ کا حق ہے وہ تمہیں دے دیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ ابوبکرؓ ٹھیک کہتے ہیں تم ابوقتادہؓ کو اس مشرک مقتول کا مال دے دو۔ چنانچہ اس شخص نے اس کا مال مجھ کو دے دیا۔ اور میں نے بعد میں اس مال کے ذریعہ ایک باغ خریدا جو قبیلہ بنو سلمہ میں واقع تھا اور یہ سب سے پہلا مال تھا جو مجھے اسلام لانے کے بعد حاصل ہوا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''جولة'' گھومنے اور گشت کو کہتے ہیں مراد یہ کہ کافر ہم پر گھوم گئے یعنی ہمیں شکست ہوگئی شکست کا نام اس لئے نہیں لیا کہ یہ عارضی پسپائی تھی اس میں کوئی شہید نہیں ہوا نہ زخمی ہوا۔

''من یشهد لی'' یعنی میں نے دل میں کہا کہ میرے مقتول پر میرے لئے کون گواہی دے گا صرف کھڑا ہو گیا پھر بیٹھ گیا زبان سے کچھ کہا نہیں۔''فارضه منی'' یعنی ایک شخص نے اقرار کیا کہ مقتول کا سلب میرے پاس ہے قاتل ابوقتادہؓ ہے لیکن آپ میری طرف سے ان کو راضی فرمائیں یا ان کو اپنی طرف سے کچھ مال دیدیں یا وہ مفت میں مجھے مال چھوڑ دے۔

''لاها الله'' ای لا والله، یہ دراصل قسم ہے اگر چہ زیادہ مشہور نہیں۔''اذا'' تنوین کے ساتھ ہے ای اذا صدق ابوقتادة یعنی جب ابوقتادہ کی بات سچی ہو۔''لایعمد'' ضرب یضرب سے ہے ای لایقصد النبی فی ابطال حقه و اعطاء سلبه ایاک۔ یعنی جب ابوقتادہؓ کی بات سچی ہو تو قسم بخدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہرگز نہیں کریں گے کہ اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کا مال غنیمت تجھے دیدے اصل قصہ یہ تھا کہ ایک کافر نے ایک مسلمان کا جنگ حنین میں پیچھا کیا حضرت ابوقتادہؓ نے پیچھے سے اس کافر کو تلوار ماردی اس نے پلٹ کر ابوقتادہ کو اتنا دبایا کہ اس نے موت کی خوشبو سونگھ لی لیکن چونکہ کافر شدید زخمی ہو گیا تھا اس لئے گر گیا ابوقتادہ واپس آئے اس شخص کے بدن کا سامان کسی اور صحابی نے اتار دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلب کا اعلان فرمایا تو ابوقتادہؓ گواہ تلاش کرنے لگے تاکہ اس مقتول کا سلب حاصل کرے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکے پھر اس شخص نے سلب کے لینے کا اعتراف کیا مگر سلب واپس نہ کرنے کی بات کی اس پر صدیق اکبرؓ نے قسم کھا کر

فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا پھر آنحضرت نے سلب ابوقتادہؓ کو دیدیا ابوقتادہؓ نے محلہ بنی سلمہ میں اس سامان سے ایک باغ خریدلیا جس سے آپ نے مال ذخیرہ کیا۔ ''مخرف'' باغ کو کہتے ہیں ''تاثلت'' ذخیرہ کرنے اور حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔ جمہور کے نزدیک سلب ایک ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ جس نے جس وقت کسی کافر کو قتل کردیا اس کا سلب اسی قاتل کا ہے مگر احناف فرماتے ہیں کہ سلب مستقل ضابطہ نہیں بلکہ وقتی طور پر امیرالحرب یا بادشاہ کے اعلان کی بنیاد پر ملتا ہے اگر امیر نے اعلان نہیں کیا تو کسی کو نہیں ملیگا ظاہرا احادیث جمہور کے حق میں ہیں۔

مال غنیمت کی تقسیم کا ضابطہ

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْھَمَ لِلرَّجُلِ وَلِفَرَسِہٖ ثَلَاثَۃَ اَسْھُمٍ سَھْمًا لَہٗ وَسَھْمَیْنِ لِفَرَسِہٖ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے ایک شخص اور اس کے گھوڑے کے لئے تین حصے دیے یعنی ایک حصہ تو خود اس کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''ثلاثۃ اسھم'' میدان جہاد میں دو قسم کے لوگ لڑتے ہیں ایک قسم وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے پاس گھوڑے ہوتے ہیں اور دوسری قسم پیدل لوگ ہوتے ہیں اب گھڑ سوار کے حصہ اور پیدل کے حصہ میں فرق تو ہے کہ گھڑ سوار کو زیادہ ملے گا پیدل کو کم ملے گا لیکن حصہ کے تعین میں فقہا کا اختلاف ہے کہ کس کو کتنا ملے گا۔

فقہاء کا اختلاف

ائمہ ثلاثہ جمہور کے ہاں پیدل مجاہد کو ایک حصہ ملیگا اور شہسوار کو تین حصے ملیں گے ایک حصہ ان کا اپنا ہوگا اور دو حصے گھوڑے کی وجہ سے ان کو ملیں گے۔ ائمہ احناف کے نزدیک پیدل آدمی کو ایک حصہ ملے گا لیکن شہسوار کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ ان کا ہوگا اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کا ہوگا۔

دلائل

جمہور نے زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح دلیل ہے۔ ائمہ احناف نے فصل ثانی کی مجمع بن جاریہؓ کی روایت ۲۲ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ خیبر میں پیدل کو ایک حصہ اور شہسوار کو دو حصے دیئے گئے تھے الفاظ اس طرح ہیں۔ ''فاعطی الفارس سھمین والراجل سھما''۔ (ابوداؤد)

حضرت مجمع بن جاریہؓ کی روایت میں اموال غنائم کے حصوں کی تقسیم اور مجاہدین کی تعداد کا بیان بھی موجود ہے جس سے احناف کے مسلک کا واضح طور پر ثبوت ہو جاتا ہے اور جمہور کے مسلک کی نفی ہوتی ہے وہ اس طرح کہ خیبر کے اموال کے کل حصے اٹھارہ تھے اور مجاہدین پندرہ سو تھے، جن میں تین سو شہسوار تھے اور بارہ سو پیدل تھے۔ تین سو شہسواروں میں سے ہر سو کو دو دو حصے دیئے گئے تو چھ حصے گئے باقی بارہ حصے بچ گئے بارہ سو پیدل والوں میں سے ہر سو کو ایک ایک حصہ دیا گیا تو پندرہ سو مجاہدین پر اٹھارہ حصے پورے تقسیم ہو گئے۔

اگر جمہور کے مسلک کے مطابق شہسوار کو تین حصے دیئے گئے تو تین سو مجاہدین کو ۹ حصے مل جائیں گے اور بارہ سو کو بارہ حصے مل جائیں گے اس طرح مال غنیمت کے کل حصے اکیس ہو جائیں گے حالانکہ حضرت مجمع بن جاریہ کی روایت میں واضح الفاظ میں آیا ہے کہ "فقسمها رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانية عشر سهما" یعنی کل حصے اٹھارہ تھے۔

سوال

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ آنے والی مجمع بن جاریہؓ کی روایت کے متعلق امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر کی زیر بحث روایت اصح اور راجح ہے اور مجمع بن جاریہ کی روایت میں کسی راوی سے وہم ہو گیا ہے دراصل تین سو شہسوار نہیں تھے بلکہ دو سو شہسوار تھے اور دو سو کو چھ حصے مل گئے تھے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر دو سو شہسوار کو بھی تسلیم کر لیا جائے پھر بھی جمہور کی بات نہیں بنے گی کیونکہ یہ تو طے ہے کہ مجاہدین پندرہ سو تھے جو حدیبیہ سے سیدھے خیبر آ کر لڑے تھے اگر شہسوار دو سو تھے تو پیدل تیرہ سو ہونگے جن کو اگر تیرہ حصے دیئے گئے تو چھ اور تیرہ پھر انیس حصے بن جائیں گے حالانکہ یہ طے ہے کہ حصے کل اٹھارہ تھے۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل حضرت ابن عمرؓ ہی کی ایک روایت ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے الفاظ یہ ہیں "للفارس سهمان وللراجل سهم" ائمہ احناف نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت کو راجح قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ گھوڑا جہاد کا آلہ ہے اور آدمی ذی الآلہ ہے آلہ کا درجہ ذی الآلہ سے بڑھ کر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انسان گھوڑے کے بغیر لڑ سکتا ہے لیکن گھوڑا انسان کے بغیر نہیں لڑ سکتا ہے۔

جواب

زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ تنفیل اور مزید انعام پر محمول ہے تا کہ اس طرح گھڑ سواروں کی حوصلہ افزائی ہو جائے اور لوگ زیادہ سے زیادہ گھوڑوں کو لیکر آ ئیں صاحب ہدایہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت ابن عمر کی دونوں روایتوں میں تعارض ہے تو دونوں ساقط ہیں لہذا حضرت مجمع بن جاریہؓ کی روایت احناف کے استدلال کے لئے سالم رہ گئی۔

مال غنیمت میں عورتوں اور غلاموں کا حصہ نہیں ہے

﴿۴﴾وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كَتَبَ نَجْدَةُ الْحَرُوْرِيُّ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ عَنِ الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةِ يَحْضُرَانِ الْمَغْنَمَ هَلْ يُقْسَمُ لَهُمَا فَقَالَ لِيَزِيدَ اُكْتُبْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَيْسَ لَهُمَا سَهْمٌ إِلَّا أَنْ يُحْذَيَا، وَفِي رِوَايَةٍ كَتَبَ إِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِي هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْزُوْ بِالنِّسَاءِ وَهَلْ كَانَ يَضْرِبُ لَهُنَّ بِسَهْمٍ فَقَدْ كَانَ يَغْزُوْبِهِنَّ يُدَاوِيْنَ الْمَرْضٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَأَمَّا السَّهْمُ فَلَمْ يَضْرِبْ لَهُنَّ بِسَهْمٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت یزید ابن ہرمز کہتے ہیں کہ نجدہ حروری نے حضرت ابن عباسؓ کو ایک خط لکھا جس میں انہوں نے غلام اور عورت کے بارے میں یہ دریافت کیا تھا کہ جب وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت موجود ہوں تو ان کو بھی اس مال غنیمت سے حصہ دیا جائے یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے یزید سے یعنی مجھ سے فرمایا کہ تم میری طرف سے نجدہ کو یہ جواب لکھ دو کہ ان دونوں کو حصہ مقرر نہیں ہے البتہ تقسیم کے وقت ان کو یوں ہی کچھ دے دیا جائے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس نجدہ کو یہ جواب لکھا کہ تم نے خط لکھ کر مجھ سے یہ دریافت کیا تھا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جایا کرتے تھے اور کیا آپ ان عورتوں کو مال غنیمت میں سے حصہ دیتے تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں عورتوں کو ساتھ لے جاتے تھے جو بیماروں کی دوا دارو کرتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ اور ان کو مال غنیمت میں سے یوں ہی کچھ دے دیا جاتا تھا لیکن ان کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ (مسلم)

توضیح

''نجدۃ'' نجدہ خوارج کے سرغنہ کا نام ہے ''الحروری'' یہ حروراء کی طرف منسوب ہے جو کوفہ کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے خوارج کا پہلا اجتماع اسی مقام پر ہوا تھا۔ ''ان یحذیا'' حذی عطیہ کو کہتے ہیں غلاموں اور عورتوں کو حصہ نہیں دیا جاتا صرف تطییب خاطر اور دلجوئی کے طور پر کچھ عطیہ دیا جاتا ہے کیونکہ ان پر لڑنے کی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہی مسئلہ نابالغ لڑکوں کا بھی ہے۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی بہادری

﴿۵﴾وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِظَهْرِهٖ مَعَ رَبَاحٍ غُلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَلَمَّا أَصْبَحْنَا إِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ الْفَزَارِيُّ قَدْ أَغَارَ عَلَى ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُمْتُ عَلَى أَكَمَةٍ فَاسْتَقْبَلْتُ الْمَدِيْنَةَ فَنَادَيْتُ ثَلَاثًا يَا صَبَاحَاهُ ثُمَّ

خَرَجْتُ فِيْ آثَارِ الْقَوْمِ أَرْمِيْهِمْ بِالنَّبْلِ وَأَرْتَجِزُ أَقُوْلُ أَنَا ابْنُ الْأَكْوَعِ وَالْيَوْمُ يَوْمُ الرُّضَّعِ فَمَا زِلْتُ أَرْمِيْهِمْ وَأَعْقِرُ بِهِمْ حَتّٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ بَعِيْرٍ مِنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا خَلَّفْتُهُ وَرَاءَ ظَهْرِيْ ثُمَّ اتَّبَعْتُهُمْ أَرْمِيْهِمْ حَتّٰى أَلْقَوْا أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثِيْنَ بُرْدَةً وَثَلَاثِيْنَ رُمْحًا يَسْتَخِفُّوْنَ وَلَا يَطْرَحُوْنَ شَيْئًا إِلَّا جَعَلْتُ عَلَيْهِ آرَامًا مِنَ الْحِجَارَةِ يَعْرِفُهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتّٰى رَأَيْتُ فَوَارِسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَحِقَ أَبُوْ قَتَادَةَ فَارِسُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَتَلَهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ أَبُوْ قَتَادَةَ وَخَيْرُ رُجَّالَتِنَا سَلَمَةُ قَالَ ثُمَّ أَعْطَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَيْنِ سَهْمَ الْفَارِسِ وَسَهْمَ الرَّاجِلِ فَجَمَعَهُمَا لِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ أَرْدَفَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاءَهُ عَلَى الْعَضْبَاءِ رَاجِعِيْنَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ ‎ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سلمہ ابن اکوع کہتے ہیں کہ مسلمانوں اور کفار قریش کے درمیان معاہدہ ہو جانے کے بعد حدیبیہ سے واپسی کے دوران راستہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے سارے اونٹ، رباح کے ساتھ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے آگے روانہ کر دیئے میں بھی رباح کے ساتھ ہولیا ہم دونوں نے رات میں ایک جگہ قیام کیا اور جب صبح ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ عبدالرحمن فزاری نے جو مسلمانوں کا ایک مشہور دشمن اور کافر تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہنکا کر لے گیا میں ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے تین مرتبہ یا صباحاہ یعنی خبردار دشمن آپہنچا کا نعرہ بلند کیا اور تیر پر تیر پھینکتا ہوا اس قوم یعنی عبدالرحمن اور اس کے ساتھیوں کے نشانات قدم پر چل پڑا اس وقت میری زبان پر بلند آواز میں رجز یعنی رزمیہ شعر تھے میں نے کہا ۔ انا ابن الاکوع ۔ والیوم یوم الرضع یعنی اے دین کے دشمنو! کان کھول کر سن لو میں اکوع کا بیٹا ہوں آج کا دن برے لوگوں یعنی تم دشمنان دین کے ہلاک ہونے کا دن ہے میں اسی طرح برابر تیر مارتا اور ان کی سواریوں کی کونچیں کاٹتا آگے بڑھتا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں میں سے اللہ کا پیدا کیا ہوا ایسا کوئی اونٹ باقی نہیں بچا جس کو میں نے اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو میں تیر برساتا ہوا ان کا تعاقب جاری رکھے ہوئے تھا یہاں تک کہ انہوں نے ہلکا ہو جانے کے خیال سے اپنی تیس سے زیادہ چادریں اور تیس کپڑے پھینک دیئے یعنی وہ بھاگتے ہوئے اپنی چادریں اور اپنے کپڑے بھی پھینکتے جا رہے تھے تاکہ جسم ہلکا ہو جانے کی وجہ سے بھاگنے میں آسانی ہو اور وہ جس چیز کو بھی پھینکتے تھے وہ اس پر نشان کے طور پر پتھر رکھ دیتا تھا تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء اگر پیچھے سے آئیں تو اس کو پہچان لیں یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کو آتے دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ حضرت ابوقتادہؓ نے جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سوار کہا جاتا تھا عبدالرحمن کو جالیا اور

اس کو قتل کر دیا۔ پھر اس ہنگامہ کے ختم ہونے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر سوار ابو قتادہؓ ہیں اور پیادوں میں سب سے بہتر پیادہ سلمہ ابن اکوع ہیں اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کافروں سے ہاتھ لگے ہوئے مال کو ہمارے درمیان تقسیم فرمایا تو مجھ کو دو حصے دیئے ایک حصہ سوار کا اور ایک حصہ پیادہ کا دونوں حصے اکٹھے کر کے مجھے عطا فرمائے اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی عضباء پر مجھے اپنے پیچھے بٹھا لیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ (مسلم)

توضیح

"سلمة بن اکوع" یہ شان والے صحابی ہیں جنگوں میں نمایاں حصہ لیا ہے پیدل دوڑنے میں مشہور تھے گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑتے تھے۔ "اغار" حملہ اور غارت گری کو کہتے ہیں۔

"علی ظهره" ظہر سے مراد سواری کے اونٹ ہیں۔ "اکمة" بلند ٹیلہ کو کہتے ہیں۔ "یا صباحاه" قدیم زمانہ میں کسی کو مدد کے لئے جب پکارا جاتا تھا تو عرب معاشرہ میں اس قسم کے نعرے لگائے جاتے تھے اسکا مطلب یہ ہے کہ دشمن نے صبح کے وقت حملہ کر دیا ہے تیار ہو جاؤ اور مدد کرو، فوجی کاروائی اکثر صبح میں ہوتی ہے۔ "ارتجز" یعنی میں رجز کے اشعار گا تا تھا بحر رجز کا وزن مستفعلن چھ مرتبہ ہے۔ "یوم الرضع" اس کا مفرد راضع ہے راضع کا ایک مطلب کمینہ اور ذلیل ہے یعنی آج ان کمینوں اور ذلیلوں کی ہلاکت کا دن ہے جو منہ میں پستان لیکر دودھ چوستا ہے تاکہ دودھ نکالنے کی آواز کوئی نہ سنے اور دودھ نہ مانگے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ آج وہی آدمی کامیاب ہے جس کو شریف عورت نے دودھ پلایا ہو یعنی آج دودھ پر فیصلہ ہوگا بہادر ماں کا دودھ بہادر بنائے گا اور بزدل ماں کا دودھ بزدل بنائے گا۔

"یستخفون" یعنی زائد سامان پھینکدیا تاکہ بھاگنے کے لئے ہلکے ہو جائیں۔ "آراما" اس کا مفرد ارم ہے جیسا اعناب و عنب، علامت کو کہتے ہیں دیہاتوں میں اب بھی یہ دستور ہے کہ لکڑی وغیرہ اشیاء پر پتھر رکھتے ہیں یہ علامت ہوتی ہے کہ یہ مال کسی کا ہے تو کوئی اس کو ہاتھ نہیں لگاتا ہے بعض لوگ تین پتھر رکھتے ہیں جو تین طلاق کی قسم کھلانے کی طرف اشارہ ہوتا ہے ارم بمعنی علامت علامہ بوصیری نے قصیدہ بردہ میں ذکر کیا ہے۔

فالصدق فی الغار والصدیق لم یریا

وهم یقولون ما بالغار من ارم

"سهم الفارس" کسی مجاہد کی اچھی کارکردگی پر اس کو اضافی مال دیا جا سکتا ہے اس لئے حضرت سلمہ بن اکوع کو دو حصے دیئے گئے۔

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً سِوٰى قِسْمَةِ عَامَّةِ الْجَيْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کو جہاد کیلئے بھیجتے تھے ان میں سے بعض لوگوں کے لئے عام لشکر والوں کی بہ نسبت مخصوص طور پر کچھ زیادہ حصہ لگا دیا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَفَّلَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَلًا سِوٰى نَصِيْبِنَا مِنَ الْخُمُسِ فَأَصَابَنِيْ شَارِفٌ وَالشَّارِفُ الْمُسِنُّ الْكَبِيْرُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو خمس کے مال میں سے ہمارے مقررہ حصوں کے علاوہ بھی کچھ زیادہ مرحمت فرمایا چنانچہ میرے حصے میں ایک شارف آئی اور شارف اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو بوڑھی اور بڑی ہو۔ (بخاریؒ ومسلم)

حوصلہ افزائی اور ترغیب کے لئے بعض اچھے مجاہدوں کو کچھ زیادہ دینا جائز ہے اسی کو نفل اور تنفیل کہتے ہیں۔

اگر کفار مسلمانوں کا مال چھین لیں تو کیا ہوگا؟

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ ذَهَبَتْ فَرَسٌ لَهُ فَأَخَذَهَا الْعَدُوُّ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرُدَّ عَلَيْهِ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،وَفِيْ رِوَايَةٍ أَبَقَ عَبْدٌ لَهُ فَلَحِقَ بِالرُّوْمِ فَظَهَرَ عَلَيْهِمُ الْمُسْلِمُوْنَ فَرَدَّ عَلَيْهِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ ان کا گھوڑا بھاگ گیا جس کو دشمنوں یعنی کافروں نے پکڑ لیا پھر جب مسلمانوں کو ان دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی اور ان کے مال غنیمت میں وہ گھوڑا بھی آیا تو ابن عمرؓ کو ان کا گھوڑا واپس کر دیا گیا اور اس کو مال غنیمت میں شمار نہیں کیا گیا یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ابن عمرؓ کا غلام بھاگ کر روم پہنچ گیا پھر جب مسلمانوں کو رومیوں پر فتح حاصل ہوئی تو خالد بن ولیدؓ نے ابن عمرؓ کو ان کا غلام واپس کر دیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ (بخاری)

توضیح

''فاخذھا العدو''یعنی حضرت ابن عمرؓ کا گھوڑا بھاگ گیا تو دشمن نے پکڑ لیا پھر مسلمان غالب آگئے اور گھوڑا ان سے واپس کر دیا اسی طرح ان کا غلام بھاگا تھا پھر مسلمان غالب آگئے تو اس کو بھی مسلمانوں نے واپس لے لیا اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار کسی مسلمان کے مال پر غلبہ کر کے اپنے ہاں لیجائیں اور احراز بھی کرلیں تو آیا وہ لوگ اس مال کے مالک ہوجائیں گے

یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

اختلاف

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار اس مال کے مالک نہیں ہونگے یہ جس کا مال ہے اسی کا رہیگا۔ لیکن جمہور کے ہاں کافر لوگ اس مال کے مالک ہوجائیں گے اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر بعد میں مسلمانوں نے غلبہ حاصل کیا اور وہی مال چھین لیا تو اب کیا ہوگا؟ شوافع کے ہاں یہ مال اصل مالک کو دیا جائے گا گویا یہ مال اس کی ملکیت سے نہیں نکلا ہے۔ جمہور کے ہاں یہ مال اگر کافروں میں تقسیم نہیں ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں تقسیم سے پہلے آگیا تو یہ اصل مالک کا ہے لیکن کافروں میں تقسیم ہوجانے کے بعد اگر مجاہدین کے ہاتھ میں آگیا تو اب یہ مال غنیمت میں شامل کیا جائے گا اور عام مسلمانوں پر تقسیم ہوگا۔

دلائل

شوافع نے زیر بحث روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت ابن عمر کے گھوڑے اور غلام کے بھاگنے اور کافروں کے قبضہ میں چلے جانے کا قصہ ہے اور پھر ان کو واپس دلانے کا ذکر ہے اسی طرح شوافع نے اس سے پہلے حدیث نمبر ۵ میں مذکور ناقۂ رسول کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے۔

جمہور نے "للفقراء المهاجرين" سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ صحابہ کے اموال مکہ مکرمہ میں تھے لیکن کافروں کے ہاتھ میں چلے جانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مال کے مالکوں کو فقراء کے نام سے یاد کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا یہ مال کافروں کی ملکیت میں چلا گیا تھا اور تقسیم کے بعد کفار اس کے مالک ہوگئے تھے ہاں تقسیم سے پہلے کفار اس مال کے مالک نہیں بنتے ہیں۔ یہ تو عام اموال کا مسئلہ اور اس میں اختلاف تھا۔

اب یہاں بھاگے ہوئے غلام کا الگ مسئلہ ہے اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے وہ اس طرح ہے کہ اگر غلام مرتد ہوکر بھاگ گیا تو تمام ائمہ کے نزدیک اتفاقاً کافر اس کے مالک ہوجائیں گے۔ لیکن اگر مسلمان یا ذمی غلام بھاگ جائے اور کافر اس کے مالک ہوجائیں تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفار اس کے مالک نہیں ہوسکتے ہیں مگر جمہور کہتے ہیں کہ مرتد غلام کی طرح مسلمان غلام کے بھی کافر مالک ہوجائیں گے دونوں فریق نے زیر بحث حدیث کے اجزا سے استدلال کیا ہے مگر یہ باریک اجتہادی فرق ہے اس لئے دلائل کی ضرورت نہیں۔

مورخہ ۲۲ صفر ۱۴۱۸ھ

خمس کا حکم

﴿۹﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا أَعْطَيْتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ مِنْ خُمُسِ خَيْبَرَ وَتَرَكْتَنَا وَنَحْنُ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْكَ فَقَالَ إِنَّمَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو الْمُطَّلِبِ شَيْءٌ وَاحِدٌ قَالَ جُبَيْرٌ وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَبَنِي نَوْفَلٍ شَيْئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت جبیر ابن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت عثمان بن عفانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے خیبر کے خمس میں سے بنو مطلب کو حصہ دیا اور ہم کو نہیں دیا حالانکہ آپ کے اعتبار سے ہم سب ایک ہی مرتبہ کے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ایک ہیں۔ حضرت جبیرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبد شمس یعنی حضرت عثمانؓ وغیرہ اور بنو نوفل یعنی حضرت جبیرؓ وغیرہ کو کوئی حصہ نہیں دیا۔ (بخاری)

توضیح

''من خمس خیبر'' مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہوتا ہے خمس کا یہ حصہ آنحضرتؐ کے ذوی القربی اور فقراء وغیرہ میں تقسیم ہوتا تھا۔ خیبر کا مال جب آگیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے اپنے ذوی القربی بنو ہاشم اور بنو المطلب کو دیا مگر بنو نوفل اور بنی عبد الشمس کو کچھ نہیں دیا اس بات کو جاننے کے لئے حضرت عثمان اور حضرت جبیر بن مطعم حضور اکرم کے پاس گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! قرابت میں ہم اور بنو المطلب آپ کے لئے برابر ہیں یہ بات صحیح ہے کہ آپ کا تعلق بنو ہاشم سے ہے اس فضیلت میں ہم مداخلت نہیں کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کو کیوں دیا لیکن بنو المطلب اور ہم قرابت میں آپ کے لئے برابر ہیں کیونکہ عبد مناف کے چار بیٹے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) ہاشم (۲) مطلب (۳) عبد شمس (۴) نوفل۔

حضور اکرم ہاشم کی اولاد میں سے تھے حضرت عثمان عبد شمس کی اولاد میں سے تھے حضرت جبیر بن مطعم نوفل کی اولاد میں سے تھے ان حضرات کی شکایت یہ تھی کہ بنو المطلب کو جب خمس میں سے دیا گیا تو ہم کو کیوں چھوڑا گیا حالانکہ قرابت داری میں کوئی فرق نہیں ہے اس کے جواب میں حضور اکرم نے فرمایا کہ قرابت کا حق صرف بنو ہاشم اور بنو المطلب کو حاصل ہے اس لئے کہ ان لوگوں نے اسلام اور جاہلیت میں ساتھ رہنے کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ جب قریش نے بنو ہاشم سے بائیکاٹ کیا تو بنو المطلب

نے بنو ہاشم کا ساتھ دیا اور بنو نوفل اور بنو عبد شمس نے بائیکاٹ کرنے میں کفار کا بھرپور ساتھ دیا لہٰذا ان کی قرابت ہم سے ختم ہوگئی تو خمس میں ان کا حق نہیں رہا۔ آنے والی حدیث نمبر ۴۲ میں اس واقعہ کی مزید تفصیل موجود ہے۔

مال فئی کا تعارف اور حکم

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوْهَا وَأَقَمْتُمْ فِيْهَا فَسَهْمُكُمْ فِيْهَا وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ ثُمَّ هِيَ لَكُمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بستی میں تم جاؤ اور اس میں قیام کرو تو اس کے مال میں تمہارا حصہ ہے اور جو بستی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے تو اس کے مال میں پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اور بقیہ تمہارا ہے۔ (مسلم)

توضیح

''واقمتم فیہا'' یعنی ایسی زمین میں تم آ کر ٹھہر گئے کہ وہاں کے لوگوں نے نہ جنگ کی نہ کوئی مزاحمت کی اور ان کے اموال بطور غنیمت تم کو مل گئے تو یہ مال فئی ہے جس میں مجاہدین مقاتلین اور مدینہ میں رہنے والے غیر مجاہدین سب شریک ہوتے ہیں سب کو حصہ ملتا ہے اور اس میں خمس نہیں ہوتا لیکن جس شہر نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یعنی وہاں کے باشندوں نے مجاہدین کا مقابلہ کیا جنگ کی اور شکست کھا کر بھاگ گئے اور مال غنیمت مسلمانوں کو ملا تو اس میں سے خمس نکال کر بیت المال کے حوالے کیا جائے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہونگے بہرحال حدیث کا خلاصہ یہ کہ مال فئی میں خمس نہیں ہوتا مال غنیمت میں ہوتا ہے آخری جملہ ثم ھی لکم میں فرمایا کہ خمس بھی تم ہی مسلمانوں میں تقسیم ہوتا ہے میرا ذاتی مال نہیں ہے۔

مشترکہ قومی دولت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں جائے گا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُوْنَ فِيْ مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت خولہ انصاریہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بعض لوگ اللہ کے مال یعنی غنیمت فئی اور زکوۃ کے مال میں ناحق یعنی بغیر کسی استحقاق کے تصرف کرتے ہیں لہٰذا ایسے لوگ قیامت کے دن آگ کے سزاوار ہوں گے۔ (بخاری)

توضیح

''یتخوضون'' خوض گھسنے کے معنی میں ہے یہاں اوقاف، مال غنیمت، زکوۃ اور مال فی میں بے جا تصرف کرنا مراد ہے یہ بات یاد رکھیں کہ ان احادیث میں ظاہراً غلول اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کے الفاظ آئے ہیں مگر یہ صرف مال غنیمت نہیں ہے بلکہ مشترکہ قومی دولت اور تمام مسلمانوں کی امانت مراد ہے۔لہذا سرکاری اداروں میں، مذہبی مدارس میں اور جہادی اور غیر جہادی تنظیموں میں جو مشترکہ اموال ہیں ان سب پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ یہ تو مال غنیمت کی خیانت کی بات ہے میں تو سرکاری دفتر یا کمپنی یا مدرسے یا تنظیم یا اوقاف کے مال میں خیانت کرتا ہوں زیر بحث حدیث میں مال اللہ کا لفظ آیا ہے یہ تمام اداروں کو شامل ہے میں آیندہ عنوانات میں مشترکہ قومی دولت لکھوں گا یہ اسی عموم کی طرف اشارہ ہوگا۔

مشترکہ قومی دولت میں خیانتوں کی مختلف صورتیں

﴿۱۲﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهُ وَعَظَّمَ أَمْرَهُ ثُمَّ قَالَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ بَعِيْرٌ لَهُ رُغَاءٌ يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْ أَبْلَغْتُكَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ فَرَسٌ لَهُ حَمْحَمَةٌ فَيَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْأَبْلَغْتُكَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ يَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْأَبْلَغْتُكَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ نَفْسٌ لَهَا صِيَاحٌ فَيَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْأَبْلَغْتُكَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَيَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْأَبْلَغْتُكَ لَاأُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ يَجِيْءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى رَقَبَتِهِ صَامِتٌ فَيَقُوْلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَغِثْنِيْ فَأَقُوْلُ لَاأَمْلِكُ لَكَ شَيْئًا قَدْأَبْلَغْتُكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ وَهُوَ أَتَمُّ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ کے دوران مال غنیمت میں خیانت کا ذکر فرمایا چنانچہ آپ نے اس کو بہت بڑا گناہ بتایا اور بڑی اہمیت کے ساتھ اس کو بیان کیا اور پھر فرمایا کہ خبردار میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر بلبلاتے ہوئے اونٹ کو لادے ہوئے میدان حشر میں آئے یعنی جو شخص مال غنیمت میں سے مثلاً اونٹ کی خیانت کرے گا تو وہ شخص میدان حشر میں اس

حالت میں آئے گا کہ اس کی گردن پر وہی اونٹ سوار ہوگا اور بلبلا رہا ہوگا اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں یعنی میں تمہیں اللہ کے عذاب سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا۔ کیونکہ میں نے تمہیں دنیا میں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے اور خبردار میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ہنہناتے ہوئے گھوڑے کو لادے ہوئے میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے یعنی تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ مال غنیمت میں خیانت یا کسی چیز میں ناحق تصرف بہت بڑا گناہ ہے اور خبردار میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر ممیاتی ہوئی بکری لادے ہوئے میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے اور خبردار میں تم سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر کسی چلاتے ہوئے آدمی کو یعنی اس غلام یا باندی کو جو اس نے غنیمت کے قیدیوں میں سے خیانت کر کے لے لیا ہو لادے ہوئے میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے اور خبردار میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے رکھے ہوئے میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے اور خبردار میں تم میں سے کسی کو قیامت کے دن اس حال میں نہ دیکھوں کہ وہ اپنی گردن پر سونا چاندی لادے ہوئے میدان حشر میں آئے اور پھر مجھ سے یہ کہے کہ یا رسول اللہ! میری فریاد رسی کیجئے اور میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ میں اب تمہاری کسی چیز کا ذمہ دار نہیں ہوں کیونکہ میں نے تمہیں شریعت کے احکام پہنچا دیئے تھے اس روایت کو معنی و مضمون کے اعتبار سے بخاری و مسلم دونوں نے نقل کیا ہے الفاظ مسلم کے ہیں جو بخاری کے الفاظ کی بہ نسبت پورے و مکمل ہیں۔

اس حدیث کے تمام مشکل الفاظ کی تشریح بہتر طریقہ سے ترجمہ میں آگئی ہے مزید طوالت کی ضرورت نہیں۔

مشترکہ قومی دولت میں خیانت پر شدید وعید

﴿۱۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ أَهْدٰى رَجُلٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِيْ أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ

الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَاراً فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ أَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام ہدیہ کے طور پر پیش کیا جس کا نام مدعم تھا ایک دن غالباً کسی میدان جنگ میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم شخص کا تیر آ کر اس کو لگا جس سے جان بحق ہو گیا لوگوں نے کہا مدعم کو جنت مبارک ہو یعنی مدعم خوش قسمت رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہوا اور جنت میں پہنچ گیا یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چادر جس کو مدعم نے خیبر کے دن مال غنیمت میں سے اس کی تقسیم سے قبل لے لیا تھا آگ بن کر مدعم پر شعلے برسا رہی ہے جب ان لوگوں نے اس شدید وعید وتنبیہ کو سنا جنھوں نے مال غنیمت میں خیانت کرنے کو سہل سمجھ لیا تھا اور یہ گمان کر لیا تھا کہ چھوٹی موٹی اور حقیر چیزوں کو لے لینے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا تو وہ کانپ گئے اور انہوں نے مال غنیمت میں سے جو چھوٹی چیزیں لے لی تھیں۔ کو لا لا کر واپس کرنے لگے یہاں تک کہ ایک شخص ایک تسمہ یا دو تسمے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ آگ کا ایک تسمہ ہے یا آگ کے دو تسمے ہیں یعنی خیانت کی چیز ہر حالت میں دوزخ کی آگ کا سزاوار کرے گی خواہ کتنی ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''سہم عائر'' نامعلوم تیر جو اچانک آ کر کسی کو لگے''شملہ'' چادر کو کہا گیا ہے۔''تشتعل'' آگ کے شعلے بھڑکانے کے معنی میں ہے۔شراک تسمہ کو کہتے ہیں۔

﴿۱۴﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ عَلَى ثَقَلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ كَرْكَرَةُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ فِي النَّارِ فَذَهَبُوْا يَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَةً قَدْ غَلَّهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام کرکرہ تھا کسی غزوے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سامان واسباب کا نگران مقرر ہوا جب اس کا انتقال ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کرکرہ دوزخ میں ڈال گیا ہے چنانچہ لوگوں نے اس کے سامان کو دیکھنا شروع کیا تو اس میں ایک کملی پائی گئی جو اس نے مال غنیمت میں سے خیانت کر کے لیا تھا۔ (بخاری)

''عباءۃ'' چوغہ نما چادر اور کملی کو عباءۃ کہا گیا ہے۔

جہاد میں ضرورت کے تحت خورد ونوش کی چیزوں کا استعمال

﴿۱۵﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِيْنَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَأْكُلُهُ وَلَانَرْفَعُهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگور ملتے تو ہم ان کو کھاتے تھے اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے۔ (بخاری)

توضیح

''العسل'' اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اشیاء کھانے پینے سے متعلق ہوں یا گھوڑوں کے چارہ سے متعلق ہوں تو مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ایسی اشیاء کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو اٹھا کر لیجایا جائے اور ذخیرہ بنایا جائے اسی ممانعت کی طرف ''ولا نرفعه'' میں اشارہ ہے۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجاہدین جب تک دار الحرب اور محاذ جنگ میں ہوں اس وقت ان کو مال غنیمت میں سے بقدر ضرورت خورد ونوش کی چیزوں کو تقسیم سے پہلے استعمال کرنا جائز ہے ہاں دار اسلام یعنی محاذ جنگ سے واپس آنے کے بعد یہ استعمال جائز نہیں ہے۔

دلچسپ صورت

﴿۱۶﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ أَصَبْتُ جِرَاباً مِنْ شَحْمٍ يَوْمَ خَيْبَرَ فَالْتَزَمْتُهُ فَقُلْتُ لَاأُعْطِي الْيَوْمَ أَحَداً مِنْ هٰذَا شَيْئًا فَالْتَفَتُّ فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ إِلَيَّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ مَاأُعْطِيْكُمْ فِيْ بَابِ رِزْقِ الْوُلَاةِ.

اور حضرت عبداللہ بن مغفل کہتے ہیں کہ خیبر کے دن مجھ کو چربی سے بھری ہوئی ایک تھیلی ملی میں نے اس کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور دل میں یا زبان سے کہا کہ آج میں اس چربی میں سے کسی کو کچھ نہیں دوں گا پھر میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے مجھ پر یعنی میرے اس فعل پر مسکرا رہے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

جنگ خیبر میں ابتدا میں کھانے کی اتنی تنگی آئی کہ صحابہ نے گھاس کھائے گدھے کا گوشت کھایا، وہاں یہود رہتے تھے ان کے لئے چربی کا استعمال کرنا حرام تھا لہٰذا ان میں سے کسی نے چربی سے بھری ہوئی تھیلی کوڑا خانہ میں پھینک دیا ایک صحابی کو جب یہ تھیلی ملی تو سینہ سے لگایا کہ خود کھاؤں گا کسی کو نہیں دوں گا جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو حضور اکرم مسکراتے ہوئے نظر آئے سبحان کیا منظر تھا۔

الفصل الثانی

﴿۱۷﴾عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَنِيْ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ أَوْ قَالَ

فَضَّلَ أُمَّتِيْ عَلَى الْأُمَمِ وَأَحَلَّ لَنَا الْغَنَائِمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالی نے مجھ کو انبیاء پر فضیلت وبزرگی عطا فرمائی ہے یا یہ فرمایا کہ میری امت کو دوسری امتوں پر فضیلت وبزرگی عطا کی ہے اور مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔ (ترمذی)

مقتول کا سلب قاتل کو ملیگا

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَعْنِيْ يَوْمَ حُنَيْنٍ مَنْ قَتَلَ كَافِراً فَلَهُ سَلَبُهُ فَقَتَلَ أَبُوْطَلْحَةَ يَوْمَئِذٍ عِشْرِيْنَ رَجُلًا وَأَخَذَ أَسْلَابَهُمْ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز یعنی غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص کسی کافر دشمن کو قتل کرے گا اس مقتول کا مال واسباب اسی قاتل کو ملے گا چنانچہ ابوطلحہؓ نے اس دن دشمن کے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سب مال واسباب حاصل کیا۔ (دارمیؒ)

توضیح

''فلہ سلبہ'' جمہور کے نزدیک سلب کا ضابطہ اور قاعدہ ہے کہ ہر حال میں قاتل کو ملے گا۔ خواہ موقع پر کوئی امیر اعلان کرے یا نہ کرے۔ ائمہ احناف کے نزدیک موقع پر وقتی اعلان ضروری ہے مستقل قاعدہ وضابطہ نہیں ہے۔ یاد رہے سلب میں خمس نہیں ہوتا ہے، تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

﴿۱۹﴾وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ وَخَالِدِبْنِ الْوَلِيْدِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِي السَّلَبِ لِلْقَاتِلِ وَلَمْ يُخَمِّسِ السَّلَبَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عوفؓ بن مالک اشجعی اور حضرت خالدؓ بن ولید سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتول کے مال واسباب کے بارے میں حکم فرمایا کہ وہ قتل کرنے والے کا حق ہے نیز اس مال واسباب میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس نہیں نکالا جیسا کہ مال غنیمت میں سے نکالتے تھے۔ (ابوداؤد)

ابوجہل کا اصل قاتل کون تھا؟

﴿۲۰﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ نَفَّلَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ سَيْفَ أَبِيْ جَهْلٍ وَكَانَ قَتَلَهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن مجھ کو ابوجہل کی تلوار میرے حصہ

سے زائد دی۔ واضح ہو کہ ابوجہل کو عبداللہ بن مسعود ہی نے قتل کیا تھا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''وکان قتلہ'' یعنی ابن مسعود نے ابوجہل کو قتل کیا تھا، اس بارہ میں احادیث میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ دراصل ابوجہل کو کس نے قتل کیا تھا بعض روایات میں ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے مارا بعض میں ہے کہ ابن مسعودؓ نے مارا بعض میں ہے کہ پہلے حملہ معاذ بن عمرو بن الجموح نے کیا پھر معوذ نے آکر اس کا کام تمام کر دیا تو اصل حقیقت یہ ہے کہ ابوجہل پر سب سے پہلے حملہ حضرت معاذ نے کیا اور اس کی ران کو کاٹ کو گھوڑے سے گرا دیا پھر شیر کی طرح معوذ نے جھپٹ کر اس پر وار کیا وہ تڑپ رہا تھا کہ حضرت ابن مسعود پہنچ گئے اور اس کا سر قلم کر دیا اس اعتبار سے ہر ایک کی طرف ابوجہل کے قتل کرنے کی نسبت کی گئی ہے بلکہ یہ بھی روایات میں ہے کہ فرشتوں نے ابوجہل کے قتل میں عملاً حصہ لیا تھا لیکن اصل کردار حضرت معاذ نے ادا کیا تھا اس لئے اس کا مکمل سلب ان کو مل گیا باقی دو کو بھی کچھ نہ کچھ دیا گیا جیسے زیر بحث حدیث میں ہے کہ ابوجہل کی تلوار حضرت ابن مسعودؓ کو دی گئی آئندہ حدیث ۴۳ میں اور حدیث ۴۴ میں پوری تفصیل آرہی ہے۔

اب یہاں ایک سوال اور تعارض ہے وہ یہ ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ معاذ بن عمرو بن الجموح نے ابوجہل کو مارا دوسری میں ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے مارا اس تعارض کو اس طرح دور کیا جاتا ہے کہ معاذ اور معوذ دونوں عفراء کے بیٹے ہیں اور ماں شریک بھائی ہیں لیکن باپ دونوں کا الگ الگ ہے حضرت معاذ کے باپ کا نام عمرو بن الجموح ہے اور معوذ کے باپ کا نام حارث ہے عفرا دونوں کی ماں ہے لہٰذا معاذ بن عمرو بن الجموح اور معوذ بن عفراء کوئی الگ الگ آدمی نہیں ہیں۔

تلوار گھسیٹ کر جہاد پر جا رہا ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ شَهِدْتُ خَيْبَرَ مَعَ سَادَتِيْ فَكَلَّمُوْا فِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَلَّمُوْهُ اَنِّيْ مَمْلُوْكٌ فَأَمَرَ لِيْ فَقُلِّدْتُ سَيْفًا فَإِذَا اَنَا اَجُرُّهُ فَأَمَرَ لِيْ بِشَيْءٍ مِنْ خُرْثِيِّ الْمَتَاعِ وَعَرَضْتُ عَلَيْهِ رُقْيَةً كُنْتُ أَرْقِيْ بِهَا الْمَجَانِيْنَ فَأَمَرَنِيْ بِطَرْحِ بَعْضِهَا وَحَبْسِ بَعْضِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ اِلَّا أَنَّ رِوَايَتَهُ انْتَهَتْ عِنْدَ قَوْلِهِ الْمَتَاعِ

اور حضرت عمیر آبی اللحم کے آزاد کردہ غلام تھے کہتے ہیں کہ میں اپنے مالکوں کے ساتھ غزوہ خیبر میں شریک ہوا ہوں اس غزوہ کے لئے روانگی کے وقت میرے مالکوں نے میرے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی یعنی انہوں نے میری تعریف و توصیف کی اور عرض کیا کہ میدان جنگ میں لڑنے کے لئے یا خدمت کی غرض سے عمیر کو بھی ساتھ لے چلیئے نیز انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی بتایا کہ میں ایک مملوک غلام ہوں آپ نے میرے مالکوں کی درخواست

منظور فرمائی اور مجھ کو حکم دیا کہ میں مسلح ہو جاؤں اور مجاہدین کے ساتھ شامل رہوں چنانچہ مجھے تلوار سے مسلح کیا گیا یعنی ایک تلوار میری گردن میں ڈال دی گئی میں جب چلتا تو صغر سنی کی وجہ سے یا اپنے کوتاہ قد ہونے کے سبب اس تلوار کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلتا پھر دشمنوں پر غلبہ حاصل کر لینے کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت میں سے تھوڑا بہت مجھے بھی دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا نیز ایک موقع پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وہ منتر پڑھ کر سنایا جو میں دیوانگی کے مریضوں پر پڑھا کرتا تھا اور آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مجھے اس کے بعض حصوں کے موتوف کر دینے اور بعض حصوں کو باقی رکھنے کا حکم دیا۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد کی روایت الفاظ المتاع پر پوری ہوگئی ہے۔

توضیح

"حرثی المتاع" یعنی گھر کا گراپڑا سامان جیسے ہنڈیا وغیرہ۔ "اجر" یعنی عمر اور قد چھوٹا ہونے کی وجہ سے میں تلوار کو زمین پر گھسیٹ کر جاتا تھا "ارقی بھا" یعنی میں جھاڑ پھونک بھی کرتا تھا میں نے حضور اکرم کے سامنے جب جھاڑ کے الفاظ پیش کر دیئے تو آپ نے بعض کو منع کر دیا بعض کو باقی رکھا۔

خیبر کے غنائم کی تقسیم میں احناف کا مستدل

﴿۲۲﴾ وَعَنْ مُجَمِّعِ بْنِ جَارِيَةَ قَالَ قُسِمَتْ خَيْبَرُ عَلٰى أَهْلِ الْحُدَيْبِيَةِ فَقَسَمَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَهْمًا وَكَانَ الْجَيْشُ أَلْفًا وَخَمْسَمِائَةٍ فِيْهِمْ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ فَأَعْطَى الْفَارِسَ سَهْمَيْنِ وَالرَّاجِلَ سَهْمًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ أَصَحُّ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ وَأَتَى الْوَهْمُ فِيْ حَدِيْثِ مُجَمِّعٍ أَنَّهُ قَالَ ثَلَاثُمِائَةِ فَارِسٍ وَإِنَّمَا كَانُوْا مِائَتَيْ فَارِسٍ

اور حضرت مجمع بن جاریہؓ کہتے ہیں کہ کہ خیبر میں حاصل شدہ مال غنیمت اور زمین کو ان لوگوں کے درمیان تقسیم کیا گیا جو حدیبیہ کی صلح میں شریک تھے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیبر کے مال غنیمت اور زمین کو اٹھارہ حصوں میں تقسیم کیا اور صلح حدیبیہ میں شریک لشکر کی تعداد پندرہ سو آدمیوں پر مشتمل تھی جن میں تین سو سوار تھے اس طرح سوار کو آپ نے دو حصے دیئے اور پیادہ کو ایک حصہ! ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس بارہ میں ابن عمرؓ کی روایت زیادہ صحیح ہے اور اسی پر اکثر ائمہ نے عمل کیا ہے نیز مجمع کی اس روایت میں واہمہ واقع ہوا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ تین سو سوار تھے حالانکہ سواروں کی تعداد دو سو تھی۔

اس حدیث کی پوری تفصیل حدیث ۳ کے تحت گذر چکی ہے۔

جو زیادہ جرأت سے لڑیگا زیادہ حصہ پائے گا

﴿۲۳﴾وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ الْفِهْرِيِّ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہری کہتے ہیں کہ کسی غزوے کے موقع پر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی ابتداء میں لڑنے والوں کو مال غنیمت میں سے چوتھائی حصہ زائد عطا کیا اور واپسی کے وقت لڑنے والوں کو تہائی حصہ زائد عطا کیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''نفل الربع'' یہ تنفیل سے ہے بطور انعام اضافی حصہ کو کہا گیا ہے اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مثلاً کچھ لوگوں نے لشکر اسلام کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے کفار پر حملہ کر دیا پھر لشکر اسلام آیا اور کفار کو شکست ہوگئی اس پہلے دستہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے پورے مال کا ربع بطور انعام عطا فرماتے تھے اور باقی مال میں بھی ان کا عام مجاہدین کی طرح حصہ ہوتا تھا کیونکہ ان لوگوں نے نہایت جرأت کا مظاہرہ کیا''البداءۃ'' کا یہی مطلب ہے۔

دوسری صورت یہ ہوتی تھی کہ مثلاً لشکر اسلام محاذ جنگ سے واپس چلا گیا مگر ایک دستہ اب بھی دشمن کے مقابلہ میں ڈٹا ہوا لڑ رہا ہے آنحضرت ایسے لوگوں کو تقسیم سے پہلے پورے مال کا ثلث دیتے تھے کیونکہ ان کی جرأت پہلے والوں سے بڑھ کر ہے اسی کو''فی الرجعۃ'' کہا گیا ہے اب اس میں بحث ہے کہ یہ انعام خمس کے ہٹائے جانے کے بعد بقیہ چار حصوں سے دیا جاتا تھا یا خمس بھی اس میں شامل رہتا تھا ساتھ والی روایت نمبر ۲۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ خمس ہٹانے کے بعد ایسا ہوتا تھا اور یہی احمد بن حنبل کا مسلک ہے بعض نے کہا کہ یہ انعام خمس کے مال میں سے دیا جاتا تھا۔

﴿۲۴﴾وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُنَفِّلُ الرُّبُعَ بَعْدَ الْخُمُسِ وَالثُّلُثَ بَعْدَ الْخُمُسِ إِذَا قَفَلَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت حبیب ابن مسلمہ فہریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی ابتداء میں اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے لڑنے والے مجاہدین کو مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد چوتھائی حصہ زیادہ دیتے تھے اور لشکر کے واپس آجانے کی صورت میں لڑنے والے مجاہدین کو خمس نکالنے کے بعد تہائی حصہ زیادہ دیتے تھے۔ (ابوداؤد)

مال فی میں سب مسلمان برابر کے شریک ہیں

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي الْجُوَيْرِيَةِ الْجَرْمِيِّ قَالَ أَصَبْتُ بِأَرْضِ الرُّوْمِ جَرَّةً حَمْرَاءَ فِيْهَا دَنَانِيْرُ فِيْ اِمْرَأَةِ مُعَاوِيَةَ وَعَلَيْنَا رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ يُقَالُ لَهُ مَعْنُ بْنُ يَزِيْدَ فَأَتَيْتُهُ بِهَا فَقَسَمَهَا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَعْطَانِيْ مِنْهَا مِثْلَ مَا أَعْطَى رَجُلاً مِنْهُمْ ثُمَّ قَالَ لَوْلَا أَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَانَفْلَ اِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ لَأَعْطَيْتُكَ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوجریریہؓ کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کے زمانہ میں ایک دن میں نے روم کی زمین میں ایک سرخ رنگ کی تھلیا پائی جس میں دینار بھرے ہوئے تھے اس وقت ہمارے علاقے کے حاکم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص تھے جن کا نام معن ابن یزید تھا میں وہ تھیلا لے کر ان کے پاس آیا۔ انہوں نے ان دیناروں کو مسلمانوں یعنی مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم کر دیا اور ان میں سے مجھ کو بھی اتنا ہی دیا جتنا کسی ایک شخص کے حصے میں آیا تھا۔ یعنی مجھے بھی سب کے برابر دیا کوئی زیادہ حصہ نہیں دیا اور پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ خمس نکالنے کے بعد ہی حصے سے زیادہ دیا جا سکتا ہے تو یقیناً میں بھی تمہیں دوسروں سے زیادہ دیتا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''لولا انی'' یعنی انعام وغیرہ اس مال سے دیا جاتا ہے جس سے خمس نکلتا ہو یعنی وہ مال غنیمت ہوتا کہ خمس ہٹائے جانے کے بعد بقیہ چار حصوں سے انعام دیا جائے ولہذا میں انعام اس لئے نہیں دے سکتا ہوں کہ یہ مال غنیمت نہیں ہے بلکہ مال فی ہے جو جنگ کے بغیر تجھے حاصل ہو گیا ہے اس لئے اس میں آپ انعام کی توقع نہ رکھیں بلکہ عام مسلمانوں کی طرح حصہ آپ کو بھی ملیگا۔

اہل سفینہ کی خصوصیت

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَدِمْنَا فَوَافَقْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ افْتَتَحَ خَيْبَرَ فَأَسْهَمَ لَنَا أَوْ قَالَ فَأَعْطَانَا مِنْهَا وَمَا قَسَمَ لِأَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا لِمَنْ شَهِدَ مَعَهُ اِلَّا أَصْحَابَ سَفِيْنَتِنَا جَعْفَرًا وَأَصْحَابَهُ أَسْهَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ جب ہم حبشہ سے آئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ اس وقت خیبر کو فتح کر چکے تھے چنانچہ آپ نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمایا یا ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا کہ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مال غنیمت میں سے ہمیں بھی عطا فرمایا اور آپ نے اس مال غنیمت میں سے کسی بھی

ایسے شخص کو کوئی حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے موقع پر موجود نہ رہا ہو علاوہ اس شخص کے جو غزوہ خیبر کے وقت آپ کے ساتھ تھا اور علاوہ ہم کشتی والوں یعنی حضرت جعفرؓ اور ان کے رفقاء کے کہ آپ نے ہم کشتی والوں کو بھی ان غزوہ خیبر میں شریک ہونے والے مجاہدوں کے ساتھ حصہ دیا باوجودیکہ ہم اس غزوہ میں شریک نہیں تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح

جنگ خیبر کے موقع پر حبشہ سے مدینہ کی طرف دوسری ہجرت کے موقع پر حضرت جعفرؓ وغیرہ صحابہ پہنچ گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا تھا یہ کس طرح ہوا؟ تو اس میں فقہاء کے اصول کو سمجھنا چاہئے امام شافعیؒ کا اصل یہ ہے کہ جب میدان جنگ میں لڑائی ختم ہوگئی اور کافروں کی شکست کے بعد مال غنیمت مجاہدین کے ہاتھ میں آگیا تو اب باہر سے کسی آنے والے لشکر کا اس مال میں کوئی حق نہیں یہ صرف مجاہدین پر تقسیم ہوگا شوافع کے ہاں دار اسلام کی طرف اخراج واحراز شرط نہیں ہے۔

ائمہ احناف کا اصل یہ ہے کہ مجاہدین کے غلبہ کے بعد مال غنیمت کا احراز واخراج الی دار اسلام بھی ضروری ہے احراز سے پہلے جو لوگ میدان جہاد میں پہنچ گئے وہ مال غنیمت میں حصہ پائیں گے ورنہ نہیں۔ اب شوافع فرماتے ہیں کہ اہل سفینہ کو حصہ اس لئے دیا گیا کہ ابھی تک مال جمع نہیں کیا گیا تھا پورا غلبہ بھی حاصل نہیں ہوا تھا کہ یہ لوگ پہنچ گئے تھے تو شریک ہوگئے۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اہل سفینہ کو اس لئے حصہ دیا گیا کہ اب تک مال غنیمت کا اخراج واحراز نہیں ہوا تھا اگرچہ غلبہ حاصل ہوگیا تھا۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مجاہدین کی رضا ورغبت سے ان کو حصہ دیا گیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خائن کا جنازہ نہیں پڑھا

﴿۲۷﴾ وَعَنْ يَزِيدَ بْنِ خَالِدٍ أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوْهُ النَّاسِ لِذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ غَلَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزاً مِنْ خَرَزِ يَهُوْدَ لَا يُسَاوِيْ دِرْهَمَيْنِ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت یزید ابن خالدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص کا خیبر کے دن انتقال ہوگیا صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا یعنی آپ کو بتایا گیا کہ فلاں شخص کا انتقال ہوگیا ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تم لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ لو میں اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا لوگوں کا یہ سننا تھا کہ ان کے چہروں کا رنگ اس خوف کی وجہ سے بدل گیا کہ نہ معلوم کیوں آنحضرت اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے آنحضرت نے فرمایا میں اس کی

نماز جنازہ وہاں موجود نہیں پڑھوں گا کہ تمہارے اس ساتھی نے اللہ کی راہ میں یعنی مال غنیمت میں خیانت کا ارتکاب کیا تھا۔ چنانچہ جب ہم نے اس کے اسباب کی تلاشی لی تو اس میں ہمیں یہودیوں یعنی یہودی عورتوں کے پہننے کے ۔ گلے کے ہار ملے جو دو درہموں کے برابر بھی نہیں تھے یعنی ان کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی۔ (مالک، ابوداؤد، نسائی)

''خرز'' گلے کے اس ہار کو کہتے ہیں جو پیکار اشیاء سے بنا ہو۔

خیانت کردہ مہار قیامت میں خود لاؤ

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَ غَنِيْمَةً أَمَرَ بِلَالًا فَنَادَى فِي النَّاسِ فَيَجِيئُوْنَ بِغَنَائِمِهِمْ فَيُخَمِّسُهُ وَيُقَسِّمُهُ فَجَاءَ رَجُلٌ يَوْمًا بَعْدَ ذٰلِكَ بِزِمَامٍ مِنْ شَعْرٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا فِيْمَا كُنَّا أَصَبْنَاهُ مِنَ الْغَنِيْمَةِ قَالَ سَمِعْتَ بِلَالًا نَادَى ثَلَاثًا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَامَنَعَكَ أَنْ تَجِيْءَ بِهِ فَاعْتَذَرَ قَالَ كُنْ أَنْتَ تَجِيْءُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَلَنْ أَقْبَلَهُ عَنْكَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مال غنیمت کو جمع کرا کر تقسیم کرنے کا ارادہ فرماتے تو حضرت بلالؓ کو اعلان کرنے کا حکم دیتے چنانچہ وہ لوگوں کے درمیان اعلان کر دیتے اور اس اعلان کو سنتے ہی لوگ اپنی اپنی غنیمت لے آتے یعنی جس کے پاس مال غنیمت کی جو بھی چیز ہوتی وہ اس کو لا کر دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیتا۔ پھر آنحضرت پہلے خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے اور اس کے بعد اس مال غنیمت کو لوگوں یعنی مجاہدین کے درمیان تقسیم فرما دیتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ایک شخص مال غنیمت میں سے خمس نکالنے اور اس کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کرنے کے ایک دن بعد بالوں کی بنی ہوئی ایک مہار لے کر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو مال غنیمت ہمارے ہاتھ لگا تھا اس میں یہ مہار بھی تھی آپ نے فرمایا کہ بلالؓ نے تین بار جو اعلان کیا تھا اس کو تم نے سنا تھا؟ اس نے کہا کہ ہاں میں نے سنا تھا آپ نے فرمایا پھر اس کو اسی وقت لانے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا اس نے اس تاخیر کے لئے کوئی عذر بیان کیا آپ نے فرمایا اب اس کو اپنے پاس ہی رکھو اب تو کل قیامت کے دن خود ہی اس کو لے کر آنا اور تب خدا کو اس تاخیر کا جواب دینا میں اب اس کو تم سے ہرگز نہ لوں گا۔ (ابوداؤد)

مشترکہ قومی دولت میں خیانت کی سزا

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ حَرَّقُوْا مَتَاعَ الْغَالِّ وَضَرَبُوْهُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد حضرت شعیبؓ سے اور وہ شعیبؓ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے

والے کا سامان و اسباب جلایا اور اس کی پٹائی بھی کی۔ (ابوداؤد)

توضیح

''حرقوا'' جو آدمی خیانت کرے تو اس کی سزا کیا ہے اس حدیث میں ہے کہ آنحضرت اور صدیق و فاروق کے زمانہ میں خائن کا مال جلایا جاتا تھا۔ بعض فقہاء جیسے احمد بن حنبل وغیرہ کہتے ہیں کہ آج بھی حکم اسی طرح ہے کہ خائن کا مال جلایا جائے ہاں زندہ حیوان کو بچایا جائے مصحف وغیرہ کو بھی نہ جلایا جائے۔ اسی طرح خیانت شدہ مال کو بھی نہ جلایا جائے کیونکہ یہ خائن کا مال نہیں بلکہ بیت المال کا مال ہے نیز زندہ جانور کا جلانا بھی ممنوع ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک خائن کا مال و متاع نہ جلایا جائے بلکہ قاضی بطور تعزیر خائن کو دوسری سزا دیدے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث تشدید اور تغلیظ پر محمول ہے۔

خائن پر پردہ ڈالنا بھی خیانت ہے

﴿۳۰﴾وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ يَكْتُمْ غَالًّا فَإِنَّهُ مِثْلُهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی خیانت کو چھپایا (یعنی وہ امیر و حاکم کے علم میں یہ بات نہیں لایا کہ فلاں شخص نے خیانت کی ہے) تو گنہگار ہونے کے اعتبار سے وہ بھی خیانت کرنے والے کی طرح ہے۔ (ابوداؤد)

یعنی جس نے خائن کو چھپایا اس کو بچایا اس کے مخالف کو دبایا اور خیانت شدہ مال کو چھپایا تو یہ شخص بھی خیانت میں برابر کا شریک ہے۔

تقسیم سے قبل مال غنیمت کی خرید و فروخت منع ہے

﴿۳۱﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غنیمت کا مال تقسیم ہونے سے پہلے اس کو خریدنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ تقسیم سے پہلے اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

یہ خرید و فروخت اس لئے منع ہے کہ اب تک اس کا احراز و اخراج نہیں ہوا ہے نیز حصہ بھی معلوم نہیں ہے۔

﴿۳۲﴾وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهَى أَنْ تُبَاعَ السِّهَامُ حَتّٰى تُقْسَمَ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ

اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اس ممانعت کا اعلان فرمایا کہ مال غنیمت کے

حصے جب تک تقسیم نہ ہو جائیں ان کو فروخت نہ کیا جائے۔ (دارمی)

﴿۳۳﴾وَعَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ هٰذِهِ الْمَالُ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَصَابَهُ بِحَقِّهِ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَرُبَّ مُتَخَوِّضٍ فِيْمَا شَاءَتْ بِهِ نَفْسُهُ مِنْ مَالِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لَيْسَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا النَّارُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت خولہ بنت قیسؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بلاشبہ یہ مال ایک سبز وشیریں چیز ہے (یعنی مال ایک ایسی چیز ہے جو انسان کی نظر کو بھاتا ہے اور دل کو لبھاتا ہے) لہٰذا جو شخص اس مال کو حق یعنی حلال ذریعہ سے حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت عطا کی جاتی ہے اور یاد رکھو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کے مال یعنی مال غنیمت میں سے جس چیز کو ان کا دل چاہتا ہے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں قیامت کے دن ان کے لئے صرف دوزخ کی آگ ہوگی۔ (ترمذی)

ذوالفقار تلوار کا ذکر

﴿۳۴﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَفَّلَ سَيْفَهُ ذَا الْفَقَارِ يَوْمَ بَدْرٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَهُوَ الَّذِيْ رَأَى فِيْهِ الرُّؤْيَا يَوْمَ أُحُدٍ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا جنگ بدر کے دن حصے سے زیادہ لی تھی۔ (ابن ماجہ)

اور ترمذی نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور یہ وہی تلوار ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے دن خواب دیکھا تھا۔

توضیح

''ذوالفقار'' فقار ریڑھ کی ہڈی میں مہروں کو کہتے ہیں اس تلوار کی پشت پر یا تو اسی قسم کے گڑھے تھے یا اسی طرح کے مہرے بنے ہوئے تھے جنگ بدر میں یہ تلوار ایک کافر منبہ بن حجاج کے ہاتھ میں تھی حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا اس تلوار کو آنحضرت نے پسند فرمایا اور بطور ''صفی'' آپ نے خود لے لیا آپ نے مختلف جنگوں میں اس کو استعمال فرمایا جنگ احد سے کچھ پہلے آنحضرت نے خواب میں جو تلوار ٹوٹی ہوئی دیکھی تھی وہ یہی تھی صفی کا انتخاب صرف حضور کے ساتھ خاص تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ آنحضرت نے یہ تلوار حضرت علی کو عطا فرمائی اس لئے لوگ کہتے ہیں ۔

لافتی الا علی   لاسیف الا ذوالفقار

جو مؤمن ہے وہ خیانت نہیں کریگا

﴿۳۵﴾وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ ثَوْباً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ حَتّٰى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت رویفع ابن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے قطعا روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے مشترک مال غنیمت کے کسی جانور پر بلا ضرورت شرعی سوار ہو اور پھر جب وہ جانور دبلا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے یہ قطعا روا نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے مشترک مال غنیمت کے کسی کپڑے کو بلا ضرورت شرعی پہنے اور پھر جب وہ کپڑا پرانا ہو جائے تو اس کو مال غنیمت میں واپس کر دے۔ (ابوداؤد)

﴿۳۶﴾وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي الْمُجَالِدِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى قَالَ قُلْتُ هَلْ كُنْتُمْ تُخَمِّسُوْنَ الطَّعَامَ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَصَبْنَا طَعَاماً يَوْمَ خَيْبَرَ فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيْءُ فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيْهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت محمد ابن ابوالمجالد، حضرت عبداللہ ابن اوفیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (حضرت عبداللہؓ) سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کھانے کی چیزوں میں سے بھی خمس یعنی پانچواں حصہ نکالتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ غزوہ خیبر کے دن کھانے کی چیزیں بھی ہمارے ہاتھ لگی تھیں، چنانچہ ہر کوئی شخص آتا اور ان میں سے بقدر کفایت لے کر واپس چلا جاتا۔ (ابوداؤد)

﴿۳۷﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ جَيْشاً غَنِمُوْا فِي زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَاماً وَعَسَلًا فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمانوں کا لشکر جب جہاد سے واپس آیا تو مال غنیمت میں کھانے کی چیزیں اور شہد لے کر آیا چنانچہ ان لشکر والوں نے ان چیزوں میں سے جو کچھ کھا پی لیا تھا یا وہ جو کچھ بچا کر لائے تھے اس میں سے ان سے خمس یعنی پانچواں حصہ نہیں لیا گیا۔ (ابوداؤد)

﴿۳۸﴾وَعَنِ الْقَاسِمِ مَوْلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ الْجَزُوْرَ فِي الْغَزْوِ وَلَا نَقْسِمُهُ حَتّٰى إِذَا كُنَّا لَنَرْجِعُ إِلٰى رِحَالِنَا وَأَخْرِجَتُنَا مِنْهُ مَمْلُوْءَةٌ.

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت قاسم (تابعی) جو عبدالرحمن کے آزاد کردہ غلام ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی ان بعض صحابہؓ نے بیان کیا کہ ہم غزووں میں اونٹ کا گوشت کھاتے اور اس کو تقسیم نہ کرتے یعنی ہم محاذ جنگ پر ضرورت کے وقت مال غنیمت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کا گوشت تقسیم کئے بغیر اپنی اپنی حاجت کے بقدر لے لیتے یہاں تک کہ جب ہم سفر کے دوران اپنے ڈیروں، خیموں میں واپس آتے تو ہمارے تھیلے گوشت سے بھرے ہوئے ہوتے۔ (ابوداؤد)

توضیح

''فنأكل الجزور'' ضرورت کے تحت مجاہدین میدان جہاد میں اونٹ ذبح کر کے کھا سکتے ہیں ہاں وہاں سے جب لشکر واپس آجائے اور سرحد پار کرے تو اب چونکہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لئے ایسا کرنا جائز نہیں بلکہ چارہ بھی اٹھا کر مال غنیمت سے نہیں لیا جاسکتا ہے۔

''اخرجتنا'' الخرج کی جمع ہے تھیلی اور کھانا رکھنے کے برتن کو کہتے ہیں یہ میدان جنگ کا پس منظر بتاتا ہے کہ ہم اپنے خیموں کی طرف یہ گوشت کھانے کے لئے لے جاتے تھے ذخیرہ کرنے کے لئے نہیں۔

مشترکہ مال سے سوئی بھی نہ اٹھاؤ

﴿۳۹﴾وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ أَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ وَإِيَّاكُمْ وَالْغُلُوْلَ فَإِنَّهُ عَارٌ عَلٰى أَهْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ

اور حضرت عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تاگے اور سوئی کی بھی ادائیگی کرو یعنی مال غنیمت میں سے اس قدر معمولی چیزیں بھی چھپا کر نہ رکھو اور تم مال غنیمت میں یا مطلق خیانت کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خیانت کرنا خیانت کے مرتکب لوگوں کے لئے قیامت کے دن بے عزتی لانے والا ہوگا۔ (دارمیؒ) اور نسائی نے اس روایت کو عمرو ابن شعیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے۔

توضیح

''خیاط'' تاگے کو کہتے ہیں ''المخیط'' سوئی کو کہتے ہیں۔''الخیاط'' خا کا کسرہ ہے سوئی میں ڈالا جائے

والا تاگہ۔ ''المخیط'' میم پر کسرہ ہے خا پر سکون ہے یا پر فتحہ ہے سوئی کو کہتے ہیں۔

﴿۴۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ دَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعِيرٍ فَأَخَذَ وَبَرَةً مِنْ سَنَامِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَيْسَ لِي مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ شَيْءٌ وَلَا هٰذَا وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ إِلَّا الْخُمُسَ وَالْخُمُسُ مَرْدُودٌ عَلَيْكُمْ فَأَدُّوا الْخِيَاطَ وَالْمِخْيَطَ فَقَامَ رَجُلٌ فِي يَدِهِ كُبَّةٌ مِنْ شَعَرٍ فَقَالَ أَخَذْتُ هٰذِهِ لِأُصْلِحَ بِهَا بَرْدَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكَ فَقَالَ أَمَّا إِذَا بَلَغَتْ مَا أَرَى فَلَا أَرَبَ لِي فِيهَا وَنَبَذَهَا. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال فئی میں دیئے ہوئے ایک اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان کے دو ایک بال اکھاڑ کر فرمایا۔ لوگو! حقیقت یہ ہے کہ اس مال فئی میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس انگلی پر وہ بال تھے لوگوں کو دکھا نے کے لئے اس انگلی کو اٹھا کر فرمایا کہ یہ مال بھی یعنی اتنا معمولی حصہ بھی میرے لئے نہیں ہے البتہ خمس یعنی پانچواں حصے کا میں حقدار ہوں لیکن خمس بھی میری ذات پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ تمہارے ہی اوپر خرچ کیا جاتا ہے یعنی خمس کا مال تمہاری ہی بھلائی میں خرچ ہوتا ہے بایں طور کہ اس سے تمہارے لئے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ حاصل کئے جاتے ہیں لہٰذا اگر تمہارے پاس مال غنیمت میں کا سوئی تاگہ بھی ہو تو اس کو لاکر جمع کرا دو۔ یہ سن کر ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کی رسی کا ایک گولہ تھا کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے رسی کے اس ٹکڑے کو اپنے پاس رکھ لیا تھا تاکہ اس کے ذریعہ پالان کے نیچے کی کملی کو گانٹھ ٹھیک کرلوں اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک اس چیز کا سوال ہے جو میرے اور بنو عبدالمطلب کے حصے کی ہے تو وہ تمہاری ہے یعنی اس ٹکڑے میں سے جو کچھ میرے خاندان بنو ہاشم اور ان کے حلیف وساتھی بنو عبدالمطلب کے لوگوں کے حصے کا ہے وہ تو ہم نے تمہیں بخش دیا لیکن اس میں سے جو کچھ ہمارے علاوہ دوسرے مجاہدین کا حصہ ہے اس کے بارے میں تم جانو کہ اگر تم ان سے بھی ان کے حصے معاف کرالو گے تو کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر ان کے حصے معاف نہیں کرائے تو قیامت کے دن پکڑے جاؤ گے اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ جب یہ رسی گناہ کی اس حد تک پہنچ گئی ہے جو میرے سامنے ہے تو پھر مجھ کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کہہ کر اس نے اس رسی کو پھینک دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''کبۃ'' یعنی بالوں کا ایک گولہ، عورت جب چرخہ کے ذریعہ سے اون کات لیتی ہے اور اون کا ایک ٹکڑا ما شوڑہ بن جاتا ہے اسی کو کبۃ کہتے ہیں'' بـرذعة '' گھوڑے کے زین کے نیچے یا اونٹ کے کجاوہ کے نیچے جو کپڑا پشت پر بچھایا جاتا ہے اسی کو بردعہ کہتے ہیں۔

حضور نے اس شخص کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ معمولی چیز میری ہوتی یا میرے خاندان کی ہوتی تو میں دیدیتا مگر یہ بیت المال کا مال ہے اس شخص نے جواب میں کہا کہ جب اتنی معمولی چیز کا معاملہ اتنا آگے گیا تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں یہ کہہ کر اس نے گولہ کو مال غنیمت میں ڈالدیا۔

﴿۴۱﴾وَعَنْ عَمْرِوبْنِ عَبَسَةَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی بَعِیْرٍ مِنَ الْمَغْنَمِ فَلَمَّا سَلَّمَ أَخَذَ وَبَرَةً مِنْ جَنْبِ الْبَعِیْرِ ثُمَّ قَالَ وَلَایَحِلُّ لِیْ مِنْ غَنَائِمِکُمْ مِثْلُ هٰذَا اِلَّاالْخُمُسُ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ فِیْکُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک موقع پر) مال غنیمت کے ایک اونٹ کو سترہ قرار دے کر ہمیں نماز پڑھائی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا اور نماز سے فارغ ہو گئے تو اس اونٹ کے پہلو سے دو ایک بال اکھاڑے اور پھر فرمایا کہ تمہارے مال غنیمت میں میرے لئے اتنا یعنی ان بالوں کے بقدر بھی حصہ نہیں ہے علاوہ خمس کے اور وہ خمس بھی تمہاری ہی ضرورتوں میں خرچ کیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

﴿۴۲﴾وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ لَمَّا قَسَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَهْمَ ذَوِی الْقُرْبٰی بَیْنَ بَنِیْ هَاشِمٍ وَبَنِی الْمُطَّلِبِ أَتَیْتُهُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ اِخْوَانُنَا مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ لَانُنْکِرُ فَضْلَهُمْ لِمَکَانِکَ الَّذِیْ وَضَعَکَ اللّٰهُ مِنْهُمْ أَرَأَیْتَ اِخْوَانَنَا مِنْ بَنِی الْمُطَّلِبِ أَعْطَیْتَهُمْ وَتَرَکْتَنَا وَاِنَّمَا قَرَابَتُنَا وَقَرَابَتُهُمْ وَاحِدَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا بَنُوْهَاشِمٍ وَبَنُوالْمُطَّلِبِ شَیْءٌ وَاحِدٌ هٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ. رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ أَبِیْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِیِّ نَحْوَهٗ وَفِیْهِ أَنَا وَبَنُوالْمُطَّلِبِ لَانَفْتَرِقُ فِیْ جَاهِلِیَّةٍ وَلَااِسْلَامٍ وَاِنَّمَا نَحْنُ وَهُمْ شَیْءٌ وَاحِدٌ وَشَبَّکَ بَیْنَ أَصَابِعِهٖ

اور حضرت جبیر ابن مطعم کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے اپنے قرابت داروں کا حصہ خمس بنو ہاشم اور بنو مطلب کے درمیان تقسیم کیا تو میں بنو نوفل کی طرف سے اور عثمانؓ بنو عبد شمس کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے یہ بھائی جن کا تعلق بنو ہاشم سے ہے ہم ان کی فضیلت و بزرگی کا تو انکار نہیں کرتے کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان میں پیدا کیا ہے لہٰذا اس اعتبار سے ہمارے بہ نسبت وہ آپ سے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ان کے اور آپ کے جد ایک ہی ہیں یعنی ہاشم، اگرچہ ہمارے اور ان کے جد اعلیٰ بھی ایک ہی ہیں یعنی عبد مناف لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے خمس کے مال میں سے جو ذوی القربیٰ کا حصہ ہے۔ ہمارے ان بھائیوں کو تو حصہ دیا جن کا تعلق بنو مطلب سے ہے اور ہمیں محروم رکھا جبکہ ہماری یعنی بنو نوفل اور بنی

عبد شمس کی اور ان کی یعنی بنی مطلب کی قرابت ایک ہی ہے بایں طور کہ جس طرح ان کے دادا ہاشم کے بھائی تھے اسی طرح ہمارے دادا بھی ہاشم کے بھائی تھے گویا ان دونوں حضرات کی عرض کا حاصل یہ تھا کہ مال غنیمت میں سے جو خمس نکالا جاتا ہے وہ قرآن کریم کے حکم کے مطابق آپ کے قرابت داروں کا حصہ ہے چنانچہ آپ نے اپنے قرابت داروں کی ایک شاخ بنو مطلب کو مال خمس میں سے دیا لیکن دوسری دو شاخوں یعنی بنو نوفل اور بنو عبد شمس کو کچھ نہیں دیا جبکہ یہ ساری شاخیں ایک ہی جد اعلیٰ یعنی عبد مناف کی اولاد ہیں تو اس امتیازی سلوک کی کیا وجہ ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے درمیان داخل کر کے اور اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ جس طرح ہاتھوں کی یہ انگلیاں باہم مل کر ایک چیز ہو گئی ہیں۔ اسی طرح بنو ہاشم اور بنو مطلب بھی ایک چیز ہیں۔ (شافعیؒ) ابوداؤد اور نسائی کی روایت بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اور مطلب کی اولاد نہ زمانہ جاہلیت میں کبھی ایک دوسرے کے مخالف ہوئے اور نہ زمانہ اسلام میں لہٰذا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ ہم اور وہ دونوں ایک چیز ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کیں۔

اس حدیث کی مکمل تشریح اس سے پہلے حدیث ۹ کے تحت ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

الفصل الثالث

ابوجہل کے قتل کا قصہ

﴿۴۳﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنِّیْ لَوَاقِفٌ فِی الصَّفِّ یَوْمَ بَدْرٍ فَنَظَرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ فَاِذَا اَنَا بِغُلَامَیْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ حَدِیْثَةٍ اَسْنَانُهُمَا فَتَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ بَیْنَ اَضْلَعَ مِنْهُمَا فَغَمَزَنِیْ اَحَدُهُمَا فَقَالَ اَیْ عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ اَبَا جَهْلٍ قُلْتُ نَعَمْ فَمَا حَاجَتُکَ اِلَیْهِ یَا ابْنَ اَخِیْ قَالَ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ یَسُبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَئِنْ رَاَیْتُهٗ لَا یُفَارِقُ سَوَادِیْ سَوَادَهٗ حَتّٰی یَمُوْتَ الْاَعْجَلُ مِنَّا قَالَ فَتَعَجَّبْتُ لِذٰلِکَ قَالَ وَغَمَزَنِی الْاٰخَرُ فَقَالَ لِیْ مِثْلَهَا فَلَمْ اَنْشَبْ اَنْ نَظَرْتُ اِلٰی اَبِیْ جَهْلٍ یَجُوْلُ فِی النَّاسِ فَقُلْتُ اَلَا تَرَیَانِ هٰذَا صَاحِبُکُمَا الَّذِیْ تَسْاَلَانِیْ عَنْهُ قَالَ فَابْتَدَرَاهُ بِسَیْفَیْهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتّٰی قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَاهُ فَقَالَ اَیُّکُمَا قَتَلَهٗ فَقَالَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا اَنَا قَتَلْتُهٗ فَقَالَ هَلْ مَسَحْتُمَا سَیْفَیْکُمَا فَقَالَا لَا فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَی السَّیْفَیْنِ فَقَالَ کِلَاکُمَا قَتَلَهٗ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَالرَّجُلَانِ مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ وَمُعَوَّذُ بْنُ عَفْرَاءَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف کہتے ہیں کہ غزوہ بدر کے دن میں دشمن کی مقابل صف میں کھڑا تھا جب میں نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں دو انصار لڑکوں کے درمیان کھڑا ہوں جو بالکل نوعمر تھے مجھے یہ تمنا ہوئی کہ کاش اس وقت میں ان دونوں سے زیادہ طاقتور اور تجربہ کار دو آدمیوں کے درمیان کھڑا ہوتا۔ یعنی میں نے ان دونوں نوعمروں کو حوصلہ وشجاعت کے اعتبار سے بے وقعت جانا اور یہ خیال کیا کہ چونکہ یہ نوعمر نا آزمودہ کار ہیں۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ دشمن کے حملہ کی تاب نہ لائیں اور معرکہ کے وقت بھاگ کھڑے ہوں جس سے میری ذات کو بھی بٹہ لگے میں انہیں خیالات میں غلطاں اور پیچاں تھا کہ اچانک ان دونوں میں سے ایک نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور کہا کہ چچا جان کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں۔ وہ کون سا ہے اور کہاں ہے؟ میں نے کہا ہاں میں جانتا ہوں لیکن میرے بھتیجے تمہیں ابوجہل سے کیا غرض ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ لعین ابوجہل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتا ہے اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ لوں تو میرا جسم اس کے جسم سے اس وقت تک جدا نہ ہوگا جب تک ہم میں سے کوئی ایک موت کی طرف بڑھنے میں جلدی نہ کرے یعنی ابوجہل کے خلاف میرے دل میں اتنی نفرت ہے کہ میں اس کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑوں گا اور اس وقت تک اس سے لڑوں گا جب تک کہ ہم دونوں میں سے جس کی موت پہلے آنے والی ہوگی وہ نہ مرجائے خواہ میں شہید ہو جاؤں خواہ میں اس کو جہنم رسید کر دوں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں اس نوعمر کی اس بات کو سن کر حیران رہ گیا کہ خدایا ان نوعمروں کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی محبت ہے اور ان کے جذبات میں ہمت وحوصلہ اور شجاعت وبہادری کا کیسا محشر بپا ہے عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ پھر دوسرے لڑکے نے مجھ کو ٹھوکا دیا اور اس نے بھی وہی الفاظ کہے جو پہلے نے کہے تھے اس کے بعد میں نے کوئی توقف نہیں کیا اور ابوجہل کو دیکھا جو دشمن کے لوگوں میں پھر رہا تھا میں نے اس کی طرف اشارہ کر کے ان لڑکوں سے کہا کیا تم اس شخص کو نہیں دیکھ رہے جو دشمن کے گروہ میں پھر رہا ہے؟ یہی تمہارا مطلوب ہے۔ جس کے بارے میں تم مجھ سے پوچھ رہے تھے یعنی اس شخص کو پہچان لو یہی ابوجہل ہے عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ یہ سنتے ہی وہ دونوں لڑکے اپنی تلوار سنبھال کر فوراً ابوجہل کی طرف لپکے اور اس پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر وہ دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر آئے اور آپ کو اس واقعہ سے آگاہ کی آپ نے پوچھا کہ تم دونوں نے اپنی تلواریں پونچھ ڈالی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں چنانچہ آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا کہ تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوجہل کا سامان معاذ ابن عمرو ابن جموح کو دیا جائے اور وہ دونوں لڑکے جنہوں نے ابوجہل کو موت کے گھاٹ اتارا معاذ ابن عمروؓ ابن جموح اور معوذ ابن عفراء تھے۔ (بخاریؒ، ومسلم)

توضیح

''اضلع'' اقویٰ کے معنی میں ہے یعنی میں نے تمنا کی کہ کاش میرے دائیں بائیں ان دو بچوں کے بجائے طاقتور مرد ہوتے۔ ''فغمزنی'' یعنی ہاتھ کی انگلیوں سے میرے جسم میں چٹکی بھر دی تاکہ میں ان کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔

''سوادی سواده ''ای جسمی جسمه و شخصی شخصه ،''الاعجل ''یعنی جس کی موت کا وقت جلدی ہو وہ مرجائے یہ جملہ بھی خودکش حملہ کی طرح ہے جو اصل میں دیگرکش حملہ ہے۔''لم انشب ''یعنی کوئی دیر نہیں لگی۔

''ومعاذ بن عفراء ''اس سے پہلے لکھا جاچکا ہے کہ یہ دونوں ماں شریک بھائی تھے اور ماں کا نام عفراء تھا اور باپ دونوں کے الگ الگ تھے معاذ کے باپ عمرو بن جموح تھے اور معوذ کے باپ کا نام حارث تھا اور دونوں کی والدہ کا نام عفرا تھا تو جس کی طرف نسبت ہوجائے صحیح ہے کوئی تعارض نہیں ہے البتہ اتنی یاد رہے کہ پہلے حضرت معاذ نے حملہ کیا پھر معوذ نے حملہ کیا عکرمہ نے معاذ پر حملہ کیا اور بھاگ گیا پھر حضرت ابن مسعود بعد میں آکر ابوجہل کے سرقلم کیا فرشتوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لیا۔

حضرت ابن مسعودؓ ابوجہل کے سینے پر

﴿۲۴﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ مَنْ يَنْظُرُ لَنَا مَاصَنَعَ أَبُوْجَهْلٍ فَانْطَلَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَوَجَدَهُ قَدْضَرَبَهُ ابْنَا عَفْرَاءَ حَتّٰى بَرَدَ قَالَ فَأَخَذَ بِلِحْيَتِهِ فَقَالَ أَنْتَ أَبُوْجَهْلٍ فَقَالَ وَهَلْ فَوْقَ رَجُلٍ قَتَلْتُمُوْهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فَلَوْغَيْرُ أَكَّارٍ قَتَلَنِيْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن میدان جنگ میں فرمایا کہ کون شخص ہے جو دیکھ کر ہمیں بتائے کہ ابوجہل نے کیا کیا یعنی اس کا کیا حشر ہوا آیا وہ مارا گیا یا زندہ ہے چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ گئے اور انہوں نے ابوجہل کو اس حالت میں پایا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار مار کر ٹھنڈا کر دیا یعنی قریب المرگ کر دیا تھا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ دیکھ کر ابوجہل کی ڈاڑھی پکڑ لی اور اس سے کہا کہ ابوجہل تو ہی ہے نا؟ ابوجہل نے ابن مسعودؓ کے اس سوال کے پیچھے چھپے ہوئے طنز اور حقارت کو محسوس کر لیا اور کہا کہ بے شک میں ابوجہل ہی ہوں لیکن کیا تم اس شخص سے زیادہ و بڑے مرتبہ کے ہو جس کو تم نے قتل کیا ہے؟ یعنی جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے اس سے زیادہ بڑے مرتبے کا کوئی شخص نہیں ہے ان الفاظ کے ذریعہ گویا ابوجہل نے یہ دعویٰ کیا کہ قریش میں مجھ سے زیادہ بڑے مرتبہ کا کوئی شخص نہیں ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ابوجہل نے اس موقع پر یہ کہا کہ اگر غیر زراعت پیشہ لوگ مجھے قتل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح

''حتی برد ''یعنی زندگی کے آخری رمق میں تھا''وهل فوق رجل ''ایک مطلب یہ ہے کہ اس آدمی سے بڑھ کر تم نے کسی آدمی کو کبھی مارا ہے یعنی مجھ سے بڑا تم نے کسی کو نہیں مارا میں سب سے بڑا ہوں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی ہی کو تو مارا

ہے اس پر کیا ناز کرتے ہو باقی فوج موجود ہے، اس حدیث کے ترجمہ میں مظاہر حق میں کچھ ابہام ہے۔
بعض روایات میں یہاں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ جب آئے تو ابوجہل کے سینے پر بیٹھ گئے ابوجہل نے کہا کہ اے چرواہے مبارک ہو بڑے اونچے مقام پر بیٹھے ہو مگر یہ بتاؤ کہ جنگ کا میدان کس کے ہاتھ میں ہے؟ انہوں نے فرمایا میدان محمد عربی اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے ابوجہل نے کہا اترانے کی ضرورت نہیں ایک آدمی کے سوا بھی کسی کو مارا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تیرے جیسے ستر آدمی کٹے ہوئے پڑے ہیں۔ ابوجہل نے کہا یہ بتاؤ مجھے مارا کس نے ہے؟ انہوں نے فرمایا عفراء کے بیٹے نے مارا ہے ابوجہل نے کہا "فلو غیر اکار قتلنی" کاش مجھے دھقان کے علاوہ کوئی قتل کر دیتا۔ حضرت ابن مسعود نے ابوجہل کی داڑھی کو جھٹکا دیکر فرمایا کہ "وقد اخزاک اللّٰہ یاعدو اللّٰہ" اے اللہ کے دشمن اللہ نے تجھے رسوا کیا ہے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں تجھے قتل کرنے والا ہوں ابوجہل نے کہا کہ یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں کہ کسی غلام نے آقا کو مارا ہو حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں تیرا سر قلم کرنا چاہتا ہوں۔ ابوجہل نے کہا اپنی تلوار دکھاؤ جب ابوجہل نے حضرت ابن مسعود کی زنگ آلود تلوار دیکھ لی تو کہا کہ اس سے نہیں بلکہ میری تلوار لیکر میرا سر الگ کر دو مگر کندھوں کے پاس سے کاٹ دو تاکہ میرا سر بڑا لگے اور محمدؐ کہے کہ واقعی بڑے سردار کا سر تھا۔ حضرت ابن مسعود نے سر قلم کیا اور حضور اکرم کے سامنے لاکر رکھدیا آنحضرت نے سجدہ شکر ادا کیا اور فرمایا میری امت کا فرعون مارا گیا تفصیلات میری کتاب جنگ بدر میں دیکھ لی جائیں۔

کمزور مسلمان کا ایمان مال دیکر بچانا چاہئے

﴿۴۵﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ أَعْطَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَهْطاً وَأَنَا جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ رَجُلاً هُوَ أَعْجَبُهُمْ إِلَيَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَكَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُرَاهُ مُؤْمِناً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ مُسْلِماً ذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ ثَلَاثاً وَأَجَابَهُ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلَى وَجْهِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ الزُّهْرِيُّ فَنَرَى أَنَّ الْإِسْلَامَ الْكَلِمَةُ وَالْإِيْمَانَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ

اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن جبکہ میں مجلس نبویؐ میں بیٹھا ہوا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ مال عطا فرمایا اور اس جماعت میں سے ایک شخص کو رسول کریم نے چھوڑ دیا یعنی اس کو کچھ نہیں دیا حالانکہ وہ شخص میرے نزدیک دین کے اعتبار سے ان میں سب سے بہتر تھا یہ دیکھ کر میں کھڑا ہوا اور آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ فلاں

شخص کے لئے کیا ہے کہ آپ نے اس کو اپنے عطیہ سے محروم رکھا؟ خدا کی قسم! میں تو اس کو مومن صادق سمجھتا ہوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ میں اس کو مومن صادق سمجھتا ہوں بلکہ یہ کہو کہ میں اس کو مسلمان سمجھتا ہوں معدؓ نے آپ کے سامنے تین بار یہ بات کہی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر بار اسی طرح جواب دیا اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں حالانکہ اس کی نسبت دوسرا شخص میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کی وجہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ شخص منہ کے بل دوزخ میں نہ ڈالا جائے۔ (بخاری، ومسلم)

اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ زہریؒ نے یہ کہا ہے کہ اس ارشاد گرامی کے پیش نظر میرا یہ اعتقاد ہے کہ اسلام اصل میں کلمہ یعنی کلمہ شہادت کا نام ہے اور ایمان قلب کے عمل صالح یعنی تصدیق کا نام ہے۔

توضیح

" اومسلما " علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "او" "بل" کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت بتانا چاہتے ہیں کہ ایمان ایک پوشیدہ باطنی امر ہے اس کا حکم نہ لگاؤ بلکہ صرف ظاہر پر حکم لگاؤ جو اسلام ہے لہٰذا اس کو مسلم کہدو مومن نہ کہو، اس روایت سے اسلام اور ایمان میں تباین کا پتہ چلتا ہے تفصیل جلد اول کتاب الایمان میں ہے۔

حضرت عثمانؓ کو بدریوں کا درجہ حاصل ہے

﴿۴۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ يَعْنِيْ يَوْمَ بَدْرٍ فَقَالَ إِنَّ عُثْمَانَ انْطَلَقَ فِيْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهِ وَإِنِّيْ أُبَايِعُ لَهُ فَضَرَبَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَهْمٍ وَلَمْ يَضْرِبْ لِأَحَدٍ غَابَ غَيْرَهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلاشبہ عثمانؓ اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں اس لئے میں (خود) ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے لئے جنگ بدر کے مال غنیمت میں سے حصہ مقرر کیا اور آپ نے حضرت عثمانؓ کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کے لئے حصہ مقرر نہیں کیا جو جنگ میں شریک نہیں تھا۔ (ابوداؤد)

توضیح

حضرت عثمان آنحضرت کی صاحبزادی حضرت رقیہ کی تیمارداری میں مشغول رہے آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق جنگ بدر میں شرکت کے لئے نہیں گئے بدریوں کا درجہ آپ کو ملا اور مال غنیمت کا حصہ بھی ملا۔

﴿۴۷﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْعَلُ فِيْ قَسْمِ الْمَغَانِمِ

عَشْراً مِنَ الشَّاءِ بِبَعِيْرٍ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت کی تقسیم کے وقت ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیتے۔ (نسائی)

جہاد کے لئے سورج غروب ہونے سے رک گیا

﴿۴۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِهِ لَايَتْبَعْنِيْ رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ وَهُوَ يُرِيْدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّايَبْنِ بِهَا وَلَاأَحَدٌبَنٰى بُيُوْتاً وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوْفَهَا وَلَارَجُلٌ اشْتَرٰى غَنَماً أَوْخَلِفَاتٍ وَهُوَيَنْتَظِرُ وِلَادَهَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ أَوْ قَرِيْباً مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ إِنَّكِ مَأْمُوْرَةٌ وَأَنَا مَأْمُوْرٌ أَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارُ لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ إِنَّ فِيْكُمْ غُلُوْلاً فَلْيُبَايِعْنِيْ مِنْ كُلِّ قَبِيْلَةٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ يَدُرَجُلٍ بِيَدِهِ فَقَالَ فِيْكُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاؤُوْا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ فَوَضَعَهَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمْ تَحِلَّ الْغَنَائِمُ لِأَحَدٍ قَبْلَنَا ثُمَّ أَحَلَّ اللّٰهُ لَنَا الْغَنَائِمَ رَأٰى ضَعْفَنَا وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء میں سے ایک نبی یعنی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے جہاد کا ارادہ کیا اور جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے کسی عورت سے نکاح کیا ہو اور اس عورت کو اپنے گھر لا کر اس سے مجامعت کا ارادہ رکھتا ہو اور ابھی تک اس کو اپنے گھر لایا ہو اور میرے ساتھ نہ وہ شخص چلے جس نے گھر بنایا ہو لیکن ابھی تک اس کی چھت نہ ڈال سکا ہو نیز وہ شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے جس نے گابھن بکریاں یا گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچے جننے کا منتظر ہو اس کے بعد وہ نبیؑ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہوئے اور جب اس بستی کے قریب پہنچے کہ جہاں وہ جہاد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے تو نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا یعنی وہ ایسے وقت اس بستی کے قریب پہنچے جبکہ عصر کی نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب تھا ان نبیؑ نے آفتاب کو مخاطب کر کے کہا کہ تو بھی چلنے پر مامور ہے اور میں بھی اس بستی کو فتح کرنے پر مامور ہوں۔ اے اللہ! تو اس آفتاب کو ٹھہرا دے چنانچہ آفتاب ٹھہرا دیا گیا یعنی قدیم ماہرین فلکیات کے نظریہ کے مطابق آفتاب کی رفتار کو یا جدید نظریہ کے مطابق زمین کی گردش کو حکم الٰہی سے روک دیا گیا تا کہ رات کی تاریکی سے پہلے پہلے وہ نبی جہاد کرلیں۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان نبیؑ کو فتح عطا فرمادی۔ پھر جب مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو جلا ڈالنے کے لئے آگ آئی تو اس آگ نے مال غنیمت کو نہیں جلایا۔ یہ دیکھ کر ان نبیؑ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ یقیناً

تمہارے اندر مال غنیمت میں خیانت واقع ہوئی ہے یعنی تم میں سے کسی نے مال غنیمت کے اندر خیانت کی ہے جس کی وجہ سے یہ آگ اپنا کام نہیں کر رہی ہے لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ بیعت کرے چنانچہ جب بیعت شروع ہوئی اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اپنا ہاتھ ان نبیؑ کے ہاتھ میں دینے لگا تو ایک شخص کا ہاتھ نبیؑ کے ہاتھ کو چپک کر رہ گیا۔ نبیؑ نے اس شخص سے فرمایا کہ اس ذریعہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خیانت تمہارے قبیلہ کی طرف سے ہوئی ہے پھر اس قبیلہ کے لوگ سونے کا ایک سرلائے جو بیل کے سر کی مانند تھا اور اس کو رکھ دیا اس کے بعد آگ آئی اور اس نے مال کو جلا دیا اور ایک روایت میں راوی نے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت نے یہ فرمایا کہ چنانچہ ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالی طور پر ضعیف و کمزور دیکھا تو مال غنیمت کو ہمارے لئے حلال کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''نبی من الانبیاء'' کہتے ہیں یہ یوشع بن نون پیغمبر تھے انہوں نے فارغ البال نوجوانوں کو جہاد کے لئے منتخب کیا تا کہ بے جگری سے لڑیں۔ ''انت مامورۃ'' یعنی مجھے جہاد کا حکم ہے اور تجھے آسمان پر سفر کرنے کا حکم ہے اے اللہ اس کو روک دو تا کہ میں جہاد کے عمل کو مکمل کر لوں اور شہر میں داخل ہو جاؤں چونکہ غروب آفتاب کے بعد ہفتہ کا دن شروع ہونے والا تھا اور ہفتہ کے دن ان کے لئے جہاد کرنا منع تھا اس لئے حضرت یوشعؑ نے دعا مانگی تا کہ جہاد کے عمل کی تکمیل ہو جائے اور شہر فتح ہو جائے ورنہ برسوں تک کافر لوگ مضبوط ہو جائیں گے اس وقت یہ کمزور ہیں اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں اس دعا کے بعد سورج رک گیا جب شہر فتح ہو گیا تب غروب ہوا اس سے جہاد کی اہمیت و عظمت کا پتہ چلتا ہے اہل تبلیغ کے نزدیک جہاد کی کوئی اہمیت نہیں ہے بہر حال شہر فتح ہونے کے بعد مال غنیمت اکٹھا کیا گیا مگر دستور کے مطابق آگ نے اس کو نہیں جلایا حضرت یوشعؑ نے لوگوں کو مصافحہ کرنے کا حکم دیا خائن کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے چپک گیا تو خائن معلوم ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہود کے انبیاء نے جہاد کیا ہے جو لوگ جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں وہ اپنے نبی پر اعتراض کرتے ہیں۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والا دوزخ میں ڈالا جائے گا

﴿۴۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ وَفُلَانٌ شَهِيْدٌ حَتّٰى مَرُّوْا عَلٰى رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِيْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّيْ رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِيْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا

قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے ہم سے یہ بیان کیا کہ جب خیبر کا دن آیا یعنی غزوہ خیبر ختم ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے چند لوگ آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شخص شہید ہے یعنی اس دن جو مسلمان شہید ہو گئے تھے ان کے نام لے لے کر ان کی شہادت کا ذکر کر تے تھے یہاں تک کہ وہ لوگ ایک شخص کی لاش پر سے گزرے اور کہا کہ یہ فلاں شخص شہید ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ ہرگز نہیں تم لوگ جس معنی میں اس کو شہید کہتے ہو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ میں نے اس شخص کو مال غنیمت میں سے ایک چادر یا فرمایا کہ ایک دھاری دار کملی چرانے کے سبب دوزخ میں جلتے دیکھا ہے پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ابن خطاب جاؤ اور لوگوں کے درمیان تین مرتبہ یہ منادی کر دو کہ جنت میں صرف مومن یعنی کامل مومن ہی داخل ہوں گے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں نکلا اور تین مرتبہ منادی کی کہ خبردار جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ (مسلم)

باب الجزیة

جزیہ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿حتی یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون﴾ (توبہ)

جزیہ جزاء سے بنا ہے جو لغوی اعتبار سے بدلہ کے معنی میں ہے اصطلاح میں "الجزیة مایؤخذ من اھل الذمة" (مرقات) یعنی جزیہ اس خاص محصول اور ٹیکس کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے ان کے مال و جان کی حفاظت کے عوض لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ذمیوں کے جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

جزیہ کی حکمت

اہل ذمہ پر جزیہ عائد کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وہ جب اسلام اور اہل اسلام کو قریب سے دیکھیں گے اور کسی طرف سے ان پر کوئی جبر یا بندی نہیں ہوگی ہر طرف اسلام کی شوکت اور غلبہ ہوگا نفاذ اسلام کی برکات ہونگی تو بہت جلد اسلام کی آفاقی کشش ان کو اسلام کی طرف کھینچ لائے گی چنانچہ لاکھوں ذمیوں نے قرون اولیٰ میں اس طرح اسلام کو قبول کیا ہے۔

جزیہ میں دوسری حکمت یہ ہے کہ جب ذمیوں پر جزیہ کا بوجھ ہوگا ان کا قانون مغلوب ہوگا اسلام کا قانون غالب ہوگا تو کفر پر رہتے ہوئے ذمیوں کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ دنیوی نقصان بھی ہوگا اور اخروی نقصان بھی ہوگا اس لئے جزیہ کی ذلت سے نکلنے کے لئے اور دنیوی فوائد کی غرض سے وہ اسلام کی طرف آئیں گے، آج کل اس کا مشاہدہ بھی ہورہا ہے کہ جہاں ٹیکس کم ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ہے لوگ اس طرف جاتے ہیں کتنے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو اہل باطل میں سے اس لئے ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں ان پر ٹیکس نہیں آتا اچھے خاصے مسلمان زکوۃ سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو عیسائی، قادیانی اور رافضی ظاہر کرتے ہیں تاکہ وہ زکوۃ سے بچ جائیں اگر ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ٹیکس زیادہ ہے اور زکوۃ کم ہے تو یہ اپنے آپ کو کافر کے بجائے مسلمان ظاہر کرنے لگ جائیں گے یہ انسانی طبع اور فطرت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اسی نفسیات کی طرف اشارہ کیا ہے "حتی یعطوا الجزیة عن یدوھم صاغرون" کہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے ٹیکس اور جزیہ ادا کریں تو ان کو احساس ہوگا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔

جزیہ کے اقسام

جزیہ دو قسم پر ہے پہلی قسم بطور صلح ہے وہ اس طرح کہ کفار دور کی وجہ سے جنگ نہ کریں بلکہ بصورت صلح لشکر اسلام کے سامنے جزیہ دینا قبول کریں اس طرح جزیہ میں طرفین کی رضامندی ہوتی ہے صلح کے بعد مسلمانوں پر اس کی پاسداری لازم ہوتی ہے اس

صورت میں جزیہ کی مقدار طرفین کی رضامندی کے مطابق ہوتی ہے۔
جزیہ کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے کہ لشکر اسلام کفار کے کسی علاقے پر چڑھائی کرتے ہیں اور جنگ کے بعد اسے فتح کردیتے ہیں اور اس کے بعد علاقے کے کفار کی جان بخشی کے عوض ان پر جزیہ نافذ کردیتے ہیں اس میں وقت کے خلیفہ اور امیر الحرب کی مرضی ہوتی ہے کہ وہ کتنا جزیہ مقرر کرتے ہیں کفار کی مرضی نہیں ہوتی ہے۔

ذمیوں کے لئے اسلام کی طرف سے شرائط

جزیہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام ذمیوں پر چند دیگر شرائط بھی عائد کرتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) ذمی نیا گرجا یا عبادت خانہ تعمیر نہیں کریں گے۔ (۲) ذمی اپنی عبادات کا سر عام تشہیر نہیں کریں گے۔ (۳) اسلامی قوانین وقواعد کی تحقیر اور توہین سے اجتناب کریں گے (۴) جسم پر کوئی خصوصی علامت رکھیں گے تا کہ ذمی ہونا معلوم ہو جیسے زنار کا استعمال یا سر پر چوٹی رکھنا وغیرہ (۵) ذمی لوگ مسلمانوں سے عالیشان مکان نہیں بنائیں گے (۶) مسلمانوں سے زیادہ شان وشوکت کا لباس استعمال نہیں کریں گے (۷) گھوڑے پر سواری نہیں کریں گے گویا مرسڈیز اور لینڈ کروزر کی سواری نہیں کریں گے۔ (۸) جزیہ خود لا کر دفتر میں کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے ادا کریں گے (۹) اگر مسلمان محصل ان کے پاس گیا تو ذمی کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیکر جزیہ وصول کریگا۔
یہ نو شرائط ہیں جن کے بعد نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی ذمی شخص اسلام قبول کئے بغیر رہ جائے گا تو جزیہ مقرر کرنا درحقیقت اسلام کی ایک دعوت ہے لیکن آج کل مسلمان اتنے کمزور ہو گئے کہ ان باتوں کو زبان پر لانا بھی گوارا نہیں کرتے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو کافر اپنے خالق ومالک کا باغی ہو جاتا ہے ان کے ساتھ یہ سلوک کرنا بھی ان کی رعایت ہے مگر جو لوگ غیور مسلمان تھے وہ مٹی کے نیچے دفن ہیں مٹی کے اوپر ڈانسر رہ گئے ہیں۔

گل گئے گلشن گئے پھولوں کے پتے رہ گئے
جو لوگ تھے وہ مرگئے الو کے پٹھے رہ گئے

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت ☆ شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

الفصل الاول

مجوسیوں سے جزیہ لینا کیسا ہے

﴿۱﴾ عَنْ بَجَالَةَ قَالَ كُنْتُ كَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِيَةَ عَمِّ الْأَحْنَفِ فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ

مَوْتِهٖ بِسَنَةٍ اَنْ فَرِّقُوْا بَيْنَ كُلِّ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوْسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوْسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوْسِ هَجَرٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ بُرَيْدَةَ اِذَا اَمَّرَ اَمِيْرًا عَلٰى جَيْشٍ فِيْ بَابِ الْكِتَابِ اِلَى الْكُفَّارِ.

حضرت بجالہؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں جزء ابن معاویہؒ تابعی کے ہاں جو حضرت احنفؓ (صحابی) کے چچا تھے منشی تھا ایک مرتبہ ہمارے پاس حضرت (امیر المومنین) عمر بن خطابؓ کا ان کی وفات سے ایک سال پہلے ایک مکتوب آیا جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ مجوسیوں یعنی آتش پرستوں میں ان کے محارم کے درمیان تفریق کرا دو، نیز راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پہلے مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے یہاں تک کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دی یعنی انہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ تب حضرت عمرؓ نے مجوسیون سے جزیہ لینا شروع کیا۔ (بخاری)

توضیح

''من المجوس'' حضرت عمر فاروقؓ ابتداء میں مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے کیونکہ قرآن کریم میں ایت تھی ﴿من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطو الجزیۃ عن یدوھم صاغرون﴾ اس آیت سے بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ جزیہ کا تعلق صرف اہل کتاب یہود ونصاری سے ہے مجوس اہل کتاب نہیں ہیں بلکہ آتش پرست ہیں، جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دیدی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ھجر علاقہ کے مجوس سے جزیہ لیا تھا تب عمر فاروق نے لینا شروع کر دیا جزیہ نہ لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو زندہ نہ چھوڑا جائے بلکہ قتل کیا جائے۔ اب اہل کتاب اور مجوس کے علاوہ دیگر کفار عجم سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ کے نزدیک اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر سے جزیہ نہیں لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو البتہ مجوس سے جزیہ لینا اس لئے جائز ہے کہ زیر بحث حدیث میں اس کی واضح تصریح موجود ہے۔

احناف کے نزدیک اہل کتاب وغیرہ تمام کفار سے جزیہ لیا جائے گا البتہ مشرکین عرب اور مرتدین سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا ان کے لئے یا اسلام اور یا تلوار ہے۔

دلائل

امام شافعیؒ نے ﴿من الذین اوتوا الکتاب﴾ سے مفہوم مخالف کے طور پر استدلال کیا ہے البتہ مجوس کی تخصیص اور ان سے جزیہ لینا زیر بحث حدیث کی وجہ سے ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کفار عجم کو غلام بنانا سب کے نزدیک جائز ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان سے جزیہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ جب زندہ چھوڑنا کفر کی حالت میں جائز ہوا تو پھر جزیہ لینا بھی جائز ہونا چاہئے باقی مفہوم مخالف ہمارے نزدیک کوئی دلیل نہیں ہے لہٰذا اس کو پیش کرنا بیکار ہے۔

"ذی محرم من المجوس" مجوسیوں کے ہاں بیٹی ماں اور بہن وغیرہ محارم سے نکاح کرنا کوئی عار نہیں تھا اور نہ منع تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ایسے محارم کو تعلق ازدواج سے الگ کردو۔ "ھجر" یمن کے پاس ایک علاقے کا نام ہے جس کو آج کل احساء کہتے ہیں نیز مدینہ کے قریب ایک علاقہ کا نام بھی ہجر تھا۔

الفصل الثانی

۲﴿ عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْیَمَنِ أَمَرَہٗ أَنْ یَّأْخُذَ مِنْ کُلِّ حَالِمٍ یَعْنِیْ مُحْتَلِمٍ دِیْنَارًا أَوْ عِدْلَہٗ مِنَ الْمَعَافِرِیِّ ثِیَابٌ تَکُوْنُ بِالْیَمَنِ. رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قاضی و حاکم بنا کر یمن روانہ کیا تو ان کو یہ ہدایت کی کہ وہ وہاں سے ہر حالم یعنی ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار کی قیمت کا معافری کپڑا جو یمن میں تیار ہوتا ہے۔ جزیہ کے طور پر لیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"حالم" اس سے بالغ آدمی مراد ہے یعنی بالغ آدمی سے ایک دینار جزیہ لیا جائے گا اگر دینار نہیں تو اس کی قیمت کے برابر معافری کپڑا لیا جائے گا "معافری" ہمدان کے ایک قبیلہ کا نام ہے اسی کی طرف یہ کپڑا منسوب تھا روایت کے آخر میں راوی نے اشارہ کر دیا کہ یہ یمن میں بننے والا ایک کپڑا ہوتا تھا۔ علماء نے لکھا ہے کہ اب معافری ایک کپڑے کا نام پڑ گیا ہے اور نسبت ختم ہوگئی ہے اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بالغ آدمی چاہے مالدار ہو چاہے غریب ہو ان پر ایک ہی مقدار کا جزیہ آئے گا یہی شوافع کا مسلک ہے لیکن احناف کے نزدیک صاحب حیثیت مالدار پر سالانہ ۴۸ درہم جزیہ ہے متوسط طبقہ پر ۲۴ درہم سالانہ ہے اور ادنیٰ فقیر پر بارہ درہم سالانہ ہے۔ احناف نے کچھ مرسل روایات اور حضرت عمرؓ کے عمل سے استدلال کیا ہے اور زیر بحث حدیث مجمل بھی ہے اور صلح کی صورت پر محمول بھی ہے۔

مسلمانوں پر جزیہ نہیں

۳﴿ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَصْلُحُ قِبْلَتَانِ فِیْ أَرْضٍ وَاحِدَۃٍ

وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ جِزْيَةٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمین میں دو قبلے نہیں ہونے چاہئیں اور مسلمان پر جزیہ عائد نہیں ہوسکتا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

''لاتصلح قبلتان '' اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ کے لئے جزیرۂ عرب میں رہنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ ان کا قبلہ بیت المقدس ہے اور مسلمانوں کا بیت اللہ ہے اور یہ دونوں مخالف سمت میں ہیں لہٰذا ان کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کردو گویا ''ارض واحدة '' سے مراد جزیرۂ عرب ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی مسلم سرزمین کے لئے یہ مناسب اور صالح نہیں ہے کہ وہاں بطور مغالبہ ومقابلہ اور بطور مساوات دو قبلے آباد ہوں اس کی صورت یہ ہوگی کہ مسلمان ملک میں کفار جزیہ کے بغیر رہتے ہیں یا مسلمان باجگذار بن کر کفار کے درمیان ذلت کے ساتھ رہ رہے ہوں۔

''ولیس علی المسلم جزیة '' مطلب یہ ہے کہ ایک ذمی آدمی تھا اس پر جزیہ مقرر تھا پھر وہ مسلمان ہوگیا اب وہ ذمی نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اب ان پر جزیہ نہیں ہے یا مطلب یہ ہے کہ ایک ذمی تھا وہ جزیہ دے رہا تھا لیکن پھر اس نے بند کردیا لیکن کچھ عرصہ بعد وہ مسلمان ہوگیا اب ان پر جو بقایا جزیہ تھا اس کا دینا لازم نہیں کیونکہ اب وہ مسلمان ہوگیا ہے اور مسلمان پر جزیہ نہیں ہوتا ہے۔

جزیہ پر صلح کی ایک صورت

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدِ اِلَى أُكَيْدِرِ دُوْمَةَ فَأَخَذُوْهُ فَأَتَوْا بِهٖ فَحَقَنَ لَهٗ دَمَهٗ وَصَالَحَهٗ عَلَى الْجِزْيَةِ. رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اکیدر دومہ کے مقابلہ پر بھیجا چنانچہ حضرت خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے اکیدر کو پکڑ لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکا خون معاف کردیا اور جزیہ پر اس سے صلح کرلی۔ (ابوداؤد)

توضیح

''اکیدر دومة'' دومہ تبوک کے پاس ایک شہر کا نام ہے اس کا ایک مقامی بادشاہ تھا جس کا نام اُکیدر تھا یہ روما سلطنت کے

ماتحت تھا غزوہ تبوک کے موقع پر آنحضرت نے حضرت خالدؓ کو حکم دیا کہ جاؤ اور اکیدر کو زندہ پکڑ کر لاؤ حضرت خالد نے فرمایا کہ یا رسول اللہ وہ آدمی شہر کے اندر محفوظ قلعہ میں ہے زندہ کیسے لاؤں، آنحضرت نے فرمایا کہ وہ تم کو جنگل میں ملے گا چنانچہ حضرت خالد جب قلعہ کے قریب تک پہنچ گئے تو اتنے میں ایک نیل گائے آئی اور قلعہ کی دیوار سے سر کھجانے لگی اکیدر اس کے تعاقب میں نکل آیا گائے جنگل کی طرف بھاگ نکلی اکیدر پیچھے تھا کہ حضرت خالد نے اکیدر پر حملہ کر دیا اکیدر کا بھائی مارا گیا اور خود گرفتار ہو گیا جب اکیدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا اکرام کیا ان کو انکے شہر پر برقرار رکھا مگر ان پر سالانہ جزیہ مقرر کیا۔ دو ہزار اونٹ آٹھ سو گھوڑے چار سو زرہیں اور چار سو نیزوں پر صلح ہوگئی بعد میں اکیدر مسلمان ہو گیا اکیدر کے علاوہ بھی کئی دیہاتوں کے سرداروں نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی اور جزیہ قبول کیا بیس دن کے بعد آنحضرت مدینہ کی طرف واپس چلے آئے۔

یہود و نصاریٰ سے مال تجارت پر محصول لینے کا مسئلہ

﴿۵﴾ وَعَنْ حَرْبِ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ عَنْ جَدِّهِ أَبِيْ أُمِّهِ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا الْعُشُوْرُ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَلَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ عُشُوْرٌ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت حرب ابن عبید اللہ اپنے جد (نانا) سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود و نصاریٰ پر عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے جبکہ مسلمانوں پر چالیسواں حصہ واجب ہے ان پر عشر واجب نہیں ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

عشور کا مفرد عشر ہے مال کے دسویں حصہ نکالنے کو عشر کہتے ہیں۔

زمین دو قسم پر ہے عشری اور خراجی، عشری اس زمین کو کہتے ہیں جس کا مالک مسلمان ہو مسلمان پر ان کی زمین کی وجہ سے صرف عشر فرض ہے خراجی وہ زمین ہے جس کا مالک کافر ذمی ہو اس پر زمین کا خراج لازم ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان پر ان کے اموال تجارت میں عشر نہیں ہے مسلمان کی زمین کے عشر کی نفی یہاں مقصود نہیں ہے ہاں خراج کے ساتھ ساتھ اہل کتاب پر ان کے اموال تجارت میں بھی عشر ہے چونکہ چونگی پر ان کے اموال سے عموماً دسواں حصہ لیا جاتا ہے اس لئے عشر کہہ دیا لہٰذا یہاں عشر سے اصطلاحی عشر مراد نہیں ہے بلکہ دسواں حصہ مراد ہے۔

شوافع کا مسلک یہ ہے کہ جب یہود و نصاریٰ پر جزیہ مقرر ہے تو وہی کافی ہے اس کے علاوہ ان پر کوئی عشر وغیرہ نہیں ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ اگر کفار اپنے علاقوں اور سرحدات پر مسلمانوں سے مال تجارت میں عشر لیتے ہوں تو ہم بھی ان سے

عشر لیں گے ورنہ نہیں لیں گے یہ حدیث احناف کا مؤید ہے۔

ذمیوں پر جزیہ کی ایک عجیب صورت

﴿۶﴾وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَمُرُّ بِقَوْمٍ فَلَاهُمْ يُضَيِّفُوْنَا وَلَاهُمْ يُؤَدُّوْنَ مَالَنَا عَلَيْهِمْ مِنَ الْحَقِّ وَلَانَحْنُ نَأْخُذُمِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اَبَوْا اِلَّا اَنْ تَأْخُذُوْا كُرْهًا فَخُذُوْا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم جب جہاد کو جاتے ہوئے ایک قوم کی آبادی میں سے گذرتے ہیں تو وہ لوگ نہ ہماری میزبانی کرتے ہیں اور نہ ہمیں وہ چیز دیتے ہیں جس کا ہم ازروئے اسلام ان پر حق رکھتے ہیں۔یعنی اسلام کی رو سے ان پر ہمارا جو یہ حق ہے کہ وہ قرض وغیرہ دے کر ہماری ضرورتیں پوری کریں اور ہماری دیکھ بھال کریں وہ اس کو پورا نہیں کرتے اور چونکہ ہم ان سے کوئی چیز زبردستی حاصل نہیں کرتے اس لیے ہم سخت پریشان ہوتے ہیں اور ان کے اس رویہ کی وجہ سے ہمیں بڑی اضطراری حالت اور بڑے نقصان میں مبتلا ہونا پڑتا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ تمہاری میزبانی کرنے یا تمہارے ہاتھ نقد وادھار کوئی چیز فروخت کرنے سے انکار کریں اور اس صورت میں ان سے کوئی چیز زبردستی لینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تو زبردستی لے لو۔ (ترمذی)

توضیح

آنحضرت کے زمانہ میں مجاہدین ہر طرف جہاد کے لئے جاتے آتے رہتے تھے راستے خالی ہوتے تھے کہیں کہیں ذمیوں کی آبادیاں ہوتی تھیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ذمیوں پر معاہدہ کے تحت جزیہ کے ساتھ یہ لازم فرمادیا تھا کہ تمہارے پاس جب مسلمان گذریں گے تو بوقت مجبوری ان کو کھانا کھلاؤ گے اور گھر میں رات گذارنے کا انتظام کروگے اس جزیہ سے متعلق کئی مقامات میں اس قسم کی حدیث آئی ہے کہ اگر اہل کتاب نے کھانا نہیں کھلایا تو تم زبردستی ان سے چھین لو، یہ صورت جزیہ کی تھی ورنہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اہل کتاب سے زبردستی کھانا کھائے یہ سب یا معاہدہ کی صورتیں ہیں یا حالت مخمصہ کی صورت میں ہے یا بطور ادھار وقرض ہے کہ بعد میں پیسے ادا کریں گے توضیحات جلد اول میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

الفصل الثالث

سونے چاندی والوں پر جزیہ کی مقدار

﴿۷﴾عَنْ أَسْلَمَ أَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ ضَرَبَ الْجِزْيَةَ عَلٰى أَهْلِ الذَّهَبِ أَرْبَعَةَ دَنَانِيْرَ وَعَلٰى أَهْلِ الْوَرِقِ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً مَعَ ذٰلِكَ أَرْزَاقُ الْمُسْلِمِيْنَ وَضِيَافَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ. رَوَاهُ مَالِكٌ.

حضرت اسلمؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عمرابن خطابؓ نے اپنے دور خلافت میں ان ذمیوں پر جو سونا رکھتے تھے چار دینار جزیہ مقرر کیا اور جو ذمی چاندی رکھتے تھے ان پر چالیس درہم جزیہ مقرر کیا اور اس کے علاوہ ان پر مسلمانوں کا خورد ونوش اور تین دن کی میزبانی بھی مقرر کی تھی۔ (مالک)

توضیح

''ارزاق المسلمین'' اس سے مراد وہی ضیافت ہے جس کا ذکر اس سے پہلے حدیث میں آچکا ہے حالات واشخاص کے تفاوت کی وجہ سے جزیہ مقرر کرنے میں بھی مختلف صورتیں وجود میں آئی ہیں یہاں سالانہ چار دینار فی آدمی کا تذکرہ ہے اور چالیس درہم سالانہ کا ذکر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضیافت کا حق بھی ایک اضافی حق ہے۔

كتاب الصلح

صلح کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله﴾

وقال تعالیٰ ﴿والصلح خير﴾

مصالحہ اور صلح اصلاح سے مشتق ہے جو فساد کی ضد ہے ایک دوسرے کے ساتھ محبت ومودت کا معاملہ کرنا صلح کہلاتا ہے اگر وقت کا صالح مسلمان بادشاہ مسلمانوں کے لئے صلح کو مناسب خیال کرتا ہے اور صلح کرنے میں فائدہ ہے اور مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا کوئی نقصان نہیں ہے تو کفار کے ساتھ صلح کرنا بالعوض بھی جائز ہے اور بلاعوض بھی جائز ہے اور اگر صلح میں نقصان ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں سب سے بڑی صلح حدیبیہ کی صلح ہے جس کی شرائط کا بیان آگے آرہا ہے کفار کے ساتھ دس سال سے زیادہ صلح کرنا جائز نہیں ہے۔

الفصل الاول

صلح حدیبیہ کا تفصیلی بیان

﴿۱﴾ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَا خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ فِي بِضْعَ عَشْرَةَ مِائَةً مِنْ أَصْحَابِهِ فَلَمَّا أَتَى ذَا الْحُلَيْفَةِ قَلَّدَ الْهَدْيَ وَأَشْعَرَ وَأَحْرَمَ مِنْهَا بِعُمْرَةٍ وَسَارَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالثَّنِيَّةِ الَّتِي يُهْبَطُ عَلَيْهِمْ مِنْهَا بَرَكَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ فَقَالَ النَّاسُ حَلْ حَلْ خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ وَلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْأَلُونِي خُطَّةً يُعَظِّمُونَ فِيهَا حُرُمَاتِ اللّٰهِ إِلَّا أَعْطَيْتُهُمْ إِيَّاهَا ثُمَّ زَجَرَهَا فَوَثَبَتْ فَعَدَلَ عَنْهُمْ حَتّٰى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَمَدٍ قَلِيلِ الْمَاءِ يَتَبَرَّضُهُ النَّاسُ تَبَرُّضًا فَلَمْ يُلْبِثْهُ النَّاسُ حَتّٰى نَزَحُوهُ وَشُكِيَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَطَشُ فَانْتَزَعَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهُ فِيهِ فَوَاللّٰهِ مَا زَالَ يَجِيشُ لَهُمْ بِالرِّيِّ حَتّٰى صَدَرُوا عَنْهُ فَبَيْنَاهُمْ كَذٰلِكَ إِذْ جَاءَ بُدَيْلُ بْنُ وَرْقَاءَ الْخُزَاعِيُّ فِي نَفَرٍ مِنْ خُزَاعَةَ ثُمَّ أَتَاهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَسَاقَ الْحَدِيثَ إِلٰى أَنْ قَالَ إِذْ جَاءَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اُكْتُبْ هٰذَا مَاقَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَاللّٰهِ لَوْكُنَّا نَعْلَمُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاصَدَدْنَاكَ عَنِ الْبَيْتِ وَلَاقَاتَلْنَاكَ وَلٰكِنِ اكْتُبْ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِيْ اُكْتُبْ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ سُهَيْلٌ وَعَلٰى اَنْ لَايَاْتِيَكَ مِنَّا رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ عَلٰى دِيْنِكَ اِلَّا رَدَدْتَهُ عَلَيْنَا فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ قَضِيَّةِ الْكِتَابِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَصْحَابِهٖ قُوْمُوْا فَانْحَرُوْا ثُمَّ احْلِقُوْا ثُمَّ جَاءَ نِسْوَةٌ مُؤْمِنَاتٌ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ اَلْآيَةَ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ يَرُدُّوْهُنَّ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَرُدُّوا الصَّدَاقَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَجَاءَهُ اَبُوْبَصِيْرٍ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَهُوَ مُسْلِمٌ فَاَرْسَلُوْا فِيْ طَلَبِهٖ رَجُلَيْنِ فَدَفَعَهُ اِلَى الرَّجُلَيْنِ فَخَرَجَا بِهٖ حَتّٰى اِذَا بَلَغَا ذَاالْحُلَيْفَةِ نَزَلُوْا يَاْكُلُوْنَ مِنْ تَمْرٍ لَهُمْ فَقَالَ اَبُوْبَصِيْرٍ لِاَحَدِ الرَّجُلَيْنِ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرٰى سَيْفَكَ هٰذَا يَافُلَانُ جَيِّدًا اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْهِ فَاَمْكَنَهُ مِنْهُ فَضَرَبَهُ حَتّٰى بَرَدَ وَفَرَّ الْآخَرُ حَتّٰى اَتَى الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ يَعْدُوْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰى هٰذَا ذُعْرًا فَقَالَ قُتِلَ وَاللّٰهِ صَاحِبِيْ وَاِنِّيْ لَمَقْتُوْلٌ فَجَاءَ اَبُوْبَصِيْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْكَانَ لَهٗ اَحَدٌ فَلَمَّا سَمِعَ ذٰلِكَ عَرَفَ اَنَّهٗ سَيَرُدُّهُ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ حَتّٰى اَتٰى سِيْفَ الْبَحْرِ قَالَ وَانْفَلَتَ اَبُوْجَنْدَلِ بْنُ سُهَيْلٍ فَلَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ فَجَعَلَ لَايَخْرُجُ مِنْ قُرَيْشٍ رَجُلٌ قَدْ اَسْلَمَ اِلَّا لَحِقَ بِاَبِيْ بَصِيْرٍ حَتّٰى اجْتَمَعَتْ مِنْهُمْ عِصَابَةٌ فَوَاللّٰهِ مَايَسْمَعُوْنَ بِعِيْرٍ خَرَجَتْ لِقُرَيْشٍ اِلَى الشَّامِ اِلَّا اعْتَرَضُوْا لَهَا فَقَتَلُوْهُمْ وَاَخَذُوْا اَمْوَالَهُمْ فَاَرْسَلَتْ قُرَيْشٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنَاشِدُهُ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ لَمَّا اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ فَمَنْ اَتَاهُ فَهُوَ آمِنٌ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت مسور ابن مخرمہ اور حضرت مروان ابن حکم سے روایت ہے یہ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال اپنے ایک ہزار کچھ سو صحابہ کو لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے جب آپ ذوالحلیفہ پہنچے جو مدینہ منورہ سے جنوب میں تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جس کو ابیار علی بھی کہتے ہیں تو ہدی یعنی اپنی قربانی کے جانور کی گردن میں قلادہ باندھا اور اشعار کیا اور پھر ذوالحلیفہ ہی سے عمرہ کیلئے احرام باندھ کر آگے روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب ثنیہ یعنی اس گھاٹی پر پہنچے جس طرف سے اہل مکہ پر اترا جاتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی جس کا نام قصواء تھا آپ کو لے کر بیٹھ گئی جب لوگوں نے یہ دیکھا تو کہنا شروع کیا کہ حل حل یہ لفظ اونٹ کو اٹھانے کے لئے کہا جاتا تھا قصواء اڑ گئی نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ نہیں قصواء نے اڑ نہیں کی ہے اور نہ اس کو اڑنے کی عادت ہے بلکہ اس کو اس ذات اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے جس نے ہاتھی کو روکا تھا اور پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے قریش مجھ سے ایسی جو بات بھی چاہیں گے جس میں اللہ تعالیٰ کے حرم کی عظمت ہو تو میں ان کی اس بات کو پورا کروں گا یعنی آج مکہ کے لوگ صلح کے وقت ایسی جس بات کا بھی مطالبہ کریں گے جس میں حرم مکہ کی عظمت کا لحاظ ہو تو میں اس کو پورا کروں گا پھر آپ نے اونٹنی کو اٹھایا جو فوراً اٹھ گئی چنانچہ آپ اہل مکہ کا راستہ چھوڑ کر دوسری سمت کو چلنے لگے تا آنکہ حدیبیہ کے آخری کنارہ پر پہنچ کر جہاں ایک گڑھے میں تھوڑا سا پانی تھا اتر گئے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا لوگوں نے اس گڑھے میں سے تھوڑا سا پانی لے کر استعمال کرنا شروع کیا یہاں تک کہ ذرا ہی دیر میں سارے پانی کو کھینچ ڈالا یعنی اس گڑھے میں پانی چونکہ بہت تھوڑا تھا اس لئے لوگوں کے کم سے کم مقدار میں لینے کے باوجود وہ پانی بہت جلد ختم ہو گیا۔ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی آپ نے اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور صحابہ کو حکم دیا کہ اس تیر کو پانی کے اس گڑھے میں ڈال دیا جائے اور پھر راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس تیر کی برکت سے ان لوگوں کو سیراب کرنے کے لئے کبھی ختم نہ ہونے والا پانی گویا موجیں مارتا رہا تا آنکہ سب اس پانی پر سے ہٹ گئے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس گڑھے میں اتنا زیادہ پانی پیدا فرما دیا کہ سب لوگوں کی ضرورتیں نہایت اطمینان سے پوری ہوتی رہیں بلکہ جب وہاں سے واپسی ہوئی تو اس وقت بھی پانی باقی رہا بہرحال صحابہؓ اسی حالت میں تھے کہ اچانک بدیل ابن ورقاء خزاعی بخزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ کفار مکہ کی طرح سے مصالحت کیلئے آیا پھر عروہ ابن مسعود بھی آپ کی خدمت میں پہنچا۔ اس کے بعد بخاری نے وہ طویل گفت وشنید نقل کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بدیل وعروہ کے درمیان ہوئی جس کو صاحب مصابیح نے اختصار کے پیش نظر یہاں نقل نہیں کیا۔ اور پھر یہ بیان کیا کہ آخر کار جب سہیل ابن عمرو اہل مکہ کا آخری سفیر اور نمائندہ بن کر آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو۔

یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی ہے سہیل نے یہ الفاظ دیکھ کر کہا کہ بخدا اگر ہم یہ مانتے کہ تم اللہ کے رسول ہو تو نہ ہم تمہیں خانہ کعبہ میں جانے سے روکتے اور نہ جنگ کرتے۔ لہٰذا یوں لکھو کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے صلح کی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ خدا کی قسم! میں اللہ کا رسول ہوں اگرچہ تم مجھ کو جھٹلاتے ہو خیر میں مصالحت کی خاطر الفاظ میں تمہاری اس ترمیم کو تسلیم کئے لیتا ہوں علیؓ! تم محمد ابن عبداللہ ہی لکھ دو۔ پھر سہیل نے کہا کہ اس معاہدۂ صلح میں اس بات کو بھی تسلیم کرو کہ تم میں سے جو شخص ہمارے ہاں آجائے گا ہم تو اس کو واپس نہ جانے دیں گے لیکن ہم میں سے جو شخص تمہارے ہاں چلا جائے گا اگرچہ وہ تمہارے دین کو قبول کر چکا ہو اس کو تم ہمارے ہاں واپس کرو گے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول کر لیا۔ اس موقعہ پر بھی واقعہ میں اختصار سے کام لیا گیا ہے یعنی صاحب مصابیح نے اس معاہدہ سے متعلق بخاری کی بیان کردہ ساری تفصیل کو نقل نہیں کیا ہے یا یہ بخاری کی کوئی اور روایت ہے جس میں صرف اسی قدر بیان کیا گیا ہے بہرحال جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت علی صلح نامہ لکھے جانے سے فارغ ہوئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ اٹھو جاؤ اب ہدی کے جانوروں کو ذبح کر ڈالو اور پھر سر منڈواؤ۔ اس کے بعد مکہ سے کئی

عورتیں مسلمان ہو کر آئیں اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا ﴿یآ ایھا الذین اٰمنوا اذا جآء کم المؤمنات مھاجرات الـــخ﴾ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں الخ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو اس بات سے منع کیا کہ وہ ان عورتوں کو کفار مکہ کے ہاں واپس کر دیں اور انہیں اس بات کا حکم دیا کہ ان کا مہر واپس کر دیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے کچھ دنوں بعد قریش کے ایک شخص ابو بصیر جو مسلمان ہو گئے تھے مکہ سے نکل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے قریش مکہ نے دو آدمیوں کو ان کی تلاش میں مدینہ بھیجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ صلح کی مذکورہ شرط کے مطابق ابو بصیرؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا وہ دونوں آدمی ابو بصیر کو لے کر مکہ روانہ ہوئے اور جب پہلی منزل ذوالحلیفہ میں قیام کیا اور ان کے پاس جو کھجوریں تھیں ان کو کھانے لگے تو ابو بصیرؓ نے ان میں سے ایک شخص کو مخاطب کر کے کہا کہ خدا کی قسم! اے فلاں شخص میرا خیال ہے کہ تمہاری یہ تلوار بہت اچھی ہے ذرا مجھے تو دکھلاؤ۔ میں بھی اس کو دیکھوں اس شخص نے ابو بصیر کو تلوار دیکھنے کا موقع دے دیا یعنی اس نے اپنی تلوار ابو بصیرؓ کے ہاتھ میں دے دی بس اتنا موقع کافی تھا۔ ابو بصیرؓ نے اس پر اس تلوار سے اتنا بھرپور وار کیا کہ وہ فوراً ٹھنڈا ہو گیا یعنی مر گیا۔ اور دوسرا شخص یہ دیکھتے ہی وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ مدینہ میں واپس آ گیا۔ اور اپنے قتل کے خوف سے دوڑتا ہوا مسجد نبویؐ میں داخل ہوا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص خوفزدہ معلوم ہوتا ہے اس شخص نے کہا کہ جی ہاں خدا کی قسم میرا ساتھی تو مارا گیا ہے اور میرے بھی مارے جانے میں کوئی شبہ نہیں ہے یعنی مجھ پر خوف سوار ہے کہ میں بھی مارا جاؤں گا یا میں بس بچ ہی گیا ورنہ میں بھی مارا جاتا پھر ابو بصیر بھی آ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ افسوس ہے اس کی ماں پر یعنی تعجب وحیرت کا مقام ہے یہ ابو بصیر تو لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر اس کا کوئی مددگار ہوتا تو وہ اس کی مدد کرتا، جب ابو بصیرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سنی تو وہ سمجھ گئے کہ آنحضرت مجھے پھر کافروں کے پاس واپس بھیج دیں گے چنانچہ ابو بصیرؓ دوبارہ کافروں کے حوالے کئے جانے کے خوف سے روپوش ہونے کے لئے مدینہ سے نکل گئے یہاں تک کہ وہ سمندر کے ساحل پر ایک علاقہ میں پہنچ گئے۔

راوی کہتے ہیں کہ ابو جندلؓ ابن سہیل بھی کفار کے قبضے سے نکل بھاگے اور ابو بصیرؓ سے آکر مل گئے اور پھر تو یہ حال ہوا کہ مکہ میں جو بھی شخص اسلام قبول کر کے قریش کے قبضہ سے نکل بھاگتا وہ ابو بصیرؓ سے جا ملتا یہاں تک کہ چند ہی روز میں ابو بصیرؓ کے پاس قریش سے چھوٹ کر آنے والوں کا ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا اور خدا کی قسم! جب بھی یہ لوگ سنتے کہ قریش کا کوئی قافلہ تجارت وغیرہ کے لئے شام کی طرف روانہ ہوا ہے وہ اس کا پیچھا کرتے اور اس کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کا سارا مال واسباب لے لیتے۔ آخر کار جب ان لوگوں کی وجہ سے قریش کا ناطقہ بند ہو گیا اور وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہو گئے تو ان کو احساس ہوا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک انتہائی غیر معقول شرط منوا کر کتنی بڑی نادانی کی ہے اور اس کا خمیازہ کس طرح بھگتنا پڑ رہا ہے لہٰذا انہوں نے کسی شخص کو اپنا سفیر نمائندہ بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور اس کے ذریعہ آنحضرت کو اللہ کی قسم دلائی اور اس قرابت کے حق کا واسطہ دیا جو ان میں اور آنحضرت میں تھی اور یہ التجا کی کہ آپ کسی نہ کسی

طرح صرف اتنا کرم ضرور کردیں کہ اپنے کسی آدمی کو ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیج کر یہ حکم دیں کہ وہ مدینہ میں آجائیں اور ہمارے کسی قافلے کیساتھ تعارض نہ کریں اور جب آپ ان کو یہ حکم بھیج دیں اور وہ لوگ آپ کے پاس چلے آئیں۔ تو پھر ہم اہل مکہ میں سے جو بھی شخص مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں رہے گا یعنی نہ صرف یہ کہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی بلکہ اس کو ہمارے پاس واپس بھیجنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی نیز انہوں نے کہا کہ آپ ابو بصیر کو ان کے طریقہ کار سے روک دیں ہم معاہدہ صلح کے اس شرط سے باز آئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو ابو بصیرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس بھیجا جس کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا کہ وہ قریش کے قافلوں سے کوئی تعرض نہ کریں اور میرے پاس چلے آئیں۔ (بخاری)

توضیح

''حدیبیة'' ایک کنوئیں کا نام تھا اس کی وجہ سے جگہ کا نام پڑ گیا، حدیبیہ مکہ اور جدہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جس کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے آج کل اس کو شمیسی کہتے ہیں مکہ سے مغربی جانب قریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر حدیبیہ واقع ہے۔ ''حل حل'' یعنی چل چل ''خلأت القصوی'' یعنی قصواء اونٹنی اڑ گئی ''ثمد'' گڑھا جس میں تھوڑا سا پانی تھا ''یتبرضه'' تھوڑا تھوڑا پانی لینا ''شکی'' مجہول کا صیغہ ہے شکایت کے معنی میں ہے پانی کی قلت کی شکایت آنحضرت کے سامنے کی گئی۔ یجش جوش مارنے کے معنی میں ہے ''بالری'' یعنی خوب کثرت کے ساتھ پانی آیا جس سے لوگ سیراب ہو جائیں گے ''صدروا'' یعنی سیراب ہو کر واپس لوٹ آئے۔

''یردوا الصداق'' اللہ تعالیٰ کا تکوینی معاملہ تھا کہ صلح حدیبیہ میں دستاویز لکھنے میں عورتوں کا تذکرہ کسی کو یاد بھی نہ رہا بعد میں کفار پچھتائے مگر کچھ ہاتھ نہیں آیا پیغمبر اسلام پر وحی نازل ہوگئی کہ عورتوں کو کفار کے ہاتھوں واپس نہ کرو البتہ عورتوں کا مہر ان کو واپس کردو یہ ابتدائی دور کا معاملہ تھا پھر اس میں تبدیلی آگئی چنانچہ آج کسی مسلم مرد کو کفار کی طرف واپس کرنے کا معاہدہ جائز نہیں ہے۔ ''ذعرا'' یعنی اس نے کوئی خوفناک حادثہ دیکھا ''ویل امه'' یہ جملہ اگرچہ بددعاء کے لئے وضع کیا گیا ہے مگر یہ تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں تعجب کا معنی ہے ''مسعر حرب'' یعنی لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر ان کے ساتھ کچھ ساتھی ہو جائے اور ان کی مدد کرے یہ مطلب زیادہ واضح ہے اگرچہ ملا علی قاریؒ نے یہ مطلب زیادہ مناسب قرار دیا ہے کہ لڑائی بھڑکانے والا ہے کاش اگر ان کو کوئی بتائے کہ میرے پاس نہ آئے تاکہ میں اس کو دوبارہ واپس نہ کردوں۔ بہر حال نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو مدینہ سے واپس بھیجدیا مگر کفار کے ہاتھ میں نہیں دیا ابو بصیر نے جا کر ساحل سمندر کے پاس اپنا ٹھکانا بنایا اب کافروں کے پاس سے جو مسلمان چھوٹ کر آتا تو ابو بصیر کے معسکر میں ٹھہرتا یہ ان مظلومین کے لئے ایک آزاد قبائلی علاقہ بن گیا چنانچہ ان کی تعداد ۷۰ تک پہنچ گئی اور انہوں نے کفار کے مقابلہ میں چھاپہ مار جنگ

شروع کی ان کے تجارتی قافلوں پر حملے کیے تب قریش نے پریشان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا اور خدا کا واسطہ دیا کہ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلائیں آنحضرت نے ابوبصیر کے نام خط روانہ کیا کہ مدینہ آجاؤ اس وقت ابوبصیر حالت نزع میں تھے آپ نے خط سنا اور پھر اپنے سینے پر رکھ کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

صلح حدیبیہ کی چند شرائط

﴿۴﴾وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُشْرِكِيْنَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ أَشْيَاءٍ عَلٰى أَنَّ مَنْ أَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ أَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى أَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلُبَّانِ السِّلَاحِ وَالسَّيْفِ وَالْقَوْسِ وَنَحْوِهٖ فَجَاءَ أَبُوْ جَنْدَلٍ يَحْجُلُ فِيْ قُيُوْدِهٖ فَرَدَّهُ إِلَيْهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن تین باتوں پر صلح کی تھی اول تو یہ کہ مکہ کے مشرکین میں سے جو شخص مسلمان ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا آنحضرت اس کو مشرکین کے پاس واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکین کے پاس آئے گا اس کو مشرکین واپس نہیں کریں گے دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج وعمرہ کے لئے اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ آیندہ سال مکہ آئیں اور صرف تین دن مکہ میں ٹھہریں اور سوم یہ کہ آیندہ سال مکہ میں جب داخل ہوں تو اپنے تمام ہتھیار تلوار کمان اور اسی طرح کی دوسری چیزیں غلاف میں رکھ کر لائیں۔ اس موقع پر ابوجندل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں پہنچے کہ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہ کود کود کر چل رہے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مشرکین کے پاس واپس بھیج دیا (بخاری ومسلم)

توضیح

"ثلاثة اشیاء" اس حدیث میں صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے اہم تین شرائط کا بیان ہے (۱) پہلی شرط یہ کہ اگر کوئی مشرک مسلمانوں کے پاس آجائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو قریش کی طرف واپس کر دے خواہ وہ مسلمان کیوں نہ ہو اور جو مسلمان کافروں کی طرف چلا جائے وہ ان کو قید کریں گے اور واپس نہیں کریں گے یہی شرط تھی جو اتنی سخت تھی جس نے صحابہ کرام کو ہلا کر رکھ دیا مگر انہوں نے صلح کے نظم وضبط کو برقرار رکھا اور اسلامی امارت کی وفاداری کا مظاہرہ کیا اور شرط کو قبول کیا۔
(۲) دوسری شرط یہ تھی کہ آیندہ سال مسلمان جب عمرہ کے لئے آئیں گے تو چھوٹا اسلحہ ساتھ ہو گا وہ بھی نیاموں اور غلافوں میں

ہوگا نیز اس سال عمرہ کے بغیر جانا ہوگا۔(۳) تیسری شرط یہ تھی کہ آئندہ سال مکہ میں صرف تین دن تک مسلمان قیام کریں گے پھر واپس جائیں گے۔(۴) اس کے علاوہ چوتھی شرط یہ تھی کہ دس سال تک جنگ بندی ہوگی۔(۵) پانچویں شرط یہ کہ جو قبائل فریقین میں سے جس کے ساتھ جانا چاہتے ہیں وہ چلے جائیں وہ بھی معاہدہ کا حصہ ہوں گے۔(۶) چھٹی شرط یہ کہ صلح کی مدت میں خیانت نہیں ہوگی۔

''بجلبان السلاح'' جیم پر ضمہ ہے لام پر بھی ضمہ ہے با پر شد کیساتھ فتحہ ہے یہ چمڑے کے اس تھیلے کا نام ہے جس میں تلوار وغیرہ اسلحہ رکھدیا جاتا تھا اور اسے باندھ کر کجاوہ یا زین کے پچھلے حصہ کے ساتھ لٹکا دیا جاتا تھا مراد یہ کہ اسلحہ کی نمائش نہیں ہوگی غلافوں میں چھپا کر رکھنا ہوگا۔

''یحجل فی قیوده'' ابوجندل سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا سہیل نے جب اس کو دیکھا تو قلم روک لیا اور کہا کہ پہلے میرے بیٹے کو واپس کر دو پھر صلحنامہ لکھا جائے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تک دستخط نہیں ہوئے ہیں یہ پہلے آگیا ہے معاہدہ اس پر نافذ نہیں ہے اور اگر ابوجندل کا آنا معاہدہ کے تحت آتا بھی ہے تو میں تجھ سے ابوجندل کو مانگتا ہوں کہ یہ مجھے دیدو سہیل نے انکار کیا ابوجندل روتا ہوا واپس چلا گیا اہل تاریخ نے ابوجندل کی واپسی کا دردناک منظر لکھا ہے ابوجندل پھر کفار کے ہاتھوں سے چھوٹ کر ساحل سمندر میں ابوبصیر کے پاس چلا گیا۔

صلح کی ایک سخت شرط کی حکمت

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ قُرَيْشًا صَالَحُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَرَطُوْا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مَنْ جَاءَ نَا مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ وَمَنْ جَاءَ كُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوْهُ عَلَيْنَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَكْتُبُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ وَمَنْ جَاءَ نَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مکہ کے قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی چنانچہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط منوائی کہ آپ میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے ہم اس کو واپس نہیں کریں گے اور ہم میں سے جو شخص آپ کے پاس آئے آپ اس کو ہمارے پاس واپس کردیں گے صحابہؓ نے اس شرط کو اپنی ملی حمیت و وقار کے منافی اور اصول مصالحت کے تقاضوں سے بعید جان کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم ان شرائط کو لکھ دیں یعنی کیا یہ شرائط آپ تسلیم کرتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں بات یہ ہے کہ ہم میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ مرتد ہو کر بھاگے گا اس اعتبار سے وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کردیا ہوگا۔ اور ان میں سے

جو شخص ہمارے پاس آئیگا اس کو اگر چہ اس وقت ہم واپس کر دینے پر مجبور ہوں گے لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کے لئے شادمانی وکشادگی اور خلاصی ونجات کے سامان پیدا کر دے گا۔ (مسلم)

توضیح

"لم نرده" صلح حدیبیہ کی تمام شرطوں میں یہی شرط مسلمانوں پر سخت بھاری تھی حضرت عمرؓ نے آنحضرت کے سامنے سخت انداز میں گفتگو کی پھر صدیق اکبر کے سامنے سخت گفتگو کی دونوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے اے عمر اس کو مانو اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑیگا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو شخص میری مجلس کو چھوڑ کر کافروں کے پاس جاتا ہے وہ منافق ہوگا تو ہم کو چاہئے کہ اس مار آستین کو بھگائیں جب وہ خود جاتا ہے اور اس کو اللہ دور کر دیتا ہے تو تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اور جو شخص کفار کی مجلس سے میرے پاس آتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ کوئی جاسوس ہو تو ہم کو چاہئے کہ اس کو آنے نہ دیں جب قریش خود اس کو لے جاتے ہیں تو تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اور اگر وہ سچا مسلمان ہو تو بہت جلد اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات اور خلاصی کا آسان راستہ بتا دیگا۔ اس پر سب صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت کا اعتراف کیا کہ یہ نبوت کا فیصلہ ہے۔

آنحضرت نے بیعت میں کسی عورت کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیا

﴿۴﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فِیْ بَیْعَةِ النِّسَاءِ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَمْتَحِنُھُنَّ بِھٰذِہِ الْآیَةِ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَ کَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ فَمَنْ اَقَرَّتْ بِھٰذَا الشَّرْطِ مِنْھُنَّ قَالَ لَھَا قَدْ بَایَعْتُکِ کَلَاماً یُکَلِّمُھَا بِہٖ وَاللّٰہِ مَامَسَّتْ یَدُہٗ یَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ فِی الْمُبَایَعَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ.

اور حضرت عائشہ عورتوں کی بیعت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو جو مکہ سے آتیں اور قبولیت اسلام کا اظہار کرتیں۔ اس آیت کریمہ کی روشنی میں پرکھتے تھے۔ ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَ کَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ﴾۔ اے نبی! جب مومن عورتیں آپ کے پاس بیعت کے لئے حاضر ہوں الخ۔

چنانچہ ان میں سے جو عورت اس آیت میں مذکورہ شرائط کو ماننے کا اقرار کرتی آپ اس سے فرماتے کہ میں نے تم کو بیعت کیا درآنحالیکہ آپ گفتگو کرتے اور عورت سے یہ بات فرماتے مگر خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ آپ نے کسی عورت کو بیعت کیا ہو اور اس کے ہاتھ کو آپ کے ہاتھ نے چھوا ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

آج کل بعض اچھے پیر صاحبان عورتوں کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر بیعت لیتے ہیں یہ اچھے پیر نہیں ہیں جب نبی معصوم نے

اجتناب کیا ہے تو نبی کے غلام کو بھی اجتناب کرنا چاہئے۔ بیعت کی تفصیل جلد اول میں گذر چکی ہے۔

الفصل الثانی

صلح حدیبیہ کی مزید شرائط

﴿۵﴾عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ أَنَّهُمُ اصْطَلَحُوا عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِيْنَ يَأْمَنُ فِيْهِنَّ النَّاسُ وَعَلٰى أَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَكْفُوْفَةً وَأَنَّهُ لَا إِسْلَالَ وَلَا إِغْلَالَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت مسورؓ اور حضرت مروانؓ سے روایت ہے کہ قریش مکہ نے حدیبیہ میں جن باتوں پر مصالحت کی تھی ان میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ دس سال تک فریقین کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوگی تا کہ ان دنوں میں لوگ امن وامان کے ساتھ رہیں۔ یہ بات بھی معاہدہ صلح میں شامل تھی کہ ہمارے درمیان بندھی ہوئی گٹھری رہے اور یہ کہ ہم آپس میں نہ تو چھپی ہوئی چوری کریں اور نہ خیانت۔ (ابوداؤد)

توضیح

''عیبة مکفوفة'' بندھی ہوئی گٹھری، عیبہ اصل میں غنچہ صندوقچہ اور ایسی تھیلی کو کہتے ہیں جس میں راز کی چیزیں چھپائی جاتی ہیں یا خاص کپڑے رکھے جاتے ہیں۔ یہاں اس سے ایسا دل اور ایسا سینہ مراد ہے جس میں راز بھی ہو اور نیاز بھی ہو کہ ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی ہو بغض وعناد اور شر وفساد کا تصور نہ ہو۔ ''وانہ لا اسلال'' یعنی پوشیدہ طور پر کسی ایک دوسرے کا مال چوری نہیں کریں گے'' ولا اغلال'' اور ظاہری طور پر ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کریں گے مطلب یہ کہ ظاہراً وباطناً ایک دوسرے کے جان ومال کا احترام کریں گے۔ بعض علماء نے اسلال سے تلوار سونتنا مراد لیا ہے اور اغلال سے زرہ پہننا مراد لیا ہے یعنی تلوار سونت کر زرہ پہن کر ایک دوسرے سے لڑائی نہیں لڑیں گے۔

معاہدہ کی پاسداری ضروری ہے

﴿۶﴾وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَبْنَاءِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ آبَائِهِمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت صفوان ابن سلیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ کے صاحبزادوں سے وہ صاحبزادے اپنے صحابی باپوں سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یاد رکھو جس شخص نے اس غیر مسلم شخص پر ظلم کیا

جس سے معاہدہ ہو چکا ہے جیسے ذمی اور مستامن یا اس کے حقوق کو نقصان پہنچایا۔ یا اس پر اس کی طاقت واستطاعت سے زیادہ بار ڈالا جیسے کہ کسی ذمی سے اس کی حیثیت واستطاعت سے زیادہ جزیہ لیا یا اس حربی مستامن سے جو دارالاسلام میں تجارت کی غرض سے آیا ہو اس کے مال تجارت میں سے عشر یعنی دسویں حصے سے زیادہ لیا اور یا اس کی مرضی وخوشنودی کے بغیر اس سے کوئی چیز لے لی تو میں قیامت کے دن اس شخص کے خلاف احتجاج کروں گا۔ (ابوداؤد)

﴿۷﴾وَعَنْ أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَةَ قَالَتْ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَقَالَ لَنَا فِيْمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَرْحَمُ بِنَا مِنَّا بِأَنْفُسِنَا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْنَا تَعْنِيْ صَافِحْنَا قَالَ إِنَّمَا قَوْلِيْ لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِيْ لِامْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ رواه......

اور حضرت امیمہ بنت رقیقہ کہتی ہیں کہ میں نے کچھ عورتوں کے ساتھ اجتماعی طور پر آپ سے بیعت کی یعنی ہم چند عورتوں نے اجتماعی طور پر آپ سے بیعت کی چنانچہ اس وقت آپ نے ہم سے فرمایا کہ اے خواتین میں نے تمہیں اسی چیز پر بیعت کیا ہے جس پر عمل کرنے کی تم طاقت واستطاعت رکھتی ہو یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت ان عورتوں کی بیعت کو ان کی عملی استطاعت وہمت تک محدود رکھا میں نے کہا کہ بیشک اپنی ذات پر ہم خود جتنے مہربان اور رحم دل ہو سکتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ہمارے حق میں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم رحم کرنے والے ہیں اور پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہمیں بیعت کر لیجئے اس بات سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہم سے مصافحہ کیجئے یعنی بیعت کرتے وقت ہمارا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ لیجئے۔ آپ نے فرمایا میرا سو عورتوں سے کچھ کہنا ایک عورت سے کہہ دینے کی طرح ہے یعنی اول تو عورتوں کو بیعت کرتے وقت صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے تمہیں بیعت کیا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت نہیں ہے دوم یہ کہ اگر کچھ عورتیں اجتماعی طور پر بیعت ہو رہی ہوں تو زبان سے یہ کہنے کے لئے بھی الگ الگ ہر عورت سے مخاطب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف ایک عورت سے کہہ دینا سب عورتوں کے لئے کافی ہے۔

الفصل الثالث

معاہدۂ حدیبیہ کا متن

﴿۸﴾عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ اِعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذِي الْقَعْدَةِ فَأَبَى أَهْلُ مَكَّةَ أَنْ يَدَعُوْهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ حَتّٰى قَاضَاهُمْ عَلٰى أَنْ يَدْخُلَ يَعْنِيْ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ يُقِيْمُ بِهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَتَبُوا الْكِتَابَ كَتَبُوْا هٰذَا مَاقَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالُوْا لَانُقِرُّبِهَا فَلَوْنَعْلَمُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَامَنَعْنَاكَ وَلٰكِنْ أَنْتَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ أَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ اُمْحُ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَاللّٰهِ لَا أَمْحُوْكَ أَبَدًا فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ يُحْسِنُ يَكْتُبُ فَكَتَبَ هٰذَا مَاقَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِاللّٰهِ لَايَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفَ فِي الْقِرَابِ وَاَنْ لَايَخْرُجَ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتَّبِعَهٗ وَاَنْ لَايَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُقِيْمَ بِهَا فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ اَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوْا قُلْ لِصَاحِبِكَ اخْرُجْ عَنَّا فَقَدْ مَضَى الْاَجَلُ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت براء ابن عازبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذی قعدہ ٦ ہجری میں عمرہ کے لئے مدینہ سے تشریف لے گئے مگر اہل مکہ نے اس سے انکار کر دیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہونے کا موقع دے دیں یعنی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو مکہ میں آنے سے روک دیا تا آنکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ سے اس بات پر مصالحت کر لی کہ آپ آیندہ سال مکہ میں آئیں اور اس وقت بھی صرف تین دن مکہ میں قیام کریں چنانچہ جب صلح نامہ لکھا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صحابہؓ نے آنحضرت کا اسم گرامی اس طرح لکھا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے مصالحت کی ہے اہل مکہ نے یہ الفاظ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے اگر ہمارا علم یہ ہوتا یعنی ہمیں اس پر اعتقاد ہوتا کہ تم اللہ کے رسول ہو تو ہم تمہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکتے ہی کیوں البتہ ہم تو صرف اتنا مانتے ہیں کہ تم محمد ہو جو عبداللہ کے بیٹے ہیں لہذا اس صلح نامہ میں محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں یہ محض تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی ہے ورنہ تم خوب جانتے ہو میری یہ دونوں صفتیں یعنی اللہ کا رسول ہونا اور محمد ابن عبداللہ ہونا آپس میں اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتیں لہذا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان دونوں کو ذکر کیا جائے یا ایک ہی کو ذکر کر دیا جائے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا جو صلح نامہ لکھ رہے تھے کہ رسول اللہ کے لفظ کو ہٹا دو۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ خدا کی قسم میں تو آپ کا نام کبھی بھی نہیں مٹا سکتا۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے وہ صلح نامہ لے لیا اور باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا نہیں جانتے تھے لیکن آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر یہ لکھا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد ابن عبداللہ نے مصالحت کی ہے اور اس معاہدہ میں یہ شرطیں تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مکہ میں ہتھیاروں کے ساتھ داخل نہیں ہوں گے الا یہ کہ ان کی تلواریں نیاموں میں ہوں اور یہ کہ اگر اہل مکہ میں سے کوئی شخص آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے تو اس کو مکہ سے جانے نہیں دیا جائے گا یعنی جب آپ مکہ میں آئیں اور پھر واپس جانے لگیں تو اہل مکہ میں سے کسی شخص کو اپنے ساتھ لے کر نہ جائیں اور یہ کہ اگر آپ کے صحابہ میں سے کوئی شخص مکہ میں ٹھہر جانے کا ارادہ کرے تو آپ اس کو مکہ میں ٹھہرنے سے منع نہیں کریں گے چنانچہ جب اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے اور مکہ میں ٹھہرنے کی تین دن کی وہ مدت جو معاہدہ صلح میں طے پائی تھی گذر گئی یعنی تین دن پورے ہونے کو ہوئے تو اہل مکہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا

کہ تم اپنے سردار یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ طے شدہ مدت پوری ہوگئی ہے اب ہمارے شہر سے چلے جاؤ۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہوگئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''انت محمد'' کفار نے محمد بن عبداللہ لکھوانا چاہا کیونکہ رسول اللہ کو وہ نہیں مانتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹادو حضرت علی نے انکار کیا مگر یہ انکار نافرمانی کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اطاعت کی غرض سے تھا جس پر ثواب ملتا ہے اسی طرح انکار حضرت عمرؓ نے واقعہ قرطاس میں کیا تھا مگر روافض نے حضرت علی کو نہیں چھیڑا اور حضرت عمرؓ کو نہیں چھوڑا یہ ان کی بدبختی کی نشانی ہے۔

فعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

ولکن عین السخط تبدی المساویا

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد قرآن مجید میں آنحضرت کے نام کے ساتھ ۹ بار رسول کا لفظ ذکر فرمایا بلکہ سورہ فتح میں تو بعینہ یہی لفظ آیا ﴿محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار الخ﴾۔

سوری ۲۶ صفر ۱۴۱۸ھ

باب اخراج اليهود من جزيرة العرب

جزیرۂ عرب سے یہودیوں کے نکالنے کا بیان

قال الله تعالىٰ ﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله﴾

جزیرہ اصل میں خشکی کے اس ٹکڑے کا نام ہے جس کو چاروں طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہو، چونکہ عرب کے تین اطراف میں پانی ہے اس لئے زمین کے اس حصہ کو اکثری حکم کے اعتبار سے جزیرہ کہہ دیا گیا ورنہ عرب کے شمال میں ملک شام واقع ہے جہاں سمندر نہیں ہے البتہ اکثر جوانب میں پانی کا احاطہ ہے چنانچہ بحر ہند، بحر شا اور دجلہ وفرات نے اس ملک پر احاطہ کیا ہوا ہے حدود اربعہ کچھ اس طرح ہیں عرب کے مشرقی جانب میں خلیج فارس اور بحر عمان ہے مغربی جانب میں بحیرۂ قلزم اور نہر سویز ہے جنوب میں بحر ہند واقع ہے اور شمال میں ملک شام واقع ہے جہاں سمندر نہیں ہے۔

جزیرہ عرب پانچ حصوں پر مشتمل ہے (۱) تہامہ (۲) نجد (۳) حجاز (۴) عروض (۵) یمن۔

جب جزیرۂ عرب کا نام لیا جاتا ہے تو لمبائی میں یہ عدن سے عراق تک ہے اور چوڑائی میں جدہ سے لیکر شام تک ہے یہاں کتاب کے عنوان میں صرف یہود کے اخراج کا لفظ آیا ہے اس لئے کہ آنحضرت کے عہد مبارک میں صرف یہود نکالے گئے تھے اور نصاریٰ عیسائی نہیں نکالے گئے بعد میں ان کا بھی اخراج ہوگیا تھا، تاہم آنے والی حدیثوں میں یہود ونصاریٰ اور اہل کتاب کا ذکر موجود ہے بلکہ مشرکین کے اخراج کا ذکر بھی ہے اس اخراج کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ جزیرۂ عرب پیغمبر اسلام علیہ السلام کا وطن ہے اور اس میں مرکز اسلام مکہ اور مدینہ واقع ہے اس لئے مذہبی اور سیاسی اعتبار سے ان مراکز سے کفر وشرک کی گندگیوں سے دور کرنا اور مفسد ومضر اثرات سے اس کو پاک کرنا انتہائی اہم اور قرین قیاس ہے۔ امام شافعیؒ نے کفار سے حجاز کی اس تطہیر کو مکہ ومدینہ تک محدود مانا ہے لیکن ائمہ احناف اس تخصیص کو پسند نہیں کرتے ہیں بلکہ پورے جزیرۂ عرب کی تطہیر کا فتویٰ دیتے ہیں کہ یہاں نہ گرجا ہو نہ کنیسہ ہو نہ مندر ہو نہ گردوارہ ہو نہ امام بارہ ہو نہ مرزائی ہو اور نہ کوئی ایمان بگاڑہ ہو۔ بہرحال جب احادیث میں مطلق جزیرۂ عرب کا نام آیا ہے اور "**لایجتمع دینان فی جزیرۃ العرب**" کے الفاظ عام ہیں تو اس عموم کو مکہ ومدینہ تک محدود کرنا مناسب نہیں ہے لہٰذا شوافع کے بجائے احناف کا مسلک اپنانا بہت اچھا ہے خاص کر آج کل کے دور میں۔

الفصل الاول

جزیرۂ عرب سے یہود کے اخراج کا حکم

۱: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ انْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ فَخَرَجْنَا مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمِدْرَاسِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا اعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُجْلِيَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ فَمَنْ وَجَدَ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے حجرۂ مبارکہ سے) برآمد ہوئے اور فرمایا کہ یہودیوں کے پاس چلو۔ چنانچہ ہم لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ روانہ ہوئے یہاں تک کہ یہودیوں کے مدرسہ میں پہنچے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور فرمایا اے جماعت یہود تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تاکہ (دنیا کی پریشانیوں اور آخرت کے عذاب سے) سلامتی پاؤ! تمہیں جان لینا چاہئے کہ زمین خدا اور اس کے رسول کی ہے (یعنی اس زمین کا خالق و مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول اس کا نائب و خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس زمین پر متصرف و حکمران ہے) لہٰذا اگر تم مسلمان ہونے سے انکار کرتے ہو تو پھر سن لو کہ (میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو اس زمین (یعنی جزیرۃ العرب) سے جلاوطن کردوں، پس تم میں سے کوئی شخص اپنے مال و اسباب میں سے (کوئی ایسی) چیز رکھتا ہو (جس کو اپنے ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو جیسے جائداد غیر منقولہ وغیرہ) تو اس کو چاہئے کہ وہ اسے فروخت کردے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"بینا نحن فی المسجد" حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں کہ اسی دوران کہ ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی مکرم تشریف لائے۔

سوال

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ بنونضیر کی جلاوطنی ۴ ہجری میں ہوئی اور بنوقریظہ کی تباہی ۵ ہجری میں ہوئی حضرت ابوہریرۃؓ ۷ ہجری میں مسلمان ہوئے ہیں اس وقت ابوہریرۃؓ مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے تو آپ نے کیسے کہدیا کہ بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت ہم مسجد میں بیٹھے تھے؟۔

جواب

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہاں یہود سے مراد بنوقینقاع ہیں ان کے کچھ لوگ اس وقت نکالے گئے تھے جس وقت حضرت

ابو ہریرہؓ مسلمان ہو چکے تھے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اکثر و بیشتر اس طرح جملہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم وہاں تھے اور ہم نے دیکھا یا ہم نے سنا اس سے حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ کی جماعت مراد لیتے ہیں اگرچہ وہ خود وہاں نہیں ہوتے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم صحابہ کی جماعت وہاں بیٹھی تھی کہ آنحضرت تشریف لائے (احادیث سمجھنے کے لئے یہ ایک بہترین قاعدہ ہے)۔

''بیت المدراس'' یہ یہود کے ہاں مدرسہ ہوتا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں مدرسہ ہوتا ہے ''اجلیکم'' یعنی میں تمکو جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں تم اپنا مال فروخت کردو یا ساتھ لیکر چلو مگر یہاں سے چلے جاؤ۔

حضرت عمرؓ اخراج یہود کا پس منظر بتارہے ہیں

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ عُمَرُ خَطِيْبًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَامَلَ يَهُوْدَ خَيْبَرَ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَقَالَ نُقِرُّكُمْ مَا اَقَرَّكُمُ اللّٰهُ وَقَدْ رَاَيْتُ اِجْلَائَهُمْ فَلَمَّا اَجْمَعَ عُمَرُ عَلٰى ذٰلِكَ اَتَاهُ اَحَدُ بَنِيْ اَبِي الْحُقَيْقِ فَقَالَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُخْرِجُنَا وَقَدْ اَقَرَّنَا مُحَمَّدٌ وَعَامَلَنَا عَلَى الْاَمْوَالِ فَقَالَ عُمَرُ اَظَنَنْتَ اَنِّيْ نَسِيْتُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكَ اِذَا اُخْرِجْتَ مِنْ خَيْبَرَ تَعْدُوْبِكَ قَلُوْصُكَ لَيْلَةً بَعْدَ لَيْلَةٍ فَقَالَ هٰذِهٖ كَانَتْ هُزَيْلَةً مِنْ اَبِي الْقَاسِمِ فَقَالَ كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ فَاَجْلَاهُمْ عُمَرُ وَاَعْطَاهُمْ قِيْمَةَ مَا كَانَ لَهُمْ مِنَ الثَّمَرِ مَالًا وَاِبِلًا وَعُرُوْضًا مِنْ اَقْتَابٍ وَحِبَالٍ وَغَيْرِ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اس خطبہ میں فرمایا کہ تم سب جانتے ہوگے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں سے ان کے مال و جائیداد سے متعلق ایک معاملہ طے فرمایا تھا اور وہ یہ کہ ان یہودیوں کو خیبر ہی میں رہنے دیا جائیگا نیز ان کے کھجوروں کے باغات اور کھیت کھلیان کو بھی انہی کی تحویل و ملکیت میں باقی رکھا جائے گا البتہ ان کی پیداوار اور آمدنی میں سے آدھا حصہ لیا جایا کرے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسی طرح جزیہ بھی مقرر کیا تھا اور آپ نے اسی وقت ان یہودیوں سے فرمادیا تھا کہ ہم تمہیں خیبر میں اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رہنے دے گا یعنی تم لوگ اس وقت تک خیبر میں مقیم رہنے کے حقدار ہوگے جب تک کہ ہمیں اللہ تعالیٰ تم کو جلاوطن کردینے کا حکم نہ دے دے لہٰذا حضرت عمرؓ نے کہا کہ اب میں ان کو جلاوطن کردینا مناسب سمجھتا ہوں۔

پھر جب حضرت عمرؓ نے اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ ان کو جلاوطن کردیا جائے تو ان یہودیوں کے قبیلہ بنی ابی الحقیق کا ایک شخص جو اپنی قوم کا بڑا بوڑھا سردار تھا حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین کیا آپ ہمیں جلاوطن کررہے ہیں

حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں خیبر میں رہنے دیا تھا اور ہمارے مال واسباب سے متعلق ہم سے ایک معاہدہ بھی طے کیا تھا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تم یہ گمان رکھتے ہو کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات بھول گیا ہوں جو آپ نے تم کو مخاطب کر کے کہی تھی کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اور تو کیا کرے گا جب تجھ کو خیبر سے جلاوطن کردیا جائیگا اور رات کے بعد رات تیری اونٹنی تجھے لیکر دوڑ رہی ہوگی گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ کو اس آنے والے وقت سے ڈرایا تھا جب تجھ کو راتوں رات خیبر سے نکل جانا پڑے گا اس شخص نے یہ سن کر کہا کہ یہ بات تو ابوالقاسم نے بطور مذاق کہی تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے خدا کے دشمن تم جھوٹ بکتے ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بطور مذاق نہیں کہی تھی بلکہ ازراہ معجزہ تمہیں ایک غیبی بات کی خبر دی تھی اور پھر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کردیا اور ان کے پاس ہر قسم میوہ جو کچھ تھا جیسے کھجوریں وغیرہ ان کی قیمت میں ان کو مال اونٹ اور اسباب جیسے رسیاں اور پالان وغیرہ دے دیئے۔ (بخاری)

توضیح

''قلوص'' جوان طاقتور اونٹنی کو کہتے ہیں ''لیلۃ بعد لیلۃ'' یعنی راتوں رات تجھے تیری جوان اونٹنی دوڑ دوڑ کر نکالیگی وہ منظر کیسا ہوگا؟۔ یہودیوں کے سردار نے کہا یہ تو ابوالقاسمؐ مذاق کر رہے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا جا اللہ کے دشمن یہ مذاق نہیں تھا تم جھوٹ کہتے ہو چنانچہ عمر فاروق نے ان کو جلاوطن کر دیا۔

''واعطاھم قیمۃ'' اعطاھم کے لئے قیمۃ مفعول ثانی ہے اور مالاً اس سے بدل ہے اسی طرح ابلا و عروضا بھی بدل ہے اور من اقتاب یہ عروضاً کے لئے بیان ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔''فاعطاھم قیمۃ یعنی ابلاً و عروضاً من الاقتاب والحبال ببدل ماکان لھم من الثمر'' یعنی عمر فاروق نے جلاوطن کئے جانے والے یہودکوان کے باغات اور پھلوں کے بدلے میں قیمت ادا کر کے دیدی وہ قیمت اونٹوں کی شکل میں تھی اور سامان کی شکل میں تھی جیسے پالان کجاوے اور رسیاں یہ ان کو دیدیں تا کہ راستے میں کام آجائیں اور باغات اس کے بدلے میں مسلمانوں کے ہاتھ میں رہ جائیں گے۔

یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکالدو

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصٰى بِثَلَاثَةٍ قَالَ أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَأَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أُجِيْزُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ أَوْ قَالَ فَأُنْسِيْتُهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت تین باتوں کی وصیت کی چنانچہ آپ نے فرمایا کہ مشرکوں کو جزیرہ عرب۔یعنی مکہ اور مدینہ سے باہر نکال دینا اور قاصدوں اور ایلچیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو

میں کیا کرتا تھا۔ یعنی وہ جب تک تمہارے پاس رہیں ان کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے تیسری بات سے خاموشی اختیار کی یا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تیسری بات کو میں بھول گیا ہوں۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''اوصی'' اس حدیث میں آنحضرت نے امت کے نام ایک پیغام بشکل وصیت بھیجا ہے آنحضرت نے یہ وصیت اس وقت فرمائی جب آپ مرض الموت میں تھے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس پر کان دھرے ورنہ دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ یہ تین وصیتیں تھیں۔

(۱) ''اخرجوا المشرکین'' علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ وہ بھی شرک کرنے لگے ہیں یا ممکن ہے کہ اہل کتاب اور دیگر مشرکین سب مراد ہوں ظاہر یہی ہے۔

(۲) ''اجیزوا الوفد'' آنحضرت کے پاس دور دور سے اسلام قبول کرنے کی غرض سے یا دین سیکھنے کے ارادے سے لوگ وفدوں کی شکل میں آتے تھے خصوصاً آخری عمر میں تو پورے سال وفد آتے رہے آنحضرت ان کا اکرام کرتے تھے ان کو ٹھہرانا کھلانا سلانا اور کچھ عطیہ دیکر روانہ کرنا یہ سب کچھ ہوتا تھا اسی دستور کو باقی رکھنے کی آنحضرت نے دوسری وصیت فرمائی۔

(۳) تیسری وصیت کے بارہ میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں بھول گیا ہوں علماء لکھتے ہیں کہ تیسری وصیت جیش اسامہ کے بارہ میں تھی کہ اس کو ضرور روانہ کردو زیر بحث حدیث میں اس کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ بعض روایات میں اس کا ذکر ہے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ تیسری وصیت یہ تھی کہ میری قبر کو بُت کی طرح نہ بناؤ کہ پوجا شروع کرو موطأ مالک میں اس کا ذکر ہے۔

اخراج یہود کا پکا ارادہ

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ حَتّٰى لَا أَدَعَ فِيْهَا إِلَّا مُسْلِمًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَئِنْ عِشْتُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ.

اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے ضرور باہر نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمان کے سوا جزیرہ عرب میں کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔ (مسلم)

اور روایت میں ہے کہ آپ نے یوں فرمایا کہ اگر میری زندگی رہی تو میں انشاء اللہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے ضرور باہر نکال دوں گا۔

توضیح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس طرح تاکید سے فرمایا کہ میں ضرور بضرور جزیرۂ عرب سے یہود ونصاریٰ کو نکالوں گا مگر عرب نے آج کل قسم کھائی کہ ہم یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب میں داخل کریں گے اور جو عرب مسلمان اس کی مخالفت کریں گے اس کو جزیرۂ عرب سے نکال کر افغانستان یا سوڈان روانہ کریں گے۔ یہ حضور اکرم کی وصیت بھی تھی اور اس کے ضمن میں گویا ایک سیاسی فیصلہ بھی تھا اور پیشگوئی بھی تھی کہ اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھنس جاؤ گے چنانچہ آج یہود ونصاریٰ نے مسلمانان عرب کو پھنسا دیا ہے آج کل اس حدیث کی بات کوئی کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بنیاد پرست ہے اور یہ دہشت گرد ہے شیخ اسامہ اسی وجہ سے در بدر ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

الفصل الثانی

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ لَیْسَ فِیْهِ اِلَّاحَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَاتَکُوْنُ قِبْلَتَانِ وَقَدْ مَرَّفِیْ بَابِ الْجِزْیَةِ

یہ فصل حدیث سے خالی ہے اس میں جو حدیث تھی وہ باب الجزیہ میں گذر چکی ہے۔

الفصل الثالث

اخراج یہود کا عمل حضرت عمر نے مکمل کیا

﴿۵﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ أَجْلَی الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلٰی أَهْلِ خَیْبَرَ أَرَادَ أَنْ یُخْرِجَ الْیَهُوْدَ مِنْهَا وَکَانَتِ الْأَرْضُ لَمَّا ظُهِرَ عَلَیْهَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ فَسَأَلَ الْیَهُوْدُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنْ یَتْرُکَهُمْ عَلٰی أَنْ یَکْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُقِرُّکُمْ عَلٰی ذٰلِکَ مَاشِئْنَا فَأُقِرُّوْا حَتّٰی أَجْلَاهُمْ عُمَرُ فِیْ إِمَارَتِهٖ إِلٰی تَیْمَاءَ وَأَرِیْحَاءَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ سرزمین حجاز یعنی جزیرۃ العرب سے یہود ونصاریٰ کی جلاوطنی کا کام حضرت عمرؓ کے ہاتھوں انجام پایا اس سے پہلے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل خیبر پر غلبہ حاصل ہوا تھا تو آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جس بھی زمین پر دین حق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے وہ زمین اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہو

جاتی ہے کہ وہاں صرف اللہ ہی کا دین غالب اور مسلمانوں ہی کو حق تصرف وحکمرانی حاصل ہوتا ہے لیکن یہودیوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ ان یہودیوں کو اس شرط پر خیبر کی زمینوں پر قابض ومتصرف رہنے دیں کہ وہ محنت کریں یعنی باغات کی دیکھ بھال اور ان کی سیرابی وغیرہ کا سارا کام کریں گے اور ان سے پیدا ہونے والے پھلوں کا آدھا حصہ آپ کا حق ہوگا۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور کرلی لیکن یہ فرمایا کہ ہم تمہیں اس شرط پر خیبر میں اسی وقت تک رہنے دیں گے جب تک ہم چاہیں گے اس کے بعد ان کو خیبر میں رہنے دیا گیا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان سب کو تیماء اور اریحا کی طرف جلاوطن کردیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''من ارض الحجاز'' اخراج یہود کی جو تمنا اور تاکید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اس کو حضرت عمر فاروقؓ نے پورا کیا معلوم ہوا حضرت عمر فاروق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو پورا کرنے والے تھے اگر عمر فاروق کو تاریخ کے اوراق سے ہٹایا جائے تو دین کی تکمیل کا مرحلہ نامکمل رہ جائے گا۔ روافض پر اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں جو عمر فاروق کی خدمات سے نفرت کرتے ہیں۔

''وکانت الارض'' یعنی جو زمین جہاد مقدس کے ذریعہ سے فتح ہوجاتی تھی وہ اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہوجاتی اور مسلمانوں میں تقسیم ہوجاتی تھی خیبر کی اراضی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا مگر یہود نے یہ درخواست کی کہ اب کھیتی باڑی کے طور پر ہمیں یہاں رہنے دیا جائے ہم زمینیں آباد کریں گے آدھا غلہ ہمارا اور آدھا مسلمانوں کا ہوگا آنحضرت نے فرمایا کہ جب تک ہم چاہیں گے تم کو برقرار رکھیں گے ورنہ نکالیں گے چنانچہ حضرت عمر کا ان کو نکالنا اور باقی نہ رکھنا گویا حضور اکرم کا نکالنا اور باقی نہ رکھنا ہوا نقرکم میں شان عمر کتنی شاندار بن جاتی ہے تیما اور اریحا یہ دو مقام جزیرۂ عرب سے باہر شام میں ہیں۔

سورخہ ۲۷ صفر ۱۴۱۸ھ

باب الفئ

فیٔ کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿وما افآء الله علی رسوله منهم فما او جفتم علیه من خیل ولا رکاب﴾ وقال تعالیٰ ﴿ ماافآء الله علی رسوله من اهل القریٰ فلله وللرسول ولذی القربی﴾(سورۃ حشر)

جو مال مسلمانوں کو میدان جہاد میں جنگ اور مقابلہ کے بغیر حاصل ہو جائے اس کو فی کہتے ہیں۔

فاء یفیء فیئا لوٹنے اور رجوع کے معنی میں ہے چونکہ یہ مال پہلے کفار کے ہاتھ میں تھا اب بحق سرکار ضبط ہو کر حقیقی مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر آگیا ہے یا مسلمانوں کے ہاتھ میں آگیا اس لئے اس کو فی کہتے ہیں۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فیٔ کا تعارف بھی کیا ہے اور اس کا مصرف بھی بتادیا ہے ارشاد عالی ہے۔

﴿ وماافاء الله علی رسوله منهم فمااوجفتم علیه من خیل ولا رکاب ولکن الله یسلط رسله علی من یشآء والله علی کل شئ قدیر ۔ ماافاء الله علی رسوله من اهل القریٰ فلله وللرسول ولذی القربیٰ والیتامی والمساکین وابن السبیل کی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم﴾(سورت حشر پ ۲۸)

ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ مال فی وہ ہوتا ہے جو بغیر جنگ مسلمانوں کو حاصل ہو جائے اس کے چار حصے مکمل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوتے تھے جو آپ اپنی صوابدید پر خرچ کرتے تھے اس میں مہمانوں کو کھلانا اہل وعیال کو دینا مجاہدین کی مدد کرنا سب شامل تھا اور پانچواں حصہ آپ ان پر خرچ کرتے تھے جن مصارف کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے مال فی کا مصرف اور اموال خراج اور خمس کا مصرف ایک ہی ہے ان میں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قرابت بیوی بچوں وغیرہ پر تقسیم کیا یتیموں بیواؤں وغیرہ پر خرچ کیا مساکین محتاجوں پر خرچ کیا مسافرین و پسماندہ اشخاص پر خرچ کیا ان کے علاوہ دیگر رفاہی کاموں میں بھی اس مال کا لگانا جائز ہے مثلا سڑک یا پل بنانا ہسپتال و مسافر خانہ بنانا مسجد و مدرسہ بنانا ان تمام مصارف میں مال فی استعمال ہوسکتا ہے اب یہ بات رہ گئی کہ آیا مال فی کی تقسیم میں لوگوں کے فرق مراتب کا لحاظ ہوگا یا نہیں تو جمہور کے نزدیک اس کا لحاظ ہوتا ہے وہ اس طرح کہ پہلے افضل کو دیا جائے پھر درجہ بدرجہ دیا جائے مثلاً سب سے اول اہل بدر کو دیا جائے پھر بیعت رضوان والوں میں تقسیم ہو پھر اہل بیت میں اور پھر عوام میں تقسیم ہو جائے حضرت عمر فاروق اس ترتیب کا خیال رکھتے تھے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مال فی کی تقسیم میں کسی ترتیب کا کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہے بلکہ میراث کی طرح تمام مستحقین برابر کے شریک ہونگے۔ بہر حال مال غنیمت میں صرف مجاہدین کا حق ہے مال فی میں تمام مسلمانوں کا حق ہے نیز مال فی میں خمس نہیں ہوتا مال غنیمت میں خمس ہوتا ہے۔ خمس اور مال فی کے خرچ کے مواقع ایک جیسے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مال فی حاصل ہوا تھا وہ ایک تو مدینہ منورہ میں بنونضیر کے اموال میں ملا تھا اور دوسرا خیبر کے فتح ہونے کے بعد کچھ علاقے جنگ کے بغیر ہاتھ آگئے تھے اس میں سے مال فی ملا تھا جیسے فدک کا باغ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی ضروریات میں اس کو استعمال فرماتے تھے۔ آنحضرت کے انتقال کے بعد مال فی اگر مل جائے تو وقت کا خلیفہ اس کو مسلمانوں پر تقسیم کریگا۔

الفصل الاول

مال فیٔ کا مصرف

﴿۱﴾ عَنْ مَالِکِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ خَصَّ رَسُوْلَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ہٰذَا الْفَیْءِ بِشَیْءٍ لَمْ یُعْطِہٖ اَحَدًا غَیْرَہٗ ثُمَّ قَرَأَ مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ اِلٰی قَوْلِہٖ قَدِیْرٌ فَکَانَتْ ہٰذِہٖ خَالِصَۃً لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِھِمْ مِنْ ہٰذَا الْمَالِ ثُمَّ یَاْخُذُ مَابَقِیَ فَیَجْعَلُہٗ مَجْعَلَ مَالِ اللّٰہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت مالک بن اوس ابن حدثان کہتے ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ نے فرمایا اللہ تعالی نے اس مال فیٔ کے سلسلے میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص خصوصیت عطا کی تھی آپ کے علاوہ کسی اور کو وہ خصوصیت عطا نہیں کی پھر حضرت عمرؓ نے یہ آیت ما افاء اللہ علی رسولہ منھم ... تا ... قدیر۔ پڑھی اور فرمایا کہ چنانچہ یہ مال صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا تھا جس میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کو سال بھر کا خرچ دیا کرتے تھے اس کے بعد اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ان جگہوں میں خرچ کرتے جو اللہ کا مال خرچ کیے جانے کی جگہیں ہیں یعنی اس باقی مال کو مسلمانوں کے مفاد و مصالح جیسے ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے نیز محتاج و مساکین میں سے جس کو چاہتے اس کی مدد کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

﴿۲﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ کَانَتْ اَمْوَالُ بَنِی النَّضِیْرِ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِمَّا لَمْ یُوْجِفِ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ فَکَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاصَّۃً یُنْفِقُ عَلٰی اَھْلِہٖ نَفَقَۃَ سَنَتِھِمْ ثُمَّ یَجْعَلُ مَابَقِیَ فِی السِّلَاحِ وَالْکُرَاعِ عُدَّۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا مال اس قسم کے مال میں سے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی جدوجہد کے بغیر عطا فرمایا تھا اس کے لئے نہ تو مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، اس لئے وہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہو گیا تھا کہ جس میں سے آپ اپنے گھر والوں کی سال بھر کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے اور پھر اس میں سے جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری پر خرچ کر دیا کرتے تھے تاکہ وہ اللہ کی راہ یعنی جہاد میں کام آئیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"نفقة سنة" سوال یہ ہے کہ آنحضرت توکل کی وجہ سے اپنے پاس کچھ نہیں رکھتے تھے یہاں سال بھر کا خرچہ کیسے رکھا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے لئے نہیں رکھتے تھے ازواج مطہرات میں سے بھی بعض ازواج کے لئے آنحضرت کی طرف سے ایسا ہوتا تھا سب کے لئے نہیں۔

الفصل الثانی

مال فئ میں تقسیم کی ایک صورت

﴿۳﴾ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَتَاهُ الْفَيْءُ قَسَمَهُ فِيْ يَوْمِهِ فَأَعْطَى الْآهِلَ حَظَّيْنِ وَأَعْطَى الْأَعْزَبَ حَظًّا فَدُعِيْتُ فَأَعْطَانِيْ حَظَّيْنِ وَكَانَ لِيْ أَهْلٌ ثُمَّ دُعِيَ بَعْدِيْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ فَأُعْطِيَ حَظًّا وَاحِداً رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت عوف ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مال فئی آتا تو آپ اس کو اسی دن ضرورتمندوں کے درمیان تقسیم فرما دیتے تھے جو بیوی والا ہوتا تو اس کو دو حصے دیتے اور مجرد کو ایک حصہ عطا فرماتے چنانچہ ایک مرتبہ مجھ کو بھی بلایا اور آپ نے مجھے دو حصے عطا فرمائے کیونکہ میری بیوی تھی اور پھر میرے بعد عمار ابن یاسرؓ کو بلایا گیا جن کی بیوی نہیں تھی ان کو آپ نے ایک حصہ دیا۔ (ابوداؤد)

"الآهل" شادہ شدہ کے معنی میں ہے۔"الاعزب" غیر شادی شدہ کو اعزب کہتے ہیں"الکراع" گھوڑوں کو کراع کہتے ہیں۔

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا جَاءَهُ شَيْءٌ بَدَأَ بِالْمُحَرَّرِيْنَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مال فئی کے آنے کے بعد اس میں سے سب

سے پہلے ان لوگوں کو مرحمت فرماتے جن کو حال ہی میں غلامی سے آزاد کیا گیا ہوتا۔ (ابوداؤد)

''المحررین'' آزاد شدہ غلام مراد ہیں چونکہ یہ بے سروسامان ہوتے تھے اس لئے سب سے اول ان پر فی کا مال تقسیم ہوتا تھا۔

مال فیٔ کے نگینے بھی تقسیم ہو گئے

﴿۵﴾وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِظَبْيَةٍ فِيهَا خَرَزٌ فَقَسَمَهَا لِلْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ أَبِي يَقْسِمُ لِلْحُرِّ وَالْعَبْدِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک تھیلا آیا جس میں نگینے بھرے ہوئے تھے آپ نے ان نگینوں کو بیبیوں یعنی آزاد عورتوں اور باندیوں کو بانٹ دیا۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے والد یعنی حضرت ابوبکر صدیق کے پاس نگینے آتے تو وہ ان نگینوں کو آزاد غلام مردوں کو بھی بانٹتے (ابوداؤد)

توضیح

''ظبیة'' ظا پر فتحہ ہے با ساکن ہے یا پر فتحہ ہے چھوٹی سی تھیلی کو کہتے ہیں جس میں عموماً جواہرات وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔

''خرز'' خا پر فتحہ ہے را پر بھی فتحہ ہے آخر میں زا ہے جواہر کی ایک قسم ہے لیکن یہاں نگینے مراد ہیں۔

''للحر والعبد'' حضرت عائشہؓ کے اس کلام میں یہ اشارہ ہے کہ مال فی کے یہ نگینے صدیقی دور میں صرف عورتوں میں تقسیم نہیں ہوتے تھے بلکہ مردوں میں بھی تقسیم ہوتے تھے اور یہ اشارہ بھی ہے کہ خواہ وہ مرد وعورت آزاد ہوں یا غلام اور باندی ہوں چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نگینے صرف عورتوں پر تقسیم ہوتے تھے مردوں کو نہیں ملتے تھے، حضرت عائشہؓ اس تخصیص کو عام کرنا چاہتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں یہ نگینے مردوں پر بھی تقسیم ہوتے تھے۔

ملاعلی قاریؒ نے لکھا ہے کہ شاید غلام سے آزاد شدہ غلام مراد ہو کیونکہ غلام اگر کسی کا غلام ہے تو اس کا خرچ مالک پر ہے مال فی میں اس کا حصہ نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال حق بننا اور عطیہ دینا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

مال فیٔ کی تقسیم میں فرق مراتب کا لحاظ

﴿٦﴾وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمًا الْفَيْءَ فَقَالَ مَا أَنَا أَحَقُّ بِهٰذَا الْفَيْءِ مِنْكُمْ وَمَا أَحَدٌ مِنَّا بِأَحَقَّ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا أَنَّا عَلَى مَنَازِلِنَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَقَسْمِ رَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَالرَّجُلُ وَقِدَمُهُ وَالرَّجُلُ وَبَلَاؤُهُ وَالرَّجُلُ وَعِيَالُهُ وَالرَّجُلُ وَحَاجَتُهُ

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت مالک ابن اوس ابن حدثان کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مال فیئ کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس مال فیئ کا میں تم سے زیادہ مستحق نہیں ہوں اور نہ ہم میں سے کوئی شخص اس مال فیئ کا کسی دوسرے شخص سے زیادہ مستحق ہے البتہ ہم اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کے مطابق اپنے اپنے مرتبہ پر ہیں چنانچہ ایک وہ شخص ہے جو قبولیت اسلام میں قدامت رکھتا ہے ایک وہ شخص ہے جو دین کی راہ میں شجاعت وبہادری کے کارہائے نمایاں اور سعی ومشقت کے اوصاف رکھتا ہے ایک وہ شخص ہے جو اہل وعیال رکھتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو ضرورت وحاجت رکھتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"وقدمه" یعنی قدیم الاسلام آدمی مال فی کی تقسیم میں مقدم اور افضل ہوگا۔ "فالرجل وبلاءة" یعنی مسلمان ہے اور بہادر ہے بڑے معرکے سر کرتا ہے دین کے لئے بڑی مشقتیں برداشت کرتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے۔ "وعيالـه" یعنی عیالدار آدمی ہے اس کو اس کے عیال کے اعتبار سے زیادہ دیا جائے گا "وحاجته" یعنی ایسا آدمی ہے جو بالکل محتاج ہے وہ زیادہ مستحق ہے حضرت عمر نے فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے یہی جمہور کا مسلک ہے امام شافعی اس کے قائل نہیں ہیں مسئلہ پہلے لکھا جا چکا ہے آنے والی حدیث بھی اسی طرح ہے۔

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ فَقَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ حَتّٰى بَلَغَ وَابْنِ السَّبِيْلِ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ لِهٰؤُلَاءِ ثُمَّ قَرَأَ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى حَتّٰى بَلَغَ لِلْفُقَرَاءِ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهٖ اسْتَوْعَبَتِ الْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتُ فَلَيَأْتِيَنَّ الرَّاعِيَ وَهُوَ بِسَرْوِ حِمْيَرَ نَصِيْبُهٗ مِنْهَا لَمْ يَعْرَقْ فِيْهَا جَبِيْنُهٗ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت مالکؓ ابن اوس کہتے ہیں کہ ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے یہ آیت پڑھی جس میں زکوۃ کے مصارف کا بیان ہے۔ انما الصدقات للفقراء والمساكين اور اس آیت کو انہوں نے علیم حکیم تک پڑھا اور فرمایا کہ اس زکوۃ کے مال کو پانے کے مستحق یہی لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی فقراء ومساکین وغیرہ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی واعلموا انما غنمتم من شئی فان لله خمسه و للرسول اور اس آیت کو وابن السبيل تک پڑھا اور فرمایا کہ یہ خمس کا مال انہی لوگوں کا حق ہے جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے یعنی ذوی القربیٰ وغیرہ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی جس میں مال فیئ کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ وہ کس کس کو دیا جائے ما افاء الله على رسوله من اهل القرىٰ اس آیت کو للفقراء والذين جاء وامن بعدهم تک پڑھا ایک نسخہ میں یہ عبارت ہے کہ حتى بلغ للفقراء ثم قرأ والذين

جاء وا اس کے مطابق مفہوم یہ ہوگا کہ انہوں نے اس آیت ماافاء اللہ کو پڑھنا شروع کیا اور للفقراء تک کی دو آیتوں کو پڑھا اور پھر یہ آیت والذین جاء وا من بعدھم پڑھی اور فرمایا کہ اس آیت نے سارے مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے لہٰذا اگر میری زندگی رہی تو میری حدود خلافت میں کوئی ایسا مسلمان نہیں بچے گا جس کو اس کے حصہ کا مال نہ پہنچے یہاں تک کہ اس چرواہے کو بھی مال فئی میں سے اس کا حصہ پہنچے گا جو مقام سرو حمیر میں ہوگا درانحالیکہ اس مال کے حاصل کرنے میں اس کی پیشانی بھی عرق آلود نہیں ہوئی ہوگی۔ (شرح السنۃ)

توضیح

''استوعبت المسلمین'' یعنی یہ آیت تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔

''الراعی'' چرواہے کو راعی کہتے ہیں لیکن یہاں دور دراز علاقے کے لوگ مراد ہیں۔''بسرو'' سین پر فتحہ ہے راساکن ہے واؤ متحرک ہے باجارہ ہے سرو یمن کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔''حمیر'' یمن کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے یعنی وہ دیہاتی قبیلہ حمیر کے علاقے سرو میں رہتا ہوگا اور میرے پاس آئے گا میں اس کو بھی مال فی سے حصہ دوں گا۔

ملا علی قاریؒ نے مندرجہ ذیل بالا تحقیق کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ ''سرو حمیر'' ایک علاقہ کا پورا نام ہے لہٰذا پھر اضافت کی صورت نہیں ہوگی یعنی دیہاتی سرو حمیر جگہ سے آئے گا مظاہر حق میں ترجمہ غلط لکھا گیا ہے۔

قضیہ فدک میں حضرت عمرؓ کا استدلال

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ فِيمَا احْتَجَّ بِهِ عُمَرُ أَنْ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثُ صَفَايَا بَنُو النَّضِيرِ وَخَيْبَرُ وَفَدَكُ فَأَمَّا بَنُو النَّضِيرِ فَكَانَتْ حُبُسًا لِنَوَائِبِهِ وَأَمَّا فَدَكُ فَكَانَتْ حُبُسًا لِأَبْنَاءِ السَّبِيلِ وَأَمَّا خَيْبَرُ فَجَزَّأَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ جُزْئَيْنِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَجُزْءً نَفَقَةً لِأَهْلِهِ فَمَا فَضَلَ عَنْ نَفَقَةِ أَهْلِهِ جَعَلَهُ بَيْنَ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت مالک ابن اوس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جس بات سے استدلال کیا وہ یہ تھی کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تین صفایا تھیں۔(۱) بنونضیر (۲) خیبر (۳) فدک۔چنانچہ بنونضیر کے جلاوطن ہو جانے کے بعد ان کی جو زمین جائیداد قبضے میں آئی تھی اس سے حاصل ہونے والا مال آنحضرت کے اخراجات جیسے مہمانوں کی ضیافت وتواضع اور مجاہدین کے لئے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خریداری وغیرہ کے لئے مخصوص تھا فدک کے محاصل ان مسافروں کی امداد واعانت کرنے کے لئے مخصوص تھے جو اگر چہ اپنے وطن میں تو مال رکھتے ہوں مگر سفر کے دوران انکے پاس مال واسباب ختم ہو گیا ہو۔اور خیبر کے محاصل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین حصے کر رکھے تھے،ان میں سے دو حصے تو

آپ مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے اخراجات کے لئے رکھتے تھے اور اس میں سے بھی اہل وعیال کے خرچ سے جو کچھ بچ جاتا اس کو آپ نادار مہاجرین پر خرچ کر دیتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ثلاث صفایا" صفایا یہ صفیہ کی جمع ہے انتخاب اور چننے و پسند کرنے کو کہتے ہیں یعنی مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز آنحضرت اپنے لئے منتخب کرتے تھے تو یہ صرف آنحضرت کے ساتھ خاص تھا آپ کے بعد کسی کے لئے جائز نہیں ہے صفی کا اطلاق یہاں شاید بطور مجاز ہو کیونکہ یہ اموال تو مال فی کے زمرے میں آتے ہیں گویا مال فی پر صفی کا اطلاق کیا گیا ہے۔ "حبسا" روکے رکھنے کے معنی میں ہے یعنی اموال بنونضیر اور اموال فدک کو آنحضرت نے حوادثات اور مسافروں کی ضروریات کے لئے روکے رکھا اور اموال خیبر کو آپ نے تین حصوں پر تقسیم کیا ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے مخصوص کیا اور دو حصے عام مسلمانوں کے لئے مخصوص کئے اصل پس منظر یہ تھا کہ حضرت علی اور حضرت عباس دونوں یہ مطالبہ لیکر آئے تھے کہ یہ اموال ہمارے درمیان تقسیم کیا جائے حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کیا البتہ ان دونوں کو ان اموال کے متولی بنا دیا مگر اس تولیت میں بھی وہ آپس میں متفق نہ ہو سکے پھر حضرت عباسؓ نے آکر حضرت علی کے بارہ میں سخت الفاظ استعمال کئے اور تقسیم کا مطالبہ کیا حضرت عمرؓ نے تقسیم سے انکار کیا اور اس کا پورا پس منظر بیان کیا کہ یہ وقفی اموال ہیں اگر تم نہیں سنبھال سکتے ہو تو واپس کر دو آئندہ حدیث میں بھی تفصیل آرہی ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیل بخاری کی کتاب المغازی میں ہے اور مسلم میں بھی تفصیل ہے۔

الفصل الثالث

قضیہ فدک کی پوری تفصیل

﴿۹﴾ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَبْنَ عَبْدِالْعَزِيْزِ جَمَعَ بَنِيْ مَرْوَانَ حِيْنَ اُسْتُخْلِفَ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ فَدَكٌ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صَغِيْرِ بَنِيْ هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاِنَّ فَاطِمَةَ سَاَلَتْهُ اَنْ يَجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهِ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيَاتِهٖ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وُلِّيَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمِثْلِ مَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اقْتَطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَبْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهُ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَإِنِّيْ أُشْهِدُكُمْ أَنِّيْ رَدَدْتُهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ.

اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے مروان کے بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فدک کی زمین وجائیداد پر اپنا ذاتی حق رکھتے تھے جس کے محاصل آمدنی وپیداوار کو آپ اپنے اہل وعیال اور فقراء ومساکین پر خرچ کرتے تھے اسی میں سے بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں کی امداد واعانت پر خرچ کرکے ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے اور بے شوہر عورتوں اور بغیر زن مردوں کی شادی کراتے تھے ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرتؐ سے یہ درخواست کی تھی کہ فدک کی زمین وجائیداد کو میرے نام کر دیجئے یا اس کی آمدنی میں سے میرا حصہ بھی مقرر کر دیجئے۔لیکن آپ نے ان کی درخواست کو رد کر دیا۔رسول کریم کی زندگی میں اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو ان کا معمول بھی وہی رہا۔جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیات مبارکہ میں رہا تھا یعنی آنحضرت کے مذکورہ معمول کی طرح حضرت ابوبکر بھی فدک کے محاصل کو آنحضرت کے اہل وعیال اور بنو ہاشم کے بچوں پر اور نادار مرد وعورتوں کی شادی میں خرچ کرتے تھے۔یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ اللہ کو پیارے ہوگئے اور ان کے بعد جب حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو اس سلسلہ میں ان کا بھی عمل وہی رہا جو ان دونوں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا رہا تھا یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی اللہ کو پیارے ہوگئے اور پھر مروان نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں یا اپنی حکمرانی کے دور میں اس فدک کو اپنی اور اپنے وارثین کی جاگیر قرار دے دیا چنانچہ اب وہ جاگیر عمر ابن عبدالعزیز کی ہوگئی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ جس چیز کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ کو نہیں دیا اس کا مستحق میں بھی نہیں ہوسکتا۔لہذا میں تمہیں اپنے اس فیصلہ کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے فدک کو اس کی اسی حیثیت پر واپس کر دیا ہے۔جس پر وہ تھا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جس طریقہ پر اس کے محاصل کو خرچ کیا جاتا تھا۔اب پھر اسی طریقہ پر خرچ کیا جائیگا اور فدک کسی شخص کی ذاتی جاگیر نہیں بنے گا۔ (ابوداؤد)

توضیح

''ان عمربن عبدالعزیز'' اس حدیث میں بات یہاں سے اس لئے چلی ہے کہ بنو مروان نے فدک وغیرہ کے وقفی اموال کو قبضہ کرکے ذاتی اموال میں داخل کیا تھا اور عمر بن عبدالعزیز اسے چھڑا کر وقفی حیثیت پر رکھنا چاہتے تھے۔

''کانت له فدک'' فدک ایک بستی کا نام تھا جو خیبر کے اطراف میں تھی مدینہ سے دو روز کے فاصلے پر یہ بستی واقع تھی یہ ایک سرسبز وشاداب جگہ تھی جہاں زیادہ تر کھجور اور کچھ دوسرے پھلوں کے باغات بھی تھے آنحضرت کو فدک صلح کی صورت میں

ملی تھی جس کی حیثیت مال فیٔ کی تھی باغ فدک، اموال بنونضیر اور خیبر کی زمین آنحضرت کے پاس ذاتی حیثیت سے تھی آنحضرت اپنے اہل بیت کے علاوہ عام مسلمانوں کے مصرف میں یہ اموال لاتے تھے آپ کے وصال کے بعد اہل بیت اور آپ کے خاندان کے بعض افراد نے ان اموال پر ذاتی میراث کا دعویٰ کیا مگر خلفاء نے اس کو وقف کی حیثیت میں رکھا اور میراث نہیں ہونے دیا کیونکہ انبیاء کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوسکتا کیونکہ وفات کے بعد انبیاء زندہ ہوتے ہیں جس کا اثر دنیا پر پڑتا ہے حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم کی حیات میں بھی اس کا مطالبہ کیا تھا مگر آنحضرت نے دینے سے انکار کیا۔
زیر بحث روایت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس مال کا پس منظر بنو مروان کے سامنے بیان کر کے اس کو اسی حیثیت پر وقف میں رکھا جس طرح وہ خلفاء راشدین کے زمانہ میں تھا کچھ تفصیل کے ساتھ اس پس منظر کو اپنے الفاظ میں قارئین کے سامنے رکھتا ہوں۔
مال فدک باغ فدک تھا حضرت فاطمہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے سے انکار کیا آپ اس سے عام خرچ فرماتے تھے پھر حضرت فاطمہ نے صدیق اکبر سے مانگا حضرت صدیق نے "لا نورث ولا نورث ما ترکنا صدقة" کی حدیث سنائی اور دینے سے انکار کیا حضرت فاطمہ بتقضائے بشریت ناراض ہوگئیں پھر حضرت صدیق ان کے گھر پر گئے اور دھوپ میں کھڑے رہے اور معافی مانگتے رہے حضرت فاطمہ نے معاف کر دیا اور اس سلسلہ میں پھر کبھی مراجعت نہیں کی چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ کا انتقال ہوگیا تو کوئی لمبے جھگڑے نہیں ہوئے شیعہ روافض ذاکرین ویسے شور کرتے ہیں اور اس سے مجالس گرما کر لوگوں کو رلاتے ہیں اور صحابہ پر تبرا کرتے ہیں میں شیعہ حضرات سے پوچھتا ہوں کہ حضرت فاطمہ نے فدک کا باغ آنحضرت سے بھی مانگا تھا اور حضورؐ نے دینے سے انکار کیا تھا اس پر شور کیوں نہیں کرتے ہو؟ پھر جب حضرت علی خلیفہ ہوئے فدک کا باغ موجود تھا آپ نے اسے لیکر حسنین کو کیوں نہ دیا؟ پھر حضرت حسن خود خلیفہ ہوئے اور چھ ماہ تک خلافت کی آپ نے اس کو اپنے اموال میں کیوں شامل نہ کیا؟ شرم کی بات ہے فدک کے باغ کی وجہ سے پروپیگنڈہ بنا کر صحابہ پر طعن کرتے ہو حالانکہ صحابہ کا مفتوحہ ملک ایران پر خاموشی سے قابض ہو؟ تم ایران واپس کر دو تم کو فدک کا باغ واپس مل جائے گا۔
بہر حال فدک کی طرح بنونضیر کے اموال کا مسئلہ بھی اٹھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس مال کو وقف کے طور پر صدیق اکبر نے سنبھالا پھر عمر فاروق نے نگرانی کی پھر حضرت علی وعباس مشترکہ طور پر اس کے نگران بنائے گئے مگر آپس میں اختلاف کی وجہ سے اس مال سے متعلق حضرت علی وحضرت عباس نے اس کی تقسیم کا مطالبہ کیا کہ الگ الگ اپنے اپنے حصہ کی نگرانی کریں گے حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور فرمایا یہ تو ایک قسم تقسیم ہو جائے گی اس طرح نہیں ہوگا پھر مروان نے ان اموال کو ذاتی جائیداد میں شامل کر لیا اور بنو مروان نے آپس میں تقسیم کر کے رکھدیا جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے تو آپ نے دیگر اصلاحات کے ساتھ ساتھ یہ اصلاح بھی کی کہ ان اموال کو ان سے واپس کرالیا اور وقف کی حیثیت سے رکھ

لیا آپ کے انتقال کے بعد پھر بنو مروان نے اس کو تقسیم کرلیا اور ایسا غائب کردیا کہ آج تک معلوم نہ ہوسکا کہ یہ اموال کہاں گئے حضرت عمر بن عبدالعزیز زیر بحث روایت میں یہی بتا رہے ہیں کہ جو اموال حضور اکرم نے حضرت فاطمہ کو نہیں دیئے میں کون ہوتا ہوں کہ اس کو اپنے پاس رکھوں۔ بہرحال صدیق وفاروق پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے بڑی مشقتیں اٹھا کر ایک شرعی مسئلہ کی حفاظت فرمائی۔

الحمدللہ کتاب الجہاد کی تشریحات وتوضیحات لکھنے سے میں فارغ ہوگیا اب جہاد پر چند اعتراضات اور جوابات درج کرتا ہوں۔

مورخہ ۲۹ صفر ۱۴۱۸ھ

جہاد پر عمومی اعتراضات اور اس کے جوابات

چونکہ جہاد میں جان ومال کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے لوگ جہاد سے بچنے کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں

سوال ۱

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جہاد جہد سے مشتق ہے جو سخت محنت کے معنی میں ہے تو ہر محنت جہاد ہے ہم بھی جہاد میں لگے ہوئے ہیں کیونکہ دین کی محنت کر رہے ہیں۔

جواب

یہ جہاد کا لغوی معنی ہے جہاد کی شرعی تعریف کتاب کی ابتداء میں لکھی گئی ہے شریعت میں اصطلاحی مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے لغوی مفہوم پر مدار نہیں ورنہ صوم کا لغوی مفہوم امساک ساعۃ ہے نماز تحریک صلوین یا دعا کے معنی میں ہے حج قصد کے معنی میں ہے زکوۃ کا لغوی معنی بڑھوتری ہے اگر اصطلاحی شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی کو اپنایا جائے تو یہ گمراہ ہونے کے لئے کافی ہے تعجب ہے کہ آج کل عام لوگ کہتے ہیں مچھروں کے خلاف جہاد مکھیوں کے خلاف جہاد ملیریا کے خلاف جہاد کیا یہ وہی جہاد ہے جس سے قیصر وکسریٰ کی سلطنتیں پاش پاش ہوگئیں؟۔

سوال ۲

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جہاد حسن لغیرہ ہے ہم حسن لعینہ اعمال میں لگے ہوئے ہیں۔

جواب

اصول فقہ میں لکھا ہے کہ ماموربہ میں حسن ہونا چاہئے کیونکہ امر اللہ تعالیٰ ہے اس کے حکم میں حسن ضروری ہے اب فقہاء نے ہر ہر ماموربہ میں حسن تلاش کیا بعض میں حسن اس کی ذات میں ملا اور بعض میں کسی واسطہ سے ملا جہاد میں واسطہ سے حسن ملا تو اس کو حسن لغیرہ کہدیا اس سے جہاد کے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے جہاد تو یا فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے آنکھ میں سرمہ لگانا حسن لعینہ ہے مگر مباح یا مستحب ہے حالانکہ حسن لعینہ ہے تو کیا سرمہ لگانا تیل اور عطر استعمال کرنا تھالی چاٹ لینا انگلیاں چاٹنا یہ جہاد سے افضل ہیں؟ خدا کا خوف کرو۔

سوال ۳

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے لہٰذا اس میں جانا ضروری نہیں ہے۔

جواب

جہاد کا فرض کفایہ ہونا یا فرض عین ہونا جہاد کے اپنے معروضی احوال ہیں تم اس میں کیوں پڑتے ہو کیا تم کو لفظ فرض نظر نہیں آتا ہے؟ اور کیا فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جانا ہی نہیں ہے فرض کفایہ تو فرض عین سے زیادہ عام ہے کیونکہ یہ ایک قومی فریضہ بن جاتا ہے اگر سب نے چھوڑ دیا تو اجتماعی طور پر ساری امت گنہگار ہو جائے گی پھر یہ حکم کس نے لگایا کہ آج کل مسلمان جس حالت میں ہیں ان پر جہاد فرض عین نہیں ہے بلکہ فرض کفایہ ہے؟ تم ذرا فقہ کی کتابوں کو دیکھ لو وہ جس حالت میں جہاد کو فرض عین کہتے ہیں کیا وہ وقت سر پر نہیں آیا ہے، کفار نے مل کر فلسطین پر قبضہ کیا مسجد اقصیٰ کو چھین لیا عراق پر قبضہ کیا افغانستان پر قبضہ کیا کشمیر کو قبضہ میں رکھا ہوا ہے ہر طرف سے مسلمانوں پر چڑھائی کی ہے پھر بھی فرض عین نہیں؟۔

سوال ۴

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جہاد بالنفس بڑا جہاد ہے "رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر" کی روایت سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سب کو یہ پٹی پڑھائی ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرو یہ بڑا جہاد ہے کافروں کو چھوڑو ان سے لڑنا یا جہاد نہیں ہے یا چھوٹا جہاد ہے سب کو یہ روایت یاد کرائی ہے۔

جواب

جہاد بالسیف میں بڑا مجاہدہ اور نفس کا اصل علاج ہوتا ہے بھوک، پیاس، خوف و ہراس، مشقت و محنت، قید و بند، موت و زخم اور بے آرامی یہ جہاد کے میدان کا پہلا تحفہ ہے اب بتاؤ اس میں مجاہدہ زیادہ ہے یا قورمے کھانے، پھل چبانے، پنکھے چلانے

اور دنیا سے بے غم ہو کر گپیں لگانے میں زیادہ مجاہدہ ہے؟ باقی جس مقولہ کو یہ لوگ حدیث قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے یہ ابراہیم بن عبلہ کا مقولہ ہے حدیث نہیں ہے (دیکھو موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ) اور اگر یہ حدیث ہے تو کیا صحابہ کرام اپنی تمام عمریں جہاد میں گذار کر مفضول عمل میں لگے رہے اور افضل عمل سے محروم رہے؟ خدا کا خوف کرو اور "وفضل الله المجاهدين على القاعدين اجرا عظيما" کو دیکھو۔

سوال ۵

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکی دور ہے جب مدنی دور آئے گا ہم جہاد کریں گے مکی دور میں جہاد نہیں تھا۔

جواب

یہ کس قرآن وحدیث میں لکھا ہے کہ یہ مکی دور ہے؟ لوگ آگے کی طرف چلتے ہیں تم پیچھے کی طرف چل رہے ہو؟ پھر یہ بتاؤ اگر یہ مکی دور ہے اور جہاد نہیں ہے تو مکی دور میں نمازیں کہاں تھیں عیدین اور جمعے کہاں تھے روزہ کہاں تھا اور زکوۃ کہاں تھی حج کہاں تھا؟ شراب کی حرمت کہاں تھی پردہ کا حکم کہاں تھا حرمت سود کہاں تھی اگر جہاد نہیں تھا تو یہ چیزیں کہاں تھیں سب کو چھوڑ دو، غور سے سنو جہاد کا جب حکم آگیا تو اس پر عمل بھی آگیا خدا کا خوف کرو پیچھے کی طرف نہ جاؤ گڑھے میں گر جاؤ گے آگے کی طرف بڑھو۔

سوال ۶

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ایمان بناؤ پھر جہاد کرو ہم ابھی ایمان بنانے میں لگے ہیں۔

جواب

کیا جو لوگ جہاد کرتے ہیں یہ بے ایمان ہیں؟ خدا کا خوف کرو ذرا یہ بتاؤ کہ کیا تم نے ایمان قبول نہیں کیا ہے اگر قبول کیا ہے تو وہ کیا چیز ہے ایمان ہے یا بے ایمانی ہے؟ اور یہ بتاؤ کہ ایمان بنانے کا معیار کیا ہے کس تھرمامیٹر سے آپ ایمان کے بننے نہ بننے کا فیصلہ کرو گے؟ کیا ایمان کوئی کدو کا حلوہ ہے کہ آپ اس کو ہانڈی میں پکاؤ گے اگر ایمان اعمال سے بنتا ہے تو کیا جہاد جیسا عظیم عمل کے چھوڑنے سے ایمان بنے گا یا خراب ہوگا؟ کیا جہاد عمل نہیں تو عمل کرنے سے ایمان بنتا ہے یا چھوڑنے سے بنتا ہے پھر یہ بتاؤ کہ جس ایمان کے ذریعہ سے تم نماز پڑھتے ہو روزہ رکھتے ہو حج کرتے ہو دنیا میں گھومتے ہو چلے لگاتے ہو مال خرچ کرتے ہو وقت دیتے ہو کیا اس ایمان سے تم جہاد نہیں کر سکتے ہو؟ صحابہ تو میدان میں مسلمان ہو جاتے اور اسی میدان میں آگے بڑھ کر جہاد میں لگ جاتے کم از کم آپ اپنے ایمان بننے کی مدت اور اس کا دورانیہ تو بتائیں کہ کتنے عرصے

میں ایمان بنتا ہے آپ نے کبھی اس مدت کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوا تم جہاد سے بھاگنے کے بہانے تلاش کرتے ہو لہٰذا نہ ایمان بنے گا نہ جہاد ہوگا۔

سوال ۷

بعض لوگ جہاد پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ افغانستان میں جہاد نہیں تھا یہ روس اور امریکہ کی جنگ تھی جس میں پختون کا خون گرایا گیا ہے۔

جواب

اگر یہ جہاد نہیں تھا اور کفر اور اسلام کی جنگ نہیں تھی بلکہ امریکہ کی جنگ تھی تو آج انہیں مجاہدین سے امریکہ کیوں لڑ رہا ہے اور اگر امریکہ قابل نفرت تھا تو آج تم کیوں امریکہ کی گود میں بیٹھے ہو؟ اور اگر پختون کا خون گرایا گیا ہے تو کیا علماء کرام مجاہدین اور طالبان کا خون پختون کا خون نہیں تھا اور کیا یہ انسان نہیں تھے ان کے مارنے کے لئے تو تم کل جس طرح روس کا ساتھ دے رہے تھے آج امریکہ کا ساتھ دے رہے ہو معلوم ہوا کہ نہ یہاں پختون کی بات ہے نہ قومیت کی بات ہے بلکہ صرف دین سے دشمنی اور عداوت کی بات ہے جب کمیونسٹ مارا جاتا ہے تو شور کرتے ہیں کہ پختونوں کو مارا جا رہا ہے اور ان کو لڑایا جا رہا ہے اور جب عالم یا طالب علم پختون مارا جاتا ہے تو خاموش تماشائی بن کر خوش ہوتے ہیں۔

سوال ۸

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافروں کو قتل نہ کرو اس طرح وہ دوزخ میں چلے جائیں گے تم گنہگار ہو جاؤ گے۔

جواب

قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی (۸۰) کے قریب ایات میں قتل کا لفظ استعمال کیا اور سینکڑوں آیات اور احادیث میں کافروں سے لڑنے اور انہیں مارنے کا حکم دیا ہے خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان احد میں ابی بن خلف کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم سے صحابہ کرام نے ہزاروں لاکھوں کافروں کو جہاد میں مار کر قتل کر دیا ہے ہزاروں صحابہ خود بھی شہید ہوئے ہیں یرموک کی لڑائی میں صحابہ نے ایک لاکھ سے زیادہ کفار کو قتل کیا ہے جلولاء کی جنگ میں صحابہ نے ایک لاکھ کافروں کو قتل کیا عراق تکریت کی ایک جنگ میں صحابہ کرام نے اسی ہزار کافروں کو قتل کر دیا ہے اسلامی تاریخ اس طرح واقعات سے بھری پڑی ہے تو پوچھنے والا ان حضرات سے پوچھتا ہے کہ ان مقتولین کا ذمہ دار اور گنہگار کون ہوگا؟ جو لوگ اس طرح باتیں کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث اور سلف صالحین اور پوری امت کے مسلمانوں پر اعتراض کرتے

ہیں اور شریعت کے خوبصورت چہرے کو مسخ کرتے ہیں ان سے اتنا عرض ہے کہ مخلوق خدا پر خدا سے زیادہ مہربان نہ ہو، جہاد میں اگر اللہ تعالیٰ کا ایک باغی مارا جاتا ہے تو اس کے بدلے ہزاروں انسان مسلمان ہو کر جنت جاتے ہیں اگر مکہ میں چوبیس آدمی قتل کر کے حضور اکرم مکہ فتح نہ کرتے اور کفار کو باقی چھوڑتے تو اربوں عرب کفر پر پیدا ہوتے اور کفر پر مر کر دوزخ چلے جاتے خلاصہ یہ کہ یا تم کافروں کو مار دیا وہ تم کو ماریں گے کونسی بات پسند ہے ؟

مصلحت در دین ما جنگ و شکوه ☆ مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوه

یعنی ہمارے دین کی مصلحت تو یہ ہے کہ جہاد کا جھنڈا شان وشوکت سے بلند ہو اور عیسائی مذہب کی مصلحت کوٹھریوں اور غاروں میں بیٹھنا ہے۔

سوال ۹

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا ۳۱۳ آدمی بناؤ پھر جہاد کرو اب ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ۳۱۳ آدمی بن جائے پھر جہاد ہوگا۔

جواب

قرآن وحدیث اور شریعت کے احکامات کی موجودگی میں کسی آدمی کے پراگندہ خوابوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگر ہماری زندگی کا ضابطہ ہمارے خواب بن جائیں تو پھر قرآن وحدیث کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے پھر ہر آدمی اپنے خوابوں کا پجاری بن جائے گا نیز اگر اس امت میں اب تک ۳۱۳ آدمی نہیں بنے ہیں تو پھر یہ ناکام بانجھ امت ہے خدا کا خوف کرو ۳۱۳ سے تو تمہارے واعظین زیادہ ہیں ۹۰ سال ہوگئے اب تک ان کا ایمان نہیں بنا ہے ۳۱۳ کی حد بندی کس نے کی ہے؟ بعض معرکوں میں ساٹھ مسلمانوں یا تیس مسلمانوں نے بھی مقابلہ کیا ہے۔

سوال ۱۰

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر آج کل صحیح جہاد ہے تو جہاد والوں کو فتح میں اتنی تاخیر کیوں ہوتی ہے صحیح جہاد میں فتح جلدی حاصل ہوتی ہے۔

جواب

جہاد ایک عظیم عبادت ہے مسلمان کو جہاد کرنا چاہئے نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کبھی فتح جلدی دیگا کبھی دیر سے دے گا خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد ایک شہر مکہ کو فتح کیا یہ تاخیر کیوں ہوئی؟ دس سال مسلسل جہاد کے بعد صرف جزیرۃ

عرب فتح ہوا پھر صدیق اکبر کے دو سالوں میں صرف دمشق تک شام فتح ہوا پھر حضرت عمرؓ کے دس سالہ دور حکومت میں مسلسل جہاد کے باوجود فتوحات کا سلسلہ صرف آذربیجان تک پہنچا قلعہ حلب کے پاس تیس ہزار سے زیادہ صحابہ نے ایک سال کے بعد حلب کا قلعہ فتح کیا بارہ ہزار صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۲۵ دن تک طائف کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے مگر پھر بھی قلعہ فتح نہیں ہوا اور بغیر فتح واپس چلے گئے۔ میں کہتا ہوں اگر مجاہدین سے دیر ہورہی ہے تو آپ کس تماشہ میں بیٹھے ہیں آگے آئیں اور منٹوں میں دنیا کو فتح کرلیں۔

سوال ۱۱

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجاہدین مال کی غرض سے جہاد کرتے ہیں زمین کے لئے لڑتے ہیں یہ جہاد صحیح نہیں ہے۔

جواب

آپ کو کہاں سے پتہ چلا کہ ایک عرب جوان کروڑوں کی جائیداد چھوڑ کر افغانستان میں مال کی غرض سے آیا ہے کیا آپ کو محاذ جنگ سے کسی نے فون پر اطلاع دی ہے؟ خدا کا خوف کرو جو آدمی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کودتا ہے وہ کس کے لئے مال کماتا ہے؟ اور اگر اس طرح مال کی منڈی لگی ہوئی ہے تو آپ بھی آجایئے اور کچھ مال کما لیجئے۔ یاد رکھو مجاہدین اللہ کے لئے جہاد کرتے ہیں ان مخلصین کا مذاق نہ اڑاؤ ورنہ نفاق پر مرجاؤ گے۔ باقی یہ شرعی حکم ہے کہ اگر مال غنیمت مل جاتا ہے تو وہ مسلمانوں پر تقسیم ہوتا ہے صحابہ نے مال غنیمت کا حصہ لیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میری روزی میرے نیزہ کے نیچے رکھا ہے خدا کا خوف کرو سُودی کاروبار سے مال کماتے اور مال غنیمت کا حصہ پانے میں زمین وآسمان کا فرق ہے باقی زمین کے لئے جہاد کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہوجائے اگر زمین نہیں تو تم مسجد کہاں بناؤ گے نماز کہاں پڑھو گے؟ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے ﴿واخرجوهم من حيث اخرجوكم﴾ جس زمین سے کفار نے تم کو بے دخل کر کے نکالا ہے وہاں سے تم ان کو نکالدو۔ اسلامی مملکت کی سرحدات کا تحفظ اور اس کی زمین کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے۔

سوال ۱۲

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جس جگہ مسلمان مارے جارہے ہیں یہ ان کے گناہوں کا نتیجہ ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہے ان کی مدد ضروری نہیں ہے۔

جواب

یہ ایک کمزور فلسفہ ہے اور مرگ مفاجات کا انتظار ہے انبیاء کے علاوہ کوئی انسان گناہوں سے معصوم نہیں صحابہ کرام محفوظ تھے معصوم نہیں تھے پھر ان کی پاکیزہ جماعت کو کفار نے حملو کا نشانہ کیوں بنایا؟ جہاد میں گناہ گار لوگ بھی جاسکتے ہیں اور سب سے زیادہ گناہ وہاں معاف ہوتے ہیں تم مسلمانوں کی پٹائی ان کے اعمال کا نتیجہ قرار دیکر خاموش بیٹھ جاتے ہو تم ایسا کیوں نہیں کہتے ہو کہ آؤ بھائی یہ کفار بہت زیادہ گناہ گار ہیں آؤ ان کو مارتے ہیں تاکہ ان پر اللہ کا عذاب آجائے اور ہمارے ہاتھوں ان کو سزا مل جائے ﴿قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم الخ﴾۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاد چھوڑنا ہی تو بڑا گناہ ہے یہ کیوں نہیں کہتے ہو کہ آؤ بھائی جہاد کرتے ہیں تاکہ ہمارے گناہ معاف ہوجائیں اور ہم عذاب الٰہی سے بچ جائیں عجیب ہوشیار لوگ ہیں ہر اس جگہ سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جہاں انگلی کٹانے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن یاد رکھیں اسی بچنے کے پیچھے پھنسنا ہے اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہین نہ بنا تو
دیکھے نہ تیری آنکھ نے قدرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

سوال ۱۳

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر ہمارے راستے میں جب رکاوٹ بنیں گے تو جہاد ہوگا اب تک وہ ہمارے راستے میں رکاوٹ نہیں ہیں اس لئے جہاد نہیں ہے۔

جواب

تم نے وہ راستہ کب اختیار کیا ہے کہ کافر رکاوٹ بنیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں ﴿ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم ان استطاعوا﴾ یعنی کافر جب تک تمکو کافر نہ بنائیں اس وقت تک تم سے لڑتے رہیں گے، کیا یہ رکاوٹ نہیں ہے؟ اب یا کافر بننے کے لئے تیار ہوجاؤ یا مقابلہ کے لئے میدان میں آجاؤ۔

سوال ۱۴

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اعمال جب بنیں گے تو کافروں سے اللہ تعالیٰ خود نمٹ لے گا جہاد و اسلحہ کی ضرورت نہیں نہ ہم کو اسلحہ

اٹھا کر میدان میں آنے کی ضرورت ہے بس ہم اعمال بنائیں گے کام اللہ تعالیٰ کریگا۔

جواب

اللہ تعالیٰ نے تم کو کیوں پیدا کیا اور تم کو لڑنے کا حکم کیوں دیا جب سب کچھ خود کرنا تھا تو کیا تم کو صرف قورے کھانے کے لئے پیدا کیا؟ قرآن کا اعلان ہے ﴿ولو شآء الله لأنتصر منهم ولكن ليبلو بعضكم ببعض﴾۔
میں پوچھتا ہوں کیا صحابہ کے اعمال سوفی صد ٹھیک نہیں تھے؟ پھر اعمال کے آنے کے بعد انہوں نے میدان جنگ میں قدم کیوں رکھا؟ اور ہزاروں کے تعداد میں شہید کیوں ہو گئے؟ خدا کا خوف کرو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے رکھنے سے کام نہیں چلے گا۔

سوال ۱۵

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں بہت ساری ایات ہیں جو کفار سے درگذر کا حکم دیتی ہیں پھر جہاد کیسا؟۔

جواب

جب تک جہاد کا حکم نہیں آیا تھا تو کفار سے درگذر کا حکم تھا جب جہاد کا حکم آگیا تو درگذر کا حکم ختم ہو گیا اب جہاد کرو علماء اسی لئے تو کہتے ہیں کہ جس شخص کو ناسخ و منسوخ کا علم نہیں ان کے لئے بیان کرنا یا وعظ کہنا حرام ہے۔

سوال ۱۶

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے تلوار سے نہیں پھیلا ہے لہٰذا جہاد کی جگہ اخلاق سے کام لو۔

جواب

یہ کفار کی طرف سے بہت پرانا اعتراض ہے جس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی پریشان کیا تو اس نے جواب میں فرمایا میں نہیں جانتا کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے یا جہاد سے، البتہ میں یہ جانتا ہوں کہ اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا فرض اور ضروری ہے۔
اصل قصہ یہاں یہ ہوا کہ پہلے کفار نے اعتراض کیا کہ دین اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اس میں کوئی ذاتی کشش نہیں ہے۔ تو وقت کے بڑے علماء نے لکھا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق سے پھیلا ہے اس سے وقت کے علماء اس زمانہ کے غلط پروپیگنڈہ کو توڑنا چاہتے تھے جیسا کہ آج کل جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں اور علماء وطلبا جواب دیتے ہیں کہ اسلام میں دہشت گردی نہیں ہے یہ درحقیقت دھوکہ کے ساتھ ان کی زبانوں سے جہاد کا انکار کرانا چاہتے ہیں علماء کو کہنا چاہیے کہ جہاد اور دہشت گردی میں فرق ہے۔

بہر حال جب بڑے علماء نے لکھا کہ جہاد تلوار سے نہیں بلکہ اخلاق سے پھیلا ہے تو انگریز نے پلٹ کر دوسرا وار کیا اور کہا کہ دیکھو مسلمانوں کے بڑوں نے لکھا ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے یہ تلوار واسلحہ اور جہاد اسلام میں کہاں سے آگیا؟ میں کہتا ہوں یہ جملہ ہی غلط ہے کہ اسلام اخلاق سے پھیلا ہے یا تلوار سے پھیلا ہے کیا تلوار اٹھا کر جہاد کرنا بداخلاقی ہے؟ اور کیا حضور اکرم اور صحابہ کرام اور سلف صالحین نے مدۃ العمر بداخلاقی کی؟ جہاد واخلاق اور تلوار واخلاق مقابل بنا کر پیش کرنے والا درحقیقت جہاد کو بداخلاقی کہتا ہے اس لئے مسلماں کو زبان سے یہ جملہ نہیں نکالنا چاہئے کیونکہ جہاد کو بداخلاقی کہنا کفر ہے۔

سوال ۱۷

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسلام میں اقدامی جہاد نہیں ہے بلکہ دفاعی جہاد کا حکم ہے۔

جواب

دفاع کا حق خود بخود حاصل ہوتا ہے وہ کوئی قانون نہیں ہے جو کسی کو دیا جائے جو آدمی کسی کے گلے پر چھری پھیرتا ہے تو کیا اس وقت مذبوح کو حق دیا جائے گا کہ اب تم دفاع کرو ایسے وقت میں جانور دفاع کرتا ہے ایک چڑیا اپنے ذبح کرنے والے کو پنجوں اور چونچ سے مارتی ہے اسلام نے دفاع کو جائز کہا ہے اور اقدام کا حکم دیا ہے قرآن کا اعلان ہے ﴿**قاتلوهم حتى لاتكون فتنة**﴾ کیا یہ اقدام نہیں اور جزیرۂ عرب سے جب صحابہ شام پر چڑھائی کر کے چلے گئے پھر مصر پر چڑھائی کی پھر صعید مصر اور دیار بکر پر حملہ کیا پھر عراق پر حملہ آور ہوئے پھر دجلہ پار کر کے مدائن پہنچے اور ان کے وائٹ ہاؤس قصر ابیض کو فتح کر لیا کیا یہ اقدام تھا یا دفاع تھا؟ آنحضرت کے زمانہ میں احد اور خندق کی جنگوں میں دفاع کی صورت پیدا ہوگئی تھی اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جگہ اقدام کیا ہے جنگ خندق میں جب کفار بھاگ کھڑے ہوئے تو آنحضرت فرمایا "**الآن نغزوهم ولايغزونا**" (بخاری)۔ یعنی اب ہم اقدام کریں گے کفار ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے اور آئندہ ایسا ہی ہوا۔

بہر حال جہاد چھوڑنے سے مسلمان منافق بن کر نفاق کی موت مرتا ہے اور اجتماعی طور پر امت مسلمہ ذلت کا شکار ہو جاتی ہے لہٰذا یہ شعبہ جتنا فعال ہوگا اتنا ہی مسلمان طاقتور ہونگے ورنہ کچھ نہیں۔

سوال ۱۸

آج کل پوری دنیا شور مچا رہی ہے کہ جہاد دہشت گردی ہے منافق قسم کے مسلمان بھی یہی اعتراض کر کے جہاد کو فساد کہتے ہیں کیا واقعی جہاد فساد ہے؟۔

جواب

جہاد فساد نہیں بلکہ اس سے تو عالم کا فساد امن میں بدل جاتا ہے اس پر تاریخ عالم گواہ ہے البتہ فسادی ذہن رکھنے والے فسادی لوگ جہاد کو فساد کہتے ہیں یہ کہتے رہیں گے جہاد ہوتا رہے گا۔

باقی جو لوگ جہاد کو دہشت گردی کہتے ہیں تو اگر وہ لوگ کافر ہیں تو ان کا کہنا صحیح ہے کیونکہ ان کی کافرانہ دہشت کو جہاد کی مؤمنانہ دہشت ختم کر دیتی ہے ان کے لئے تو یہ دہشت مزید بڑھنا چاہئے۔ اور اگر کوئی مسلمان جہاد کو بطور اعتراض دہشت گردی کہتا ہے اور دہشت گردی سے فساد مراد لیتا ہے تو ایسا منافق مسلمان اس اعتراض کے بعد اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ کے حکم کی توہین کرنا کفر ہے غلام احمد قادیانی نے اپنی کتابوں میں بار بار جہاد کو فساد کہا ہے اور جہاد کو منسوخ کرنے کا اس طرح اعلان کیا ہے۔

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال دین کے لیے حرام ہے اب قتل وقتال

اب آگیا مسیح جو دین کا امام ہے دین کی تمام جنگوں کا اب اختتام ہے

اب آسماں سے نور خدا کا نزول ہے اب جنگ اور جہاد کا فتویٰ فضول ہے

دشمن ہے وہ خدا کا جو کرتا ہے اب جہاد منکر نبی کا ہے جو یہ رکھتا ہے اعتقاد

خلاصہ یہ کہ جو مسلمان جہاد پر اعتراض اور طعن کرتا ہے وہ مسلمان نہیں رہ سکیگا بلکہ کافر قادیانی بن جائیگا اور جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

سوال ۱۹

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مجاہدین ہر جگہ جوتے کھا کر آتے ہیں ہر جگہ پٹتے ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہے۔

جواب

یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں مجاہدین کو بدنام کرتے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں سویت یونین کی طاقت کہاں گئی آدھی دنیا پر حکومت کرنے والی اس طاقت کا نام دنیا کے نقشے سے کیوں غائب ہوگیا؟ اس میدان میں پٹائی کس کی گئی؟ مجاہدین کی یا روس کی؟ اب اس وقت دنیا کے ۳۷ کافر ممالک اور ۵۵ مسلمان ممالک افغانستان کے طالبان اور مجاہدین پر حملہ آور ہیں لیکن مجاہدین بے سروسامانی میں ان کو منہ توڑ جواب دے رہے ہیں اور دنیا اقرار کر رہی ہے کہ مجاہدین کے سامنے یہ کفار ناکام ہو رہے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں ہے؟ پھر مجاہدین کی لاشوں سے جو خوشبو اٹھ رہی ہے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مدد کا اعلان

نہیں ہے؟ باقی تکالیف وشکست کا آنا جانا یہ جہاد کا حصہ ہے صحابہ پر اس سے زیادہ تکلیفیں آئیں ہیں مجاہدین کا مذاق نہ اڑاؤ کر جوتے پڑتے ہیں میں تم سے پوچھتا ہوں تمکو اللہ تعالیٰ کی مدد کی کہاں ضرورت پڑتی ہے تم نے دشمن کے مقابلے میں کونسا محاذ کھولا ہے؟ کیا پنکھے کے نیچے قورمے کھانے اور پلیٹ چاٹنے کے وقت آسمان سے مدد کے لئے فرشتے اتریں گے؟ نیز دین کا اہم حصہ جہاد اور اقامت دین معذرت کر کے چھوڑنے کے بعد تم پر جوتے کیوں پڑیں گے تم تو پھولوں کے ہار پہنانے اور گلدستوں کے مستحق ہوں۔

سوال ۲۰

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاد کے لئے سرکاری حکم کی ضرورت ہوتی ہے جب خلیفہ نہ ہو اور سرکاری حکم اور اعلان جہاد نہ ہو تو یہ پرائیویٹ جہاد صحیح نہیں ہے؟

جواب

سرکار کو چاہئے کہ وہ اعلان جہاد کرے تا کہ پرائیویٹ جہاد ختم ہو جائے ہر مسلمان حکومت پر بحکم شریعت یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ایک سال میں دو دفعہ کفار سے جنگ لڑے، اگر سرکار کفار سے جہاد نہ کرنے پر سمجھوتہ کرے تو کیا مسلمان جہاد کو چھوڑ دیں گے؟ اگر ایسا ضروری ہے تو پھر سرکار نے جمعہ وعیدین اور عام نمازوں کا انتظام واہتمام بھی چھوڑ رکھا ہے تو کیا مسلمان اس کو بھی چھوڑ دیں گے؟ سرکار نے نفاذ شریعت کو چھوڑ رکھا ہے تو کیا مسلمان بھی اس سے دستبردار ہو جائیں گے ایسا نہیں ہوگا جہاد قیامت تک جاری رہیگا۔

ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ یورپ سے درگذر

مورخہ ۳۰ صفر ۱۴۲۶ھ

کتاب الصید والذبائح

شکار اور ذبیحوں کا بیان

قال اللہ تعالی ﴿وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ﴾ (مائدہ)

صید مصدر ہے یہ کبھی اصطیاد کے معنی میں آتا ہے یعنی شکار کھیلنا اور کبھی اسم مفعول المصید کے معنی میں آتا ہے یعنی شکار شدہ چیز۔ ذبائح کے لفظ کے ساتھ یہ دوسرا مفہوم زیادہ مناسب ہے مطلب یہ ہوگا کہ شکار اور مذبوحہ اشیاء کا بیان۔

زمین حرم کے علاوہ ہر جگہ شکار کرنا جائز اور مباح ہے البتہ حالت احرام میں کسی جگہ خشکی کا شکار جائز نہیں ہے ہاں سمندری شکار احرام کی حالت میں بھی جائز ہے یہ پابندی احرام کا حق ہے۔ زمین حرم میں ہر شخص پر شکار کرنا حرام ہے خواہ حالت احرام میں ہو یا نہ ہو یہ پابندی ارض حرم کا حق ہے۔

شکار کرنا مباح ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع امت سے اس کی اباحت ثابت ہے ہاں امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صرف لہو ولعب اور کھیل کود کے طور پر شکار کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود شکار نہیں کیا ہے البتہ شکار کو جائز قرار دیا اور اس کو کھایا ہے شکاری کو شکار کرتے ہوئے دیکھا ہے شکار کے سارے مسائل بیان فرمائے ہیں اور اس کے مضرات سے بھی آگاہ کیا ہے طبقہ صحابہ میں شکار کے مسائل سب سے زیادہ عدی بن حاتم نے پوچھے ہیں اور یہ شکاری بھی تھے پھر ابوثعلبہ خشنیؓ نے پوچھے ہیں یہ بھی شکاری تھے کچھ دیگر صحابہ نے بھی شکار کیا ہے جیسے ابوقتادہؓ اور سلمہ بن اکوعؓ وغیرہ۔

''ذبائح'' یہ ذبیحہ کی جمع ہے عمل ذبح کو کہتے ہیں پھر ذبحہ دو قسم پر ہے ایک ذبحہ اختیاری ہے دوسرا ذبحہ اضطراری ہے ذبح اختیاری میں یہ ضروری ہے کہ حلقوم کی اکثر رگیں کٹ جائیں اور بسم اللہ ساتھ ہو ذبح اضطراری میں جانور یا پرندہ کے جس حصہ پر زخم لگ جائے وہ ذبح کے لئے کافی ہے بشرطیکہ مارتے وقت بسم اللہ اور تکبیر کہی ہو۔

الفصل الاول

کتے اور تیر کے ذریعہ کیے گئے شکار کے مسائل

﴿۱﴾ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ

فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْقَتَلَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ وَإِنْ أَكَلَ فَلَاتَأْكُلْ فَإِنَّمَا أَمْسَكَ عَلٰى نَفْسِهٖ فَإِنْ وَجَدْتَّ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهٗ وَقَدْ قُتِلَ فَلَاتَأْكُلْ فَإِنَّكَ لَاتَدْرِيْ أَيُّهُمَا قَتَلَهٗ وَإِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيْهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ وَإِنْ وَجَدْتَّهٗ غَرِيْقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عدی ابن حاتم کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تم اپنے کتے کو چھوڑ دو تو اللہ کا نام ذکر کرو یعنی جب تم شکار کے لئے اپنے سکھائے ہوئے کتے کو چھوڑنے کا ارادہ کرو تو اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑو۔ اور پھر اگر اس کتے نے تمہارے لئے شکار کو پکڑ لیا ہو اور وہ شکار تم کو زندہ ملے تو اس کو ذبح کرلو اگر اس کو قصداً ذبح نہیں کرو گے تو اس کا کھانا حرام ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ مردار ہوگا۔ اور اگر تم اس شکار کو اس حالت میں پاؤ کہ کتے نے اس کو مار ڈالا ہے لیکن اس نے اس میں سے کچھ کھایا نہیں ہے تو تم اس شکار کو کھاؤ لیکن اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھالیا ہے تو پھر تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ اس صورت میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کتے نے اس شکار کو اپنے لئے پکڑا ہوگا۔ جو اس بات کی علامت ہوگی کہ کتا سکھایا ہوا نہیں ہے جبکہ اس کتے کا پکڑا ہوا شکار حلال ہے جو سکھایا ہوا ہو اور اگر تم شکار کے پاس اپنے کتے کے ساتھ کسی دوسرے کا کتا بھی پاؤ اور آنحالیکہ ان دونوں میں سے کسی ایک کتے نے اس شکار کو مار ڈالا ہو تو اس صورت میں بھی اس شکار کو مت کھاؤ کیونکہ تمہیں یہ معلوم نہیں ہوگا کہ اس شکار کو ان دونوں کتوں میں سے کس نے مارا ہے اگر دوسرے کتے نے مارا ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ سکھایا ہوا نہ ہو یا اس کو چھوڑنے والے نے چھوڑتے وقت بسم اللہ نہ کہی ہو اور یا اس کو کسی ایسے شخص نے چھوڑا ہو جس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہوتا جیسے مجوسی یا بت پرست وغیرہ اور جب تم کسی شکار پر اپنا تیر چلاؤ تو اس وقت اللہ کا نام ذکر کرو یعنی بسم اللہ کہہ کر تیر چلاؤ اور پھر اگر وہ شکار ایک دن تک تم سے اوجھل رہا اور اس کے بعد تمہیں ملا تو تم چاہو تو اس کو کھالو بشرطیکہ تم نے اس شکار میں اپنے تیر کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشان نہ پایا ہو اور اگر وہ شکار تمہیں پانی میں ڈوبا ہوا ملے اور اس میں تمہارے تیر کا نشان بھی موجود ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ کیونکہ ممکن ہے وہ تمہارے تیر سے نہ مرا ہو بلکہ پانی میں ڈوب کر مرا ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''اذا ارسلت کلبک'' اس حدیث میں شکار کے کئی مسائل کا بیان آگیا ہے جن کی طرف قرآن عظیم کی اس آیت میں اشارے ہیں ﴿وماعلمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مماعلمکم الله فکلوا مماامسکن علیکم واذکروا اسم الله علیه﴾ اس آیت میں ''الجوارح'' سے پھاڑنے اور شکار کرنے والے درندے پرندے وغیرہ مراد ہیں جیسے چیتا، شیر اور کتا وغیرہ اور پرندوں میں باز وغیرہ مراد ہیں۔ ''مکلبین'' یعنی تم نے اس کو شکار پر چھوڑا ہو یہ چھوڑنا بمنزلہ ذبح

کرنے کے ہے اس لئے اس وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا چاہئے اور یہی کافی ہے ہاں اگر شکار زخمی حالت میں مل گیا تو پھر ذبح اختیاری ضروری ہے۔ "تعلمونھن" یعنی آزمودہ سکھایا ہوا تعلیم یافتہ کتا ہو فقہاء نے جانور کے تعلیم یافتہ ہونے کے لئے تین شرائط بیان کی ہیں (۱) پہلی شرط یہ کہ جب شکار پر چھوڑے تو خوب دوڑے (۲) دوسری شرط یہ کہ دوڑ کے دوران جب واپس بلایا جائے تو فوراً واپس آجائے (۳) تیسری شرط یہ کہ شکار پکڑ کر مالک کے پاس لائے خود بالکل نہ کھائے۔

اس طرح کتا معلم ہوتا ہے اس کے چھوڑنے کے وقت بسم اللہ کہنے سے شکار حلال ہو جاتا ہے اس کے مارنے سے ذبح مکمل ہو گیا ہاں اگر شکار اب تک زندہ ہے تو پھر اس کا ذبح کرنا ضروری ہے۔ باز وغیرہ پرندہ کے معلم ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں (۱) جب شکار پر چھوڑے تو خوب اڑ کر دوڑے (۲) دوسری شرط یہ کہ جب واپس بلایا جائے تو خوب اڑ کر واپس آئے شکار کو نہ کھانا پرندہ کے لئے شرط نہیں ہے۔

"وان اکل فلاتاکل" یعنی اگر شکاری کتے نے شکار کر کے اس سے کھایا تو اب باقی مت کھاؤ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کتے نے کھالیا اور شکار مر گیا تو آیا وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالک اور اوزاعی شام فرماتے ہیں کہ اس طرح شکار بھی حلال ہے اس کا کھانا بھی حلال ہے جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اس طرح شکار کا کھانا حرام ہے۔

دلائل

امام مالک اور اوزاعیؒ نے سنن ابی داؤد کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "اذا ارسلت کلبک وذکرت اسم اللہ علیه فکل وان اکل منه"۔ (ابوداؤد ص ۳۸ ج ۲)

جمہور نے زیر بحث حدیث وان اکل فلاتاکل سے استدلال کیا ہے۔

جواب

جمہور کی طرف سے امام مالک کے استدلال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اقوی اور مضبوط ہے امام مالک کے مستدل کا یہ درجہ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کی ایت مما امسکن علیکم میں واضح طور پر حلال ہونے کے لئے شکار کا نہ کھانا بلکہ امساک شرط ہے اس وجہ سے امام مالک کا مستدل چھوڑنا پڑیگا۔ تیسرا جواب یہ کہ فلاتاکل میں نہی ہے اور مقابلہ حل وحرمت میں ترجیح حرمت کو دی جاتی ہے۔

''فان وجدت مع کلبک کلباً'' اس حدیث میں یہ دوسرا مسئلہ ہے اس کی تشریح اس طرح ہے کہ اگر شکاری کتے کے ساتھ کسی آدمی کا کوئی دوسرا کتا شامل ہو گیا اور اس نے شکار کو مارا تو اس حدیث میں ہے کہ اس شکار کو نہ کھاؤ کیونکہ اصل بات بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے کی ہے اور یہ جو دوسرا کتا شامل ہو گیا اس میں دو باتیں مشکوک ہیں۔ پہلی بات یہ مشکوک ہے کہ یہ معلوم نہیں کہ وہ معلّم ہے یا نہیں بہت ممکن ہے کہ وہ غیر معلّم ہو دوسری بات یہ کہ یہ معلوم نہیں کہ کتا چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیکر بسم اللہ پڑھی گئی یا نہیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے مت کھاؤ۔

متروک التسمیہ ذبیحہ کا حکم

''فذکر اسم اللہ'' اس حدیث میں تیسرا مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ متروک التسمیہ ذبیحہ کا حکم کیا ہے یعنی کتا چھوڑتے وقت یا تیر پھینکتے وقت یا ذبح اختیاری میں اگر کسی نے قصداً بسم اللہ چھوڑ دیا تو آیا یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعی کے ہاں اگر کسی نے بسم اللہ عمداً جان بوجھ کر چھوڑ دیا یا بھول کر چھوڑ دیا ہر حالت میں شکار حلال ہے ایک ضعیف قول حنابلہ کا بھی اسی طرح ہے۔ داؤد ظاہری اور امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ ہر حالت میں شکار حرام ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ جمہور فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تسمیہ عمداً ترک کر دیا تو شکار حرام ہے اگر نسیاناً تسمیہ چھوٹ گئی تو شکار حلال ہے۔

دلائل

فریق اول امام شافعیؒ نے اس اجتہاد سے استدلال کیا ہے کہ قرآن وحدیث میں بسم اللہ کا جو ذکر ہے وہ عام ہے چاہے زبان سے پڑھے چاہے دل سے پڑھے اور مسلمان کے دل میں بسم اللہ اور نام اللہ ہر وقت موجود ہے لہٰذا متروک التسمیہ ذبیحہ حلال ہے۔

فریق ثانی داؤد ظاہری اور شعبیؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کی ایت ﴿ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق﴾ عام اور مطلق ہے خواہ تسمیہ بھول سے چھوٹ گئی یا قصداً چھوڑ دیا ذبیحہ حرام ہے۔

فریق ثالث جمہور نے قرآن کی ایت سے استدلال کیا اور فرمایا کہ ایت میں ﴿وانہ لفسق﴾ کہا گیا ہے کہ ترک تسمیہ فسق ہے اور فسق اس فعل کو کہتے ہیں جس میں قصد و ارادہ ہو اگر فعل میں قصد و ارادہ نہ ہو وہ فسق نہیں ہے لہٰذا عمداً تسمیہ ترک کرنے سے ذبیحہ حرام ہوگا اور نسیاناً چھوٹنے سے ذبیحہ حرام نہیں ہوگا کیونکہ حدیث ''رفع عن امتی الخطاء والنسیان'' ایک ضابطہ ہے جمہور نے اس باب کی تمام احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں تسمیہ کی شرط مذکور ہے زیر بحث حدیث کی

روشنی میں چند باتیں بطور خلاصہ لکھی جاتی ہیں جو درحقیقت شکار کی شرائط میں سے ہیں۔

(۱) شکار کے حلال ہونے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا مسلمان ہو کافر کا شکار اور ذبیحہ حرام ہے۔

(۲) شکاری کتے کو شکاری آدمی نے چھوڑا ہو یہ دوسری شرط ہے اگر خود بخود کتے نے شکار کو پکڑ کر حاضر کیا تو وہ حلال نہیں ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ کہ کتے وغیرہ کو چھوڑتے وقت شکاری نے اللہ کا نام لیا ہو قصداً تسمیہ کو اگر چھوڑ دیا تو شکار حلال نہیں ہوگا۔

(۴) جس جانور یا پرندہ کے ذریعہ سے شکار کیا جاتا ہے وہ معلم ہو غیر معلم کا شکار ذبح کے بغیر حرام ہے۔

(۵) تعلیم یافتہ کتے نے بھی اگر شکار کرنے کے بعد شکار کو کھالیا تو مابقیہ کا استعمال کرنا آدمی کے لئے حرام ہے۔

(۶) تعلیم یافتہ کتے کے شکار کے حلال ہونے کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ کتے نے شکار میں زخم لگایا ہو اگر بغیر زخم کے شکار مرجائے تو اس کا استعمال حرام ہے۔

(۷) اگر شکار گم ہوجائے اور سڑنے سے پہلے مل جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر سڑ جائے یا پانی میں گر کر غرق ہوجائے اور مرجائے تو اس کا کھانا حلال نہیں ہے۔

بندوق کی گولی کا شکار کیسا ہے؟

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نُرْسِلُ الْكِلَابَ الْمُعَلَّمَةَ قَالَ كُلْ مَاأَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَاِنْ قَتَلْنَ قَالَ وَاِنْ قَتَلْنَ قُلْتُ اِنَّا نَرْمِيْ بِالْمِعْرَاضِ قَالَ كُلْ مَاخَزَقَ وَمَااَصَابَ بِعَرْضِهٖ فَقَتَلَ فَاِنَّهٗ وَقِيْذٌ فَلَاتَاْكُلْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تربیت یافتہ (یعنی سکھائے ہوئے) کتوں کو (شکار کے پیچھے) چھوڑتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے کتے تمہارے لئے جو شکار پکڑ کر رکھیں اس کو کھالو۔ میں نے عرض کیا اگر چہ وہ کتے شکار کو مار ڈالیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر چہ مار ڈالیں۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ہم شکار پر بغیر پر کا تیر چلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ شکار کر لیتے ہیں تو کیا وہ شکار کھانا درست ہے؟ آپ نے فرمایا جس شکار کو وہ تیر زخمی کردے یعنی اگر وہ تیر سیدھا جا کر نوک کی جانب سے شکار کو لگے اور وہ مرجائے تو اس کو کھالو اور اگر وہ تیر نوک کی جانب سے نہیں بلکہ عرض یعنی چوڑائی کی جانب سے جا کر اس شکار کو اس طرح لگے کہ وہ شکار کو زخمی نہ کرے اور وہ مرجائے تو وہ وقیذ ہے اس کو نہ کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''انا نرمی بالمعراض'' یعنی کبھی ہم شکار پر تیر پھینکتے ہیں وہ جا کر چوڑائی میں لگ جاتا ہے اس کا حکم کیا ہے آنحضرت نے

جواب میں فرمایا "کل ما خزق" "خزق گھسنے اور نافذ ہونے کو کہتے ہیں نوک اور دھار سے زخم کرنا مراد ہے معراض وہ تیر ہے جو عرضاً شکار کو لگے دھار کی طرف سے نہ لگے یہ وقیذ کے حکم میں ہے شکار حلال نہیں اس سے ہر اس ثقیل چیز کا ضابطہ نکلتا ہے جس میں دھار نہ ہو بلکہ اپنے بوجھ، زور اور دباؤ سے شکار کو پھاڑ دیتی ہو۔

فقہاء کا اختلاف

اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ غیر دھاری دار چیز کا شکار حلال ہے یا حرام ہے جس میں آج کل بندوق کی گولی کا مسئلہ سامنے آتا ہے امام مکحول اور اوزاعی شامؒ اور کچھ دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ بندوق کی گولی سے کیا ہوا شکار حلال ہے۔

جمہور علما کی رائے یہ ہے کہ دھار کے علاوہ اور زخم لگنے کے بغیر دباؤ کے ذریعہ سے مارا ہوا شکار حلال نہیں ہے لہٰذا بندوق کی گولی سے شکار حلال نہیں الا یہ کہ شکار زندہ ہو اور ذبح اختیاری ہو جائے تو حلال ہے۔

دلائل

امام اوزاعی اور علماء شام اور امام مکحول قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ﴿مما امسکن علیکم﴾ میں زخم کا ذکر نہیں ہے ایت مطلق ہے اس کو زخم کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا لہٰذا غیر دھاری دار چیز سے شکار جائز ہے۔

جمہور مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراض کے شکار کو وقیذ قرار دیا اور "خزق" کی شرط لگادی کہ دھار سے زخم لگا ہو اور خون بہہ گیا ہو تب حلال ہے ورنہ نہیں۔

جمہور نے امام اوزاعی کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ مما امسکن میں امساک کی قید عدم اکل کے لئے ہے کہ تمہارے لئے روکے اپنے کھانے کے لئے نہ روکے اس ایت کا زخم لگنے نہ لگنے سے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ امساک اور زخم دونوں اکٹھے بھی ہوسکتے ہیں۔ بہرحال بندوق کی گولی اگرچہ بارود کے دباؤ میں جا کر شکار کو دبا دیتی ہے لیکن اس میں کچھ اس قسم کی تیزی ہے کہ چاقو چھری سے زیادہ سلیقے سے چیز کٹ جاتی ہے بڑے علماء کو اس بارہ میں سوچنا چاہئے۔

یہود و نصاریٰ کے برتنوں میں کھانا کیسا ہے؟

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّا بِأَرْضِ قَوْمٍ أَهْلِ الْكِتَابِ أَفَنَأْكُلُ فِي آنِيَتِهِمْ وَبِأَرْضِ صَيْدٍ أَصِيْدُ بِقَوْسِي وَبِكَلْبِي الَّذِي لَيْسَ بِمُعَلَّمٍ وَبِكَلْبِي الْمُعَلَّمِ فَمَايَصْلُحُ لِي قَالَ أَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ آنِيَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنْ وَجَدْتُمْ غَيْرَهَا فَلَا تَأْكُلُوْا فِيْهَا وَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْهَا وَكُلُوْا فِيْهَا وَمَاصِدْتَ بِقَوْسِكَ فَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَاصِدْتَ بِكَلْبِكَ الْمُعَلَّمِ فَذَكَرْتَ

اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ مُعَلَّمٍ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ فَكُلْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! ہم ایک ایسی قوم کے درمیان سکونت پذیر ہیں جو اہل کتاب ہے تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں؟ اور ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں شکار بہت ہیں میں اپنی کمان یعنی تیر اور تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار مارتا ہوں اور غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ بھی شکار مار لیا کرتا ہوں تو میرے لئے کون سی چیز درست ہے؟ آپ نے فرمایا جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو تم نے اہل کتاب کے برتنوں کے بارے میں پوچھی ہے تو (ان کے متعلق حکم ہے کہ) اگر ان برتنوں کے علاوہ اور برتن مل سکیں تو پھر ان کے برتنوں میں مت کھاؤ پیو اور اگر دوسرے برتن نہ مل سکیں تو پہلے ان کو دھو مانج لو اور پھر ان میں کھا پی لو۔ رہی شکار کی بات تو جس جانور کو تم نے اپنے تیر سے شکار کیا ہے اور تیر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہے اس کو کھالو اسی طرح جس جانور کو تم نے تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ شکار کیا ہے اور اس کتے کو چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا ہے تو اس کو بھی کھالو اور نیز جو شکار تم نے غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ پکڑا اور اس کو ذبح کرنے کے قابل یعنی زندہ پایا اور پھر اس کو ذبح کر لیا ہے تو اس کو بھی کھا سکتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

اہل کتاب کے برتنوں میں اگر انہوں نے خنزیر کا گوشت رکھا ہو یا شراب کے لئے استعمال کیا ہو اس صورت میں اگر کوئی اور برتن مل سکتا ہے تو ان برتنوں کا استعمال قطعاً جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی اور برتن نہیں مل سکتا تو انہیں کو دھو کر استعمال کرنا جائز ہے مجبوری ہے اور اگر ان کے یہ برتن شراب وغیرہ میں استعمال نہیں ہوئے ہوں تو پھر صرف دھو کر استعمال کرنا جائز ہے اگرچہ اپنا برتن موجود ہو۔ بہرحال اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں اسلامی غیرت وحمیت باقی رہے کیونکہ زیادہ اختلاط سے آہستہ آہستہ آدمی غیر مسلموں کے معاشرے میں گم ہو جاتا ہے بداخلاقی جائز نہیں ہے لیکن اخلاق کا بھی ایک مقام ہوتا ہے اخلاق اس کا نام نہیں ہے کہ دشمنِ خدا کے ساتھ قلبی الفت پیدا ہو جائے۔ زیر بحث حدیث کا اشارہ بھی یہی ہے کہ اگر اپنا برتن موجود ہے تو کافر کا برتن استعمال نہ کرو۔

مارا ہوا شکار اگر گم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَغَابَ عَنْكَ فَأَدْرَكْتَهُ فَكُلْ مَالَمْ يُنْتِنْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ کا نام لے کر کسی شکار پر اپنا تیر چلاؤ اور پھر وہ شکار تیر کھا کر تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جائے یعنی کسی ایسی جگہ گر کر مر جائے جو اس وقت تمہیں نہ مل سکے اور پھر وہ

تمہارے ہاتھ لگ جائے اور تم اس میں اپنے تیر کا نشان دیکھ کر یہ یقین کرلو کہ یہ تمہارے اسی تیر کے لگنے سے مرا ہے تو تم اس کو کھا سکتے ہو جب تک کہ اس کی بو میں تغیر پیدا نہ ہو جائے (مسلم)

توضیح

''مالم ینتن'' مثلاً ایک آدمی نے پرندہ وغیرہ شکار کیا لیکن وہ گر کر جھاڑیوں میں گم ہو گیا اب اس گمشدہ شکار کا کیا حکم ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب تک وہ شکار سڑ کر بدبودار نہیں ہوتا اس وقت تک اس کا کھانا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شکار کسی اور وجہ سے نہیں مرا ہو بلکہ شکاری آدمی کے تیر وغیرہ سے مرا ہو اور مارتے وقت اس نے بسم اللہ اللہ اکبر کہا ہو شکار معمولی بدبو اٹھنے سے حرام نہیں ہوتا اگرچہ مضر صحت ہوتا ہے تاہم شکاری پر لازم ہے کہ وہ اس شکار کو حتی الامکان تسلسل کے ساتھ تلاش کرتا رہے آنے والی حدیث میں ہے کہ تین دن کے بعد بھی مل جائے پھر بھی جائز ہے۔

﴿۵﴾وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الَّذِيْ يُدْرِكُ صَيْدَهُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَكُلْهُ مَالَمْ يُنْتِنْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شکاری کے حق میں کہ جو اپنے شکار کو تین دن کے بعد پائے فرمایا کہ اس کو کھالو تاوقتیکہ اس میں بو پیدا نہ ہو گئی ہو۔ (مسلم)

مشتبہ ذبیحہ کا حکم

﴿۶﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ هُنَا أَقْوَاماً حَدِيْثٌ عَهْدِهِمْ بِشِرْكٍ يَأْتُوْنَنَا بِلُحْمَانٍ لَانَدْرِيْ أَيَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا أَمْ لَا قَالَ اذْكُرُوْا أَنْتُمْ اسْمَ اللّٰهِ وَكُلُوْا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ یہاں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کے شرک کا زمانہ بہت قریب کا ہے یعنی وہ نومسلم جنہوں نے اسلام کے احکام اور دینی مسائل پوری طرح ابھی نہیں سیکھے ہیں وہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں اور ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ آیا انہوں نے اسکے ذبح کے وقت خدا کا نام لیا ہے یا نہیں تو کیا ان کا لایا ہوا گوشت ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اللہ کا نام لے لیا کرو اور اس کو کھالیا کرو۔ (بخاری)

توضیح

''اذکروا انتم اسم اللہ'' صحابہ نے یہ مسئلہ پوچھا ہے کہ مختلف اطراف سے گوشت آتے ہیں معلوم نہیں کہ اس کا ذبح کس قسم کا ہے اس کا کھانا کیسا ہے آنحضرت نے فرمایا کہ شک نہ کرو بسم اللہ کہہ کر کھاؤ۔ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جانور کے ذبح کے وقت اگر بسم اللہ نہ پڑھی ہو تو تم اب مرنے کے بعد بسم اللہ پڑھو اور کھاؤ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ذبح

کرنے والا اگر قابل ذبح ہو اور جن اطراف سے گوشت آیا ہے وہاں مسلمان ہیں تو تحقیق و تفتیش اور تشکیک و تلبیس کے بغیر مسلمانوں پر حسن ظن کی بنیاد پر بسم اللہ کر کے کھانا چاہئے۔ آج کل جو گوشت برازیل اور تھائی لینڈ اور دیگر کفار ملکوں سے مسلمانوں کے ہاں آتا ہے اس میں انتہائی تحقیق کی ضرورت ہے۔ ان ممالک نے ایک منصوبہ کے تحت مسلمانوں کو حرام گوشت کھلانے کے ذریعہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ کیا ہے مسلمان اتنے بے حس اور بے بس ہو گئے ہیں کہ ان سے خود جانور ذبح کرنے کی ہمت بھی جاتی رہی حرمین شریفین میں حرام گوشت آتا ہے اور لوگ کھاتے ہیں ادھر پاکستان میں بھی پولٹری فارموں میں مرغیاں مرجاتی ہیں تو وہ عوامی کھانوں اور ہوٹلوں میں کھلائی جاتی ہیں جو مردار ہوتی ہیں ہاں گوشت سستا ہوتا ہے اس لئے خریدا جاتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دفع وساوس کے لئے اس طرح فرمایا کہ وسواسی نہ ہو بلکہ بسم اللہ کہو اور کھاؤ بسم اللہ کہنے سے تمہارا وسوسہ ختم ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ حرام گوشت بسم اللہ پڑھنے سے حلال ہو جاتا ہے۔

غیر اللہ کے نام ذبیحہ حرام ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ اِلَّا مَافِيْ قِرَابِ سَيْفِيْ هٰذَا فَأَخْرَجَ صَحِيْفَةً فِيْهَا لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ آوٰى مُحْدِثًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوطفیل کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ اہل بیت کو کسی چیز کے ذریعہ خصوصیت وامتیاز عطا کیا ہے؟ یعنی کیا یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ لوگوں کو جو اہل بیت رسول ہیں کچھ ایسے احکام دیئے ہیں جو دوسرے لوگوں کو نہیں دیئے ہیں؟ حضرت علیؓ نے فرمایا نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے کوئی ایسی چیز مخصوص نہیں کی ہے جو اور دوسروں کے لئے عام نہ کی گئی ہو علاوہ اس چیز کے جو میری تلوار کی نیام میں چند احکام کے مجموعہ کی صورت میں موجود ہے لیکن ان احکام کے بارے میں بھی میں یہ نہیں جانتا کہ وہ احکام آیا مخص ہم اہل بیت کے لئے خاص ہیں یا ان کا تعلق عمومی طور پر پوری امت سے ہے، پھر حضرت علیؓ نے اپنی تلوار کی نیام میں سے ایک کاغذ نکالا جس میں یہ احکام درج تھے کہ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو غیر اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کرے اور اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو زمین کا نشان چرائے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو زمین کے نشان میں تغیر وتبدل کرے اور اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جو اپنے باپ پر لعنت کرے اور اس شخص پر لعنت ہو جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے۔ (مسلم)

توضیح

''خصکم'' یہ پروپیگنڈہ اس وقت سے آج تک جاری ہے کہ حضرت علی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خصوصی وصیتیں فرمائی تھیں صحابہ نے بار بار حضرت علی سے اس کا پوچھا ہے اور حضرت علی نے مسلسل انکار کیا ہے آج تک روافض اپنی آذانوں میں ووصی رسول اللہ کے الفاظ دہراتے ہیں اور حضرت علیؓ کی بات جھٹلاتے ہیں "قراب'' تلوار کے نیام کو کہتے ہیں کوئی مخطوط آپ نے اس نیام میں رکھا تھا۔

''لغیر اللّٰہ'' اللہ کے نام کے سوا غیر اللہ کے نام جانور ذبح کرنا اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے نام پر یا حضرت عزیرؑ کے نام پر یا شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام پر یا حضرت حسنؓ وحسینؓ کے نام پر یا کسی پیر فقیر کے نام پر جانور کو نامزد کیا جائے کہ یہ فلاں کے نام کا جانور ہے پھر اس کو ذبح کرے ذبح کے وقت بعض بے دین تو غیر اللہ کا نام لیتے ہیں اور بعض بے دین نام تو اللہ کا لیتے ہیں مگر جان کسی اور کے لئے نکالتے ہیں غیر اللہ کے نام پر نامزد کرنے کے بعد بوقت ذبح بسم اللہ سے کیا ہوتا ہے جبکہ وہ نذر و نیاز غیر اللہ کا ہے۔

''منار الارض'' زمین کے نشان کو منار کہا گیا ہے اس نشان سے مراد وہ علامتی پتھر وغیرہ ہے جو دو مشترک ساتھیوں کی زمین کی حدود پر نصب ہوتا ہے اس کے چرانے یا تبدیل کرنے سے وہ دوسرے کی زمین کو دبانا چاہتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس نشان کو ایک طرف سے ہٹا کر دوسری طرف لے جایا جاتا ہے اور اصل مالک کو امتیاز نہیں رہتا یہ بھی دبانا ہے اور آج کل زمینوں میں سب سے زیادہ تغیر و تبدیل پٹواریوں کے ہاتھوں ہوتا ہے اس حدیث کے پہلے مصداق یہی پٹواری لوگ ہیں جو زمین کے نقشہ میں اور لٹھا میں اور فرد نمبر میں گڑبڑ کرتے ہیں اور پھر تصحیح کرنے پر بھاری رقم لیتے ہیں خراب خود کرتے ہیں پھر پیسہ لیتے ہیں۔

''لعن والدہ'' یعنی ماں باپ کی نافرمانی کر کے ان کو تنقید کا نشانہ بناتا ہو، یا کسی دوسرے آدمی کے والدین کو گالیاں دیں اس نے اس کے والدین کو گالیاں دیں اس طرح یہ خود گالیوں کا ذریعہ بن گیا۔

''محدثا'' اس سے بدعتی شخص مراد ہے ایسے شخص کو ٹھکانا دینا چھپانا سنبھالنا مدینہ یا مکہ وغیرہ میں رکھنا ان سے مالی تعاون کرنا ان کی آراء کو ترجیح دینا انکی تعظیم وتوقیر کرنا ان کو پیر و مرشد بنانا سب باعث لعنت ہیں۔

جو چیز بھی رگوں کا خون بہادے اس سے ذبح جائز ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ رَافِعِ ابْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَاقُوا الْعَدُوِّ غَداً وَلَيْسَتْ مَعَنَا مُدًى أَفَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ قَالَ مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ فَكُلْ لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَاُحَدِّثُکَ عَنْهُ أَمَّا السِّنُّ

فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشِ وَأَصَبْنَا نَهْبَ إِبِلٍ وَغَنَمٍ فَنَدَّ مِنْهَا بَعِيرٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَحَبَسَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِهٰذِهِ الْإِبِلِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَإِذَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا شَيْءٌ فَافْعَلُوا بِهِ هٰكَذَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت رافع بن خدیج کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کل دشمن یعنی کفار سے ہمارا مقابلہ ہونے والا ہے اور ہمارے پاس چھریاں نہیں ہیں یعنی ہو سکتا ہے کہ جنگی ہنگاموں کی وجہ سے ہمارے پاس چھریاں موجود نہ رہیں اور ہمیں جانوروں کو ذبح کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس صورت میں کیا ہم کھپچ (کھپچی) سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز سے خون بہہ جائے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو یعنی اس جانور کو کھانا جائز ہے جو کسی بھی ایسی چیز سے ذبح کیا گیا ہو جس سے خون بہہ جائے خواہ وہ لوہا ہو یا کوئی اور چیز مگر دانت اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے اور میں تمہیں ان دونوں کے بارے میں بتاتا ہوں کہ ان کے ذریعہ ذبح کرنا کیوں جائز نہیں ہے تو سنو کہ دانت تو ہڈی ہے اور جہاں تک ناخن کا تعلق ہے تو وہ حبشیوں کی چھری ہے۔ حضرت رافع کہتے ہیں کہ دشمن کے کچھ اونٹ اور بکریاں لوٹ میں ہمارے ہاتھ آئیں۔ ان میں سے ایک اونٹ بھڑک کر بھاگ نکلا لیکن ہم میں سے ایک شخص نے تیر مار کر اس کو روک دیا یعنی وہ اونٹ تیر کھا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا ان اونٹوں میں بعض اونٹ بھی اس طرح انسانوں سے بھڑکنے والے ہوتے ہیں۔ جس طرح جنگلی جانور انسانوں سے بھڑکتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان اونٹوں میں سے کوئی اونٹ تمہارے قبضے سے نکل بھاگے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرو۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''مدی'' ''مدیۃ'' کی جمع ہے چھری کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ ہمیں جانور ذبح کرنے کی ضرورت پڑے گی تنگی کی حالت ہوگی سفر جہاد ہے اگر چھری نہ ملے تو کیا ہم ''القصب'' سے جانور ذبح کر سکتے ہیں؟ قصب بانس کے تراشے کو کہا گیا ہے جو چھری کی طرح تیز ہوتا ہے مکئی کا ناڑہ اور گنے کا تراشہ بھی اسی طرح تیز ہوتا ہے لکڑیوں میں بھی اس طرح تراشہ نکلتا ہے جس کو اردو میں کھپچ اور کھپچی کہتے ہیں۔

''فعظم'' یعنی دانت تو ہڈی ہے اور ہڈی سے ذبح کرنا درست نہیں ہے لہٰذا دانت سے ذبح کرنا درست نہیں ہے۔

''فمدی الحبش'' یعنی ناخن تو اہل حبش کی چھریاں ہیں وہ اس کو استعمال کرتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو کافروں کا طریقہ نہیں اپنانا چاہئے۔ ہر دھاری دار چیز جس سے انہار دم آجائے تو ذبح جائز ہے اب دانت اور ناخن اگر جسم کے ساتھ لگے ہوئے ہوں تو بالاتفاق اس سے ذبح ناجائز ہے لیکن اگر الگ اکھڑے ہوئے ہوں تو اس سے ذبح کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فقہاء کے نزدیک دانت اور ناخن سے ذبح مطلقاً ناجائز ہے خواہ جسم سے الگ ہوں یا پیوست ہوں۔ ائمہ احناف کے نزدیک اگر دانت اور ناخن جسم کے ساتھ پیوست ہوں تو ذبح ناجائز لیکن اگر الگ ہوں اور استعمال سے خون بہہ جائے تو ذبح کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ جمہور نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ائمہ احناف نے آنے والی فصل ثانی کی عدی بن حاتم کی حدیث ۱۸ سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں " امرر الدم بم شئت " یعنی جس چیز سے چاہو خون بہادو یہ حدیث عام ہے دانتوں اور ناخنوں کو بھی شامل ہے اصل مقصود خون بہانا ہے اگر مقلوع دانت اور ناخن سے دباؤ نہیں پڑتا اور خون بہہ جاتا ہے تو ذبیحہ حلال ہونا چاہئے البتہ فعل میں کراہت ہے آنے والی حدیث ۹ بھی احناف کی دلیل ہے کیونکہ دانت اور تیز ہڈی ایک چیز ہے۔ جمہور نے زیر بحث حدیث سے جو استدلال کیا ہے تو احناف اس حدیث کو غیر مقلوع دانت اور غیر مقطوع ناخن پر حمل کرتے ہیں کیونکہ حبش کے لوگ جانور کو اسی طرح ذبح کرتے تھے یا یہ جواب ہے کہ زیر بحث حدیث کی ممانعت کراہت کے درجہ میں ہے وہ احناف کے ہاں بھی مکروہ ہے لیکن ذبیحہ حلال ہے احناف کا استدلال کمزور ہے۔

''اوابد'' بدکنے اور بھڑکنے والے وحشی جانوروں کو کہتے ہیں اس کا مفرد آبدۃ ہے شاعر گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

وقد اغتدی والطیر فی وکناتها
بمنجرد قید الاوابد هیکل

اس صورت میں ذبح اختیاری نہیں رہیگا بلکہ ذبح اضطراری بن جائے گا جس میں بسم اللہ کے ساتھ زخم لگانا کافی ہے۔

تیز پتھر کے ذریعہ سے ذبح جائز ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ لَهُ غَنَمٌ تَرْعٰى بِسَلْعٍ فَأَبْصَرَتْ جَارِيَةٌ لَنَا بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا مَوْتاً فَكَسَرَتْ حَجَراً فَذَبَحَتْهَا بِهٖ فَسَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت کعب ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ ان کعبؓ کے پاس بکریوں کا ایک ریوڑ تھا جو مدینہ کی ایک پہاڑی سلع پر چرا کرتا تھا۔ ایک دن ہماری ایک لونڈی نے ایک بکری کو دیکھا کہ وہ مرنے ہی والی ہے تو اس نے ایک پتھر کا ٹکڑا توڑا اور اس ٹکڑے کے ذریعہ اس بکری کو ذبح کر دیا پھر کعبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا کہ اس صورت میں اس بکری کا گوشت کھانا حلال ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بکری کے گوشت کھانے کا حکم دے دیا۔ (بخاری)

قتل بھی کرو تو سلیقہ اختیار کرو

﴿۱۰﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ وَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت شداد بن اوسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کو لازم کیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کو حسن وخوبی اور نرمی کے ساتھ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ سزا، کسی کو قتل کرنے یا جانوروں کو ذبح کرنے میں بھی مہربانی ونرم دلی اور خوبی ونرمی کا طریقہ اختیار کرنا لازم ہے۔ لہٰذا جب تم کسی شخص کو قصاص یا حد کے طور پر قتل کرو تو اس کو نرمی وخوبی کے ساتھ قتل کرو تا کہ اس کو ایذا نہ ہو جیسے تیز تلوار استعمال کرو اور قتل کرنے میں جلدی کرو اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو خوبی ونرمی کے ساتھ ذبح کرو لہٰذا یہ ضروری ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص جو جانور کو ذبح کرنا چاہتا ہو اپنی چھری کو خوب تیز کرلے اور ذبح کئے جانے والے جانور کو آرام دے۔ (مسلم)

توضیح

مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں یا قصاص میں کسی کو قتل کرنا پڑے تو اس قتل میں بھی سلیقہ اختیار کرو کہ ایذا نہ دو اور شکل نہ بگاڑو کاٹ کاٹ کر قتل نہ کرو اسی طرح ذبح میں بھی سلیقہ اختیار کرو کہ ضرورت سے زیادہ گردن نہ کاٹو چھری کو خوب تیز رکھو اسلام احسان اور سلیقہ کا حکم دیتا ہے لیکن آج کل لوگ بے سلیقہ آ گئے جو اسلام کے سلیقے کو سلیقہ نہیں کہتے ہیں۔

جانور کو باندھ کر نشانہ بنانا جائز نہیں ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى أَنْ تُصْبَرَ بَهِيْمَةٌ أَوْ غَيْرُهَا لِلْقَتْلِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے منع فرماتے تھے کہ کسی چوپایہ وغیرہ کو مارنے کے لئے باندھ کر اس پر نشانہ لگایا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''ان تصبر'' یہ مجہول کا صیغہ صبر سے ہے صبر کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ جانور کو باندھ لیا اور کھانا پینا بند کر دیا تا کہ مر جائے یہاں تک کہ اس کی موت آئی اس صورت میں للقتل میں لام اجلیہ ہوگا ای لاجل القتل یعنی قتل کے لئے باندھ لیا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جانور کو بطور نشانہ باندھ کر رکھ لیا اور پھر اس پر تیر برسانے لگا یا گولیاں چلانے لگا تا کہ مزہ بھی آئے اور نشانہ بھی درست ہو جائے یہ سخت منع ہے کہ اس میں جاندار کی ایذا رسانی ہے جو ذبح پر ایک اضافی سزا ہے یہ مطلب آنے والی ان روایات کے زیادہ مناسب ہے جن میں صبراً کے بجائے غرضاً کا لفظ آیا ہے۔

﴿۱۲﴾وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو کسی جاندار چیز کو باندھ کر نشانہ لگائے۔ (مسلم)

﴿۱۳﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضاً رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی جاندار چیز کو باندھ کر نشانہ نہ بناؤ۔ (مسلم)

﴿۱۴﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پر مارنے اور منہ پر داغ دینے سے منع فرمایا ہے یعنی کسی آدمی یا جانور کے منہ پر طمانچہ یا کوڑا وغیرہ نہ مارا جائے اور نہ کسی کے منہ پر داغ دیا جائے۔ (مسلم)

کسی کو نہ منہ پر مارو نہ چہرہ پر داغ لگاؤ

﴿۱۵﴾وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهِ حِمَارٌ وَقَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهٖ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الَّذِي وَسَمَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک گدھا گذرا جس پر داغ دیا گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اس کو داغا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"لعن اللّٰہ" کسی جاندار کے چہرہ اور منہ پر داغ دینا منع ہے خواہ انسان ہو یا حیوان ہو چہرہ اور منہ کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں پر داغ دینا جائز ہے کیونکہ آنے والی روایات سے ثابت ہے البتہ انسان کے جسم کے داغنے کی بعض روایات میں مطلقاً ممانعت آئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہی شفقتہ ہے کہ آنحضرت نے دوسرے اسباب سے علاج کی ترغیب دی ہے کیونکہ آگ سے داغنے میں بڑی تکلیف ہے ہاں جب دیگر علاج ناکام ہو جائے تو آخری مجبوری پر داغ دینا درست ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "آخر الدواء

"الکی" بلکہ اگر مجبوری ہو تو چہرہ پر بھی داغ لگانا جائز ہے اس ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اہل جاہلیت داغ دینے کو ایک کرشماتی اور قطعی یقینی علاج تصور کرتے تھے۔ گویا داغ دینا ان کے اوہام پرستی کا ایک حصہ تھا اس لئے مسلمانوں کو روکا گیا۔

ضرورت و مصلحت کے تحت داغنا جائز ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ غَدَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ طَلْحَةَ لِيُحَنِّكَهُ فَوَافَيْتُهُ فِيْ يَدِهِ الْمِيْسَمُ يَسِمُ اِبِلَ الصَّدَقَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دن صبح کے وقت عبداللہ ابن ابوطلحہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تاکہ آپ کھجور چبا کر اس کے تالو میں لگا دیں۔ چنانچہ اس وقت میں نے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں داغنے کا آلہ تھا جس کے ذریعہ سے زکوٰۃ کے اونٹوں کو داغ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"المیسم" داغ لگانے کے آلہ کو میسم کہا گیا ہے جیسے سلاخ وغیرہ ہوتا ہے یہ داغ لگانا چہرہ پر نہیں تھا اس لئے کوئی تعارض نہیں ہے جسم کے دوسرے حصے مراد ہیں۔

"لیحکنہ" تحنیک کا عمل یہ ہے کہ آدمی اپنے منہ میں کھجور چبا کر لعاب بنا دے اور پھر اس کو نومولود بچے کے تالو پر لگا کر اس کو چٹا دے تاکہ نیک آدمی کا مبارک لعاب بچے کی غذا بن جائے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ هِشَامِ ابْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ مِرْبَدٍ فَرَأَيْتُهُ يَسِمُ شَاءً حَسِبْتُهُ قَالَ فِيْ آذَانِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت ہشام ابن زید، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ جانوروں کے باڑے میں تھے میں نے دیکھا کہ آپ بکریوں وغیرہ کے کسی عضو پر داغ دے رہے تھے۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت انسؓ نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ ان بکریوں وغیرہ کے کان پر داغ دے رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

الفصل الثانی

ہر اس چیز سے ذبح جائز ہے جو خون بہا دے

﴿۱۸﴾ عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ أَحَدُنَا أَصَابَ صَيْدًا وَلَيْسَ مَعَهُ سِكِّيْنٌ

أَيَذْبَحُ بِالْمَرْوَةِ وَشِقَّةِ الْعَصَا فَقَالَ أَمْرِرِ الدَّمَ بِمَ شِئْتَ وَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عدی ابن حاتم سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر ہم میں سے کوئی شخص کسی جانور کا شکار پکڑے اور اس وقت اس کے پاس چھری نہ ہو تو کیا وہ کسی پتھر کے ٹکڑے یا کسی لکڑی کی کھپچ سے اس شکار کو ذبح کر سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا تم جس چیز سے چاہو بسم اللہ پڑھ کر خون بہادو۔ (ابوداؤد، ونسائی)

توضیح

"المروۃ" پتھر کا سفید ٹکڑا مراد ہے جو تیز ہو" شقۃ العصاء "لکڑی کا وہ تراشہ اور کھپچ مراد ہے جو تیز دھار ہوتی ہے "امرر الدم" یعنی خون بہادو جس چیز سے چاہو حدیث کے اس عموم سے احناف نے الگ شدہ دانت اور الگ شدہ ناخن سے ذبح کے جواز پر استدلال کیا ہے یعنی بسم اللہ کہدو اور خون بہادو۔

ذبح اضطراری کا حکم

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَبِي الْعُشَرَاءِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَا تَكُوْنُ الذَّكَاةُ إِلَّا فِي الْحَلْقِ وَاللَّبَّةِ فَقَالَ لَوْطَعَنْتَ فِيْ فَخِذِهَا لَأَجْزَأَعَنْكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ هٰذَا ذَكَاةُ الْمُتَرَدِّيْ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا فِي الضَّرُوْرَةِ

اور حضرت ابوالعشراء اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا شرعی ذبح کا تعلق حلق اور سینہ کے سرے کے درمیانی حصے سے ہے؟ یعنی کیا شرعی طور پر ذبح صرف اسی کو کہا جائے گا کہ جانور کے حلق اور سینے کے سرے کے درمیان جراحت کے ساتھ خون بہایا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم شکار کی ران میں بھی جراحت پہنچادو گے تو تمہارے لئے کافی ہوگا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمیؒ)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ یعنی حدیث میں مذکورہ ذبح کی اجازت دینا اس جانور سے متعلق ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو یعنی یہ ذبح اضطراری کی صورت کا حکم ہے اور امام ترمذی نے فرمایا کہ ضرورت کی حالت کا حکم ہے۔

توضیح

"اماتکون "یعنی کیا ذبح صرف سینے اور حلق کے درمیان ہوتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا ہے؟ اس جملہ میں استفہام ہے اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح اضطراری کے عموم کو بتایا کہ اضطراری ذبح جہاں بھی زخم لگایا جائے مکمل ہو جاتا ہے گلے کے ساتھ خاص نہیں ہے البتہ اختیاری ذبح گلے میں ہوتا ہے۔

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاعَلَّمْتَ مِنْ كَلْبٍ أَوْ بَازٍ ثُمَّ

أَرْسَلْتَهُ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ مِمَّا أَمْسَكَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَإِنْ قَتَلَ قَالَ إِذَا قَتَلَهُ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنَّمَا أَمْسَكَهُ عَلَيْكَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عدی ابن حاتم روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جانور کو تم نے سکھایا خواہ وہ کتا ہو یا باز اور پھر تم نے ان میں سے کسی کو شکار پر چھوڑا اور چھوڑتے وقت اللہ کا نام لیا تو تم اس جانور کو کھا لو جس کو اس کتے یا باز نے تمہارے لئے پکڑا ہے میں نے عرض کیا کہ اگر چہ اس نے اس شکار کو مار ڈالا ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ وہ کتا یا باز شکار کو مار ڈالے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس نے اس شکار کو تمہارے ہی لئے پکڑ رکھا ہے۔ (ابوداؤد)

﴿۲۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرْمِي الصَّيْدَ فَأَجِدُ فِيْهِ مِنَ الْغَدِ سَهْمِي قَالَ إِذَا عَلِمْتَ أَنَّ سَهْمَكَ قَتَلَهُ وَلَمْ تَرَ فِيْهِ أَثَرَ سَبُعٍ فَكُلْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عدی ابن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں شکار پر اپنا تیر چلاتا ہوں اور پھر اگلے دن (جب وہ شکار کہیں پڑا ہوا مجھے ملتا ہے تو) اس کے اندر میں اپنا تیر پاتا ہوں (کیا میں وہ شکار کھا سکتا ہوں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس صورت میں اگر تم یہ جانو کہ اس شکار کو تمہارے ہی تیر نے مار ڈالا ہے اور اس شکار میں تم کسی درندے کا کوئی نشان نہ پاؤ تو اس کو کھا سکتے ہو اور اگر اس شکار میں کسی درندے کے دانت یا پنجے وغیرہ کا کوئی نشان پاؤ یا کسی دوسرے کے تیر کی علامت پاؤ تو اس صورت میں اس کو مت کھاؤ۔ (ابوداؤد)

جن کا ذبیحہ حرام ہے ان کے کتے کا شکار بھی حرام ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نُهِيْنَا عَنْ صَيْدِ كَلْبِ الْمَجُوْسِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہمیں مجوسیوں کے کتے کا پکڑا ہوا شکار کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ (ترمذی)

اگر جانور زندہ ہو اور مسلمان اس کو ذبح کر دے تو حلال ہو جائے گا اگر چہ مجوسی کے کتے نے پکڑا ہو لیکن اگر مر گیا تو حرام ہے۔

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا أَهْلُ سَفَرٍ نَمُرُّ بِالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى وَالْمَجُوْسِ فَلَانَجِدُ غَيْرَ آنِيَتِهِمْ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا غَيْرَهَا فَاغْسِلُوْهَا بِالْمَاءِ ثُمَّ كُلُوْا فِيْهَا وَاشْرَبُوْا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اکثر سفر کرنے والے لوگوں میں سے ہیں ہمارا گذر یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کی آبادیوں پر سے بھی ہوتا ہے اس وقت ان کے برتنوں کے علاوہ اور برتن ہمارے پاس نہیں ہوتے تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھا پی سکتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہیں ان کے برتنوں کے

علاوہ برتن دستیاب نہ ہوں تو ان کے برتنوں کو پانی سے دھو مانج لو اور پھر ان میں کھاؤ پیو۔ (ترمذی)

اس باب کی حدیث نمبر ۳ میں زیر بحث حدیث کی اور اہل کتاب کے برتنوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

غیر مسلموں کے ہاتھ کا کھانا حلال ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى، وَفِي رِوَايَةٍ سَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ مِنَ الطَّعَامِ طَعَامًا أَتَحَرَّجُ مِنْهُ فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِي صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ فِيهِ النَّصْرَانِيَّةَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت قبیصہ بن ہلب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عیسائیوں کے کھانوں کے بارے میں دریافت کیا کہ ہم لوگ کھائیں یا نہیں؟ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس بارے میں ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا چنانچہ اس نے عرض کیا کہ کھانوں میں سے ایک کھانا یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کا کھانا ایسا ہے جس سے میں پرہیز کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دل میں کسی چیز یعنی شک وشبہ کی کھٹک پیدا نہیں ہونی چاہیے۔ تم نے اس عمل کے ذریعہ عیسائیت کی مشابہت اختیار کی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

''اتحرج'' میں حرج محسوس کرتا ہوں اور پھر اجتناب کرتا ہوں ''لایتخلجن'' یہ خلجان سے ہے یعنی تیرے دل میں کوئی خلجان اور کھٹکا نہیں گذرنا چاہیے ''ضارعت'' یہ مضارعت مشابہت کے معنی میں ہے یعنی اس طرز عمل سے تم نے نصاریٰ کی مشابہت اختیار کرلی کیونکہ وہ اپنے اوپر نہایت تنگی کرتے ہیں اور ذرا شک آنے پر اپنے آپ پر حلال کھانا حرام کردیتے ہیں مسلمان کو چاہیے کہ جب تک حرمت کا یقین نہ ہو محض شک کی بنیاد پر کسی چیز کو حرام نہ کرے سوال کرنے والے چونکہ عدی بن حاتم تھے جو پہلے عیسائی تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ کا ذکر فرمایا۔

مجثمة کا کھانا ممنوع ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْمُجَثَّمَةِ وَهِيَ الَّتِي تُصْبَرُ بِالنَّبْلِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابودرداؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجثمہ کو کھانے سے منع فرمایا ہے اور مجثمہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کو باندھ کر نشانہ کی مانند کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر تیر مارا جائے۔ (ترمذی)

توضیح

چونکہ یہاں ذبح اختیاری ہوسکتا ہے اس کے بجائے ذبح اضطراری اختیار کرنا جائز نہیں ہے جانور مردار ہے اور یہ عمل ظلم ہے مجثمہ وہ زندہ جانور ہوتا ہے جسے باندھ کر نشانہ بنایا جائے اس سے پہلے مصبرۃ اور غرضا کے جو الفاظ گذرے ہیں یہ سب ایک ہی مفہوم کا عمل ہے۔

وہ جانور جن کا کھانا حرام ہے

﴿۲۶﴾وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَعَنْ كُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَعَنِ الْمُجَثَّمَةِ وَعَنِ الْخَلِيْسَةِ وَأَنْ تُوْطَأَ الْحُبَالٰى حَتّٰى يَضَعْنَ مَافِىْ بُطُوْنِهِنَّ قَالَ مُحَمَّدُبْنُ يَحْيٰى سُئِلَ أَبُوْعَاصِمٍ عَنِ الْمُجَثَّمَةِ فَقَالَ أَنْ يُنْصَبَ الطَّيْرُ أَوِ الشَّيْءُ فَيُرْمٰى وَسُئِلَ عَنِ الْخَلِيْسَةِ فَقَالَ الذِّئْبُ أَوِ السَّبُعُ يُدْرِكُهُ الرَّجُلُ فَيَأْخُذُهُ مِنْهُ فَيَمُوْتُ فِىْ يَدِهٖ قَبْلَ أَنْ يُذَكِّيَهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ

اور حضرت عرباض ابن ساریہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن ان جانوروں کو کھانے سے منع فرمایا، کچلی والا درندہ پنجہ والا پرندہ، گھر کے پالتو گدھوں کا گوشت، مجثمہ اور خلیسہ، نیز آپ نے جہاد میں پکڑی گئی ان لونڈیوں سے جماع کرنے سے بھی منع فرمایا جو حاملہ ہوں جب تک کہ وہ اس بچہ کو نہ جن لیں جو ان کے پیٹ میں ہے۔ حضرت محمد ابن یحییٰ (جو امام ترمذی کے شیخ واستاد ہیں اور حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی کہتے ہیں کہ میرے شیخ واستاد حضرت ابوعاصمؒ سے مجثمہ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ مجثمہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی پرندہ یا چرندہ کو باندھ کر کھڑا کیا جائے اور پھر اس پر تیر مارا جائے اسی طرح حضرت ابوعاصمؒ سے خلیسہ کے معنی دریافت کئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھیڑیئے یا کسی اور درندے نے کسی جانور کو پکڑ لیا ہو اور پھر کوئی شخص اس درندے سے وہ جانور چھین لے اور وہ جانور ذبح کئے جانے سے پہلے ہی اس شخص کے ہاتھ میں مر جائے۔ (ترمذی)

توضیح

"ذی ناب" اس درندے کو ذی ناب کہتے ہیں جن کی کچلیاں ہوں یعنی رباعی دانتوں کے پاس دائیں بائیں لمبے لمبے نوکدار دانت ہوں اور اس کے ساتھ دوسرے جانوروں کا شکار کر کے پھاڑتے ہوں جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا، ریچھ، بندر، سور، لومڑی اور بجو وغیرہ ہیں۔

"من السباع" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعہ چیر پھاڑ کا کام کرتا ہو اور دیگر جانوروں کو پھاڑتا ہو من السباع

کا یہ لفظ جس طرح درندوں کے ساتھ لگتا ہے اسی طرح ذی مخلب پرندوں کے ساتھ بھی لگتا ہے۔

''ذی مخلب'' میم پر کسرہ ہے خاساکن ہے لام پر فتحہ ہے پنجے مراد ہیں یعنی جو پرندہ پنجوں کے ساتھ چیر پھاڑ کرتا ہے جیسے باز، شکرہ، چیل، چرغ اور گدھ پنجوں کے ذریعہ دیگر پرندوں کو پھاڑ کر کھاتا ہے یعنی ذی ناب اور ذی مخلب اس صورت میں حرام ہیں کہ وہ ناب اور مخلب سے شکار کرتے ہوں اگر شکار نہیں کرتے ہوں تو وہ حرام نہیں جیسے اونٹ ذی ناب ہے مگر ناب سے شکار نہیں کرتا ہے۔

''الحمر الاهلية'' اس سے گھریلو پالتو گدھے مراد ہیں لہٰذا جنگلی گدھے اس سے نکل گئے کیونکہ وہ حلال ہیں جس کو زیبرا کہتے ہیں جو جمعیت کے جھنڈے کے رنگ میں ہوتا ہے افریقہ اس سے بھرا پڑا ہے۔

''عن الخليسة ''یعنی شیر یا بھیڑیا نے مثلاً بکری کو شکار کیا اور ایک انسان نے اسے چھڑالیا مگر وہ بکری مر چکی تھی اس کو خلیسہ کہتے ہیں یہ چونکہ مردار ہو گیا ہے اس لئے مسلمان کیلئے اس کا کھانا حرام ہے۔

''وان توطأ الحبالى ''یعنی کسی کے ہاتھ میں لونڈی آئی جو حاملہ ہے تو وضع حمل تک اس سے جماع کرنا جائز نہیں ہے اس سے منکوحہ حاملہ بیوی مراد نہیں ہے اگر لونڈی حاملہ نہ ہو تو ایک حیض آنے تک انتظار ضروری ہے یہ جہاد میں ہاتھ آنے والی لونڈی کی بات ہے۔

شریطہ کھانا ممنوع ہے

﴿۲۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ بْنُ عِيْسٰى هِيَ الذَّبِيْحَةُ يُقْطَعُ مِنْهَا الْجِلْدُ وَلَاتُفْرٰى الْأَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریطہ شیطان سے منع فرمایا ہے ابن عیسیٰ حدیث کے ایک راوی نے یہ مزید بیان کیا کہ شریطہ شیطان یہ ہے کہ جانور کے حلق کے اوپر کی کھال کاٹ دی جائے اور اس کی پوری رگیں نہ کاٹی جائیں اور پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح

''شريطة الشيطان '' یہ جاہلیت کے ناجائز ذبائح میں سے ایک تھا وہ اس طرح کہ جانور کو گلے میں تھوڑا سا کاٹ دیا اور نشان بنا کر چھوڑ دیا پوری رگیں نہیں کٹیں وہ تڑپ تڑپ کر مر گیا یہ شیطان کا نشان ہے جو نا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں بے انتہا ظلم بھی ہے اور رگوں سے دم مسفوح بھی خارج نہیں ہوتا تو حرام مردار ہے۔

''ولا تفری الاوداج '' گلے میں چار رگیں ہوتی ہیں جس کے ساتھ ذبح شرعی کا تعلق ہے ایک کا نام حلقوم ہے اس کے ساتھ سانس کا تعلق ہے درمختار میں اس کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے دوسرے کا نام المری ہے جس کے ساتھ کھانے پینے کا تعلق ہے باقی دو کو ودجان کہتے ہیں جو گلے کے سامنے حصہ میں ہوتی ہیں حلقوم اور مری اس کے درمیان ہوتی ہیں اس کو شہ رگ بھی کہتے ہیں ان چاروں میں سے جو نسے تین کٹ جائیں شرعی ذبح مکمل ہو جائے گا حدیث میں اوداج کا لفظ چاروں رگوں پر بولا گیا ہے اگر دو رگیں کٹ گئیں اور دو باقی ہوں تو ذبح نہیں ہوگا۔ ''ولا تفری'' مجہول کا صیغہ ہے الفری کاٹنے کے معنی میں ہے زندہ جانور کی کھال کاٹنے اور اتارنے پر بولا گیا ہے۔

ذبیحہ کے پیٹ کے بچہ کا حکم

﴿۳۸﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ

اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماں کا ذبح کرنا اس کے پیٹ کے بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے۔ (ابوداؤد، دارمیؒ) ترمذی نے اس روایت کو حضرت ابوسعیدؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

''ذکاۃ الجنین ذکاۃ امہ '' یعنی ماں کا ذبح اس کے پیٹ کے بچے کا ذبح ہے تفصیل اس طرح ہے کہ اگر حاملہ جانور کو ذبح کیا گیا اور ذبح کے بعد اس کے پیٹ سے اس کا بچہ نکلا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ بچہ زندہ ہوگا یا مرا ہوا ہوگا اگر زندہ نکل آیا تو اتفاقاً اس کا ذبح کرنا ضروری ہے ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہوگا اگر بچہ مرا ہوا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور اور صاحبین کے نزدیک ذبح کئے بغیر وہ بچہ حلال طیب ہے ماں کا ذبح ہونا اس بچہ کے ذبح کے لئے کافی ہے بشرطیکہ بچہ تام الخلقت ہو اور اس کے جسم پر بال آئے ہوں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح بچہ مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

دلائل

مذکورہ حدیث جمہور کی دلیل ہے وہ ذکاۃ امہ کو مرفوع قرار دیتے ہیں جس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ یعنی جنین کا ذبح یہی ہے کہ اس کی ماں ذبح ہو جائے جمہور کی دوسری دلیل قیاس ہے وہ یہ قیاس کرتے ہیں کہ دیکھو سانس لینے میں پیٹ کا بچہ ماں کے تابع ہے خرید وفروخت میں ماں کے تابع ہے کھانے پینے اور حیات وممات میں یہ بچہ ماں کے تابع ہے لہٰذا ذبح میں بھی یہ ماں

کے تابع ہونا چاہئے کیونکہ یہ بچہ ماں کا جزء متصل ہے علیحدہ ذبح کی ضرورت نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اپنے استدلال میں فرماتے ہیں کہ اگر یہ بچہ ماں کے ذبح اور اس کی موت سے پہلے ہی مر گیا ہو تو یہ میتۃ مردار کے حکم میں ہے اور اگر ماں کی موت کے بعد سانس گھٹنے سے مر گیا ہو تو یہ منخنقۃ دم گھٹنے والے حیوان کے حکم میں ہے اور یہ دونوں حرام ہیں لہٰذا جنین حرام ہے۔

جواب

زیر بحث حدیث کا مطلب امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نہیں ہے جو جمہور نے سمجھا ہے بلکہ امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث تشبیہ پر محمول ہے یعنی ''ذکاۃ الجنین کذکاۃ امہ'' اس کا مطلب واضح ہے کہ جس طرح ماں کو ذبح کیا ہے اسی طرح اس کے بچے کو بھی ذبح کرو ذبح کرنے کا طریقہ ایک جیسا ہے اس بچے پر ترس کھا کر بغیر ذبح نہ چھوڑو نیز یہ خیال نہ کرو کہ اتنا چھوٹا بچہ ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا جس طرح بعض لوگ اس کو حلال نہیں سمجھتے ہیں اس مطلب کی تائید حدیث میں ذکاۃ امہ کے منصوب پڑھنے سے بھی ہوتی ہے جو منصوب بنزع الخافض ہے ای کذکاۃ امہ، اور اس مطلب کی تائید آنے والی حدیث نمبر ۲۹ سے بھی ہوتی ہے جس میں صحابہ نے جنین کے پھینکنے اور نہ کھانے یا کھانے کا سوال کیا ہے۔ اس لئے یہ حدیث جمہور کے مطلب کی نہیں ہے۔ باقی بچے کے ذبح کا معاملہ بیع وشراء وغیرہ پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ذبح میں انہار الدم ہوتا ہے اس کو خرید وفروخت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ نیز یہ معاملہ مبیح اور محرم کا ہے ایسی صورت میں ترجیح محرم کو دی جاتی ہے۔

﴿۲۹﴾ وعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَنْحَرُ النَّاقَةَ وَنَذْبَحُ الْبَقَرَةَ وَالشَّاةَ فَنَجِدُ فِيْ بَطْنِهَا الْجَنِيْنَ أَنُلْقِيْهِ أَمْ نَأْكُلُهُ قَالَ كُلُوْهُ إِنْ شِئْتُمْ فَإِنَّ ذَكَاتَهُ ذَكَاةُ أُمِّهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب ہم اونٹنی کو نحر کرتے ہیں یا گائے اور بکری کو ذبح کرتے ہیں تو بسا اوقات ہم اس ذبیحہ کے پیٹ میں مردہ بچہ پاتے ہیں۔ کیا ہم اس بچہ کو پھینک دیا کریں یا کھا لیا کریں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس کو کھا لیا کرو کیونکہ اس کی ماں کا ذبح کرنا اس بچہ کا بھی ذبح کرنا ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

بلا وجہ کسی جانور یا پرندہ کو مارنا جائز نہیں

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَأَلَهُ اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا حَقُّهَا قَالَ أَنْ يَذْبَحَهَا فَيَأْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعُ رَأْسَهَا فَيَرْمِيْ بِهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی چڑیا یا اس سے چھوٹے بڑے کسی اور جانور و پرندہ کو ناحق مار ڈالے گا تو اللہ تعالیٰ اس شخص سے اس ناحق مارنے کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور اس چڑیا وغیرہ کا حق کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کہ اس کو ذبح کیا جائے کسی اور طرح اس کی جان نہ ماری جائے اور پھر اس کو کھایا جائے یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے۔ (احمد، نسائی، دارمی)

توضیح

کسی حیوان کی جان لے لینا بڑی بات اور بڑا حادثہ ہے جائز مقاصد کے علاوہ اس پر اقدام نہیں کرنا چاہئے جائز مقصد یہ ہے کہ اس کو ذبح کر دیا جائے اور کھایا جائے یہ نہیں کہ کھیل کود کے طور پر مارا جائے اور استعمال میں نہ لایا جائے دفع ضرر کے لئے مارنا بھی جائز مقاصد میں شامل ہے۔

اس حدیث میں عصفور کی طرف ایک بار مؤنث کی ضمیر لوٹائی گئی ہے اور دوسری بار مذکر کی لوٹائی گئی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جنس کے اعتبار سے مؤنث کی ضمیر لوٹائی گئی ہے اور لفظ کے اعتبار سے مذکر کی ضمیر لوٹائی گئی ہے یا اس میں ''زید ھاھو'' کا قاعدہ اپنایا گیا ہے کہ مؤنث باعتبار کلمہ ہے اور مذکر باعتبار لفظ ہے ''فما فوقھا'' تحقیر کے لئے بھی ہوسکتا ہے کہ چڑیا ہو یا چڑیا سے چھوٹا حیوان ہو اور بڑے ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ چڑیا ہو یا چڑیا سے بڑا ہو۔

زندہ حیوان سے کاٹا گیا گوشت مردار ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِیْ وَاقِدِ اللَّیْثِیِّ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَجُبُّوْنَ أَسْنِمَةَ الْاِبِلِ وَیَقْطَعُوْنَ أَلْیَاتِ الْغَنَمِ مَایُقْطَعُ مِنَ الْبَهِیْمَةِ وَهِیَ حَیَّةٌ فَهِیَ مَیْتَةٌ لَاتُؤْکَلُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت ابو واقد لیثی کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ کے لوگ ایسا کرتے تھے کہ اونٹ کے کوہان اور دنبوں کی چکتیاں کاٹ لیا کرتے تھے اور پھر اس کو کھاتے تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چیز بھی ایسے جانور کے جسم سے کاٹی جائے جو زندہ ہو تو وہ کاٹی گئی چیز مردار ہے اس کو نہ کھایا جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

''یجبون'' جب یجب کاٹنے کے معنی میں ہے اسنمة سنام کی جمع ہے اونٹ اور بیل وغیرہ کے کوہان کو کہتے ہیں۔ ''الیات'' الیة کی جمع ہے دنبہ کی دم، چکتی اور لم کو کہتے ہیں۔ جاہلیت کے دور میں جب عرب گوشت کی ضرورت محسوس کرتے

تو پورے جانور کو بچانے کی غرض سے وہ زندہ اونٹ کے کوہان اور زندہ دنبہ کی چکتی کو کاٹ لیتے تھے اور گوشت استعمال کرتے تھے اسلام نے اس ظالمانہ فعل سے منع کر دیا اور اس طرح الگ کردہ گوشت کے کھانے کو حرام قرار دیا کیونکہ اس میں دم مسفوح شامل ہے۔

الفصل الثالث

کسی بھی تیز دھار آلہ سے ذبح جائز ہے

﴿۳۲﴾عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِي حَارِثَةَ أَنَّهُ كَانَ يَرْعَى لِقْحَةً بِشِعْبٍ مِنْ شِعَابِ أُحُدٍ فَرَأَى بِهَا الْمَوْتَ فَلَمْ يَجِدْ مَا يَنْحَرُهَا بِهِ فَأَخَذَ وَتَدًا فَوَجَأَ بِهِ فِي لَبَّتِهَا حَتَّى أَهْرَاقَ دَمَهَا ثُمَّ أَخْبَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ بِأَكْلِهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَمَالِكٌ،

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ فَذَكَّاهَا بِشِظَاظٍ

حضرت عطاء ابن یسار قبیلہ بنی حارثہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دن اونٹنی کو احد پہاڑ کے ایک درہ میں چرا رہا تھا کہ اس نے اونٹنی میں موت کے آثار پائے یعنی اس نے دیکھا کہ اونٹنی کسی وجہ سے مرا ہی چاہتی ہے اس وقت اس کو کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہو سکی جس کے ذریعہ وہ اونٹنی کو نحر کرتا آخر کار اس نے ایک میخ اٹھائی اور اسکی نوک کی طرف سے اس کو اونٹنی کے سینے میں بھونک دیا تا آنکہ اس کا خون بہا دیا۔ پھر اس نے اس واقعہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور اس کے گوشت کے بارہ میں دریافت کیا کہ اس صورت میں اس کا کھانا کیسا ہے؟ آنحضرتؐ نے اس کو اس کے گوشت کے کھانے کی اجازت دی۔ (ابوداؤد، مالک)

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آخر کار اس نے ایک دھاری دار لکڑی سے ذبح کر دیا۔

توضیح

گابھن اونٹنی کو "لقحة" کہتے ہیں "وتدا" وتد میخ کو کہتے ہیں یہاں بڑی اور نوکدار میخ مراد ہے جس کو تیر کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہو جس سے نحر ممکن ہو "لبتها" گلے اور سینہ کو کہتے ہیں۔ "شظاظ" اس لکڑی کو شظاظ کہتے ہیں جس کی دونوں جانب نوکدار ہوں۔

دریائی جانوروں کا حکم

﴿۳۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْبَحْرِ إِلَّا وَقَدْ ذَكَّاهَا

اللّٰہُ لِبَنِیْ آدَمَ. رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی کا ایسا کوئی جانور نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کے لئے ذبح نہ کر دیا ہو۔ (دارقطنیؒ)

توضیح

یعنی دریا میں جتنے حیوان ہیں اللہ تعالیٰ نے اسے ذبح کیا ہے اور وہ انسان کے لئے حلال ہیں۔ان دریائی جانوروں سے مراد مچھلی ہے کیونکہ ہر قسم کی مچھلی ذبح کے بغیر حلال ہے مچھلی کے علاوہ سمندری جانوروں کے بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور اسے حلال قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ حدیث تمام دریائی جانوروں کو شامل ہے لیکن احناف صرف مچھلی کو حلال کہتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ حدیث صرف مچھلی کو شامل ہے تفصیل کے ساتھ اختلاف جلد اول ص ۶۳۰ پر لکھا گیا ہے۔

باب ذکر الکلب

کتے سے متعلق احکام کا بیان

اس باب میں وہ احادیث بیان ہونگی جن سے کتوں سے متعلق احکام معلوم ہونگے کہ کس قسم کا کتا پالنا جائز اور کس قسم کا ناجائز ہے اور کس قسم کا کتا مارنا جائز ہے جاہلیت اولی میں لوگوں کے دلوں میں کتوں کے لئے بے پناہ محبت تھی جیسا کہ آج کل ہے اس محبت کو زائل کرنے کی غرض سے ابتداء اسلام میں بڑے پیمانے پر کتا مار مہم شروع ہوگئی تھی جب لوگوں کے دلوں میں نفرت بیٹھ گئی تو پھر چند قسم کے کتوں کے پالنے کی اجازت مل گئی اور شوقیہ کتا رکھنے کی ممانعت آگئی، تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین قسم کے کتے رکھنے کی اجازت ہے (۱) جانوروں کی حفاظت کے لئے (۲) شکار کے لئے (۳) کھیت کی حفاظت کے لئے فقہاء نے اس کے ساتھ گھر کی چوکیداری کا کتا بھی ملحق کیا ہے۔

الفصل الاول

بلاضرورت کتا پالنا باعث نقصان ہے

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ ضَارٍ نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے اور شکاری کتے کے علاوہ کوئی کتا پالتا ہے اس کے اعمال کے ثواب میں سے روزانہ دو قیراط کے برابر کمی کردی جاتی ہے۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح

"اقتنی" پالنے اور رکھنے کے معنی میں ہے۔

"کلب ماشیة" بکریوں کے ریوڑ میں ایک کتا ہوتا ہے جو بکریوں کی حفاظت کے لئے رکھا جاتا ہے اس کو کلب ماشیۃ کہتے ہیں "او کلب ضار" یہ اس شکاری کتے کو کہتے ہیں جو شکار کا اتنا شوق رکھتا ہو گویا شکار اس کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہو بعض روایات میں یہ لفظ ضاریا آیا ہے بعض میں ضاری آیا ہے بعض میں ضار آیا ہے سب سے مراد شکاری کتا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ضار سے پہلے رجل موصوف بھی محذوف مانا جاسکتا ہے یعنی کلب رجل صائد شکار کرنے والے آدمی کا کتا۔

"قیراطان" یہ تثنیہ ہے اس کا مفرد قیراط ہے قیراط ایک وزن کا نام ہے جو نصف وانگ یا بقول بعض دینار کے ۶ رم یا بقول

بعض دینار کے دسویں حصہ کے آدھے کے برابر ہوتا ہے بقول بعض ایک قیراط پانچ دانہ جو کے برابر ہے قیراط بطور حقارت چھوٹی سی چیز پر بھی بولا جاتا ہے اور بطور تعظیم بڑی چیز پر بھی بولا جاتا ہے۔شوقیہ کتا پالنے سے اس لئے ثواب گھٹتا ہے کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے ہیں تو ثواب متاثر ہو جاتا ہے۔دوسرا یہ کہ کتا لوگوں کو ایذا دیتا ہے کاٹتا ہے بھونکتا ہے ڈراتا ہے تو ثواب کا نقصان ہو جاتا ہے۔

سوال

یہاں یہ اعتراض ہے کہ بعض احادیث میں ایک قیراط ثواب کم ہو جانے کا ذکر ہے اور بعض میں دو قیراط گھٹنے کا ذکر ہے جو بظاہر تعارض ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق کتے کی ایذا رسانی سے ہے اگر کتا زیادہ ایذا دیتا ہے تو دو قیراط ثواب ضائع ہو جاتا ہے اگر کم ایذا دیتا ہے تو ایک قیراط ثواب گھٹتا ہے۔دوسرا جواب یہ کہ اس کا تعلق مکان و مقام سے ہے کہ مقدس و مبارک مقام میں کتا رکھنے سے دو قیراط جائیں گے اور عام مقام میں ایک قیراط جائے گا یا پہلے ایک قیراط کی وحی آئی پھر دو قیراط کی وحی آئی کوئی تعارض نہیں ہے۔

﴿۲﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ أَوْ صَيْدٍ أَوْ زَرْعٍ انْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مویشیوں کی حفاظت کرنے والے شکار پکڑنے والے اور کھیت کھلیان کی چوکسی کرنے والے کتے کے علاوہ کوئی کتا پالتا ہے تو اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط کے برابر کمی کر دی جاتی ہے۔(بخاری ومسلم)

کتوں کو مار ڈالنے کا حکم

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى إِنَّ الْمَرْأَةَ تَقْدَمُ مِنَ الْبَادِيَةِ بِكَلْبِهَا فَنَقْتُلُهُ ثُمَّ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِهَا وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ الْبَهِيْمِ ذِي النُّقْطَتَيْنِ فَإِنَّهُ شَيْطَانٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مدینہ کے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دے دیا تھا چنانچہ ہم مدینہ اور اطراف مدینہ کے کتوں کو مار ڈالتے تھے یہاں تک کہ جو عورت جنگل سے آتی اور اس کا کتا اس کے ساتھ ہوتا تو ہم

اس کو بھی ختم کردیتے تھے پھر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کتوں کو مار ڈالنے سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ خالص سیاہ کتے کو جو دو نقطوں والا ہو مار ڈالنا تمہارے لئے ضروری ہے کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (مسلم)

توضیح

پہلے عام کتوں کے مار ڈالنے کا حکم آیا تاکہ دلوں میں نفرت بیٹھ جائے پھر شوقیہ اور اسود بہیم کے علاوہ کتوں کی اجازت ہوگئی "النقطتین" یعنی ایسا سیاہ کالا بھجنگ کتا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے اور داغ ہوں یہ انتہائی شریر ہوتا ہے باعث ایذا ہوتا ہے اور فائدہ سے خالی ہوتا ہے اس لئے اس کو شیطان قرار دیا گیا۔

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ أَوْ مَاشِيَةٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو سارے کتوں کے یا مدینہ کے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا لیکن شکاری کتوں، اور بکریوں کی حفاظت کرنے والے کتوں اور مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتوں کو مستثنیٰ رکھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"او کلب ماشیۃ" یعنی بکریوں کے ریوڑ کی حفاظت کے لئے ہو یا مویشیوں کی حفاظت کے لئے ہو تو یہ جملہ تعمیم بعد تخصیص کے لئے ہے یا او شک کے لئے ہے کہ راوی کو شک ہوگیا کہ آنحضرت نے کونسا لفظ استعمال فرمایا تھا غنم اور ماشیۃ ایک ہی چیز ہے۔

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا أَنَّ الْكِلَابَ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ لَأَمَرْتُ بِقَتْلِهَا كُلِّهَا فَاقْتُلُوْا مِنْهَا كُلَّ أَسْوَدَ بَهِيْمٍ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَمَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ يَرْتَبِطُوْنَ كَلْبًا إِلَّا نَقَصَ مِنْ عَمَلِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطٌ إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ أَوْ كَلْبَ حَرْثٍ أَوْ كَلْبَ غَنَمٍ

حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ کتے بھی گروہوں میں سے ایک گروہ ہیں تو میں یقیناً یہ حکم دے دیتا کہ ان سب کو مار ڈالا جائے لیکن ان میں جو بھی کتا خالص سیاہ رنگ کا ہو اس کو مار ڈالو۔ (ابوداؤد، دارمی)

اور ترمذی ونسائی نے یہ عبارت مزید نقل کی ہے کہ اور جو گھر والے بلاضرورت کتا پالتے ہیں ان کے عمل کے ثواب میں سے روزانہ ایک قیراط کمی کردی جاتی ہے ہاں شکاری کتا اور کھیت کی حفاظت کرنے والا اور ریوڑ کی چوکسی کرنے والا کتا اس سے مستثنیٰ ہے۔

توضیح

"امة" جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مصلحت کے تحت پیدا کیا اور اس کی نسل کو باقی رکھا اسی طرح اللہ نے حیوانات کو حکمت و مصلحت کے تحت پیدا کیا لہٰذا ان کو باقی رکھنا بھی حکمت کا تقاضا ہے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر کتے مستقل امت نہ ہوتی تو میں سب کے ختم کرنے کا حکم دیتا۔ کشتی نوح میں جو انسان وحیوان داخل ہوگئے اس کی نسل باقی رہیگی اس لئے کسی نسل کی بیخ کنی ممکن نہیں ہے۔

جانوروں کا لڑانا منع ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو ایک دوسرے پر ابھارنے یعنی ان کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

مطلب یہ ہے کہ اونٹوں، ہاتھیوں، دنبوں، بیلوں، بھینسوں، کتوں، مرغوں اور بٹیروں کو لڑانا سخت منع ہے خواہ شرط پر ہو یا بغیر شرط کے ہو، جب جانوروں کا لڑانا منع ہے تو انسانوں کو ناحق لڑانا کتنا بڑا گناہ ہوگا "والفتنة اشد من القتل"۔

(اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے)

مورخہ ۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب مایحل اکله ومایحرم

جن جانوروں کا کھانا حلال یا حرام ہے

قال الله تعالیٰ ﴿ویحل لهم الطیبات ویحرم علیهم الخبائث﴾

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو قطعی حرام قرار دیا ہے (۱) میتۃ یعنی مردار (۲) دم مسفوح یعنی رگوں سے خارج شدہ خون (۳) خنزیر کا گوشت (۴) ما اهل به لغیر الله یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا غیر اللہ کے نام پر مذبوح حیوان۔ چنانچہ قرآن کی آیت ہے۔ ﴿قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دمامسفوحاً اولحم خنزیر فانه رجس اوفسقاً اهل لغیر الله به﴾ (انعام آیت ۱۴۵)۔

ان چار اشیاء کے علاوہ احادیث مقدسہ میں کئی چیزوں کی ممانعت اور حرمت کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اسی کا بیان اس باب میں کیا گیا ہے۔

الفصل الاول

ذی ناب درندہ حرام ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درندوں میں جو جانور کچلی والا ہو جو دانت سے اپنا شکار پکڑتا ہو جیسے شیر اور بھیڑیا وغیرہ اس کا کھانا حرام ہے۔ (مسلم)

ذی ناب درندوں کی تفصیل کتاب الصید کی حدیث ۲۶ میں گذر چکی ہے۔

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّیْرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس درندے کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا ہے جو کچلی والا ہو اور ہر اس پرندے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے جو چنگل گیر ہو یعنی جو اپنے پنجے سے شکار کرتا ہو جیسے باز وغیرہ۔ (مسلم)

ذی مخلب پرندوں کی تفصیل بھی گذر چکی ہے۔

﴿۳﴾وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوثعلبہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھوں کا گوشت حرام قرار دیا ہے (بخاری، ومسلم)

پالتو گدھے کی حرمت کی تفصیل بھی اسی حدیث ۲٦ میں لکھی گئی ہے۔

کیا گھوڑا حلال ہے؟

﴿۴﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ وَأَذِنَ فِيْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے کی ممانعت جاری فرما دی تھی اور گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی تھی۔

توضیح

گھوڑا اگر گدھے کی نسل سے ہو تو اس کا گوشت بالاتفاق حرام ہے اگر گھوڑے میں گدھے کی نسل کی آمیزش نہ ہو تو کیا اس کا گوشت حلال ہے یا حرام ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال طیب ہے ذبح کرو اور کھاؤ اور موج اڑاؤ۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا مکروہ ہے یا مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی ہے۔

دلائل

جمہور کی دلیل زیر بحث حدیث ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہؒ نے قرآن کی آیت ﴿والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینة﴾ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں میں اہم فائدہ کو اس پر سوار ہونا اور رُکُوب قرار دیا اگر اس کا گوشت کھانا جائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور اشارہ فرماتے کیونکہ رکوب سے کھانا زیادہ اہم تھا اور اللہ تعالیٰ اہم کو ذکر کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ بھی منسوب ہے کہ آپ گھوڑے کے گوشت کو اس لئے مکروہ کہتے تھے کہ گھوڑا آلہ جہاد ہے اگر اس کو اس طرح ذبح کیا جائے تو میدان جہاد کمزور پڑ جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے آنے والی حضرت خالدؓ کی روایت نمبر ۲٦ سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن خالد بن الولیدؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن اکل لحوم الخیل

والبغال والحمیر"۔ (ابوداؤد ونسائی)

جواب

مذکورہ حدیث جائز مع الکراہۃ پر محمول ہے تاکہ دونوں حدیثوں میں تعارض نہ رہے۔ نیز یہ مسئلہ محرم اور مبیح کا ہے جس میں محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ بہر حال احناف کی کتاب کفایت المنتہی میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے انتقال سے تین دن پہلے اپنے اس قول سے صاحبین اور جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ درمختار میں بھی اسی طرح لکھا ہے کہ امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

گورخر کا گوشت حلال ہے

﴿۵﴾وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ رَأَى حِمَاراً وَحْشِيًّا فَعَقَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهِ شَيْءٌ قَالَ مَعَنَا رِجْلَهُ فَأَخَذَهُ فَأَكَلَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے گورخر دیکھا اور اس کو مار ڈالا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا گوشت کھانے کا مسئلہ پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ موجود ہے؟ ابوقتادہؓ نے کہا کہ ہمارے پاس اس کے پائے موجود ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پائے لے لئے اور اس کو کھایا۔ (بخاری ومسلم)

خرگوش حلال ہے

﴿۶﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أَنْفَجْنَا أَرْنَباً بِمَرِّ الظَّهْرَانِ فَأَخَذْتُهَا فَأَتَيْتُ بِهَا أَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَرِكِهَا وَفَخِذَيْهَا فَقَبِلَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم نے مقام مرالظہران میں شکار کے لئے ایک خرگوش کا تعاقب کیا چنانچہ میں نے دوڑ کر اس کو پکڑ لیا اور پھر اس کو ابوطلحہؓ کے پاس لایا۔ ابوطلحہؓ نے اس کو ذبح کیا اور اس کا ایک سرین اور دونوں رانیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"انفجنا" یعنی ہم نے خرگوش کا تعاقب کیا اس کو اس کے ٹھکانے سے برانگیختہ کر کے بھگا دیا "فقبله" آنحضرت کا قبول کرنا اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔

"ورکھا" ورک موٹی ران اور کولھے کو کہتے ہیں اور فخذ عام ران پر بولا جاتا ہے۔

گوہ حلال ہے یا حرام؟

﴿۷﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الضَّبُّ لَسْتُ آكُلُهُ وَلَا اُحَرِّمُهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوہ کو نہ میں کھاتا ہوں اور نہ اس کو حرام قرار دیتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الضب" اس کو گوہ بھی کہتے ہیں اور سانڈہ بھی کہتے ہیں اور گور پھوڑ بھی کہتے ہیں یہ عجیب حیوان ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ گوہ کے دو ذکر ہوتے ہیں اور سات سو سال تک اس کی عمر ہوسکتی ہے پانی کے قریب نہیں جاتی ہے صرف شبنم سے گذارہ کرتی ہے اور چالیس دن کے بعد ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے اور کبھی بھی اس کے دانت نہیں گرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طبعی کراہت کی وجہ سے اس کو نہیں کھایا دوسروں پر حرام نہیں کیا۔

چنانچہ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک گوہ کا گوشت حلال ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہؒ نے فصل ثانی میں عبدالرحمن بن شبل کی حدیث ۲۳ سے استدلال کیا ہے اور گوہ کھانے کو حرام کہا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نهی عن اکل لحم الضب" (ابوداؤد)

امام ابوحنیفہؒ اس روایت سے حلت کی روایات کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

﴿۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ أَحَرَامٌ الضَّبُّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِأَرْضِ قَوْمِيْ فَأَجِدُنِيْ أَعَافُهُ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهُ فَأَكَلْتُهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ اِلَيَّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان سے بیان کیا کہ ایک دن حضرت خالد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہؓ کے گھر گئے جو خالدؓ کی بھی خالہ تھیں اور حضرت ابن عباسؓ کی بھی وہاں ان کے پاس انہوں نے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت خالدؓ نے ایک گوہ بھنی ہوئی رکھی پائی۔ حضرت میمونہؓ نے اس گوہ کو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گوہ کی طرف سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت خالدؓ نے یہ دیکھا تو پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا گوہ حرام ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ یہ میری قوم کی زمین یعنی حجاز میں نہیں پائی جاتی اس لئے اس سے اپنے اندر طبعی کراہت محسوس کرتا ہوں۔ حضرت خالدؓ کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں نے اس گوہ کو اپنی طرف کھینچ لیا اور کھانے لگا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف دیکھتے رہے۔ (بخاری ومسلم)

"محنوذ" بھنی ہوئی گوہ "رفع" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا "اعافه" یعنی مجھے اس سے گھن آتی ہے۔ "اجتررته" میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور کھانے لگا اور حضور اتعجب سے دیکھتے رہے۔

مرغ کا گوشت کھانا حلال ہے

۹: وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

حدیث میں دیسی مرغ کی بات ہے اس وقت فارم کی مرغیاں نہیں تھیں فارم کے مرغوں کے بارہ میں۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ حلال ہیں بہت کم علماء بلکہ شاذ و نادر کسی عالم نے اس کو حرام کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ فارم کے مرغ اول سے آخر تک حرام غذا سے پلتے ہیں یہ جلالہ کے حکم میں ہیں لہٰذا حرام ہیں گوجرانوالہ کے مفتی محمد عیسیٰ مدظلہ اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں محتاط علماء ان مرغیوں کے گوشت کو نہیں کھاتے ہیں ہاں سفر حضرت تو سب کے نزدیک ہیں دیسی مرغ میں اختلاف ہے۔

ٹڈی کا کھانا جائز ہے

۱۰: وَعَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ كُنَّا نَأْكُلُ مَعَهُ الْجَرَادَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن ابی اوفیٰؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات جہاد کئے ہم ان موقعوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹڈی کھاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"نأكل معه" حدیث کی اکثر روایات میں معہ کا لفظ نہیں ہے اور جہاں یہ لفظ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہوئے صحابہ کرام نے تڈی کھائی ہے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تڈی نہیں کھائی نہ خود کھائی ہے نہ دوسروں پر حرام کیا ہے۔

عنبر مچھلی کا قصہ

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِيْدًا فَأَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا مَيْتًا لَمْ نَرَ مِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ نِصْفَ شَهْرٍ فَأَخَذَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهِ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ وَأَطْعِمُوْنَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَأَرْسَلْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ فَأَكَلَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جیش الخبط یعنی پتے جھاڑ کر کھانے والے لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے جانے والوں میں میں بھی شریک تھا حضرت ابوعبیدہؓ اس لشکر کے امیر سپہ سالار بنائے گئے چنانچہ جب ہم سخت بھوکے ہوئے تو سمندر نے ایک مری ہوئی مچھلی اپنے کنارے پر پھینک دی ہم نے اتنی بڑی مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس قسم کی مچھلی کو عنبر کہا جاتا تھا چنانچہ ہم نے اس میں سے آدھے مہینے تک بڑی فراخی کے ساتھ کھایا۔ پھر حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی یعنی اس کی ایک پسلی کھڑی کی تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ سوار بڑی آسانی سے گذر گیا اس کے بعد جب ہم مدینہ واپس آئے تو ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہم پہنچایا ہے اس کو کھاؤ یعنی تم نے یہ اچھا کیا کہ اس مچھلی کو کھایا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارا رزق بنا کر تمہارے لئے بہم پہنچایا تھا۔ اور اگر اس مچھلی میں کا کوئی حصہ تمہارے پاس باقی رہا ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ یہ بات گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دل خوش کرنے کے لئے اور اس مچھلی کے حلال ہونے کے حکم کو موکد کرنے کی غرض سے فرمائی تاکہ ان لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ وہ مچھلی اصل میں تو جائز نہیں تھی مگر ہماری اضطراری حالت کے پیش نظر اس کو ہمارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ ہم نے اس مچھلی کا کچھ حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کھایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الخبط" خ پر فتحہ ہے اور باساکن ہے اور دونوں پر زبر بھی پڑھا جاتا ہے خبط درخت کے پتوں کو کہتے ہیں چونکہ اس غزوہ میں لشکر اسلام نے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے تھے یہاں تک کہ سبز پتے بھی ختم ہوگئے اس لئے اس کا نام سریۃ الخبط اور جیش الخبط پڑ گیا اس کو سریۃ سیف البحر بھی کہتے ہیں یعنی ساحل سمندر کا سریہ مدینہ منورہ سے یہ جگہ پانچ راتوں کے فاصلہ

پرساحل سمندر میں واقع ہے تین سو صحابہ اس چھاپہ مار جنگ میں گئے تھے جن کے امیر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح تھے ۶ھ میں صلح حدیبیہ سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا ہے درختوں کے پتے کھا کھا کر صحابہ کے ہونٹ پھٹ گئے منہ زخمی ہو گئے اور قضائے حاجت مینگنیوں کی طرح ہوتی تھی آخر میں اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور ایک اژدھا وھیل مچھلی سمندر نے باہر پھینک دیا جس کا نام عنبر ہے بڑی ہونے کی وجہ سے اس کو دابۃ کے لفظ سے بھی یاد کیا گیا ہے ورنہ یہ مچھلی تھی جس طرح زیر بحث بخاری و مسلم کی حدیث میں اس کو حوت کہا گیا ہے۔ تین سو مجاہدین نے ایک ماہ تک کھایا بعض روایات میں ۱۵ دن تک اور بعض میں ۱۸ دن تک کھانے کا ذکر ہے اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جس نے جتنے عرصہ تک کھایا اسی کا ذکر کیا پورے لشکر نے پندرہ تک کھایا پھر جس کے پاس جتنا گوشت رہ گیا اس نے اتنے دن تک کھایا کسی نے اٹھارہ دن اور کسی نے ۳۰ دن تک کھایا برکت کی وجہ سے حضور اکرم نے بھی کھایا اور صحابہ کی خاطرداری بھی مقصود تھی اور جواز کا فتویٰ بھی مہیا فرما دیا صحابہ نے اس سے وافر مقدار میں تیل بھی حاصل کیا کشتیوں میں بھی استعمال کیا اور جسموں پر بھی مل لیا مچھلی کی آنکھ کے گھڑے میں ۹ آدمی بیٹھ جاتے تھے اور نظر نہیں آتے تھے پسلی کی ہڈی کے نیچے سے اونٹ سوار کو گذارا گیا۔

کھانے پینے کی اشیاء میں مکھی گر جائے تو کیا حکم ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي إِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ ثُمَّ لِيَطْرَحْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ شِفَاءً وَفِي الْآخَرِ دَاءً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں مکھی گر پڑے تو اسکو چاہیے کہ وہ اس پوری مکھی کو غوطہ دے اور پھر نکال کر پھینک دے کیونکہ اس مکھی کے دونوں پروں میں سے ایک پر میں شفاء ہے اور دوسرے پر میں بیماری ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

مکھی اگر چائے جیسی گرم اشیاء میں گر جائے اور پک جائے تو اس کھانے پینے کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے وہ تو طبعی اور عرفی طور پر قابل استعمال نہیں ہے گفتگو اس کھانے پینے میں ہے جو ٹھنڈا ہو جس میں مکھی گر کر پھنس جائے جیسے دودھ لسی شربت اور ٹھنڈے سالن میں مکھی گر جاتی ہے اس حدیث میں ایسی ہی صورت کے بارہ میں آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ مکھی کو اس میں ڈبو دو اور پھر نکال کر باہر پھینک دو ڈبونے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مکھی کے ایک پر میں زہر اور بیماری ہے اور دوسرے میں اس کا علاج اور شفاء ہے آگے فصل ثانی کی حدیث ۳۹ و ۴۰ میں یہ تفصیل ہے کہ مکھی شفا والے پر کو ڈوبنے سے بچاتی ہے تاکہ صرف بیماری اور جراثیم انسان میں داخل ہو جائیں لہذا تم پوری مکھی کو ڈبو دو تاکہ شفا بھی حاصل ہو جائے مکھی کے بائیں

پر میں بیماری ہے دوسرے میں شفاء ہے تجربہ شاہد ہے کہ بڑی مہارت سے مکھی ایک پر کو اوپر کی طرف اٹھائے رکھتی ہے صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس میں کوئی استبعاد نہیں کہ ایک ہی حیوان میں متضاد صفات جمع ہوں شہد کی مکھی میں شہد بھی ہے اور زہر بھی ہے بچھو کی کھال اس کے زہر کے لئے شفاء ہے تو زہر بھی ہے اور شفاء بھی ساتھ ہے۔

منجمد گھی وغیرہ میں چوہا گر جائے تو کیا حکم ہے؟

﴿۱۳﴾ وَعَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فَقَالَ أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ ایک چوہا گھی میں گر پڑا اور مر گیا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اس گھی کا کیا کیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی گھی کو کھاؤ۔ (بخاری)

توضیح

اگر مائع چیز میں چوہا وغیرہ گر کر مر جائے تو پورا مائع نجس ہو جائے گا اور اسے گرا کر ضائع کیا جائے گا۔ زیر بحث حدیث میں مائع چیز کا مسئلہ نہیں ہے مائع چیز کا مسئلہ فصل ثانی کی حدیث ۲۰ میں آ رہا ہے یہاں اس حدیث میں جامد گھی میں چوہا گرنے کا مسئلہ ہے جس کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرا ہوا چوہا ہٹا دو اور اس کے ارد گرد گھی کو بھی کاٹ کر ضائع کر دو اور باقی گھی استعمال کرو اس کی وجہ یہ ہے کہ جامد گھی کا صرف وہی حصہ نجس ہو جاتا ہے جس حصہ کے ساتھ مرا ہوا چوہا لگا ہے باقی حصہ پاک ہے۔

سانپ کو مار ڈالنے کا حکم

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ وَاقْتُلُوا ذَا الطُّفْيَتَيْنِ وَالْأَبْتَرَ فَإِنَّهُمَا يَطْمِسَانِ الْبَصَرَ وَيَسْتَسْقِطَانِ الْحَبَلَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَبَيْنَا أَنَا أُطَارِدُ حَيَّةً أَقْتُلُهَا نَادَانِي أَبُو لُبَابَةَ لَا تَقْتُلْهَا فَقُلْتُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ فَقَالَ إِنَّهُ نَهَى بَعْدَ ذٰلِكَ عَنْ ذَوَاتِ الْبُيُوتِ وَهُنَّ الْعَوَامِرُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عموماً تمام سانپوں کو مار ڈالو اور خصوصاً اس سانپ کو کہ جس کی پشت پر دو سیاہ دھاریاں ہوں اور اس سانپ کو کہ جس کو ابتر کہتے ہیں مار ڈالو کیونکہ

یہ دونوں قسم کے سانپ بینائی کو زائل کر دیتے ہیں۔ یعنی محض ان کو دیکھنے سے آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا سبب اس زہر کی خاصیت ہے جو ان سانپوں میں ہوتا ہے اسی طرح یہ دونوں سانپ حمل کو گرا دیتے ہیں یعنی اگر حاملہ عورت ان کو دیکھے تو اس زہر کی خاصیت کے سبب سے یا خوف و دہشت کی وجہ سے اس کا حمل گر جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن جبکہ میں ایک سانپ پر حملہ کر کے اس کو مار ڈالنے کے درپے تھا کہ ایک صحابی حضرت ابولبابہ انصاریؓ نے مجھ کو آواز دے کر کہا کہ اس کو مت مارو میں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا ہے حضرت ابولبابہؓ نے کہا لیکن آنحضرت نے اس عام حکم کے بعد گھر میں رہنے والے سانپوں کو مار ڈالنے سے منع فرما دیا تھا کیونکہ وہ گھر کو آباد کرنے والے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"ذالطفیتین" جس سانپ کی پشت پر دو سیاہ دھاریاں ہوں اس کو ذالطفیتین کہتے ہیں۔ "الابتر" یہ اس سانپ کو کہتے ہیں جس کی دم بالکل چھوٹی ہوتی ہے گلگت شتیال میں اس سانپ کو میں نے دیکھا ہے ایک بالشت سے کچھ لمبا ہوتا ہے دم نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ سانپ اگر کسی کو ڈنگ مارے تو آدمی فوراً مر جاتا ہے یہ دونوں قسم کے سانپ نہایت زہریلے ہوتے ہیں اگر حاملہ عورت اس کو دیکھے تو اس کے زہر کے اثر سے عورت کا حمل گر جاتا ہے اور اگر کوئی شخص اس کو دیکھے تو اس شخص کی بینائی جاتی ہے یہ اس کے زہر کی خاصیت ہے اس لئے اس کے مار ڈالنے کی بڑی تاکید کی گئی ہے "اطارد" سانپ کا پیچھا کرنا اور اس پر غالب آنے کے لئے اس کو بھگانا۔

"العوامر" یہ عامرۃ کی جمع ہے یعنی یہ سانپ گھروں میں رہتے ہیں اور گھروں کو آباد رکھتے ہیں ان کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں اس لئے ان کو عوامر کہا گیا۔ علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ جنات ہیں عوامر کا اطلاق جنات پر ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ گھروں میں اکثر و بیشتر جو سانپ رہتے ہیں وہ حقیقت میں جنات ہوتے ہیں جو سانپ کی صورت اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے اس کے قتل میں احتیاط کرنی چاہئے کہ مبادا کہیں وہ جن نہ ہو جس سے نقصان پہنچنے کا قوی خطرہ پیدا ہو اس حدیث کی مزید تفصیل اور لمبا قصہ آگے آ رہا ہے۔

گھر سے جنات بھگانے کا طریقہ

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي السَّائِبِ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ فَبَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ إِذْ سَمِعْنَا تَحْتَ سَرِيرِهِ حَرَكَةً فَنَظَرْنَا فَإِذَا فِيهِ حَيَّةٌ فَوَثَبْتُ لِأَقْتُلَهَا وَأَبُو سَعِيدٍ يُصَلِّي فَأَشَارَ إِلَيَّ أَنِ اجْلِسْ فَجَلَسْتُ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَشَارَ إِلَى بَيْتٍ فِي الدَّارِ فَقَالَ أَتَرَى هَذَا الْبَيْتَ فَقُلْتُ نَعَمْ فَقَالَ كَانَ فِيهِ

فَتًى مِنَّا حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ فَخَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْخَنْدَقِ فَكَانَ ذٰلِكَ الْفَتٰى يَسْتَأْذِنُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْصَافِ النَّهَارِ فَيَرْجِعُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَأْذَنَهٗ يَوْمًا فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ عَلَيْكَ سِلَاحَكَ فَاِنِّيْ اَخْشٰى عَلَيْكَ قُرَيْظَةَ فَاَخَذَ الرَّجُلُ سِلَاحَهٗ ثُمَّ رَجَعَ فَاِذَا امْرَاَتُهٗ بَيْنَ الْبَابَيْنِ قَائِمَةٌ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ لِيَطْعَنَهَا بِهٖ وَاَصَابَتْهُ غَيْرَةٌ فَقَالَتْ لَهُ اكْفُفْ عَلَيْكَ رُمْحَكَ وَادْخُلِ الْبَيْتَ حَتّٰى تَنْظُرَ مَا الَّذِيْ اَخْرَجَنِيْ فَدَخَلَ فَاِذَا بِحَيَّةٍ عَظِيْمَةٍ مُنْطَوِيَةٍ عَلَى الْفِرَاشِ فَاَهْوٰى اِلَيْهَا بِالرُّمْحِ فَانْتَظَمَهَا بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ فَرَكَزَهٗ فِي الدَّارِ فَاضْطَرَبَتْ عَلَيْهِ فَمَا يُدْرٰى اَيُّهُمَا كَانَ اَسْرَعَ مَوْتًا اَلْحَيَّةُ اَمِ الْفَتٰى قَالَ فَجِئْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرْنَا ذٰلِكَ لَهٗ وَقُلْنَا ادْعُ اللّٰهَ يُحْيِيْهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِكُمْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ لِهٰذِهِ الْبُيُوْتِ عَوَامِرَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهَا شَيْئًا فَحَرِّجُوْا عَلَيْهَا ثَلَاثًا فَاِنْ ذَهَبَ وَاِلَّا فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّهٗ كَافِرٌ وَقَالَ لَهُمْ اذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ جِنًّا قَدْ اَسْلَمُوْا فَاِذَا رَاَيْتُمْ مِنْهُمْ شَيْئًا فَاٰذِنُوْهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ بَدَا لَكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاقْتُلُوْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سائبؒ جو حضرت ہشام ابن زہرہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور تابعی ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت ابوسعید خدریؓ کے پاس ان کے گھر گئے چنانچہ جبکہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہم نے ابوسعیدؓ کے تخت کے نیچے ایک سرسراہٹ سنی ہم نے دیکھا تو وہاں ایک سانپ تھا میں اس کو مارنے کے لئے جھپٹا مگر حضرت ابوسعیدؓ نے جو نماز پڑھ رہے تھے مجھ کو اشارہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں میں بیٹھ گیا جب حضرت ابوسعید نماز پڑھ چکے تو انہوں نے مکان کے ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ کیا تم نے اس کمرے کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں پھر حضرت ابوسعیدؓ نے کہا کہ اس کمرے میں ہمارے خاندان کا ایک نوجوان رہا کرتا تھا جس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی حضرت ابوسعیدؓ نے کہا کہ ہم سب لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ خندق میں گئے جس کا محاذ مدینہ کے مضافات میں قائم کیا گیا تھا یہ نوجوان روزانہ دوپہر کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر جانے کی اجازت مانگ لیا کرتا تھا کیونکہ دلہن کی محبت اس کو اس پر مجبور کرتی تھی چنانچہ اجازت ملنے پر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس چلا جاتا اور رات گھر میں گذار کر صبح کے وقت پھر آ کر مجاہدین میں شامل ہو جاتا ایک دن حسب معمول اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ اپنے ہتھیار اپنے ساتھ رکھو۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بنوقریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں۔ بنوقریظہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو اس موقع پر قریش مکہ کا حلیف بن کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک تھا اس نوجوان نے ہتھیار لے لئے اور اپنے گھر کو روانہ ہو گیا جب وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس

کی بیوی گھر کے دونوں دروازوں میں یعنی اندر اور باہر کے دروازے کے درمیان کھڑی ہے تو جوان نے عورت کو مار ڈالنے کے لئے اس کی طرف نیزہ اٹھایا کیونکہ یہ دیکھ کر کہ اس کی بیوی باہر کھڑی ہے اس کو بڑی غیرت آئی لیکن عورت نے اس سے کہا کہ اپنے نیزے کو اپنے پاس روک لو اور ذرا گھر میں جا کر دیکھو کہ کیا چیز میرے باہر نکلنے کا سبب ہوئی ہے یہ سن کر وہ نوجوان گھر میں داخل ہوا وہاں یکبارگی اس کی نظر ایک بڑے سانپ پر پڑی وہ سانپ پر جھپٹا اور اس کو نیزہ میں پرولیا پھر اندر سے نکل کر باہر آیا اور نیزے کو گھر کے صحن میں گاڑ دیا۔ سانپ نے تڑپ کر نوجوان پر حملہ کیا پھر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ دونوں میں سے پہلے کون مرا سانپ یا نوجوان یعنی وہ دونوں اس طرح ساتھ مرے کہ یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ پہلے کس کی موت واقع ہوئی۔ حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہ ماجرا بیان کر کے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ اس نوجوان کو ہمارے لئے زندہ کر دے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ساتھی اور رفیق کے لئے مغفرت طلب کرو۔ اور پھر فرمایا کہ مدینہ کے ان گھروں میں عوامر یعنی جنات رہتے ہیں جن میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی لہذا جب تم ان میں سے کسی کو سانپ کی صورت میں دیکھو تو تین بار یا تین دن اس پر تنگی اختیار کرو پھر اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اس کو مار ڈالو کیونکہ اس صورت میں یہی سمجھا جائے گا کہ وہ جنات میں کافر ہے پھر آپ نے انصار سے فرمایا کہ جاؤ اپنے ساتھی کی تکفین و تدفین کرو۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے فرمایا مدینہ میں کچھ جن ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو مسلمان ہو گئے ہیں ان میں سے جب تم کسی کو سانپ کی صورت میں دیکھو تو تین دن اس کو خبردار کرو پھر تین دن کے بعد بھی اگر وہ دکھائی دے تو اس کو مار ڈالو کہ وہ شیطان ہے۔ (مسلم)

توضیح

"یحییہ لنا" صحابہ کی یہ درخواست اس لئے نہیں تھی کہ مرا ہوا صحابی زندہ ہو جائے بلکہ ان کا خیال تھا کہ شاید یہ زندہ ہے سانپ کے زہر کی وجہ سے بیہوش ہوگیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ باتیں چھوڑ دو وہ مرگیا ہے ان کے لئے استغفار کرو۔ **"عوامر"** یعنی سانپوں کی شکل میں جنات ہیں جو گھروں میں آباد ہیں۔ **"فحرجوا علیها"** یعنی اس سے کہو کہ اب تم تنگی اور گھیرے میں ہو اب نکلنے کی کوشش نہ کرو اگر پھر نکل آیا تو ہم تجھ پر حملہ کر کے قتل کر دیں گے اب تیری مرضی ہے رہو یا جاؤ۔ ایک روایت میں آنحضرت نے فرمایا کہ جب گھر میں سانپ نظر آجائے تو ان سے یہ کہو **"انشدکم بالعهد الذی اخذ علیکم سلیمان بن داؤد لاتوذونا لاتظهروا لنا"**۔ تین دن تک یہ عمل کیا جائے اگر وہ مسلمان جن ہوگا تو چلا جائے گا اور اگر نہیں گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کافر جن ہے اب اس سانپ کو مار دو کیونکہ اب وہ شیطان بن چکا ہے کہ حقیقت میں ابلیس ہے یا حقیقت میں سانپ ہے یا کافر جن ہے ان سب کا مارنا جائز ہے۔

چھپکلی کو مارڈالنے کا حکم

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أُمِّ شَرِيكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَقَالَ كَانَ يَنْفُخُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ام شریکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ گرگٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ پھونکتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الــوزغ" اس کی جمع اوزاغ ہے چھپکلی کو کہتے ہیں منجد نے جو تصویر دی ہے وہ بھی چھپکلی کی ہے مصباح اللغات میں بھی اس کا ترجمہ چھپکلی لکھا ہے مظاہر حق نے اس کا ترجمہ گرگٹ سے کیا ہے جو محل تامل ہے۔ چھپکلی بہت زہریلا حیوان ہے اگر کھانے میں گر جائے تو اس سے سب کھانے والے مرجائیں گے یہ شاذ ونادر کسی کو کاٹتا ہے لیکن کاٹتے ہی آدمی مرجاتا ہے میں نے ایک دفعہ دیکھا کہ اس نے ایک طوطے کو دربہ کے باہر سے ڈس لیا ادھر ڈسنا تھا ادھر طوطے کا گر کر مرجانا تھا یہ طبعی طور پر شرارتی ہے اگرچہ خاموش لگتا ہے نمک میں پھونک مارتا ہے یا اس میں لوٹ پوٹ جاتا ہے تاکہ اس نمک کے استعمال سے انسان برص کا بیمار بن جائے اس نے اسی طبعی شرارت اور بدبختی کے اظہار کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھڑکائی ہوئی نمرود کی آگ میں پھونک ماردیا ورنہ اس کی پھونک سے کیا اثر پڑسکتا تھا صرف عداوت کا اظہار کیا اس لئے اسلام میں اس کے مارنے پر یہ انعام ملتا ہے کہ اگر ایک وار میں مرگئی تو ایک صاع صدقے کا ثواب ملتا ہے اور اگر زیادہ وار میں مرگئی تو نصف صاع صدقے کا ثواب ملتا ہے یہ ایک وار میں اکثر نہیں مرتی ہے ہاں اس کے لئے غلیل یا ایئر گن بہترین اسلحہ ہے فوراً مرجاتا ہے حضرت عائشہؓ گھر میں اس کے مارنے کے لئے دو ڈنڈے رکھتی تھیں ایک گھر کے صحن میں ایک اندر کمرے میں رکھتی تھیں انڈے کے خول رکھنے سے چھپکلی بھاگتی ہے۔ ساتھ والی حدیث میں بھی چھپکلی کے مارڈالنے کا حکم بیان کیا ہے اور اس کے بعد حدیث ۱۸ میں اس کے مارنے پر سونیکیوں کے ثواب ملنے کا بیان ہے بشرطیکہ مارنے والا اول پوزیشن حاصل کرے دوسرے نمبر والے کو ۵۰ اور تیسرے نمبر والے کو ۲۰ درجے کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِقَتْلِ الْوَزَغِ وَسَمَّاهُ فُوَيْسِقًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت سعد ابن ابو وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کو مارڈالنے کا حکم دیا اور اس کا نام فویسق رکھا۔ (مسلم)

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ وَزَغاً فِي أَوَّلِ ضَرْبَةٍ كُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَفِي الثَّانِيَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ وَفِي الثَّالِثَةِ دُوْنَ ذٰلِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گرگٹ کو ایک ہی وار میں مار ڈالے اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی دوسرے وار میں اس سے کم اور تیسرے وار میں اس سے بھی کم نیکیاں لکھی جائیں گی (مسلم)

چیونٹی کو مارنے کا مسئلہ

﴿۱۹﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَصَتْ نَمْلَةٌ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فَأَمَرَ بِقَرْيَةِ النَّمْلِ فَأُحْرِقَتْ فَأَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيْهِ أَنْ قَرَصَتْكَ نَمْلَةٌ أَحْرَقْتَ أُمَّةً مِنَ الْأُمَمِ تُسَبِّحُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے جو انبیاء پہلے گذر چکے ہیں ان میں سے کسی نبی کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا انہوں نے چیونٹیوں کے بل کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو جلا دیا جائے چنانچہ بل کو جلا دیا گیا تب اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی نازل کی تمہیں ایک چیونٹی نے کاٹا تھا اور تم نے جماعتوں میں سے ایک جماعت کو جلا ڈالا جو تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"نبیا" بعض نے کہا کہ یہ حضرت موسیٰ تھے بعض نے حضرت داؤد علیہ السلام کا نام لکھا ہے۔ (مرقات)

مرقات میں لکھا ہے کہ اس نبی نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ ایک قوم میں نیک اور بد ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں لیکن جب تیرا عذاب آتا ہے تو نیک اور بد سب لپیٹ میں آجاتے ہیں حالانکہ سب مجرم نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعہ سے ان کو سمجھانا چاہا تو وہ نبی درخت کے نیچے سو گئے ایک چیونٹی نے کاٹا آپ نے سب کے بل جلا ڈالے اللہ تعالیٰ نے بطور عتاب پوچھا کہ سب کو جلا دیا حالانکہ ایک نے کاٹ لیا تھا اس میں اشارہ تھا کہ کبھی امتیاز مشکل ہو جاتا ہے تو سب کو مارنا پڑتا ہے اس نبی کے جلا ڈالنے پر عتاب نہیں ہوا بلکہ سب کے مار ڈالنے پر عتاب ہوا لیکن یہ ان کی شریعت تھی ہماری شریعت میں چیونٹی کھٹمل جوئیں وغیرہ کو جلانا جائز نہیں ہے کسی اور طریقے سے مارنا چاہئے۔ جس چیونٹی نے ایذا پہنچائی ہے بطور سزا اس کا مارنا جائز ہے مگر جلانا یا سب کا مارنا جائز نہیں ہے چیونٹیوں کے بھگانے کا ایک عمل مرقات میں لکھا ہے کہ آدمی کرسی پر بیٹھ جائے اور چیونٹی کو مخاطب کر کے اللہ کی حمد وثنا کے بعد یہ وظیفہ پڑھے "اِنِّيْ أُحَرِّجُ عَلَيْكُنَّ إِلَّا خَرَجْتُنَّ مِنْ دَارِيْ فَإِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ تُقْتَلْنَ فِيْ دَارِيْ"۔

الفصل الثانی

مائع گھی میں چوہے کے گر جانے کا مسئلہ

﴿۲۰﴾عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِداً فَأَلْقُوْهَا وَمَاحَوْلَهَا وَاِنْ كَانَ مَائِعاً فَلَاتَقْرَبُوْهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ

حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گھی میں چوہا گر جائے اور مر جائے اور وہ گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو اور اس کے چاروں طرف کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور باقی گھی کھانے کے مصرف میں لاؤ۔ اور اگر وہ گھی پتلا یعنی پگھلا ہوا ہو تو پھر اس کے نزدیک بھی مت جاؤ یعنی اس کو مطلقاً نہ کھاؤ۔ احمد، ابوداؤد، اور دارمیؒ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"مائعاً" اگر گھی وغیرہ جامد ہو تو اس کا مسئلہ اس سے پہلے حدیث ۱۳ کے تحت لکھا گیا ہے یہاں مائع چیز کا مسئلہ ہے یعنی اگر گھی وغیرہ پگھلا ہوا ہو اور اس میں چوہا وغیرہ گر کر مر جائے تو سارا مائع نجس ہو جائے گا اور اس کا کھانا حرام ہو جائے گا یہ اتفاقی مسئلہ ہے اب اس قسم کی مائع چیز کے کھانے اور فروخت کرنے کے علاوہ کسی استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں بعض علماء کے نزدیک مطلقاً اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے بلکہ اس کو ضائع کرنا لازم ہے۔ بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس قسم کے گھی اور تیل وغیرہ کو چراغ میں استعمال کیا جاسکتا ہے کشتیوں میں پر ملا جاسکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول اسی طرح ہے اور امام شافعیؒ کا مشہور قول بھی اسی طرح ہے اگر چہ کراہت کے ساتھ ہے۔

﴿۲۱﴾وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ أَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارَى. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حباری کا گوشت کھایا ہے۔ (ابوداؤد)

حباری کا ترجمہ تدری تغذری اور سرخاب سے کیا جاتا ہے یہ ایک پرندہ ہے حلال ہے اگر چہ احمق ہے۔

غلاظت کھانے والے حیوان کا حکم

﴿۲۲﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ نَهَى عَنْ رُكُوْبِ الْجَلَّالَةِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا ہے ترمذی۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جلالہ پر سوار ہونے سے منع فرمایا ہے۔

توضیح

جو گائے وغیرہ انسانی غلاظت کھانے کی عادت رکھتی ہو اس کو جلاّلہ کہا جاتا ہے لام پر شد ہے اگر عادت نہ ہو کبھی کبھی دل لگی کے لئے کھاتی ہے تو وہ جلالہ نہیں ہے۔ جلالہ جانور کے گوشت اور اس کے دودھ کے استعمال کو اس حدیث میں ممنوع قرار دیا گیا ہے ہاں اگر دس دن تک باندھ لیا گیا پھر جائز ہے اس قسم کی مرغی کا حکم یہ ہے کہ تین دن تک باندھ لیا جائے جلالہ پر سواری کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس کا پسینہ بوجہ گوشت ناپاک ہے۔

گوہ کا گوشت کھانا حرام ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ أَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت عبدالرحمن ابن شبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد)

شاید ابتدا میں گوہ کا گوشت کھانا حلال تھا پھر اس حدیث سے ممانعت آئی پہلا حکم منسوخ ہو گیا احناف کا یہی مسلک ہے۔ مبیح اور محرم میں محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

بلی کا گوشت حرام ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ أَكْلِ الْهِرَّةِ وَأَكْلِ ثَمَنِهَا. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی کا گوشت اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح

بلی کا گوشت کھانا سب کے نزدیک حرام ہے چین کے لوگ جنگلی وغیرہ بلیوں کا گوشت کھاتے ہیں جس سے ان کو نمونیہ قسم کے وبائی امراض کا سامنا ہوتا ہے البتہ بلی کو فروخت کرنا اور اس کا پیسہ استعمال کرنا احناف کے ہاں جائز ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک گھٹیا پیشہ ہے اور مسلمان کو گھٹیا پیشے سے اجتناب مناسب ہے۔

پالتو گدھے، خچر اور درندوں کا گوشت حرام ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ الْحُمُرَ الْاِنْسِيَّةَ وَلُحُوْمَ الْبِغَالِ وَكُلَّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلَّ ذِيْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھر میں پلے ہوئے گدھوں، خچروں اور ہر کچلی والے درندے اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندے کا گوشت حرام قرار دیا تھا۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

تشریح وتوضیح حدیث ۲۶ باب الصید میں گذر چکی ہے۔

گھوڑے کا گوشت کھانا منع ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت خالد بن ولیدؓ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

تفصیل گذر چکی ہے "باب ما يحل اكله وما يحرم" کے تحت حدیث ۴ کو دیکھ لیا جائے۔ زیر بحث حدیث امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے موافق ہے امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے۔

بلاوجہ معاہد کا مال لینا حرام ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَاَتَتِ الْيَهُوْدُ فَشَكَوْا اَنَّ النَّاسَ قَدْ اَسْرَعُوْا اِلٰى حَظَائِرِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَحِلُّ اَمْوَالُ الْمُعَاهِدِيْنَ اِلَّا بِحَقِّهَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت خالد بن ولیدؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کے دن جہاد میں شریک تھا ایک موقع پر یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور یہ شکایت کی کہ لوگوں نے ان کی کھجوروں کی طرف جلد روی اختیار کی ہے یعنی مسلمانوں نے ہمارے کھجور کے درختوں پر سے پھل توڑ لئے ہیں جبکہ ہم معاہد ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ان لوگوں کا مال حلال نہیں ہے جن سے عہد وپیمان ہو چکا ہے علاوہ اس حق کے جو اس مال سے متعلق ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

اگر معاہد ذمی ہے تو اس پر جزیہ ہے حق جزیہ کے علاوہ اس کا مال دبانا حرام ہے اور اگر معاہد مستامن ہے تو اس کے اموال تجارت سے راستے کا جو ٹیکس لیا جاتا ہے وہ عشر کہلاتا ہے اس کے علاوہ اس سے کچھ لینا ظلم ہے۔

"خضائر" یہ خضیرۃ کی جمع ہے کھجور کے اس باغ کو کہتے ہیں جس کی کچی کھجوروں میں سبز رنگ پھیل گیا ہو یعنی پکنے کے قریب ہوں اسی وجہ سے یہ لفظ خضرۃ کے مادہ سے بنایا گیا ہے۔

مچھلی، ٹڈی کلیجی اور تلی حلال ہے

﴿۲۸﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ الْمَیْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ الْکَبِدُ وَالطِّحَالُ. رَوَاہُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجہ وَالدَّارُ قُطْنِی

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لئے دو بغیر ذبح کے مری ہوئی چیزیں اور دو خون حلال ہیں۔ دو بغیر ذبح کے مری ہوئی چیزیں تو مچھلی اور ٹڈی ہیں اور دو خون کلیجی اور تلی ہیں کہ یہ دونوں اصل میں بستہ خون ہیں نہ کہ گوشت۔ (احمد، ابن داؤدؒ، دار قطنیؒ)

توضیح

"المیتتان" یعنی ذبح کے بغیر حلال ہے اسی اعتبار سے اس کو میتتان کہا گیا "دمان" دوخون سے مراد کلیجی اور تلی ہے اس کو اگر دبایا جائے اور انگلیوں میں مسل دیا جائے تو یہ خالص خون بن جاتا ہے لیکن یہ دونوں خون حلال ہیں باقی سب حرام ہیں۔

سمک طافی کا حکم

﴿۲۹﴾وَعَنْ أَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاأَلْقَاہُ الْبَحْرُ وَجَزَرَعَنْہُ الْمَاءُ فَکُلُوْہُ وَمَا مَاتَ فِیْہِ وَطَفَا فَلَا تَأْکُلُوْہُ. رَوَاہُ أَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجہ وَقَالَ مُحْیِ السُّنَّۃِ الْأَکْثَرُوْنَ عَلٰی أَنَّہٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰی جَابِرٍ

اور حضرت ابوزبیرؒ حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مچھلی کو دریا نے کنارے پر پھینک دیا ہو۔ یا پانی سے اس کا ساتھ چھوٹ گیا ہو یعنی دریا کا پانی بالکل خشک ہو گیا ہو یا کسی دوسری طرف چلا گیا ہو تو اس مچھلی کو کھالو، اور جو مچھلی دریا میں مر کر پانی کے اوپر آجائے اس کو مت کھاؤ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ اکثر محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ یہ حدیث حضرت جابرؓ پر موقوف ہے یعنی ان کے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت جابرؓ کا اپنا قول ہے۔

توضیح

"او جزر عنه الماء" اگر سمندر وغیرہ پانی میں کسی صدمہ یا ٹکراؤ یا کسی آفت سے مچھلی ماری گئی اور وہ مرگئی اور پانی کے اوپر آگئی تو وہ سب کے نزدیک حلال ہے یا سمندر نے کنارہ پر پھینک دیا یا کثیر پانی کے ساتھ ایک مقام پر مچھلی آگئی اور پانی واپس چلا گیا مچھلی خشکی میں رہ گئی اور مرگئی تو سب کے نزدیک یہ مچھلی حلال ہے لیکن اگر سمندر اور دریا کے اندر مچھلی خود بخود مرگئی کسی خارجی سبب سے نہیں مری اور الٹ کر پانی پر آگئی تو اس کے کھانے میں اختلاف ہے۔شوافع اور مالکیہ کے نزدیک یہ حلال ہے چاہے جس وجہ سے مری ہو مگر امام ابوحنیفہؒ اس طافی کو حرام قرار دیتے ہیں زیر بحث حدیث احناف کی دلیل ہے اور جمہور حضرات بلا دلیل ہیں البتہ وہ احناف کی دلیل کو کمزور کرتے ہیں کہ محی السنۃ نے کہا ہے کہ اکثر کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے۔ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ موقوف ہونا ہمارے استدلال کے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے احکام پر مشتمل حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔مچھلی کا پتہ اتنا کمزور ہے کہ معمولی تیز آواز سے پھٹ جاتا ہے اسی لئے آسمان کے گرجنے سے یا دریا پر آسمانی بجلی گرنے سے یا ڈائنامائٹ کے اڑنے سے مچھلیاں مر کر پانی کے اوپر آجاتی ہیں شکاری لوگ ایسا کرتے ہیں اور پھر پکڑتے ہیں۔

ٹڈی کا حکم

﴿۳۰﴾وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَرَادِ فَقَالَ أَكْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰهِ لَا آكُلُهُ وَلَا أُحَرِّمُهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ ضَعِيْفٌ

اور حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹڈی کے کھانے اور اس کی حقیقت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹڈیاں اللہ تعالیٰ کا پرندوں میں سب سے بڑا لشکر ہیں۔نہ تو میں اس کو کھاتا ہوں کیونکہ طبعاً مجھے کراہت محسوس ہوتی ہے اور نہ دوسروں پر شرعاً اس کو حرام قرار دیتا ہوں کیوں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے یہ حدیث گذری ہے۔ابوداؤد۔اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

توضیح

"جنود الله" اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اڑنے والی مخلوق میں سب سے زیادہ ٹڈیاں ہیں اور اس کا لشکر سب سے بڑا ہے اور قیامت سے پہلے اس کا گم ہو جانا قیامت کی علامات میں سے ہے بعض ملکوں میں بڑی بڑی ٹڈیاں ہوتی ہیں اس لئے اگر کوئی

صاف کر کے اسے کھاتا ہے تو کھانا جائز ہے اگرچہ آنحضرت نے نہیں کھائی۔

مرغ سحر کو برا نہ کہو

﴿۳۱﴾ وَعَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سَبِّ الدِّيْكِ وَقَالَ اِنَّهٗ يُؤَذِّنُ لِلصَّلَاةِ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ مرغ نماز کے لئے آگاہ کرتا ہے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

صبح کے وقت لوگ سوتے ہیں تنگ گھر میں جب مرغ سحر اذان دیتا ہے تو گھر والا بعض دفعہ پریشان ہو کر گالیاں دیتا ہے کیونکہ مرغ نصف آخر میں اذان کا ایک دور چلاتا ہے پھر سحری کے وقت دوسرا دور چلاتا ہے اور لوگوں کو سحری اور تہجد کے لئے اٹھاتا ہے پھر آخری دور میں فجر کی نماز کے لئے اٹھاتا ہے مرغ آسمانی نظام سے وابستہ رہتا ہے اوپر جب فرشتے متحرک ہو جاتے ہیں تو وہاں سے مرغ کا رابطہ قائم ہو جاتا ہے پھر اذان دیتا ہے اس لئے اس کو گالیاں دینا ایک پاکیزہ نظام کو گالیاں دینے کے مترادف ہے لہٰذا منع ہے سعدی بابا نے کہا۔

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیا موز
کاں سوختہ را جاں شد آواز نیامد

اے مرغ سحر پروانہ سے عشق سیکھو فضول چلاتے اور شور کرتے ہو دیکھو پروانہ نے خاموش زبان سے جان کی بازی لگادی یاد رکھو اس مرغ سے آج کل کے فارمی مرغ مراد نہیں ہے جس کو اذان دینے کا وقت ہی معلوم نہیں مغرب وعشاء کے بعد اذان دیتا رہتا ہے کیونکہ انسان کا مصنوعی ہاتھ اس کی تخلیق میں شامل ہو گیا مرغ کو وقت کا پتہ نہیں اور مرغی کو چوزہ نکالنے کا پتہ نہیں۔

﴿۳۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الدِّيْكَ فَاِنَّهٗ يُوْقِظُ لِلصَّلَاةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرغ کو برا نہ کہو کیوں کہ وہ نماز کے لئے جگاتا ہے۔ (ابوداؤد)

گھر میں اگر سانپ نظر آئے تو کیا کیا جائے

﴿۳۳﴾وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ لَيْلٰى قَالَ قَالَ أَبُوْلَيْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ظَهَرَتِ الْحَيَّةُ فِي الْمَسْكَنِ فَقُوْلُوْا لَهَا إِنَّا نَسْأَلُکَ بِعَهْدِ نُوْحٍ وَبِعَهْدِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ أَنْ لَاتُؤْذِيَنَا فَإِنْ عَادَتْ فَاقْتُلُوْهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابولیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابولیلیٰ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گھر میں سانپ نکلے تو اس کے سامنے کہا جائے کہ ہم تجھ سے حضرت نوح کے عہد اور حضرت سلیمان ابن داؤد کے عہد کا واسطہ دے کر یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں ایذاء نہ پہنچا اگر اس کے بعد وہ پھر نظر آئے تو اس کو مار ڈالو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

یہ ایک قسم کا وظیفہ بھی ہے اور سانپ کو ایک معاہدہ یاد دلانا بھی ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام نے سانپ کو کشتی نوح میں ڈال دیا تو سانپوں کی نسل باقی رہی ورنہ ختم ہو جاتی اور سلیمان علیہ السلام کا عہد اس لئے کہ آپ کی تو سانپوں پر حکومت تھی ان سے باتیں ہوتی تھیں۔

انتقام کے خوف سے سانپ کو نہ مارنا گناہ ہے

﴿۳۴﴾وَعَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَاأَعْلَمُهُ إِلَّا رَفَعَ الْحَدِيْثَ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا کہ حضرت ابن عباسؓ نے بطریق مرفوع یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص بدلہ لینے اور انتقام کے خوف سے ان سانپوں کو مارنا چھوڑ دے تو وہ ایک موذی کو نہ مارنے اور قضاء وقدر الٰہی پر بھروسہ نہ کرنے کے سبب ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے راستے پر گامزن نہیں ہے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"ثائر" انتقام کو ثار کہتے ہیں یعنی انتقام کے خوف سے سانپ کو نہیں مارتا ہے عرب کا جاہلیت کے دور میں ایک غلط عقیدہ تھا وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے سانپ کو مار دیا تو اس کا ساتھی ضرور آکر اس مارنے والے سے انتقام لیتا ہے اگر نر کو مارا ہے تو مادی انتقام کے لئے آتی ہے اور اگر مادی کو مارا ہے تو نر انتقام لیتا ہے چونکہ یہ غلط عقیدہ اوہام پرستی پر مبنی تھا اس لئے حضور اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ ایسا عقیدہ جو رکھیگا وہ آدمی ہم میں سے نہیں ہے یعنی اگر چہ وہ باقی اسلام پر قائم ہے لیکن اس خاص شعبہ میں وہ اسلام کے طریقہ پر نہیں ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ شخص کافر ہوگیا۔

جب سے جنگ چھڑ گئی ہے صلح ہوئی ہی نہیں

﴿۳۵﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاسَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سے ہم نے سانپوں سے لڑائی شروع کی ہے اس وقت سے ہم نے ان سے مصالحت نہیں کی ہے لہٰذا جو شخص ان سانپوں میں سے کسی سانپ کو اس خوف کی وجہ سے مارنے سے باز رہے کہ خود وہ سانپ یا اس کا جوڑا نقصان پہنچائے گا اور بدلہ لے گا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔(ابوداؤد)

توضیح

یعنی طبعًا دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں سانپ کا خیال ہے کہ مجھے جب بھی انسان دیکھے گا سر کچل دیگا لہٰذا یہ میرا دشمن ہے انسان سوچتا ہے کہ جونہی سانپ پر پاؤں پڑ گیا وہ ڈنگ مار کر تڑپا دیگا اس لئے دونوں طرف سے پکی دشمنی ہے اور جب سے دشمنی لگی ہے کبھی صلح نہیں ہوئی ہے کچھ ضعیف روایات میں ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکلنے کے بعد پھر اندر لے جانے والا سانپ تھا پھر ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور حضرت آدم کو جنت سے نکالا اگر ایسا ہے تو یقینًا یہ پکی جنگ ہے۔

﴿۳۶﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَأْرَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام سانپوں کو قتل کر دو اور اگر کوئی شخص ان کے انتقام کے خوف زدہ ہوا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔(ابوداؤد، نسائی)

زمزم کے کنوئیں میں سانپ

﴿۳۷﴾وَعَنِ الْعَبَّاسِ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نُرِيْدُ أَنْ نَكْنِسَ زَمْزَمَ وَإِنَّ فِيْهَا مِنْ هٰذِهِ الْجِنَّانِ يَعْنِي الْحَيَّاتِ الصِّغَارَ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلِهِنَّ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم زمزم کے کنوئیں کی صفائی کرنا چاہتے ہیں لیکن اس میں سانپ یعنی چھوٹے سانپ ہیں؟ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سانپوں کو مار ڈالنے کا حکم دیدیا۔(ابوداؤد)

توضیح

چونکہ زمزم کے کنوئیں کی صفائی کی ضرورت تھی اور مشکل یہ پیش آرہی تھی کہ وہاں چھوٹے چھوٹے سانپ تھے اس کے مارے جانے کا خطرہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مارو اب مجبوری ہے کیونکہ اس کے بغیر صفائی ممکن نہیں تو اس حدیث کا عوامر کو نہ مارنے والی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

گھریلو سفید سانپوں کو نہ مارو

﴿۳۸﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهَا اِلَّا الْجَانَّ الْأَبْيَضَ الَّذِيْ كَأَنَّهُ قَضِيْبُ فِضَّةٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام سانپوں کو مارو علاوہ جان یعنی سفید چھوٹے سانپ کے جو چاندی کی چھڑی کی طرح ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

مکھی کی شرارت کو دیکھو

﴿۳۹﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِيْ اِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِيْ أَحَدِ جَنَاحَيْهِ دَاءً وَفِي الْآخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهُ يَتَّقِيْ بِجَنَاحِهِ الَّذِيْ فِيْهِ الدَّاءُ فَلْيَغْمِسْهُ كُلَّهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کے برتن میں کہ جس میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دو کیونکہ اس کے ایک بازو میں بیماری ہے اور دوسرے بازو میں شفاء اور مکھی کسی چیز میں پہلے اپنے اسی بازو کو ڈالتی ہے جس میں بیماری ہے لہٰذا پوری مکھی کو غوطہ دینا چاہیے تا کہ شفاء والے بازو سے ان جراثیم کا دفعیہ ہو جائے جو بیمار والے بازو کی وجہ سے کھانے پینے کی چیز میں پہنچ گئے ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"یتقی" یہ تقویٰ سے ہے بچنے کے معنی میں ہے یعنی مکھی اپنے دائیں پر کو ڈوبنے سے بچاتی ہے وہ اس طرح کہ دائیں پر کو اٹھائے رکھتی ہے اور بائیں کو ڈبوتی ہے اس میں مکھی کی یہ شرارت ہوتی ہے کہ بائیں پر کے جراثیم کو دودھ وغیرہ میں چھوڑتی ہے اور شفاء والے پر کو الگ رکھتی ہے تا کہ ان جراثیم کا خاتمہ نہ ہو جائے آنحضرت نے فرمایا اس کو ڈبو دو تا کہ شفا والا پر بھی ڈوب جائے اور جراثیم رفع ہو جائے۔ بعض شارحین نے یتقی کا ترجمہ یہ بھی کیا ہے کہ مکھی زہر والے پر کو مقدم کرتی ہے وہ

حضرات کہتے ہیں کہ لغت سے ثابت ہے کہ یتقی یقدم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس چھوٹی سی مکھی کی شرارت کو دیکھو اور اس کی عدوات کو دیکھو۔

﴿۴۰﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِي الطَّعَامِ فَامْقُلُوْهُ فَإِنَّ فِي أَحَدِ جَنَاحَيْهِ سَمًّا وَفِي الْاٰخَرِ شِفَاءً وَإِنَّهُ يُقَدِّمُ السَّمَّ وَيُؤَخِّرُ الشِّفَاءَ. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے غوطہ دے لو کیونکہ اس کے ایک بازو میں زہر ہے اور دوسرے بازو میں شفا ہے اور مکھی اپنے زہر والے بازو کو پہلے ڈالتی ہے اور پھر شفاء والے بازو کو۔ (شرح السنۃ)

چار قسم کے جانوروں کا مارنا منع ہے

﴿۴۱﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِنَ الدَّوَابِّ النَّمْلَةُ وَالنَّحْلَةُ وَالْهُدْهُدُ وَالصُّرَدُ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا ہے چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور کلچڑی۔ (ابوداؤد، دارمی)

توضیح

"النملة" یعنی غیر مضر چیونٹی کا مارنا منع ہے "نحلة" شہد کی مکھی ایک مبارک حیوان ہے اور مبارک شہد تیار کرتا ہے "الھدھد" یہ ایک پرندہ ہے اس کو اکثر زبانوں میں ہدہد کہتے ہیں، کھٹ بڑھئی بھی کہتے ہیں ملاچہ جک اور ملاچہ گک بھی کہتے ہیں اور کلی کر کانڑی بھی کہتے ہیں چونکہ یہ مردار بدبودار ہے اس کا کھانا جائز نہیں تو فضول مارنے سے منع کر دیا گیا مضر بھی نہیں ہے۔

"صرد" صرد ایک پرندہ ہے جس کا سر بڑا ہوتا ہے لمبے لمبے پر رکھتا ہے اور لمبی چونچ ہے آدھا سفید ہوتا ہے آدھا سیاہ ہوتا ہے چڑیوں کا شکار کرتا ہے یہ منجد کی تحقیق ہے مظاہر حق والے نے اس پرندے کا نام کلچڑی لکھا ہے مصباح اللغات نے اس کا نام لٹورا لکھا ہے میرے خیال میں ہمارے علاقہ میں ایک پرندہ ہے صرد وہی ہے جس کو پشتو میں شین تغ کہتے ہیں پانی کے اندر غوطہ کھا کر مچھلی شکار کرتا ہے اور ممکن ہے چھوٹے پرندوں کو بھی شکار کرتا ہو یہ بے ضرر پرندہ ہے اس کا مارنا منع ہے۔ واللہ اعلم

الفصل الثالث

تحلیل وتحریم کا حق صرف شارع کو ہے

﴿۴۲﴾عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَأْكُلُوْنَ أَشْيَاءَ وَيَتْرُكُوْنَ أَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ وَأَنْزَلَ كِتَابَهُ وَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ فَمَا أَحَلَّ فَهُوَ حَلَالٌ وَمَا حَرَّمَ فَهُوَ حَرَامٌ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا (قُلْ لَا أَجِدُ فِيْمَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا) الْآيَةَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی خواہش نفس کے مطابق کچھ چیزوں کو کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو چھوڑ دیتے تھے یعنی جب چیزوں سے ان کو نفرت ہوتی ان کو نہیں کھاتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان پر اور ان کے ذریعہ ان کی امت پر اپنی کتاب نازل کی اور اپنی حلال چیزوں کو حلال کیا ہے اور حرام چیز کو حرام کیا نیز اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے وہی حلال ہے اس کے علاوہ حلال نہیں ہے اور جس کو چیز کو حرام کہا ہے وہی حرام ہے اور جس چیز سے سکوت اختیار کیا یعنی جس چیز کے بارے میں یہ نہیں بتایا کہ یہ حلال ہے یا حرام، تو وہ چیز معاف ہے کہ اس پر مواخذہ نہیں اور پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی اے محمد کہہ دیجئے کہ جو احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا پاتا نہیں کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا خون۔الخ (ابوداؤد)

خلاصہ یہ کہ شریعت اور شارع کے حکم کو دیکھو اپنی خواہشات کو دخل نہ دو۔

﴿۴۳﴾وَعَنْ زَاهِرِ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ إِنِّيْ لَأُوْقِدُ تَحْتَ الْقُدُوْرِ بِلُحُوْمِ الْحُمُرِ إِذْ نَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت زاہر اسلمیؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اس ہانڈی کے نیچے آگ جلا رہا تھا جس میں گدھے کا گوشت پکنے کے لئے رکھا ہوا تھا کہ اچانک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

جنات کی قسمیں

﴿۴۴﴾وَعَنْ أَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ يَرْفَعُهُ الْجِنُّ ثَلَاثَةُ أَصْنَافٍ صِنْفٌ لَهُمْ أَجْنِحَةٌ يَطِيْرُوْنَ فِي الْهَوَاءِ وَصِنْفٌ حَيَّاتٌ وَكِلَابٌ وَصِنْفٌ يَحُلُّوْنَ وَيَظْعَنُوْنَ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

اور حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات تین قسمیں ہیں ایک تو وہ جن کے پر ہوتے ہیں اور وہ ہوا میں اڑتے ہیں دوسری قسم وہ ہیں جو سانپ اور کتے کی شکل میں نظر آتے ہیں اور تیسری قسم وہ ہیں جو منزل پر اترتے اور کوچ کرتے ہیں۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"جنات" اس حدیث میں جنات کی تین اقسام کو بیان کیا گیا ہے۔ (۱) بعض جنات پرندوں کی طرح اڑتے ہیں (۲) بعض جنات سانپوں کی طرح رینگتے ہیں (۳) اور بعض جنات مکانوں میں اترتے چلے آتے ہیں۔

جنات آگ سے پیدا شدہ مخلوق ہیں ان کی طبیعت اور خمیر میں شرارت پڑی ہوئی ہے جنات میں اگر شرارت اور سرکشی حد سے بڑھ گئی تو یہ شیاطین بن جاتے ہیں اور دیو ہو جاتے ہیں اور اگر انکی شرارت زیادہ نرم ہوگئی اور طبیعت سے اضافی شرارت ختم ہوگئی تو یہ پریاں بن جاتے ہیں اور اگر شرارت اعتدال کے ساتھ ہو تو یہ جنات ہیں ان کی شادیاں ہوتی ہیں اولاد آتی ہیں دنیا کے انسانوں میں جتنے فرقے ہوتے ہیں جنات میں بھی اتنے ہی فرقے ہوتے ہیں ان میں یہود و نصاریٰ مسلمان اور ہندو بدعتی توحیدی بریلوی دیوبندی اہل حدیث و منکر حدیث روافض و شیعہ اور سپاہ صحابہ وغیرہ ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور آپس میں تنازعات بھی ہوتے ہیں جنات کی عمریں بہت لمبی ہوتی ہیں۔

مورخہ ۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب العقيقة

عقیقہ کا بیان

اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے اس میں انسان کی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق قواعد و قوانین موجود ہیں اسلام کی اسی جامعیت کے پیش نظر احادیث مقدسہ میں نومولود بچہ کے عقیقہ اور تحنیک وغیرہ کے مسائل و فضائل کا ذکر موجود ہے، میرے خیال میں عقیقہ کا باب اگر باب الاضحیہ کے بعد رکھا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا کیونکہ عقیقہ بھی قربانی کی طرح ایک حیوان کا ذبح کرنا ہے لیکن شاید مصنف علیہ الرحمۃ نے ذبح کے الفاظ کو پیش نظر رکھا تو اس کو ذبائح کے ساتھ رکھا واللہ اعلم۔

عق یعق عقا نصر ینصر سے بمعنی شق یشق شقاً پھاڑنے کے معنی میں ہے چونکہ نومولود بچہ کے سر کے بالوں کو لازمی طور پر کاٹ کر ہٹا دیا جاتا ہے اس لئے ان بالوں کے صاف کرنے، ساتویں دن نام رکھنے اور ایک بکری ذبح کرنے کا نام عقیقہ رکھا گیا ہے امام احمد بن حنبل کے ایک قول کے مطابق اور ابن حزم اور اہل ظواہر کے نزدیک عقیقہ واجب ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عقیقہ سنت ہے بشرطیکہ سات دن کے اندر اندر ہو۔ امام احمد و اہل ظواہر نے عقیقہ کے لئے اهریقوا وغیرہ امر کے صیغوں کو دیکھ کر وجوب کا قول کیا ہے، جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اکثر احادیث میں عقیقہ کے لئے سنت کا لفظ بولا گیا ہے لہذا سنت ہے واجب نہیں ہے۔

آنے والی حدیث نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عقیقہ کا لفظ پسند نہیں تھا اس لئے آپ نسیکہ اور ذبیحہ کے اطلاق کو پسند فرماتے تھے اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ چونکہ عقیقہ کا لفظ عق سے ماخوذ ہے جو نافرمانی کے معنی میں ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لفظ پسند نہیں تھا لیکن علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ اس راوی کا اپنا خیال ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مواقع میں خود لفظ عقیقہ استعمال فرمایا ہے تو ناپسند کا کیا مطلب ہوا؟

بہر حال عقیقہ کے جانور کے لئے وہی شرائط ہیں جو قربانی کے جانور کے لئے ہوتے ہیں۔ روایات احادیث کے مطابق عقیقہ ساتویں دن مسنون ہے امام شافعیؒ واحمد فرماتے ہیں کہ اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو تو پھر چودھویں دن میں کیا جائے ورنہ اکیسویں دن میں کیا جائے ورنہ اٹھائیسویں دن میں کیا جائے پھر پینتیسویں دن وھلم جراً۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنا نہیں چاہئے بلکہ سالم نکال کر دفن کیا جائے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ توڑنا درست ہے پھر عقیقہ

کا گوشت پکا کر کھلانا بہتر ہے اور کچا تقسیم کرنا نافع تر ہے ویسے دونوں برابر ہے جاہلیت میں بچے کو عقیقہ کے خون میں لت پت کرتے تھے اسلام میں یہ جائز نہیں ہے البتہ زعفران سے رنگین کرنا بہتر ہے۔

الفصل الاول

عقیقہ کرنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَأَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيْطُوْا عَنْهُ الْأَذٰى. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت سلمان ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ کرنا مسنون یا مستحب ہے لہٰذا اس کی طرف سے جانور ذبح کرو اور اس سے اذی یعنی اس کے سر کے بال اور میل کچیل دور کرو۔ (بخاری)

توضیح

" اهريقوا " خون گراؤ کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے عقیقہ کا جانور ذبح کرو۔

"امیطوا عنه الاذی" اماطت ازالہ کے معنی میں ہے اور اذیٰ سے مراد میل کچیل ہے جو پیدائش کے وقت سے سر کے بالوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ بال خود میل ہے آج کل نومولود کو ہسپتال میں فوراً نہلاتے ہیں جو صحت کے لئے نہایت مضر ہے اکثر بچے جو نمونیہ کا شکار ہوتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے مگر ڈاکٹر حضرات انگریزوں کے فلسفے پر چلتے ہیں اگر بچے کا فوراً نہلانا ضروری ہوتا تو اسلام سات دن تک کبھی دیر نہ کرتا نیز انگریز زدہ ڈاکٹر ناف نلی کو جڑ سے کاٹ دیتے ہیں اس میں وقتی فیشن تو ہے مگر زخم خراب ہو کر بہت نقصان ہوتا ہے جبکہ دیہات کی جاہل عورتیں ناف کی نلی کافی اوپر سے کاٹ دیتی ہیں جو زخم بھرنے کے لئے نہایت مفید ہوتا ہے اگر چہ اسمیں فیشن نہیں ہوتا ہے یہ دیہاتی جاہل عورتیں ڈاکٹروں سے زیادہ عاقل نکلیں۔

تحنیک مسنون عمل ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نوزائیدہ بچے لائے جاتے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے برکت کی دعا کرتے یعنی ان کے سامنے فرماتے۔ اللہ تعالیٰ تجھ پر برکت ورحمت نازل فرمائے اور ان کے تحنیک کرتے۔ (مسلم)

توضیح

تحنیک اس عمل کا نام ہے کہ کوئی عالم یا صالح آدمی کھجور کو منہ میں خوب چبائے اور پھر اس لعاب کو نومولود کے تالو کے ساتھ لگائے بچہ اس کو نگل لے گا چونکہ کھجور میٹھی چیز بھی ہے اور مبارک پھل بھی ہے اس لئے اس کا انتخاب کیا گیا شہد سے بھی یہ عمل ہوسکتا ہے۔ نومولود بچہ غنودگی میں ہوتا ہے اس کے بدن کے حواس اور مشاعر اس میٹھی چیز سے بیدار بھی ہو جاتے ہیں اور اس کے پیٹ میں پہلی غذا ایک عالم یا صالح آدمی کا لعاب پہنچ کر برکت بھی آجاتی ہے اور جب نبی کسی کی تحنیک کرے اس کا کیا کہنا اور جب سید الاولین والآخرین ہوں پھر تو تحنیک کی شان ہی اور ہوگی۔

''برک'' یعنی آنحضرت اس بچے کے لئے برکت کی دعا فرماتے تھے۔

اول مولود فی الاسلام

﴿۳﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدْتُ بِقُبَاءَ ثُمَّ أَتَيْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ حَجْرِهِ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِيْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهُ ثُمَّ دَعَالَهُ وَبَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ أَوَّلَ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِي الْإِسْلَامِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ مکہ میں عبداللہ ابن زبیرؓ ان کے پیٹ میں آئے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ قباء کے مقام پر میری ولادت ہوئی تو میں عبداللہ کو لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دے دیا آنحضرتؐ نے کھجور منگائی اور اس کو چبایا پھر اپنا آب دہن ان کے منہ میں ڈالا یعنی آپ نے اس کھجور کو جو آپ کے لعاب مبارک کے ساتھ مخلوط ہوگئی تھی عبداللہؓ کے منہ میں رکھا اور پھر وہ کھجور ان کے تالو میں لگائی اس کے بعد آپ نے ان کے لئے دعا کی اور برکت چاہی یعنی یوں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس پر برکت نازل فرمائے چنانچہ عبداللہ ابن زبیرؓ پہلے شخص تھے جو اسلام کے عہد میں پیدا ہوئے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

''بقباء'' مدینہ منورہ میں قباء انصار مدینہ کا ایک محلہ تھا آنحضرت نے ہجرت کے موقع پر مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے قباء میں قیام فرمایا اور وہاں مسجد قبا کی بنیاد ڈالی جو اسلام کی پہلی مسجد ہے اور رتبہ کے اعتبار سے پوری دنیا میں چوتھے نمبر پر ہے ''اول مولود'' یعنی ہجرت کے بعد مہاجرین میں جو پہلا بچہ پیدا ہوا تھا وہ عبداللہ بن زبیر تھے اور انصار مدینہ میں اسلام کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوا تھا وہ نعمان بن بشیر انصاری تھے۔

الفصل الثانی

عقیقہ میں کتنے بکرے ہوتے ہیں

﴿۴﴾عَنْ أُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَقِرُّوْا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا قَالَتْ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ أَوْ إِنَاثًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَلِلتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ مِنْ قَوْلِهِ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ إِلٰى آخِرِهِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ

حضرت ام کرزؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں قرار دو۔ام کرزؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوا سنا کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے اور اس میں تمہارے لئے کوئی نقصان نہیں ہے کہ وہ بکری نر ہو یا مادہ یعنی اس بات کا لحاظ ضروری نہیں کہ لڑکے کے عقیقہ میں بکرے ذبح کئے جائیں اور لڑکی کے عقیقہ میں بکری ذبح کی جائے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) کی روایت میں سے آخر تک ہے نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

توضیح

"اقروا الطیر علی ومکناتها" اقروا امر کا صیغہ ہے قرار اور برقرار رکھنے کے معنی میں ہے،مکنات مکنة کی جمع ہے گھونسلے کو کہتے ہیں بعض نے کہا انڈے کو کہتے ہیں یہ لفظ وکنات بھی ہے امرء القیس کہتے ہیں ۔

وقد اغتدی والطیر فی وکناتها
بمنجرد قید الاوابد هیکل

" ذکرانا کن" یعنی اس میں کوئی حرج نہیں کہ دو بکروں میں نر دیا جائے یا مادہ یہ ضروری نہیں ہے کہ لڑکے کی طرف سے نر ہوں اور لڑکی کی طرف سے مادہ ہو۔

عرب کی عادت تھی کہ کسی کام پر جاتے وقت گھونسلوں سے پرندوں کو اڑاتے بھگاتے تھے تا کہ اس سے کام کے انجام کی کامیابی یا ناکامی کا اندازہ ہو جائے اگر پرندہ گھونسلے سے دائیں طرف رخ کر کے جاتا تو عرب بہت خوش ہو جاتے اور سفر کو جاری رکھتے اور اگر پرندہ بائیں طرف اڑ کر جاتا تو عرب اس سے بدشگونی لیتے اور سفر کو ختم کر کے واپس آجاتے یہ سب اوہام پرستی تھی اس لئے حضور اکرم نے ممانعت فرمائی یہ حدیث کا ایک حکم ہے جو پورا ہو گیا کہ ایسا مت کرو آگے اس حدیث

میں دوسرا حکم عقیقہ کا بیان کیا گیا ہے۔

عقیقہ کا طریقہ

﴿۵﴾وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ لٰكِنْ فِيْ رِوَايَتِهِمَا رَهِيْنَةٌ بَدَلَ مُرْتَهَنٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاوُدَ وَيُدَمّٰى مَكَانَ وَيُسَمّٰى وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ وَيُسَمّٰى أَصَحُّ

اور حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے اس کی پیدائش کے ساتویں دن اس کے عقیقہ کے لئے جانور ذبح کیا جائے ساتویں ہی دن اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے اس روایت کو احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد، نسائی کی روایت میں ہے اور احمد اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یسمّی کے بجائے ویدمی ہے اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ لفظ یسمّی ہی زیادہ صحیح ہے۔

توضیح

"مرتهن" ایک روایت میں لفظ رهینة بھی آیا ہے وہ روایت زیادہ محفوظ بھی ہے اور بامعنی بھی ہے کیونکہ مرتھن اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کسی کا رہن رکھا ہوا ہو یہ مطلب یہاں صحیح نہیں بنتا اور اگر مرتھن کے بجائے **الغلام مرهون** اسم مفعول لیا جائے تو معنی صحیح ہو جائے گا لیکن روایات میں اس طرح لفظ نہیں ملتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہاں مرتھن کہہ کر کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے اور صحیح لفظ وہی رهینة ہے جس کو ابوداؤد اور نسائی میں ذکر کیا گیا ہے۔

بچہ اپنے عقیقہ میں گروی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر عقیقہ نہیں کیا اور بچہ مر گیا تو وہ قیامت میں والدین کی شفاعت نہیں کریگا تو شفاعت موقوف ومحبوس ہے عقیقہ پر۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ بچے کی صحت اور اس کی نشو ونما اور آفات سے اس کی حفاظت عقیقہ پر موقوف ہے۔

اس روایت میں لفظ یُدمّی بھی منقول ہے جس کو امام احمد نے مسند احمد میں ذکر کیا ہے یہ تدمیة سے ہے جو خون میں لت پت کے معنی میں ہے بچے کو عقیقہ کے خون سے لت پت کیا جائے گا یہ جاہلیت کا طریقہ تھا لہٰذا اس لفظ میں بھی کسی راوی کی طرف سے تصرف ہو گیا ہے اصل لفظ یُسمّٰی ہے یعنی بچے کا نام رکھا جائے گا ابوداؤد نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

تلطخ بالدم جاہلیت کا طریقہ مکروہ ہے جو موقوف ہو گیا ہے اس کی جگہ اسلام میں زعفران اور خلوق کے ذریعہ سے بچہ کو رنگین کیا جائے گا جیسا کہ آنے والی حدیث نمبر ۱۰ میں مذکور ہے۔

حضرت حسنؓ کا عقیقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا

﴿۶﴾وَعَنْ مُحَمَّدِبْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَافَاطِمَةُ احْلِقِيْ رَأْسَهُ وَتَصَدَّقِيْ بِزِنَةِ شَعْرِهِ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهُ دِرْهَمًا أَوْ بَعْضَ دِرْهَمٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ مُحَمَّدَبْنَ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ لَمْ يُدْرِكْ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ

حضرت محمد بن علی ابن حسینؒ یعنی حضرت امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین شہیدؓ حضرت علی ابن طالبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے اور میرے بچے حسنؓ کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی تھی اور فرمایا کہ اے فاطمہ! حسن کا سر مونڈ دو اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کردو چنانچہ ہم نے ان بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم یا ایک درہم سے کم وزن کے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی اسناد متصل یعنی مسلسل نہیں ہے کیونکہ محمد ابن علی ابن حسین نے حضرت علی ابن ابی طالبؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

توضیح

"بشاۃ" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کا عقیقہ کیا۔

سوال

زیر بحث حدیث میں ایک بکری کے ذبح کرنے کا بیان ہے سنن ابوداؤد میں بھی اسی طرح ہے لیکن سنن نسائی میں دو کبش کا ذکر ہے ادھر اس سے قبل حدیث ۴ میں عقیقہ کا ضابطہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا ذکر ہے بظاہر روایات میں تعارض ہے۔

جواب

اصل ضابطہ تو وہی ہے کہ عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہے یہاں حضرت حسن کے عقیقہ میں جو ایک بکری ذبح کرنے کا ذکر ہے تو اس میں تاویل کرنی پڑیگی پہلی تاویل اور جواب یہ ہے کہ افضل تو وہی ہے لیکن ایک بکری کا عقیقہ جواز پر محمول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک بکری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی اور دوسری حضرت علی یا حضرت فاطمہ کی طرف سے تھی تیسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث روایت غیر متصل ہے اس میں انقطاع ہے لہٰذا اس کے بجائے دو بکریوں والی روایت اولیٰ بالقبول ہے۔

عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کئے

﴿۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ كَبْشَيْنِ كَبْشَيْنِ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (ابوداؤد، اور نسائی نے دو دو مینڈھے نقل کئے ہیں۔

توضیح

ممکن ہے کہ بوقت ولادت ایک مینڈھا ذبح کیا ہو اور بوقت عقیقہ دوسرا ذبح کیا ہو تو اس کو ایک ایک کبش بھی کہہ سکتے ہیں اور دو دو بھی کہا جا سکتا ہے یا کوئی اور صورت ہو سکتی ہے کیونکہ یہ فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جس میں کئی احتمالات وخصوصیات آسکتی ہیں لیکن قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی ضابطہ ہے جس کا ذکر حدیث نمبر ۴ میں ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ ہو۔

جس کا عقیقہ ہو وہ عقوق سے بچ جاتا ہے

﴿۸﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَقِيْقَةِ فَقَالَ لَايُحِبُّ اللّٰهُ الْعُقُوْقَ كَأَنَّهٗ كَرِهَ الْاِسْمَ وَقَالَ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ فَلْيَنْسُكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں کرتا گویا آنحضرت نے اس فعل کو لفظ عقیقہ سے موسوم کئے جانے کو ناپسند فرمایا اور پھر فرمایا کہ جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اس لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

لفظ عقیقہ کے اطلاق پر ابتدائی مباحث میں کلام ہو چکا ہے اس حدیث کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت سے عقیقہ کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عقوق یعنی نافرمانی کو پسند نہیں کرتا لہٰذا جس کا عقیقہ ہو گیا وہ عقوق سے بچ جائے گا گویا یہ عقیقہ کرنے کی ترغیب ہے آگے روایت میں کانہ کرہ الاسم جو تفسیر ہے یہ کسی راوی کی طرف سے ہے اس

نے سمجھ لیا کہ آنحضرت لفظ عقوق کو پسند نہیں کرتے حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے حضور اکرم نے اس اسم کو خود استعمال فرمایا ہے۔
(ھذا ما فھمت و اللّٰہ اعلم)

حضرت حسنؓ کے کان میں حضور اکرمؐ نے اذان دی

﴿۹﴾وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ حِیْنَ وَلَدَتْہُ فَاطِمَۃُ بِالصَّلَاۃِ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ.

اور حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن ابن علی کے کان میں اذان دی جب کہ حضرت فاطمہؓ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی اور وہ اذان نماز کی اذان کی طرح تھی۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

سوچنے کا مقام ہے جس کے کان میں سید الاولین والآخرین اذان دے ان کا مقام کتنا بلند ہوگا لہٰذا ان کو قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہوگا۔

الفصل الثالث

جاہلیت میں عقیقہ کا طریقہ کیسا تھا؟

﴿۱۰﴾عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ کُنَّا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاۃً وَلَطَخَ رَاْسَہٗ بِدَمِھَا فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ کُنَّا نَذْبَحُ الشَّاۃَ یَوْمَ السَّابِعِ وَنَحْلِقُ رَاْسَہٗ وَنَلْطَخُہٗ بِزَعْفَرَانٍ. رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَزَادَ رَزِیْنٌ وَنُسَمِّیْہِ.

حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہمارا یہ دستور تھا کہ جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور اس بکری کا خون اس لڑکے کے سر پر لگاتا لیکن جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہم بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بکری ذبح کرتے اس کا سر مونڈتے اور اس کے سر پر زعفران لگاتے۔ (ابوداؤد) اور رزین کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ہم ساتویں ہی دن اس کا نام رکھتے۔

توضیح

"بزعفران" اسلام نے جاہلیت کے طریقے کو موقوف کردیا اور اپنا مبارک طریقہ رائج کیا اس لئے مسلمانوں کو اسلام کا طریقہ اپنانا چاہئے جاہلیت میں لوگ بچے کو عقیقہ کے جانور کے خون سے آلودہ کرتے تھے اس سے بچے کی طبیعت میں درندگی آتی تھی اسلام نے اس کی جگہ زعفران کا حکم دیا تاکہ بچہ مشک و زعفران بن جائے اسی لئے علما نے لکھا ہے کہ عقیقہ کے کھانے کے ساتھ کچھ شرینی بھی چاہئے تاکہ بچے کے اخلاق میٹھے ہو جائیں۔

مورخہ ۱۷ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

کتاب الاطعمة

کھانوں کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿ ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناً ویتیماً واسیراً ﴾

وقال تعالیٰ ﴿ کلوا واشربوا ولاتسرفوا ﴾

اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ اپنے ماننے والوں کو زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق عمدہ عمدہ ہدایات دیتا ہے اوران کی اچھی رہنمائی کرتا ہے تاکہ مسلمان غیراقوام کی تقلید کے بجائے دوسروں کے لئے قابل تقلید بن جائیں اسی سلسلہ میں اسلام کھانے پینے کے آداب اور اصول وقواعد بتاتا ہے ان احادیث میں انہیں چیزوں کا بیان ہے۔

الفصل الاول

کھانے کے تین آداب

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَبْنِ أَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ کُنْتُ غُلَاماً فِیْ حَجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَتْ یَدِیْ تَطِیْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَمِّ اللّٰهَ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش وتربیت میں تھا ایک دن میں آنحضرت کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا اور میرا ہاتھ رکابی میں جلدی جلدی گھوم رہا تھا یعنی جیسا کہ بچوں کی عادت ہوتی ہے۔ میں اپنے سامنے سے کھانے کے بجائے ادھر ادھر ہاتھ ڈال رہا تھا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ بسم اللہ کہو دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اس جانب سے کھاؤ جو تمہارے نزدیک ہے یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاریؒ ومسلم)

توضیح

عمرو بن سلمہ ام سلمہ کے سابق شوہر کا بیٹا ہے ام سلمہ جب آنحضرت کے عقد نکاح میں آئیں تو عمرو بن سلمہ ان کے ساتھ آنحضرت کی تربیت میں آگیا اسی کی طرف "فی حجر رسول الله صلی الله علیه وسلم" سے اشارہ کیا گیا ہے "تطیش" یعنی ہاتھ ادھر ادھر رکابی میں گھوم رہا تھا کبھی ادھر سے کھایا کبھی اُدھر سے کھایا جیسے بچوں کی عادت ہوتی ہے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین آداب سکھائے اول یہ کہ بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرو، دوم یہ کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، سوم یہ کہ اپنے پاس سے کھاؤ یہاں تین آداب کا بیان ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سارے آداب یہی ہیں کوئی حصر نہیں ہے۔

بسم اللہ نہیں کہو گے تو شیطان ساتھ کھائے گا

﴿۲﴾وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَايُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کھانے پر خدا کا نام نہ لیا جائے اس کو شیطان اپنے لئے حلال سمجھتا ہے۔(مسلم)

توضیح

"یستحل" یعنی شیطان کی کوشش رہتی ہے کہ کسی طرح مسلمان غفلت کے ساتھ کھانا شروع کرے تاکہ شیطان کو موقع ملے اور وہ بھی ساتھ ہو جائے بسم اللہ پڑھنے سے یہ خبیث بھاگ جاتا ہے۔

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الرَّجُلُ بَيْتَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ وَعِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ لَامَبِيْتَ لَكُمْ وَلَاعَشَاءَ وَاِذَا دَخَلَ فَلَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ دُخُوْلِهٖ قَالَ الشَّيْطَانُ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَاِذَا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ عِنْدَ طَعَامِهٖ قَالَ اَدْرَكْتُمُ الْمَبِيْتَ وَالْعَشَاءَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی اپنے گھر یعنی اپنی خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے اور داخل ہوتے وقت خدا کا نام لیتا ہے یعنی بسم اللہ کہہ کر خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے اور پھر کھانا کھاتے وقت بھی خدا کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے تابعداروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہارے لئے نہ کوئی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے اور جب آدمی گھر و خوابگاہ میں داخل ہوتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے تابعداروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہیں جگہ مل گئی اور جب آدمی کھانا کھاتے وقت خدا کا نام نہیں لیتا تو شیطان اپنے تابعداروں سے کہتا ہے کہ اس گھر میں تمہیں جگہ بھی مل گئی اور کھانا بھی مل گیا۔(مسلم)

توضیح

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ گھر میں آتے وقت اور پھر کھانا کھاتے وقت جب آدمی بسم اللہ کہتا ہے تو شیطانوں کی جماعت کا امیر ان سے کہتا ہے کہ یہاں نہ کھانا ہے نہ رات گذارنے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص گھر میں آتے وقت بسم اللہ نہیں پڑھتا تو یہی شیطان کہتا ہے لو بھائیو! رات گذارنے کا موقع مل گیا اور جب کھانے کے وقت آدمی بسم اللہ نہیں پڑھتا

تو شیطان کہتا ہے خوش ہو جاؤ بھائی کھانا اور رات گذارنا دونوں مل گئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ پھر ابلیس اس شخص کے ساتھ جماع میں بھی شریک ہو جاتا ہے آج کے دور میں بوجہ جہالت یہ وباء عام ہے ماڈرن طبقہ بسم اللہ سے دور ہے۔

کھانا پینا دائیں ہاتھ سے مسنون ہے

﴿۴﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهٖ وَاِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهٖ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے یعنی پانی وغیرہ کا برتن داہنے ہاتھ سے پکڑے۔ (مسلم)

توضیح

"بیمینہ" شریعت نے انسان کی ہر جگہ رہنمائی فرمائی ہے لہٰذا شریعت کا حکم ہے کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور پاخانہ ٹٹی بائیں ہاتھ سے صاف کرو، اب اگر کوئی شخص اس کا الٹا چلتا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے تو شریعت کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ اس کا کھانا بھی بدمزہ ہو جائے گا کیونکہ جب اس کو یاد آجائے گا کہ ابھی ابھی بائیں ہاتھ سے ٹٹی صاف کیا ہے اور ابھی وہی ہاتھ منہ میں رکھا ہوا چاٹ رہا ہے تو اس کو گھن آئے گی کھانا بدمزہ ہو جائے گا۔

بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے

﴿۵﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهٖ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهٖ وَيَشْرَبُ بِهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھانا نہ کھائے اور نہ بائیں ہاتھ سے کوئی چیز پیئے کیونکہ یہ شیطان کا شیوہ ہے کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں یہ درحقیقت شیطان بن چکے ہیں اگرچہ شکل آدمی کی ہے شیطان انسان کا دشمن ہے مگر نظر نہیں آتا ہے ہاں اس کا کام اور کردار نظر آتا ہے تو جو شخص شیطان کا کردار اپناتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ وہ شیطان کا دوست اور خود پکا شیطان ہے۔

تین انگلیوں سے کھانا اور انگلیاں چاٹنا سنت ہے

﴿۶﴾وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِثَلَاثَةِ أَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يَمْسَحَهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے سے فراغت کے بعد اپنے ہاتھ کسی رومال وغیرہ سے پونچھنے یا دھونے سے پہلے چاٹ لیا کرتے تھے۔ (مسلم)

توضیح

"بثلاثة" انسان کو چاہئے کہ کھانے میں کم سے کم انگلیاں استعمال کرے چنانچہ لقمہ اٹھانے کے لئے کم از کم تین انگلیوں کی ضرورت پڑتی ہے پھر رکابی کا چاٹنا بھی باعث برکت ہے اور ہاتھ دھونے سے یا پونچھنے سے پہلے انگلیوں کا چاٹنا بھی سنت ہے اس میں برکت ہے اور اس میں کھانے کی لذت ہے بعض دفعہ ضرورت کے تحت تین انگلیوں سے زیادہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں استعمال فرمائی ہیں جس سے جواز کی طرف اشارہ ہوگیا ہے۔

"یمسحها" پونچھنے کا مطلب یہ بھی ہے کہ کپڑے سے صاف کیا جائے اور اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ پاؤں کی ایڑیوں اور تلووں پر مل لیا جائے جیسا کہ صحابہ کی عادت تھی اور مسح سے دھونا بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔

﴿۷﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ إِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ أَيَّةِ الْبَرَكَةُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں اور رکابی کو چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے کہ کس انگلی یا نوالے میں برکت ہے۔ (مسلم)

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹو یا چٹاؤ

﴿۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھا چکے تو وہ ہاتھ کو اس وقت تک کسی چیز سے نہ پونچھے اور نہ دھوئے جب تک کہ ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ نہ لے یا چٹوا نہ دے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"اویلعقھا" یعنی یا خود چاٹ لے یا دوسرے سے چٹوالے چاٹنے والا ایسا آدمی ہو کہ اس کو ان انگلیوں سے گھن نہ آتی ہو مثلاً بیٹا بیٹی ہے چھوٹے بچے ہیں یا خادم وطالب علم اور غلام ہیں العاق باب افعال سے چٹوانے کے معنی میں ہے چھوٹوں کو انگلیاں چٹوانے پر میں نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہے۔

کھانا کھاتے وقت کوئی لقمہ تراشہ گر جائے تو کیا کیا جائے

﴿۹﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ أَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ شَأْنِهِ حَتّٰى يَحْضُرَهُ عِنْدَ طَعَامِهِ فَإِذَا سَقَطَتْ مِنْ أَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ أَذًى ثُمَّ لِيَأْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَإِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ أَصَابِعَهُ فَإِنَّهُ لَا يَدْرِيْ فِيْ أَيِّ طَعَامِهِ تَكُوْنُ الْبَرَكَةُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ شیطان تمہارے ہر کام کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتا ہے یہاں تک کہ تمہارے کھانے کے وقت بھی تمہارے پاس موجود رہتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کسی شخص کا کوئی نوالہ گر جائے تو چاہیے کہ اس کو اٹھالے اور مٹی وغیرہ جو چیز اس کو لگ گئی ہو اس کو صاف کر کے کھالے اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے نیز جب کھانا کھا چکے تو چاہیے کہ اپنی انگلیاں چاٹ لے کیونکہ اس کو یہ نہیں معلوم کہ اس کے کونسے کھانے میں کس حصہ میں برکت ہے۔ (مسلم)

توضیح

"فلیمط" اماطہ ازالہ کے معنی میں ہے یعنی اگر اس کے ساتھ خس وخاشاک یا کوئی مٹی لگی ہو اور صاف کرنا ممکن ہو تو حتی الامکان اس کو صاف کر کے کھائے اور متکبر لوگوں کی طرح اس کو زمین یا دسترخوان پر نہ چھوڑے کیونکہ شیطان آکر اس کو کھاتا ہے یا اس کے ضائع کرنے سے خوش ہو جاتا ہے تو شیطان کو خوشی کا موقع نہ دو وہ تمہارا دشمن ہے اگر صاف کرنا ممکن نہ ہو تو اس کو کتے یا بلی کو کھلا دے تاکہ اللہ کا رزق ضائع نہ جائے جب کھانے سے فارغ ہو جائے تو تواضع وانکساری کے طور پر اللہ کا شکر ادا کر کے انگلیاں چاٹ لے اس میں برکت ہے اور نظام ہضم کے لئے بہت مفید ہے۔

ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت

﴿۱۰﴾وَعَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا آكُلُ مُتَّكِئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ (بخاری)

"متکئا" یعنی میں تکیہ ٹیک لگا کر بے اعتنائی اور تکبر کے ساتھ کھانا نہیں کھاتا ہوں تو میری امت کو بھی اس طرح نہیں کھانا چاہئے ایسا متکبر لوگ کرتے ہیں۔

میز اور چوکی پر رکھ کر کھانا کھانے کا حکم

﴿۱۱﴾وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَاأَكَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَافِي سُكُرُّجَةٍ وَلَاخُبِزَلَهُ مُرَقَّقٌ قِيلَ لِقَتَادَةَ عَلَى مَايَأْكُلُونَ قَالَ عَلَى السُّفَرِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت قتادہؒ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ تشتری میں کھایا اور نہ آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی حضرت قتادہ سے پوچھا گیا کہ وہ کس چیز پر کھانا کھاتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ دسترخوان پر۔ (بخاری)

توضیح

"علی خوان" خوان دراصل دسترخوان کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں خوان سے مراد چوکی یا میز ہے جس پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا ہے تاکہ کھانے کی طرف جھکنا نہ پڑے چنانچہ مالدار عیش پرست متکبر اور غیر اسلامی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کا شیوہ ہے کہ وہ چوکی یا میز پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں کبھی بیٹھ جاتے ہیں کبھی کھڑے کھڑے کھاتے ہیں آنحضرت نے اس طریقہ کو پسند نہیں فرمایا چوکیوں پر رکھ کر کھانے کا رواج بعض علماء میں بھی آ گیا ہے۔

"ولافی سکرجة" یعنی نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تشتری مجمع اور ٹرے میں کھانا کھایا۔ "سُكُرُّجَة" سین اور کاف پر پیش اور را پر زبر کے ساتھ شد ہے جیم پر زبر ہے آخر میں گول تا ہے اور "سُكُرِجة" بھی ہے کاف پر سکون ہے اور را پر زیر ہے شد نہیں، منجد نے لکھا ہے "الصحفة التي يوضع فيها الاكل" وہ تشتری وہ ڈش وہ مجمع اور ٹرے جس میں کھانا رکھا جاتا ہے یہ بھی سامان تعیش کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز کے لئے الگ الگ برتن اور ٹرے ہوتے ہیں ممکن ہے حدیث کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہو لیکن ملاعلی قاریؒ نے مرقات میں سکرجہ سے مربہ اچار اور چٹنی رکھنے کے برتن مراد لئے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ کھانے سے زائد چیزیں جو کھانے کو ہضم کرے اس کے لئے الگ الگ برتن نہیں ہوتے تھے جیسے آج کل اس میں تماشے آگئے ہیں۔ ایک صاحب دل یحیٰ بن معاذ رازیؒ نے دنیا دار علماء کو کہا یا اصحاب العلم (۱) قصوركم قيصرية (۲) وبيوتكم كسروية (۳) واثوابكم طالوتية (۴) واخفافكم جالوتية (۵) واوانيكم فرعونية (۶) ومراكبكم قارونية (۷) وموائدكم جاهلية (۸) ومذاهبكم شيطانية فاين

المحمدية؟.

"مرقق" یعنی آپ کے لئے چپاتی روٹی کا اہتمام کبھی نہیں کیا گیا "علی السفر" سفرۃ کی جمع ہے دستر خوان کو کہتے ہیں جو چمڑے ریگزین یا کپڑے اور پلاسٹک کا ہوتا ہے آج کل اس میں بھی تماشے آگئے ہیں البتہ مجبوری الگ چیز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ چپاتی دیکھی نہ دم پختہ بکری دیکھی

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَا أَعْلَمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَغِيفاً مُرَقَّقاً حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ وَلَا رَأَى شَاةً سَمِيطاً بِعَيْنِهِ قَطُّ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پتلی روٹی چپاتی دیکھی ہو یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے ملاقات کی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں کبھی چپاتی کی صورت بھی نہیں دیکھی چہ جائیکہ کبھی چپاتی کھائی ہو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم پختہ بکری بھی کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔ (بخاری)

توضیح

"رای" جب یہ چیزیں دیکھی نہیں تو کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا "شاة سميطاً" اس زمانہ میں چین کے لوگوں میں اس طرح رواج تھا کہ بکری کی کھال سے بال ہٹا کر کھال کے ساتھ بکری کو گرم پانی کی بھاپ اور بھڑاس پر رکھتے تھے یہ چائنیز کھانا چین کے لوگ بناتے تھے اس کے بعد عام عیاش پرستوں نے اس کو اپنا لیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا بھی نہیں۔

میدہ یا چھنے ہوئے آٹے کی روٹی آنحضرتؐ نے نہیں کھائی

﴿۱۳﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ وَقَالَ مَا رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْخُلًا مِنْ حِينَ ابْتَعَثَهُ اللّٰهُ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ قِيلَ كَيْفَ كُنْتُمْ تَأْكُلُونَ الشَّعِيرَ غَيْرَ مَنْخُولٍ قَالَ كُنَّا نَطْحَنُهُ وَ نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مَا طَارَ وَمَا بَقِيَ ثَرَّيْنَاهُ فَأَكَلْنَاهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب رسول بنایا آپ نے اس وقت سے کبھی میدہ کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کی، نیز حضرت سہلؓ نے کہا کہ رسول اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جب سے رسول بنایا آپ نے اس وقت سے کبھی چھلنی کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کی یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ رسالت پر فائز ہونے کے وقت سے اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک میدہ کی تیار کی ہوئی کوئی چیز یا چھنی کے چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تو کیا کھاتے کبھی آپ نے ان چیزوں کی صورت بھی نہیں دیکھی حضرت سہلؓ سے پوچھا گیا کہ پھر آپ لوگ جو کے بغیر چھنے آٹے کی روٹی کس طرح کھاتے تھے؟ حضرت سہلؓ نے کہا کہ ہم جو کو پیسنے کے بعد اس میں پھونک مارتے چنانچہ اس میں سے جو چیز اڑنے والی ہوتی یعنی بھوسی وہ اڑ جاتی اور جو چیز باقی رہتی یعنی آٹا اس کو ہم پانی میں گوندھ لیتے اور پھر اس کی روٹی پکا کر کھا لیتے۔ (بخاری)

توضیح

"النقی" سفید میدہ کے آٹے کو نقی کہتے ہیں اس کی روٹی مراد ہے "المنخل" آٹے کی چھان کو منخل کہتے ہیں اس سے چھنے ہوئے آٹے کو منخل اور منخول کہتے ہیں۔

"الشعیر" یعنی جو کے آٹے میں تو بہت چھلکے ہوتے ہیں وہ کانٹوں کی طرح ہوتے ہیں چھنے بغیر وہ کیسے کھاتے تھے؟ فرمایا پھونک مارتے جو بڑے چھلکے ہوتے وہ اڑ جاتے باقی کو پانی میں بھگو کر پکاتے اور کھاتے تھے "ثرینا" بھگونا۔

کھانے میں عیب نہ نکالو

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَاعَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَاماً قَطُّ إِنْ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا اگر آپ کو رغبت ہوتی تو اس کو کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اس کو چھوڑ دیتے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"ماعاب" کھانے میں عیب وہی آدمی نکالتا ہے جو پہلے سے سیر ہوتا ہے بھوکا آدمی ایسا نہیں کر سکتا ہے کہتے ہیں کھانا اس وقت تک کھاؤ جب پلیٹ میں انتخاب نہ ہو جب کھانے میں انتخاب شروع ہو جائے تو اس وقت ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔

مؤمن ایک آنت سے کافر سات آنتوں سے کھاتا ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَجُلاً كَانَ يَأْكُلُ أَكْلاً كَثِيراً فَأَسْلَمَ فَكَانَ يَأْكُلُ قَلِيلًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَى مُسْلِمٌ عَنْ أَبِي مُوسٰى وَابْنِ عُمَرَ الْمُسْنَدَ مِنْهُ فَقَطْ وَفِي أُخْرَى لَهُ عَنْ أَبِي

هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَافَهُ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ فَأَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ ثُمَّ أُخْرٰى فَشَرِبَهُ حَتّٰى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ ثُمَّ إِنَّهُ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ حِلَابَهَا ثُمَّ أَمَرَ بِأُخْرٰى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِيْ مِعًى وَاحِدٍ وَالْكَافِرُ يَشْرَبُ فِيْ سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تھا جو پہلے تو بہت زیادہ کھایا کرتا تھا مگر جب مسلمان ہوا تو کم کھانے لگا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ مومن تو ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (بخاری)

اور مسلم نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰ اور حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے جس میں یہ واقعہ مذکور نہیں ہے لیکن مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس میں یوں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مہمان آیا جو کافر تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا بکری دوہی گئی اور اس کافر نے اس دودھ کو پی لیا پھر آپ کے حکم سے دوسری بکری دوہی گئی۔ وہ اس دودھ کو بھی پی گیا۔ پھر جب صبح ہوئی تو وہ مسلمان ہوگیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بھی اس کے لئے ایک بکری دوہنے کا حکم دیا۔ بکری دوہی گئی اور اس نے اس کا دودھ پی لیا پھر آپ نے دوسری بکری دوہنے کا حکم دیا بکری دوہی گئی لیکن اب وہ اس کا پورا دودھ نہ پی سکا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں پیتا ہے۔

توضیح

" فی سبعة امعاء " یعنی کافر سات آنتوں کے ساتھ کھاتا ہے گویا کافر کے کھانے کی سات آنتیں ہیں

سوال

اس حدیث پر بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ انسان کی حیثیت سے تمام انسان ایک جیسے ہیں پھر یہ کہنا کس طرح صحیح ہوگا کہ کافر کی آنتیں سات ہیں اور مومن کی ایک آنت ہے؟ مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے۔

جواب

اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں علامہ نووی نے سات جوابات دیئے ہیں علامہ طیبی نے بھی جواب دینے کی کوشش کی ہے اور قاضی عیاض مالکیؒ نے بھی جواب دیا ہے ملا علی قاریؒ نے ان تمام اقوال اور جوابات کو نقل کیا ہے لیکن جو واضح جواب

ہے اور سب نے اس کے نقل کرنے پر اتفاق بھی کیا ہے وہ قاضی عیاض کا جواب ہے فرماتے ہیں کہ مؤمن کھانے پینے میں زیادہ حرص و لالچ نہیں کرتا اس لئے اس کے کھانے پینے میں برکت آجاتی ہے اور اس کا پیٹ قلیل کھانے سے بھر جاتا ہے لیکن کافر کھانے پینے میں انتہائی حریص اور لالچی ہوتا ہے اس کا مطمح نظر ہی جانوروں کی طرح کھانا پینا ہوتا ہے تو ان دونوں کے درمیان حرص اور عدم حرص کی وجہ سے کھانے پینے کے معاملہ میں اتنا تفاوت ہے گویا ایک اور سات انتوں کا تفاوت ہے مؤمن ایک آنت کی مقدار کھاتا ہے اور کافر سات انتوں کی مقدار کھاتا ہے گویا یہ ایک تمثیل ہے۔ علامہ طیبی کے کلام کا خلاصہ بھی تقریباً اسی طرح ہے تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ کامل مؤمن کی شان زہد و قناعت اور ترک دنیا ہے تو وہ قوت لایموت پر صابر رہتا ہے اور کافر کا معاملہ اس کے برعکس ہے اب یہ ضروری نہیں کہ ہر مؤمن کی شان زہد و قناعت ہو، ہوسکتا ہے کہ بعض مؤمن کافر سے بھی زیادہ حرص رکھتا ہو اور زیادہ کھاتا ہو، مگر وہ اپنی مومنانہ شان سے گر گیا ہے لہٰذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں آئے گا۔

قناعت ہو تو دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہو جاتا ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کو اور تین کا کھانا چار کو کافی ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے پیٹ بھر کر کافی ہو جاتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر قناعت سے کام لیا جائے تو دو کا کھانا تین کے لئے بطور کفایت پورا ہو جاتا ہے اور چار کا کھانا آٹھ کے لئے بطور کفایت کافی ہو جاتا ہے جیسے آنے والی روایت میں دوگنے کی بات کہی گئی ہے کہ چار کا کھانا آٹھ کے لئے بطور کفایت و قناعت کافی ہو جاتا ہے آدھے پیٹ کھانے سے آدمی مرتا نہیں اور دوسرا زندہ ہو جاتا ہے ان دونوں حدیثوں میں اکٹھا کھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ وَطَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کو دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ کو کافی ہوتا ہے۔ (مسلم)

بیمار آدمی کے لئے تلبینہ بہترین چیز ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ التَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحَزَنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تلبینہ بیمار کے دل کو تسکین وقوت دیتا ہے اور بعض غموں کو دور کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"التلبينة" یہ اس حریرہ کا نام ہے جو آٹے اور دودھ سے بنایا جاتا ہے چونکہ دودھ کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس کو تلبینہ کہا گیا جس کا مادہ لبن ہے اس میں شہد وغیرہ میٹھا بھی ملایا جاتا ہے نرم ہوتا ہے پیا جاسکتا ہے دودھ ملا سویاں جو عیدین میں ہوتی ہے وہ بھی اسی طرح ہوتا ہے شیر خرمہ بھی اس کا مصداق ہے۔

"مجمة" ای مريحة مفرحة، فرحت بخش، راحت رساں ہوتا ہے جس سے دل خوش ہو کر قوی ہوجاتا ہے اسی کا بیان اگلے جملہ میں آیا ہے گویا وہ اس کے لئے بیان ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ خَيَّاطاً دَعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيْرٍ وَمَرَقاً فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالِي الْقَصْعَةِ فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک درزی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تیار کئے ہوئے کھانے پر مدعو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ میں بھی گیا اس نے جو کی روٹی اور شوربا لا کر دستر خوان پر رکھا جس میں کدو اور خشک گوشت تھا چنانچہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو چونکہ بہت مرغوب تھا اس لئے آپ پیالے کے کناروں میں سے کدو کو تلاش کر کر کے کھاتے تھے اسی لئے اس دن کے بعد سے میں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"خیاطا" درزی کو کہتے ہیں اس خوش قسمت نے آنحضرت کی دعوت کی شوربے میں خشک گوشت کے ٹکڑے تھے اور کدو کے

پارچے تھے "قدید" خشک گوشت کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں کدو اور لوکی اور ٹینڈہ سب ایک ہی مزاج کی سبزی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غریبوں کی دعوت قبول کرنا مسنون طریقہ ہے اور اپنے خادم کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا چاہئے اور برتن کے اندر مختلف چیزیں ہوں تو اس کا انتخاب کرنا اور لینا جائز ہے بشرطیکہ شرکاء پر گراں نہ ہو۔

آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو لازم نہیں آتا

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ فِي يَدِهِ فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَلْقَاهَا وَالسِّكِّينَ الَّتِي يَحْتَزُّ بِهَا ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عمرو ابن امیہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بکری کا شانہ جو آپ کے ہاتھ میں تھا چھری سے کاٹتے تھے پھر آپ کو اسی دوران نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ نے شانے کو اس چھری کو کہ جس سے وہ شانہ کاٹ رہے تھے وہیں چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور نماز ادا کی آپ نے اس وقت وضو نہیں کیا کیونکہ آپ وضو سے تھے۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح

"یحتز" ای یقطع، چھری کے ساتھ کاٹنے کو کہتے ہیں اگر گوشت سخت ہو تو اس کو چھری سے کاٹنا بہتر ہے لیکن اگر گوشت نرم ہو تو اس کو چھری سے کاٹنا مناسب نہیں بلکہ اعاجم کا ناپسندیدہ طریقہ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل حق جب نماز کی اذان سنتے ہیں تو فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو لازم نہیں آتا ہے جس طرح کہ بعض حضرات کا خیال ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھی چیز پسند تھی

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو بہت پسند فرماتے تھے۔ (بخاری)

توضیح

"الحلواء" حلواء سے مراد مطلق میٹھی چیز ہے اس کے بعد العسل کا ذکر تخصیص بعد تعمیم ہے اور اگر حلواء سے معروف حلوہ مراد ہو تو اس میں بھی کوئی مضایقہ نہیں ہے البتہ خاص کرنا محل نظر ہے بدعتی لوگ حلوہ کی بہت تعریف کرتے ہیں حدیث میں میٹھی چیز مراد ہے۔ عالیشان طبائع کے لوگ میٹھی چیز کو پسند کرتے ہیں مٹھاس جگر کی غذا ہے اور خوشبو دل کی غذا ہے۔

سرکہ بہترین سالن ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَأَلَ أَهْلَهُ الْأُدُمَ فَقَالُوْا مَاعِنْدَنَا إِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِهِ فَجَعَلَ يَأْكُلُ بِهِ وَيَقُوْلُ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا گھر والوں نے کہا کہ ہمارے پاس سالن نہیں ہے البتہ سرکہ ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکہ منگوایا اور اس کے ساتھ روٹی کھانے لگے اور یہ فرماتے تھے کہ سرکہ بہترین سالن ہے سرکہ بہترین سالن ہے۔ (مسلم)

ادام سالن کو کہتے ہیں اور الخل سرکہ کو کہتے ہیں سرکہ کم خرچ بالانشین سالن ہے ادام بھی ہے طعام بھی ہے اور بدن کے لئے مفید بھی ہے۔

کھمبی کے فوائد

﴿۲۳﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مِنَ الْمَنِّ الَّذِيْ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور حضرت سعید ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھمبی من کی ایک قسم ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے۔ (بخاری، ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ کھمبی اس من میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔

توضیح

"الکماۃ" اس کی جمع اکمؤ ہے زمین اور پہاڑ میں بوسیدہ لکڑیوں اور بعض درختوں کی جڑوں کے پاس یہ نبات پیدا ہوتا ہے اس کی کئی اقسام ہیں ہمارے ہاں دو مشہور ہیں اس کو اردو میں کھمبی اور ہماری زبان میں خرڑی کہتے ہیں یہ موسم برسات میں ہوتے ہیں آنحضرت نے فرمایا کہ یہ آنکھوں کے لئے شفاء ہے اس کو شحم الارض بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ چربی کی مانند ایک زمینی نبات ہے دودھ میں یا پانی میں پکاتے ہیں یہ عمدہ گوشت کی طرح لذیذ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک نعمت ہے جس طرح بنی اسرائیل کو صحراء میں بطور نعمت من وسلوا عطا کیا گیا۔ آنحضرت نے اس کا ایک فائدہ یہ بتایا کہ اس کے پانی کو اگر نچوڑ لیا جائے اور رات کو ایک ایک قطرہ آنکھ میں ڈالا جائے تو نظر ٹھیک ہو جاتی ہے۔ باب الطب میں اس کا بیان انشاء اللہ آئے گا۔

ککڑی اور کھجور ملا کر کھانے کا حکم

﴿۲۴﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ وسلم کو ککڑی اور تازہ کھجور ملا کر کھاتے دیکھا ہے۔ (بخاری ومسلم)

رطب تر کھجور کو کہتے ہیں اور القثاء ککڑی کو کہتے ہیں جس کے لمبے لمبے پھل ہوتے ہیں گویا سانپ ہیں کھجور گرم ہوتی ہے اور ککڑی ٹھنڈی ہوتی ہے اس طرح دونوں کو ملا کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔

پیلو کے پھل کا بیان

﴿۲۵﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَرِّ الظَّهْرَانِ نَجْنِي الْكَبَاثَ فَقَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ فَقِيلَ أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ نَعَمْ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مقام مرالظہران میں تھے جو مکہ کے قریب ایک جگہ ہے اور پیلو کے پکے پکے پھل جمع کر رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا جو پھل سیاہ ہو وہ لے لو کیونکہ وہ اچھا ہوتا ہے۔ اور فائدہ بھی پہنچاتا ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے بکریاں چرائی ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور کونسا نبی ہے جس نے بکریاں نہیں چرائی ہیں۔　　(بخاری ومسلم)

توضیح

"بمرالظهران" یہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے یہیں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ "نجنی" چننے اور توڑ کر حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔ "الكباث" پیلو کے پکے پھلوں کو کہتے ہیں "ای النضیج من ثمر الاراک" (مرقات)۔

"وهل من نبی" صحابہ کرام نے جب آنحضرت سے یہ سنا کہ پیلو کے پھلوں میں سے سیاہ کھاؤ وہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے تو اس پر صحابہ نے اندازہ لگایا کہ یہ معلومات صرف ان لوگوں کو ہوتی ہیں جو صحراء میں بکریوں کو چراتے ہیں اس وجہ سے صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے بکریاں چرائیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضابطہ کی طرف اشارہ کیا کہ ہر نبی نے بکریاں چرائیں ہیں اس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ بکری ایک عاجز اور کمزور حیوان ہے مگر طبعی طور پر چرنے میں نہایت متحرک واقع ہے درخت کا ایک پتہ ایک جگہ سے کھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے اگر معمولی پتھر سے اسے

مارا گیا تو بکری مرجاتی ہے جنگل میں بکری کے دشمن بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ لومڑی بھی اس کو پھاڑ سکتی ہے اس لئے بکریاں چرانے والوں کے مزاج میں عاجزی اعتدال اور سخت برداشت کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اور یہی چیزیں ہیں جس کی ضرورت انبیاء کو پڑتی ہے تاکہ مستقبل میں عوام کے پاس جاکر کھلے چینے اور ٹھنڈے دماغ سے انہیں سمجھائیں بکریاں چرانے سے نظم وضبط کی مہارت بھی حاصل ہوجاتی ہے جس سے انسانوں کو منظم کرنا اور انکی گرم نرم کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ ملاعلی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا جانتے ہو میں نے کیوں تجھے نبوت عطا کی؟ حضرت موسیٰ نے نفی میں جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ تم بکریاں چرا رہے تھے ایک بکری بھاگ کھڑی ہوئی تم اس کے پیچھے بھاگے خوب تھک گئے مگر تم نے بکری کو پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ او بیچاری! تو نے اپنے آپ کو بھی مصیبت میں ڈالا اور مجھے بھی ڈالا میں نے جب دیکھا کہ حیوان پر تمہاری اس طرح شفقت ہے تو تجھے انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا۔

آج کل لوگ بغیر تربیت کے داعی بنتے ہیں اور نقصان کرتے ہیں، حدیث سے معلوم ہوا کہ نبوت ہمیشہ عاجز اور متواضع طبقات میں آئی ہے۔

کھاتے وقت آنحضرت کی ایک کیفیت

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْعِياً يَأْكُلُ تَمْراً وَفِي رِوَايَةٍ يَأْكُلُ مِنْهُ أَكْلاً ذَرِيعاً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقعاء کی ہیئت میں بیٹھ کر کھجوریں کھاتے دیکھا ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ کھجوروں کو جلدی جلدی کھا رہے تھے۔ (مسلم)

"مقعیاً" اقعاء سے ہے یہ بیٹھنے کی ایک ہیئت ہے جس میں آدمی سرین پر بیٹھ کر زانوں کو کھڑا رکھتا ہے یہ ایک متواضع صورت ہے "ذریعاً" جلدی جلدی کھا رہے تھے شاید کسی وجہ سے جلدی میں تھے۔

۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

ساتھیوں کے ساتھ دو دو کھجوریں ملا کر نہ کھاؤ

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقْرِنَ الرَّجُلُ بَيْنَ التَّمْرَتَيْنِ حَتَّى يَسْتَأْذِنَ أَصْحَابَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص دو کھجوروں کو جمع کرے

یعنی ایک ساتھ دو دو کھجوریں کھائے الا یہ کہ وہ اپنے ساتھیوں سے اجازت لے لے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"ان یقرن" ضرب ونصر دونوں سے آتا ہے قران دو کھجوروں کو ملا کر ایک ساتھ کھانے کو کہا گیا ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ کھانے میں سخت تنگی تھی، پھر جب وسعت آگئی تو یہ حکم موقوف ومنسوخ ہو گیا اب دو کھجوروں کو ملا کر کھا سکتے ہیں۔

بہر حال ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ساتھیوں کے ساتھ مجلس میں ایک ایک کھجور کھانا مستحب ہے ہاں اگر الگ کوئی کھا رہا ہو تو وہ تین تین بھی ملا کر ایک ساتھ کھا سکتا ہے اور اگر مجلس کے سارے ساتھی اجازت دیدیں پھر بھی دو کو ساتھ ملا کر کھا سکتا ہے جس طرح اسی حدیث میں مذکور ہے۔

گھر میں کھجور رکھنے کی فضیلت

﴿۲۸﴾وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَجُوْعُ أَهْلُ بَيْتٍ عِنْدَهُمُ التَّمْرُ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ يَاعَائِشَةُ بَيْتٌ لَاتَمْرَ فِيْهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ قَالَهَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھر کے لوگ بھوکے نہیں رہتے جس گھر میں کھجور ہو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ عائشہ جس گھر میں کھجور نہ ہو اس گھر کے رہنے والے بھوکے ہیں آپ نے یہ الفاظ تین مرتبہ فرمائے۔ (مسلم)

توضیح

یعنی گھر میں اگر کھجور ہے تو گھر کے لوگ فقر وفاقہ میں نہیں ہیں اور نہ بھوکے ہیں اور اگر کھجور نہیں تو بھوکے ہیں، یہ حدیث ان لوگوں سے متعلق ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے ان کا گزارہ صرف کھجوروں سے ہوتا تھا۔ نیز اس حدیث میں کھجور کی فضیلت کا بیان ہے کہ گھر میں کھجور کا ہونا باعث برکت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ کھجور کو گھر میں ذخیرہ کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر صرف کھجور ہو اور کچھ نہ ہو تو پھر بھی آدمی کو یہ شکایت جائز نہیں کہ گھر میں کھانے کیلئے کچھ نہیں ہے۔

﴿۲۹﴾وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَصَبَّحَ بِسَبْعِ تَمَرَاتٍ عَجْوَةٍ لَمْ يَضُرَّهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ سَمٌّ وَلَاسِحْرٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص صبح کے وقت کوئی اور چیز

کھانے سے پہلے سات عجوہ کھجوریں کھائے گا اس کو اس دن کوئی زہر اور جادو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"تمرات عجوة" عجوہ مدینہ منورہ کی عمدہ تر کھجوروں میں سے ہے سیاہ رنگ کی ہوتی ہے مٹھاس میں زیادہ میٹھی نہیں بلکہ معتدل ہوتی ہے اس کی گھٹلی گول ہوتی ہے دانہ بھی گول ہوتا ہے بہت مہنگی ہے ایک زمانہ میں سوریال کے ایک کلو فروخت ہوتی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاصیت رکھی ہے کہ صبح کے وقت اس کے سات دانے نہار منہ کھانے سے آدمی زہر اور سحر سے محفوظ رہتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید عجوہ کے لئے دعا مانگی ہوگی کہ عجوہ میں یہ تاثیر ہو، سات کی عدد کا ذکر اللہ تعالیٰ کے علم پر ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے آیندہ عجوہ کی مزید تفصیل آرہی ہے۔

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِيْ عَجْوَةِ الْعَالِيَةِ شِفَاءً وَاِنَّهَا تِرْيَاقٌ أَوَّلَ الْبُكْرَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالیہ کی عجوہ کھجوروں میں شفا ہے اور وہ زہر وغیرہ کے لئے تریاق کی خاصیت رکھتی ہے جبکہ اس کو دن کے ابتدائی حصے میں یعنی نہار منہ کھایا جائے۔ (مسلم)

توضیح

"العالية" مدینہ منورہ کے اطراف کے علاقوں کو عوالی کہتے ہیں بعض عوالی تین سے آٹھ کلو میٹر دور تک واقع ہیں زیر بحث حدیث میں مدینہ منورہ ہی کے عوالی میں سے کسی ایک کا ذکر ہے۔

"اول البكرة" یعنی صبح نہار منہ کھانے سے یہ فائدہ ہوگا تریاق ایک دوا کا نام ہے جو زہر کے لئے مفید ہوتی ہے کہتے ہیں۔

چوں تریاق از عراق آوردہ شود
مار گزیدہ مردہ شود

آنحضرت کے گھر میں فاقے

﴿۳۱﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ يَأْتِيْ عَلَيْنَا الشَّهْرُ مَانُوْقِدُ فِيْهِ نَارًا اِنَّمَا هُوَ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا أَنْ يُؤْتٰى بِاللُّحَيْمِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بعض مہینہ ہم پر ایسا گذرتا تھا کہ ہم اس میں آگ نہ جلاتے تھے یعنی بعض مرتبہ پورا پورا مہینہ ایسا گذرتا تھا کہ ہمارے گھر میں سامان خوراک نہ ہونے کی وجہ سے چولھے میں آگ بھی نہیں جلتی تھی اور اس عرصہ میں ہماری

غذا کا انحصار صرف کھجور اور پانی پر ہوتا تھا۔ الا یہ کہ کہیں سے تھوڑا سا گوشت آ جاتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لُحیم" یہ لحم کی تصغیر ہے تقلیل کے لئے ہے یعنی باہر سے کبھی کوئی شخص تحفہ بھیجتا تو پھر ہم گوشت کھا لیتے ورنہ کھجور اور پانی پر گذر اوقات ہوتا تھا یاد رہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فاقے اختیاری تھے یہ موجب عار نہیں بلکہ باعث فخر ہے تاکہ آپ کی ذات میں تمام انبیاء کی مختلف خوبیاں آ جائیں ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آنحضرت کی شان فقیری میں شان قیصری تھی ع سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی۔

﴿۳۲﴾وَعَنْهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ اِلَّا وَأَحَدُهُمَا تَمْرٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے دو دن گیہوں کی روٹی سے اپنا پیٹ بھرا ہو اور ان دو دنوں میں سے ایک دن کی غذا کھجور نہ ہوئی ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"خبز بر" یعنی گندم کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا ہاں جو سے بھرا ہوگا آنحضرت نے فقر وفاقہ اور ترک دنیا کے بارہ میں ایک ضابطہ اپنی ذات کے لئے مقرر فرمایا تھا دوسرا ضابطہ اہل بیت کے لئے تھا اور تیسرا ضابطہ عام امت کے لئے تھا اپنے لئے خالص فقر تھا اہل بیت کے لئے کچھ رکھنے کی اجازت تھی امت کے لئے آسانی رکھی۔

پانی اور کھجور سے کبھی پیٹ نہیں بھرا

﴿۳۳﴾وَعَنْهَا قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ہم نے آپ کی حیات میں کبھی دو سیاہ چیزوں یعنی کھجور اور پانی سے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الاسودین" دو سیاہ سے مراد پانی اور کھجور ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ پانی کا ملنا کیا مشکل تھا کہ اس سے پیٹ سیر نہیں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی نہار منہ پانی نہیں پی سکتا ہے جب پیٹ میں کھجور وغیرہ نہ ہو تو نہار منہ پانی بھی استعمال نہیں ہو سکتا

ہے اس لئے کھجور نہ ملنے سے گویا پانی بھی نہیں ملا کہ پیٹ بھرا جا سکے اسودین کا لفظ بطور تغلیب ہے ورنہ پانی کالا نہیں ہوتا۔

﴿۳۴﴾وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أَلَسْتُمْ فِيْ طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَاشِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَايَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَايَمْلأُبَطْنَهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت نعمان ابن بشیرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر فرمایا کیا تم لوگ اپنے کھانے پینے میں جس طرح چاہتے ہو عیش نہیں کرتے؟ یعنی تم اپنے کھانے پینے کی چیزوں میں اپنی خواہش کے مطابق وسعت وافراط اختیار کر کے عیش وراحت کی زندگی گذار رہے ہو جب کہ میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ آپ کو ناکارہ کھجوریں بھی اس قدر میسر نہیں ہوتی تھیں جو آپ کا پیٹ بھر دیتیں۔ (مسلم)

توضیح

"الدقل" ردی کھجور کو دقل کہتے ہیں، حضرت نعمان بن بشیر نے یہ کلام یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ سے کیا ہے یا تابعین سے کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فانی جہاں میں عیش وعشرت کے لئے نہیں آئے تھے اسی وجہ سے آپ نے دنیا کی لذتوں سے اجتناب کیا جو کچھ پاس ہوتا تھا دوسروں پر نثار کرتے تھے اور خود فقر وفاقے برداشت کرتے تھے یہ فقر اختیاری تھا۔

چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کو صرف کھجور پر گذارہ کرنا پڑتا تھا کوئی اور غذا نہیں ہوتی تھی پھر ایک حدیث میں ہے کہ کھجوریں بھی نہایت قلیل مقدار میں ہوتی تھیں پھر فرمایا کہ وہ قلیل کھجوریں بھی ردی قسم کی ہوتی تھیں آپ نے زہد وقناعت کی زندگی گذار کر امت کو ترک دنیا کی تعلیم وتربیت کا نمونہ دیا۔ قصیدہ بردہ میں ہے۔

ظلمت سنة من احيا الظلام الى ان اشتكت قدماه الضر من ورم

و شد من سغب احشائه وطوى تحت الحجارة كشحاً مترف الادم

کچا لہسن کھانا کیسا ہے؟

﴿۳۵﴾وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ أَكَلَ مِنْهُ وَ بَعَثَ بِفَضْلِهِ إِلَيَّ وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَيَّ يَوْماً بِقَصْعَةٍ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا لِأَنَّ فِيْهَا ثُوْماً فَسَأَلْتُهُ أَحَرَامٌ هُوَ قَالَ لَا وَلٰكِنْ أَكْرَهُهُ

مِنْ أَجْلِ رِيْحِهِ قَالَ فَإِنِّيْ أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں کھاتے اور باقی بچا ہوا میرے پاس بھیج دیتے ایک روز آپ نے میرے پاس ایسا کاسہ بھیجا جس میں کھانا تھا اور اس میں سے خود کچھ نہیں کھایا تھا اس لئے کہ اس میں لہسن تھا میں نے پوچھا کہ کیا لہسن حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اس کی بو کے سبب میں اس کو کھانا پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابوایوبؓ نے عرض کیا تو پھر میں بھی اس کھانے کو نہیں کھاؤں گا کیونکہ جس چیز کو آپ نے ناپسند کیا ہے اس کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ (مسلم)

توضیح

"اتی بطعام" یمن کے بادشاہ تبع نے مدینہ پر حملہ کیا جس میں اس کا بیٹا مارا گیا اس نے مدینہ منورہ کو ویران کرنے کی قسم کھالی مدینہ کے بعض علماء یہود نے ان سے کہا کہ ایسا نہ کرو کیونکہ یہ نبی اخرالزمان کی ہجرت کی جگہ ہے وہ مکہ سے ہجرت کر کے یہاں آئیں گے بادشاہ نے توبہ کرلیا اور ایک مکان بنادیا کہ جب وہ نبی مدینہ آئیگا تو اس مکان میں ٹھہرے گا اس نے ایک رقعہ بھی لکھا جن میں چند اشعار تھے دو شعر یہ ہیں۔

شهدت علی احمد انه
رسول من الله باری النسم
فلو مد عمری الی عمره
لكنت وزيرا له وابن عم

حضرت ابوایوب انصاری اسی بادشاہ کے خاندان میں سے تھے اور اتفاق سے اسی مکان میں رہ رہے تھے آنحضرت جب مدینہ تشریف لائے تو ہر انصاری چاہتا تھا کہ آپ میرے گھر میں ٹھہریں آنحضرت نے فرمایا میری اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو یہ جہاں بیٹھ گئی میں وہیں ٹھہروں گا۔ چنانچہ اونٹنی آکر ابوایوب انصاری کے گھر کے سامنے رک گئی انصار مدینہ جب دعوت کرتے تو کھانا پکا کر اس مکان میں لاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ کھاتے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ "اذا اتی بطعام" یعنی جب طعام لایا جاتا تھا۔

لہسن کی وجہ سے آپ نے کھانا قبول نہ کیا اور ساتھیوں کو کھلا دیا معلوم ہوا کہ لہسن کھانا حرام نہیں ہے البتہ مکروہ ہے۔

پیاز لہسن اور بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا منع ہے

﴿۳۶﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ ثُوماً أَوْ بَصَلاً فَلْيَعْتَزِلْنَا أَوْ قَالَ فَلْيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا أَوْ لِيَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِقِدْرٍ فِيهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَلَهَا رِيحاً فَقَالَ قَرِّبُوْهَا إِلَى بَعْضِ أَصْحَابِهِ وَقَالَ كُلْ فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَاتُنَاجِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لہسن یا کچی پیاز کھائے ہوئے ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ ہم سے الگ رہے یعنی ہماری مجالس میں نہ آئے یا یہ فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ وہ ہماری مسجد سے دور رہے یعنی ہماری مسجد میں نہ آئے یا یہ فرمایا کہ اس کو چاہئے کہ وہ کہیں جانے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور ایک دن کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہانڈی لائی گئی جس میں از قسم ترکاری سبزیاں تھیں یعنی لہسن، پیاز اور گندنا وغیرہ آپ کو اس میں بو محسوس ہوئی تو اپنے صحابہ سے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کسی خادم سے فرمایا کہ اس کو اس فلاں شخص کے پاس لے جاؤ اور پھر اس شخص کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کو تم کھاؤ میں نہیں کھاؤں گا کیونکہ میں جس ہستی کے ساتھ سرگوشیاں کرتا ہوں اس کے ساتھ تم سرگوشی نہیں کرتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''مسجدنا'' راوی کو روایت بیان کرتے ہوئے دو جگہ شک ہو گیا اس لئے ''أو'' کو ذکر کیا ہے جو شک کے لئے آتا ہے ہر وہ شخص جس نے کچا پیاز یا لہسن یا مولی یا گندنا یا تمباکو یا نسوار یا پان استعمال کیا ہو اور منہ سے بدبو اٹھ رہی ہو یا ویسے بیماری کی وجہ سے اس کے منہ سے بدبو نکل رہی ہو تو ایسے شخص کے لئے مسجد میں جانا مکروہ ہے جب تک بدبو زائل نہیں ہو جاتی مسجد کے علاوہ عام لوگوں کے مجمعوں میں اختلاط کرنا بھی مکروہ ہے ''قربوا'' اور ''کل'' کے الفاظ میں تعارض نہیں الگ الگ مخاطب ہو سکتے ہیں جمع بھی اور مفرد بھی۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہ کھانے کی علت یہ بیان فرمائی کہ میری سرگوشی فرشتوں کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے احتیاط کرتا ہوں تمہارا معاملہ ایسا نہیں ہے تم کھالو۔

﴿۳۷﴾وَعَنِ الْمِقْدَامِ ابْنِ مَعْدِيْكَرِبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كِيلُوْا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت مقداد ابن معدیکربؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کھانے پینے کی چیزوں کو ناپ تول کر لیا کرو تمہارے لئے اس میں برکت عطا کی جائے گی۔ (بخاری)

''کیلوا'' کیل سے ہے پیمانہ کرنے کے معنی میں ہے چونکہ جو چیز پیمانہ کی جاتی ہے وہ غلہ ہوتا ہے اور غلہ کھایا جاتا ہے اس

لئے اطعمہ میں ذکر کیا ورنہ یہ کتاب البیوع کا مسئلہ ہے وہاں لکھا گیا ہے۔

کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا

﴿۳۸﴾وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رُفِعَ مَائِدَتُهُ قَالَ الْحَمْدُلِلّٰهِ حَمْداً كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارَكاً فِيْهِ غَيْرُ مَكْفِيٍّ وَلَامُوَدَّعٍ وَلَامُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں آپ اس طرح فرماتے سب تعریف اللہ کے لئے ہے ایسی تعریف جو بہت ہے اور پاکیزہ یعنی ظاہر داری اور دکھاوے سے خالی ہے جس میں برکت عطا کی گئی ہے یعنی وہ ایسی بابرکت حمد ہے کہ ہمیشہ جاری وقائم رہے اور کبھی منقطع نہ ہو وہ نہ کفایت کی گئی ہے اور نہ اس سے بے پروائی ہوا ے رب ہمارے۔ (بخاری)

توضیح

"غیر مکفی" اس لفظ سے لیکر آخر تک سارے جملوں اور پورے کلام کو حمد کی صفت بھی بنایا جاسکتا ہے اور طعام کی صفت بھی بن سکتا ہے دونوں صورتوں میں مطلب میں فرق آئے گا اگر حمد کی صفت ہو تو مطلب اس طرح ہوگا کہ اس حمد کو ہم ہمیشہ اللہ کے لئے قائم ودائم رکھیں گے کسی مرحلہ پر اس کو ہم کافی نہیں سمجھیں گے بلکہ مسلسل جاری رکھیں گے۔"ولا مودع" یعنی اس تعریف کو ہم ترک کر کے نہیں چھوڑیں گے بلکہ مسلسل جاری رکھیں گے۔"ولا مستغنی عنہ" اور نہ ہم اس حمد سے مستغنی ہوسکتے ہیں بلکہ اس کی طرف ہم ہروقت محتاج ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس حمد کو کسی حد پر نہ کافی سمجھا جائے نہ اس کو ترک کیا جائے اور نہ اس سے بے نیازی برتی جائے اگر ان جملوں کو طعام اور کھانے کی صفت بنائی جائے تو پھر ان جملوں کا مطلب اس طرح ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کسی وقت اس کو کافی نہ سمجھا جائے بلکہ ہروقت اس کی طرف احتیاج رکھنا چاہیے، "ولا مودع" یعنی نہ اس کی تلاش اور طلب کو ترک کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے استغنا برتی جاسکتی ہے۔

کھانے پینے کے بعد اللہ کا شکر ادا کرو

﴿۳۹﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيَرْضٰى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأُكْلَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَائِشَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ مَاشَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا فِي بَابِ فَضْلِ الْفُقَرَاءِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے راضی وخوش ہوتا ہے کہ وہ ایک لقمہ کھائے اور اس پر خدا کی حمد وثنا کرے یا ایک مرتبہ پئے اور اس پر خدا کی حمد وثنا کرے۔ (مسلم)

اور دو روایتیں جن میں سے ایک روایت حضرت عائشہؓ کی ہے۔ اور دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے ان دونوں روایتوں کو ہم انشاء اللہ باب فضل الفقراء میں نقل کریں گے یعنی یہ دونوں روایتیں صاحب مصابیح نے کتاب الاطعمہ میں نقل کی تھیں لیکن ہم نے ان کو باب فضل الفقراء میں نقل کیا ہے۔

یعنی جس کا کھاؤ اس کا گاؤ جب وہی بادشاہ کھلا رہا ہے تو تعریف بھی اسی کی ہونی چاہئے کیونکہ "الانسان عبدالاحسان"۔

الفصل الثانی

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو

﴿۴۰﴾عَنْ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ كُنَّا عِنْدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَلَمْ أَرَطَعَامًا كَانَ أَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْهُ أَوَّلَ مَاأَكَلْنَا وَلَاأَقَلَّ بَرَكَةً فِيْ آخِرِهٖ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ هٰذَا قَالَ اِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللّٰهِ حِيْنَ أَكَلْنَا ثُمَّ قَعَدَ مَنْ أَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللّٰهَ فَأَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا کھانے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ میں نے اس کھانے میں اس وقت جو بڑی برکت دیکھی جب کہ ہم نے کھانا شروع کیا تھا ایسی برکت میں نے کسی اور کھانے میں نہیں دیکھی اور اس کھانے کے آخر میں میں نے جو کمتر برکت دیکھی ایسی کم برکت بھی اور کسی کھانے میں نہیں دیکھی چنانچہ ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اس کا کیا سبب تھا کہ اس کھانے میں شروع میں تو اتنی زیادہ برکت دیکھی گئی اور آخر میں اس طرح بے برکتی نظر آئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درحقیقت کھانے کے شروع میں ہم نے اللہ کا نام لیا تھا لیکن بعد میں ایک ایسا شخص آ کر بیٹھ گیا جس نے کھانا کھایا مگر اللہ کا نام نہیں لیا لہٰذا اس کے ساتھ شیطان نے بھی کھانا کھایا اس سبب سے آخر میں بے برکتی ہوئی۔ (شرح السنۃ)

بھول جائے تو کھانے کے درمیان بھی بسم اللہ پڑھو

﴿۴۱﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَنَسِيَ أَنْ يَذْكُرَاللّٰهَ عَلٰى طَعَامِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے بیٹھے اور شروع میں اپنے کھانے پر اللہ کا نام لینا بھول جائے اور کھانے کے درمیان یاد آئے تو اس کو چاہئے کہ وہ یہ کہے بسم اللہ اولہ واخرہ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

﴿۴۲﴾وَعَنْ أُمَيَّةَ ابْنِ مَخْشِيٍّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَأْكُلُ فَلَمْ يُسَمِّ حَتّٰى لَمْ يَبْقَ مِنْ طَعَامِهٖ إِلَّا لُقْمَةٌ فَلَمَّا رَفَعَهَا إِلٰى فِيْهِ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَازَالَ الشَّيْطَانُ يَأْكُلُ مَعَهٗ فَلَمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ اسْتَقَاءَ مَافِيْ بَطْنِهٖ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت امیہ ابن مخشیؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص کھانا کھانے بیٹھا تو اس نے اللہ کا نام نہیں لیا۔ یعنی بسم اللہ کہے بغیر کھانا کھانے لگا یہاں تک کہ جب اس کھانے میں سوائے ایک لقمہ کے کچھ باقی نہیں رہا اور اس کو یاد آیا کہ میں کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ کہنا بھول گیا ہوں تو اس نے وہ آخری لقمہ اپنے منہ میں لے جاتے وقت کہا بسم اللہ اولہ واخرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر ہنسے اور پھر فرمایا کہ شیطان اس شخص کے ساتھ برابر کھانا کھا رہا تھا لیکن جب اس نے اللہ کا نام لیا تو اس شیطان نے وہ سب کچھ اگل دیا جو اس کے پیٹ میں تھا۔ (ابوداؤد)

"استقاء" جو کچھ پیٹ میں تھا اس کو قے کر لیا جو نگلا تھا اس کو اگل دیا۔

کھانے کے بعد کی دعا

﴿۴۳﴾وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهٖ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے ہر طرح کی تعریف اس اللہ کو سزاوار ہے جس نے ہمیں کھانے کو دیا، ہمیں پینے کو دیا اور ہمیں مسلمان بنایا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۴۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعِمُ الشَّاكِرُ كَالصَّائِمِ الصَّابِرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سِنَانِ بْنِ سَنَّةَ عَنْ أَبِيْهِ

اور حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔ (ترمذی) ابن ماجہ اور دارمیؒ نے اس روایت کو سنان بن سنہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔

﴿۴۵﴾وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَوْ شَرِبَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَطْعَمَ وَسَقٰى وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجاً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوایوب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے اور پیتے تو فرماتے ہر طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے کھلایا پلایا اور اس کھانے پینے کی چیز کو آسانی کے ساتھ حلق سے اتارا اور اس کے نکلنے کی راہ پیدا فرمائی۔ (ابوداؤد)

کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ دھولیا کرو

﴿٤٦﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ إِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سلمان کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے میں برکت کا ذریعہ کھانے کے بعد وضو کرنا ہے چنانچہ قبولیت اسلام کے بعد ایک دن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تورات کے اس مضمون کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے میں برکت کا ذریعہ کھانے سے پہلے وضو کرنا ہے اور کھانے کے بعد وضو کرنا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"فی التوراۃ" تورات میں کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور منہ میں کلی کرنے کا بیان تھا صحابی نے وہ پڑھا تھا تو حضور اکرم کے سامنے تذکرہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھونا ہے اور کھانے کے بعد بھی۔ دونوں باعث برکت ہے گویا آنحضرت نے اشارہ کیا کہ شریعت محمدیہ کامل و مکمل بلکہ اکمل دین ہے اس لئے تکمیل شریعت کا تقاضا ہے کہ کھانے سے پہلے بھی ہاتھ دھونا ہے اور بعد میں بھی ہاتھ دھونا ہے یہاں وضو سے اصطلاحی نماز والا وضو مراد نہیں ہے بلکہ اس سے لغوی وضو مراد ہے جو صرف ہاتھ دھونا اور منہ میں کلی کرنا ہے اور یہی وضو مما مست النار کے لئے ہے جلد اول کتاب الطہارۃ میں یہ مسئلہ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

﴿٤٧﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُدِّمَ إِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا أَلَا نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ قَالَ إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے واپس آئے تو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم آپ کے سامنے وضو کا پانی لائیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے حدث کے بعد وضو کرنے کا حکم بطریق وجوب اس صورت میں دیا گیا ہے جبکہ میں نماز کے لئے کھڑا ہونے کا ارادہ کروں۔

(ترمذی، ابوداؤد و نسائی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔

یعنی اصطلاحی شرعی وضو تو اس وقت ہوتا ہے جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہو اور وضو نہ ہو اس وقت وضو فرض ہے کھانا کھانے

کے لئے اصطلاحی وضو لازم نہیں آتا ہے۔

اطراف سے کھاؤ بیچ کو بچاؤ

﴿۴۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَاتَأْكُلُوْا مِنْ وَسْطِهَا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسْطِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ، وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ قَالَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَاماً فَلَايَأْكُلْ مِنْ أَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَأْكُلْ مِنْ أَسْفَلِهَا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ أَعْلَاهَا

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن آپ کی خدمت میں ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا آپ نے مجلس میں موجود صحابہؓ سے فرمایا کہ اس پیالے کے کناروں سے کھاؤ اس کے درمیان میں سے نہ کھاؤ کیونکہ برکت اس کے درمیان میں نازل ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمیؒ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے بیٹھے تو اس کو چاہیئے کہ وہ پیالہ کے اوپر سے نہ کھائے البتہ پیالے کے نیچے سے کھائے کیونکہ برکت اوپر کے حصے میں نازل ہوتی ہے۔

توضیح

"کلوا من جوانبها" رکابی کے درمیان میں کھانے کا بڑا حصہ ہوتا ہے برکت وادب طعام یہ ہے کہ اس بڑے حصہ کے اطراف وجوانب سے کھایا جائے یہ نہیں کہ کھانے کی ابتداہی درمیان سے کرے اور اس کو گرائے اس میں گنوار پن بھی ہے اور برکت کے لئے نقصان بھی ہے اعلی رکابی سے یہی اوپر والا حصہ مراد ہے اور اسفل رکابی سے نچلا حصہ اور اطراف مراد ہیں "ثرید" اس کھانے کو ثرید کہتے ہیں کہ روٹیاں شوربے میں ڈالکر خوب نرم کیا جائے اور پھر کھایا جائے لذیذ بھی ہے زود ہضم بھی ہے اور کم خرچ بالانشین بھی ہے۔

آنحضرت نے کبھی ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھایا

﴿۴۹﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَارُؤِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ مُتَّكِئاً قَطُّ وَلَايَطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو آدمی بھی نہیں چلتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"متکئا" ٹیک لگا کر کھانا متکبرین متجبرین کی عادت ہے کہ کھا بھی رہے ہیں اور بے احتیاجی بھی ظاہر کر رہے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رزق سے بالکل بے نیاز ہیں۔

"ولا یطاعقبہ رجلان" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے آگے آگے ساتھیوں کے جلوہ میں نہیں جاتے تھے بلکہ وسط میں ہوتے تھے کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ بالکل آخر میں ہوتے تھے اور دو آدمی بھی آپ کے پیچھے نہیں ہوتے تھے زیادہ کی تو کوئی بات ہی نہیں۔ ہاں اگر ایک آدمی ہوتا تو اس کی نفی نہیں ہے جیسے حضرت انسؓ اکیلے ہوتے تھے۔ بہر حال یہ عام معمول کا ضابطہ نہیں ہے۔ بلکہ کبھی ایک صورت ہوتی تھی کبھی دوسری صورت ہوتی۔ "عقب" ایڑی کو کہتے ہیں مراد پیچھے ہونا ہے۔

مسجد میں کھانے کا مسئلہ

﴿۵۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا مَعَهُ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى أَنْ مَسَحْنَا أَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه

اور حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی اور گوشت پر مشتمل کھانا لایا گیا جب کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے چنانچہ اس کھانے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور آنحضرت کے ہمراہ ہم نے بھی کھایا پھر کھڑے ہوئے اور آنحضرت نے نماز پڑھی آپکے ساتھ ہم نے بھی نماز ادا کی اور اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو ان کنکریوں سے پونچھ ڈالا تھا جو مسجد میں تھیں۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"فاکل" اگر مجبوری اور ضرورت ہو تو مسجد میں کھانا پینا جائز ہے یا کوئی مسافر ہے اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے یا دینی طلبہ ہیں یا محلّہ کا آدمی ہے مگر گھر میں جگہ تنگ ہے اور وہ مجرد ہے غیر شادی شدہ ہے یا کوئی معتکف ہے تو ان لوگوں کے لئے مسجد میں کھانا جائز ہے بشرطیکہ مسجد میں کسی گندگی پھیلنے کا احتمال نہ ہو اگر گندگی پھیلتی ہو تو پھر کھانا حرام یا مکروہ ہے آج کل لوگ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں کھانے کو جائز کرواتے ہیں تو ان کو دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے ایک یہ کہ اعتکاف اگر چوبیس گھنٹے کا ہے تو روزہ رکھنا لازم ہے۔ دوسری بات یہ کہ اعتکاف برائے عبادت ہوتا ہے اکل وشرب کو جائز کرنے کی نیت سے اعتکاف نہیں

ہوتا لہٰذا عبادت کی غرض سے اعتکاف کریں کھانا خود آجائے گا پھر اعتکاف میں فضول گپ شپ کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

﴿۵۱﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پکایا بھنا ہوا گوشت لایا گیا۔ اس میں سے آپ کو دست کا حصہ دیا گیا کیونکہ دست کا گوشت آپ کو بہت پسند تھا چنانچہ آپ نے اس کو دانتوں سے نوچ نوچ کے کھایا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

بے تکلفی اور سادگی کی غرض سے آنحضرت نے منہ سے گوشت کاٹ کر کھایا ہے اگر گوشت نرم ہے تو ایسا ہی کرنا چاہئے۔

"فنھس" دانتوں سے نوچ کر کھانے کو نہس کہتے ہیں۔

﴿۵۲﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّيْنِ فَإِنَّهُ مِنْ صُنْعِ الْأَعَاجِمِ وَانْهَسُوْهُ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَا لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گوشت کو چھری سے نہ کاٹو یعنی چھری سے کاٹ کاٹ کر نہ کھاؤ کیونکہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے بلکہ گوشت کو دانتوں سے نوچ نوچ کر کھاؤ کیونکہ دانتوں سے نوچ کر کھانا زیادہ لذت بخش اور زیادہ خوش گوار ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور دونوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث باعتبار سند کے قوی نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے۔

توضیح

"لاتقطعوا" یعنی بغیر ضرورت گوشت کو چھری سے کاٹ چھانٹ کر کھانا متکبر اعاجم کا کام ہے گوشت اگر خوب پکا ہوا نرم ہے تو منہ میں رکھ کر دانتوں سے کاٹنا چاہئے اس میں کئی فوائد ہیں چاقو سے زخمی ہونے کا خطرہ نہیں تکبر وغرور کا خطرہ نہیں نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا خطرہ نہیں اور اگر مجبوری ہے تو مجبوری تو مجبوری ہے اس میں نرمی ضروری ہے۔

"وانھسوہ" نہس دانتوں کے کناروں سے کاٹنے اور نوچ کر کھانے کو کہتے ہیں "اھنأ" ھنأ سے ہے لذیذ اور موافق طبع کھانے کو کہتے ہیں "وامرأ" جو آسانی سے گذر جائے بوجھ نہ بنے یعنی فرحت بخش اور خوش گلو زود ہضم ہے ایت ﴿ھنیأ مریأ﴾ کی طرف اشارہ "فانہ" النہس کی طرف ضمیر راجع ہے۔

بیماری کے لئے پرہیز ضروری ہے

﴿۵۳﴾وَعَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ مَهْ يَاعَلِيُّ فَإِنَّكَ نَاقِهٌ قَالَتْ فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقاً وَشَعِيْراً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَلِيُّ مِنْ هٰذَا فَأَصِبْ فَإِنَّهُ أَوْفَقُ لَكَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ام منذر انصاریہ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے آپ کے ہمراہ حضرت علیؓ بھی تھے اس وقت ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خوشوں میں سے کھانا شروع کیا اور آپ کے ساتھ حضرت علی بھی کھانے لگے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی تم ان کھجوروں کو کھانے سے اجتناب کرو کیونکہ تمہیں کمزوری لاحق ہے یعنی تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو اور تم پر ضعف کا اثر غالب ہے اس لئے تمہارے لئے پرہیز ضروری ہے حضرت ام منذر کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے لئے چقندر اور جو تیار کئے تھے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی تم اس میں سے کھاؤ اس لئے کہ یہ تمہارے لئے بہت مفید اور موافق ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"دوال" اس کا مفرد دالیۃ ہے کھجور کے گچھوں اور نیم پختہ خوشوں کو کہا جاتا ہے جس کو بُسر کہتے ہیں جب پک جائے تو اس کو رطب کہتے ہیں۔

"مہ یاعلی" یعنی مت کھاؤ، نہ کر (مہ کرہ) "ناقہ" نقاہت کمزوری کو کہتے ہیں بیمار آدمی جب صحت یاب ہوجاتا ہے مگر کمزور رہتا ہے اس کو ناقہ کہتے ہیں چونکہ بیماری کی وجہ سے معدہ کمزور ہوجاتا ہے تو ثقیل چیز کا ہضم کرنا مشکل ہوتا ہے۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچن پسند تھی

﴿۵۴﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھرچن یعنی تہ دیگی اچھی لگتی تھی۔ (ترمذی، بیہقی)

توضیح

کھرچن اور کھرچل اصل میں ہانڈی کی تہہ میں لگی ہوئی چیز کا نام ہے جس کو تہ دیگی بھی کہتے ہیں اس میں معمولی سی جلن کا اثر بھی ہوتا ہے یہ لذیذ ہوتی ہے اور اس کے کھانے میں تواضع وانکساری بھی ہے متکبرلوگ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے ہیں تہ دیگی زیادہ تر چاول کے پکانے میں ہوتی ہے۔

کھانے کے بعد برتن صاف کرنا مغفرت کا ذریعہ ہے

﴿۵۵﴾وَعَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ فِيْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت نبیشہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص کسی پیالے یا تشتری میں کھائے اور پھر اس کو انگلیوں سے چاٹ لے تو وہ پیالہ اس کے لئے استغفار کرتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمیؒ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

"لحسها" یعنی انگلیوں سے برتن کو چاٹ لیا اور برتن کو صاف کیا۔

کھانے کے بعد ہاتھ دھو کر سویا کرو

﴿۵۶﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ وَفِيْ يَدِهٖ غَمَرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَأَصَابَهُ شَيْءٌ فَلَايَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں رات گذارے کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی ہو کہ کھانے کے بعد اس نے اس کو دھویا نہ ہو اور پھر اس کو کوئی ضرر پہنچ جائے یعنی ایذاء پہنچانے والے جو جانور کھانے کی بو یا چکنائی پر آتے ہیں وہ اس کو ضرر پہنچائیں تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے کیونکہ چکنے ہاتھوں کے ساتھ سو کر وہ اس ضرر کا خود سبب بنا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

"فلایلومن" یعنی کھانا کھایا اس کی وجہ سے ہاتھ پر دسومت و چکناہٹ آگئی اس کو دھوئے بغیر دوپہر یا عشاء کے وقت سو گیا اور کسی حشرات الارض چیونٹی وغیرہ نے آکر کاٹ لیا یا کھانے کی خوشبو کی وجہ سے چاٹ لیا اور نقصان پہنچ گیا تو یہ آدمی صرف اپنے آپ کو ملامت کرے کیونکہ شریعت نے اس کی رہنمائی کی تھی اس نے عمل نہیں کیا صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲ے۱۹۷ء میں دارالعلوم کراچی میں میرے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا رات کو سویا ہاتھ کے ساتھ سالن کی خوشبو باقی تھی صبح تک نیند کی حالت میں چیونٹیوں نے برا حشر کیا تھا اور ہاتھ سوجا ہوا تھا۔

آنحضرت کو ثرید پسند تھا

﴿۵۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الطَّعَامِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الثَّرِيْدُ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدُ مِنَ الْحَيْسِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک روٹی کا ثرید اور حیس کا ثرید سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا تھا۔(ابوداؤد)

توضیح

ثرید دو قسم کا ہوتا ہے ایک روٹی اور شوربا کا ثرید ہے یہ بھی آپ کو پسند تھا دوسرا ''حیس'' کے نام سے ثرید ہوتا ہے۔روٹی کا ثرید اس طرح ہے کہ روٹی کے ٹکڑے شوربے میں توڑ کر ڈالکر بھگودیا اور ثرید بنالیا اور پھر کھالیا۔حَیس کا ثرید اس کھانے کو کہتے ہیں جو چھوہارے، گھی اور پنیر وغیرہ کو ملا کر مالیدہ کی طرح بنایا جائے یہ بھی حضور اکرم کو پسند تھا دونوں زود ہضم فرحت بخش اور کم خرچ بالانشین ہیں۔

زیتون کی فضیلت

﴿۵۸﴾وَعَنْ أَبِيْ أُسَيْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَإِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت ابواسید انصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیت یعنی روغن زیتون کو کھایا کرو اور بدن پر اس کی مالش کیا کرو کیونکہ وہ ایک بابرکت درخت زیتون کا تیل ہے۔(ترمذی،ابن ماجہ،دارمیؒ)

توضیح

زیتون کھایا بھی جاتا ہے اور جسم پر اس کے تیل سے مالش بھی کی جاتی ہے ''شجرة مباركة'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿یوقد من شجرة مباركة زيتونة لاشرقية ولاغربية﴾ حدیث میں اسی ایت کی طرف اشارہ ہے۔

سرکہ سالن ہے

﴿۵۹﴾ وَعَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعِنْدَكِ شَيْءٌ قُلْتُ لَا إِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ فَقَالَ هَاتِي مَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدُمٍ فِيهِ خَلٌّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ

اور حضرت ام ہانیؓ جو ابو طالب کی بیٹی اور حضرت علیؓ کی ہمشیرہ تھی کہتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کھانے کے لئے تمہارے پاس کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ سوکھی روٹی اور سرکے کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے آپ نے فرمایا وہی لے آؤ وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سرکہ ہو۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

یعنی جس گھر میں سرکہ موجود ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں سالن نہیں ہے خود یہ سرکہ بہترین سالن ہے دوا بھی ہے اور غذا بھی ہے اور کم خرچ بالا نشین بھی ہے۔

کھجور بھی سالن کا کام کرتی ہے

﴿۶۰﴾ وَعَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً فَقَالَ هٰذِهِ إِدَامُ هٰذِهِ وَأَكَلَ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

اور حضرت یوسف بن عبد اللہ ابن سلامؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا اور اس پر کھجور رکھ کر فرمایا کہ یہ کھجور روٹی کے ٹکڑے کا سالن ہے۔ (ابوداؤد)

غیر مسلم معالج سے رجوع کرنا جائز ہے

﴿۶۱﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا أَتَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ ثَدْيَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَهَا عَلٰى فُؤَادِي وَقَالَ إِنَّكَ رَجُلٌ مَفْئُودٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ كَلْدَةَ أَخَا ثَقِيفٍ فَإِنَّهُ رَجُلٌ يَتَطَبَّبُ فَلْيَأْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَةِ الْمَدِينَةِ فَلْيَجَأْهُنَّ بِنَوَاهُنَّ ثُمَّ لِيَلُدَّكَ بِهِنَّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

اور حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بہت سخت بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کی غرض سے میرے پاس تشریف لائے آپ نے اس وقت میری دونوں چھاتیوں کے درمیان یعنی سینہ پر اپنا دست مبارک رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل پر محسوس کی پھر آپ نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص ہو جو دل کے درد میں مبتلا ہے یعنی تم قلب کے مریض ہو لہٰذا تم حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ جو قبیلہ ثقیف سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ وہ شخص طب علاج معالجہ کرنا جانتا ہے اس کو

چاہیے کہ وہ مدینہ کی سب سے اعلیٰ قسم کی کھجور عجوہ میں سے سات کھجوریں لے پھر ان کو گٹھلیوں سمیت کوٹ لے اور اس کے بعد ان کو دوا کی صورت میں تمہارے منہ میں ڈالے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"مفئود" یہ فواد سے ہے دل کے مریض کو کہتے ہیں گویا آنحضرت نے صحیح تشخیص فرمائی کہ تم دل کے مریض ہو "حارث بن کلدۃ" یہ عرب کا مشہور حکیم تھا جن کا تعلق بنو ثقیف سے تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت نے حضرت سعد کو پہلے حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دیا اور پھر خود ہی دوا تجویز فرمائی اور پھر نسخہ بنانے کا کام حکیم کے سپرد کیا ایسا کیوں کیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے پہلے سعد کو حکیم کے پاس جانے کا مشورہ دیا لیکن پھر آپ کو نسخہ کا علم ہو گیا کہ دل کے بیمار کے لئے یہ نسخہ آسان اور مفید ہے تو آنحضرت نے نسخہ تجویز فرما دیا تا کہ حکیم ان کو لمبے چوڑے جڑی بوٹیوں کے چکر میں نہ ڈالے پھر آپ نے نسخہ کی ترکیب اور معجون بنانے کا کام حکیم پر چھوڑ دیا کیونکہ وہ اس میں ماہر تھا اور اس کا پیشہ تھا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم ڈاکٹر اور حکیم سے علاج کرانا اور اس کے پاس جانا جائز ہے اس حدیث میں فلیاخذ سے آخر تک غائب کے تمام ضمائر طبیب کی طرف لوٹتی ہیں۔

"یتطبب" یعنی وہ آدمی طبابت کے عمل میں ماہر ہے "عجوۃ المدینة" معلوم ہوا اس نسخہ کے لئے مدینہ کا عجوہ ضروری ہے۔ "فلیجا" وجاء یوجاء سے ہے توڑنے اور کوٹنے کے معنی میں ہے "بنواھن" نواۃ کی جمع ہے کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں یعنی عجوہ کھجور کو اس کی گٹھلیوں کے ساتھ پیس کر سفوف بنالے اور سفوف مریض کو کھلا دے۔

"لِیَلُدَّکَ" نصر ینصر سے لدود اس دوا کو کہتے ہیں جو منہ کے ذریعہ سے مریض کو دیا جائے۔

غذا کو معتدل بنا کر کھانا چاہئے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ أَبُوْدَاوُدَ وَيَقُوْلُ يُكْسَرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ تازہ کھجوروں کے ساتھ کھاتے تھے۔ (ترمذی) اور ابوداؤد نے اس روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ آپ یہ فرماتے تھے کہ اس کھجور کی گرمی اس خربوزے کی سردی سے توڑی جاتی ہے اور خربوزے کی سردی کھجور کی گرمی سے توڑی جاتی ہے نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"البطیخ" تربوز کو عربی میں بطیخ کہتے ہیں اس کا مزاج سرد ہوتا ہے۔ اور "الرطب" یہ تازہ کھجور کو کہتے ہیں جس کا مزاج گرم تر ہوتا ہے ان دونوں کو ملانے سے غذا میں اعتدال آتا ہے دونوں ایک دوسرے کی گرمی سردی کو ختم کر دیتی ہے۔ مظاہر حق میں بطیخ کا ترجمہ خربوزہ کیا ہے جو محل تامل ہے۔

پھلوں میں کیڑا پڑنے سے پھل نجس نہیں ہوتا

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ عَتِيقٍ فَجَعَلَ يُفَتِّشُهُ وَيُخْرِجُ السُّوسَ مِنْهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پرانی کھجور لائی گئی جس میں کیڑے پڑ گئے تھے چنانچہ آپ اس کو چیرتے اور اس میں سے کیڑا نکال کر پھینک دیتے۔ (ابوداود)

توضیح

"السوس" پھلوں میں بعض دفعہ کیڑے پڑ جاتے ہیں اور کھانے میں آدمی کو پتہ نہیں چلتا آنحضرت کی ایک حدیث میں ہے کہ "دود الثمر کالثمر" یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پھل نجس نہیں ہوتا لہٰذا اگر کیڑے کے ساتھ کسی نے غفلت سے پھل کھالیا تو حرج نہیں۔

زیر بحث حدیث میں اتنی بات ہے کہ آنحضرت نے کھجوروں سے کیڑے صاف کر کے کھجور استعمال فرمائے ہیں جس سے اس قسم کی کھجور استعمال کرنے کا جواز پیدا ہوتا ہے "سوس" پھلوں اور غلہ میں جو کیڑے پڑ جاتے ہیں اس کو سوس کہتے ہیں عتیق پرانی کھجور کو کہتے ہیں۔ کیڑوں سے پھلوں کو صاف کر کے کھانا نظافت اور نفاست ہے جو شرعاً مطلوب ہے۔

﴿۲۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِجُبْنَةٍ فِيْ تَبُوْكَ فَدَعَا بِالسِّكِّيْنِ فَسَمّٰى وَقَطَعَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک کے دوران ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پنیر کا ایک ٹکڑا لایا گیا تو آپ نے چھری منگوائی اور بسم اللہ کہہ کر اس کو کاٹا۔ (ابوداود)

"جبنة" پنیر کے ٹکڑے کو کہتے ہیں نون پر شد بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر شد بھی ہے۔

اسلام نے جن چیزوں کو حرام کہا وہی حرام ہیں

﴿۲۵﴾وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ السَّمْنِ وَالْجُبْنِ وَالْفِرَاءِ فَقَالَ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَمَوْقُوْفٌ عَلَى الْأَصَحِّ

اور حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی، پنیر اور پوستین یا گورخر کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ چیزیں حلال ہیں یا حرام ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ حلت وحرمت کے سلسلے میں یہ اصول مدنظر رکھو کہ حلال وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے یعنی جس کا حلال ہونا قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے۔ اور حرام وہی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے اور جس چیز سے سکوت فرمایا یعنی جس چیز کو نہ حلال فرمایا اور نہ حرام وہ اس قسم سے ہے جو معاف رکھا گیا ہے یعنی اس کے استعمال کرنے کو مباح رکھا ہے اس روایت کو ابن ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے لیکن زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

توضیح

"السمن" گھی کو کہتے ہیں کچھ لوگوں کو شبہ ہوا ہوگا اس لئے گھی کے بارہ میں سوال کیا ورنہ محل سوال نہیں ہے۔

"الجبن" یہ لفظ نون کے شد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر شد بھی ہے پنیر کو کہتے ہیں اس کے بارے میں سوال اس لئے کیا گیا ہے کہ اس زمانہ میں پنیر بنانے کے لئے اونٹ یا بکری کے اوجھ کو استعمال کرنا پڑتا تھا ظاہر ہے یہ محل سوال ہے۔

"الفراء" یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوسکتا ہے عام شارحین نے لکھا ہے کہ الفراء فا کے کسرہ اور مد کے ساتھ جمع ہے اور الفراء فا کے فتحہ کے ساتھ مفرد ہے جنگلی گدھے حمار وحشی زیبرا کو کہتے ہیں۔ اس کے حلال وحرام ہونے کے بارہ میں سوال کی ضرورت تھی۔ بعض شارحین نے الفراء کو "فرو" کی جمع قرار دیا ہے جو پوستین کے معنی میں ہے اس صورت میں سوال اس لئے کیا گیا کہ کھال سے کفار پوستین تیار کرتے تھے تو ہوسکتا ہے کہ مردار کی کھال ہو، آنحضرت نے صحابہ کو زیادہ سوالات اور کھود کرید سے منع کر کے فرمایا کہ حرام اشیاء اور حلال اشیاء کا تذکرہ قرآن وحدیث میں آگیا ہے جیسے ﴿ما اتکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا﴾ اور جن اشیاء سے قرآن وحدیث خاموش ہیں وہ مباح ہیں اس حدیث سے فقہاء نے یہ ضابطہ نکالا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے حرمت وحلت کا حکم ثانوی امر ہے۔

عمدہ کھانے کی خواہش جائز ہے

﴿۲۶﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ أَنَّ عِنْدِيْ خُبْزَةً بَيْضَاءَ

مِنْ بُرَّةٍ سَمْرَاءَ مَلَبَّقَةٍ بِسَمْنٍ وَلَبَنٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَاتَّخَذَهُ فَجَاءَ بِهِ فَقَالَ فِيْ أَيِّ شَيْءٍ كَانَ هٰذَا قَالَ فِيْ عُكَّةِ ضَبٍّ قَالَ ارْفَعْهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجلس میں فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ میرے سامنے سفید گجر گیہوں کی روٹی ہو جس کو گھی اور دودھ میں تر کیا گیا ہو۔ یہ سن کر جماعت میں سے ایک شخص اٹھ کر چلا گیا اور مذکورہ روٹی تیار کر کے لایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس روٹی کو جو گھی لگا ہوا ہے وہ کس برتن میں تھا؟ اس نے کہا کہ گوہ کی کھال کے کپے میں تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں کھاؤں گا اس کو میرے سامنے سے اٹھالو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

توضیح

"خبزة بیضاء" یعنی سرخ گندم کی سفید روٹی ہو دودھ اور گھی میں تر بتر ہو، عمدہ سرخ گندم کا آٹا سفید ہوتا ہے لوگ آج کل اشتہاروں میں لکھتے ہیں سونے جیسی گندم چاندی جیسا آٹا۔

"ملبقة" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے خلط ملط کر کے نرم بنانے کے معنی میں ہوتا ہے یہاں گھی اور دودھ میں تر بتر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے "عکة" کپے کو کہتے ہیں جس میں گھی رکھا جاتا ہے۔

"ضب" گوہ کو ضب کہتے ہیں، اس کے حلال اور مکروہ ہونے سے متعلق بحث باب ما یحل اکلہ الخ کی حدیث نمبر ۸ اور حدیث نمبر ۲۳ میں ہو چکی ہے احناف کے ہاں گوہ حلال نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوہ سے طبعی نفرت تھی شاید اس وجہ سے اس کی کھال میں رکھے ہوئے گھی کو استعمال نہیں کیا لیکن اس حدیث سے حرمت پر استدلال مشکل ہے کیونکہ ابوداؤد نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے طعام کی چاہت کو کسی طرح مکدر کر دیتا ہے تاکہ دنیا کی لذائذ کی طرف التفات ہی نہ ہو جب آنحضرت نے خود فرمایا "مالي وللدنيا" الخ اس کے بعد ان لذائذ سے لطف اندوز ہونا سمجھ سے بالاتر تھا اس لئے اس میں ایک غیبی روکاٹ آگئی لیکن اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ اچھے کھانے کی خواہش کرنا جائز ہے۔

کچا لہسن کھانا منع ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَكْلِ الثُّوْمِ إِلَّا مَطْبُوْخًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لہسن کھانے سے منع فرمایا الا یہ کہ وہ پکا ہوا ہو۔ (ترمذی)

توضیح

"الثوم" اس حدیث میں کچا لہسن ممنوع قرار دیا گیا ہے اور پکا لہسن جائز قرار دیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پک جانے کے بعد لہسن میں بدبو نہیں رہتی ہے بدبو کا تعلق صرف لہسن یا پیاز وغیرہ سے نہیں ہے بلکہ ان اشخاص کو بھی مسجد میں نماز کے لئے آنے سے روکا جاسکتا ہے جن کی منہ سے بوجہ گندہ دہنی بدبو اٹھ رہی ہو۔

پیاز کھانے کا مسئلہ

﴿۶۸﴾وَعَنْ أَبِيْ زِيَادٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْبَصَلِ فَقَالَتْ إِنَّ آخِرَ طَعَامٍ أَكَلَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامٌ فِيْهِ بَصَلٌ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوزیاد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے پکی ہوئی پیاز کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ حرام ہے یا حلال؟ تو انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں جو سب سے آخری کھانا کھایا تھا اس میں پکی ہوئی پیاز تھی۔ (ابوداؤد)

توضیح

اس حدیث کو اگر پیاز کھانے کے جواز پر حمل کیا جائے اور ممانعت کی احادیث کو مکروہ تنزیہی پر حمل کیا جائے تو کوئی تعارض نہیں رہیگا کیونکہ مکروہ تنزیہی کا مطلب خلاف اولیٰ ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ زیر بحث حدیث کا تعلق پکے ہوئے پیاز کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ اس کی اجازت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکھن کے ساتھ کھجور پسند تھا

﴿۶۹﴾وَعَنِ ابْنَيْ بُسْرٍ السُّلَمِيَّيْنِ قَالَا دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدَّمْنَا زُبْدًا وَتَمْرًا وَكَانَ يُحِبُّ الزُّبْدَ وَالتَّمْرَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور بسر کے دونوں بیٹوں یعنی حضرت عبد اللہ اور حضرت عطیہ سے جو اسلمی اور صحابی ہیں روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے آپ کے سامنے مسکہ مکھن اور کھجوریں پیش کیں جن کو آپ نے کھایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکی اور کھجور کو پسند فرماتے تھے۔ (ابوداؤد)

برتن میں مختلف اشیاء ہوں تو پسند کی چیز لو

﴿۷۰﴾وَعَنْ عِكْرَاشِ بْنِ ذُؤَيْبٍ قَالَ أُتِيْنَا بِجَفْنَةٍ كَثِيْرَةِ الثَّرِيْدِ وَالْوَذْرِ فَخَبَطْتُ بِيَدِيْ فِيْ نَوَاحِيْهَا

وَاَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ فَقَبَضَ بِيَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى يَدِي الْيُمْنٰى ثُمَّ قَالَ يَاعِكْرَاشُ كُلْ مِنْ مَوْضِعٍ وَاحِدٍ فَاِنَّهُ طَعَامٌ وَاحِدٌ ثُمَّ اُتِيْنَا بِطَبَقٍ فِيْهِ اَلْوَانُ التَّمْرِ فَجَعَلْتُ آكُلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَجَالَتْ يَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الطَّبَقِ فَقَالَ يَاعِكْرَاشُ كُلْ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ فَاِنَّهُ غَيْرُ لَوْنٍ وَاحِدٍ ثُمَّ اُتِيْنَا بِمَاءٍ فَغَسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ وَمَسَحَ بِبَلَلِ كَفَّيْهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَقَالَ يَاعِكْرَاشُ هٰذَا الْوُضُوْءُ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عکراش بن ذویب ؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر ہمارے سامنے ایک بڑا پیالہ لایا گیا جس میں بہت سا ثرید یعنی شوربے میں بھیگے ہوئی روٹی کے ٹکڑے اور گوشت کی بوٹیاں تھیں کھانے کے دوران میں اپنا ہاتھ پیالے کے ہر طرف دوڑانے لگا یعنی اپنے سامنے لقمہ اٹھانے کے بجائے ہر طرف ہاتھ ڈالنے لگا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آگے سے کھا رہے تھے چنانچہ آپ نے اپنے بائیں ہاتھ سے میرا داہنا ہاتھ پکڑلیا اور فرمایا کہ عکراش ایک جگہ سے یعنی اپنے آگے سے کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی طرح کا کھانا ہے پھر ہمارے آگے ایک طباق لایا گیا جس میں قسم قسم کی کھجوریں تھیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق اپنے سامنے سے کھجوریں اٹھا اٹھا کر کھانا شروع کیا لیکن اب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ طباق میں ہر طرف گردش کرنے لگا یعنی آپ اپنی طبعی پسند کے مطابق طباق کے ہر کنارے سے کھجوریں اٹھا اٹھا کر کھانے لگے اور اس کا مقصد لوگوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو کھجوریں ہر طرف سے اٹھا کر کھا سکتے ہیں اور پھر آپ نے محض اپنے اس فعل کے ذریعہ ہی بیان نہیں کیا بلکہ قول کے ذریعہ بھی تعلیم دی اور فرمایا عکراش! جس طرف سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ ایک ہی قسم کی نہیں ہیں اس کے بعد ہمارے پاس پانی لایا گیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور اپنے ہاتھوں کی تری اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں پر اور سر پر مل لی اور کہا کہ عکراش یہ اس کھانے کے بعد کا وضو ہے جس کو آگ نے متغیر کیا ہے یعنی یہ ہاتھ اور منہ دھونا کہ جس کو وضو طعام کہا جاتا ہے اس کھانے کی وجہ سے ہے جو آگ پر پکایا گیا ہے۔ (ترمذی)

توضیح

"الوفر" یہ وذرۃ کی جمع ہے گوشت کے ان ٹکڑوں کو کہتے ہیں جن میں ہڈی نہ ہو "خبطت" ہاتھ ڈالنے کو کہتے ہیں یعنی میں نے پیالہ کے ہر جانب میں ہاتھ ڈالنا شروع کردیا حضور اکرم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ ایک قسم کا کھانا ہے لہٰذا اپنے سامنے سے کھاؤ اس کے بعد مختلف قسم کی کھجوروں کا ایک طبق لایا گیا میں اپنے سامنے سے کھجور اٹھا رہا تھا اور حضور اکرم مختلف جگہوں میں ہاتھ گھما کر اٹھا رہے تھے آنحضرت نے فرمایا کہ اس کو جہاں سے چاہو کھاؤ کیونکہ یہ ایک قسم چیز نہیں بلکہ الگ الگ رنگوں پر مشتمل ہے پھر اس کے بعد پانی لایا گیا آنحضرت نے منہ ہاتھ دھولیا اور پھر فرمایا عکراش! مامست النار سے جس

وضو کا حکم ہے وہ یہی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے یعنی وضو لغوی مراد ہے توضیحات جلد اول کتاب الطہارۃ میں یہ مسئلہ گذرا ہے ۔اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ ایک قسم کا کھانا ہو تو سامنے سے کھایا جائے اور اگر مختلف قسم کے پھل وغیرہ ہوں تو ہر جگہ سے کھایا جا سکتا ہے دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ ما مست النار جس وضو کا حکم ہے وہ لغوی وضو ہے اصطلاحی نہیں۔

حریرے کا فائدہ

﴿۷۱﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَخَذَ أَهْلَهُ الْوَعْكُ أَمَرَ بِالْحَسَاءِ فَصُنِعَ ثُمَّ أَمَرَهُمْ فَحَسَوْا مِنْهُ وَكَانَ يَقُوْلُ إِنَّهُ لَيَرْتُوْ فُؤَادَ الْحَزِيْنِ وَيَسْرُوْ عَنْ فُؤَادِ السَّقِيْمِ كَمَا تَسْرُوْ إِحْدَاكُنَّ الْوَسَخَ بِالْمَاءِ عَنْ وَجْهِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو بخار آجاتا تو آپ حساء تیار کرنے کا حکم دیتے چنانچہ وہ تیار کیا جاتا اور پھر آپ مریضوں کو اس حساء کے پینے کا حکم دیتے جس کو وہ مریض پیتے آپ فرمایا کرتے تھے کہ در حقیقت حساء غمزدہ دل کو طاقت پہنچاتا ہے اور بیمار کے دل سے رنج و کلفت کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح تم عورتوں میں سے کوئی اپنے منہ کے میل کو پانی سے صاف کر ڈالتی ہے ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح

"الوعک" شدید بخار کو کہتے ہیں "الحساء" کھانے کی ایک رقیق قسم کو حساء کہتے ہیں جو آٹا پانی اور گھی کو ملا کر تیار کیا جاتا ہے کبھی اس میں شکر بھی ملایا جاتا ہے اہل مکہ اس کو حریرہ کہتے ہیں۔

"فحسوا" یعنی لوگوں نے اسے پی لیا یہ جمع کا صیغہ اس لئے ہے کہ بخار میں سب شریک تھے یا اس حریرہ کے پینے میں سب شریک تھے "وکان یقول" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انہ" یعنی یہ حساء اور حریرہ "لیرتو" لام ابتدائیہ تاکیدیہ ہے "رتی یرتو" نصر ینصر سے ہے جس کا معنی دل کو قوی کرنا ہے ای "یقوی القلب" یعنی غمگین کے دل کو قوی کرتا ہے "ویسرو" (یسرو یکشف ویرفع) کے معنی میں ہے یعنی بوجھ کو ہٹا دیتا ہے "کماتسرو" یعنی جس طرح تم عورتیں اپنے چہروں سے پانی کے ذریعہ میل کچیل دور کرتی ہوں، چونکہ سامنے عورتیں تھیں اس لئے ان سے خطاب کیا گیا۔

عجوہ جنت کی کھجور ہے

﴿۷۲﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَفِيْهَا شِفَاءٌ مِنَ السَّمِّ وَالْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

اور حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجوہ جنت کی کھجور ہے اور اس میں زہر کی شفاء ہے اور کھمبی من کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفاء ہے۔ (ترمذی)

مطلب یہ کہ اس کی اصل جنت سے آئی ہے یا جنت میں جو کھجوریں ہوں گی وہ عمدہ عمدہ عجوہ ہونگی۔

الفصل الثالث

﴿۴۷﴾ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأَمَرَ بِجَنْبٍ فَشُوِيَ ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ لِيْ بِهَا مِنْهُ فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ مَالَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ قَالَ وَكَانَ شَارِبُهُ وَفَاءً فَقَالَ لِيْ أَقُصُّهُ لَكَ عَلَى سِوَاكٍ أَوْ قُصَّهُ عَلَى سِوَاكٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی شخص کے ہاں مہمان ہوا۔ اس شخص نے ہمارے لئے ایک بکری ذبح کی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کا ایک پہلو بھوننے کا حکم دیا۔ جب وہ پہلو بھون دیا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھری لی پھر اس کے ذریعہ اس پہلو میں سے میرے لئے بوٹیاں کاٹنے لگے اتنے میں حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دینے کیلئے آگئے آپ نے چھری کو ڈال دیا اور بطریق تعجب فرمایا کہ بلالؓ کو کیا ہوا؟ کہ ایسے وقت بلانے آگیا اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔ حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت اس کی لبیں یعنی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے تمہاری لبیں مسواک پر کتر دوں یا یہ فرمایا کہ لبیں مسواک پر رکھ کر کتر ڈالو۔ (ترمذی)

توضیح

"ضفت" یعنی میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی شخص کے ہاں مہمان بنا۔

"یحز" چھری سے گوشت کاٹنے کے معنی میں ہے جب گوشت سخت ہو تو چھری کا استعمال جائز ہے ورنہ یہ طریق اعاجم اہل فارس کا ہے۔ "یوذنہ" یہ ایذان سے ہے اطلاع دینے کے معنی میں ہے یعنی حضرت بلال آنحضرت کو اطلاع دے رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ "فشوی" بھوننے کے معنی میں ہے یعنی آنحضرت نے میزبان سے کہا کہ پہلو کو بھون لو تو اس نے بھون لیا۔

"شاربہ وفاء" یعنی مغیرہ بن شعبہ کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں اس میں مغیرہ بن شعبہ نے شاربی کی جگہ شاربہ کہا ہے یہ التفات ہے "اقصہ لک علی سواک" یعنی میں تیری مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر کاٹ دوں گا یا تم خود مسواک پر رکھ کر کاٹ دو یہ بھی ممکن ہے کہ لبوں پر مسواک ہو اور اس کے ساتھ برابر رکھ کر مونچھوں کے بال قینچی سے کاٹا جائے تا کہ ایک لائن میں کٹ جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قینچی نہ ہو بلکہ مسواک پر بالوں کو برابر رکھ کر چھری چاقو سے کاٹا جائے۔

اگر کھانے پر بسم اللہ نہ پڑھا تو شیطان ساتھ کھاتا ہے

﴿۴۷﴾وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا إِذَا حَضَرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَاماً لَمْ نَضَعْ أَيْدِيَنَا حَتّٰى يَبْدَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعَ يَدَهُ وَإِنَّا حَضَرْنَا مَعَهُ مَرَّةً طَعَاماً فَجَاءَ تْ جَارِيَةٌ كَأَنَّهَا تُدْفَعُ فَذَهَبَتْ لِتَضَعَ يَدَهَا فِي الطَّعَامِ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهَا ثُمَّ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ كَأَنَّمَا يُدْفَعُ فَأَخَذَ بِيَدِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ أَنْ لَايُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ جَاءَ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِيَسْتَحِلَّ بِهَا فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ لِيَسْتَحِلَّ بِهِ فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ إِنَّ يَدَهُ فِيْ يَدِيْ مَعَ يَدِهَا، زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ وَأَكَلَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کھانے پر ہوتے تو ہم اس وقت تک کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے جب تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ فرماتے جب آپ کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتے تو اس کے بعد ہم اپنا ہاتھ بڑھاتے چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک لڑکی کھانے پر اس طرح آئی کہ گویا وہ دھکیل دی گئی ہو یعنی وہ بھوک کی شدت سے بے اختیار ہو کر کھانے پر اس طرح ٹوٹی جیسے اسکو کسی نے پیچھے سے دسترخوان پر دھکیل دیا ہو پھر اس نے جوں ہی یہ چاہا کہ بسم اللہ کہے بغیر کھانے پر ہاتھ ڈالے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر ایک دیہاتی بھی اسی طرح بیتابی کے ساتھ آیا کہ گویا اس کو کھانے پر دھکیل دیا گیا ہو اور اس نے بھی بسم اللہ کہے بغیر کھانے پر ہاتھ ڈالنا چاہا کہ آپ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس کھانے کو اپنے لئے حلال کرتا ہے اور اس کے کھانے پر قادر ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا چنانچہ شیطان اس لڑکی کو لے کر آیا تا کہ اس کے بسم اللہ نہ پڑھنے کے سبب سے کھانے کو اپنے لئے حلال کرے لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر شیطان اس دیہاتی کو لایا تا کہ اسکے ذریعہ کھانے کو اپنے لئے حلال کرے مگر میں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے بلا شبہ اس وقت شیطان کا ہاتھ اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ ایک روایت میں حذیفہؓ یا مسلم نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا نام لیا یعنی بسم اللہ پڑھی اور کھانا کھایا۔ (مسلم)

"تدفع" مار بھگانے کے معنی میں ہے گویا وہ لونڈی اور اعرابی کو کوئی دھکے دے دے کر کھانے کے لئے حاضر کر رہا تھا۔

"یستحل" تا کہ شیطان اپنے لئے کھانا ممکن بنادے۔

زیادہ کھانا نحوست کی علامت ہے

﴿۷۵﴾وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَ غُلَاماً فَأَلْقَى بَيْنَ يَدَيْهِ تَمْراً فَأَكَلَ الْغُلَامُ فَأَكْثَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ كَثْرَةَ الْأَكْلِ شُؤْمٌ وَأَمَرَ بِرَدِّهِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام کو خریدنے کا ارادہ فرمایا تو آزمائش کے طور پر اس کے آگے کھجوریں رکھ دیں چنانچہ وہ غلام خوراک سے بہت زیادہ کھجوریں کھا گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ زیادہ کھانا بے برکتی کا سبب اور بے برکتی کی علامت ہے پھر آپ نے اس غلام کو واپس کر دینے کا حکم دیا۔(بیہقی)

نمک بہترین سالن ہے

﴿۷٦﴾وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدُ إِدَامِكُمُ الْمِلْحُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه

اور حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے سالنوں میں بہترین سالن نمک ہے۔(ابن ماجہ)

مثلاً گھر میں سالن نہیں ہے مگر نمک موجود ہے تو مکئی یا گندم کی روٹی کو نمک میں ڈبو کر بہتر طریقہ سے کھایا جاسکتا ہے شکار کے موقع پر جنگلات میں لوگ اسی طرح روٹی کھاتے ہیں بڑا مزہ آتا ہے۔

جوتا اتار کر کھانے سے قدموں کو راحت ملتی ہے

﴿۷۷﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرْوَحُ لِأَقْدَامِكُمْ

اور حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے سامنے کھانا رکھا جائے اور تم کھانے بیٹھو تو اپنے جوتے اتار دو کیونکہ جوتے اتار دینا پیروں کیلئے بہت راحت بخش ہے۔

توضیح

جب آدمی کھانا کھاتا ہے تو جسم کے تمام اعضا کو لذت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ پاؤں کو بھی راحت پہنچتی ہے اگر پاؤں جوتوں میں محبوس اور بند ہوں تو وہ راحت سے محروم ہو جاتے ہیں جس سے پورے جسم کی لذت مکدر ہو جاتی ہے۔

کھانا کچھ ٹھنڈا کر کے کھانا چاہئے

﴿۷۸﴾وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا أُتِيَتْ بِثَرِيْدٍ أَمَرَتْ بِهِ فَغُطِّيَ حَتَّى تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهِ وَتَقُوْلُ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هُوَ أَعْظَمُ لِلْبَرَكَةِ. رَوَاهُمَا الدَّارِمِيُّ

اور حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ جب ان کے سامنے ثرید لایا جاتا تو وہ اس کو ڈھانک دینے کا حکم دیتیں چنانچہ اس کو ڈھانک کر رکھ دیا جاتا یہاں تک کہ اس کے دھویں اور بھاپ کا جوش نکل جاتا تھا یعنی اس کی گرمی کی شدت ختم ہو جاتی تھی اس کے بعد وہ اس کو کھاتی تھیں۔ نیز وہ فرماتی تھیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کھانے میں سے گرمی کا نکل جانا برکت میں زیادتی کا موجب ہے۔ (ان دونوں روایتوں کو دارمی نے نقل کیا ہے)

توضیح

"فورة دخانه" یعنی جو بھڑاس اور بھاپ گرمی کی وجہ سے اٹھتا ہے اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اوپر ڈھکنا رکھتی تھی تاکہ کھانا کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور پھر کھایا جائے کیونکہ زیادہ گرم کھانے سے منہ بھی جلتا ہے اور آنتوں کے لئے بھی مضر ہے کچھ انتظار کر کے ہانڈی کو دم دیکر کھانا مفید اور لذیذ ہو جاتا ہے اور اس میں برکت آجاتی ہے، جامع صغیر میں لکھا ہے "ابردوا بالطعام فان الحار لابركة فيه".

کھانے کا برتن دعا بھی دیتا ہے اور بددعا بھی کرتا ہے

﴿۷۹﴾وَعَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَكَلَ فِي قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا تَقُوْلُ لَهُ الْقَصْعَةُ أَعْتَقَكَ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ كَمَا أَعْتَقْتَنِي مِنَ الشَّيْطَانِ. رَوَاهُ رَزِيْنٌ.

اور حضرت نبیشہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص پیالے یا طشتری وغیرہ کھائے اور پھر اس کو انگلیوں سے چاٹ لے تو وہ پیالہ زبان حال سے یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ زبان قال سے اس شخص سے کہتا ہے کہ جس طرح تو نے شیطان کے کھانے یا اس کے خوش ہونے سے مجھ کو نجات دی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تجھ کو دوزخ کی آگ سے نجات دے۔ (رزین)

توضیح

"تقول" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کھانے کا برتن دعا بھی دیتا ہے اور بددعا بھی کرتا ہے کیونکہ جب یہ برتن گندا پڑا رہتا ہے تو شیطان آکر اس کو چاٹتا ہے اس وقت برتن بددعا کرتا ہے کہ مجھے شیطان کا تختہ مشق کیوں بنالیا اور اگر چاٹ کر دھولیا تو برتن دعا کرتا ہے کہ مجھے شیطان کے تسلط سے بچالیا۔

مورخہ ۷ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب الضیافة

مہمان نوازی کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿ ویطعمون الطعام علی حبه مسکیناو یتیماو اسیرا ﴾.

ضاف یضیف ضیفا وضیافة کے اصل معنی مائل ہونے کے ہیں مہمان بھی کسی طرف مائل ہوتا ہے ضیف مہمان کو کہتے ہیں اور مضیف میزبان کو کہتے ہیں اور ضیافت مہمان داری کو کہتے ہیں۔

جمہور علماء کے نزدیک خندہ پیشانی کیساتھ مہمان داری کرنا مستحب ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ مہمان داری کرنا ایک دن تک واجب ہے پھر مستحب ہے ان علماء میں شیخ لیث بھی شامل ہیں۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مہمان داری اخلاقیات کے قبیل سے ہے لہذا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور جن روایات میں واجب یا لازم کے الفاظ آئے ہیں وہ یا تو حالت اضطرار پر محمول ہیں یا اس سے مراد وہ خاص ٹیکس اور جزیہ ہے جو کھانے کی صورت میں ذمیوں پر مقرر کیا جاتا تھا یا ابتداء اسلام میں ضیافت واجب تھی پھر وجوب منسوخ ہو کر استحباب باقی رہ گیا۔بہر حال ضیافت اور مہمان داری اسلام کی خاص پہچان ہے جن علاقوں میں انسانیت موجود ہوتی ہے اور جدید تعلیم سے فطرت مسخ ہونے سے محفوظ رہ چکی ہے وہاں ضیافت اور مہمان داری بڑے پیمانے پر ہوتی ہے،اسلام نے کچھ آداب وقواعد بھی مہمانوں کو سکھائے ہیں اسی طرح میزبان کو بھی چند آداب وقواعد کا پابند بنایا ہے آنے والی احادیث میں یہی بیان ہے۔

الفصل الاول

مہمان کا اکرام کرنا ایمان کی علامت ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايُؤْذِ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ ،وَفِي رِوَايَةٍ بَدَلَ الْجَارِ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر کرے جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے

اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔ اور بخاری کی ایک روایت میں یعنی پڑوسی کا ذکر کرنے کے بجائے یہ ہے کہ جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے ناتے کو باقی رکھے یعنی اپنے ناتے داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"فلیکرم" اس حدیث میں تین اچھی خصلتوں کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن اشخاص میں یہ تین خصلتیں نہ ہوں وہ مؤمن نہیں ہیں یہ ترغیب کا ایک انداز ہے اور ان خصائل کے اپنانے پر ابھارنا مقصود ہے جس طرح کوئی شخص اپنے بیٹے سے کہتا ہے "ان کنت ابنی فاطعمنی" یہ کھلانے کی ترغیب ہے۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس میں کامل مؤمن کی بات کی گئی ہے کہ کامل مؤمن وہی ہے جس میں یہ تین خصائل موجود ہوں۔ علماء نے لکھا ہے تین دن تک خندہ پیشانی اور نرم اخلاق سے مہمان کو کھلانا میزبان کا اخلاقی فریضہ ہے اس کے بعد کھلانا صدقہ وخیرات ہے چاہے کھلائے چاہے نہ کھلائے ضیافت میں ایک بار کھانے کا اعلیٰ انداز ہو باقی دعوت شیراز ہو۔

"فلایؤذ جارہ" اصل میں شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ پڑوسی کے سارے حقوق کا خیال رکھا جائے کیونکہ "فلیکرم جارہ فلیحسن جارہ" کے الفاظ حدیث میں ہیں لیکن اگر کوئی شخص حقوق کا خیال نہیں رکھتا تو کم از کم پڑوسی کو ایذا تو نہ پہنچائے۔

مہمان میزبان پر بوجھ بن کر نہ رہے

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِیْ شُرَیْحِ الْکَعْبِیِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہُ، جَائِزَتُہُ یَوْمٌ وَلَیْلَۃٌ وَالضِّیَافَۃُ ثَلَاثَۃُ أَیَّامٍ فَمَابَعْدَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ وَلَایَحِلُّ لَہُ أَنْ یَثْوِیَ عِنْدَہُ حَتّٰی یُحَرِّجَہُ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اور حضرت شریح کعبیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کی تعظیم وخاطر داری کرے مہمان کے ساتھ تکلف واحسان کرنے کا زمانہ ایک دن وایک رات ہے اور مہمان داری کرنے کا زمانہ تین دن ہے اور تین دن کے بعد جو دیا جائے گا وہ ہدیہ وخیرات ہوگا اور مہمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میزبان کے ہاں تین دن کے بعد اس کی استدعا کے بغیر ٹھہرے کہ وہ تنگی میں مبتلا ہو جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"جائزتہ" ای عطیہ، مہمان کی مہمان داری میں پہلے دن دعوت میں اہتمام کرنا چاہئے اور پھر عام عادت کے مطابق کھانا کھلانا چاہئے تین دن کے بعد جب وہ رخصت ہوگا تو اس کو ایک دن رات کا جائزہ یعنی سفر خرچ دیا جائے۔ علامہ ابن اثیر

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ جائزہ کا یہی مطلب ہے لیکن ابن اثیر کے علاوہ شارحین لکھتے ہیں کہ مہمان کو پہلے دن جو تکلف کا کھانا دیا گیا ہے وہی اس کا انعام اور جائزہ ہے یہ معنی زیادہ واضح اور راجح ہے آج کل لوگوں کو یہ عجیب معلوم ہوتا ہے کہ تین دن تک کسی مہمان کو کیسے کھلایا جائیگا اور کیسے گھر میں ٹھہرایا جائے گا لیکن اگر سابقہ دور کے انسانوں کی تاریخ کو پڑھا جائے اور آج کل کے قبائلی لوگوں کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی بُعد محسوس نہیں ہوگا۔ بہرحال لوگ گر گئے ہیں مگر انسانی شرافت اور اس کی تاریخ تو نہیں گری تاریخ تو برقرار ہے پھر بھی علاقوں اور حالات کے پیش نظر خود مہمان کو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے تاکہ وہ کسی پر بوجھ نہ بنے نہ ہر روز آئے اور جب آئے تو جلدی واپس جائے۔

ذمیوں پر مجاہدین کی ضیافت لازم ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُوْنَنَا فَمَا تَرٰى فَقَالَ لَنَا إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوْا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِيْ لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوْا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوْا فَخُذُوْا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جب آپ ہمیں جہاد یا کسی اور کام کیلئے کہیں بھیجتے ہیں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہمیں ایسے لوگوں میں بھی قیام کرنا پڑتا ہے جو ہماری مہمانداری نہیں کرتے ایسی صورت میں آپ کیا حکم دیتے ہیں آیا ہم ان سے زبردستی اپنی مہمان داری کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا اگر تم اپنے سفر کے دوران کسی قوم کے درمیان قیام کرو اور وہ تمہیں وہ چیز دیں جو ایک مہمان کو دینے کے لائق ہے تو تم اس کو قبول کرو اور اگر ایسا نہ کریں یعنی مہمان داری کا حق ادا نہ کریں۔ تو تم ان سے مہمان کا وہ حق لے سکتے ہو جو ایک مہمان کے لائق ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لایقرونا" یہ قرا سے بنا ہے مہمان داری کو کہتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میزبان مہمان داری کے حقوق ادا نہ کرے تو مہمان اس سے اپنا حق زبردستی لے سکتا ہے یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو ایک دن کی مہمان داری کو واجب کہتے ہیں۔ لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ ضیافت مستحب ہے اور یہ حدیث ان ذمیوں کے بارے میں ہے جن پر جزیہ مقرر کرتے وقت یہ بھی مقرر کیا جاتا تھا کہ اگر مجاہدین کا تم پر گزر ہو تو تم ان کو کھانا کھلاؤ گے تو یہ عام ضیافت نہیں ہے بلکہ جزیہ کا ایک حصہ ہے یا اس سے مراد حالت اضطرار ہے یا مراد یہ ہے کہ ان سے کھاؤ اور بعد میں قیمت ادا کرو سب سے اچھا جواب پہلا والا ہے اس لئے کہ کسی مسلمان کا مال اس کی خوشی کے بغیر کھانا حرام ہے ہوسکتا ہے کہ یہ حکم ابتدا میں ہو پھر منسوخ ہوگیا ہو،

باب الاعتصام جلد اول میں یہ مسئلہ گزر گیا ہے۔

مہمان کی آمد پر خوشی کا اظہار کرنا چاہئے

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ فَإِذَا هُوَ بِأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَقَالَ مَاأَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوْتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ قَالَاالْجُوْعُ قَالَ وَأَنَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَأَخْرَجَنِيَ الَّذِيْ أَخْرَجَكُمَا قُوْمُوْا فَقَامُوْا مَعَهٗ فَأَتٰى رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ فَإِذَا هُوَ لَيْسَ فِيْ بَيْتِهٖ فَلَمَّا رَأَتْهُ الْمَرْأَةُ قَالَتْ مَرْحَباً وَأَهْلًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْنَ فُلَانٌ قَالَتْ ذَهَبَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا مِنَ الْمَاءِ إِذْ جَاءَ الْأَنْصَارِيُّ فَنَظَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُلِلّٰهِ مَاأَحَدٌ الْيَوْمَ أَكْرَمُ أَضْيَافاً مِنِّيْ قَالَ فَانْطَلَقَ فَجَاءَهُمْ بِعِذْقٍ فِيْهِ بُسْرٌ وَتَمْرٌ وَرُطَبٌ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ هٰذِهٖ وَأَخَذَ الْمُدْيَةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكَ وَالْحَلُوْبَ فَذَبَحَ لَهُمْ فَأَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَمِنْ ذٰلِكَ الْعِذْقِ وَشَرِبُوْا فَلَمَّا أَنْ شَبِعُوْا وَرَوُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَاالنَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمُ الْجُوْعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوْا حَتّٰى أَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيْمُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ مَسْعُوْدٍ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فِيْ بَابِ الْوَلِيْمَةِ.

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن یا رات کے وقت کہیں جانے کے لئے گھر سے نکلے کہ اچانک حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوگئی۔ آنحضرت نے پوچھا کہ تم کو کس چیز نے تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے یعنی اس وقت جبکہ گھر سے نکلنے کی تم لوگوں کی عادت نہیں ہے اس لئے ایسی کیا ضرورت پیش آگئی جو تمہارے گھر سے نکلنے کا باعث ہوئی ہے ان دونوں نے عرض کیا کہ بھوک نے ہمیں گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے یعنی ہم بھوک کی شدت سے بیتاب ہوکر گھر سے نکلے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور مجھے بھی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اسی چیز نے گھر سے نکالا ہے جس چیز نے تمہیں نکالا ہے یعنی میں بھی بھوک ہی کی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں اٹھو میرے ساتھ چلو چنانچہ وہ دونوں بھی اٹھے اور آپ کے ساتھ ہولئے پھر آپ ایک انصاری کے گھر پہنچے جن کا نام ابو الہیثم تھا مگر وہ اپنے گھر میں موجود نہیں تھے ان کی بیوی نے آنحضرت کو دیکھا تو کہا کہ خوش آمدید آپ اپنے ہی لوگوں میں آئے ہیں آپ کا تشریف لانا مبارک۔ آنحضرت نے پوچھا فلاں شخص یعنی تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لئے میٹھا پانی لانے گئے ہیں اتنے میں وہ انصاری یعنی صاحب خانہ بھی آگئے انہوں نے جب رسول کریم

اور آپ کے دونوں صحابہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ کو اپنے گھر میں دیکھا تو اپنی اس خوش بختی پر پھولے نہیں سمائے اور کہنے لگے الحمدللہ خدا کا شکر ہے بزرگ تر مہمانوں کے اعتبار سے آج کے دن مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں ہے یعنی آج کے دن میرے مہمان دوسرے لوگوں کے مہمانوں سے زیادہ بزرگ و معزز ہیں راوی یعنی حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ انصاری خود کھجوروں کے درختوں کے پاس گئے اور ان مہمانوں کیلئے کھجوروں کا ایک خوشہ لے کر آئے جس میں نیم پختہ، پختہ اور تر و تازہ ہر طرح کی کھجوریں تھی۔ پھر انہوں نے کہا کہ آپ لوگ اس میں سے کھایئے اس کے بعد انہوں نے چھری لی اور ایک بکری ذبح کرنا چاہا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دودھ والی بکری ذبح کرنے سے اجتناب کرو آخر کار انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے لئے ایک بکری ذبح کی اور جب اس کا گوشت پک گیا تو سب نے اس بکری کا گوشت کھایا اور اس خوشہ میں سے کھجوریں کھائیں۔ اور پانی پیا اس طرح جب کھانے پینے سے پیٹ بھر گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کی بابت پوچھا جائے گا بھوک نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا تھا لیکن تم اپنے گھروں کو واپس بھی نہ ہوئے تھے کہ خدا کی طرف سے تمہیں یہ نعمتیں مرحمت ہو گئیں۔ (مسلم)

توضیح

"مرحبا و اھلا" یعنی خوش آمدید آپ اپنے ہی گھر میں آئے ہیں، یہ خطۂ زمین آپ کے لئے ہموار اور خوش گوار ہے۔ اس حدیث سے آداب ضیافت کے کئی زرین اصول سامنے آتے ہیں اول یہ کہ اپنی بھوک و پیاس اور تکلیف و پریشانی کا اظہار اپنے احباب کے سامنے کرنا جائز ہے جس طرح حضور اکرم اور صدیق و فاروق نے کیا۔ دوم یہ کہ اپنے قابل اعتماد ساتھی اور دوست کے پاس بلائے بغیر خود بھی آدمی جا سکتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی لے جا سکتا ہے جس طرح حضور اکرم لے گئے۔ سوم یہ کہ اپنی پسند کی چیز طلب کرنا اور میزبان کو عمدہ چیز دینے سے روکنا جائز ہے جس طرح حضور اکرم نے منع فرمایا۔ چہارم یہ کہ مہمان سے یہ پوچھنا کہ آپ کھانا کھاؤ گے یا نہیں مناسب نہیں بلکہ فوراً کچھ کھلانے کی فکر کرنی چاہئے جس طرح اس انصاری صحابی نے کیا کہ کھجوریں سامنے رکھدیں اور بکری ذبح کرنے کے پیچھے دوڑے۔ پنجم یہ کہ دنیوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے پر قیامت میں ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَيُّمَا مُسْلِمٍ ضَافَ قَوْماً فَأَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْماً كَانَ حَقًّا عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ نَصْرُهُ حَتّٰى يَأْخُذَ لَهُ بِقِرَاهُ مِنْ مَالِهِ وَزَرْعِهِ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ وَأَيُّمَا رَجُلٍ ضَافَ قَوْماً فَلَمْ يَقْرُوْهُ كَانَ

لَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ

حضرت مقدام ابن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی قوم میں کسی کے یہاں مہمان ہوا اور اس نے محرومی کی حالت میں صبح کی یعنی اس کے میزبان نے رات میں اس کی مہمانداری نہیں کی تو ہر مسلمان پر یہ حق ہوگا کہ وہ اس کی مدد کرے یہاں تک کہ وہ جس شخص کے یہاں مہمان ہوا ہے اس کے مال اور اس کی کھیتی باڑی سے مہمانداری کے بقدر یعنی ایک مہمان کے کھانے پینے کے بقدر وصول کرے (دارمیؒ، ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ جو شخص کسی قوم میں مہمان ہوا اور ان لوگوں نے اس کی مہمان داری نہیں کی تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ ان لوگوں کا پیچھا پکڑ لے اور ان کے مال واسباب سے اپنی مہمان داری کے بقدر وصول کرلے۔

اس حدیث کا تعلق بھی بظاہر ان ذمیوں سے ہے جن پر بطور جزیہ مجاہدین کی مہمان داری لازم کردی گئی تھی۔

مہمان کے کھانے پینے کو "قِرا" کہتے ہیں۔

برائی کا بدلہ برائی نہیں ہے

﴿۶﴾وَعَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ الْجُشَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ فَلَمْ يَقْرِنِيْ وَلَمْ يُضِفْنِيْ ثُمَّ مَرَّبِيْ بَعْدَ ذٰلِكَ أَقْرِيْهِ أَمْ أَجْزِيْهِ قَالَ بَلْ أَقْرِهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابوالاحوص جشمیؒ اپنے والد حضرت مالک ابن فضلہ صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے ایک دن عرض کیا یارسول اللہ! اگر میں کسی شخص کے ہاں سے گزروں یعنی اس کے یہاں مہمان ہوں اور وہ میری مہمانداری نہ کرے اور نہ میری مہمان داری کا حق ادا کرے اور پھر اس کے بعد ان کا گزر میرے یہاں ہو یعنی وہ میرے ہاں آ کر مہمان ہو تو کیا میں اس کی مہمان داری کروں یا اس سے بدلہ لوں یعنی میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کروں جو وہ میرے ساتھ کر چکا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں اس سے بدلہ نہ لو بلکہ اس کی مہمان داری کرو۔ (ترمذی)

کھانا کھانے کے بعد کی دعا

﴿۷﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَوْ غَيْرِهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَأْذَنَ عَلٰى سَعْدِبْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَقَالَ سَعْدٌ وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَلَمْ يُسْمِعِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى سَلَّمَ ثَلَاثًا وَرَدَّ عَلَيْهِ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَلَمْ يُسْمِعْهُ فَرَجَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّبَعَهُ سَعْدٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ مَاسَلَّمْتَ تَسْلِيْمَةً إِلَّا وَهِيَ بِأُذُنِيْ وَلَقَدْ رَدَدْتُ

عَلَیْکَ وَلَمْ أُسْمِعْکَ أَحْبَبْتُ أَنْ أَسْتَکْثِرَ مِنْ سَلَامِکَ وَمِنَ الْبَرَکَةِ ثُمَّ دَخَلُوا الْبَیْتَ فَقَرَّبَ لَهٗ زَبِیبًا فَأَکَلَ نَبِیُّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ أَکَلَ طَعَامَکُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَةُ وَأَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُونَ. رَوَاهُ فِی شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت انسؓ یا ان کے علاوہ کسی اور صحابیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن عبادہؓ کے ہاں پہنچ کر ان سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کی چنانچہ آپ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تم پر اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ سعدؓ نے گھر میں سے جواب دیا کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اللہ کی سلامتی اور اس کی رحمت نازل ہو کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟ سعدؓ نے گھر میں سے جواب دیا کہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ لیکن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب نہیں سنایا یہاں تک کہ آنحضرت نے تین مرتبہ سلام کیا اور سعدؓ نے بھی آپ کو تین مرتبہ جواب دیا۔ لیکن آپ کو سنایا نہیں، یعنی حضرت سعدؓ نے آپ کے سلام کا جواب تینوں مرتبہ قصداً بہت آہستہ آواز میں دیا تاکہ آپ سن نہ سکیں چنانچہ آنحضرت ان کا جواب نہ سن کر واپس لوٹ پڑے۔ حضرت سعدؓ نے جب یہ دیکھا کہ جس چیز کو میں نے حصول سعادت میں زیادتی کا ذریعہ بنانا چاہا تھا وہ میرے لئے بالکل ہی محرومی کا باعث بنی جا رہی ہے اور ایک طرح سے سوء ادبی کی صورت بھی پیدا ہو گئی ہے تو وہ لپک کر گھر سے نکلے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ نے جتنی بار سلام کیا میرے دونوں کانوں نے سنا اور حقیقت یہ ہے کہ میں ہر بار جواب بھی دیتا تھا البتہ میں اس جواب کو آپ کے کانوں تک نہیں پہنچنے دیتا تھا کیونکہ میں آپ کے زیادہ سے زیادہ سلام و برکت کا خواہش مند تھا یعنی میرا مقصد یہ تھا کہ میرا جواب آپ کے کانوں تک پہنچے تاکہ آپ جتنا زیادہ سلام کریں گے میرے حق میں اتنا ہی زیادہ حصول برکت وسعادت کا ذریعہ ہوگا چنانچہ حضرت سعدؓ کی طرف سے اس اظہار حقیقت اور عذر خواہی کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سعدؓ مکان میں داخل ہوئے اور حضرت سعدؓ نے آپ کے لئے خشک انگور پیش کئے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے تو حضرت سعدؓ کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کے نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں فرشتے تمہارے لئے استغفار کریں اور روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"اکل طعامکم الابرار" یہ صیغہ ماضی کا ہے مگر انشاء اور دعا کے لئے بطور استقبال استعمال کیا گیا ہے یعنی اللہ کے نیک بندے تمہارا کھانا کھائیں۔

"وصلت علیکم الملائکة" یہ بھی بطور دعا ہے یعنی فرشتے تمہارے لئے استغفار کریں۔

"وافطر عندکم الصائمون" صائمون سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھانا نہیں کھایا ہو خواہ پہلے روزے سے ہوں یا نہ

ہوں یہ جملہ بھی بطور دعا ہے یعنی روزے دار تمہارے ہاں افطار کریں۔ کھانے کے بعد یہ دعائیں زبانی ہوتی ہیں کچھ لوگ ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں معلوم نہیں وہ کہاں سے ثابت کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد یہ دعا بھی منقول ہے "الحمدلله الذی اطعمنی هذاورزقنیه من غیر حول منی ولاقوة" اور میزبان کے لئے یہ دعا ہے "اللهم بارک له فی امواله واولاده"۔

پرہیزگار لوگوں کی ضیافت زیادہ بہتر ہے

﴿۸﴾وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِیْمَانِ کَمَثَلِ الْفَرَسِ فِیْ آخِیَّتِهٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی آخِیَّتِهٖ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْهُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْاِیْمَانِ فَأَطْعِمُوْا طَعَامَکُمُ الْاَتْقِیَاءَ وَأَوْلُوْا مَعْرُوْفَکُمُ الْمُؤْمِنِیْنَ. رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَأَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَةِ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن اور ایمان کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنی رسی میں بندھا ہوا ہوتا ہے اور ادھر ادھر چکر لگانے کے بعد پھر اپنی رسی کے پاس آجاتا ہے۔ اور اسی طرح مومن غفلت وکوتاہی کرتا ہے لیکن پھر ایمان کی طرف لوٹ آتا ہے۔ لہٰذا تم اپنا کھانا متقی وپرہیزگار لوگوں کو کھلاؤ اور اپنے عطایا سے سب مسلمانوں کو نوازو۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کیا ہے۔

توضیح

"آخِیَّتِه" ہمزہ پر مد ہے خا پر کسرہ ہے یا پر شد ہے پھر 'تا' ہے اس کا آسان ترجمہ رسی اور کنڈا ہے لیکن اصل میں "اخیة" کا بہترین مصداق جانوروں کے باڑہ میں جو سائیکل کا ٹائر زمین میں گاڑا جاتا ہے اور اس کے ساتھ رسی باندھ کر جانور کو باندھا جاتا ہے وہی ہے اس کو کلہ بھی کہتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مومن اپنے مرکز ایمان کے ساتھ باندھا ہوا ہے جانور اس کلہ سے کافی دور بھی جاتا ہے لیکن رسی موجود ہوتی ہے تو آخر میں پھر واپس کلہ پر آجاتا ہے اسی طرح مثال مومن کی ہے جو ایمان کے کلے کے ساتھ بندھا ہوا ہے اگر معاصی کی طرف غلطی سے چلا جاتا ہے تو پھر اپنے مرکز ایمان کی طرف واپس لوٹ کر آتا ہے مسلمان کا مرکز، ایمان اور قرآن ہے، بیت اللہ اور مدینۃ الرسول ہے مساجد مدارس اور علماء ہیں بھٹکا ہوا مسلمان انہیں مقامات سے ہدایت حاصل کرسکتا ہے۔

"فاطعموا" یہ فا جزائیہ ہے اس کی شرط محذوف ہے یعنی جب مسلمانوں کا مرکز ایک ہے تو اس مرکز پر سب کو جمع ہونا چاہئے لہٰذا اس مرکز کو مضبوط کرو اس کی صورت یہ ہوگی کہ ایک دوسرے کی ضیافت کرو تا کہ محبت اور اتحاد پیدا ہو پرہیزگاروں کو کھلانے کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ جب وہ کھائیں گے تو عبادت کریں گے اور تمہیں دعائیں دیں گے اور ان کی دعائیں

قبول ہوتی ہیں۔

"وَاوْلُوا" یہ ایلاء سے ہے والی اور متولی بنانے کے معنی میں ہے یعنی مسلمانوں کو اپنے عطا کے ساتھ خاص کرو منافقین اور کافرین کے چکر میں نہ پڑو۔

گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا تواضع ہے

﴿۹﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ يَحْمِلُهَا أَرْبَعَةُ رِجَالٍ يُقَالُ لَهَا الْغَرَّاءُ فَلَمَّا أَضْحَوْا وَسَجَدُوا الضُّحٰى أُتِيَ بِتِلْكَ الْقَصْعَةِ وَقَدْ ثُرِدَ فِيهَا فَالْتَفُّوْا عَلَيْهَا فَلَمَّا كَثُرُوْا جَثَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ مَاهٰذِهِ الْجِلْسَةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا ثُمَّ قَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَدَعُوْا ذِرْوَتَهَا يُبَارَكْ فِيهَا۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن بسر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک کٹھرا چوبی ناند تھا جس کو چار آدمی اٹھاتے تھے یعنی جب اس میں کھانا رکھا جاتا تو وہ اتنا بھاری ہو جاتا تھا کہ اس کو چار آدمی اٹھاتے تھے یا وہ خالی ہی اتنا بڑا یا بھاری تھا کہ چار آدمیوں کے بغیر نہیں اٹھتا تھا اس کٹھرے کو غراء کہا جاتا تھا چنانچہ جب چاشت کا وقت ہو جاتا اور لوگ چاشت کی نماز پڑھ لیتے تو وہ کٹھرا لایا جاتا اور اس میں ثرید تیار کیا جاتا پھر لوگ جمع ہو کر اس کے گرد بیٹھ جاتے تھے یہاں تک کہ جب لوگوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی۔ اور بیٹھنے کی جگہ تنگ ہو جاتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنوں پر بیٹھتے ایک دن آپ کو اس طرح بیٹھے دیکھ کر ایک دیہاتی نے کہا کہ یہ نشست کیسی ہے؟ یعنی اس طرح بیٹھنا آپ کے شایان شان نہیں ہے یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تواضع وانکساری کرنے والا بنایا ہے سرکش وضدی نہیں بنایا ہے اور اس طرح بیٹھنا تواضع وانکساری اختیار کرنے کا قریبی راستہ ہے پھر آپ نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کے کناروں یعنی اپنے سامنے سے کھاؤ اس کی بلندی کو چھوڑ دو یعنی درمیانی حصے کے کھانے پر پہلے ہاتھ نہ ڈالو تمہارے لئے اس میں برکت عطا کی جائے گی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الغرا" روشن کے معنی میں ہے مراد بڑا اتھال چوبی ناند ہے "جثی" زانو کے بل بیٹھنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ تکیہ لگا کر کھانا نہیں چاہئے اس کے علاوہ جس صورت میں بیٹھ جائے جائز ہے البتہ نبی پاک کے انداز میں بیٹھنا مسنون ہے لیکن یہ سنن زوائد میں سے ہے اگر ثواب کی نیت کی تو ثواب ملے گا ورنہ عادت پر بیٹھنے سے ثواب نہیں ملتا ہے۔

جمع ہو کر کھانے سے برکت نازل ہوتی ہے

﴿۱۰﴾وَعَنْ وَحْشِيِّ بْنِ حَرْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَأْكُلُ وَلَانَشْبَعُ قَالَ فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُوْنَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت وحشی ابن حربؓ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد اور وحشیؒ کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ نے ایک دن عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم اگرچہ خاصی تعداد میں کھانا کھاتے ہیں لیکن ہمارا پیٹ نہیں بھرتا جب کہ ہم چاہتے ہیں کہ یا تو ہمارا پیٹ بھر جایا کرے کہ ہم عبادت وطاعت کی طاقت حاصل کر سکیں۔ یا پھر ہمیں قناعت کی دولت میسر ہو جائے آپ نے فرمایا کہ خاصی مقدار میں کھانا کھانے کے باوجود پیٹ نہ بھرنے کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تم لوگ شاید الگ الگ کھانا کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں آپ نے فرمایا تو پھر تم لوگ اپنے کھانے پر اکٹھے بیٹھا کرو اور اس پر کھاتے وقت اللہ کا نام لیا کرو تمہارے لئے اس کھانے میں برکت عطا کی جائے گی۔ (ابوداود)

توضیح

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ بیٹھ کر ایک برتن میں کھانے کو اکٹھا کھانا کہا گیا ہے شاید صرف دسترخوان پر بیٹھ کر الگ پلیٹوں میں کھانے سے یہ شرط پوری نہیں ہوگی۔ عرب لوگ دس دس آدمی ایک ساتھ بیٹھ جاتے تھے اب بھی قبائل میں ایسا ہی رواج ہے۔

الفصل الثالث

تعیش کی زندگی کا قیامت میں سوال ہوگا

﴿۱۱﴾عَنْ أَبِيْ عَسِيْبٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا فَمَرَّ بِيْ فَدَعَانِيْ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ ثُمَّ مَرَّ بِأَبِيْ بَكْرٍ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ ثُمَّ مَرَّ بِعُمَرَ فَدَعَاهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ فَانْطَلَقَ حَتّٰى دَخَلَ حَائِطًا لِبَعْضِ الْأَنْصَارِ فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ أَطْعِمْنَا بُسْرًا فَجَاءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَهُ فَأَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ فَقَالَ لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيْمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ فَأَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ فَضَرَبَ بِهِ الْأَرْضَ حَتّٰى تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَمَسْئُوْلُوْنَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ نَعَمْ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ خِرْقَةٍ لَفَّ بِهَا الرَّجُلُ

عَوْرَتَهُ أَوْ كِسْرَةٌ سَدَّ بِهَا جَوْعَتَهُ أَوْ حُجْرٌ يَتَدَخَّلُ فِيْهِ مِنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ

حضرت ابوعسیبؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رات کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر نکلے اور میرے ہاں تشریف لائے اور مجھے بلایا میں اپنے گھر سے نکل کر آپ کے ساتھ ہو لیا پھر آپ حضرت ابوبکرؓ کی ہاں تشریف لے گئے اور ان کو بلایا وہ بھی اپنے گھر سے نکل کر آپ کے ساتھ ہو لئے اس کے بعد آپ حضرت عمرؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور ان کو بلایا وہ بھی اپنے گھر سے نکل کر آپ کے ساتھ ہو لئے پھر آپ ہم سب کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے جو ایک انصاری صحابیؓ کا تھا آپ نے باغ کے مالک سے فرمایا کہ ہمیں کھجوریں کھلاؤ۔ باغ کے مالک نے کھجوروں کا ایک خوشہ لا کر ہمارے سامنے رکھ دیا اس میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور آپ کے صحابہ یعنی ہم لوگوں نے بھی کھایا پھر آپ نے ٹھنڈا پانی منگوایا جس کو آپ نے اور ہم نے پیا اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یقیناً قیامت کے دن تم سے اس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کھجوروں کا خوشہ لیا اور اس کو زمین پر دے مارا یہاں تک کہ اس کی کچی کھجوریں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکھر گئیں پھر انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم سے اس کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں! ہر نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ البتہ تین چیزوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا ایک تو کپڑا کہ جس سے آدمی اپنا ستر ڈھانکے اور دوسری روٹی کا ٹکڑا کہ جس کے ذریعہ اپنی بھوک کو دور کرے اور تیسرے گھر اور حجرہ کہ جس میں گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے گھس جائے۔ (احمد، بیہقی)

توضیح

"تناثر" بکھرنے کے معنی میں ہے "قبل" طرف کے معنی میں ہے یعنی حضور کی طرف دانے بکھر گئے۔

"حجر" اگر "ح" پہلے ہو تو یہ حجرہ کمرہ کے معنی میں ہے اور اگر "ج" پہلے ہو تو یہ سوراخ کے معنی میں ہوتا ہے، یہاں حجرہ چھوٹا سا کمرہ مراد ہے۔ "یتدخل" یعنی مشکل سے اس میں داخل ہوتا ہے گرمی اور سردی سے بچاؤ کے لئے کافی ہو "قر" سردی کو کہتے ہیں۔

اگر ساتھیوں کے ساتھ کھا رہا ہے تو کھانے سے ایک ساتھ ہاتھ کھینچو

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَتِ الْمَائِدَةُ فَلَا يَقُوْمُ رَجُلٌ حَتّٰى تُرْفَعَ الْمَائِدَةُ وَلَا يَرْفَعُ يَدَهُ وَإِنْ شَبِعَ حَتّٰى يَفْرُغَ الْقَوْمُ وَلْيُعْذِرْ فَإِنَّ ذٰلِكَ يُخْجِلُ

جَلِيْسَهُ فَيَقْبِضَ يَدَهُ وَعَسٰى اَنْ يَكُوْنَ لَهُ فِي الطَّعَامِ حَاجَةٌ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دسترخوان بچھا دیا جائے اور لوگ اس پر کھانے کے لئے بیٹھیں۔ تو کوئی شخص اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ دسترخوان نہ اٹھا دیا جائے اور کھانے سے اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچے جب تک کہ سب لوگ کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں اگرچہ اس کا پیٹ بھر گیا ہو اور اگر کسی عذر کی بنا پر دسترخوان سے پہلے اٹھنا ضروری ہو یا دوسرے لوگوں کے کھانے سے فارغ ہونے سے پہلے اپنا ہاتھ کھینچنا ہو تو چاہیئے کہ اس عذر کو بیان کرے یعنی معذرت طلب کر کے دسترخوان پر سے اٹھے یا اپنا ہاتھ کھینچے کیونکہ یہ اپنے ہم نشین کو شرمندہ کر دیتا ہے چنانچہ جب ایک شخص یہ دیکھے گا کہ اس کے ساتھی نے کھانا چھوڑ دیا ہے تو شرما حضوری میں وہ بھی اپنا ہاتھ کھینچ لے گا جب کہ بہت ممکن ہے کہ وہ ابھی اور کھانے کی خواہش رکھتا ہو یعنی اس کا پیٹ نہ بھرا ہو۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح

"فلايقوم" کھانے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ مانوس احباب کو ایک ساتھ بٹھایا جائے ڈاکٹر مع ڈاکٹر، مولوی مع مولوی طالب علم مع طالب علم کسان مع کسان وغیرہ وغیرہ ۔ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز۔
اور میزبان ان کے ساتھ بیٹھ جائے جن سے وہ مانوس ہو، تاکہ مہمان کو کھانے میں ان کی وجہ سے وحشت و کلفت نہ ہو۔ کھانے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ اجتماعی کھانے میں کوئی شخص دوسرے احباب سے پہلے کھانے سے ہاتھ نہ کھینچے بلکہ آخر تک ویسے شغل رکھے تاکہ شرم کے مارے دوسرے بھی کھانا نہ چھوڑ دیں۔
"ويعذر" یعنی اگر کسی شخص کو جلدی اٹھنا ہو یا کوئی مجبوری ہو تو وہ اپنے ساتھیوں سے معذرت کرلے اور کہے کہ بھائیو تم کھاؤ میں نے پہلے کھایا ہے، مجھے جلدی کہیں جانا ہے یہ اس لئے تاکہ دوسروں کو شرم حضوری کی وجہ سے کھانے میں دقت نہ ہو، کہ ابھی تک کھانے کی چاہت باقی ہے مگر دوسروں کے ہاتھ کھینچ لینے کی وجہ سے ہاتھ کھینچتا ہے۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا أَكَلَ مَعَ قَوْمٍ كَانَ آخِرَهُمْ أَكْلاً. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلاً

اور حضرت امام جعفر صادقؒ ابن محمدؒ اپنے والد یعنی امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تو آپ سب سے آخر تک کھانے والے شخص ہوتے تھے اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

بھوک ہو تو کھانے میں تکلف نہیں کرنا چاہئے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ فَعُرِضَ عَلَيْنَا فَقُلْنَا لَانَشْتَهِيْهِ قَالَ لَاتَجْتَمِعْنَ جُوْعاً وَكَذِباً. رَوَاهُ ابْنُ مَاجه

اور حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا لایا گیا۔ اور پھر وہ کھانا ہمارے سامنے رکھا گیا ہم اگر چہ بھوکے تھے اور کھانے کی خواہش رکھتے تھے مگر جیسا کہ عادت ہوتی ہے محض تکلفاً ہم نے کہا کہ ہم کو کھانے کی خواہش نہیں ہے آنحضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"لانشتهيه" یعنی ہمیں چاہت نہیں حالانکہ چاہت تھی مطلب یہ ہے کہ بھوک لگی ہے مگر تکلف کر کے کہہ رہے ہیں کہ بھوک نہیں لگی ہے تو اس میں دو چیزوں کا نقصان ہے ایک تو دنیا کا کہ کھانا نہیں کھایا دوسرا آخرت کا کہ جھوٹ کا ارتکاب کیا یہ امت کے ایسے اشخاص کے لئے تنبیہ ہے جو ایسا کرتے ہیں۔

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا جَمِيْعاً وَلَاتَفَرَّقُوْا فَإِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجه

اور حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا مل کر کھاؤ الگ الگ مت کھاؤ کیونکہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔ (ابن ماجہ)

مہمان کو گھر کے دروازہ تک چھوڑ آؤ

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ الرَّجُلُ مَعَ ضَيْفِهِ إِلَى بَابِ الدَّارِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجه وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَ فِيْ إِسْنَادِهِ ضُعْفٌ

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سنت ہے کہ آدمی اپنے مہمان کا استقبال کرنے یا اس کو رخصت کرنے کے لئے گھر کے دروازے تک نکل کر آئے۔ (ابن ماجہ) بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے نیز بیہقی نے کہا ہے کہ اس سلسلہ سند میں ضعف ہے۔

توضیح

"من السنة" کا مطلب یہ ہے کہ مہمان کو رخصت کرتے وقت ان کے ساتھ دروازہ تک جانا قدیم زمانہ کی ایک عادت ہے جو تہذیب وشائستگی کا ایک حصہ ہے یا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم فرماتے ہیں کہ یہ عمل میرے طریقے کے مطابق ہے۔

ضیافت میں برکت ہی برکت ہے

﴿۱۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَيْرُ أَسْرَعُ اِلَى الْبَيْتِ الَّذِىْ يُؤْكَلُ فِيْهِ مِنَ الشَّفْرَةِ اِلٰى سَنَامِ الْبَعِيْرِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ وہاں خیر یعنی رزق برکت اور بھلائی اتنی تیزی سے پہنچتی ہے جتنی تیزی سے چھری بھی اونٹ کے کوہان کی طرف نہیں پہنچتی۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"الی سنام البعیر" اونٹ کو جب ذبح کیا جاتا ہے تو ذبح کے بعد سب سے پہلے جلدی جلدی اس کے کوہان سے گوشت کاٹ کر پکایا جاتا ہے اور شوق سے کھایا جاتا ہے اس حدیث میں فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں مہمان کو کھانا کھلایا گیا اس گھر کی طرف خیر و برکت اس سے بھی زیادہ جلدی آتی ہے جس طرح چھری ذبح شدہ اونٹ کے کوہان کی طرف جلدی جاتی ہے۔

باب (المضطر)

وهذا الباب خال عن الفصل الاول و الثالث

مضطر کا بیان

اس باب کے تحت صاحب مشکوۃ نے کوئی عنوان نہیں باندھا گویا یہ باب سابق کے لواحقات میں سے ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس باب میں فصل اول اور فصل ثالث دونوں غائب ہیں صرف فصل ثانی مذکور ہے چونکہ صاحب مشکوۃ صاحب مصابیح کی پیروی کرتے ہیں اور صاحب مصابیح کو اس کے متعلق کوئی حدیث نہیں ملی لہذا فصل اول نہیں رکھا باقی فصل ثالث لانا صاحب مصابیح کے ہاں نہیں ہے اس لئے اس کی نفی کی ضرورت نہیں تھی بہر حال اگر یہ باب ہی نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا یہ احادیث سابق باب کے فصل ثانی میں درج ہو جاتیں لیکن چونکہ مضامین کے اعتبار سے یہ احادیث بالکل مختلف ہیں اس لئے علامہ طیبی اور ملا علی قاری نے باب المضطر کا عنوان باندھا ہے جو بہت اچھا ہے۔

الفصل الثانی

حالت اضطرار میں مردار کھانے کا مسئلہ

﴿۱﴾ وَعَنِ الْفُجَيْعِ الْعَامِرِيِّ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا يَحِلُّ لَنَا مِنَ الْمَيْتَةِ قَالَ مَا طَعَامُكُمْ قُلْنَا نَغْتَبِقُ وَنَصْطَبِحُ قَالَ أَبُو نُعَيْمٍ فَسَّرَهُ لِي عُقْبَةُ قَدَحٌ غُدْوَةً وَقَدَحٌ عَشِيَّةً قَالَ ذَاكَ وَأَبِي الْجُوْعُ فَأَحَلَّ لَهُمُ الْمَيْتَةَ عَلَى هٰذِهِ الْحَالِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

حضرت فجیع عامریؓ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ بتائیے کہ ہمارے لئے مردار میں سے کیا حلال ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کو کھانا کس مقدار میں ملتا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم کو ایک پیالہ دودھ کا شام کو اور ایک پیالہ دودھ کا صبح کو ملتا ہے۔ حدیث کے راوی ابونعیمؒ کہتے ہیں کہ میرے استاد و شیخ حضرت عقبہؒ نے نغتبق اور نصطبح کی یہ وضاحت کی ہے کہ ایک پیالہ دودھ کا صبح کو اور ایک پیالہ دودھ کا شام کو۔ بہر حال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجیع کا جواب سن کر فرمایا کہ کھانے کی یہ مقدار اپنے باپ کی قسم بھوک کو واجب کرتی ہے۔ یعنی صبح و شام محض ایک ایک پیالہ دودھ کا ملنا بھوک کو ختم کر کے انسانی زندگی کی بقاء کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت میں ان کے لئے مردار کا حلال قرار دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ماطعامکم" یعنی تمہیں کھانے میں کیا ملتا ہے؟ "نغتبق ونصطبح" حدیث کے راوی ابونعیم کہتے ہیں کہ میرے استاد عقبہ نے ان دونوں کلمات کا اس طرح مطلب بیان کیا ہے کہ دودھ کا ایک پیالہ صبح کو اور ایک شام کو ملتا تھا صبوح صبح اور غبوق شام کو کہتے ہیں "ذاک وابی الجوع" ذاک مبتداء ہے اور الجوع اس کی خبر ہے اور وابی درمیان میں جملہ معترضہ قسمیہ ہے، علامہ طیبی فرماتے ہیں "وابی جملة قسمية معترضة بين المبتداء والخبر" (طیبی) یعنی خدا کی قسم یہ تو خالص بھوک ہے یعنی حالت اضطرار ہے لہذا مردار کھاؤ اور جان بچاؤ۔

سوال

اس حدیث کا آنے والی حدیث کے ساتھ واضح تعارض ہے کیونکہ زیر بحث حدیث میں ہے کہ اگر دودھ کا ایک پیالہ صبح وشام ملتا ہے تو یہ حالت اضطرار ہے اور مردار کھانا جائز ہے اور آنے والی حدیث میں مذکور ہے کہ جب تک گھاس پر بھی گزارا ہوسکتا ہو اس وقت تک مردار کا استعمال ناجائز ہے اس تعارض کے دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب

اس تعارض کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اضطرار متحقق ہونے کی حد تو وہی ہے جس کا ذکر آنے والی ابوواقد کی حدیث نمبر ۲ میں ہے کہ گھاس بھی ملتی ہو وہ کھائے اور مردار نہ کھائے اور زیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس میں ایک پیالہ دودھ کا جو ذکر ہے یہ ایک ایک آدمی کے لئے نہیں تھا بلکہ پوری قوم کے لئے صبح ایک پیالہ اور شام کو ایک پیالہ تھا تو پوری قوم کے لئے ایک پیالے سے کیا ملیگا؟ ایک گھونٹ ملنا بھی مشکل ہے یہ تو خالص اضطراری حالت ہے لہذا اس حدیث اور آنے والی حدیث کا مفہوم ومضمون ایک ہی ہے اس حدیث کے چند الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ کا یہ پیالہ پوری قوم کے لئے تھا مثلاً "ماطعامکم" میں پوری قوم کو خطاب ہے اسی طرح راوی کا سوال "مایحل لنا" میں پوری قوم کے بارہ میں سوال تھا ایک آدمی کے لئے نہیں تھا۔

باقی دونوں حدیثوں کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ثبوت اضطرار کے بارہ میں فقہاء کرام کا اختلاف بیان کیا جائے کیونکہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالک اور امام احمد بن حنبل اور ایک قول میں امام شافعی کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی طبعی خواہش کے مطابق اتنا کھانا نہیں

پاتا جس سے شکم سیری ہو جائے تو اس شخص کو مردار کھانا جائز ہے، مردار کے کھانے اور تحقیق اضطرار کے بارے میں ان حضرات کے ہاں بڑی وسعت ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول میں امام شافعیؒ کے ہاں اضطراری حالت اس وقت متحقق ہوگی کہ آدمی کی جان کو بھوک کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ لاحق ہو جائے پھر مردار اتنا کھائے کہ جان میں جان باقی رہے صرف قوت لایموت اور سدِ رمق کی حد تک کھائے۔

دلائل

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے ائمہ احناف نے آنے والی حضرت ابوواقد لیثیؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے احناف کی طرف سے زیر بحث حدیث کا جواب اس سے پہلے سوال وجواب کے ضمن میں ہو گیا ہے کہ یہ ایک پیالہ پوری قوم کے لئے تھا یہ تو عین اضطرار ہے۔

۲﴿وَعَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا نَكُوْنُ بِأَرْضٍ فَتُصِيْبُنَا بِهَا الْمَخْمَصَةُ فَمَتٰى يَحِلُّ لَنَا الْمَيْتَةُ قَالَ مَالَمْ تَصْطَبِحُوْا أَوْ تَغْتَبِقُوْا أَوْ تَحْتَفِئُوْا بِهَا بَقْلًا فَشَأْنُكُمْ بِهَا مَعْنَاهُ اِذَا لَمْ تَجِدُوْا صَبُوْحًا أَوْ غَبُوْقًا وَلَمْ تَجِدُوْا بَقْلَةً تَأْكُلُوْنَهَا حَلَّتْ لَكُمُ الْمَيْتَةُ. رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ.

اور حضرت ابوواقد لیثیؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم کبھی ایسی زمین میں یعنی ایسی جگہ پہنچ جاتے ہیں کہ جہاں ہمیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا جس کی وجہ سے ہم وہاں مخمصہ بھوک کی حالت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس صورت میں مردار کھانا ہمارے لئے کب حلال ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا جب تم صبح تک یا شام تک کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پاؤ یا اس زمین یعنی اس جگہ کہ جہاں تم ہو ترکاری کی قسم سے بھی کوئی چیز تمہیں نہ ملے تو تم مردار کھا سکتے ہو حاصل یہ کہ تمہیں ایسی کوئی بھی چیز میسر نہ ہو جو بھوک کو ختم کرنے والی یا پیٹ کو سہارا دینے والی ہو تو تمہاری حالت مردار سے متعلق ہوگی یعنی ایسی صورت پیش آنے پر مردار کھانا تمہارے لئے حلال ہوگا۔ (دارمی)

باب الاشربۃ

پینے کی چیزوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ کلوا واشربوا ولا تسرفوا ﴾

اشربۃ. شراب کی جمع ہے اور شراب مشروب کے معنی میں ہے مشروب ہر پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے خواہ پانی ہو، نبیذ ہو شربت ہو یا جوس ہو، مشروب چونکہ طعام کے تابع ہوتا ہے اس لئے کتاب الاطعمہ کے ذیل میں تابع ذکر کیا اور لباس طعام کے تابع نہیں تھا اس لئے اس کو الگ کتاب کے عنوان میں ذکر کیا اس باب میں پانی پینے کے آداب مستحبات اور مکروہات کو ذکر کیا گیا ہے۔

الفصل الاول

تین سانس میں پانی پینے کے فوائد

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ فِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ أَرْوٰى وَأَبْرَأُ وَأَمْرَأُ.

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پینے کے درمیان تین مرتبہ سانس لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اور آپ فرماتے تھے کہ اسطرح کئی سانس میں پانی پینا اچھی طرح سیراب کرتا ہے اور پیاس کو بجھاتا ہے۔ بدن کو صحت بخشتا ہے اور خوب ہضم ہوتا ہے اور معدہ میں بڑی آسانی کے ساتھ جاتا ہے۔

توضیح

"ثلاثا" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین سانس میں پانی پیتے تھے یہ غالب احوال کی بات ہے ورنہ ترمذی کی روایت میں دو سانس میں پینے کی بات بھی ملتی ہے وہ بھی کبھی کبھی ہوا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ پانی اونٹ کی طرح نہ پیو بلکہ دو سانس اور تین سانس میں پیو اس میں بھی دو سانس کا ذکر ہے (مرقات) پانی کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی جب سانس لیتا ہو تو برتن کو منہ سے الگ کرے تاکہ سانس لینے کی وجہ سے برتن میں منہ سے کوئی الائش نہ گرے۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ تین سانس سے پانی پینے کے فوائد میں ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے پیاس اچھی طرح بجھتی ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ ہضم کے لئے مفید ہے کیونکہ اس طرح پانی کی ٹھنڈک معدہ اور اعصاب کو نسبتاً کم نقصان پہنچاتی ہے

اور اگر ایک سانس سے پانی معدہ میں انڈیل دیا تو معدہ ایک دم ٹھنڈا ہو جائیگا اور نقصان ہوگا اس حدیث کے آخری جملوں میں انہیں فوائد کا بیان ہے مگر سنت نبوی پر عمل کرنا سب سے بڑا فائدہ ہے۔

"اروی" ای اشد رواء یعنی اچھی طرح سیراب کرتا ہے "ابرأ" یہ براءت سے ہے یعنی اس طرح پانی پی لینا بدن کے لئے صحت بخش اور بیماری سے برأت کا باعث ہے "امرأ" ای اقوی ھضماً خوب ہضم ہوتا ہے۔

مشکیزہ کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ فِيِّ السِّقَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کے دہانے سے پانی پینے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"من فی السقاء" فی لفظ مشدد ہے اصل میں فوہ سے ہے جو فم کے معنی میں ہے ای من فم القربۃ مشکیزہ کے منہ سے منہ لگا کر پانی پینے کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ مشکیزہ کے منہ میں کوئی کچرہ ہو یا موذی جانور کیڑا مکوڑا چھپا پڑا ہو، یا اندر پانی میں کوئی لال بیگ یا گندگی ہو اور اس طرح اندھا دھند پینے سے وہ منہ میں چلا جائے نیز پانی کو مشکیزہ کے اندھیرے سے پیٹ کے اندھیرے میں ایک دم انڈیلنے سے معدہ کی خرابی کا خطرہ بھی ہے۔ نیز اس طرح انڈیلنے سے پانی کے ساتھ اس کی گیس اندر چلی جائے گی جو صحت کے لئے مضر ہو سکتی ہے۔ نیز اس طرح پینے سے بسا اوقات کپڑوں پر پانی گر جاتا ہے داڑھی تر بتر ہو جاتی ہے نیز کبھی کبھی منہ سے کھانے کی ذرات پانی کے برتن میں اندر چلے جاتے ہیں جو نظافت کے خلاف ہے یہ تمام وجوہات اپنی جگہ لیکن ایک مسلمان کے لئے اس ممانعت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا ہے اور یہ مسنون طریقہ کے خلاف ہے مشکیزہ کی طرح یہ حکم لوٹے کا بھی ہے تھیلی، ٹونٹی، بوتل یا ہر اس برتن کا بھی ہے جس کی اندرونی حالت کا علم کسی کو نہ ہو، ساتھ والی حدیث کی تشریح و توضیح بھی اسی طرح ہے۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ اسی باب کی آئندہ حدیث ۱۹ میں حضرت کبشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت نے مشکیزہ کے منہ سے خود پانی پی لیا تو اس تعارض کا کیا جواب ہے؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بوقت ضرورت مجبوری میں ایسا کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک چھوٹا مشکیزہ ہوتا ہے ایک بڑا ہوتا ہے چھوٹے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا ہے جس میں یقینی طور پر کسی موذی حشرات کے وجود کا خطرہ نہیں تھا تیسرا جواب یہ ہے کہ عام عادت بنانا ممنوع ہے ایک آدھ بار پینے کی گنجائش ہے۔

﴿۳﴾وَعَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اخْتِنَاثِ الْأَسْقِیَةِ زَادَ فِیْ رِوَایَةٍ وَاخْتِنَاثُهَا أَنْ یُقْلَبَ رَأْسُهَا ثُمَّ یُشْرَبَ مِنْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشک کا منہ موڑنے یعنی اس کا منہ موڑ کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے اور راوی نے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ مشک کا منہ موڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس مشک کا سرا یعنی منہ الٹ دیا جائے اور پھر اس سے پانی پیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

"اختناث" یہ خنث سے ہے جس کے معنی مشکیزہ کے منہ کو موڑ کر اپنے منہ کے ساتھ لگا دینا ہے یعنی اس طرح کر کے پانی استعمال کرنا جائز نہیں ہے وجوہات اوپر بیان ہوگئیں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت

﴿۴﴾وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَهٰی أَنْ یَشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِماً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی پیئے۔ (مسلم)

توضیح

"قائما" اس حدیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کا ذکر ہے اور ساتھ والی روایت میں ہے کہ اگر کسی نے بھول کر اس طرح پیا تو اس کو چاہئے کہ پانی کو قے کر لے۔ اس جیسی احادیث کا تعلق اصل اور قاعدہ کے ساتھ ہے کہ شریعت کا قاعدہ یہی ہے کہ پانی بیٹھ کر پیا جائے اور یہی آنحضرت کی عادت شریفہ تھی اور امت محمدی کا عمل بھی اسی پر ہے اس کے برعکس فصل ثانی میں حضرت ابن عمر کی حدیث ۱۳ میں کھڑے ہو کر پانی پینے کا جو ذکر موجود ہے تو اس حدیث کا تعلق بیان جواز سے ہے کہ اگر بدرجہ مجبوری ایسا ہو تو وہ جائز ہے کبھی جگہ نہیں ہوتی کبھی جلدی ہوتی ہے کبھی کوئی اور مجبوری ہوتی ہے جو استثنائی صورتیں ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کی ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور آنے والی ابن عمرؓ کی حدیث جواز پر محمول ہے اور کراہت تنزیہی اور جواز کے درمیان منافات نہیں دونوں ایک ہی چیز ہے۔

بہر حال اصل قاعدہ اور قانون بیٹھ کر پینے کا ہے اور گاہ گاہ اس قانون کے برعکس اگر ہوا ہو تو وہ مجبوری کی استثنائی صورت ہو گی کہ کبھی بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی کبھی جلدی ہوتی ہے کبھی کچھ اور مجبوری ہوتی ہے۔ استثنائی صورتوں میں سے ایک صورت زمزم کے پانی کی ہے کہ وہ کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے کیونکہ وہ مبارک پانی ہے جتنا زیادہ پیا جائے وہ نقصان نہیں کرتا منافق اسے کم پیتا ہے تو مسلمان کو حکم ہے کہ کھڑے ہو کر خوب پیئے کہ پسلیاں بھر جائیں قیام کی حالت میں دیگر پانی اگر پیٹ بھر کر پیا جائے تو بیٹھنے سے پیٹ پر بوجھ پڑیگا لیکن زمزم سے پیٹ پر بوجھ محسوس نہیں ہوتا اسی طرح وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جاتا ہے وہ بھی مبارک پانی ہے ضرر نہیں کریگا عجیب حکمت ہے کہ بیٹھنے کی حالت میں پیٹ میں شکنیں بن جاتی ہیں پیٹ بھر کر پانی پینے کے بعد جب آدمی کھڑا ہوگا تو پانی پیٹ میں پھیل جائے گا اور گنجائش پیدا ہو جائے گی کوئی بوجھ نہیں ہوگا مگر قیام کی حالت میں پانی پینے سے یہ فائدہ مفقود ہوگا۔

﴿۵﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَشْرَبَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ قَائِماً فَمَنْ نَسِيَ مِنْكُمْ فَلْيَسْتَقِئْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص کھڑا ہو کر نہ پیئے اگر کسی شخص نے بھول سے کھڑے ہو کر پی لیا تو اس کو چاہیئے کہ وہ قے کر ڈالے۔ (مسلم)

کھڑے ہو کر زمزم کا پانی استعمال کرنا مستحب ہے

﴿۶﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدَلْوٍ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زمزم کے پانی کا ایک ڈول لے کر آیا تو آپ نے اس کو اس حالت میں پیا کہ آپ کھڑے ہوئے تھے۔ (بخاری ومسلم)

وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جا سکتا ہے

﴿۷﴾وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ فِي حَوَائِجِ النَّاسِ فِي رَحَبَةِ الْكُوْفَةِ حَتّٰى حَضَرَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ ثُمَّ أُتِيَ بِمَاءٍ فَشَرِبَ وَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَذَكَرَ رَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَهُ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أُنَاساً يَكْرَهُوْنَ الشُّرْبَ قَائِماً وَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَاصَنَعْتُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی اور پھر لوگوں کے معاملات ومقدمات کا فیصلہ کرنے

کے لئے کوفہ کی ایک بلند و کشادہ جگہ پر اپنی مجلس قائم کی اور وہاں لوگوں کے جھگڑوں اور معاملوں کو سن کر فیصلہ کرتے رہے یہاں تک کہ عصر کا وقت آ گیا جب وضو کے لئے پانی لایا گیا تو انہوں نے اپنی پیاس بجھانے کے لئے وضو سے پہلے اس پانی میں سے پیا اور پھر انہوں نے وضو کے لئے اپنا منہ اور اپنے ہاتھ دھوئے۔ اور راوی نے یہ ذکر کیا کہ انہوں نے اپنا سر کا مسح اور اپنے پاؤں دھوئے اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی اس حالت میں پیا کہ وہ کھڑے ہوئے تھے اور پھر فرمایا کہ بعض لوگ کھڑے ہو کر پینے کو کراہت پر محمول کرتے ہیں یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے کہ جیسا کہ ابھی میں نے کیا۔ (بخاری)

توضیح

"وذکر راسہ" یعنی راوی نے اس وضو میں سر کا مسح بھی بیان کیا اور پاؤں دھونے کا ذکر بھی کیا "ماصنعتُ" حضرت علیؓ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نے جس طرح وضو کا بچا ہوا پانی پی لیا ایسا ہی عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، بہر حال اس سے عام پانی کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ زمزم اور وضو کے پانی کی صورت تو استثنائی صورتوں میں سے ہے۔

مجبوری میں منہ لگا کر تالاب یا نہر سے پانی پیا جا سکتا ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَمَعَهُ صَاحِبٌ لَهُ فَسَلَّمَ فَرَدَّ الرَّجُلُ وَهُوَ يُحَوِّلُ الْمَاءَ فِيْ حَائِطٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ مَاءٌ بَاتَ فِيْ شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِيْ مَاءٌ بَاتَ فِيْ شَنٍّ فَانْطَلَقَ إِلَى الْعَرِيْشِ فَسَكَبَ فِيْ قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِيْ جَاءَ مَعَهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری یعنی ابوالہیثم جن کا ذکر پہلے بھی گذرا ہے کے باغ میں تشریف لے گئے آپ کے ہمراہ آپ کے ایک صحابی یعنی حضرت ابوبکرؓ بھی تھے آنحضرت نے باغ میں پہنچ کر سلام علیک کی ان انصاریؓ نے جو اس وقت باغ میں سے پانی دے رہے تھے آپ کے سلام کا جواب دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس پرانی مشک میں باسی پانی ہو تو لاؤ تاکہ ہم پئیں اور اگر تمہارے پاس ایسا پانی نہ ہو تو پھر ہم ندی یا نہر سے منہ لگا کر پانی پی لیں گے انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں میرے پاس پرانی مشک میں باسی پانی موجود ہے چنانچہ وہ جھونپڑی میں گئے جو انہوں نے اس باغ میں ڈال رکھی تھی اور ایک پیالہ میں پانی لے کر پھر اس پر یعنی

اس پیالہ میں گھر کی پلی ہوئی بکری کا دودھ دوہا اور اس پیالہ کو آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا اس کے بعد وہ انصاری پہلے پیالہ کی طرح ایک اور پیالہ لے کر آئے جس کو ان صاحب نے پیا جو آنحضرت کے ہمراہ آئے تھے۔ (بخاری)

توضیح

"ومعه صاحب له" شارحین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے صاحب کے لقب سے یاد کیا ہے "اذیقول لصاحبه" شارحین کا قول سر آنکھوں پر قبول ہے لیکن میں نے اپنے دل و دماغ پر جتنا زور دیا اتنا دماغ نے انکار کیا کہ یہ شخص صدیق اکبر ہوں کیونکہ اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں فشرب الرجل الذی جاء معه ایسے الفاظ صدیق کے لئے کس طرح استعمال ہو سکتے ہیں یہ تو ایک غیر معروف اجنبی آدمی کے لئے استعمال کے الفاظ ہیں واللہ اعلم۔

"ماء بات" یعنی رات کا رکھا ہوا پانی ہو تو دیدو "شنة" پرانے مشکیزے کو شنہ کہتے ہیں" والا کرعنا" یعنی اگر اس طرح پانی اور برتن میسر نہ ہو تو پھر ہم کسی تالاب یا نہر کے پانی کو منہ لگا کر پی لیں گے، پانی پینے کی ترتیب اس طرح ہے کہ اگر برتن ہے تو اس سے لیکر پی لیا جائے اگر برتن نہیں ہے تو پھر دونوں چلوؤں میں لیکر پی لیا جائے اگر اس سے بھی مشکل ہو تو پھر منہ لگا کر پینا جائز ہے جس طرح اس روایت سے معلوم ہوتا ہے مجھے پہاڑوں کے پانیوں کے دیکھنے کا تجربہ ہے وہاں بعض پانی ایسا ہوتا ہے کہ برتن اور چلو سے اٹھانا اور پینا ممکن نہیں ہوتا ایسی مجبوری میں منہ لگا کر پینے کی اجازت ہے ابن ماجہ کی ایک روایت میں منہ کے ذریعے پانی پینے کو ممنوع کہا گیا ہے وہ نہی کراہت تنزیہی پر محمول ہے اور زیر بحث حدیث بیان جواز کے لئے ہے یعنی مجبوری ہو تو منہ لگا کر پانی پیا جا سکتا ہے۔ "داجن" گھر کی پلی ہوئی بکری کو داجن کہتے ہیں۔

سونے چاندی کے برتن میں پانی پینا حرام ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الَّذِيْ يَشْرَبُ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ اِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ اِنَّ الَّذِيْ يَأْكُلُ وَيَشْرَبُ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ

اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتن میں پینے کی کوئی چیز پیتا ہے تو اس کا یہ پینا اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرے گا کہ اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ کو غٹ غٹ اتاریگا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص چاندی اور سونے کے برتن میں کھاتا اور پیتا ہے اس کا حشر بھی یہی ہوگا۔

توضیح

"یجرجر" اونٹ کو ہنکاتے وقت اس کے منہ سے جو آواز نکلتی ہے اسکو جرجرۃ کہتے ہیں یہاں غٹ غٹ کر آگ کو پیٹ میں داخل کرنا مراد ہے اس داخل کرنے سے جرجرہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔

"نار جھنم" راجح اور واضح اور آسان ترکیب یہی ہے کہ نار جھنم کا کلمہ یجرجر کا مفعول بہ ہے ای یجرجر نار جھنم فی بطنہ، یعنی مسلسل دوزخ کی آگ پیٹ میں بھر رہا ہے۔

اب اس حدیث کا حکم اور فقہ یہ ہے کہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر مرد وزن کے لئے سونے چاندی کی برتنوں کا استعمال ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے خواہ کھانے پینے میں استعمال ہوں یا کسی اور مقصد کے لئے ہوں البتہ عورتوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے زیورات کا تعلق اس کی ذاتی خوبصورتی سے ہے جو مطلوب ہے برتنوں میں یہ چیز نہیں ہے اس لئے عورتوں کے لئے بھی منع ہے اگر کسی برتن کے کناروں پر چاندی لگی ہو یا کوئی پترا لگا ہوا ہو تو مسلمان کو چاہئے کہ منہ وہاں پر لگائے جہاں چاندی نہ ہو۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلَاالدِّيْبَاجَ وَلَاتَشْرَبُوْا فِيْ آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَا تَأْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ریشمی کپڑا نہ پہنو اور نہ دیباج پہنو جو ایک طرح کا ریشمی ہی کپڑا ہوتا ہے اسی طرح نہ سونے اور چاندی کے برتن میں پینے کی کوئی چیز پیو۔ اور نہ سونے چاندی کی رکابیوں اور پیالوں میں کھاؤ کیوں کہ یہ ساری چیزیں دنیا میں کافروں کے لئے ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں ہیں۔ (بخاری ومسلم)

دائیں طرف سے جام کا گھومنا چاہئے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ حُلِبَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَاةٌ دَاجِنٌ وَشِيْبَ لَبَنُهَا بِمَاءٍ مِنَ الْبِئْرِ الَّتِيْ فِيْ دَارِ أَنَسٍ فَأُعْطِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَدَحَ فَشَرِبَ وَعَلٰى يَسَارِهِ أَبُوْبَكْرٍ وَعَنْ يَمِيْنِهِ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ عُمَرُ أَعْطِ أَبَابَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَعْطَى الْأَعْرَابِيَّ الَّذِيْ عَلٰى يَمِيْنِهِ ثُمَّ قَالَ الْأَيْمَنُ فَالْأَيْمَنُ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْأَيْمَنُوْنَ الْأَيْمَنُوْنَ أَلَافَيَمِّنُوْا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انس کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے گھر تشریف لائے تو آپ کے لئے گھر کی پلی

ہوا کہ ایک بکری کا دودھ دوہا گیا اور اس دودھ کو اس کنویں کے پانی میں ملایا گیا جو انسؓ کے گھر میں تھا پھر یہ دودھ کا پیالہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا جس میں سے آپ نے کچھ دودھ پیا اس وقت آنحضرت کے بائیں طرف حضرت ابو بکر صدیقؓ بیٹھے تھے اور دائیں طرف ایک دیہاتی بیٹھا تھا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ بچا ہوا دودھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیجئے لیکن آپ نے اس دیہاتی کو عنایت فرمایا جو آپ کی دائیں طرف بیٹھا تھا پھر فرمایا کہ دایاں مقدم ہے اور پھر دایاں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس موقع پر یہ فرمایا کہ یاد رکھو دائیں طرف کے زیادہ حق دار ہیں اور دائیں طرف کے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا دائیں طرف والوں کو دیا کرو یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ دائیں طرف والے زیادہ حق دار ہیں تو تم بھی دائیں طرف والوں کی رعایت ملحوظ رکھا کرو کہ دینے میں انہی سے ابتداء کرو۔ (بخاری و مسلم)

''الایمنون'' یہ سارے الفاظ یمین کے مادہ سے ماخوذ ہیں یعنی دائیں طرف سے پانی کا جام گھومنا چاہئے دایاں طرف زیادہ حقدار ہے۔

﴿۱۲﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحٍ فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِينِهِ غُلَامٌ أَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ فَقَالَ يَا غُلَامُ أَتَأْذَنُ أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِأُوثِرَ بِفَضْلٍ مِنْكَ أَحَدًا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَحَدِيثُ أَبِي قَتَادَةَ سَنَذْكُرُ فِي بَابِ الْمُعْجِزَاتِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى.

اور حضرت سہل ابن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ یا پانی کا ایک پیالہ لایا گیا جس میں سے آپ نے پیا اس وقت آپ کے دائیں طرف ایک نوعمر تھا جو حاضرین مجلس میں سب سے چھوٹا تھا یعنی حضرت ابن عباسؓ اور جو بڑے بوڑھے لوگ تھے وہ بائیں طرف تھے آنحضرت نے فرمایا کہ اے لڑکے کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں اس باقی ماندہ دودھ یا پانی کو ان بوڑھوں کو دے دوں؟ اس نوعمر نے کہا کہ نہیں یا رسول اللہ! میں آپ کے بچے ہوئے دودھ یا پانی کو دینے کے سلسلے میں اپنے پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ چنانچہ آنحضرت نے اس بچے ہوئے دودھ یا پانی کو اسی نوعمر کو دے دیا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''غلام'' غلام سے حضرت ابن عباس مراد ہیں یہ دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے ''لااوثر'' یعنی میں آپ کے بچے ہوئے پانی یا دودھ کے دینے میں اپنے اوپر کسی دوسرے کو ترجیح نہیں دے سکتا اس حدیث سے ایثار بالطاعات کا مسئلہ واضح ہو جاتا ہے ایثار بالطاعات کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کو نیکی مل رہی ہے وہ اپنے آپ کو چھوڑ کر دوسرے کو موقع دیتا ہے تاکہ یہ نیکی اس کو ملے مثلاً جماعت کی پہلی صف میں ایک شخص کھڑا ہو پیچھے صف میں ایک بزرگ آجائے تو وہ شخص پیچھے ہٹ گیا اور بزرگ

کو صف اول کے ثواب کا موقع دیدیا یہ ایثار بالطاعات کہلاتا ہے ایثار طاعات اگر واجبات میں ہو تو یہ ناجائز ہے اور اگر طاعات غیر واجبہ میں ہو تو مکروہ ہے یہ تو ایثار بالطاعات کی بات تھی لیکن اگر دنیوی امور میں کوئی شخص ایثار کرتا ہے تو یہ مستحب ہے مثلاً اپنا حق دوسرے کے لئے چھوڑ دیا اپنی باری دوسرے کو دیدی اپنی جگہ پر دوسرے کو بٹھا دیا تو اس میں ادب کا ثواب ملتا ہے۔

الفصل الثانی

ضرورت کے پیش نظر چلتے پھرتے کھانا پینا جائز ہے

﴿۱۳﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نَأْكُلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَمْشِيْ وَنَشْرَبُ وَنَحْنُ قِيَامٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم چلتے پھرتے کھاتے تھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں پانی وغیرہ پی لیا کرتے تھے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

توضیح

''قیام'' اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چلتے پھرتے کھانا پینا بلا کراہت جائز ہے لیکن اس سے استدلال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ یہ عمل حضور اکرم کے علم میں آچکا ہو اور آپ نے اس کی تصویب فرمائی ہو اور تقریر رسول کا ضابطہ پورا ہو چکا ہو اگر ایسا نہیں ہے تو صحابی کے اس عمل کو ضرورت اور مجبوری پر حمل کیا جائے گا اس لئے کہ تمام علماء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کھڑے کھڑے کھانا پینا مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ کھانے پینے کے آداب کے خلاف ہے اس باب کی حدیث ۴ کے تحت اس مسئلہ کی کمل تفصیل گزر چکی ہے اور کئی احادیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت آئی ہے کھانے کا معاملہ تو زیادہ اہم ہے اس لئے زیر بحث روایت میں تاویل ہوگی نیز کھانے کی اشیاء کا حال بھی مختلف ہے اگر کھجور ہے یا انگور ہے تو یہ روٹی سے مختلف ہیں۔

﴿۱۴﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہو کر بھی پیتے دیکھا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی۔ (ترمذی)

"قائماً وقاعداً" عام عادت بیٹھنے کی تھی قیام کی حالت میں پانی پینا بیان جواز یا دیگر مجبوریوں کی وجہ سے گاہ گاہ ہوا ہے۔

پیتے وقت برتن میں سانس مت لو

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُتَنَفَّسَ فِي الْإِنَاءِ أَوْ يُنْفَخَ فِيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ پانی وغیرہ پیتے وقت برتن میں یا پیالہ وغیرہ میں سانس لیا جائے یا پھونک ماری جائے۔ (ابوداؤد، وابن ماجہ)

توضیح

"یتنفس" برتن میں سانس لینے سے اس وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ ممکن ہے کہ منہ سے کوئی تھوک یا دیگر آلائش پانی میں گر جائے اور طبیعت مکدر ہو جائے یا اگر آدمی کی منہ میں بدبو ہو اور وہ پانی میں پہنچ جائے تو یہ مضر صحت بھی ہے اور مکدرِ طبیعت بھی ہے۔ نیز پانی کے اندر سانس لینا جانوروں کی عادت ہے لہٰذا انسان کو سانس لیتے وقت منہ کو برتن سے الگ کرنا چاہئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ گرم چیز کو ٹھنڈا کرنے کے لئے پھونک مارنا بھی منع ہے اسی طرح پینے کی اشیاء میں اگر کوئی تنکا ہو تو اس کو پھونک کے ذریعہ سے دور کرنا بھی منع ہے۔

ایک سانس میں پانی مت پیو یہ جانوروں کا کام ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَشْرَبُوْا وَاحِداً كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَسَمُّوْا إِذَا أَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا إِذَا أَنْتُمْ رَفَعْتُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ تم ایک سانس میں پانی مت پیو جس طرح اونٹ پیتا ہے بلکہ دو سانس یا تین سانس میں پیو اور جب تم پانی پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور جب پینے کے بعد برتن کو اپنے منہ سے ہٹاؤ تو حمد کرو۔ یعنی ہر بار میں یا آخری بار میں۔ (ترمذی)

"وسموا" یعنی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہو اور آخر میں اس طرح حمد وثنا پڑھو

الحمدلله الذی جعله عذبافراتابرحمته ولم یجعله ملحاً اجاجاً بذنوبنا.

پانی سے تنکا وغیرہ ہٹانے کا طریقہ

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّفْخِ فِي الشَّرَابِ فَقَالَ رَجُلٌ اَلْقَذَاةَ أَرَاهَا فِي الْإِنَاءِ قَالَ أَهْرِقْهَا قَالَ فَإِنِّيْ لَا أَرْوٰى مِنْ نَفَسٍ وَاحِدٍ قَالَ فَأَبِنِ الْقَدَحَ عَنْ فِيْكَ ثُمَّ تَنَفَّسْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ایک شخص نے یہ ممانعت سن کر عرض کیا کہ اگر میں پانی میں تنکے وتکے پڑے ہوئے دیکھوں تو کیا کروں؟ کیونکہ اگر پھونک نہیں ماروں گا تو وہ تنکے کیسے نکلیں گے؟ آپ نے فرمایا تم اس کو پھینک دو یعنی اوپر سے تھوڑا سا پانی پھینک دو تا کہ وہ تنکے وغیرہ نکل جائیں اور چونکہ وہ شخص پھونک مارنے کی ممانعت سے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ اس سے یہ بات بھی ضروری ہوئی کہ پانی پیتے وقت درمیان میں سانس نہ لیا جائے بلکہ ایک ہی سانس میں پانی پیا جائے اس لئے اس نے عرض کیا کہ میں ایک دم یعنی ایک سانس میں پینے سے سیراب نہیں ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح پانی پیو کہ پہلے تھوڑا سا پی کر پیالہ کو منہ سے ہٹاؤ اور برتن سے باہر سانس لو اور پھر ایسے ہی دوسرے اور تیسرے سانس میں باقی پانی پی لو۔ (ترمذی، دارمیؒ)

توضیح

"القذاۃ" اس کا معنی تنکا ہے۔ "قال" چونکہ حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے کہ برتن میں سانس لیا جائے یا پھونک ماری جائے تو اس شخص نے شاید یہ سمجھ لیا کہ پانی ایک ہی سانس سے پینا چاہئے اس لئے اس نے سوال کیا کہ "فانی لااروی" یعنی میں تو ایک سانس میں سیر نہیں ہوتا ہوں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ برتن کو منہ سے الگ کرو اور سانس لو۔ اس شخص نے پہلا سوال یہ کیا تھا کہ میں برتن کے پانی وغیرہ میں کبھی کوئی تنکا دیکھتا ہوں تو اس کو کیسے ہٹاؤں آنحضرت نے فرمایا کہ پانی کو اوپر سے گراؤ تنکا پہلے گر جائے گا علماء نے لکھا ہے کہ تنکا ہٹانے کا طریقہ یہ بھی ہے کہ کسی دوسری لکڑی وغیرہ سے تنکا ہٹایا جائے۔

برتن کی ٹوٹی ہوئی جگہ سے پانی نہ پیو

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الشُّرْبِ مِنْ ثُلْمَةِ الْقَدَحِ وَأَنْ يُنْفَخَ فِي الشَّرَابِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کے سوراخ سے پانی پینے سے منع فرمایا نیز آپ نے پانی میں پھونک مارنے سے بھی منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ثلمة القدح" پیالہ کی ٹوٹی ہوئی جگہ کو "ثُلْمَةْ" کہتے ہیں جس کو پیالہ کا سوراخ بھی کہتے ہیں اس وقت لکڑی کے برتن ہوتے تھے اس کے پیالوں کے کنارے عموماً ٹوٹ جاتے تھے ایسی جگہ سے پانی پینے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ جگہ میلی کچیلی رہتی ہے اور منہ میں صحیح بھی نہیں آتی تو پانی وغیرہ کپڑوں پر گر جاتا ہے نیز ویسے بھی یہ تہذیب کے خلاف ہے۔
اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر برتن کا کوئی حصہ ٹوٹا ہو تو اس برتن کو استعمال نہ کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس ٹوٹی ہوئی جگہ کو استعمال نہ کرو۔

بوجہ ضرورت کبھی مشکیزہ سے منہ لگا کر پانی پینا جائز ہے

﴿۱۹﴾وَعَنْ كَبْشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ فِيْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِماً فَقُمْتُ اِلٰى فِيْهَا فَقَطَعْتُهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ صَحِيْحٌ

اور حضرت کبشہؓ (صحابیہ) کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے تو آپ نے کھڑے کھڑے لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے پانی پیا چنانچہ میں مشک کے منہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور اس کو کاٹ لیا۔
(ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

توضیح

"قربة" حضور اکرمؐ نے اختناث سے منع کیا ہے اور یہاں خود اختناث کیا اس کی تفصیل حدیث نمبر ۳ کے تحت گذر چکی ہے شاید کسی مجبوری کی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔ "فقطعته" حصول برکت کے لئے اس حصہ کو کاٹ کر اپنے پاس رکھا یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے اس جگہ کو اس لئے کاٹ دیا تا کہ اس جگہ پر کسی کا منہ نہ لگے جہاں سرور کونین کے ہونٹ مبارک لگے تھے۔

حضور اکرم کو ٹھنڈا میٹھا مشروب پسند تھا

﴿۲۰﴾وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوَ الْبَارِدَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ مَارُوِيَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلاً

اور حضرت زہریؒ حضرت عروہؒ سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پینے کی چیزوں میں ٹھنڈی میٹھی چیز بہت زیادہ پسندیدہ تھی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ روایت صحیح ہے جو بحوالہ زہری آنحضرت سے بطریق ارسال نقل کی گئی ہے۔

توضیح

"الحلو البارد" ٹھنڈے میٹھے مشروب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ صرف پانی ہو بلکہ دودھ بھی ہو سکتا ہے اور شہد کا شربت بھی ہو سکتا ہے اس طرح مطلب لینے سے کئی احادیث کے درمیان تطبیق آجائے گی جیسے بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت کو مشروبات میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا ایک روایت میں شہد کا بھی ذکر آیا ہے۔ یعنی آپ کو ٹھنڈا میٹھا مشروب پسند تھا خواہ شہد کے ساتھ ہو خواہ دودھ یا پانی کے ساتھ ہو۔

کھانے پینے میں دودھ سے بہتر کوئی چیز نہیں

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ وَإِذَا سُقِيَ لَبَنًا فَلْيَقُلِ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مِنَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا اللَّبَنُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھائے تو یوں کہے یعنی یہ دعا پڑھے اللھم بارک لنا فیہ واطعمنا خیرا منہ اے اللہ ہمیں ہمارے اس کھانے میں برکت عطا فرما اور ہم کو اس سے بھی اچھا کھانے کو دے اور جب تم میں سے کسی شخص کو دودھ پینے کو ملے تو وہ یوں کہے یعنی یہ دعا پڑھے۔ اللھم بارک لنا فیہ وزدنا منہ. اے اللہ ہمیں ہمارے اس دودھ میں برکت عطا فرما اور ہم کو اس سے زیادہ پینے کو دے اور دودھ پینے کی اس دعا سے بھی اچھا پینے کو دے کے الفاظ نہ کہے کیوں کہ دودھ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے جو خدا سے مانگی جا سکے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کھانے اور پینے کا بدل بن سکے علاوہ دودھ کے کہ وہ شکم سیر کرنے کی بھی خاصیت رکھتا ہے اور سیراب کرنے کی بھی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

یعنی دودھ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مشروبات میں اس سے بہتر کوئی چیز ہو سکتی ہے کیونکہ دودھ دفع عطش کے لئے پانی کا کام بھی کرتا ہے اور دفع جوع کے لئے طعام کا کام بھی کرتا ہے اس لئے دعا میں زدنـــــا کہنا چاہئے خیراً نہیں کہنا چاہئے "یجزی" ای یکفی کافی ہو جانا۔

آنحضرتؐ کے لئے میٹھے پانی کا خاص اہتمام

﴿۲۲﴾ وعَنْ عائِشَةَ قالَتْ كانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنَ السُّقْيَا قِيلَ هِيَ عَيْنٌ بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْمَدِينَةِ يَوْمَانِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میٹھا پانی سقیا سے لایا جاتا تھا بعض حضرات نے بیان کیا کہ سقیا ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ سے دو منزل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

﴿۲۳﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ فِي إِنَاءِ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ إِنَاءٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ. رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ.

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سونے یا چاندی کے برتن میں پیئے گا یا کسی ایسے برتن میں پیئے گا جو اگرچہ کلیۃً سونے یا چاندی کا نہ ہو مگر اس میں سونے یا چاندی کا کچھ حصہ ہو تو اس کا یہ پینا اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرے گا کہ اس کے پیٹ میں دوزخ کی آگ غٹ غٹ اتارے گا۔ (دارقطنی)

باب النقیع والانبذۃ

نقیع اور نبیذوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿تتخذون منه سکراً ورزقاً حسناً﴾

نقیع اور نبیذ پینے کے شربتوں کی اقسام میں سے ہیں "نقیع" بنانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انگور یا کھجوروں کو پانی میں ڈال کر صرف بھگو دیا جائے اور کچھ وقت کے لئے چھوڑ دیا جائے تاکہ پانی میں مٹھاس آجائے بس یہی نقیع ہے اس کا پینا جائز اور بدن اور نظام ہضم کے لئے بہت مفید ہے۔

"نبیذ" بمعنی منبوذ پھینکی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کھجوروں کو پانی میں ڈال دیا جائے اور دیر تک پانی میں چھوڑ دیا جائے کہ پانی میں ہلکی سی تیزی آجائے لیکن اتنی تیزی اور تغیر نہ آئے کہ مسکر بن جائے یہ نبیذ ہے اس کا پینا جائز اور حلال ہے اگر مسکر بن گیا تو حرام ہے۔

نبیذ کی اقسام

۱۔ اگر کھجور اور انگور وغیرہ کو پانی میں ڈال کر حلاوت آنے سے پہلے پہلے استعمال کیا گیا تو یہ پانی ہی کے حکم میں ہے سب کے نزدیک اس سے وضو کرنا بھی جائز ہے اور عام استعمال بھی جائز ہے۔

۲۔ اگر کھجور وانگور وغیرہ پانی میں ڈالدیا اور دیر تک چھوڑ کر پانی میں سکر آگیا یا آگ پر پکایا اور پانی میں جوش اور سکر آگیا تو یہ سب کے نزدیک حرام ہے نہ اس سے وضو جائز ہے اور نہ عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔

۳۔ اگر پانی میں کھجور وانگور وغیرہ ڈالدیا گیا پانی میں معمولی سی حلاوت آگئی جوش بھی نہیں آیا مزبد بھی نہیں ہوا تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جمہور اور صاحبین کے نزدیک اس کو وضو میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا عام استعمال بھی جائز ہے اور وضو کے لئے استعمال بھی جائز ہے۔ وفات سے کچھ قبل امام ابوحنیفہؒ نے صاحبین اور جمہور کے قول کی طرف رجوع کیا کہ اس سے وضو ناجائز ہے توضیحات جلد اول ص ۱۳۳ پر یہ مسئلہ نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَدَحِيْ هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس پیالہ میں پینے کی ساری چیزیں پلائی ہیں جیسے شہد، نبیذ، پانی اور دودھ۔ (مسلم)

توضیح

"بقدحی ھذا" حضرت انس نے آنحضرتؐ کو جس پیالہ سے یہ چیزیں پلائی تھیں وہ پیالہ آپ کے پاس تھا پھر اس کو حضرت نضر بن انسؓ نے حضرت انس سے آٹھ لاکھ درھم کے عوض خرید اتھا حضرت امام بخاریؒ نے بصرہ میں اس پیالہ کو دیکھا تھا اور ان کی خوش قسمتی کا کیا کہنا کہ ان کو اس مبارک پیالے میں پانی پینے کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی۔ (کذا فی المرقات)

حضور اکرم کے لئے نبیذ بنانے کا طریقہ

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّا نَنْبِذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ يُوْكَأُ أَعْلَاهُ وَلَهُ عَزْلَاءُ نَنْبِذُهُ غُدْوَةً فَيَشْرَبُهُ عِشَاءً وَنَنْبِذُهُ عِشَاءً فَيَشْرَبُهُ غُدْوَةً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مشک میں نبیذ بنایا کرتے تھے جس کو اوپر سے باندھ کر بند کر دیا جاتا تھا اور اس کے نیچے کے حصے میں بھی اس کا دہانہ تھا ہم اس مشک میں کھجور وغیرہ صبح کے وقت ڈال دیتے تھے تو آپ رات کے وقت اس کو پیتے اور اگر اس میں کھجور وغیرہ رات میں ڈالتے تھے تو آپ اس کو صبح کے وقت پیتے تھے۔ (مسلم)

توضیح

"سقاء" مشکیزہ کو کہتے ہیں "یوکأ" تسمہ کے ساتھ باندھنے کو کہتے ہیں مشکیزہ کا ایک حصہ اوپر کا ہے جو اسکا دہانہ ہوتا ہے یعنی اوپر کا حصہ تسمہ سے باندھ کر بند کیا جاتا تھا۔

"عزلاء" مشکیزہ کے نیچے حصہ میں جو دہانہ ہوتا ہے اس کو عزلا کہتے ہیں۔

سمجھنا چاہئے کہ مشکیزے کا ایک اوپر کی طرف سے دہانہ ہوتا ہے وہ تو ہر مشکیزہ میں ہوتا ہے لیکن اس مشکیزہ کا ایک دہانہ نیچے کی طرف بھی تھا جو نسبتاً چھوٹا تھا اوپر کے دہانہ کو باندھ کر نیچے والے دہانہ سے نبیذ پلایا جاتا تھا۔ اس حدیث کا مطلب ہے۔ نبیذ بنانے کا یہ طریقہ شاید گرمی کے زمانہ کا تھا جس میں صبح وشام نبیذ تیار ہو سکتا ہے ٹھنڈ کے موسم میں کبھی ایک دن اور کبھی تین دن بھی لگ جاتے ہیں جس طرح دیگر احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ "نبیذ" بنانے کے معنی میں ہے یعنی ہم نبیذ بنایا کرتے تھے۔

نبیذ کب تک رکھا جا سکتا ہے؟

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْبَذُ لَهُ أَوَّلَ اللَّيْلِ فَيَشْرَبُهُ إِذَا أَصْبَحَ يَوْمَهُ ذٰلِكَ وَاللَّيْلَةَ الَّتِي تَجِيْءُ وَالْغَدَ وَاللَّيْلَةَ الْأُخْرٰى وَالْغَدَ إِلَى الْعَصْرِ فَإِنْ بَقِيَ شَيْءٌ سَقَاهُ الْخَادِمَ أَوْ أَمَرَ بِهِ فَصُبَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جو نبیذ رات کے ابتدائی حصے میں ڈالی جاتی تھی اس کو آپ آنے والے دن کی صبح کو پیتے پھر آنے والی رات میں پیتے پھر دوسرے دن اور دوسری رات میں پیتے اور پھر اس کے بعد آنے والے یعنی تیسرے دن عصر کے وقت تک پیتے اور اگر اس کے بعد بھی اس میں سے کچھ باقی رہ جاتی تو خادم کو پلا دیتے یا پھینک دینے کا حکم دے دیتے چنانچہ وہ پھینک دی جاتی تھی۔ (مسلم)

توضیح

"او امر به" یہ أو شک کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے یعنی آنحضرت کو تین دن تک تیار شدہ نبیذ پلایا جاتا تھا تیسرے دن عصر کے بعد چونکہ نبیذ کی تلچھٹ رہ جاتی تھی اس لئے وہ خادم کو پلائی جاتی تھی لیکن اگر اس تلچھٹ میں سکر آجاتا تو پھر اسے ضائع کیا جاتا تھا معلوم ہوا کہ تین دن تک نبیذ رکھنا آخری حد ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ غلام اور خادم کو کھانے پینے کا ماتحت دیا جا سکتا ہے اور یہ عمل بھی جائز ہے جو حدیث میں ہے۔

﴿۴﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ يُنْبَذُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سِقَاءٍ فَإِذَا لَمْ يَجِدُوْا سِقَاءً يُنْبَذُ لَهُ فِيْ تَوْرٍ مِنْ حِجَارَةٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشک میں نبیذ بنائی جاتی تھی اور اگر کسی وقت مشک نہ ملتی تو پھر آپ کے لئے پتھر کے برتن میں نبیذ بنائی جاتی تھی۔ (مسلم)

"تور" تور پتھر اور پیتل کے برتن کو کہتے ہیں من حجارة پتھر کا تعین کیا گیا ہے پہلے زمانہ میں لکڑی لوہے، پیتل اور پتھر سے برتن بنائے جاتے تھے۔

کن کن برتنوں میں نبیذ بنانا منع ہے

﴿۵﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ وَأَمَرَ أَنْ يُنْبَذَ فِيْ أَسْقِيَةِ الْأَدَمِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدو کے تونبے، سبز لاکھی گھڑے، رال ملے ہوئے برتن اور لکڑی کے برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا اور یہ حکم دیا کہ چمڑے کے مشک میں نبیذ بنائی جائے۔ (مسلم)

توضیح

"الدباء" آنحضرتؐ نے اسلام کے ابتدائی دور میں اس قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے کی ممانعت فرمائی تھی تاکہ برتنوں کو دیکھ کر دوبارہ شراب میں رغبت پیدا نہ ہو نیز ان برتنوں کی خاص تاثیر سے نبیذ شراب میں بدل نہ جائے جب شراب کی نفرت دلوں میں بیٹھ گئی اور مسکر اور غیر مسکر میں فرق کرنا آسان ہو گیا تو آنحضرت نے ہر قسم کے برتنوں میں نبیذ بنانے کی اجازت دیدی جس طرح ساتھ والی روایت میں اس کا ذکر ہے۔

خشک کھوکھلے کدو کو دباء کہتے ہیں بڑے مٹکے کو 'حنتم' کہتے ہیں رال ملی روغنی ہانڈی کو 'مزفت" کہتے ہیں تراشیدہ کھوکھلی لکڑی کے برتن کو "نقیر" کہتے ہیں اس زمانہ میں خاص طور پر ان برتنوں میں شراب بنائی جاتی تھی۔

"أدم" یہ لفظ مفرد ہے ہمزہ اور دال پر فتحہ ہے چمڑے کو کہتے ہیں مراد چمڑے کا بنا ہوا مشکیزہ ہے توضیحات جلد اول کتاب الایمان میں اس حدیث کی تفصیل گذر چکی ہے۔

برتنوں کے بارہ میں ایک حکم منسوخ ہو گیا

﴿٦﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَإِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْأَشْرِبَةِ اِلَّا فِيْ ظُرُوْفِ الْأَدَمِ فَاشْرَبُوْا فِيْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ أَنْ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں مذکورہ بالا بعض برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا تھا اور تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ حلت و حرمت کا حکم برتنوں سے تعلق رکھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز حرام ہے اس کو کوئی برتن حلال نہیں کر دیتا اور جو چیز حلال ہے اس کو کوئی برتن حرام نہیں کر دیتا۔ اصل حکم تو یہ ہے کہ جو چیز نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے خواہ وہ کسی بھی برتن میں پی جائے جو چیز نشہ پیدا نہ کرے وہ حلال ہے خواہ وہ کسی بھی برتن میں ہو۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے مذکورہ بالا بعض برتنوں میں تمہیں نبیذ بنانے اور پینے سے منع کیا تھا علاوہ چمڑے کے برتنوں کے لیکن اب میں اس حکم کو منسوخ قرار دے کر ہر طرح کے برتن میں نبیذ بنانے اور پینے کو مباح قرار دیتا ہوں لہٰذا تم ہر طرح کے برتن میں پی سکتے ہو لیکن جو چیز نشہ پیدا کرنے والی ہو اس کو ہرگز مت پیو۔ (مسلم)

توضیح

"نهيتكم" ابتداء اسلام میں مدینہ منورہ میں جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو مسلمانوں کو شراب سے نفرت دلانے کی غرض سے آنحضرتؐ نے ان برتنوں کے توڑنے کا اور استعمال نہ کرنے کا حکم دیدیا جب شراب کی حرمت دلوں میں بیٹھ گئی

تو آپ نے ہر قسم برتنوں کے استعمال کی اجازت دیدی اور فرمایا برتن کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرتا اب ہر قسم برتن استعمال کرو لیکن مسکرات سے اجتناب کرو۔

الفصل الثانی

شراب کا نام بدل کر لوگ شراب پئیں گے

﴿۷﴾عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ میری امت کے بعض لوگ شراب پئیں گے اور اس کا نام شراب کے بجائے کچھ اور رکھیں گے۔(ابوداؤد)

توضیح

یہ زمانہ آگیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے چلا گیا ہے آج کل تو حالت یہ ہے کہ اگر کسی میں معمولی سی شرافت ہے تو وہ نام بدل کر پیتا ہے مثلاً شراب کو نبیذ کہیں گے یا ماء العسل کہیں گے یا آب جو اور ہمزہ واٹر کہہ کر پئیں گے لیکن جن میں شرافت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی نہ خوف خدا کا کوئی تصور ہوتا ہے تو وہ شراب کہہ کر پیتے ہیں بلکہ پینے کو جائز قرار دیتے ہیں "انا للّٰہ و انا الیہ راجعون"۔

الفصل الثالث

﴿۸﴾عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَبِيْذِ الْجَرِّ الْأَخْضَرِ قُلْتُ أَنَشْرَبُ فِي الْأَبْيَضِ قَالَ لَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سبز ٹھلیا میں بنی ہوئی نبیذ پینے سے منع فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ کیا ہم سفید ٹھلیا میں بنی ہوئی نبیذ پی سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔(بخاری)

توضیح

"عن نبیذ الجر الأخضر" یعنی سبز ٹھلیا اور خم، برتن کے لئے سبز ہونا کوئی قید احترازی نہیں تھی بلکہ زمانہ کے لحاظ سے یہ قید اتفاقی تھی کیونکہ عموماً اس وقت شراب کے برتن سبز اور مرغن ہوتے تھے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے اس کو قید احترازی سمجھ لیا تو سوال کیا کہ کیا سفید برتن میں بنی ہوئی نبیذ پی سکتے ہیں؟

آنحضرت نے جواب دیا کہ نہیں، چونکہ اس وقت یہ سب برتن نبیذ وغیرہ کے استعمال کے لئے بھی ممنوع قرار دیئے گئے تھے اس لئے آنحضرت نے سفید ٹھلیا کی بھی ممانعت فرمادی پھر یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔

مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب تغطية الأواني وغيرها

برتنوں کے ڈھانکنے کا بیان

اس باب کی احادیث میں برتنوں اور دیگر اشیاء کے ڈھانکنے کا بیان ہے اس کے علاوہ گھر کے دروازوں کے بند کرنے اور رات کی تاریکی پھیلنے کے وقت بچوں کو گھروں میں بند رکھنے اور سوتے وقت گھر کی آگ بجھانے وغیرہ کے مسائل وفضائل کا بیان ہے جس میں امت کے فائدے ہی فائدے ہیں یہ بات ذہن میں رہے کہ ان احادیث میں جن اوامر ونواہی کا ذکر ہے یہ اوامر ونواہی ارشادی اور استحبابی ہیں۔ ارشادی کا مطلب یہی ہے کہ اس میں امت کی رہنمائی اور بھلائی مقصود ہوتی ہے۔

الفصل الاول

مسلمان کی رات کے لئے اسلام کے رہنما اصول

﴿۱﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ جُنْحُ اللَّيْلِ أَوْأَمْسَيْتُمْ فَكُفُّوْا صِبْيَانَكُمْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْتَشِرُ حِيْنَئِذٍ فَإِذَا ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ فَخَلُّوْهُمْ وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا مُغْلَقًا وَأَوْكُوْا قِرَبَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَخَمِّرُوْا آنِيَتَكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضُوْا عَلَيْهِ شَيْئًا وَأَطْفِئُوْا مَصَابِيْحَكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ خَمِّرُوا الْآنِيَةَ وَأَوْكُوا الْأَسْقِيَةَ وَأَجِيْفُوا الْأَبْوَابَ وَاكْفِتُوْا صِبْيَانَكُمْ عِنْدَ الْمَسَاءِ فَإِنَّ لِلْجِنِّ انْتِشَارًا وَخَطْفَةً وَأَطْفِئُوا الْمَصَابِيْحَ عِنْدَ الرُّقَادِ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ رُبَّمَا اجْتَرَّتِ الْفَتِيْلَةَ فَأَحْرَقَتْ أَهْلَ الْبَيْتِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ غَطُّوا الْإِنَاءَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ وَأَغْلِقُوا الْأَبْوَابَ وَأَطْفِئُوا السِّرَاجَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَحُلُّ سِقَاءً وَلَا يَفْتَحُ بَابًا وَلَا يَكْشِفُ إِنَاءً فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا أَنْ يَعْرُضَ عَلٰى إِنَائِهِ عُوْدًا وَيَذْكُرَ اسْمَ اللّٰهِ فَلْيَفْعَلْ فَإِنَّ الْفُوَيْسِقَةَ تُضْرِمُ عَلٰى أَهْلِ الْبَيْتِ بَيْتَهُمْ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ لَا تُرْسِلُوْا فَوَاشِيَكُمْ وَصِبْيَانَكُمْ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يُبْعَثُ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى تَذْهَبَ فَحْمَةُ الْعِشَاءِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ غَطُّوا الْإِنَاءَ وَأَوْكُوا السِّقَاءَ فَإِنَّ فِي السَّنَةِ لَيْلَةً يَنْزِلُ فِيْهَا وَبَاءٌ لَا يَمُرُّ بِإِنَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ غِطَاءٌ أَوْ سِقَاءٍ لَيْسَ عَلَيْهِ وِكَاءٌ إِلَّا نَزَلَ فِيْهِ

مِنْ ذٰلِکَ الْوَبَاءِ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات کی تاریکی پھیل جائے یا یہ فرمایا کہ جب شام ہو جائے تو تم اپنے بچوں کو گھر سے نکلنے اور گلی کوچوں میں پھرنے سے روک دو کیونکہ اس وقت شیطان یعنی جنات چاروں طرف پھیل جاتے ہیں پھر جب رات کی ایک گھڑی گزر جائے تو بچوں کو کہیں آنے جانے کے لئے چھوڑ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں نیز اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر دروازوں کو بند کر دو کیونکہ بسم اللہ پڑھ کر بند کئے گئے دروازوں کو شیطان نہیں کھولتا (باوجود یکہ شیاطین اور جنات کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ دروازوں اور دیواروں میں بیٹھ جائیں لیکن اللہ کے ذکر کے سبب وہ بیٹھنے کی مجال نہیں رکھتے) اور اللہ کا نام لے کر ان مشکیزوں کے منہ باندھ دو جن میں پانی موجود ہوتا ہے کہ ان میں کیڑا اور پتنگا وغیرہ نہ گھس جائے اور اللہ کا نام لے کر اپنے برتنوں پر ڈھانکنے کے لئے کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے اس برتن کا پورا منہ چھپ سکے تو اس پر عرضاً کوئی لکڑی وغیرہ رکھ دو اگرچہ اس صورت میں برتن پوری طرح نہیں ڈھکے گا لیکن اس طرح کم سے کم کراہت تو ختم ہو ہی جائے گی اور اس حکم کی برکت سے برتن میں موجود کھانے پینے کی چیز اس ضرر و نقصان سے بچ جائے گی جو برتن کے بالکل کھلے ہوئے ہونے کی صورت میں یقینی ہوتا ہے جیسے شیطان کا تصرف۔ اور سوتے وقت اپنے چراغوں کو بجھا دو۔ (بخاری و مسلم)

اور مذکورہ بالا روایات تو یکساں الفاظ میں بخاری و مسلم میں منقول ہے ہی لیکن یہ مضمون مختلف الفاظ کے ساتھ بخاری و مسلم نے الگ الگ بھی نقل کیا ہے چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا برتنوں کو ڈھانک دیا کرو مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو دروازوں کو بند کر دیا کرو اور اپنے بچوں کو اپنے پاس بٹھائے رکھو ان کو ادھر ادھر نہ جانے دو جب کہ شام ہو جائے کیونکہ اس وقت جنات چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور اچک لیتے ہیں اور سوتے وقت چراغوں کو بجھا دیا کرو کیونکہ اکثر یا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ چوہا بتی کو کھینچ لے جاتا ہے اور گھر والوں کو جلا دیتا ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا برتنوں کو ڈھانک دیا کرو مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو دروازوں کو بند کر دیا کرو اور چراغوں کو بجھا دیا کرو کیوں کہ اللہ کا نام لینے کی وجہ سے شیطان بندھے ہوئے مشکیزوں کو نہیں کھولتا اور نہ بند دروازوں کو کھولتا ہے اور نہ ڈھانکے ہوئے برتنوں کو کھولتا ہے اگر تم میں سے کسی کو ڈھانکنے کیلئے کوئی چیز نہ ملے الا یہ کہ وہ اللہ کا نام لے کر برتن کے منہ پر عرضاً کوئی لکڑی ہی رکھ سکتا ہو تو وہ ایسا ہی کرلے یعنی بسم اللہ پڑھ کر برتن کے منہ پر کوئی لکڑی ہی رکھ دے اور سوتے وقت چراغ کو اس لئے بجھا دیا کرو کہ چوہا چراغ کی بتی کو کھینچ کر گھر والوں پر ان کے گھر کو بھڑکا دیتا ہے یعنی چوہا جلتی ہوئی بتی کو لے جا کر کسی ایسی جگہ ڈال دیتا ہے جہاں کسی چیز میں آگ لگ جاتی ہے اور پھر سارا گھر جل جاتا ہے) اور مسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا جب سورج ڈوب جائے تو اپنے جانوروں اور بچوں کو گھر سے نکلنے کے لئے نہ چھوڑو یہاں تک کہ رات کے ابتدائی حصے کی تاریکی جاتی رہے یعنی کچھ رات گزر جائے کیونکہ سورج ڈوبنے کے بعد سے رات کے ابتدائی حصے کے گزرنے کے وقت تک شیطان یعنی جنات کو پھیلنے دیا جاتا ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا برتن کو ڈھانک دیا کرو اور مشکیزہ کے منہ کو باندھ دیا کرو کیونکہ سال بھر میں ایک ایسی رات آتی ہے کہ جس میں وبا نازل ہوتی ہے اور جو برتن کھلا ہوا ہوتا ہے یا جس مشکیزہ کا منہ بند نہیں ہوتا اس وبا کا کچھ حصہ اس میں بھی داخل ہو جاتا ہے۔

توضیح

"جنح" رات کا ابتدائی حصہ مراد ہے "او امسیتم" لفظ او روای کے شک کے لئے ہے "ینتشر" یعنی شام کے وقت جنات اور شیاطین پھیلتے ہیں اس وقت وہ بچوں کو آسیب زدہ کر کے نقصان پہنچا سکتے ہیں اچک سکتے ہیں اسی طرح جانوروں کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے اندھیرا پھیلتے وقت بچوں اور جانوروں کو باہر نکلنے سے روکو کچھ دیر بعد چھوڑ دو "باباً مغلقاً" یعنی جس دروازے کے بند کرتے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو اس کو شیطان نہیں کھولتا اس کے کھولنے پر قادر نہیں ہوتا۔ "اوکوا" ایکاء سے ہے تسمہ کے ذریعہ سے باندھنے کو کہتے ہیں۔

"خمروا" برتن ڈھانکنے کو کہتے ہیں "ان تعرضوا" نصر ینصر سے ہے برتن پر لکڑی کو چوڑائی میں رکھنے کو کہتے ہیں یعنی اگر برتن ڈھانکنے کے لئے پورا ڈھکن نہیں ملتا تو لکڑی کا تنکا بسم اللہ پڑھ کر برتن کے منہ پر چوڑائی میں رکھدو یہ لکڑی بسم اللہ کی نشانی ہوگی تو شیطان بھاگے گا قریب نہیں آئے گا "اطفئوا" چراغ وغیرہ بجھا دو۔

"اجیفوا" دروازہ لوٹانے کے معنی میں ہے یعنی بند کر دو "اکفتوا" باب افعال سے اکفات اپنے پاس بٹھائے رکھنے اور بند کرنے اور اپنی طرف ضم کرنے کے معنی میں ہے "الجن" جنات میں سے جو حد اعتدال سے زیادہ سرکش ہو جاتا ہے وہ شیطان بن جاتا ہے اور جو اعتدال سے زیادہ نرم ہو جاتا ہے وہ پری بن جاتا ہے اور جس میں اعتدال کے ساتھ شرارت ہو وہ جن رہتا ہے جو بھی جن ہے شرارت اس میں ضرور ہوگی خواہ مسلم ہو یا کافر ہو۔ "الرقاد" یعنی سونے کے وقت "الفویسقة" یہ فاسقہ کی تصغیر ہے مراد چوہا ہے جو بل سے نکل کر شرارت کرتا رہتا ہے "اجترت" اجترار سے ہے کھینچنے کے معنی میں ہے "الفتیلة" اس بتی کو فتیلہ کہتے ہیں جس میں آگ لگی ہوئی ہو "لایحل" کھولتا نہیں مشکیزہ کو بشرطیکہ بسم اللہ کے ساتھ بند کیا ہو۔

"تضرم" باب افعال سے ہے آگ بھڑکانے کو اضرام کہتے ہیں "فحمة العشاء" رات کی تاریکی کو فحمة کہتے ہیں یبعث مجہول کا صیغہ ہے یعنی شیاطین پھیلائے جاتے ہیں اور پھیلنے دیا جاتا ہے "وباء" وبائی مرض ہیضہ وغیرہ مراد ہے اس حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کا نام بسم اللہ کو ہر وقت ہر مطلب کے لئے استعمال کرو یہ تمہاری دنیاوی اور اخروی آفات سے بچنے کے لئے مفید تر ہے یہ تمام اوامر و نواہی ارشادی ہیں وجوبی نہیں ہیں۔

جس برتن میں کھانے پینے کی چیز ہو اسے ڈھانکا کرو

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ أَبُوْحُمَيْدٍ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ مِنَ النَّقِيْعِ بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا خَمَّرْتَهُ وَلَوْ أَنْ تَعْرُضَ عَلَيْهِ عُوْدًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ابوحمید جو ایک انصاری شخص تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام نقیع سے دودھ سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آئے آنحضرتؐ نے جب اس برتن کو کھلا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ تم نے اس برتن کو ڈھانکا کیوں نہیں اگر چہ ڈھانکنے کی یہی صورت کیوں نہ ہوتی کہ تم اس برتن پر عرضاً کوئی لکڑی رکھ دیتے۔ (بخاری ومسلم)

مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام "نقیع" ہے یہ شخص اسی جگہ سے آیا تھا "الاخمرته" یعنی تم نے ڈھانکا کیوں نہیں؟ یہ تخمیر سے ہے ڈھانکنے کے معنی میں ہے "عودا" چھوٹی لکڑی کو کہا گیا ہے۔

سوتے وقت گھر کی آگ بجھایا کرو

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَتْرُكُوا النَّارَ فِي بُيُوْتِكُمْ حِيْنَ تَنَامُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم سونے لگو تو گھروں میں آگ نہ چھوڑو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

آگ سے مراد ایسی آگ ہے جس سے کسی چیز کے جل جانے کا خطرہ ہو جیسے چراغ یا چولھے کی آگ یا گیس کا جلتا ہوا سلنڈر جس سے ہزاروں لوگ مرچکے ہیں، اس سے وہ آگ مراد نہیں جو بجلی کے بلب کی صورت میں ہو یا قندیل کے اندر ہو جس میں خطرہ نہیں ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ احْتَرَقَ بَيْتٌ بِالْمَدِيْنَةِ عَلٰى أَهْلِهٖ مِنَ اللَّيْلِ فَحُدِّثَ بِشَأْنِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ النَّارَ إِنَّمَا هِيَ عَدُوٌّ لَكُمْ فَإِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوْهَا عَنْكُمْ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رات میں ایسا ہوا کہ مدینہ میں ایک شخص کا گھر جل گیا اور گھر والوں پر گر پڑا چنانچہ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آگ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ یہ تمہارے حق میں ایک دشمن ہے جو جان ومال کو جلا دیتی ہے لہٰذا جب تم سونے لگو تو اس کو بجھا دو (اور اس کے ضرر ونقصان سے اپنے کو محفوظ رکھو)۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

کتے اور گدھے کی آواز سنو تو تعوذ کرو

﴿۵﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا سَمِعْتُمْ نُبَاحَ الْكِلَابِ وَنَهِيْقَ الْحَمِيْرِ مِنَ اللَّيْلِ فَتَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَإِنَّهُنَّ يَرَيْنَ مَالَا تَرَوْنَ وَأَقِلُّوا الْخُرُوْجَ إِذَا هَدَأَتِ الْأَرْجُلُ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبُثُّ مِنْ خَلْقِهٖ فِيْ لَيْلَتِهٖ مَايَشَاءُ وَأَجِيْفُوا الْأَبْوَابَ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَفْتَحُ بَابًا إِذَا أُجِيْفَ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَغَطُّوا الْجِرَارَ وَأَكْفِئُوا الْآنِيَةَ وَأَوْكُوا الْقِرَبَ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم رات میں کتوں کے بھونکنے اور گدھوں کے رینگنے کی آواز سنو تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو کیونکہ وہ کتے اور گدھے جس چیز کو دیکھتے ہیں (یعنی شیطان اور اس کی ذریت کو) اس کو تم نہیں دیکھتے اور جب لوگوں کا چلنا پھرنا بند ہو جائے تو اس وقت تم بھی گھر سے کم نکلو کیونکہ اس وقت رات میں اللہ عزوجل اپنی مخلوقات میں سے جس کو چاہتا ہے یعنی جنات وشیاطین اور موذی جانور وغیرہ ان کو چاروں طرف پھیل جانے دیتا ہے اور اپنے دروازوں کو اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر بند کیا کرو کیونکہ جس دروازے کو اللہ کا نام لے کر بند کیا جاتا ہے اس کو شیطان کھولنے پر قادر نہیں ہوتا اور ان برتنوں کو ڈھانک دیا کرو جن میں کھانے پینے کی کوئی چیز ہو اور جن برتنوں میں کچھ نہ ہو یعنی وہ خالی ہوں ان کو الٹ دیا کرو اور مشکیزوں کے منہ باندھ دیا کرو (شرح السنۃ)

توضیح

کتے اور گدھے کا شیطان کے ساتھ براہ راست رابطہ ہے یہ جب شیطان کو دیکھتے ہیں تو خوشی کے مارے اچھلتے کودتے ہیں اور بھونکتے ہنہناتے ہیں۔

"ھدأت الارجل" جب قدم پر سکون ہو جائیں یعنی لوگوں کا چلنا پھرنا بند ہو جائے۔

چوہے نے آنحضرت کے مصلی پر آگ کی بتی ڈالدی

﴿۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَتْ فَارَةٌ تَجُرُّ الْفَتِيْلَةَ فَأَلْقَتْهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْخُمْرَةِ الَّتِيْ كَانَ قَاعِدًا عَلَيْهَا فَأَحْرَقَتْ مِنْهَا مِثْلَ مَوْضِعِ الدِّرْهَمِ فَقَالَ إِذَا نِمْتُمْ فَأَطْفِئُوْا سُرُجَكُمْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدُلُّ مِثْلَ هٰذِهٖ عَلٰى هٰذَا فَيُحْرِقُكُمْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک چوہا چراغ کی جلتی ہوئی بتی کھینچ لایا اور اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس چٹائی پر ڈال دیا جس پر آپ بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ اس طرح اس نے ایک درہم کے بقدر چٹائی کو جلا دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ جب تم سونے لگو تو چراغ کو گل کر دو کیونکہ شیطان اس چوہے جیسے موذی جانور کو ایسی حرکت پر آمادہ کرتا ہے اور اس صورت میں گویا وہ شیطان تمہیں جلا دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

چوہے کی شرارت کو دیکھو کہ آنحضرت کی چٹائی پر آگ ڈالدی اور بھاگ کھڑا ہوا ایک درہم کی مقدار چٹائی جلا ڈالی حضور اکرمؐ نے اس کے بعد اپنی امت کو حفاظتی تدابیر سے آگاہ کیا۔

(اس باب میں تیسری فصل نہیں ہے)

كتاب اللباس

لباس کابیان

قال الله تعالىٰ ﴿يابنى آدم قدانزلناعليكم لباساً يوارى سوأتكم وريشاً ولباس التقوىٰ ذلك خير﴾ (اعراف ۲۶)

وقال تعالىٰ ﴿يابنى ادم خذوا زينتكم عند كل مسجد (اعراف)

لباس مصدر بمعنی ملبوس ہے جیسا کہ کتاب بمعنی مکتوب استعمال ہوتا ہے سمع یسمع سے ہے اس کا اصل مصدر لُبساً ہے لام پر پیش ہے اگر لام پر زبر پڑھا جائے تو وہ التباس اور خلط ملط ہونے کے معنی میں ہے۔

لباس انسانی زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ کی کفالت کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے باحیا اور مہذب انسانوں کو باپردہ لباس کی ہدایت اس وقت فرمائی کہ جب شیطان نے انسانوں کو رسم رواج اور عقیدہ کے راستہ سے لباس کا دشمن بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ عرب کے لوگ جب عبادت کے لئے بیت اللہ آتے اور طواف کرتے تو لباس اتار کر ننگے طواف کرتے تھے اور فخر کے ساتھ اشعار گاتے رہتے عورت اپنے فرج پر معمولی سی پٹی چپکا دیتی اور بطور فخر اس طرح شعر گاتی تھی۔

اليوم يبدو بعضه اوكله ☆ وما بدا منه فلا احله.

(ابن کثیر)

یعنی آج جسم اور فرج کا کچھ حصہ کھلا ہے یا پورا کھلا ہے جتنا کھلا ہے دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

بیت اللہ کے طواف کے علاوہ زندگی کے جس مرحلہ میں وہ چاہتے لباس سے الف کی طرح صاف ہوجاتے جس طرح جاہلیت جدیدہ کے ایک شاعر نے دوسرے شاعر کو طعنہ دیا۔

یاد ہے جب جگر چڑھاتے تھے ☆ کیا الف ہو کے ہنہناتے تھے

آج کل کی جاہلیت جدیدہ سابقہ جاہلیت سے اس میدان میں چند قدم آگے ہے اور بطور فخر اعلان ہوتا ہے کہ ہم اعتدال پسند ہیں ہم روشن خیال ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو اس طرح تہذیب وشائستگی کی تعلیم دیتا ہے ارشاد عالی ہے۔ ﴿**يابنى ادم قدانزلنا عليكم لباسا يوارى سوأتكم وريشا**﴾ مطلب یہ کہ پردہ بھی ہے اور زیب وزینت بھی ہے پھر ارشاد عالی ہے ﴿**يابنى ادم خذوا زينتكم عند كل مسجد**﴾ یعنی عبادت گاہوں اور ہر عبادت کے دوران خاص اہتمام کے

ساتھ لباس اپناؤ۔

پھر ارشاد تعالیٰ ہے ﴿قل من حرم زينة الله التي أخرج لعباده﴾ یعنی جس زیب و زینت اور پردہ کے لباس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کس نے اس کو حرام کیا ہے؟

ان آیات سے اسلامی شرعی لباس کی ترغیب کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسلامی لباس کا خاکہ

اسلام اور اسلامی معاشرہ میں لباس کا اجمالی خاکہ اور تصور اس طرح ہے کہ۔

۱۔ مردوں اور عورتوں کے لباس کے رنگ میں فرق ہونا چاہئے۔

۲۔ اعضائے جسم کے ڈھانکنے میں مردوں اور عورتوں کے لباس میں فرق ہے مردوں کا لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو اور عورتوں کا ٹخنوں سے اوپر نہ ہو۔

۳۔ ہر مرد و زن کو اسلام نے اس کا پابند بنایا ہے کہ ان کے لباس میں غیر مسلم اقوام کے شعار کے ساتھ کوئی خاص مشابہت نہ ہو۔

۴۔ مسلمانوں کا لباس ایسا ڈھیلا ڈھالا ہونا چاہئے جس میں جسم کے اعضاء کی نمائش نہ ہو یعنی ایسا باپردہ ہو کہ اس کے پہننے کے بعد الگ الگ اعضا کا پتہ نہیں چلتا ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے اپنے ملفوظات وغیرہ میں لباس کے چند درجات کو بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ لباس کے چار درجات ہیں (۱) پہلا درجۂ ضرورت ہے، یہ وہ لباس ہے جو واجب کے درجہ میں ہے یہ وہ ہے جو جسم کے مستورہ اعضاء کو ڈھانک لے (۲) درجۂ آسائش، یہ وہ لباس ہے جو انسان کو گرمی و سردی سے بچالے۔

۳۔ درجۂ آرائش و زیبائش، یہ وہ درجہ ہے جس سے زیب و زینت حاصل ہو قرآن کریم میں اسی کو "ریشاً" کہا گیا ہے۔

۴۔ درجۂ نمائش یعنی جس میں تفاخر اور دکھاوا مقصود ہو۔

پہلے دو درجے تو بے غبار و بے کلام ہیں تیسرے درجے کا لباس بطور تحدیث نعمت مستحب ہے اور بطور لذت و مسرت مباح ہے اور بطور فخر و تکبر حرام ہے اور چوتھے درجے کا لباس مطلقاً ناجائز ہے۔ کتاب اللباس میں وہ احادیث درج ہیں جن میں جائز اور ناجائز لباس کا تعین کیا گیا ہے لباس پہننے اور اتارنے کے آداب اور کیفیات کا بیان ہے اس کے ضمن میں برتنوں سے متعلق بھی کچھ تذکرہ ہے۔

الفصل الاول

یمنی "حبرہ" چادر آنحضرت ؐ کو بہت پسند تھی

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَلْبَسَهَا الْحِبَرَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کپڑوں میں پہننے کے لئے حبرہ چادر سب سے زیادہ پسند تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الحبرۃ" ح پر زیر ہے با پر زبر ہے عِنَبَۃ کے وزن پر ہے یہ یمن میں بننے والی ایک خاص قسم کی منقش چادر ہوتی تھی جو اس زمانہ میں سب سے عمدہ چادروں میں شمار ہوتی تھی بعض میں سرخ اور بعض میں سبز دھاریاں ہوتی تھیں تحبیر اسی نقش ونگار کو کہتے ہیں سلیم الفطرت باذوق لوگ اسے پسند کرتے ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ قطن اور سوتی تاگہ کی وجہ سے محبوب تھی اب سوال یہ ہے کہ آیندہ حدیث نمبر ۲۲ میں ام سلمہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت کو تمام کپڑوں میں قمیص زیادہ پسند تھی یہاں یمنی چادر کے پسند ہونے کی بات ہے یہ بظاہر تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اوڑھنے والی چادروں کی انواع میں یمنی چادر سب سے زیادہ محبوب تھی اور پہننے والی اشیاء میں قمیص کی نوع سب سے زیادہ محبوب تھی کوئی تعارض نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے تنگ آستینوں والا جبہ پہنا

﴿۲﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی جبہ پہنا جس کی آستین تنگ تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

سفر میں آپؐ نے تنگ آستینوں والا جبہ پہنا ہے اور حضر میں کھلی آستینوں والا استعمال کیا ہے دونوں جائز ہے حالات کے تحت جو مناسب تھا وہ زیب تن فرمایا یہاں مظاہر حق والے نے حدیث ۲ کے تحت حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث غلطی سے نقل کیا ہے وہ حدیث باب مناقب اہل البیت مشکوۃ ص ۵۶۸ پر ہے کتاب اللباس میں نہیں ہے اگرچہ مصابیح میں یہاں مذکور ہے

طیبی نے بھی نقل کیا ہے شیخ عبدالحق نے اس پر مکمل بحث کی ہے۔ (تدبر)

سفر آخرت کے وقت آنحضرتؐ کے کپڑے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّداً وَإِزَاراً غَلِيظاً فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو بردہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے ہمیں دکھانے کیلئے ایک پیوندگی چادر اور ایک موٹا تہبند نکالا اور فرمایا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کی گئی تو آپ ان ہی دو کپڑوں میں تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''کساء ملبداً'' تلبید سے ہے پیوندگی چادر کو کہتے ہیں ''ازاراغلیظاً'' موٹا تہبند اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم مل رہی ہے کہ دنیا کے زیب وزینت سے اجتناب کی پاکیزہ زندگی کا حصہ ہے سردار دوجہاں دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنی امت کے سامنے جس نمونہ کو چھوڑ کر گئے ہیں امت کو چاہیے کہ کم از کم لباس کے معاملہ میں اسراف وتبذیر سے اجتناب کرے ترک دنیا اور زہد کی بنیاد پر آنحضرت نے عمدہ نفیس کپڑے کی عادت نہیں ڈالی، اگر چہ بعض اوقات کچھ دیر کے لئے بطور تحدیث نعمت عمدہ لباس پہنا ہوگا تو اس طرح جائز ہے۔

حضور اکرمؐ کا بچھونا

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ أَدَماً حَشْوُهُ لِيْفٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھونا جس پر آپ سوتے تھے چمڑے کا تھا اور اس میں روئی کی جگہ کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''ادماً'' ادیم اور ادم اس چمڑے کو کہتے ہیں جس کو باغت دی گئی ہو ''حشوہ'' داخل اور باطن کے معنی میں ہے یعنی اندر روئی کی جگہ جو کچھ بھرا گیا تھا وہ ''لیف'' یعنی کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ شمائل ترمذی میں حضرت حفصہ سے روایت ہے کہ آنحضرت کا بچھونا ٹاٹ کا تھا بظاہر دونوں روایتوں میں تضاد ہے اس کا جواب یہ ہے کہ کسی زمانہ میں ٹاٹ تھا کسی میں دوسرا تھا دوسرا جواب یہ کہ سونے کا بچھونا چمڑے کا ہوگا اور بیٹھنے کا کھجور کی چھال کا ہوگا۔

آنحضرتؐ کا تکیہ

﴿۵﴾وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ وِسَادُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ يَتَّكِیُٔ عَلَيْهِ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهٗ لِيْفٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ کہ جس پر آپ تکیہ فرماتے تھے چمڑے کا تھا اور اس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (مسلم)

اس حدیث سے تکیہ کا ثبوت اور اس کا استعمال ثابت ہوتا ہے۔

سر پر عقال اور رومال ڈالنے کی دلیل

﴿۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ بَيْنَا نَحْنُ جُلُوْسٌ فِیْ بَيْتِنَا فِیْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِیْ بَكْرٍ هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلاً مُتَقَنِّعاً۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ہجرت سے قبل ایک دن جب کہ ہم دوپہر کی گرمی میں اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ دیکھو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چادر کے کونے سے اپنا سر مبارک چھپائے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ (بخاری)

توضیح

"قال قائل" یعنی ایک کہنے والے اور بشارت دینے والے نے کہا "مقبلا" یعنی آپ کی طرف آ رہے ہیں "متقنعا" قناع سے ہے چادر کے کنارہ کو کہتے ہیں ای مغطیاً راسہ بالقناع ای بطرف ردائہ یعنی آنحضرتؐ چادر کے کنارہ سے چہرہ چھپائے ہوئے آ رہے ہیں آنحضرتؐ نے دھوپ سے بچاؤ کے لئے چہرہ چھپا رکھا تھا جو آج کل سعودیہ کے باشندوں کے لئے رومال وعقال کے استعمال کے لئے زبردست دلیل ہے یا آنحضرت نے دشمن سے چہرہ چھپانے کے لئے ایسا کیا جو مجاہدین کے لئے دلیل ہے دونوں احتمال ہیں۔

گھر میں تین سے زائد بستر رکھنا منع ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَ فِرَاشٌ لِاِمْرَاَتِهٖ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ایک بچھونا مرد کے لئے دوسرا بچھونا اس کی

بیوی کے لئے تیسرا بچھونا مہمان کے لئے اور چوتھا بچھونا شیطان کے لئے ہوتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"فراش" بستر ایک اپنے لئے دوسرا بیوی کے لئے تیسرا مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کے لئے ہے۔

"لامرأته" اصل قاعدہ تو یہی ہے کہ میاں بیوی اکٹھے سو جائیں لیکن کبھی الگ سونے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے بیوی کے لئے الگ بستر کی گنجائش نکل آئی مہمان کے لئے جس بستر کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ اگر مہمان زیادہ آتے ہیں تو ان کے پیش نظر بستر زیادہ رکھ سکتے ہیں۔ دراصل یہاں فخر و مباہات اور تکبر و غرور اور دکھاوے و بڑائی کے طور پر رکھنے سے منع کیا گیا ہے ورنہ گنجائش جواز ہے۔

چوتھا شیطان کے لئے کا مطلب یہی ہے کہ فخر و تکبر کے لئے ہے نیز چونکہ یہ بستر خالی پڑا ہے اس لئے ابلیس خبیث اس پر ٹھکانا جماتا ہے کیونکہ مقولہ ہے کہ جائے خالی را دیومی گیرد۔

ازراہ تکبر ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانا منع ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَنْظُرُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰی مَنْ جَرَّ اِزَارَهُ بَطَراً۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جو غرور و تکبر سے اپنی ازار یعنی پائجامہ و تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا۔ (بخاری و مسلم)

ٹخنوں سے نیچے شلوار پاجامہ پتلون لٹکانا حرام ہے

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص غرور و تکبر کے طور پر اپنے بدن کے کپڑے کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چلے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت و عنایت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"جر ثوبہ" ثوب کے لفظ سے حکم میں عموم پیدا ہو گیا خواہ ازار بند ہو یا پاجامہ ہو یا پتلون ہو یا قمیص یا شلوار ہو یا اوپر اوڑھی

ہوئی چادر ہو ''خیلاء''یعنی از راہ تکبر ایسا کر رہا ہو اگر غلطی سے نیچے چلا جائے اور فوراً اٹھائے غرور تکبر نہ ہو تو خیر ہے لیکن اس قید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی شلوار لٹکار ہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میں تکبر کی غرض سے نہیں کرتا ان کو واضح ہونا چاہئے کہ شلوار لٹکانا خود تکبر اور غرور ہے۔ پوری صحابہ کی جماعت میں صرف صدیق اکبر کو رخصت دیدی گئی باقی کسی کو کوئی اجازت نہیں ملی گویا خیلاء قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے مجبوری اور شرعی عذر الگ چیز ہے حقیقت میں شلوار لٹکانے اور اس وضع اور اس کیفیت کی اجازت اسلام نہیں دیتا ہے آج کل مردوں میں ٹخنے ڈھانکنے کا شوق ہے اور عورتوں میں کھلا رکھنے کا شوق ہے بس مستورات نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ مکشوفات بن جائیں اور مکشوفات مردوں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ وہ مستورات بن جائیں ؎

مرد مردانہ پن سے عاری ہیں ☆ جنس تبدیل ہوگئی ہوگی

پاجامہ لٹکانے والا زمین میں دھنستا چلا گیا

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَجُرُّ إِزَارَهُ مِنَ الْخُيَلَاءِ خُسِفَ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِي الْأَرْضِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت ایک شخص غرور وتکبر کے طور پر اپنی ازار یعنی تہبند یا پاجامہ کو زمین پر گھسیٹتا ہوا چل رہا تھا تو اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا اب وہ قیامت تک اسی طرح زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری)

''یتجلجل'' جلجلة آواز کے ساتھ حرکت کو کہتے ہیں یعنی ایک گڑھے سے دوسرے میں حرکت کرتا ہوا جا رہا ہے یا مطلب یہ ہے کہ زمین میں دھنستا چلا جا رہا ہے ای یخسف فیھا ویسوخ فیھا ابداً۔ یہ شخص قارون کے علاوہ سابقہ امتوں میں کوئی شخص گزرا ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانا دوزخ کا حصہ ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فِي النَّارِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ازقسم ازار یعنی پائجامہ وغیرہ کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (بخاری)

توضیح

"ما اسفل" یعنی جو ازار بند یا شلوار یا پاجامہ جتنا ٹخنوں سے نیچے جائیگا اتنا حصہ پاؤں کا دوزخ میں جائے گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی باہر ہوگا اور پاؤں کا کچھ حصہ دوزخ میں جائیگا۔ بلکہ اس قسم کی عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شخص جہنم میں جائے گا، ایسے شخص کو مسبل ازار بھی کہتے ہیں جس کے بارہ میں سخت وعیدات ہیں ایک حدیث میں ایسے شخص کی نماز کے بارہ میں آنحضرت نے فرمایا کہ جاؤ نماز بھی لوٹالو اور نیا وضو بھی بنالو ٹخنوں کو ڈھانکنے کی بیماری پنجاب کے عوام اور علماء میں بہت زیادہ ہے سرحد کے لوگ اور علماء اس بیماری میں کم مبتلا ہیں بلوچستان کے لوگ اس بیماری میں بہت زیادہ مبتلا ہیں اسی طرح افغانستان کے عوام وخواص اس مرض کا شکار ہیں صوبہ سندھ تو تمام صوبوں کے لوگوں پر مشتمل ہے اس میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں عرب لوگ اجتماعی طور پر اس معصیت میں مبتلا ہیں۔ مصر کا ایک بڑا عالم اس بیماری میں مبتلا تھا وہ ایک دن گھر سے دفتر جانا چاہتا تھا کہ اپنے پاجامہ میں پاؤں الجھ گیا اور سیڑھیوں سے نیچے گر گیا اور فوراً مر گیا۔

اشتمال الصماء جائز نہیں ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَأْكُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِهٖ أَوْ يَمْشِيَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَأَنْ يَشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ أَوْ يَحْتَبِيَ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ كَاشِفاً عَنْ فَرْجِهٖ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک پیر میں جوتا پہن کر چلے اور یہ کہ کپڑے کو بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ دونوں ہاتھ کپڑے کے اندر آجائیں یا بدن پر کوئی ایک کپڑا لپیٹ کر اس طرح گوٹ مار کر بیٹھے کہ اس کا ستر کھلا ہوا ہو۔ (مسلم)

توضیح

"فی نعل واحدۃ" یعنی ایک پاؤں میں جوتا ہے دوسرے میں نہیں اس طرح چلنا منع ہے کیونکہ اس میں چلنے کا توازن بھی بگڑ جاتا ہے اور آدمی بے ڈھنگا بھی لگتا ہے یا دونوں جوتے ہوں یا ننگے پاؤں ہوں۔

"ان یشتمل الصماء" عرب کے ہاں چادر اوڑھنے کا ایک طریقہ ایسا تھا کہ سر سے پاؤں تک جسم کو چادر میں لپیٹا کرتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے آدمی چٹان کی طرح بن جاتا تھا کوئی جگہ کھلی نہیں رہتی، اس سے اسلام نے منع کیا ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے یہ کافی ہے دوسری وجہ یہ کہ اس طرح آدمی معمولی حرکت کرنے سے گر جاتا ہے اور جب گریگا تو گیند بن کر پورا گریگا جس میں ناک وغیرہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے تیسری وجہ یہ کہ اگر جہاد کا ماحول اور دشمن کا خطرہ

ہو تو جب تک لپٹا ہوا آدمی چادر سے باہر آئے گا دشمن اس کو دبوچ کر مار دیگا اور بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی، اس لئے اشتمال الصماء کی ممانعت آئی ہے۔

"او یحتبی" گوٹ مار کر بیٹھنے کو احتباء کہتے ہیں۔

اس کیفیت میں بیٹھنے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک آدمی مقعد زمین پر رکھ کر پنڈلیوں کو کھڑا کر دے اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں سے کچھ نیچے اس کے گرد باندھ لے اور بیٹھ جائے یہ صورت تو نہایت قبیح اور حرام ہے کیونکہ اس میں پورا جسم ننگا ہوتا ہے تو اسمیں بالکل ستر عورت نہیں ہے احتباء کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اسی طرح کولہوں پر بیٹھ جائے مگر کوئی کپڑا کمر اور پنڈلیوں کے گرد باندھ لے اس صورت میں جسم کا نچلا حصہ اور ستر کھلا رہتا ہے اس لئے اس کو منع کر دیا گیا ہاں اگر نیچے جسم پر کوئی الگ کپڑا ہو تو پھر احتباء کی اجازت ہے جیسے جلسوں اور محفلوں میں بعض حضرات ستانے کے لئے گوٹ مار کر بیٹھ جاتے ہیں اور تقریر سنتے ہیں۔

مردوں کے لئے ریشم استعمال کرنا حرام ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عُمَرَ وَأَنَسٍ وَابْنِ الزُّبَيْرِ وَأَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَبِسَ الْحَرِيرَ فِي الدُّنْيَا لَمْ يَلْبَسْهُ فِي الْآخِرَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابو امامہؓ، یہ چاروں صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے دنیا میں غیر مشروع ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فی الآخرة" مردوں کے لئے ریشم کا کپڑا استعمال کرنا جائز نہیں عورتوں کے لئے جائز ہے البتہ چار انگلیوں کی مقدار ریشم کی پٹی کو کپڑے کے کنارہ وغیرہ میں مرد بھی استعمال کر سکتے ہیں زیر بحث حدیث میں ہے کہ جو مرد دنیا میں ریشم استعمال کریگا آخرت میں اس کو نہیں ملے گا۔

سوال

ریشم تو جنت میں ملتا ہے تو کیا یہ شخص کافر ہو گیا کہ جنت میں کبھی نہیں جائے گا اور ریشم سے محروم رہیگا؟

جواب

اگر کوئی شخص مردوں کے لئے ریشم کی حرمت کا عقیدہ نہیں رکھتا ہے بلکہ اس حرام کو حلال سمجھتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا محروم رہیگا

جنت نہیں جائے گا لیکن جو شخص حرمت کا انکار نہیں کرتا اور پہنتا ہے تو اس کے لئے جنت میں دخول اولی کے ساتھ ریشم میسر نہیں ہوگا بلکہ پہلے دوزخ میں سزا پائیگا پھر آئے گا اور ریشم استعمال کریگا تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ شخص اگر چہ جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن بطور سزا یہ ریشم سے اس طرح محروم رہیگا کہ اس کے دل میں ریشم کی چاہت نہیں ہوگی جب چاہت نہیں تو مطالبہ نہیں جب مطالبہ نہیں ہوگا تو اس کو ریشم نہیں دیا جائے گا تو محروم رہیگا یا یہ حدیث تغلیظ وتشدید اور زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔

آخرت کا بدنصیب دنیا میں ریشم پہنتا ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا يَلْبَسُ الْحَرِيْرَ فِي الدُّنْيَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اورحضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں وہ شخص ریشم پہنتا ہے جس کے لئے آخرت میں حصہ نہیں ہوتا۔ (بخاری ومسلم)

"لا خلاق" حصہ اور نصیب کو خلاق کہا گیا ہے۔

ریشم کے کپڑے پر بیٹھنا بھی منع ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَشْرَبَ فِيْ آنِيَةِ الْفِضَّةِ وَالذَّهَبِ وَاَنْ نَاْكُلَ فِيْهَا وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَاَنْ نَجْلِسَ عَلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا کہ ہم سونے چاندی کے برتنوں میں پیئں اور ان میں کھائیں نیز آپ نے حریر ودیباج ایک قسم کا ریشمی کپڑا پہننے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الدیباج" یہ ریشم کی ایک قسم ہے کچھ موٹے ریشم کے لئے دیباج کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

"وان نجلس علیہ" ریشم کا لباس پہننا مردوں کے لئے تمام فقہاء کے نزدیک حرام ہے اور اگر ریشم کی چادر وغیرہ نیچے بچھائی جائے تو اس میں اختلاف ہے صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر بیٹھنا بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح پہننا حرام ہے لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بیٹھنا حرام نہیں بلکہ مکروہ ہے اور یہ حدیث کراہت پر محمول ہے۔

فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے کہ جس طرح ریشم کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے اسی طرح چھوٹے لڑکوں کے لئے بھی ناجائز ہے اور پہنانے والے گناہگار ہونگے۔

ریشم عورتوں کو پہناؤ

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ أُهْدِيَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُلَّةٌ سِيَرَاءُ فَبَعَثَ بِهَا إِلَيَّ فَلَبِسْتُهَا فَعَرَفْتُ الْغَضَبَ فِيْ وَجْهِهِ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أَبْعَثْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا إِنَّمَا بَعَثْتُ بِهَا إِلَيْكَ لِتُشَقِّقَهَا خُمُرًا بَيْنَ النِّسَاءِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دھاری دار ریشمی جوڑا جو تہبند اور چادر پر مشتمل تھا بطور ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو میرے پاس بھیج دیا اور میں نے اس کو پہن لیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس جوڑے کو میرے بدن پر دیکھ کر آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار پیدا ہو گئے ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس جوڑے کو تمہارے پاس اس لئے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہن لو بلکہ میں نے تو اس جوڑے کو تمہارے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنالو۔ اور ان اوڑھنیوں کو عورتوں میں تقسیم کر دو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"سیــــراء" سین پر کسرہ ہے یا پر زبر ہے اور را پر بھی زبر ہے اس کے بعد الف پر مد ہے سرخ ریشم کو کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس پر دیباج اور سندس کا اطلاق بھی کیا گیا ہے (کمافی مسلم)۔ "خمراً" یہ خمار کی جمع ہے چادر اور دوپٹہ کو کہتے ہیں۔

مردوں کے لئے چار انگشت ریشم کی پٹی جائز ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ إِلَّا هٰكَذَا وَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِصْبَعَيْهِ الْوُسْطٰى وَالسَّبَّابَةَ وَضَمَّهُمَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَنَّهُ خَطَبَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ إِلَّا مَوْضِعَ إِصْبَعَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا علاوہ اتنی یعنی دو انگشت مقدار کے اور آنحضرت نے یہ ممانعت بیان فرماتے ہوئے مذکورہ مقدار کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کو اٹھایا اور دونوں کو ملایا یعنی آپ نے ان دونوں انگلیوں کو ملا کر دکھایا اور بتایا کہ اگر اس قدر یعنی دو انگشت کے بقدر ریشمی کپڑا لباس میں ہو تو مباح ہے۔ (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شہر جابیہ میں اپنے خطبہ کے دوران یہ فرمایا کہ رسول کریم نے ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا ہے علاوہ بقدر دو یا تین اور یا چار انگل کے۔

توضیح

"جابیہ" شام کے ایک شہر کا نام ہے فتح بیت المقدس کے موقع پر حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے تھے وہاں جابیہ میں آپ نے خطبہ دیا، مردوں کے لئے ریشم کے جواز کی ابتدا دو انگلیوں کی مقدار سے ہوئی اور چار انگشت اس کی انتہاء ہے آگے حرام ہے یہ بات ذہن میں ہو کہ چار انگشت کی بقدر ریشم کا استعمال دوسرے کپڑے کے ضمن میں جائز ہے مستقلاً نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ أَنَّهَا أَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذِهِ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے طیلسان کا کسروانی جبہ نکالا اس کے گریبان پر (سنجاب یعنی گوٹ کے طور پر) ریشمی کپڑے کا ٹکڑا سلا ہوا تھا اور اس کی دونوں کشادگیوں پر بھی ریشمی بیل لگی ہوئی تھی پھر انہوں نے فرمایا کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو (حضرت عائشہؓ کی میراث سے جو میری بہن تھیں) میرے قبضے میں آگیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جبہ کو (کبھی کبھی) پہن لیا کرتے تھے ہم اس کو بیماروں کے لئے دھوتے ہیں (یعنی اس کے دھوئے ہوئے پانی کو بیماروں کو پلاتے ہیں) اور اس کے ذریعہ شفا حاصل کرتے ہیں۔ (مسلم)

توضیح

"طیالسۃ" یہ طیلسان کی جمع ہے اور طیلسان اصل میں تالسان تھا عجمی لفظ تھا عربی میں طیلسان ہوا۔ طیلسان سیاہ رنگ کی ایک چادر ہوتی تھی جو اون سے بنتی تھی آنحضرت کا جبہ اسی چادر سے بنا تھا اس لئے اس کی طرف نسبت کردی گئی اس کلام سے مقصود یہ بتانا ہے کہ "جبة صوف سوداء" یعنی اون سے بنا ہوا سیاہ جبہ تھا طیلسان اس کی تعبیر ہے۔

"کسروانیۃ" فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے یہ جبہ چونکہ اس کی شہرت سے مشہور ہوا تھا اس لئے ان کی طرف منسوب ہوتا تھا یعنی کسریٰ سٹائل کا چوغہ تھا جس طرح کہتے ہیں جناح کیپ، لیاقت علی کیپ، کسروانی جبہ۔

"لبنۃ" لام پر زیر ہے با ساکن ہے نون پر زبر ہے ریشم کے اس ٹکڑے کو کہتے ہیں جو قمیص یا جبہ کے جیب کے اوپر کی

کرلگایا جاتا تھا گویا خوبصورتی کے لئے جیب کے اوپر ریشم کی ایک پٹی لگائی گئی تھی۔

"وفرجیھا" فا پرضمہ ہے فتحہ بھی استعمال ہوتا ہے، ای شقیھا، جبہ کے آگے سینہ کی طرف کشادگی اور شق ہوتا ہے اس کو گریبان کہتے ہیں بعض ممالک میں پیچھے پیٹھ کی طرف بھی ایک شق ہوتا ہے جو پشت کا گریبان ہوتا ہے اس حدیث میں فرجیھا سے مراد یہی دو شق ہیں۔

"مکفوفین" ای خیط فاھابالدیباج والکفۃ بالضم عطف الثوب،

شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ کسفۃ کسی چیز کے کنارہ کو کہتے ہیں اگر کاف پر پیش ہو تو یہ مستطیل لمبی اور چوڑی اشیاء کے لئے آتا ہے جیسے گریبان وغیرہ ہے اور اگر کسفۃ میں کاف پر زیر ہو تو مدور اور گول اشیاء میں استعمال ہوتا ہے جس طرح ترازو کے پلڑے کو کفۃ کہتے ہیں اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس جبہ کے دونوں گریبانوں پر بطور سنجاف دیباج کی بیل لگی ہوئی تھی جس طرح آج کل کپڑے پر کڑھائی ہوتی ہے۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر کو یہ جبہ حضرت عائشہ کی طرف سے حاصل ہوا تھا فرماتی ہیں کہ آنحضرت اس کو پہنتے تھے اور ہم بطور برکت بیماروں کی شفا کے لئے اسے دھوتے ہیں اور اس کا پانی ان کو پلاتے ہیں اس سے تبرک با ثار الصالحین ثابت ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دونوں طرف سے لوگ صالح ہوں تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو۔

کسی عذر کی بنا پر ریشمی کپڑا استعمال کرنا جائز ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلزُّبَيْرِ وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِيْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ لِحِكَّةٍ بِهِمَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهُمَا شَكَوَا الْقَمْلَ فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دے دی تھی کیوں کہ ان کے خارش ہوگئی تھی (اور یہ خارش جوئیں پڑ جانے کی وجہ سے تھی جیسا کہ آگے کی روایت سے معلوم ہوگا) (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا کہ ان دونوں (حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمن) نے جوئیں پڑ جانے کی شکایت کی تو آنحضرتؐ نے ان کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دی۔

توضیح

"الحکۃ" خارش کو کہتے ہیں ریشم کا استعمال شرعی ضرورت اور عذر کے تحت جائز ہے چنانچہ بدن کی خارش کے لئے، یا میدان جہاد میں تلوار سے بچاؤ کے لئے، یا جوؤں کے خاتمہ کے لئے اس کا استعمال بقدر ضرورت جائز ہے ریشم اصل کے

اعتبار سے گرم اور مفرح ہے اس لئے خارش اور جوؤں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

کسم کا رنگا ہوا سرخ کپڑا مردوں کے لئے منع ہے

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَیَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ أَغْسِلُهُمَا قَالَ بَلْ أَحْرِقْهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ عَائِشَةَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کسم کے رنگے ہوئے دو کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا کہ "یہ کافروں کا لباس ہے (کہ نہ وہ حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں اور نہ مرد و عورت کے لباس میں فرق کرتے ہیں) لہٰذا تم ان کو نہ پہنو" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے عرض کیا کہ "کیا ان کو دھو ڈالوں"؟ آپ نے فرمایا کہ "نہیں بلکہ ان کو جلا ڈالو"۔ (مسلم)

اور حضرت عائشہ کی روایت خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات غداة الخ انشاءاللہ ہم مناقب اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں نقل کریں گے۔

توضیح

کسم ایک سرخ رنگ کا نام ہے جو ایک پودے سے حاصل ہوتا ہے مردوں کے لئے منع ہے۔ احناف اس کو اور اسی طرح ہر سرخ رنگ کے کپڑے کو مردوں کے لئے مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں اگرچہ فقہاء کے دیگر اقوال بھی ہیں۔

"احرقھا" اس سے مراد ضائع اور زائل کرنا ہے کہ کسی کو ہبہ کر دو یا فروخت کر دو یا کسی طریقے سے ضائع کر دو اگر کچھ نہیں تو جلا ڈالو مگر اپنے پاس نہ رکھو۔

"وسنذکر حدیث عائشة الخ" اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ابتدا میں صاحب مشکوۃ نے اس حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے مگر مظاہر حق میں ہے مصابیح میں بھی ہے میں نے توضیحات میں درج نہیں کیا اس لئے حدیث کا نمبر بھی بدل ڈالا ہے۔

الفصل الثانی

قمیص کی فضیلت

﴿۲۱﴾ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيْصَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ام سلمہ کہتی ہیں کہ رسول کریم کو تمام کپڑوں میں کرتا سب سے زیادہ پسند تھا۔" (ترمذی ابوداودؒ)

توضیح

"القمیص" چادر کندوں سے ہر وقت گرتی رہتی ہے نیز بوقت مقابلہ یا بوقت کام اس کا سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے قمیص کو افضل اور پسندیدہ قرار دیا گیا ہے جس میں بیشمار فوائد اور سہولتیں ہیں عرب لوگ جس لباس کو آج کل استعمال کرتے ہیں وہ ایک قید خانہ ہے ان کے لمبے توپ میں نہ آدمی دوڑ سکتا ہے نہ بلند جگہ چڑھ سکتا ہے نہ اتر سکتا ہے تو دشمن کا مقابلہ اس میں کیسے ہوسکتا ہے حرم شریف کے امام عبداللہ بن سبیل المحترم نے ایک دفعہ درس میں فرمایا کہ دنیا کے لباسوں میں سب سے زیادہ سہولت والا لباس پشاور کے لوگوں کا ہے۔ شلوار قمیص ہر لحاظ سے آرام دہ اور خوبصورت لباس ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ قمیص جسم کے ساتھ جسم بن کر آدمی آزاد رہتا ہے نیز یہ متواضع لباس بھی ہے ہلکا بھی ہے اور کم خرچ بالانشین بھی ہے۔

قمیص کی حد

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّصْغِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستینیں پہنچوں تک (بھی) تھیں۔"
(ترمذی اور ابوداود) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"الرضع" ہاتھ کی کلائی گٹے اور پونچوں کو رضع کہتے ہیں کبھی انگلیوں تک بھی لمبائی ہوتی تھی معلوم ہوا مسنون قمیص وہ ہے جس کی آستین انگلیوں سے آگے تک نہ ہو اور دامن ٹخنوں کے نیچے تک نہ ہو۔

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا لَبِسَ قَمِيْصاً بَدَأَ بِمَيَامِنِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اورحضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کرتا پہنتے تو دائیں طرف سے پہننا شروع کرتے۔" (ترمذی)

"میامن "میمنة" کی جمع ہے دائیں طرف کو کہتے ہیں مثلاً دائیں آستین کو پہلے پہن لیا جائے دائیں پائنچے میں پہل کرے۔

مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

اسبال ہر کپڑے میں ممنوع ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلٰى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَاأَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِي النَّارِ قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهٗ بَطَراً رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

اورحضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "ایک مومن کے تہبند و پائجامہ کی سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ وہ آدھی پنڈلیوں تک ہو اور آدھی پنڈلیوں سے ٹخنوں تک (کے درمیان) ہونے میں (بھی) کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن اس (ٹخنے) سے نیچے جو حصہ (لٹکا ہوا) ہوگا وہ دوزخ کی آگ میں جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے۔ اور (پھر فرمایا کہ) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو رحمت وعنایت کی نظر سے نہیں دیکھے گا جو غرور وتکبر سے اپنے تہبند و پائجامہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح

"ازرة المؤمن" یہ ازار کی جمع ہے تہبند کو کہتے ہیں نصف ساق تک افضل ہے ٹخنوں کے پاس تک جائز ہے ٹخنوں سے نیچے تک ناجائز ہے اس حدیث سے اسبال کا عموم معلوم ہوتا ہے کہ لباس میں حد شرعی سے تجاوز جس کا نام اسبال ہے یہ صرف پاجامہ میں نہیں بلکہ لنگی پاجامہ قمیص کی آستین اس کے دامن عمامہ اور چادر سب میں اسبال ہوتا ہے پاجامہ ٹخنوں سے نیچے نہ جائے ورنہ اسبال ہوگا قمیص کا دامن بھی نیچے نہ جائے اس کی آستین انگلیوں کو نہ ڈھانکے عمامہ کا شملہ کمر سے نیچے نہ جائے اور چار انگلیوں سے کم نہ ہو ورنہ اسبال ہوگا، اگر پاجامہ بے خیالی میں ٹخنوں سے نیچے چلا گیا تو فوراً اوپر اٹھانا چاہئے گناہ نہیں ہوگا اور اگر تکبر کے طور پر لٹکا دیا تو یہ حرام ہے "لم ینظر الله" یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوجائے گا اور قیامت میں نظر رحمت کے ساتھ ان کی طرف نہیں دیکھے گا۔ بعض لوگ ٹخنوں سے نیچے شلوار یا جامہ لٹکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تکبر نہیں کرتے حالانکہ یہ عمل خود تکبر ہے صحابہ کرام میں کسی کو اجازت نہیں دی گئی تو امت کے عام لوگوں کی کیا حیثیت ہے

صرف صدیق کو بوجہ مجبوری معذور سمجھا گیا وہ بھی گاہ گاہ۔ حدیث نمبر ٦٠ میں پوری تفصیل آرہی ہے وہاں دیکھ لو۔

﴿۲۵﴾ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلْإِسْبَالُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ مَنْ جَرَّ مِنْهُمَا شَيْئًا خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت سالم اپنے والد (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا" اسبال یعنی لٹکانا، ازار، کرتے اور عمامے میں ہے جو شخص ان کپڑوں سے کچھ لٹکا کر غرور وتکبر سے کھینچے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف (بنظر کرم) نہیں دیکھے گا۔ (ابوداود ونسائی ابن ماجہ)

صحابہ کرام کی ٹوپیاں کیسی ہوتی تھیں

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي كَبْشَةَ قَالَ كَانَ كِمَامُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُطْحاً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ

اور حضرت ابو کبشہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں اس طرح کی ہوتی تھیں کہ وہ سروں سے چپکی رہتی تھیں۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

توضیح

"کِمَام" یہ جمع ہے کُمَّةٌ کی جس طرح قِبَاب قُبَّة کی جمع ہے یہ گول قسم کی ایک ٹوپی کا نام ہے جو پگڑی کے نیچے استعمال ہوا کرتی تھی "بُطْحاً" ب پر پیش ہے اور طا ساکن ہے اس کا مفرد بطحاء ہے ہموار پتھریلی زمین کو بطحاء کہتے ہیں یہاں ایسی ٹوپی مراد ہے جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی ہو اور اس پر پھیل چکی ہو۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام جو ٹوپیاں استعمال کرتے تھے وہ گول اور سروں پر چپکی ہوئی ہوتی تھیں تنگ اور بلند نہیں ہوتی تھیں جیسے ترکی اور ایرانی اور مصری ٹوپیاں ہوتی ہیں اس حدیث سے جناح کیپ اور لیاقت علی کیپ اور بعض قبہ نما کلف والی کپڑے کی ٹوپیوں کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

بعض حضرات نے کِمَام جمع کم سے ٹوپیوں کے بجائے آستین مراد لیا ہے اور بطح سے کشادہ مراد لیا ہے مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کی آستینیں کشادہ ہوتی تھیں پہلا مفہوم زیادہ راجح ہے۔ صحابہ کرام نے زیادہ تر پگڑیاں استعمال کی ہیں پگڑی کے بغیر ٹوپیاں کم استعمال فرمائی ہیں۔

عورتوں کا لباس مردوں سے زیادہ کشادہ ہونا چاہیے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ ذَكَرَ الْإِزَارَ فَالْمَرْأَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُرْخِيْ شِبْرًا فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ فَذِرَاعًا لَا تَزِيْدُ عَلَيْهِ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَتْ إِذًا تَنْكَشِفُ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَيُرْخِيْنَ ذِرَاعًا لَا يَزِدْنَ عَلَيْهِ.

اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ جس وقت رسول کریم ازار بند (تہبند و پائجامہ) کا حکم بیان فرما رہے تھے (کہ اس کا لٹکانا ممنوع ہے) تو انھوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ" اور عورت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یعنی اگر وہ اپنے ازار کو نیچا نہ رکھے تو اس کا ستر پوری طرح نہیں چھپے گا) آپ نے فرمایا عورت اپنا تہبند یا پائجامہ (اپنی آدھی پنڈلیوں یا بعض کے قول کے مطابق اپنے ٹخنوں سے) ایک بالشت نیچا لٹکا سکتی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ "اس صورت میں بھی کچھ حصہ کھلا رہے گا یعنی مثلاً اس کی پنڈلیاں زیادہ لمبی ہوں اور وہ اپنی آدھی پنڈلیوں سے ایک بالشت اور نیچے تک اپنا پائجامہ لٹکائے تب بھی اس کا ستر کھلنے کا احتمال رہے گا۔ آپ نے فرمایا "اس صورت میں وہ اپنے پائجامہ وغیرہ کو اتنا نیچا لٹکا سکتی ہے کہ وہ زمین تک پہنچ جائے تاکہ اس کے پیر چھپے رہیں اور وہ ایک بالشت کے بقدر زائد ہو یا ایک گز کے بقدر اس کے بعد آپ نے حد سے زیادہ لٹکانے کی ممانعت کو تاکیداً بیان کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ کوئی عورت اس ایک گز سے زیادہ نیچے نہ لٹکائے۔ (مالک ابوداود، نسائی، ابن ماجہ) اور ترمذی و نسائی کی ایک روایت میں جو حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے یوں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے یہ کہا کہ اس صورت میں ان کے پیر کھلے رہیں گے آپ نے فرمایا کہ "وہ ہاتھ بھر اور نیچے لٹکا لیں لیکن اس حد سے زائد نہ لٹکائیں۔"

توضیح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا لباس مردوں کی نسبت ڈھیلا ڈھالا اور لمبا چوڑا ہونا چاہیے جبکہ آج کل عورتوں کو فاسق معاشرہ نے چست اور نیم برہنہ لباس پہنا کر ان کی عظمت کو تار تار کر کے رکھدیا آنحضرت نے ام سلمہ کو عورت کے ازار کے بارہ میں فرمایا کہ اتنا لمبا ہو کہ عورت کے قدم اور پاؤں نظر نہ آئیں اس سے زیادہ زمین پر گھسیٹنا منع ہے اکبرالہ آبادی نے جدید دور کی بے پردگی سے متعلق کہا ہے۔

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں ☆ اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا ☆ کہنے لگیں کہ عقلوں پہ مردوں کی پڑ گیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان

﴿۲۸﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ فَبَايَعُوْهُ وَإِنَّهُ لَمُطْلَقُ الْأَزْرَارِ فَأَدْخَلْتُ يَدِيْ فِي جَيْبِ قَمِيْصِهِ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت معاویہ بن قرۃؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن میں مزینہ قوم کی ایک جماعت کے ساتھ (جو اسلام قبول کرنے آئی تھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا چنانچہ اس جماعت کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی اس وقت آپؐ اپنے کرتے کی گھنڈیاں کھولے ہوئے بیٹھے تھے میں نے موقع غنیمت جانا اور حصول برکت وسعادت کیلئے اپنا ہاتھ آپؐ کے کرتے کے گریبان میں ڈال کر مہر نبوت پر ہاتھ پھیر لیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الازرار" یہ زر کی جمع ہے کپڑے سے بنے ہوئے بٹن کو کہتے ہیں جس کو گھنڈی بھی کہتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

لاتعجبوا من بلاغلالته ☆ قد زرازراره علی القمر

ترجمہ: محبوب کے بنیان کے پھٹنے پر تعجب نہ کرو کیونکہ اس کے بٹن چاند پر باندھے گئے ہیں۔

یعنی بنیان لسر اور کتان کے کپڑے سے بنا ہے جو چاند کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے محبوب کا جسم چاند ہے اس لئے بنیان پھٹا ہوا ہے تعجب نہ کرو۔

اس حدیث میں جیب سے مراد وہ پاکٹ نہیں ہے جس میں لوگ سامان اور بٹوہ وغیرہ رکھتے ہیں بلکہ یہاں گریبان مراد ہے اب احتمال یہ بھی ہے کہ پیچھے کی طرف گریبان ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آگے کی طرف ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہاں گریبان سے مراد وہ پٹی ہے جو گردن پر محیط ہوتی ہے سامنے گریبان کے بٹن جب کھلے ہوں تو اس پٹی میں ڈھیلا پن آتا ہے اسی سے معاویہ بن قرہ کے والد نے ہاتھ داخل کیا ہے اگر بٹن بند ہوں تو ہاتھ داخل نہیں کیا جاسکتا ہے بعض اقوام کی قمیصوں میں آگے پیچھے دو گریبان ہوتے ہیں۔ مگر علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریبان آگے کی طرف ہوتا تھا لہٰذا کچھ لوگوں کا یہ کہنا غلط ثابت ہو گیا جو کہتے ہیں کہ سامنے کی طرف گریبان رکھنا بدعت ہے (کسی زمانہ میں اس کو لوگ بدعت کہتے ہونگے) بعض قوموں کا گریبان سینہ کی چنبر سے دائیں کندھے کی طرف ہوتا ہے یہاں وہ بھی مراد نہیں ہے۔

"الخاتم" مہر کے معنی میں ہے مراد مہر ختم نبوت ہے جو پشت کی جانب بائیں کندھے کی ہڈی کے نیچے چکور کے انڈے کے برابر ابھرا ہوا گوشت تھا جس پر تل کے نشان تھے جس پر لکھا ہوا تھا "توجه حیث شئت فانک منصور" مہر یا پیدائشی تھی یا نبوت ملنے کے بعد آئی تھی وفات کے ساتھ جسم سے یہ ابھرا ہوا حصہ اندر چلا گیا اور غائب ہو گیا۔

سفید کپڑے پہننے کی فضیلت

﴿۲۹﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَسُوْا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید کپڑے پہنا کرو کیوں کہ سفید کپڑے بہت پاک اور زیادہ پاکیزہ خوش تر ہوتے ہیں اسی طرح اپنے مردوں کو کفن بھی سفید کپڑوں کا دو۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

"اطہر" سفید کپڑا جلدی میلا ہوجاتا ہے تو زیادہ دھویا جاتا ہے لہٰذا اطہر اور پاکیزہ تر ہوتا ہے کالا کپڑا مہینہ بھر نہیں دھویا جاتا میلا کچیلا ہوتا ہے مگر میل کا پتہ نہیں چلتا ہے تو استعمال ہوتا رہتا ہے "اطیب" یعنی اس کا رنگ مخلوط نہیں ہوتا خالص سفید ہوتا ہے لہٰذا سلیم الطبع لوگوں کے ہاں یہ خوشتر ہوتا ہے۔ نیز سفید لباس پر گرمی کا اثر کم پڑتا ہے خواب میں اگر مردہ کو سفید لباس میں دیکھا گیا تو یہ اس کی نجات کی طرف اشارہ ہوتا ہے نیز جب زندہ انسان جسم پر ہر وقت سفید لباس دیکھے گا تو موت مستحضر رہے گی تو تقویٰ اختیار کریگا گویا کفن آنکھوں کے سامنے ہے۔ مُردوں کو سفید لباس میں کفنانے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے زندگی میں سفید کپڑے کا انتخاب کیا ہوگا۔ بہر حال کفن میں سفید کپڑا استعمال کرنا افضل ہے جائز دوسرے رنگ بھی ہیں البتہ سرخ رنگ منع ہے۔

پگڑی باندھنے کے آداب

﴿۳۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمامہ باندھتے تو اس کا شملہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈالتے۔ ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"اذا اعتم" یعنی جب حضور اکرم عمامہ باندھتے تھے تو اس کا شملہ کندھوں کے درمیان ڈالتے تھے، عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اگر کوئی شخص اتباع نبی کی نیت سے باندھتا ہے ثواب ملے گا ورنہ قومی رسم ورواج کے تحت عمامہ باندھنے سے کوئی ثواب نہیں ملتا ہزاروں لوگ قومی لباس کی بنیاد پر عمامہ باندھتے ہیں یہ عادت ہے سنت نہیں ہے یاد رہے کہ سنن زوائد کے لئے

ضروری ہے کہ اس میں اتباع کی نیت ہو ورنہ ثواب نہیں ملے گا بعض روایات میں عمامہ کی بڑی فضیلت آئی ہے ایک ضعیف روایت میں ہے کہ عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنا ستر گناہ افضل ہے تاہم ٹوپی میں بھی نماز ہو جاتی ہے کوئی منع نہیں ہے اور نہ پگڑی نماز کے لئے لازم ہے جو ائمہ حضرات صرف نماز کے وقت پگڑی استعمال کرتے ہیں اور پھر منبر پر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں یہ بہت غلط طریقہ ہے پگڑی تو عام اوقات میں مسنون ہے، پگڑی کو عرب کا تاج کہا گیا ہے پگڑی سے انسانی دماغ کو سکون ملتا ہے دماغ کی حفاظت ہوتی ہے حادثہ کے وقت چوٹ لگنے سے سر محفوظ رہ سکتا ہے ہیلمٹ کا کام دیتی ہے انسان کو باوقار عزت کا مقام دیتی ہے انسان ناشائشتہ حرکات سے احتراز کرتا ہے۔

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سید الاولین والآخرین نے پگڑی استعمال فرمائی ہے اور اس کی ترغیب دی ہے پگڑی کے رنگوں میں سیاہ، سفید اور پیلا رنگ ملتا ہے ہرے رنگ کی پگڑی کا تذکرہ تا حال نہیں مل سکا شاید بدعتیوں نے آنحضرت کے گنبد کے رنگ سے لیا ہوگا لیکن اگر گنبد کا رنگ بدل گیا پھر بدعتی کیا کریں گے؟

پگڑی کے طول کے بارہ میں اتنی بات سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو قسم کی پگڑیاں تھیں چھوٹی پگڑی سات گز کی تھی اور بڑی پگڑی بارہ گز کی ہوتی تھی شرعی گز ایک ہاتھ ہوتا ہے پگڑی کے دو شملے ہوتے ہیں ایک چھوٹا ایک لمبا اگر ایک بھی ہو پھر بھی خیر ہے اگر دونوں شملوں کو کندھوں کے درمیان ڈالا جائے یہ بھی جائز ہے اور اگر بھی ایک شملہ پیچھے اور ایک دائیں طرف سے آگے کو ڈالا جائے تو یہ بھی جائز ہے، ان آداب سے معلوم ہوا کہ اسلامی پگڑی اور سکھوں کی پگڑی میں زمین و آسمان کا فرق ہے، عمامہ کے لئے ٹوپی کا ہونا ضروری ہے اور ٹوپی کھلی اور ظاہر نظر آنی چاہئے اہل بدعت کی طرح ڈھکی چھپی نہ ہو مشرکین بھی عمامہ استعمال کرتے تھے لیکن اس میں ٹوپی نہیں ہوتی تھی جس طرح آج کل ایران کے ذاکرین بغیر ٹوپی کے عمامہ استعمال کرتے ہیں اہل رفض عمامہ میں شملہ بھی استعمال نہیں کرتے ہیں سکھوں کی بھی یہی عادت ہے۔

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ عَمَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَدَلَهَا بَيْنَ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو عمامہ بندھوایا تو اس کا شملہ میرے آگے اور میرے پیچھے (دونوں طرف) لٹکایا۔ (ابوداؤد)

ٹوپی پر عمامہ باندھنا مسلمانوں کی امتیازی علامت ہے

﴿۳۲﴾ وَعَنْ رُكَانَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَرْقُ مَابَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَإِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ

اور حضرت رکانہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں۔ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے اسناد درست نہیں۔

توضیح

"القلانس" دنیا کی تمام ممالک کی افواج پر ٹوپی استعمال کرنا ہر ملک کا قانونی ضابطہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ کامل مرد وہی ہوتا ہے جس کے سر پر ٹوپی ہوتی ہے افریقی ممالک میں ٹوپی استعمال کرنا اسلام کی علامت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ننگے سر گھومنا پھرنا نہ اسلام کا تقاضا ہے اور نہ کامل انسان کا تقاضا ہے بلکہ حیوان یا مجنون انسان کا تقاضا ہے۔

سونا ریشم عورتوں کے لئے حلال ہے

﴿۳۴﴾وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيرُ لِلْإِنَاثِ مِنْ أُمَّتِي وَحُرِّمَ عَلَى ذُكُورِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی عورتوں کے لئے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور امت کے مردوں پر حرام کیا گیا ہے۔(ترمذی،نسائی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سونے کے صرف زیورات عورتوں کیلئے حلال ہیں برتن نہیں۔

نیا کپڑا پہنتے وقت کی دعا

﴿۳۵﴾وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رِدَاءً ثُمَّ يَقُولُ اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيهِ أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا جو نام ہوتا یعنی پگڑی یا کرتا اور یا چادر وہ نام لیتے اور پھر فرماتے۔اے اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے کہ تو نے مجھ کو یہ کپڑا پہنایا اے اللہ میں تجھ سے اس کپڑے کی بھلائی کا طلب گار ہوں کہ یہ کپڑا میرے بدن پر عافیت سے رہے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے اور تجھ سے اس چیز کی بھلائی چاہتا ہوں جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے یعنی یہ کہ میں یہ کپڑا پہن کر تیری طاعت کروں اور میں اس کپڑے کی برائی اور اس چیز کی برائی کہ جس کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے تیری پناہ چاہتا ہوں (یعنی یہ کہ میں کپڑا پہن کر کوئی گناہ نہ

کروں)۔(ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"استجدثوباً" یعنی جب نیا کپڑا پہنتے "ای لبس ثوباً جدیداً"۔ (مرقات)

"سماہ" یعنی بطور شکر دعا پڑھنے سے پہلے آنحضرت اس کپڑے کا نام رکھتے کہ یہ قمیص ہے یا عمامہ وغیرہ ہے پھر دعا میں اس کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں "اللهم لک الحمد کما کسوتنی هذا القمیص الخ"

کھانے اور کپڑے پہننے کے بعد دعا سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں

﴿۳۵﴾وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَزَادَ أَبُوْدَاوُدَ وَمَنْ لَبِسَ ثَوْبًا فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَأَخَّرَ

اور حضرت معاذ ابن انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھانا کھائے اور پھر یہ کہے یعنی یہ دعا پڑھے۔تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو یہ کھانا کھلایا اور یہ کھانا بغیر میرے کسی حیلہ اور بغیر میری کسی قوت کے اثر کے مجھ تک پہنچایا۔ تو اس کے تمام پہلے صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔(ترمذی) اور ابوداؤد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جو شخص کپڑا پہنے اور پھر یہ کہے تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ کو یہ کپڑا پہنایا اور یہ کپڑا بغیر میرے کسی حیلہ اور بغیر میری کسی قوت کے اثر کے مجھ تک پہنچایا۔ تو اس کے تمام اگلے پچھلے صغیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

چھوٹے گناہ اس دعا اور شکر ادا کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں اور اگر توبہ کیا تو بڑے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔

پرانے کپڑے کو ضائع نہ کرو

﴿۳۶﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ إِنْ أَرَدْتِ اللُّحُوْقَ بِیْ فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ الرَّاكِبِ وَإِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الْأَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِیْ ثَوْبًا حَتّٰی تُرَقِّعِيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ صَالِحِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ صَالِحُ بْنُ حَسَّانَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ عائشہ اگر تم دنیا و آخرت دونوں جگہ مجھ سے کامل اتصال و وابستگی چاہتی ہو تو دنیا کی صرف اتنی ہی چیزوں پر اکتفا کرو جو سوار کے زاد راہ کے برابر ہو اور دولت مندوں کی ہم نشینی اختیار کرنے سے اجتناب کرو۔ نیز کپڑے کو اس وقت تک پرانا سمجھ کر نہ پھینکو جب تک کہ تم اس کو پیوند لگا کر پہننے کے قابل سمجھو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور یہ حدیث ہم تک صالح ابن حسان کی روایت کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے نہیں پہنچی ہے جب کہ محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری نے کہا ہے کہ صالح بن حسان منکر الحدیث ہیں یعنی ان کی روایت منکر ہے۔

توضیح

"کزاد الراکب" ایک توشہ سوار آدمی کا ہوتا ہے اور ایک پیدل آدمی کا ہوتا ہے سوار چونکہ جلدی منزل پر پہنچتا ہے اس لئے اس کو کم خرچہ کی ضرورت پڑتی ہے اسی لئے حدیث میں سوار کے توشہ کا ذکر کیا گیا ہے یعنی بہت کم توشہ۔

"مجالسة الاغنياء" اغنیاء کے پاس بیٹھنے سے جب نقصان ہوتا ہے تو اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود اغنیاء اور مالداروں کی حالت کیا ہوگی "ولا تستخلقي" خلق پرانا ہونے کے معنی میں ہے اس صیغہ میں سین تاحسبان کے لئے ہے یعنی کسی کپڑے کو پرانا نہ سمجھو۔ "ترقعيه" یعنی جب تک اس میں پیوند نہ لگاؤ۔ کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت عمر نے خطبہ دیا جب دیکھا گیا تو آپ کے ازار میں بارہ پیوند لگے ہوئے تھے جبکہ آپ امیر المؤمنین تھے۔ (مرقات) بہر حال زیر بحث حدیث کو امام بخاری نے منکر قرار دیا ہے۔

لباس میں سادگی اختیار کرنا ایمان کی علامت ہے

﴿۳۷﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ إِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَسْمَعُونَ أَلَا تَسْمَعُونَ أَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ أَنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو امامہ یعنی ایاس ابن ثعلبہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم سن نہیں رہے ہو کیا تم سن نہیں رہے یعنی اے لوگو! کان لگا کر سنو کپڑے کی بوسیدگی و کہنگی یعنی لباس کی سادگی کو اختیار کرنا اور دنیا کی زیب و زینت کو ترک کرنا حسن ایمان کی علامت ہے کپڑے کی بوسیدگی و کہنگی کو اختیار کرنا اور دنیا کی زیب و زینت کو ترک کرنا حسن ایمان کی علامت ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"البذاذة" لباس میں کہنگی اور سادگی اختیار کرنا اس میں تواضع اور انکساری اپنانا اور دنیوی زیب و زینت سے بچنا اہل ایمان

کی اچھی عادتوں میں سے ہے اور ایمان کی علامت ہے زیب وزینت میں لگنا اور آسائش وآرائش اختیار کرنا عورتوں کا کام ہے مرد کا حسن اس کی سادگی ہے۔ بہر حال خوش پوشاک اور عمدہ لباس استعمال کرنا جوریا کاری کے بغیر ہو اور استطاعت کے مطابق ہو وہ منع نہیں ہے سادگی چیز ہے، گندگی اور چیز ہے اسلام نے سادگی کا حکم دیا ہے گندگی کا حکم نہیں دیا ہے۔

بڑائی کے لئے شہرت کا لباس پہننا اخروی ذلت ہے

﴿۳۸﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا أَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ذلت کا کپڑا پہنائے گا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

"شھرة" جو شخص تکبر وتجبر کے طور پر اور فقراء اور مساکین کو ذلیل کرنے کے لئے یا کارٹون بن کر لوگوں کو ہنسانے کے لئے عجیب وغریب شکلیں اختیار کرتا ہے ایسے شخص کے لئے وعید ہے اس سے زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ جو شخص شہرت حاصل کرنے کے لئے علماء کا لباس اختیار کرتا ہے صوفیا کا لباس اور جبہ ودستار اپناتا ہے اور اس سے اپنا نام بلند وبالا بنانا چاہتا ہے محض شہرت کا بندہ ہے اور اپنی ناموری کے حصول کے لئے دن رات کوشاں ہے ایسے شخص کے لئے وعید ہے۔

جو شخص غیر مسلموں کی تقلید اختیار کریگا وہ وہی بنیگا

﴿۳۹﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم میں ہوگا۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

"من تشبہ" یعنی کسی غیر مسلم قوم کی نقالی اور تقلید اختیار کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے کفار کے اعمال وافعال اور ان کے اطوار وکردار اور ان کے افکار واقدار کو چھوڑنا پڑیگا اگر کوئی شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے ان کے طرز پر کھاتا ہے ان کے اخلاق اپناتا ہے اور ان کے رہنے سہنے اور ثقافت کو سینہ سے لگاتا ہے تو یہ شخص ان کے زمرے میں چلا جاتا ہے اب ان

کفار اور فساق و فجار کے اعمال پر جو سزا ان کو ملیگی وہی سزا اس نقال اور تقلید کرنے والے کو بھی ملے گی اور جو شخص اپنے آپ کو علماء صلحاء اور دینداروں کے طرز پر ڈالتا ہے ان کے اعمال واقوال اپنا تا ہے اور ان سے محبت رکھتا ہے تو وہ شخص بھلائی میں ان سعادت مندوں کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

اس حدیث کا مفہوم بہت وسیع ہے اور یہ جوامع کلم میں سے ہے اس میں یہ ممانعت بھی ہے کہ عورتیں وضع قطع میں مردوں کی مشابہت اختیار نہ کریں اور مرد عورتوں کی مشابہت اختیار نہ کریں البتہ اتنی بات یاد رکھنے کی ہے کہ غیر مسلموں سے مشابہت اختیار کرنے کی جو ممانعت ہے وہ ان کی خصوصی امتیازی شعار کے اپنانے میں ہے عام حالات میں انسان کا عمل دخل تو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے مثلاً ڈاڑھی منڈانا کوٹ پتلون اور ٹائی لگانا صلیب کی تصویر جگہ جگہ لگانا یہ یہود ونصاریٰ کی خصوصی علامتیں ہیں ماتھے پر قشقہ لگانا وغیرہ یہ ہندوؤں کی خصوصی علامت ہے داڑھی مروڑ کر تھوڑی کے نیچے دبانا کرپان استعمال کرنا یہ سکھوں کی خصوصی علامات ہیں ان سے احتراز ضروری ہے اس کے علاوہ عام زندگی میں ایک دوسرے کا مشابہ ہونا مراد نہیں ہے مثلاً تمام قومیں پیالی میں چائے ڈال کر پیتی ہیں یہ کوئی شعار نہیں ہے۔

جو شخص تواضع کرتا ہے وہ بلند ہو جاتا ہے

﴿۴۰﴾وَعَنْ سُوَيْدِ بْنِ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَبْنَاءِ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ تَوَاضُعاً كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ وَمَنْ تَزَوَّجَ لِلّٰهِ تَوَّجَهُ اللّٰهُ تَاجَ الْمُلْكِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ حَدِيْثَ اللِّبَاسِ

اور حضرت سوید ابن وہب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کے بیٹے سے اور وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص زیب وزینت کے لباس کو پہننا چھوڑ دے باوجود یکہ وہ اس کے پہننے کی استطاعت وحیثیت رکھتا ہو۔ اور ایک روایت میں تواضعا کا لفظ بھی آیا ہے یعنی جو شخص زہد وتواضع اور کسر نفسی کے سبب زیب وزینت کا لباس پہنن چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ عزت وعظمت کا جوڑا پہنائے گا یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا لباس عطا کریگا جو اس کی رفعت وعظمت کا باعث ہوگا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا وآخرت دونوں جگہ عزت وعظمت عطا کرے گا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ جو شخص فروتنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مرتبہ بناتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نکاح کرے اس کو اللہ تعالیٰ بادشاہت کا تاج عطا فرمائے گا۔ (ابوداؤد) اور ترمذی نے اس روایت کا صرف وہ حصہ جس میں لباس کا ذکر ہے حضرت معاذ ابن انسؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"تــواضــعـا" قدرت کے باوجود ترک زینت اختیار کرنا بڑا کمال ہے اس سے آدمی گرتا نہیں بلکہ بلند ہو جاتا ہے اور جس میں طاقت نہیں وہ خود متواضع ہے "ومن تزوج" یعنی ایک بے نام و گمنام لڑکی ہے بے سہارا ہے نہ اس کا کفو ہے نہ خاندان ہے ایک شخص اس کے ساتھ صرف اس لئے نکاح کرتا ہے تاکہ اس کی زندگی بن جائے اور اس کو سہارا مل جائے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ عظمت کا تاج پہنائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا اظہار محمود عمل ہے

﴿۴۱﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ أَنْ يُرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر دیکھا جائے۔ (ترمذی)

توضیح

"ان یــری" یعنی جب اللہ تعالیٰ نے دنیوی نعمت عطا کی ہے تو بطور شکر اس نعمت کا اثر بھی انسان کے جسم پر ہونا چاہئے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جہاں استطاعت ہو تو خوش پوشا کی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا عملی شکر ادا کرنا چاہئے اور جہاں استطاعت نہ ہو تو وہاں سادگی کا عملی مظاہرہ کرنا چاہئے اور جہاں تنگی ہو تو قرض لیکر تکلف کے ساتھ لباس کا مظاہرہ ومفاخرہ کرنا سخت منع ہے۔

شائستگی اور صفائی اسلام میں محمود عمل ہے

﴿۴۲﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرًا فَرَأٰى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهُ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ رَأْسَهُ وَرَأٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَسِخَةٌ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کی غرض سے ہمارے پاس تشریف لائے تو وہاں آپ نے ایک پراگندہ بال شخص کو دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا اس شخص کو وہ چیز یعنی کنگھی وغیرہ میسر نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ یہ اپنے بالوں کو درست کر سکے۔ اسی طرح آپ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا

جس کے بدن پر میلے کچیلے کپڑے تھے تو فرمایا کہ کیا اس شخص کو وہ چیز یعنی صابون یا پانی میسر نہیں ہے کہ جس سے یہ اپنے کپڑوں کو دھوڈالے۔ (احمد، نسائی)

توضیح

"مایسکن" ما عبارت ہے کنگھی سے یعنی اس شخص کو کنگھی نہیں ملتی جس کے ذریعہ بالوں کو بنائے اور درست کرے "مایغسل" ادھر بھی ما سے صابن وغیرہ صفائی کا سامان مراد ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جسم کو مہذب شائستہ اور خوبصورت رکھنا آنحضرت کو پسند تھا اور اس کا برعکس منظر آپ کو ناپسند تھا کیونکہ اسلام ایک ترقی پسند اور مہذب اور متمدن مذہب ہے وہ انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کی کفالت اور رہنمائی کرتا ہے لہٰذا یہ چیزیں اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق تھیں جس کی ترغیب آنحضرت نے دی اسلام اگرچہ سادگی کی تعلیم دیتا ہے مگر سادگی اور چیز ہے، گندگی اور چیز ہے رحمان کے نظام میں تہذیب وصفائی ہے اور شیطان کے نظام میں نجاست اور پلیدی ہے زیر بحث حدیث کی اس تشریح سے معلوم ہو گیا کہ اس سے اس حدیث کا تعارض نہیں ہے جس میں "ان البذاذة من الایمان" فرمایا گیا ہے کیونکہ اس حدیث میں سادگی کا درس ہے نجاست وگندگی اور بدتہذیبی کا درس نہیں ہے۔

﴿۴۳﴾ وَعَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِيْ أَلَكَ مَالٌ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ أَيِّ الْمَالِ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ أَعْطَانِي اللّٰهُ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ قَالَ فَإِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ أَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ

اور حضرت ابو الاحوص اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوا کہ میرے بدن پر خراب وخستہ کپڑے تھے آپ نے یہ دیکھ کر مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس مال ہے میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہر قسم کا مال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ، گائیں اور بکریاں بھی عطا کی ہیں اور گھوڑا اور غلام بھی دیا ہے آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنا زیادہ مال دیا ہے تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمت کا اثر ظاہر ہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے جس عزت وعظمت سے نوازا ہے وہ عیاں ہو۔ (نسائی) اور شرح السنۃ نے اس روایت کو مصابیح کی روایت سے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے عبارت تو دونوں کی مختلف ہے لیکن دونوں کا مضمون ایک ہی ہے۔

"ثوب دون" دون ادون سے ہے جو بیکار اور خراب وخستہ کپڑے کو کہتے ہیں۔

مردوں کے لئے سرخ کپڑا پہننا حرام ہے

﴿۴۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص دو سرخ کپڑے پہنے ہوئے گزرا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"فلم یرد" یعنی یہ شخص سرخ لباس پہنا ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا اس سے معلوم ہوا کہ سرخ لباس استعمال کرنا منع ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فاسق مجاہر کے سلام کا جواب لوٹانا لازم نہیں اور ان پر سلام میں پہل کرنا بطریق اولی منع ہے۔

مردوں اور عورتوں کی خوشبو میں فرق

﴿۴۵﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا أَرْكَبُ الْأُرْجُوَانَ وَلَا أَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ وَلَا أَلْبَسُ الْقَمِيْصَ الْمُكَفَّفَ بِالْحَرِيْرِ وَقَالَ أَلَا وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لَا لَوْنَ لَهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ لَوْنٌ لَا رِيْحَ لَهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ارغوانی یعنی سرخ رنگ کے زین پوش پر سوار نہیں ہوتا نہ میں کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنتا ہوں اور نہ میں ایسا پیرہن کرتا وغیرہ پہنتا ہوں جس پر ریشمی سنجاف یعنی ریشمی گوٹ و بیل وغیرہ لگی ہوئی ہو اور پھر فرمایا یاد رکھو مرد جو خوشبو لگائیں۔ وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں مہک تو ہو رنگ نہ ہو جیسے گلاب اور عطر وغیرہ تاکہ رنگ دار خوشبو لگانے سے کپڑے رنگین نہ ہو جائیں۔ اور عورتیں جو خوشبو لگائیں۔ وہ ایسی ہونی چاہئے جس میں رنگ تو ہو مہک نہ ہو جیسے زعفران و مہندی وغیرہ تاکہ ان کی مہک باہر نکل کر مردوں کے لئے فتنہ و ابتلاء کا سبب نہ بن جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الارجوان" یہ لفظ ارغوان کا معرب ہے ارغوانی رنگ سرخ ہوتا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا گدا ہوتا تھا جو بیٹھنے کے لئے زین پر بچھایا جاتا تھا جس کو زین پوش کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ میں ایسی سواری پر سوار نہیں ہوتا جس کا زین

پوش سرخ رنگ کا ہو، بعض اہل لغت نے ارغوان ایک ایسے درخت کو قرار دیا ہے جس کے پھول سرخ ہوں زیادہ اہل لغت نے ارجوان سرخ رنگ کو قرار دیا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اسی کو دوسری احادیث میں "المیاثر الحمر" کے نام سے یاد کیا گیا ہے جو درحقیقت ریشم و دیباج سے تیار کیا جاتا تھا بہر حال یہ ممانعت یا سرخ رنگ کی وجہ سے ہے یا ریشم کی وجہ سے۔ ملا علی قاری نے سرخ رنگ کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ جب سرخ رنگ کے کپڑے پر بیٹھنا منع ہے تو اس کا پہننا کتنا سخت منع ہوگا "المعصفر" اس سے کسم میں رنگا ہوا سرخ کپڑا مراد ہے یہ مردوں کے لئے منع ہے۔

"المکفف" یعنی جس میں سخاف اور ریشمی گوٹ لگی ہوئی ہو، اس حدیث میں مکفف قمیص پہننے کی ممانعت آئی ہے جبکہ اس سے پہلے حضرت اسماء کی حدیث ۱۸ میں آنحضرت کے جبہ کے ساتھ مکفوفین کے الفاظ مذکور ہیں دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چار انگشت تک ریشم کی پٹی کی اجازت ہے اس سے زیادہ نہیں یہاں یہ حدیث چار انگشت سے زیادہ کی ممانعت پر محمول ہے یا اسماء کی حدیث فتویٰ پر محمول ہے اور زیر بحث حدیث تقویٰ پر محمول ہے۔

دس باتوں کی ممانعت

﴿۴۲﴾ وَعَنْ أَبِیْ رَيْحَانَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَشْرٍ عَنِ الْوَشْرِ وَالْوَشْمِ وَالنَّتْفِ وَعَنْ مُكَامَعَةِ الرَّجُلِ الرَّجُلَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَمُكَامَعَةِ الْمَرْأَةِ الْمَرْأَةَ بِغَيْرِ شِعَارٍ وَأَنْ يَجْعَلَ الرَّجُلُ فِيْ أَسْفَلِ ثِيَابِهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ أَوْ يَجْعَلَ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ حَرِيْرًا مِثْلَ الْأَعَاجِمِ وَعَنِ النُّهْبٰى وَعَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَلُبُوْسِ الْخَاتَمِ إِلَّا لِذِیْ سُلْطَانٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ

اور حضرت ابو ریحانہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں سے منع فرمایا ہے دانتوں کو تیز کرنے سے جسم کے کسی حصہ کو گودنے سے بال اکھاڑنے سے مرد کو مرد کے ساتھ سونے سے اگر درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو عورت کو عورت کے ساتھ سونے سے اگر درمیان میں کپڑا حائل نہ ہو اور آپ نے اس سے منع فرمایا کہ مرد اپنے کپڑے کے نیچے ریشم کا استر لگائے جیسا کہ عجمی لوگ لگاتے ہیں یا عجمی لوگوں کی طرح مونڈھوں پر ریشمی کپڑا لگائے اور آپ نے کسی کا مال لوٹنے سے اور چیتے کی کھال کی زین پر سونے سے منع فرمایا نیز آپ نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مہر والی انگوٹھی پہنے الا یہ کہ وہ صاحب حکومت ہو۔ (ابوداود، نسائی)

توضیح

"العشر" یعنی دس بری خصلتوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے "الوشر" عرب میں بوڑھی عورتیں جوان لڑکیوں سے حسن میں مشابہت کے لئے بدنما دانتوں کو اطراف سے گھسا کر خوش نما بنا دیتی تھیں اس سے ممانعت آئی ہے

کیونکہ اس میں تغیر خلق اللہ ہے۔
"وشم" جسم کے کسی حصہ کو گود کر اس میں نیل وغیرہ رنگ بھرنے کو وشم کہتے ہیں اس میں بھی تغیر خلق اللہ ہے اس لئے منع ہے۔
"النتف" نتف بال اکھیڑنے کو کہتے ہیں مثلاً کوئی مرد سر یا داڑھی کے سفید بال زینت اختیار کرنے کے لئے نوچتا ہے یہ منع ہے کہ بے جا زینت اختیار کرنا ہے۔اسی طرح عورت کے لئے اپنے پیشانی کے چھوٹے بال نوچنا ممنوع ہے کہ بے جا زیب وزینت ہے اور تغیر خلق اللہ کا امکان بھی ہے یا مصیبت کے وقت بال نوچنا مراد ہے جو ممنوع ہے۔
"مکامعة" یعنی بغیر حائل دو مردوں کو ننگے ہو کر سونے سے منع کر دیا گیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی منع کیا گیا ہے شعار کا معنی جسم کے ساتھ لگا ہوا کپڑا ہے مراد حائل ہے۔
"اسفل ثیابه" یعنی اوپر عام کپڑا ہوا اور نیچے استر ریشم کا ہو اس سے منع کر دیا گیا ہے یہ اعاجم کی عادت تھی اب عرب کی ہو گئی۔
"علی منکبیه" یعنی اعاجم کی طرح کپڑوں میں کسی جگہ ریشم کی پٹی جوڑنا منع ہے خواہ کندھا ہو یا کوئی اور مقام ہو بشرطیکہ چار انگشت سے زیادہ ہو۔
"النهبی" لوٹ مار اور ڈکیتی کو کہتے ہیں "النمور" نمرۃ کی جمع ہے چیتے کی کھال کو کہتے ہیں اس پر بیٹھنا مجوسیوں کی عادت تھی اب عرب کی ہو گئی ہے اس سے تکبر بھی آتا ہے اور ہو سکتا ہے درندگی کا اثر بھی پیدا ہوتا ہو۔ "الخاتم" زیب وزینت کی غرض سے ضرورت کے بغیر انگوٹھی استعمال کرنے کی ممانعت ہے ہاں اگر کوئی بادشاہ یا قاضی وغیرہ حاکم ہو تو اس کے لئے بوجہ ضرورت محدود پیمانے پر جائز ہے کہتے ہیں کہ عوام کے لئے جو کراہت تھی وہ منسوخ ہو گئی ہے اب جائز حد تک سب کے لئے جائز ہے۔

مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے

﴿۴۷﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنْ لُبْسِ الْقَسِّيِّ وَالْمَيَاثِرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ نَهٰى عَنْ مَيَاثِرِ الْأُرْجُوَانِ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سونے کی انگوٹھی اور قسی کے پہننے سے اور میاثر استعمال کرنے سے منع فرمایا۔(ترمذی،ابوداؤد،نسائی،ابن ماجہ)اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارغوانی یعنی سرخ میاثر استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

توضیح

"القسی" مصر کے ایک شہر "قس" کی طرف منسوب ہے یہ کپڑا ریشم سے بنتا تھا اس لئے ممانعت آئی ہے۔

"المیاثر" یہ میثرۃ کی جمع ہے زین پوش کو کہتے ہیں علماء لکھتے ہیں کہ یہ چونکہ ریشم کا ہوتا تھا اس لئے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ملا علی قاری وغیرہ سرخ ہونے کی وجہ سے بھی اس کو ممنوع کہتے ہیں تو یہ تکبر و آرائش کی وجہ سے ممنوع ہے تو پھر ہر سرخ کپڑا اوپر نیچے استعمال کرنا خلاف اولیٰ ہوگا۔

ریشم اور چیتے کی کھال پر بیٹھنا منع ہے

﴿۴۸﴾وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَرْكَبُوا الْخَزَّ وَلَا النِّمَارَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ خز اور چیتے کی کھال کے زین پوش پر سوار نہ ہوا کرو۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"الخز" اگر خز سے خالص ریشم مراد ہو تو پھر اس کا استعمال حرام ہوگا اور اگر پہلے زمانہ میں اون کے ساتھ مخلوط کوئی کپڑا مراد ہو تو پھر کراہت تنزیہی پر یہ حدیث محمول ہوگی۔ "النمار" نمرۃ کی جمع ہے چیتے کی کھال کو کہتے ہیں ممانعت کی وجہ پہلے لکھی گئی ہے ویسے جب شریعت نے منع کردیا تو پھر کسی وجہ کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہے۔

﴿۴۹﴾وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ زین پوش سے منع فرمایا ہے۔ (شرح السنۃ)

سبز رنگ کے کپڑے جائز ہیں

﴿۵۰﴾وَعَنْ أَبِيْ رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ وَلَهٗ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ وَشَيْبُهٗ أَحْمَرُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ وَهُوَ ذُوْ وَفْرَةٍ وَبِهَا رَدْعٌ مِنْ حِنَّاءٍ

اور حضرت ابو رمثہ تیمیؓ کہتے ہیں کہ جب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ کے بدن پر دو سبز کپڑے تھے یعنی آپ نے جو دو کپڑے پہن رکھے تھے وہ یا تو خالص سبز رنگ کے تھے یا ان میں سبز رنگ کی دھاریاں تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور داڑھی کے تھوڑے ہی بالوں پر بڑھاپے یعنی سفیدی کا غلبہ تھا نیز آپ کا بڑھاپا

سرخ تھا۔ (ترمذی) اور ابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفرہ والے تھے اور ان بالوں میں مہندی کا رنگ تھا۔

توضیح

"اخضران" یا بالکل سبز کپڑے تھے یا اس میں سبز دھاریاں تھیں دونوں جائز ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبز رنگ پسند تھا۔
"ذو وفرۃ" یہ سر کے بالوں کی ایک قسم ہے باب الترجل میں انشاء اللہ تفصیل آئے گی۔
"ردع من حناء" حنا مہندی کو کہتے ہیں اور ردع اس کے رنگ کو کہا گیا ہے یعنی ان بالوں میں مہندی کا رنگ تھا۔ ہوسکتا ہے چند بالوں میں رنگ مراد ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ عطر کے استعمال کی وجہ سے بال سرخ لگ رہے ہوں یا یہ کوئی وقتی معاملہ ہو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے کہ آنحضرت کے سر اور داڑھی میں چند بال سفید تھے جو بیس سے زیادہ نہ تھے عام محدثین فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خضاب نہیں فرماتے البتہ فقہاء خضاب کو ثابت کرتے ہیں۔

قطری چادر کا ذکر

﴿۵۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى أُسَامَةَ وَعَلَيْهِ ثَوْبُ قِطْرٍ قَدْ تَوَشَّحَ بِهٖ فَصَلّٰى بِهِمْ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے زمانہ میں اس حالت میں باہر مسجد میں تشریف لائے کہ اسامہؓ پر سہارا دیے ہوئے تھے اور بدن مبارک پر قطر کا کپڑا تھا جس کو آپ نے بدھی کی طرح لپیٹ رکھا تھا اور پھر آپ نے صحابہ کو نماز پڑھائی۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"ثوب قطری" ایک قسم کی چادر کو کہتے ہیں جس میں سرخ دھاریاں ہوتی تھیں اور یمن میں بنتی تھی یا قطری نسبت ہے قطر کی طرف جو بحرین کے علاقہ میں ایک شہر کا نام تھا آج کل قطر ایک ملک کا نام ہے یعنی یہ چادر وہاں کی بنی ہوئی تھی۔
"توشح" خوبصورت چادر سے جسم کے لپیٹنے کو توشح کہتے ہیں وشاح کی طرح زیب تن کیا تھا وشاح ہار کو کہتے ہیں۔

ایک بدبخت یہودی کا معاملہ

﴿۵۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِيَّانِ غَلِيْظَانِ وَكَانَ إِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَيْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْيَهُوْدِيِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ فَاشْتَرَيْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ إِلَى

الْمَيْسَرَةِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا تُرِيْدُ إِنَّمَا تُرِيْدُ أَنْ تَذْهَبَ بِمَالِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَبَ قَدْ عَلِمَ أَنِّيْ مِنْ أَتْقَاهُمْ وَأَدَّاهُمْ لِلْأَمَانَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر جو دو کپڑے تھے وہ قطر کے تھے اور بہت زیادہ موٹے تھے چنانچہ جب آپ زیادہ دیر تک بیٹھتے اور پسینہ آتا تو وہ کپڑے آپ کے بدن پر بھاری ہو جاتے جس کی وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑتی آخر کار ایک دن جب کہ فلاں یہودی کے ہاں جس کا نام یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے شام سے کپڑا آیا ہوا تھا تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کسی شخص کو اس یہودی کے پاس بھیج دیتے جو اس سے بوعدہ فراغت یعنی اس وعدہ پر کہ جب کہیں سے کچھ آ جائے گا تو قیمت ادا کر دی جائے گی دو کپڑے خرید لیتا تو اچھا ہوتا تا کہ آپ اس تکلیف سے بچ جائیں جو ان کپڑوں کی وجہ سے اٹھانا پڑ رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اس مشورہ کو قبول فرمالیا اور کسی شخص کو مذکورہ وعدہ پر کپڑا خریدنے کے لئے اس یہودی کے پاس بھیج دیا اس شخص نے یہودی کے پاس پہنچ کر جب کپڑا مانگا تو اس نے کہا کہ تمہارا جو ارادہ ہے اس کو میں جانتا ہوں تم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتے کہ اس وقت تو وعدہ پر میرا کپڑا لے جاؤ اور پھر بعد میں قیمت ادا کرنے سے انکار کر دو بظاہر ان الفاظ کا مخاطب وہ شخص تھا لیکن حقیقت میں اس کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا پھر اس شخص نے واپس آ کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہودی کا قول نقل کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس یہودی نے جھوٹ بولا ہے اور وہ خود بھی جانتا ہے کہ اس نے بالکل جھوٹ بات اپنی زبان سے نکالی ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ تورات کے ذریعہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ میں تمام لوگوں سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں اور ان سے زیادہ اچھی طرح امانت ادا کرنے والا ہوں۔ (ترمذی، نسائی)

توضیح

"بز من الشام" بز کا اطلاق یہاں مطلق کپڑے پر ہوا ہے یعنی شام سے یہودی کے کپڑے مدینہ لائے گئے تھے۔

"لو بعثت" یعنی اگر آپ کسی کو اس یہودی کی طرف بھیج دیتے۔

"الی المیسرۃ" یہ یسار سے ہے مالداری کو کہتے ہیں یعنی پیسہ میسر ہونے تک آپ ادھار پر ان سے دو کپڑے خریدتے تو بہت اچھا ہوتا "لکان حسنا" شرط کا جواب محذوف ہے اگر لو شرطیہ ہو اور اگر تمنیہ ہو تو بات ہی ختم۔ "فارسل" یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیجا اس نے ادھار پر خریدنے کی بات کی تو بدبخت یہودی نے کہا کہ جی ہاں میں جانتا ہوں کہ تم یا وہ میرے مال کو ہڑپ کرنا چاہتے ہو جب قاصد کی بات کا علم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ یہودی نے بطور عناد جھوٹ بولا ہے ورنہ ان کو تورات کے ذریعہ سے خوب معلوم ہے کہ میں تمام انسانوں سے زیادہ خوف خدا رکھنے والا ہوں "و اداھم" یعنی سب سے زیادہ ادا کرنے والا ہوں خواہ امانت ہو یا کسی کا قرض ہو۔

سرخ کپڑے عورتوں کے لئے ہیں مردوں پر حرام ہیں

﴿۵۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَآنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیَّ ثَوْبٌ مَصْبُوْغٌ بِعُصْفُرٍ مُوَرَّدًا فَقَالَ مَاھٰذَا فَعَرَفْتُ مَاکَرِہَ فَانْطَلَقْتُ فَأَحْرَقْتُہٗ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاصَنَعْتَ بِثَوْبِکَ قُلْتُ أَحْرَقْتُہٗ قَالَ أَفَلَا کَسَوْتَہٗ بَعْضَ أَھْلِکَ فَإِنَّہٗ لَابَأْسَ بِہٖ لِلنِّسَاءِ. رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ بن عمرو ابن عاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کسم کا رنگا ہوا گلابی رنگ کا کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں اس ارشاد گرامی سے سمجھ گیا کہ آپ نے میرے اس کپڑے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے چنانچہ میں فوراً گیا اور اپنے اس کپڑے کو جلا ڈالا پھر جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے اپنے کپڑے کا کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو جلا دیا آپ نے فرمایا تم نے اس کپڑے کو اپنی کسی عورت کو کیوں نہیں پہنا دیا کیونکہ عورتوں کے لئے اس قسم کے کپڑے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداود)

"**بعصفر**" کسم میں رنگا ہوا سرخ کپڑا مراد ہے "**موردا**" یہ ورد سے ہے گلابی رنگ کو کہتے ہیں یعنی گلابی رنگ میں رنگا ہوا سرخ کپڑا تھا۔

﴿۵۵﴾ وَعَنْ ھِلَالِ بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَبِیْہِ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمِنًی یَخْطُبُ عَلٰی بَغْلَۃٍ وَعَلَیْہِ بُرْدٌ أَحْمَرُ وَعَلِیٌّ أَمَامَہٗ یُعَبِّرُ عَنْہُ. رَوَاہُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ہلال ابن عامر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منی میں خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے دیکھا اس وقت آپ خچر پر سوار تھے اور جسم مبارک پر سرخ دھاریوں کی چادر تھی نیز حضرت علی آپ کے سامنے کھڑے تھے جو آپ کے الفاظ لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ (ابوداود)

توضیح

"**برد احمر**" قاموس میں لکھا ہے "**البرد بالضم ثوب مخلط**" اس سے معلوم ہوا کہ برد دھاری دار کپڑے کو کہتے ہیں یہاں برد احمر سے مراد وہی دھاری دار چادر ہے خالص سرخ کپڑا مراد نہیں، "**وعلی امامه یعبر عنه**" چونکہ حج کا موسم تھا مجمع زیادہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز جہاں تک پہنچتی تھی وہاں سے آگے تک حضرت علی آنحضرت کے قول پہنچاتے تھے اس سے مکبر الصوت کے استعمال کا قاعدہ حاصل ہو جاتا ہے یعنی لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا جواز ملتا ہے۔

سیاہ چادر کا ذکر

﴿۵۵﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صُنِعَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةٌ سَوْدَاءُ فَلَبِسَهَا فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ فَقَذَفَهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سیاہ چادر تیار کی گئی جس کو آپ نے استعمال فرمایا لیکن جب اس کی وجہ سے پسینہ آیا اور اس میں سے اون کی بو نکلنے لگی تو آپ نے لطافت طبع کی ناگواری کی بنا پر اس چادر کو پھینک دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

اون کی بنی ہوئی سیاہ چادر تھی اس میں عموماً پسینہ آتا ہے پسینہ اور پانی لگنے سے اون کے کپڑے سے ایک قسم بدبو اٹھتی ہے اسی بدبو کی وجہ سے آنحضرت نے اسے اُتار پھینکا کیونکہ آپ کا معاملہ فرشتوں کے ساتھ تھا۔

گوٹ مار کر بیٹھنے کا ذکر

﴿۵۶﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْتَبٍ بِشَمْلَةٍ قَدْ وَقَعَ هُدْبُهَا عَلٰى قَدَمَيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ ایک چادر کے ذریعہ گوٹ مارے ہوئے بیٹھے تھے اور اس چادر کے کنارے آپ کے قدموں پر پڑے ہوئے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"محتب" احتباء کی صورت کا ذکر پہلے گذر چکا ہے گوٹ مار کر بیٹھنا منع ہے لیکن جب ستر کا انتظام واہتمام ہو تو پھر ممانعت کی وجہ ختم ہو جاتی ہے یہاں ایسا ہی تھا۔

"هدبها" یعنی اس کے دامن کے جھالر قدموں پر آئے تھے، جس سے پردہ کا انتظام ہو رہا تھا۔

عورتیں باریک کپڑا کس طرح استعمال کریں

﴿۵۷﴾وَعَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيفَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبَاطِيَّ فَأَعْطَانِي مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اصْدَعْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ أَحَدَهُمَا قَمِيصًا وَأَعْطِ الْآخَرَ امْرَأَتَكَ تَخْتَمِرُ بِهِ فَلَمَّا أَدْبَرَ قَالَ

وَأْمُرِ امْرَأَتَکَ أَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهٗ ثَوْبًا لَایَصِفُهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت دحیہ ابن خلیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبطی کپڑے آئے تو آپ نے اس میں سے ایک قبطی کپڑا مجھ کو عطا کیا اور فرمایا کہ اس کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کر لینا۔ ان میں سے ایک کا کرتہ بنا لینا اور دوسرا اپنی عورت کو دے دینا وہ اس کا دوپٹہ بنا لے گی پھر جب دحیہؓ یعنی میں واپس ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اور اپنی عورت کو ہدایت کر دینا کہ اس قبطی کپڑے کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تا کہ اس کپڑے کے باریک ہونے کی وجہ سے اس کے بال اور جسم نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"قباطی" مصری کپڑے کی ایک قسم ہے "اصدعها" یعنی اس کو پھاڑ کر دو ٹکڑے بنا دو۔ "تختمر" یعنی اس کا دوپٹہ بنا لے "لایصفها" یعنی کپڑا باریک ہونے کی وجہ سے جسم کے خط و خال معلوم نہ ہو نظر نہ آئے اس لئے اس باریک کپڑے کے نیچے کوئی اور کپڑا پہن لیا جائے تا کہ جسم چھپ جائے اور اگر کوئی شخص جسم کا بیان کرے تو بیان نہ کر سکے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کے لئے اس طرح باریک لباس پہننا منع ہے۔

کپڑے میں اسراف کرنا منع ہے

﴿٥٨﴾وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَهِيَ تَخْتَمِرُ فَقَالَ لَيَّةً لَالَيَّتَيْنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے تو وہ اس وقت دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھیں آپ نے فرمایا کہ دوپٹہ کا ایک ہی پیچ سر پر ڈال لیتیں دوسرے پیچ کی ضرورت نہیں تھی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"لیة" یعنی سر پر دوپٹہ کا ایک پیچ ستر کے لئے کافی ہے دو پیچ ڈالنے میں اسراف ہے ایسا نہیں کرنا تھا۔ حضرت ام سلمہ نے دوپٹہ سر پر لپیٹا تھا جس میں پگڑی کی مشابہت بھی تھی اور اس طرح کرنا بے ضرورت بھی تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا لیة ایک پیچ اور لیتین دو پیچ۔

الفصل الثالث

ازار و شلوار کا نصف ساق تک ہونا پسندیدہ ہے

﴿٥٩﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَرَرْتُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْ إِزَارِيْ اسْتِرْخَاءٌ فَقَالَ

يَاعَبْدَاللّٰهِ ارْفَعْ اِزَارَكَ فَرَفَعْتُهٗ ثُمَّ قَالَ زِدْ فَزِدْتُ فَمَا زِلْتُ اَتَحَرَّاهَا بَعْدُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اِلٰى اَيْنَ قَالَ اِلٰى اَنْصَافِ السَّاقَيْنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا اس وقت میرا تہ بند لٹکا ہوا تھا آپ نے فرمایا کہ عبداللہ اپنا تہ بند اونچا کرو میں نے تھوڑا سا اونچا کر لیا آپ نے فرمایا اور اونچا کرو میں نے اور اونچا کر لیا۔ پھر حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد میں برابر اس عمل یعنی تہ بند کو اونچا کرتے رہنے کی طرف متوجہ رہتا ہوں ۔بعض لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ اپنے تہ بند کو کتنا اونچا رکھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔ (مسلم)

توضیح

"استرخاء" ڈھیلا پن تھا"اتحرھا" یعنی اس مقدار کی میں نگرانی کرتا تھا اور خیال رکھتا تھا کہ اس سے ازار نیچے نہ جائے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہی کو پسند فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ نصف ساق تک ازار اوپر ہونا چاہئے آخری حد یہ ہے کہ ٹخنو ں سے اوپر ہو اس سے نیچے نہ ہو۔"ھا" ضمیر "فعلۃ" محذوف کی طرف راجع ہے یا زیدھا ھو کے طرز پر ہے ٹخنوں سے نیچے ازار بند یا شلوار کا حکم اور مسئلہ ابتدائی مباحث حدیث ۱۰۹ میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

ازار لٹکانے کی حرمت بوجہ تکبر ہے

﴿۱۰﴾وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِيْ يَسْتَرْخِيْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص از راہ تکبر اپنا تہ بند یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں اٹھائیں گے یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے کہ میرے قصد وارادہ کے بغیر میرا تہ بند لٹک جاتا ہے اور ٹخنوں تک یا ٹخنوں سے نیچے پہنچ جاتا ہے الا یہ کہ میں ہمہ وقت اس کا دھیان رکھوں یعنی اگر میں ہر وقت اس طرف متوجہ رہوں تو یقیناً کسی بھی وقت میرا تہ بند نیچے نہیں لٹک سکتا لیکن بعض شرعی یا طبعی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی طرف ہر وقت دھیان رکھنا ممکن نہیں ہے تو ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو از راہ تکبر اپنا تہ بند یا پاجامہ لٹکاتے ہیں۔ (بخاری)

توضیح

"فقال ابوبکر" ازار لٹکانے کی وعید جب حضرت ابوبکر صدیق نے سنی تو آپ پریشان ہوگئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں انتہائی کوشش کرتا ہوں کہ ازار نیچے نہ آئے لیکن پیٹ زیادہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی بے اختیار نیچے آتا ہے تو اس میں گناہ ہے؟

"خیلاء" یعنی تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو بطور تکبر شلوار لٹکائے رکھتے ہیں۔

سوال

جو لوگ ٹخنوں سے نیچے شلوار یا پتلون لٹکاتے ہیں اور اس کو جائز سمجھتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو بطور تکبر ایسا کرنا جائز نہیں ہے ہم تکبر نہیں کرتے ہیں لہٰذا ہمارے لئے جائز ہے۔

جواب

ان لوگوں کا اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے اول اس لئے کہ صدیق اکبر کی بات مجبوری کی تھی قصد وارادہ نہیں تھا اور یہ لوگ قصد وارادہ سے ایسا کرتے ہیں، دوم اس لئے غلط ہے کہ ابوبکر صدیق سے بوجہ مجبوری کبھی کبھی ایسا عمل ہوتا تھا اور یہ لوگ ہمیشہ اس کو جائز حق سمجھتے ہیں سوم یہ کہ حضرت صدیق اس عمل کو گناہ کا کام سمجھتے تھے اور یہ لوگ اس کو گناہ سمجھتے ہی نہیں چہارم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی پوری جماعت میں صرف صدیق اکبر کو یہ تسلی دیدی کہ آپ کا عمل بطور تکبر نہیں اس لئے گناہ نہیں یہ ایک خاص اجازت تھی باقی تمام صحابہ میں سے کسی کو اجازت نہیں ملی کیونکہ یہ عمل خود تکبر کا عمل ہے اس میں کوئی شخص تکبر کا ارادہ کرے یا نہ کرے یہ عمل متکبرانہ ہے۔ حضرت عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کو تو اجازت نہیں ملی اور آج کل گناہوں میں لپ پت ایک آلودہ شخص اپنے لئے جواز تلاش کرتا ہے۔

لا یقاس الملوک بالحدادین

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اصل میں چادر وغیرہ پیچھے سے گھسیٹنا منع ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَأْتَزِرُ فَيَضَعُ حَاشِيَةَ إِزَارِهِ مِنْ مُقَدَّمِهِ عَلٰى ظَهْرِ قَدَمِهِ وَيَرْفَعُ مِنْ مُؤَخَّرِهِ قُلْتُ لِمَ تَأْتَزِرُ هٰذِهِ الْإِزْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتَزِرُهَا

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ کو اس طرح تہبند باندھے ہوئے دیکھا کہ وہ اس تہبند کے آگے کا کنارہ تو اپنے پیروں کے اوپر تک رکھتے اور اس کے پیچھے کا کنارہ ٹخنوں سے اونچا رکھتے تھے میں نے یہ دیکھ کر حضرت ابن عباسؓ سے کہا کہ آپ (کبھی کبھی) اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ بھی (کبھی کبھی) اس طرح تہبند باندھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

پگڑی باندھنا فرشتوں کی علامت ہے

﴿۶۲﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْعَمَائِمِ فَإِنَّهَا سِيْمَاءُ الْمَلَائِكَةِ وَأَرْخُوْهَا خَلْفَ ظُهُوْرِكُمْ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ

اور حضرت عبادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم عمامہ پگڑی باندھنا ضروری سمجھو کیونکہ عمامے فرشتوں کی علامت ہیں بایں طور کہ بدر کی جنگ کے موقعہ پر جو فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لئے نازل ہوئے تھے وہ عمامہ باندھے ہوئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور عمامہ کے شملہ کو اپنی پشت پر چھوڑ دو کیونکہ ملائکہ بھی اسی ہیئت سے آئے تھے۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

عورت کے لئے ایسا باریک لباس منع ہے جس میں جسم نظر آتا ہے

﴿۶۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِيْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ يَا أَسْمَاءُ إِنَّ الْمَرْأَةَ إِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ لَنْ يَصْلُحَ أَنْ يُرٰى مِنْهَا إِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَأَشَارَ إِلٰى وَجْهِهِ وَكَفَّيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن اسماء بنت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں آئیں کہ ان کے بدن پر باریک کپڑے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا کہ اے اسماء عورت جب ایام حیض کو پہنچ جائے یعنی جب وہ بالغ ہو جائے تو یہ ہرگز درست نہیں ہے کہ اس کے جسم کا کوئی عضو دیکھا جائے علاوہ اس کے اور اسکے یہ کہہ کر آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ کیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

اسماء بنت ابی بکر حضرت عائشہ کی بہن اور آنحضرت کی سالی تھی بلوغ کے بعد اس نے باریک لباس پہن رکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا "المحیض" اس سے مراد بلوغ ہے کیونکہ حیض کا آنا بالغ ہونے کی علامت ہے اس حدیث سے

معلوم ہوا کہ جس عورت نے ایسا باریک کپڑا پہن رکھا ہو کہ اسکے نیچے سے اس کا بدن جھلک رہا ہو تو وہ عورت حقیقت میں برہنہ عورت کے حکم میں ہے جو کاسیات عاریات کا مصداق ہے "الا ھذا و ھذا" اس سے مراد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ہے بوجہ مجبوری اس کا کھولنا عورت کی مجبوری ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ مردوں کو اس کی طرف دیکھنا جائز ہے البتہ اگر محل فتنہ ہو تو عورت کے لئے بلا وجہ چہرہ کھولنا منع کیا جاتا ہے۔

نیا کپڑا پہن کر جو دعا پڑھی جاتی ہے

﴿۲۴﴾وَعَنْ أَبِيْ مَطَرٍ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا اِشْتَرٰى ثَوْبًا بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَزَقَنِيْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا أَتَجَمَّلُ بِهٖ فِي النَّاسِ وَأُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ

اور حضرت ابو مطر کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علیؓ نے ایک کپڑا تین درہم کے عوض خریدا اور جب اس کو پہنا تو کہا تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے مجھ کو زینت والے اسباب میں سے وہ چیز عطا کی جس کے ذریعہ ہم لوگوں کے سامنے اپنی آرائش بھی کرتے ہیں اور ستر بھی چھپاتے ہیں پھر حضرت علیؓ نے کہا کہ اسی طرح میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کپڑے پہننے کے بعد یہ حمد و ثنا کرتے ہوئے سنا ہے۔ (احمد)

توضیح

"ریاش" ریش کی جمع ہے لباس کے معنی میں ہے "اتجمل" زینت اختیار کرنے کے معنی میں ہے۔

"اواری" مواراۃ سے ہے چھپانے کے معنی میں ہے یہاں ستر چھپانا مراد ہے۔

﴿۲۵﴾وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ لَبِسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَأَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ كَسَانِيْ مَا أُوَارِيْ بِهٖ عَوْرَتِيْ وَأَتَجَمَّلُ بِهٖ فِيْ حَيَاتِيْ ثُمَّ عَمِدَ إِلَى الثَّوْبِ الَّذِيْ أَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِيْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِيْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِيْ سِتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَمَيِّتًا رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر ابن خطابؓ نے نیا کپڑا پہنا تو یہ دعا پڑھی ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے وہ کپڑا پہننے کو دیا جس کے ذریعہ میں اپنا ستر بھی چھپاتا ہوں اور اپنی زندگی میں لوگوں کے سامنے اپنی آرائش بھی کرتا ہوں۔ پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص نیا کپڑا

پہننے کے بعد یہ دعا مانگے اور پھر اس کپڑے کو جو پرانا ہو گیا ہے (یعنی جو کپڑا اس نے اپنے جسم سے اتارا ہے) کسی کو اللہ واسطے دے دے تو وہ اپنے جیتے جی اور مرنے کے بعد (یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی) اللہ کی پناہ میں رہے گا اللہ کی محافظت میں رہے گا اور اللہ کے عفو ومغفرت کے پردے میں رہے گا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

"کنف الله" ای فی ستره وحفظه، اس کے بعد کے کلمات اس کلمہ کے لئے تاکید اور تفسیر و توضیح ہیں "حیا و میتا" یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضرت عائشہؓ نے باریک کپڑا پھاڑ ڈالا

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ أَبِيْ عَلْقَمَةَ عَنْ أُمِّهِ قَالَتْ دَخَلَتْ حَفْصَةُ بِنْتُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا خِمَارٌ رَقِيْقٌ فَشَقَّتْهُ عَائِشَةُ وَكَسَتْهَا خِمَاراً كَثِيْفاً. رَوَاهُ مَالِكٌ

اور حضرت علقمہ ابن ابوعلقمہ اپنے والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دن حضرت عبدالرحمن ابن ابوبکرؓ کی صاحبزادی حفصہ، حضرت عائشہؓ کے پاس اس حالت میں آئیں، کہ انہوں نے باریک اوڑھنی اوڑھ رکھی تھی حضرت عائشہؓ نے وہ باریک اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور ان کو ایک موٹی اوڑھنی اڑھادی۔ (مالک)

یہ تو باریک اوڑھنی کی بات تھی اگر وہ باریک قمیص و شلوار دیکھ لیتیں تو کیا کرتیں؟ اور اگر نیم برہنہ لباس میں عورتوں کو دیکھ لیتیں تو کیا اقدام فرماتیں؟

زمانہ بدلتا کیسا کیسا لوگ بدلتے کیسے کیسے؟

﴿۲۷﴾ وَعَنْ عَبْدِالْوَاحِدِ بْنِ أَيْمَنَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ وَعَلَيْهَا دِرْعٌ قِطْرِيٌّ ثَمَنُ خَمْسَةِ دَرَاهِمَ فَقَالَتِ ارْفَعْ بَصَرَكَ إِلٰى جَارِيَتِيْ انْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهَا تُزْهٰى أَنْ تَلْبَسَهُ فِي الْبَيْتِ وَقَدْ كَانَ لِيْ مِنْهَا دِرْعٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا كَانَتِ امْرَأَةٌ تُقَيَّنُ بِالْمَدِيْنَةِ إِلَّا أَرْسَلَتْ إِلَيَّ تَسْتَعِيْرُهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عبدالواحد ابن ایمن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک دن میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ان کے جسم پر (مصر کے بنے ہوئے) قطری کپڑے کا کرتا تھا جس کی قیمت پانچ درہم تھی، حضرت عائشہؓ نے دوران گفتگو مجھ سے فرمایا کہ ذرا میری اس لونڈی کو تو دیکھو یہ کس قدر غرور کرتی ہے یہ گھر میں بھی اس کپڑے کو پہننے پر تیار نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس کو پہن کر باہر نکلے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میرے پاس اس طرح

کے یعنی قطری کپڑے کا ایک کرتا تھا اور مدینہ میں جو بھی عورت اپنی شادی میں یا کسی اور کی شادی کے وقت اپنی آرائش کرنا چاہتی وہ کسی کو میرے پاس بھیج کر وہی کرتا عاریتاً منگواتی۔ (بخاری)

توضیح

"درع" قمیص کو کہتے ہیں "قطری" معمولی قسم قطری یمنی کپڑا تھا یا بحرین کے علاقہ قطر کا بنا ہوا تھا "ثمن خمسة دراهم" ای ثمنه یعنی اس کی قیمت پانچ درہم تھی "وانظر الیها" یعنی تعجب کے ساتھ اس کو دیکھ لو "تزهی" یعنی اس کو حقیر سمجھتی ہے اور اس پر راضی نہیں ہے۔ تا پر پیش ہے زا ساکن ہے اور ھا پر فتحہ ہے پھر یا پر الف مقصورہ ہے تدعی کی طرح ہے تا پر زبر بھی جائز ہے۔

"تُقَیَّنُ" تقیین سے مجہول کا صیغہ ہے تزیین کے معنی میں ہے یعنی جب شب زفاف کے لئے عورت بن سنور کر شوہر کے ہاں بھیجی جاتی تھی تو وہ عورت میری طرف قاصد بھیج کر اس کپڑے کی قمیص بطور عاریت مانگا کرتی تھی تاکہ اس سے زینت حاصل کر سکے۔ آج زمانہ میں اتنا تغیر آگیا ہے کہ شریف زادیوں کے علاوہ ایک لونڈی گھر کے اندر اس کپڑے کے لباس پہننے کے لئے تیار نہیں ہے، بدلتے ہیں یہ آسمان کیسے کیسے۔ اس حدیث میں عہد رسالت سے دوری کی خرابیوں کی طرف اشارہ ہے ایک حدیث میں ہے کہ ہر پہلے دن سے ہر دوسرا دن خراب آتا ہے شاعر نے اس تغیر کو یوں بیان کیا ہے۔

کیسے کیسے ویسے ویسے ہوگئے ☆ ویسے ویسے کیسے کیسے ہوگئے

ریشمی لباس پہننا مردوں کے لئے حرام ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْماً قَبَاءَ دِيْبَاجٍ أُهْدِيَ لَهُ ثُمَّ أَوْشَكَ أَنْ نَزَعَهُ فَأَرْسَلَ بِهِ إِلَى عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ أَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ نَهَانِيْ عَنْهُ جِبْرِيْلُ فَجَاءَ عُمَرُ يَبْكِيْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَرِهْتَ أَمْراً وَأَعْطَيْتَنِيْهِ فَمَالِيْ فَقَالَ إِنِّيْ لَمْ أُعْطِكَهُ تَلْبَسُهُ إِنَّمَا أُعْطَيْتُكَهُ تَبِيْعُهُ فَبَاعَهُ بِأَلْفَيْ دِرْهَمٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ریشمی قبا پہنی جو آپ کو ہدیہ کے طور پر دی گئی تھی لیکن فوراً ہی اس قبا کو جسم مبارک سے اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا صحابی نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اس قبا کو اتنی جلد کیوں اتار ڈالا؟ آپ نے فرمایا مجھ کو جبرئیل نے اس کے پہننے سے منع کر دیا تھا (اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے وہ قبا ریشمی کپڑے کی حرمت نازل ہونے سے پہلے پہنی تھی)۔ پھر جب حضرت عمرؓ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے (یعنی اس ریشمی قبا کے پہننے کو) اس کو مجھے مرحمت فرما دیا ہے (تاکہ میں اس کو پہن لوں) اس صورت میں میرا کیا حال ہوگا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا"

میں نے وہ قبا تمہیں اس لئے نہیں دی ہے کہ تم اس کو پہنو بلکہ اس لئے دی ہے کہ تم اس کو بیچ ڈالو" چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس قبا کو دو ہزار درہم کے عوض بیچ دیا۔ (مسلم)

توضیح

"اوشک ان نزعه" یعنی آنحضرت نے بہت جلدی اس قبا کو پہننے کے بعد اتار دیا، اس پر کسی نے پوچھا کہ (فقد اوشک الخ) یعنی آپ نے اتنی جلدی اس قبا کو کیوں اتار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل امین نے منع کر دیا۔ حرمت سے پہلے آپ نے پہن لیا پھر حرمت کا حکم آگیا آپ نے اتار کر حضرت عمر کو ہدیہ کیا حضرت عمر روتے ہوئے آئے کہ ایک چیز حرام تھی تو کیا میں دین کے اعتبار سے اتنا گیا گذرا ہوں کہ حرام کو استعمال کر سکتا ہوں، آنحضرت نے تسلی دی کہ پہننے کے لئے نہیں بلکہ فروخت کرنے کے لئے دیا تھا۔

اگر کپڑے کا تانا ریشم کا ہو تو مردوں کے لئے جائز ہے

﴿٧٩﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الثَّوْبِ الْمُصْمَتِ مِنَ الْحَرِيْرِ فَاَمَّا الْعَلَمُ وَسَدَى الثَّوْبِ فَلَابَأْسَ بِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کو پہننے سے منع فرمایا ہے جو خالص ریشم کو ہو البتہ ریشم کی گوٹ یا بیل جو چار انگشت سے زائد نہ ہو اور وہ کپڑا جس کے تانے میں ریشم ہو اس کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ابوداود)

توضیح

"المصمت" یہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو خالص ریشم کا ہو یعنی تانا بانا دونوں ریشم ہوں لیکن اگر تانا ریشم کا ہو اور بانا سوت کا ہو تو وہ سوت کے حکم میں ہے جو جائز ہے اس کا عکس ناجائز ہے عربی میں دو لفظ آتے ہیں ایک "سدیٰ" کا لفظ ہے کپڑے کے طول میں جو دھاگے استعمال ہوتے ہیں اس کو سدیٰ (تانا) کہتے ہیں اور کپڑے کے عرض اور چوڑائی میں جو دھاگے استعمال ہوتے ہیں اس کو لحمة بانا کہتے ہیں کسی بھی کپڑے کی اصل بنیاد لحمہ ہوتا ہے سدی اصل نہیں ہے لہٰذا اگر لحمہ ریشم کا ہے تو کپڑا ریشمی کہلائے گا اور اگر لحمہ سوت کا ہے تو کپڑا سوتی کہلایا جائے گا یہی اشارہ اس حدیث میں ہے۔

"العلم" کپڑے کے اوپر پھول اور کشیدہ کاری کو علم کہتے ہیں چار انگشت کے برابر ریشم کے پھول وغیرہ جائز ہیں زیادہ نہیں۔

شال استعمال کرنا جائز ہے

﴿۷۰﴾وَعَنْ أَبِیْ رَجَاءٍ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ وَعَلَیْهِ مُطْرَفٌ مِنْ خَزٍّ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ نِعْمَةً فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ رَوَاهُ أَحْمَدُ

اور حضرت ابو رجاءؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمران ابن حصینؓ (گھر سے) نکل کر ہمارے پاس آئے تو اس وقت ان کے بدن پر خز کا مطرف (شال) تھا۔ انھوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس شخص کو اللہ تعالی اپنی نعمت سے سرفراز فرمائے تو اللہ تعالی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے پر اس کی نعمت کا اثر دیکھا جائے۔" (احمد)

توضیح

"مطرف" صاحب قاموس نے لکھا ہے "والمطرف کمکرم رداء من خز مربع ذو اعلام" اس سے معلوم ہوا کہ مطرف کے میم پر پیش ہے طا ساکن ہے را پر زبر ہے پھر فا ہے یعنی مطرف جو مکرم کے وزن پر ہے خز کی ایک خاص قسم دھاری دار چادر (شال) کو کہتے ہیں اب یہاں سوال یہ ہے کہ جب مطرف کے مفہوم میں خز (ریشم) داخل تھا تو پھر حدیث میں من خز کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی اس کا جواب شارحین یہ دیتے ہیں کہ یہاں خز سے مراد ریشم نہیں ہے بلکہ خز کا اطلاق جس طرح خالص ریشم پر ہوتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق ریشم اور اون دونوں سے بنے ہوئے کپڑے پر بھی ہوتا ہے یہاں یہی کپڑا مراد ہے اور اسی وجہ سے اس کے استعمال میں جواز آ گیا ہے بہر حال یہاں مطرف سے ایک خاص قسم خوبصورت پھول دار شال مراد ہے جس پر جائز مقدار تک ریشم کے پھول جڑے ہوئے تھے۔

خوب کھاؤ پیو مگر اسراف اور تکبر سے بچو

﴿۷۱﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَا اَخْطَاَتْکَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِیْلَةٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَرْجَمَةِ بَابٍ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا "(جائز و مباح چیزوں میں سے) جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو تاوقتیکہ دو چیزیں یعنی اسراف اور تکبر تم میں سرایت نہ کریں۔" (بخاری فی ترجمۃ باب)

"مااخطاء تک" یعنی جب تک کھانے پینے میں دو خصلتیں اسراف اور تکبر شامل نہ ہوں اس وقت تک کھانا پینا مباح ہے

جب اسراف آ گیا یا تکبر آ گیا اب اس مباح میں کراہت آ جائے گی پھر اس توسع کی گنجائش نہیں رہیگی۔

﴿۷۲﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ إِسْرَافٌ وَلَامَخِيْلَةٌ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی حاجت وضرورت کے بقدر کھاؤ اور پہنو اور جو چیز تمھاری حاجت اور ضرورت سے زائد ہو اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو نیز پہننے کی مباح چیزوں میں سے جو چاہو پہنو جب تک کہ اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو" (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

سفید کپڑوں میں اپنے رب سے ملاقات کرو

﴿۷۳﴾وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحْسَنَ مَازُرْتُمُ اللّٰهَ فِي قُبُوْرِكُمْ وَمَسَاجِدِكُمُ الْبَيَاضُ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ.

اور حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ بہترین کپڑا کہ جس کو پہن کر تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو، سفید کپڑا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"فی قبورکم" قبروں میں سفید کپڑوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب مرجاتا ہے تو بہتر اور احسن یہ ہے کہ اس کا کفن سفید ہو اگر چہ بوجہ مجبوری دوسرا رنگ بھی جائز ہے قبر میں آدمی کا آمنا سامنا اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ قبر صرف ایک گڑھے کا نام نہیں بلکہ عالم برزخ مراد ہے۔

"ومساجدکم" آدمی جب نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جاتا ہے تو نماز میں اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ملاقات ہوتی ہے اس وقت بھی سفید لباس میں ملاقات بہتر اور احسن ہے اس حدیث سے سفید لباس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اپنے رب سے ملاقات کے لئے سب سے عمدہ لباس یہی سفید لباس ہے۔

باب الخاتم

انگوٹھی پہننے کا بیان

الفصل الاول

سونے کی انگوٹھی مردوں کے لئے حرام ہے

﴿۱﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِتَّخَذَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَماً مِنْ ذَهَبٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ وَجَعَلَهُ فِيْ يَدِهِ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَلْقَاهُ ثُمَّ اتَّخَذَ خَاتَماً مِنْ وَرِقٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ لَايَنْقُشَنَّ اَحَدٌ عَلٰى نَقْشِ خَاتَمِيْ هٰذَا وَكَانَ اِذَالَبِسَهُ جَعَلَ فَصَّهُ مِمَّايَلِيْ بَطْنَ كَفِّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس انگوٹھی کو اپنے داہنے ہاتھ میں پہنا اور پھر اس کو پھینک دیا پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ کندہ کرائے اور فرمایا کہ کوئی شخص میری اس مہر کی مانند الفاظ اپنی انگوٹھی میں کندہ نہ کرائے نیز آنحضرت جب انگوٹھی پہنتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"من ذهب" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی اس وقت بنوا کر استعمال فرمائی تھی جبکہ مردوں کے لئے سونے کا استعمال حرام نہیں تھا جب سونے کا استعمال حرام ہوا تو آنحضرت نے اسے پھینکدیا۔

امام محمدؒ نے موطا محمد میں لکھا ہے کہ مردوں کے لئے جس طرح سونے کی انگوٹھی ناجائز ہے اسی طرح لوہے، کانسی اور پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی بھی ناجائز ہے لہٰذا مردوں کے لئے چاندی کے علاوہ کسی قسم کی کوئی انگوٹھی جائز نہیں ہے عورتوں کے لئے سونے کی انگوٹھی جائز ہے اور چاندی کی مکروہ ہے کیونکہ اس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہے ہاں اگر عورت چاندی کی انگوٹھی پر کچھ سنہرا رنگ چڑھا دے تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔قاضی خان نے لکھا ہے کہ جو شخص دستاویز پر مہر لگانے کی طرف محتاج ہو جیسے قاضی، گورنر اور حاکم وغیرہ تو ایسے لوگوں کے لئے انگوٹھی پہننا جائز ہے دوسروں کے لئے افضل یہ ہے کہ نہ پہنیں اگر کوئی پہنتا ہے تو جائز ہے اور مناسب ہے کہ بائیں ہاتھ میں پہن لے اور انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کردے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کی احادیث موجود ہیں مگر بعض علماء کے نزدیک وہ مردوں کے حق میں منسوخ ہیں مگر "سفر السعادة" میں لکھا ہے کہ دونوں

جائز ہیں میرے خیال میں یہی راجح ہونا چاہئے کیونکہ دونوں طرف صحیح احادیث موجود ہیں بلکہ شوافع حضرات تو دائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر فضیلت حاصل ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ چاندی کی کئی انگوٹھیاں بنوا کر گھر میں رکھنا تو جائز ہے لیکن استعمال کے لئے صرف ایک انگوٹھی کا استعمال جائز ہے دو یا تین کا ایک ساتھ استعمال جائز نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ انگوٹھی میں چاندی کی مقدار ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو اگر زیادہ ہو جائے تو وہ بھی جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صلح حدیبیہ کے بعد عام بادشاہوں کو خطوط لکھے تو آپ کو بتایا گیا کہ بادشاہوں کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ مہر شدہ خط کو خود کھول کر پڑھتے ہیں مہر کے بغیر خط کو قبول نہیں کرتے ہیں اس وجہ سے آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس کے نگینہ میں یہ عبارت نقش کروادی "محمد رسول اللہ" جس طرح آنے والی روایت نمبر ۴ میں تفصیل آرہی ہے۔

"ولاینقش" یعنی کوئی شخص میری مہر کی طرح الفاظ کندہ نہ کرائے۔ ظاہر ہے یہ ایک اصولی قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ مہر کی ایک سرکاری حیثیت ہوتی ہے اگر ہر آدمی کی مہر کا نقش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر کی طرح ہو جاتا تو اس میں آنحضرت کی مہر کی خصوصی سرکاری حیثیت متاثر ہو جاتی اور عام بادشاہوں کے ہاں اس مہر کی خصوصیت مشتبہ بن جاتی اس لئے آنحضرت نے منع فرمادیا اگر آپ منع نہ فرماتے تو صحابہ اس کو سنت سمجھ کر اپناتے اور آنحضرت کے عمل پر عمل کرتے۔

مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننا حرام ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لُبْسِ الْقَسِيِّ وَالْمُعَصْفَرِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ فِي الرُّكُوْعِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مردوں کو) قسی کپڑے، کسم کے رنگے ہوئے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا نیز آپ نے رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔ (مسلم)

توضیح

"القسی" ریشم کی ایک قسم ہے۔ قس کی طرف منسوب ہے جو مصر کا ایک شہر ہے۔ "تختم الذھب" یعنی مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا حرام ہے۔ "فی الرکوع" رکوع میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کا ایک مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ میں تسبیحات کے بجائے قرآن کریم مت پڑھو یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم کلام ہے اس کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو قیام اور قعود میں پڑھا جائے، اس ممانعت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو اس طرح عجلت اور بے اطمینانی سے نہ پڑھو کہ کچھ حصہ قیام میں پڑھا جائے اور قرأت کو مکمل کئے بغیر جلدی جلدی رکوع میں چلا جائے اور کچھ حصہ رکوع میں پڑھا جائے یہ مطلب راجح ہے۔

مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی دوزخ کی آگ کا انگارہ ہے

﴿۳﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى خَاتَماً مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِرَجُلٍ فَنَزَعَهُ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَعْمِدُأَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهِ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَمَاذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذْ خَاتَمَكَ إِنْتَفِعْ بِهِ قَالَ لَاوَاللّٰهِ لَاآخُذُهُ أَبَداً وَقَدْطَرَحَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اس کے ہاتھ سے اس انگوٹھی کو اتار کر پھینک دیا اور پھر فرمایا کہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دوزخ کی آگ کے انگارے کو حاصل کرے اور اس کو اپنے ہاتھ میں پہن لے (یعنی جو شخص اپنے ہاتھوں میں سونے کی کوئی چیز پہنے گا اس کا ہاتھ دوزخ کی آگ میں جلایا جائے گا اس صورت میں کسی مرد کا سونے کی انگوٹھی پہننا گویا اپنے ہاتھ میں دوزخ کی آگ کا انگارہ پہننا ہے) پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (وہاں سے) تشریف لے گئے تو اس شخص سے کہا گیا کہ تم اپنی اس انگوٹھی کو اٹھا لو اور اس سے فائدہ اٹھا لو یعنی چاہے تو اس کو فروخت کر ڈالو اور چاہے کسی عورت کو دے دو لیکن اس شخص نے کہا کہ نہیں خدا کی قسم میں اس کو کبھی نہیں اٹھاؤں گا جب کہ اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"جمرۃ" آگ کے انگارہ کو جمرۃ کہتے ہیں "خذ خاتمک" جس شخص کے ہاتھ سے آنحضرت نے انگوٹھی اتار کر پھینک دی تھی اس سے کسی نے کہا کہ اب اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اس کو کسی فائدہ میں لاؤ مثلاً فروخت کر دو یا بیوی کو پہنا دو اس وفادار عاشق رسول نے فرمایا کہ جس چیز کو آنحضرت نے خود میرے ہاتھ سے نکال کر پھینکا ہے میں کبھی بھی اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ طاقت وقدرت کے وقت نہی عن المنکر ہاتھ ڈال کر کرنا چاہئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرام آنحضرت کے کتنے فرمانبردار اور کتنے وفادار اور کتنے عاشق تھے آج کل عشق کے دعویدار صرف نمائشی کدو ہیں الا ماشاء اللہ۔

مہر نبوی کا نقش

﴿۴﴾وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ فَقِيْلَ إِنَّهُمْ لَايَقْبَلُوْنَ كِتَاباً إِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَماً حَلْقَتُهُ فِضَّةٌ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌرَسُوْلُ اللّٰهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ نَقْشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ

أَسْطُرٍ مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ وَاللّٰهِ سَطْرٌ

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ واپس آکر) کسریٰ (فارس کے بادشاہ) قیصر (روم کے بادشاہ) اور نجاشی (حبشہ کے بادشاہ) کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو عرض کیا گیا کہ (مروج قاعدہ کے مطابق) یہ بادشاہ اسی خط کو قبول کرتے ہیں (یعنی مستند سمجھتے ہیں) جس پر مہر لگی ہوئی ہو چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کے حلقہ والی انگوٹھی بنوائی جس میں ''محمد رسول اللہ'' کندہ کردیا گیا۔ (مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ اس انگوٹھی میں جو الفاظ کندہ کرائے گئے تھے وہ تین سطروں میں تھے اس طرح کہ ایک سطر میں (جو سب سے نیچی تھی) ''محمد'' کا لفظ تھا ایک سطر میں (جو بیچ میں تھی) ''رسول'' کا لفظ تھا اور ایک سطر میں (جو سب سے اوپر تھی) ''اللہ'' کا لفظ تھا۔

توضیح

''حلقة فضة'' یعنی الگ کوئی نگینہ نہیں تھا بلکہ اصل چاندی خود اس کا نگینہ تھا الگ نگینہ والی انگوٹھی کا ذکر بھی احادیث میں آنے والا ہے۔

مہر نبوی میں جو الفاظ کندہ تھے اس کا نقش اس طرح بنا ہوا تھا

الله

رسول

محمد

(اللہ اوپر پھر نیچے رسول پھر محمد) اسی کو امام بخاری نے الگ الگ تین سطر قرار دیا ہے کہ محمد ایک سطر ہے جو سب سے نیچے ہے اس کے اوپر دوسری سطر میں لفظ رسول ہے اور اس کے اوپر لفظ اللہ ہے اس میں مراتب ادب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا نگینہ

﴿۵﴾ وَعَنْهُ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ خَاتَمُهُ مِنْ فِضَّةٍ وَكَانَ فَصُّهُ مِنْهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا (بخاری)

توضیح

''فصه منه'' فص نگینہ کو کہتے ہیں اور منہ کا مطلب یہ ہے کہ نگینہ الگ کسی دھات کا نہیں تھا بلکہ خود اسی چاندی کا ایک حصہ نگینہ تھا اسی پر اوپر والی عبارت نقش اور کندہ تھی۔

﴿۶﴾وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ فِيْ يَمِيْنِهٖ فِيْهِ فَصٌّ حَبَشِيٌّ كَانَ يَجْعَلُ فَصَّهٗ مِمَّا يَلِيْ كَفَّهٗ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنی جس کا نگینہ حبشی تھا نیز آنحضرت انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی جانب رکھتے تھے (یعنی آپ اپنی انگوٹھی کو اس طرح پہنتے تھے کہ اس کا نگینہ والا حلقہ ہتھیلی کی طرف رہتا تھا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''حبشــــی'' یعنی اس انگوٹھی کا نگینہ عقیق کا تھا چونکہ عقیق کا پہاڑ حبشہ میں واقع ہے اس لئے اس کی طرف منسوب کر کے حبشی کہا گیا یا حبشی بول کر کالا رنگ مراد لیا گیا ہے کہ انگوٹھی کا نگینہ کالا تھا۔

اس روایت کا بظاہر سابق روایت سے تعارض ہے جس میں کہا گیا ہے کہ نگینہ الگ نہیں تھا اور زیر بحث روایت میں ہے کہ نگینہ الگ عقیق کا بنا ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک انگوٹھی کی بات نہیں ہے بلکہ کئی انگوٹھیوں کا قصہ ہے بعض کا نگینہ ساتھ تھا بعض میں نگینہ الگ دھات کا تھا۔

''ممایلی کفه'' یعنی آنحضرت تواضع اور زہد وتقویٰ اور ترک زینت کے پیش نظر انگوٹھی کا نگینہ ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے۔

آنحضرت کی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی خنصر میں ہوتی تھی

آنحضرت کی انگوٹھی بائیں ہاتھ کی خنصر میں ہوتی تھی

﴿۷﴾وَعَنْهُ قَالَ كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهٖ وَأَشَارَ إِلَى الْخِنْصَرِ مِنْ يَدِهِ الْيُسْرٰى. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی اس انگلی میں تھی حضرت انسؓ نے یہ کہہ کر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کی طرف اشارہ کیا۔ مسلم

کس انگلی میں انگوٹھی پہنی جائے؟

﴿۸﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتَخَتَّمَ فِيْ أُصْبَعِيْ هٰذِهٖ أَوْ هٰذِهٖ قَالَ فَأَوْمَأَ إِلَى الْوُسْطٰى وَالَّتِيْ تَلِيْهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ میں اپنی اس انگلی میں یا اس انگلی میں انگوٹھی پہنوں۔ راویؒ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر درمیانی انگلی اور اس کے قریب والی انگلی یعنی شہادت کی انگلی

کی طرف اشارہ کیا۔ (مسلم)

توضیح

انگوٹھی پہننے کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہن لی جائے وسطیٰ اور سبابہ میں پہننے کی ممانعت آئی ہے جس طرح زیر بحث حدیث میں ہے لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس طرح پہننا نہ حضور سے ثابت ہے نہ صحابہ سے ثابت ہے نہ تابعین سے ثابت ہے اسی طرح انگوٹھے میں پہننا بھی ثابت نہیں ہے لیکن یہ پابندی اور ممانعت مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے ممانعت نہیں ہے وہ دونوں ہاتھوں کی جس انگلی میں پہنیں سب جائز ہے۔

الفصل الثانی

مردوں کے لئے دائیں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بھی جائز ہے

﴿۹﴾عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَمِيْنِهِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ أَبُوْدَاوُد وَالنَّسَائِيُّ عَنْ عَلِيٍّ

حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کو اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ) ابوداؤد اور نسائی نے اس روایت کو حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔

﴿۱۰﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِيْ يَسَارِهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کو اپنے بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کے لئے حرام ہے

﴿۱۱﴾وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ حَرِيْراً فَجَعَلَهُ فِيْ يَمِيْنِهِ وَأَخَذَ ذَهَباً فَجَعَلَهُ فِيْ شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُد وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی کپڑا لیا اور اس کو اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اسی طرح سونا لیا اور اس کو اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑا اور پھر فرمایا کہ میری امت کے مردوں کے لئے یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔" (احمد، ابوداؤد، نسائی)

توضیح

یعنی ایک ہاتھ میں ریشم دوسرے میں سونا لیا اور اعلان فرمادیا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں (اور عورتوں کے لئے حلال ہیں) بعض بے ہمت لوگ سونے کی انگوٹھی کو اس بہانے سے پہنتے ہیں کہ اگر کوئی حادثہ

ہو جائے تو اس انگوٹھی کو فروخت کر کے سفر میں پیسہ کام آ جائے گا میں کہتا ہوں کہ پھر جیب میں رکھو پہنتے کیوں ہو؟ نیز آفت آنے سے پہلے اس کا انتظار کرو گے تو پھر آفت آئے گی عافیت کیوں نہیں مانگتے ہو؟

قلیل مقدار میں سونا استعمال کیا جا سکتا ہے

﴿۱۲﴾وَعَنْ مُعَاوِيَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ رُكُوْبِ النُّمُوْرِ وَعَنْ لُبْسِ الذَّهَبِ إِلَّا مُقَطَّعاً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چیتے کی کھال کی زین پر سوار ہونے سے منع فرمایا اسی طرح آپ نے مردوں کو سونا پہننے سے منع فرمایا الا یہ کہ وہ بہت قلیل مقدار میں ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الامقطعاً" سونے کے پارچوں اور ٹکڑوں پر مقطع کا اطلاق کیا گیا ہے مراد قلیل مقدار سونا ہے جس طرح قلیل مقدار میں ریشم کی اجازت ہے اسی طرح نہایت قلیل مقدار میں سونے کے استعمال کی بھی اجازت ہے جیسے تلوار کی ٹوپی اور دستے پر ہو یا سونے کی کیل ٹھونک دی ہو یا سونے کا معمولی تار کسی چیز میں استعمال کیا گیا ہو یا انگوٹھی اور کسی اسلحہ وغیرہ کو سونے کا پانی دیا گیا ہو یا گھڑی کے ڈائل وغیرہ میں سونے کے کچھ ذرات ہوں یہ قلیل مقدار حرام نہیں ہے اسی کو مقطعاً کے الفاظ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

لوہے اور پیتل کی انگوٹھی استعمال کرنا منع ہے

﴿۱۳﴾وَعَنْ بُرَيْدَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ عَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ شَبَهٍ مَالِيْ أَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ الْأَصْنَامِ فَطَرَحَهُ ثُمَّ جَاءَ وَعَلَيْهِ خَاتَمٌ مِنْ حَدِيْدٍ فَقَالَ مَالِيْ أَرٰى عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ فَطَرَحَهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ أَتَّخِذُهُ قَالَ مِنْ وَرِقٍ وَلَا تُتِمَّهُ مِثْقَالاً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ وَقَدْ صَحَّ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ فِي الصُّدَاقِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اِلْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَماً مِنْ حَدِيْدٍ

اور حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو پیتل کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا فرمایا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم میں بتوں کی بو پاتا ہوں یعنی آپ نے اس شخص کے سامنے یہ بات بطور تعریض فرمائی کیونکہ عام طور پر پیتل ہی کے بت بنائے جاتے تھے۔ چنانچہ اس شخص نے آنحضرت کی یہ ناگواری دیکھ کر اس انگوٹھی کو اتار کر پھینک دیا پھر جب دوبارہ وہ شخص آیا تو لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا آنحضرت نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تم پر

دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں (یعنی آپ نے یہ بات بھی بطور تعریض اس بناء پر فرمائی کہ کفار میں سے کچھ لوگ دنیا میں لوہے کی چیزیں پہنتے ہیں یا اس ارشاد میں اس طرف اشارہ تھا کہ کافروں کو دوزخ میں جو طوق وسلاسل پہنائے جائیں گے وہ لوہے کے ہوں گے اس لئے لوہے کی انگوٹھی پہننا دوزخیوں کی مشابہت اختیار کرنا ہے) چنانچہ اس شخص نے اس انگوٹھی کو بھی اتار کر پھینک دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر میں کس چیز کی انگوٹھی بناؤں؟ آپ نے فرمایا "چاندی کی اور وہ چاندی بھی پوری مثقال نہ ہو۔" (ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح

"شبہ" پیتل کو شبہ کہتے ہیں چونکہ یہ سرخی میں سونے کا مشابہ ہوتا ہے اس لئے اس کو شبہ کہہ دیا گیا۔

"ریح الاصنام" چونکہ پیتل اور تانبے سے عموماً بت بنائے جاتے ہیں اس لئے بتوں کی بو کا ذکر فرمایا۔

"حدید" لوہے کی انگوٹھی کو اہل نار کا زیور قرار دیا گیا اس لئے کہ دوزخ والے اس کو دنیا میں استعمال کیا کرتے ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ اہل نار کفار کو دوزخ میں لوہے کے طوق پہنائے جائیں گے لہذا جو لوگ دنیا میں لوہے کی انگوٹھی پہنتے ہیں وہ انہی کی مشابہت اختیار کرتے ہیں لوہے پیتل اور کانسی کی انگوٹھی مردوں کے لئے مکروہ تحریمی ہے اور سونے کی انگوٹھی حرام ہے (کذا فی فتاوی قاضی خان)

"ورِق" ورق "واؤ" پر زبر ہے "را" پر زیر ہے اور سکون بھی جائز ہے چاندی کو کہتے ہیں۔

"ولا تتمه مثقالاً" یعنی ایک مثقال چاندی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو۔

"قال محی السنة" شوافع حضرات کے نزدیک چونکہ لوہے کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے اس لئے محی السنۃ نے زیر بحث حدیث کے لئے ایک مقابل حدیث کا حوالہ دیا جس میں مہر کے عوض لوہے کی انگوٹھی دینے کو کہا گیا ہے جس سے اس کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت سہل کی روایت اس زمانہ پر محمول ہے جب لوہے کی انگوٹھی کی ممانعت اور حرمت کا حکم نہیں آیا تھا گویا زیر بحث حدیث اس کے لئے ناسخ ہے یا اس سے لوہے کی انگوٹھی ہی مراد نہیں ہے بلکہ خاتم حدید سے شئ قلیل کی طرف اشارہ ہے کہ مہر دو خواہ کچھ بھی ہو۔ کتاب النکاح میں تفصیل ہے۔

وہ دس اشیاء جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برا سمجھتے تھے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ عَشْرَ خِلَالٍ الصُّفْرَةَ يَعْنِي الْخَلُوْقَ وَتَغْيِيْرَ الشَّيْبِ وَجَرَّ الْإِزَارِ وَالتَّخَتُّمَ بِالذَّهَبِ وَالتَّبَرُّجَ بِالزِّيْنَةِ لِغَيْرِ مَحَلِّهَا وَالضَّرْبَ بِالْكِعَابِ وَالرُّقٰى إِلَّا بِالْمُعَوِّذَاتِ وَعَقْدَ التَّمَائِمِ وَعَزْلَ الْمَاءِ لِغَيْرِ مَحَلِّهِ وَفَسَادَ الصَّبِيِّ غَيْرَ مُحَرِّمِهِ

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس چیزوں کو برا سمجھتے تھے ایک تو زردی یعنی خلوق کے استعمال کو، دوسرے بڑھاپا تبدیل کرنے کو، تیسرے ٹخنوں سے نیچے تہبند یا پائجامہ کو لٹکا کر کھینچتے ہوئے چلنے کو، چوتھے مردوں کے لئے سونے کی انگوٹھی پہننے کو، پانچویں عورت کا بے محل زینت ظاہر کرنے کو، چھٹے نرد (چوسر) کھیلنے کو، ساتویں بجز معوذات کے جھاڑ پھونک کرنے کو، آٹھویں کوڑیوں اور منکوں کے باندھنے کو، نویں بے موقع عزل یعنی عورت کی شرمگاہ سے باہر منی گرانے کو دسویں بچے کے خراب کرنے کو، اگرچہ آپ اس کو حرام نہیں فرماتے تھے۔ (ابوداؤد ونسائی)

توضیح

"الصفرة" یہ ایک زرد رنگ کا عطر ہے جو عورتوں کے ساتھ خاص ہے مردوں کے لئے نہیں ہے اس کو خلوق بھی کہتے ہیں شاعر ساحر کہتے ہیں ۔

خلوقية في خلوقيه ☆ سويداء من عنب الثعلب

"وتغيير الشيب" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ سر اور داڑھی میں سفید بالوں کو چن چن کر اکھیڑنا منع ہے یہ بڑھاپے کو تبدیل کرنے کے معنی میں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سفید بالوں کو کالا خضاب لگانا منع ہے۔

سوال:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہندی استعمال کرنا بھی ناجائز ہے حالانکہ احادیث میں اس کی ترغیب موجود ہے؟

جواب:

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مہندی کا خضاب تغير الشيب سے مستثنیٰ ہے احادیث میں اس کا استثناء موجود ہے گویا ابتداء میں تغير الشيب کی مطلق ممانعت تھی پھر مہندی کے استعمال کی اجازت مل گئی۔

دوسرا جواب ملا علی قاری نے دیا ہے جو بہت عمدہ ہے فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں بڑھاپے کی تغییر وتبدیلی سے اس کا چھپانا مراد ہے اور بڑھاپا یا کالے خضاب سے چھپتا ہے یا سفید بالوں کے اکھیڑنے سے چھپتا ہے کیونکہ اس سے اشتباہ آتا ہے رہ گیا مہندی کا رنگ تو اس سے کوئی التباس واشتباہ کا امکان نہیں ہے بلکہ یہ تو بڑھاپے کا اعلان اور اظہار ہے اس لئے اس حدیث میں مہندی کے استعمال کرنے سے بحث ہی نہیں ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

"التبرج" زینت اختیار کرنے اور بناؤ سنگھار کو تبرج کہا گیا ہے "لغير محلها" یعنی بے موقع و بے محل بے جا زیب وزینت کا اظہار ممنوع ہے جیسے اجانب کے سامنے ہو، باقی موقع ومحل میں بناؤ سنگھار جائز ہے جیسے شوہر ومحارم کے سامنے ہو۔

"بالکعاب" یہ کعب کی جمع ہے چوسر کی گوٹوں اور مہروں کے معنی میں ہے جس کو پانسے بھی کہتے ہیں جن کو قرعہ کی مانند پھینک پھینک کر چوسر کھیلا جاتا ہے یہ قمار کی ایک قسم ہے جو ممنوع ہے۔ حنفیہ کے ہاں شطرنج کھیلنا بھی مکروہ ہے چوسر کی تو بات ہی اور ہے۔

"رقی" یہ رقیۃ کی جمع ہے اس سے منتر جنتر پڑھ کر دم کرنا مراد ہے جو شرعاً ممنوع ہے۔

"الا بالمعوذات" یعنی قرآن کے آخر میں دو معوذتین کے ذریعہ اگر کوئی شخص دم اور جھاڑ پھونک کرتا ہے وہ جائز ہے اسی طرح قرآن وحدیث میں جو تعوذات مذکور ہیں وہ بھی مراد ہیں جس کی اجازت ہے۔

"والتمائم" یہ تمیمۃ کی جمع ہے عرب میں منکوں (دانوں) اور ہڈیوں کو جوڑ کر ہار بنانے اور پھر بچوں کے گلوں میں باندھنے کا رواج تھا تا کہ بچے کو نظر بد نہ لگ جائے اسلام کے پاکیزہ نظام نے اس کو منع کر دیا جاہلیت کے اسی رواج کی طرف شاعر اشارہ کر کے کہتا ہے۔

وإذا المنية انشبت اظفارها ☆ الفيت كل تميمة لاتنفع

الغرض جو تعویذات مشرکانہ مبتدعانہ یا غیر معروف الفاظ پر مشتمل ہوں وہ منتر ہیں ناجائز ہیں لیکن جو تعویذات اور اوراد وظائف قرآن وحدیث میں ہوں وہ جائز ہیں دونوں میں فرق کرنا ضروری ہے سب کی نفی کرنا مناسب نہیں ہے۔

"وعزل الماء" یعنی بے محل عزل کرنا منع ہے بے موقع عزل وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ جماع میں آدمی بیوی کی مرضی کے بغیر عزل کرے اور اگر لونڈی کے ساتھ جماع میں آدمی عزل کرتا ہے تو وہ برمحل ہے بے محل نہیں ہے۔

"وفساد الصبی" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ماں کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہے شوہر نے بیوی کے ساتھ جماع کیا جس کے نتیجے میں وہ حاملہ ہوگئی جس سے ماں کا دودھ مضر صحت بن گیا جس سے دودھ پینے والا بچہ خراب ہو سکتا ہے جس کو داء الغیل کہتے ہیں جس کا بیان کتاب النکاح میں ہو چکا ہے اس عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے۔

"غیر محرمہ" یہ یکرہ سے حال واقع ہے جو منصوب ہے یعنی آنحضرت اس عمل کو ناپسند فرماتے لیکن اس کو حرام نہیں فرماتے یعنی دودھ پیتے بچے کی ماں سے جماع کرنے کو حرام قرار نہیں دیتے بلکہ صرف اس نقصان کو ناپسند فرماتے تھے۔

عورت کو بجنے والا زیور پہننا ممنوع ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ مَوْلَاةً لَهُمْ ذَهَبَتْ بِابْنَةِ الزُّبَيْرِ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَفِي رِجْلِهَا أَجْرَاسٌ فَقَطَعَهَا عُمَرُ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَعَ كُلِّ جَرَسٍ شَيْطَانٌ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ان کی آزاد کی ہوئی لونڈی حضرت زبیرؓ کی بچی کو حضرت عمر ابن خطابؓ کی خدمت میں

لے گئی اس وقت بچی کے پیروں میں گھنگرو تھے حضرت عمرؓ نے ان گھنگروں کو کاٹ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر جرس گھنٹی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔" (ابوداؤد)

توضیح

"جرس" یہ گھنگرو اور بجنے والی گھنٹی کو کہتے ہیں، عورت کے زیورات میں اگر اس طرح گھنگرو ہوں تو اس کا استعمال اسی طرح منع ہے جس طرح گھنٹیاں باندھنا اور بجانا منع ہے چھوٹے بچوں اور کتوں اور دیگر جانوروں کے پاؤں اور گردن میں گھنٹیاں باندھنا بھی منع ہے باندھنے والے گناہ گار ہونگے کیونکہ بچے تو غیر مکلف ہوتے ہیں۔

﴿١٦﴾ وَعَنْ بُنَانَةَ مَوْلَاةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حَيَّانَ الْأَنْصَارِيِّ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ إِذْ دُخِلَتْ عَلَيْهَا بِجَارِيَةٍ وَعَلَيْهَا جَلَاجِلُ يُصَوِّتْنَ فَقَالَتْ لَاتُدْخِلْنَّهَا عَلَيَّ إِلَّا أَنْ تُقَطِعَنَّ جَلَاجِلَهَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاتَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتاً فِيْهِ جَرَسٌ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبدالرحمن ابن حیان انصاریؓ کی آزاد کی ہوئی لونڈی بنانہ سے روایت ہے کہ وہ (ایک دن) حضرت عائشہ کے ہاں تھیں کہ حضرت عائشہ کی خدمت میں ایک چھوٹی لڑکی لائی گئی جو گھنگرو پہنے ہوئے تھی اور وہ بج رہے تھے، حضرت عائشہؓ نے (اس لڑکی کو لانے والی عورت سے) فرمایا کہ اس لڑکی کو میرے پاس اس وقت تک نہ لایا جائے جب تک کہ ان گھنگروں کو کاٹ کر پھینک نہ دیا جائے کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس گھر میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں باجے کی قسم کی کوئی چیز ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

"الجلاجل" یہ جلجل کی جمع ہے بجنے والے گھنگرو مراد ہیں اس سے پہلے حدیث میں "جرس" کی تفصیل اور یہاں جلجل کی تفصیل ایک جیسی ہے۔

شرعی مجبوری کے تحت سونے کا استعمال جائز ہے

﴿١٧﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ طَرَفَةَ أَنَّ جَدَّهُ عَرْفَجَةَ ابْنَ أَسْعَدَ قُطِعَ أَنْفُهُ يَوْمَ الْكُلَابِ فَاتَّخَذَ أَنْفاً مِنْ وَرِقٍ فَأَنْتَنَ عَلَيْهِ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَّخِذَ أَنْفاً مِنْ ذَهَبٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِي

حضرت عبدالرحمن ابن طرفہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا حضرت عرفجہ ابن اسعدؓ کی ناک کلاب کی لڑائی میں کاٹ ڈالی گئی تھی انھوں نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن اس میں بدبو پیدا ہوگئی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک بنوانے کا حکم دیا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"یوم الکُلاب" کاف پر پیش ہے کُلاب ایک جگہ کا نام ہے یوم لڑائی کے معنی میں ہے یعنی کلاب کی جنگ میں اس صحابی کی ناک کٹ گئی تھی آپ نے چاندی کی ناک بنوائی لیکن اس میں بدبو پیدا ہوگئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سونے کی ناک لگانے کی اجازت دیدی سونے سے زخم درست ہو جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے تحت سونے کا استعمال جائز ہے فقہاء نے سونے کی ناک بنوانے اور دانتوں میں چاندی کے تار استعمال کرنے کو جائز لکھا ہے امام محمدؒ نے دانتوں میں سونے کا تار باندھنے کو بھی جائز لکھا ہے۔

زیورات میں زکوۃ ادا نہ کرنے پر شدید وعید

﴿۱۸﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُحَلِّقَ حَبِيْبَهُ حَلْقَةً مِنْ نَارٍ فَلْيُحَلِّقْهُ حَلْقَةً مِنْ ذَهَبٍ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطَوِّقَ حَبِيْبَهُ طَوْقاً مِنْ نَارٍ فَلْيُطَوِّقْهُ طَوْقاً مِنْ ذَهَبٍ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُسَوِّرَ حَبِيْبَهُ سِوَاراً مِنْ نَارٍ فَلْيُسَوِّرْهُ سِوَاراً مِنْ ذَهَبٍ وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِالْفِضَّةِ فَالْعَبُوْا بِهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے عزیز (یعنی بیوی یا اولاد وغیرہ کو ان کے کان یا ناک میں) آگ کا حلقہ پہنانا پسند کرتا ہو تو وہ اس کو سونے کا حلقہ ضرور پہنائے (یعنی سونے کا بالا وغیرہ پہنانے کی سزا یہ ہے کہ اس کو آگ کا بالا وغیرہ پہنایا جائے گا) جو شخص اپنے عزیز کی گردن میں آگ طوق ڈالنا پسند کرتا ہو تو وہ اس کو سونے کا گلوبند ضرور پہنائے اور جو شخص اپنے عزیز کو آگ کا کنگن پہنانا پسند کرتا ہو وہ اس کو سونے کا کنگن ضرور پہنائے لیکن چاندی کے استعمال کی تمہیں اجازت ہے کہ تم اس کو اپنے استعمال وتصرف میں لا سکتے ہو۔ ابوداؤد

توضیح

"ان یحلق حبیبہ" یعنی اپنے عزیز و اقارب مثلاً اولاد اور بیوی کو آگ کا حلقہ پہنانا چاہتا ہو اس کو سونے کا حلقہ اور زیور پہنادے۔

سوال:

یہاں سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں سونے کے زیورات استعمال کرنے پر شدید وعید سنائی گئی ہے اسی طرح اس حدیث کے بعد حدیث نمبر ۱۹ اور حدیث نمبر ۲۰ میں بھی سونے کے مختلف زیورات کے استعمال پر شدید وعید کا ذکر ہے حالانکہ اس سے پہلے

کئی احادیث میں سونے کے زیورات کو عورتوں کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے یہ واضح تعارض ہے اس کا حل کیا ہے؟

جواب:

علماء نے ان احادیث کی تطبیق میں کئی تاویلیں کی ہیں جس سے اس سوال کا جواب نکل آیا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ایک تاویل اور جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں مردوں کی طرح عورتوں کے لئے بھی سونے کے زیورات کا استعمال ممنوع تھا زیر بحث حدیث کا تعلق اسی زمانہ سے ہے۔ پھر عورتوں کے لئے سونے کے زیورات جائز قرار دیئے گئے جس طرح اس سے پہلے حضرت علی کی حدیث نمبر ۱۱ میں مذکور ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا تعلق ان عورتوں کے زیورات سے ہے جو ان زیورات کی زکوۃ ادا نہیں کرتی ہیں زکوۃ اگر چہ چاندی کے زیورات میں بھی ہوتی ہے لیکن سونے کو اس کی اہمیت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ہے ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ممانعت کا تعلق تکبر و تفاخر سے ہے۔

بہر حال ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس جواب سے احناف کا وہ موقف واضح ہو کر سامنے آگیا کہ زیورات میں زکوۃ آتی ہے۔

"فالعبوابها" یعنی چاندی میں جو تصرف چاہو وہ کرو لعب بمعنی کھیل سے تصرف مراد ہے۔

﴿۱۹﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ تَقَلَّدَتْ قِلَادَةً مِنْ ذَهَبٍ قُلِّدَتْ فِيْ عُنُقِهَا مِثْلُهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ جَعَلَتْ فِيْ أُذُنِهَا خُرْصاً مِنْ ذَهَبٍ جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ أُذُنِهَا مِثْلَهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو عورت سونے کا ہار پہنے گی قیامت کے دن اس کی گردن میں اسی طرح کا آگ کا ہار پہنایا جائے گا۔ اور جو عورت اپنے کان میں سونے کا بالا یا بالی پہنے گی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے کان میں اسی طرح کا آگ کا بالا یا بالی ڈالے گا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"قلدت" قلادہ گلے کے ہار کو کہتے ہیں "خرصا" خا پر پیش اور زیر دونوں پڑھے جاسکتے ہیں یہ اس چھوٹے حلقے کو کہتے ہیں جو کان میں ڈالا جاتا ہے۔ کانوں کا بالا یا بالی مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۱۱ سے یہ روایت منسوخ ہے۔

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أُخْتٍ لِحُذَيْفَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَامَعْشَرَ النِّسَاءِ أَمَالَكُنَّ فِي الْفِضَّةِ مَاتَحَلَّيْنَ بِهِ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تَحَلَّى ذَهَباً تُظْهِرُهُ إِلَّا عُذِّبَتْ بِهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت حذیفہؓ کی بہن سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتوں کی جماعت کیا تمہارے لئے چاندی میں وہ بات نہیں ہے کہ تم اس کا زیور بناؤ (یعنی تمہارے لئے چاندی کا زیور بنوانا کافی ہے) یاد رکھو تم میں سے جو بھی

عورت سونے کا زیور بنوائے گی اور پھر اس زیور کی (بے جا اور بے موقع) نمائش کرتی پھرے گی تو اس کو اس کے اس عمل کی بنا پر عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"امالکن" کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ تم چاندی کے زیور بنوا کر پہنو۔ "تظھرہ" یعنی اپنے زیورات کی بے جا و بے محل نمائش کرتی ہے تفاخر و تکبر کر کے دوسری مسکین عورتوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرتی ہے اس علت کی وجہ سے سونے کے زیورات کی ممانعت کی بات خوب سمجھ میں آتی ہے اور احادیث میں تعارض نہیں رہتا ممانعت کا تعلق و تکبر سے ہے۔

الفصل الثالث

اگر جنت میں ریشم اور سونا چاہتے ہو تو دنیا میں اس سے بچو

﴿۲۱﴾عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْنَعُ أَهْلَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَاتَلْبَسُوْهَا فِي الدُّنْيَا. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیور والوں اور ریشم والوں کو منع فرماتے تھے (یعنی ان چیزوں کے پہننے کی ممانعت بیان کرتے تھے) اور فرماتے تھے کہ اگر تم جنت کے زیور اور جنت کے ریشم کی خواہش رکھتے ہو کہ جنت میں تمھیں یہ چیزیں ملیں تو دنیا میں ان چیزوں کو نہ پہنو۔" (نسائی)

توضیح

"یمنع" مردوں کے لئے ... اور ریشم حرام ہے حدیث کا تعلق مردوں سے ہے خطاب مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں ہے۔
"اھل الحلیة والحریر" اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو سونے کے زیورات اور ریشم کا لباس استعمال کرتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سونے کی انگوٹھی

﴿۲۲﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّخَذَ خَاتَماً فَلَبِسَهُ قَالَ شَغَلَنِيْ هٰذَا عَنْكُمْ مُنْذُالْيَوْمِ اِلَيْهِ نَظْرَةٌ وَاِلَيْكُمْ نَظْرَةٌ ثُمَّ اَلْقَاهُ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انگوٹھی بنوائی اور اس کو پہنا پھر آپ نے (حاضرین کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ آج کے دن اس انگوٹھی نے مجھ کو تمھاری طرف سے مشغول رکھا (یعنی میں تمھاری طرف متوجہ نہ رہ سکا) کیونکہ کبھی تو اس انگوٹھی کی طرف دیکھتا ہوں اور کبھی تمہاری طرف دیکھتا ہوں۔ اور یہ (کہہ کر) آپ

نے اس انگوٹھی کو اتار پھینکا۔ (نسائی)

توضیح

"شغلتنی" معلوم ہوا دنیا کی زیب وزینت سے ہر آدمی متاثر ہوسکتا ہے اس لئے ہر مسلمان کے لئے ترک زینت اور بناؤ سنگھار سے احتراز انتہائی ضروری ہے ورنہ دنیا کے سمندر میں غرق ہوجائیں گے۔

"القاها" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انگوٹھی سونے کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید حرمت سے پہلے بوقت اباحت پہن رکھی تھی پھر پھینک دی۔

ناجائز لباس یا زیور بچوں کو پہنانا بھی منع ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ أَنَا أَكْرَهُ أَنْ يُلْبَسَ الْغِلْمَانُ شَيْئًا مِنَ الذَّهَبِ لِأَنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ التَّخَتُّمِ بِالذَّهَبِ فَأَنَا أَكْرَهُ لِلرِّجَالِ الْكَبِيْرِ مِنْهُمْ وَالصَّغِيْرِ. رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ.

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ لڑکوں کو سونے کی کوئی چیز پہنائی جائے کیونکہ مجھ تک روایت پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بھی استعمال کرنے سے منع فرمایا (اور جب انگوٹھی جیسی چیز بھی ممنوع ہے تو اور چیزیں بطریق اولیٰ ممنوع ہوں گی) لہٰذا میں مردوں کے لئے (سونا پہننا) برا سمجھتا ہوں خواہ وہ بڑے ہوں یا بچے ہوں۔ (موطا)

توضیح

"والصغير" یعنی جو لباس اور زیور مردوں کے لئے ممنوع ہے وہ بچوں کو پہنانا بھی منع ہے مثلاً ریشمی لباس چھوٹے لڑکوں کو پہنانا منع ہے۔ اسی طرح سونے کی انگوٹھی چھوٹے لڑکوں کو پہنانا منع ہے، اسی طرح چاندی کے تعویذات یا دیگر زیورات چھوٹے لڑکوں کو پہنانا منع ہے۔ اگر بڑوں نے پہنادیا تو بڑے گناہ گار ہوں گے۔ زیر بحث روایت میں امام مالک کے اس فتویٰ کا مطلب ومقصد بھی یہی ہے۔

باب النعال

پاپوش کا بیان

"نعال" نعل کی جمع ہے، نعل اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ پیروں کو زمین سے بچایا جائے دوسرے لفظوں میں اسے پاپوش کا نام دیا جاتا ہے پاؤں میں استعمال ہونے والے جوتے چونکہ ہر زمانے میں بدلتے رہتے ہیں ہر قوم وملک کا اس میں الگ الگ رواج ہوتا ہے کبھی چپل، کبھی بوٹ، کبھی کھسہ وغیرہ ہوتا ہے اس لئے اس کو جمع کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے اس باب میں دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان پاپوشوں کی ہیئت اور صفات کا بیان مقصود ہے جو اس دور میں اہل عرب کے ہاں رائج تھے۔

چونکہ اس زمانہ میں بھی رائج جوتے مختلف قسم کے ہوتے تھے اس لئے جمع کا صیغہ "نعال" استعمال کیا گیا ہے۔

الفصل الاول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ پاپوش

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعَرٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پاپوش مبارک پہنے ہوئے دیکھا ہے اس میں بال نہیں تھے۔ (بخاری)

توضیح

"شعر" کھال کو جب اچھی طرح دباغت دی جاتی ہے تو وہ صاف اور عمدہ بن جاتی ہے اور اس کے سارے بال اکھڑ جاتے ہیں لیکن اگر کھال مدبوغ ومصبوغ نہ ہو تو وہ سوکھ جاتی ہے اور بال اس کے اوپر رہ جاتے ہیں اس قسم کی کھال زیادہ عمدہ نہیں ہوتی زیر بحث حدیث کا مطلب یہی ہے کہ آنحضرت کے پاپوش پر بال نہیں تھے یعنی عمدہ کھال سے بنے تھے۔

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ نَعْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهَا قِبَالَانِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاپوش مبارک میں دو تسمے تھے۔ (بخاری)

توضیح

"قبالان" یہ تثنیہ ہے اس کا مفرد قبال ہے جوتے کے تسمے کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو حصہ انگلیوں کے درمیان میں ہوتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت کے جوتے میں دو تسمے تھے جو سامنے کی طرف انگلیوں میں پیوست رہتے تھے ایک تسمہ تو انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی کے درمیان ہوتا تھا جو آج کل ہوائی چپل میں ہوتا ہے اور دوسرا تسمہ انگوٹھے کے قریب وسطی اور اس کے ساتھ والی بنصر انگلی کے درمیان ہوتا تھا اس سے جوتا پاؤں میں مضبوط رہتا ہے اور یہ اس زمانہ کے رواج میں تھا آج کل یہ رواج عام نہیں ہے اہل سیرت نے زیر بحث حدیث میں مذکورہ جوتے کا نقشہ لکھا ہے اہل بدعت نے اس کو عام کیا ہے۔

جوتے کی اہمیت

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ غَزَاهَا يَقُوْلُ اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَايَزَالُ رَاكِباً مَاانْتَعَلَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک غزوے کے موقع پر کہ جس میں جنگ ہوئی (یعنی کسی جہاد کے لئے روانگی کے وقت) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بہت سی جوتیاں لے لو کیونکہ آدمی جب تک جوتیاں پہنے ہوئے ہوتا ہے سوار کی مانند رہتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"فی غزوۃ" جوتوں کی اہمیت کے پیش نظر اہتمام کے ساتھ یہ اعلان غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت نے کروایا تھا چونکہ سفر دور کا تھا پیدل بھی تھا شدید گرمی کا موسم تھا اس لئے جوتوں کی ضرورت تھی لہٰذا جوتے کی اہمیت کی طرف آنحضرت نے اشارہ فرمایا کہ جب تک آدمی کے پاؤں میں جوتا ہوتا ہے گویا وہ آدمی سوار کی طرح ہے کیونکہ جوتے کے ساتھ آدمی تیز چلتا ہے پاؤں زخمی نہیں ہوتے اور گرمی سردی اور ٹھوکر لگنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

"ماانتعل" ای مادام الرجل لابس النعل یکون کالراکب. (مرقات)

جوتا پہننے اور اتارنے کا مسنون طریقہ

﴿۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی شخص جوتا پہنے تو اس کو چاہئے کہ دائیں پیر سے ابتدا کرے یعنی پہلے دایاں پیر جوتے میں ڈالے اور جب جوتا اتارے تو چاہئے کہ بائیں پیر سے ابتداء کرے یعنی پہلے بایاں پیر جوتے سے نکالے، حاصل یہ کہ دائیں پیر کو پہنتے وقت تو مقدم رکھنا چاہئے اور اتارتے وقت مؤخر رکھنا چاہئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"بالیمنی" اسلام میں دائیں جانب کو ایک اعزاز واکرام حاصل ہے لہٰذا دایاں پیر بائیں پیر کی نسبت زیادہ قابل اکرام ہے ادھر جوتا پہننا جوتا اتارنے کی نسبت زیادہ باعث اکرام واعزاز ہے اس قاعدہ کے پیش نظر اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب جوتا پہنو تو ابتداء دائیں پیر سے کرو تا کہ قابل اعزاز عضو کو پہلے اعزاز ملے اور جب جوتا اتارنے لگو تو ابتدا بائیں پیر سے کرو تا کہ جوتا پہننے کا اعزاز دیر تک دائیں پیر کو حاصل رہے گویا اس اعزاز کی ابتدا وانتہاء میں دائیں پیر کا لحاظ رکھا گیا ہے اس سے "ان الله يحب التيامن الخ" کی حدیث پر خوب عمل ہو جاتا ہے۔

ایک پیر میں جوتا ایک ننگا یہ بے ڈھنگا عمل ہے

﴿۵﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَمْشِيْ أَحَدُكُمْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ لِيُحْفِهِمَا جَمِيْعاً أَوْ لِيُنْعِلْهُمَا جَمِيْعاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایک پیر میں جوتا پہن کر نہ چلے یہ ضروری ہے کہ یا تو دونوں پیر ننگے ہوں یا دونوں پیروں میں جوتے ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فی نعل واحدة" شمائل ترمذی میں نعل واحد میں چلنے کی رایت ہے آئندہ حدیث نمبر ۹ میں پوری تفصیل لکھی گئی ہے وہاں دیکھ لیا جائے یہاں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر جوتا پہنے تو دونوں پیروں میں پہنے اگر نہ پہنے تو دونوں پیروں میں نہ پہنے ایک پاؤں میں جوتا رکھنا اور دوسرے پاؤں کا ننگا رکھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس طرح کرنا تہذیب وشائستگی کے خلاف ہے جو بے ڈھنگا لگتا ہے۔ دوسرا اس میں تکلیف وپریشانی بھی ہے کہ ایک پاؤں اونچا ہوگا ایک نیچے ہوگا چلنے میں دشواری ہوگی گرنے کا خطرہ رہیگا۔ "ولیحفهما" یہ احفاء سے ہے پاؤں ننگا کرنے کے معنی میں ہے "یعنی یا دونوں پاؤں کو جوتے کے بغیر رکھے"۔ "لینعلهما" انعال سے ہے یعنی یا دونوں میں جوتا پہنے یا دونوں پاؤں کو ننگا رکھے۔

ایک موزہ پہن کر چلنا منع ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ نَعْلِهِ فَلَا يَمْشِيْ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ حَتّٰى يُصْلِحَ شِسْعَهُ وَلَا يَمْشِيْ فِيْ خُفٍّ وَاحِدٍ وَلَا يَاْكُلْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَحْتَبِيْ بِالثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا يَلْتَحِفُ الصَّمَّاءَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کی جوتی یعنی چپل وغیرہ کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک ہی جوتے میں نہ چلے بلکہ اس جوتی کا تسمہ درست کرلے اسی طرح ایک موزہ پہن کر نہ چلے اور نہ بائیں ہاتھ سے کھانا کھائے اسی طرح نہ تو ایک کپڑے میں گوٹ مارے (جبکہ اس کپڑے کا کوئی حصہ اس کے ستر کو چھپائے ہوئے نہ ہو) اور نہ کسی کپڑے کو بدن پر اس طرح لپیٹ لے کہ ہاتھ بھی اندر ہوں (اور ہاتھ نکالتے وقت ستر کھل جائے)۔ (مسلم)

توضیح

"شسعہ" جوتے کے تسمہ کو شسع کہا گیا ہے یعنی اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو صرف ایک جوتے میں سفر نہ کرو، اسی طرح ایک موزہ میں سفر نہ کرو کیونکہ یہ تہذیب وشائستگی کے خلاف ہے احتباء اور اشتمال الصماء کی تحقیق گذر چکی ہے۔

الفصل الثانی

آنحضرتؐ کے پاپوش مبارک کے تسمے

﴿۷﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ لِنَعْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مُثَنًّى شِرَاكُهُمَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاپوش مبارک میں دو تسمے تھے جن میں پیروں کی انگلیاں رہتی تھیں اور ان دونوں میں ہر تسمہ دوہرا تھا تاکہ تسمے کی مضبوطی بھی قائم رہے اور پاؤں میں دھنسے بھی نہیں۔ (ترمذی)

توضیح

"مثنیٰ شراکھما" یعنی سامنے کے تسمے دوہرے تھے تاکہ پاؤں میں گھس کر زخم نہ کرے نیز دوہرے ہونے سے مضبوطی آجاتی ہے یہاں اس حدیث میں صرف سامنے کے دو تسموں کا ذکر ہے ممکن ہے پاؤں کی پشت والے جو تسمے ہوتے ہیں وہ بھی مراد ہوں کیونکہ اس طرح جوتے استعمال ہوتے ہیں اور اس کے تسموں کو دوہرا کیا جاتا ہے تاکہ مضبوط بھی ہو اور چوڑے ہونے کی وجہ سے پاؤں میں بھی نہ چبھتے ہوں۔

کھڑے ہوکر بعض جوتوں کا پہننا منع ہے

﴿۸﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْتَعِلَ الرَّجُلُ قَائِماً. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر جوتا پہننے سے منع فرمایا ہے۔ ابوداود ترمذی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابوہریرہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"قائما" یہ ممانعت اس وقت ہے جب کھڑے ہوکر جوتا پہننا دشوار ہو جیسے بوٹ وغیرہ جوتے ہوتے ہیں اس کو تسلی سے پہننے کے لئے بیٹھنا پڑتا ہے تاکہ اس کا تسمہ خوب باندھ لیا جائے اگر کھڑے کھڑے ایسا کرے گا تو کبھی اٹھے گا کبھی گریگا بڑی مشقت ہوگی حدیث کی یہ نہی ارشادی ہے نیز بعض جوتوں کے لئے ہے ہر جوتے کے لئے نہیں ہے۔

ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنا کیسا ہے؟

﴿۹﴾وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ رُبَّمَا مَشَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهَا مَشَتْ بِنَعْلٍ وَاحِدَةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا اَصَحُّ

اور حضرت قاسم ابن محمد، حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض وقت ایک پاپوش پہن کر چلتے تھے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہؓ ایک پاپوش پہن کر چلیں۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ روایت اسناد کے اعتبار سے یا مفہوم و معنی کے اعتبار سے نہایت صحیح ہے۔

توضیح

"بنعل واحدة" یعنی شاذ و نادر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوتے میں بوجہ مجبوری گھر کے اندر چلتے تھے۔

سوال:

اب سوال یہ ہے کہ یہ حدیث اس سے پہلے تمام احادیث کی معارض ہے جن میں ایک جوتا پہن کر چلنا منع کر دیا گیا ہے۔ اس کا جواب کیا ہے؟

جواب:

علماء نے زیر بحث حدیث میں تاویلیں کرکے اس طرح جواب دیا ہے۔ پہلا جواب یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے یا اگر صحیح ہے

تو معمول بہ نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ حدیث بیان جواز کے لئے ہے کہ ایک جوتا پہن کر چلنا حرام نہیں ہے۔ تیسرا جواب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نادر کے درجہ میں تھا اور نادر معدوم کے حکم میں ہوتا ہے "والنادر کالمعدوم" چوتھا جواب یہ کہ اس کا تعلق گھر کے اندر سے ہے عام چلنے سے نہیں ہے۔ پانچواں جواب یہ کہ یہ عمل مکروہ تنزیہی پر محمول ہے لہٰذا باقی احادیث اور اس حدیث کا مآل و مرجع ایک ہی ہے کہ اس طرح کرنے میں کراہت تنزیہی ہے پھر آنحضرت نے بیان جواز کے لئے بعض دفعہ کراہت تنزیہی پر عمل کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں مکروہ نہیں ہوتا تھا بلکہ امت کی تعلیم کی بنیاد پر ثواب کا کام بن جاتا تھا۔ چھٹا جواب یہ کہ دراصل یہ حضرت عائشہؓ کا اپنا عمل تھا جس طرح دوسری روایت میں اس کا بیان ہے اور ترمذی نے اسی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

جوتے اتار کر بیٹھنا مجلس کے آداب میں سے ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ أَنْ يَخْلَعَ نَعْلَيْهِ فَيَضَعَهُمَا بِجَنْبِهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ بات سنت سے ثابت ہے کہ جب کوئی شخص بیٹھے تو اپنے جوتے اتارے اور ان کو اپنے پہلو میں رکھ لے (ابوداؤد)

توضیح

مطلب یہ ہے کہ مجلس میں جوتے سمیت نہ بیٹھے یہ آداب مجلس کے بھی خلاف ہے اور تہذیب و شائستگی کے بھی خلاف ہے۔ جوتا اتارنے سے پاؤں کو بھی راحت ملے گی آدمی کو بھی راحت ہوگی نیز جوتا اپنے بائیں پہلو کے پاس رکھنا چاہئے تاکہ دائیں جانب کی تکریم برقرار رہے اور سامنے بھی نہ رکھے کہ قبلہ کی طرف آدمی نماز پڑھتا ہے پیچھے بھی نہ رکھے چور اڑادیگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خفین کا ہدیہ

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ فَلَبِسَهُمَا. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيْهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

اور حضرت ابن بریدہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نجاشی (حبش کے بادشاہ) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو سیاہ موزے (یعنی کالے چمڑے کے پاتابے) بطور ہدیہ بھیجے جو سادہ یعنی غیر منقش تھے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بحالت طہارت پہنا۔ (ابن ماجہ) اور ترمذی نے اس روایت کو ابن بریدہ اور انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے یعنی ترمذی کی روایت میں عن ابن بریدہ کے بجائے عن ابی بریدہ ہے اور ان کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور ان موزوں پر مسح کیا۔

توضیح

نجاشی حبشہ کے بادشاہ کالقب ہوتا تھا ان کا نام "اصحمہ" تھا اور یہ مسلمان ہوگیا تھا جن کی نماز جنازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی۔ "خفین" پائتابے موزے مراد ہیں "اسودین" یعنی سیاہ کھال کے بنے ہوئے، سیاہ تھے "ساذجین" یعنی سادہ تھے اس پر کوئی پھول کشیدہ کاری نہیں تھی "فلبسھما" یعنی آنحضرت نے اسے قبول فرمایا اس پر مسح کیا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خفین کے بارے میں یہ تحقیق نہیں فرمائی کہ یہ کس قسم کی کھال سے بنائے گئے ہیں آیا یہ کھال حلال جانور کی تھی یا حرام کی تھی؟ مدبوغ تھی یا غیر مدبوغ تھی؟ آپ نے صرف یہ دیکھا کہ اوپر سے پاک ہے کوئی نجاست نظر نہیں آتی ہے اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکتفا کیا اس سے معلوم ہوا کہ بیرونی غیر مسلم دنیا سے جو چیزیں آتی ہیں اس میں اتنا دیکھنا کافی ہے کہ ظاہری طور پر کوئی نجاست نہیں ہے۔ اس باب میں فصل ثالث نہیں ہے۔

باب الترجل

کنگھی کرنے کا بیان

"ترجل" عربی زبان میں ترجل کنگھی کرنے کو کہتے ہیں خواہ سر میں ہو یا داڑھی میں ہو، لیکن عام طور پر ترجل سر میں کنگھی کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اگر داڑھی میں کنگھی ہو تو اس کو تسریح کے لفظ سے بیان کیا جاتا ہے۔ یہ باب بھی درحقیقت کتاب اللباس ہی کے ماتحت ہے کیونکہ کنگھی وغیرہ کا تعلق بھی بدن کی آرائش و زیبائش سے ہے جو لباس کے زمرے میں آتا ہے۔ اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو سے متعلق واضح ہدایات موجود ہیں اسی سلسلہ میں کنگھی کرنے کے فوائد اور طریقہ اور آداب وصفات بیان کرنے کے لئے باب الترجل کا عنوان باندھا گیا ہے۔ جس کے تحت ۲۸ مختلف احادیث میں کنگھی وغیرہ سے متعلق تفصیلی احکامات آئے ہیں۔

الفصل الاول

حائضہ عورت کا بدن ناپاک نہیں ہوتا

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں اپنے ایام حیض میں بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں کنگھی کیا کرتی تھی۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا عام بدن ایسا ناپاک نہیں ہوتا جس کے ساتھ ہاتھ لگانا منع ہو حضرت عائشہ حیض کی حالت میں آنحضرت کے سر کے بالوں میں کنگھی فرماتی تھیں، ظاہر ہے آنحضرت کے جسم اطہر سے حضرت عائشہ کا ہاتھ بار بار لگا ہوگا۔

پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ اَلْخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزیں فطرت میں داخل ہیں ایک تو ختنہ کرنا دوسرے زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کے لئے لوہے یعنی استرے وغیرہ کا استعمال کرنا تیسرے لبوں کے بال ترشوانا چوتھے ناخن کٹوانا اور پانچویں بغل کے بال صاف کرانا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الفطرة" فطرت سے انبیاء کرام کی سنت قدیمہ مراد ہے گویا یہ چیزیں خلقی، جبلی اور پیدائشی خصلتیں ہیں۔

ختنہ میں فقہاء کا اختلاف

"الختان" شوافع کے ہاں ختنہ واجب ہے احناف کے ہاں سنت مؤکدہ ہے۔

دلائل

شوافع نے بطور استدلال کہا کہ ختنہ شعائر اسلام میں سے ہے اور شعار واجب ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ تارک ختنہ کی نہ شہادت قبول ہے نہ امامت قبول ہے یہ دلیل وجوب ہے۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ احادیث میں فطرت کا لفظ آیا ہے جو سنت کے معنی میں ہے سنن المرسلین کا لفظ بھی آیا ہے اسی طرح حدیث میں ہے "الختان سنة للرجال ومكرمه للنساء"۔ (رواہ احمد)

جواب

شعار کا لفظ وجوب کے لئے یقینی نہیں ہے سنت میں بھی شعار ہوسکتا ہے باقی حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ اس شخص کے بارے میں ہے جو ختنہ کا انکار کرتا ہے یا اس کو حقیر سمجھتا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ احناف کے ہاں بھی ختنہ واجب ہو اور سنت کا اطلاق اس وجہ سے ہو کہ یہ ثابت بالسنۃ ہے خود واجب ہے۔ ملا علی قاری کا کلام قواعد کے مطابق ہے کہ ختنہ واجب ہونا چاہئے کیونکہ آج تک اس پر استمرار کے ساتھ عمل جاری ہے کسی نے ترک نہیں کیا یہ وجوب کی دلیل ہے۔ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہو جائے تو ختنہ کی ضرورت نہیں ہے اگر کسی کا ختنہ نہیں ہوا یا نو مسلم ہے تو بعد میں ختنہ کیا جائے گا سات سے دس سال تک ختنہ کرنا چاہئے یہ ختنہ کا بہتر وقت ہے اگرچہ پیدائش کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور وہ آسان بھی ہے۔ چودہ انبیاء کرام مختون پیدا ہوئے تھے۔ حضرت آدم حضرت شیثؑ حضرت نوحؑ حضرت صالحؑ حضرت شعیبؑ حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ حضرت سلیمانؑ حضرت حنظلہ بن صفوان حضرت زکریا حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔

عورتوں کا ختنہ گرم ممالک میں ہوتا ہے فرج کے اندر چربی نما گوشت ابھرتا ہے ماہر عورتیں اس کو کاٹتی ہیں یہ لذۃ للجماع ہے

کوئی ضروری نہیں ہے۔شوافع کے نزدیک اب بھی مصر وغیرہ میں عورتوں کا ختنہ ہوتا ہے دعوت ہوتی ہے اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔

"الاستحداد" حدیدہ استعمال کرنے کے معنی ہے مردوں کے لئے لوہا استعمال کر کے زیر ناف بال ہٹانا زیادہ بہتر اور باعث قوت باہ ہے عورتوں کے لئے بال صفا وغیرہ نرم طریقہ بہتر ہے زیر ناف بالوں کی صفائی سات دن کے اندر بہتر ہے ورنہ پندرہ دن ورنہ ۴۰ دن اس سے زیادہ میں مکروہ ہے۔

"قص الشارب" مسئلہ کی تفصیل اور یہ حدیث توضیحات جلد اول ص ۵۵۶ باب السواک میں گذر چکی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے۔

"تقلیم الاظفار" ناخن تراشنا سنت ہے اس کا مستحب طریقہ اس طرح ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کیا جائے اور پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے لیکر انگوٹھے پر ختم کیا جائے۔پیروں میں یہ طریقہ ہے کہ دائیں پیر کی چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بائیں پیر کے انگوٹھے پر ختم کر دیا جائے۔توضیحات جلد اول صفحہ ۵۵۶ پر مزید تفصیل ہے۔

"نتف الابط" نتف اکھیڑنے اور چننے کے معنی میں ہے بغل کے بالوں کے لینے کو کہتے ہیں انگلیوں میں پکڑ کر یہ بال ہٹانا اچھا ہوتا ہے اگر استرا پھیرا گیا تو بالوں کا جنگل بن جائے گا پسینہ جمع ہو کر بغل سے بدبو اٹھے گی ہفتہ میں نتف ہو ورنہ بیس (۲۰) دن میں ہو ورنہ ۴۰ دن میں ہو زیادہ چھوڑنا مکروہ ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

اب یہاں یہ سوال ہے کہ زیر بحث حدیث میں پانچ خصائل کا ذکر ہے جبکہ باب السواک میں دس خصائل کا بیان ہے یہ تعارض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چند اہم خصائل کا بیان موقع ومحل کے مطابق کیا گیا ہے کوئی حصر مقصود نہیں نہ وہاں دس میں حصر مقصود ہے بلکہ دس سے زیادہ خصائل بھی ہیں اور نہ یہاں پانچ میں حصر مقصود ہے جتنا بیان کیا گیا وہ اہم خصائل اپنی جگہ پر ہیں اس کے علاوہ بھی ہیں جس کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے۔

داڑھی منڈانا اور مونچھ بڑھانا مشرکوں کا کام ہے

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ أَوْفِرُوا اللُّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ ،وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحٰى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل شرک کے خلاف کرو (یعنی وہ چونکہ داڑھیاں پست کراتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں اس لئے تم بایں طور ان سے اپنے آپ کو ممتاز رکھو کہ) تم داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ہلکی کراؤ۔اور ایک روایت میں یوں ہے کہ تم مونچھیں نہایت ہلکی کراؤ اور داڑھیاں چھوڑ دو۔(بخاری ومسلم)

توضیح

"اللحی" یہ لحیۃ کی جمع ہے لحیہ اصل میں جبڑے کی ہڈی کو کہتے ہیں پھر اس کا اطلاق ان بالوں پر ہوا جو جبڑوں کے اوپر ہیں اسی کو لحیہ کہتے ہیں۔ داڑھی رکھنا واجب ہے اس کو سنت اس لئے کہتے ہیں کہ سنت سے ثابت اور مسنون طریقہ ہے سوا لاکھ انبیاء کرام اور ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام میں ایک بھی داڑھی منڈانے والا نہیں تھا۔ داڑھی بڑھانے کے لئے "اوفروا" کا صیغہ بھی استعمال کیا گیا ہے جو وفر سے ہے اور بڑھانے کے معنی میں ہے اس کے لئے واعفوا کا صیغہ بھی استعمال کیا گیا ہے یعنی داڑھی کو معاف کرو اس کو ایسے ہی چھوڑ دو تا کہ یہ خوب بڑھ جائے، داڑھی بڑھانے کا حکم احادیث میں مذکور ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے البتہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر آدمی کا چہرہ چھوٹا ہو اور داڑھی اتنی لمبی اور بڑی ہو جائے کہ متقی پرہیزگار صلحاء اور علماء اس کو مناسب نہیں سمجھتے ہیں تو چہرہ کے تناسب سے داڑھی کو اطراف اور لمبائی سے کم کرنا جائز ہے کم کرنے کی آخری حد حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ ایک قبضہ مٹھی بھر تک کم کیا جا سکتا ہے اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے دین کی بات۔ اسی حد تک ہے باقی عقل کی بات ہے جو ہر عقلمند کی اپنی اپنی عقل ہے وہ دین نہیں ہے۔ توضیحات جلد اول ۵۷۶ پر تفصیل مذکور ہے۔ بہرحال زیر بحث حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ داڑھی بڑھانا اور مونچھ کٹانا مؤمن مسلمان کا کام ہے جو رحمان کا قانون ہے اور داڑھی کٹانا اور مونچھ بڑھانا کافر اور مشرک کا کام ہے جو شیطان کا قانون ہے۔

زیر ناف بالوں کو صاف کرنے کی آخری مدت

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرُكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مونچھیں ترشوانے، ناخون کٹوانے، بغل کے بال صاف کرانے اور زیر ناف بال مونڈنے کے بارے میں ہمارے لئے جو مدت متعین کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم ان کو چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔ (مسلم)

توضیح

"اربعین لیلۃ" اس روایت سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ صفائی کے یہ سارے کام چالیس دن کے اندر اندر نمٹانا چاہئے اس سے زائد مدت تک چھوڑنا باعث گناہ ہوگا لیکن دیگر روایات میں کچھ مزید تفصیل مذکور ہے حضرت ابن عمرؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ناخنوں اور لبوں کو ہر جمعہ میں ترشواتے تھے، زیر ناف بال بیس دن میں صاف کرتے تھے اور بغل کے بال چالیس دن کے بعد صاف کرتے تھے۔ فقہ کی ایک کتاب قنیہ میں لکھا ہے کہ افضل یہ ہے کہ صفائی کے یہ

سارے کام ہفتہ وار کیا جائے اگر ہفتہ میں ممکن نہ ہو تو پندرہ دن میں کیا جائے اگر اس پر عمل نہ ہوسکا تو چالیس دن میں کیا جائے اس سے زائد مدت تک چھوڑنا بلا عذر سمجھا جائے گا یعنی افضل تو ہفتہ وار ہے متوسط پندرہ دن ہے آخری حد چالیس دن ہے اس کے بعد مکروہ اور وعید ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغل اور زیر ناف بالوں کو چالیس دن میں صاف کرتے تھے اور بعض حضرات کی روایت کے مطابق تیس دن میں صاف کرتے تھے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں بغل اور زیر ناف بال ایک ہفتہ میں نہیں منڈایا جاسکتا اس لئے کہ یہ اتنی جلدی نہیں بڑھتے ہیں اس کیلئے تیس دن کی مدت معتدل قول ہے ملاعلی قاری کا یہ فیصلہ بہت اچھا ہے باقی رہ گئے ناخن اور مونچھ تو وہ ہفتہ وار صاف کیا جاسکتا ہے۔

بالوں میں سیاہ خضاب کرنے کا تفصیلی مسئلہ

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَایَصْبُغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور عیسائی خضاب نہیں لگاتے لہٰذا تم ان کے خلاف کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لایصبغون" یعنی یہود ونصاریٰ داڑھی کے سفید بالوں میں خضاب اور کسی قسم کا رنگ نہیں کرتے تم ان کی مخالفت میں داڑھی میں خضاب کیا کرو۔

سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصباغ اور رنگ اور خضاب کے حوالہ سے مہندی کی بہت زیادہ ترغیب دی ہے۔ زرد رنگ کی بھی اجازت دی ہے البتہ کالے رنگ سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے ساتھ والی حدیث میں "واجتنبوا السواد" کا جملہ موجود ہے جو امام مسلم نے نقل کیا ہے جو شخص مسلم کی روایت کو موضوع کہے گا وہ بدعتی ہوگا کیونکہ بخاری اور مسلم کی احادیث کی صحت پر امت کا اجماع ہوگیا ہے امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی سند میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے "غیروا الشیب ولاتقربوا السواد" (رواہ احمد)

ملاعلی قاری نے بحوالہ نووی نقل کیا ہے کہ خضاب کے بارے میں چند اقوال ہیں صحیح قول یہ ہے کہ بالوں میں ہر قسم کا رنگ اور خضاب کرنا مستحب ہے خواہ مرد کرے یا عورت کرے البتہ کالے رنگ کا خضاب حرام ہے۔ (مرقات ۲۱۴ ج ۸)

امام محمدؒ اپنی موطا میں اس طرح لکھتے ہیں:

"لانری بالخضاب بالوسمة والحناء والصفرة باساً وان ترکه ابیض فلاباس به کل ذٰلک حسن" (مرقات)

شرح شرعۃ الاسلام میں لکھا ہے کہ:

"الخضاب سنة ثبت قولاً وفعلاً اماقولاً فلحديث ابی هريرة السابق. وامافعلاً فلما قال ابن عمران النبی صلی الله عليه وسلم كان يصفرلحيته بالورس والزعفران". (مرقات)

وفی مجمع الفتاوىٰ اختلفت الرواية فی ان النبی صلی الله عليه وسلم هل فعل الخضاب فی عمره؟ والاصح انه لم يفعل الخضاب فی لحيته لعدم الحاجة اليه، واماخضاب رأسه بالحناء فهومشهور وقيل كان فعله غيرمرة لدفع الصداع والحرارة قلت ويزيده ماورد فی الاختضاب من الاحاديث" منها "اختضبوابالحناء فانه يزيدفی شبابكم وجمالكم ونكاحكم". (رواه البزار)

"ومنها "اختضبوابالحناء فانه طيب الريح ويسكن الروع. (رواه ابويعلی والحاكم)

"ومنها "اختضبوا وافرقواوخالفوا اليهود، (رواه ابن عدی)

قال الغزالی فی الاحياء الخضاب بالسواد خضاب الكفار، ويقال اول من خضب بالسواد فرعون لعنه الله. (مرقات)

وعن ابن الدرداء رفعه قال عليه السلام من خضب بالسواد سودالله وجهه يوم القيامة. (رواه الطبرانی)مرقات ج۸ص ۲۳۳

ان تمام روایات سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ اسلام میں خضاب کرنا جائز اور مستحب ہے البتہ کالے رنگ کا خضاب منع ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خضاب کرنا تنا ضروری ہے اور یہود سے مخالفت کا ذریعہ ہے تو اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خضاب کے بغیر سفید داڑھی کو سفید چھوڑنا منع ہے حالانکہ زیادہ تر مسلمان رنگ نہیں کرتے بلکہ طبعی حالت پر بال سفید رکھتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہود کسی بھی رنگ اور خضاب کو جائز نہیں سمجھتے تم خضاب کو ناجائز نہ سمجھو بلکہ یہود کی مخالفت کر کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھو پھر خضاب کرو تو بھی جائز اور اچھا ہے اور خضاب نہ کرو بلکہ داڑھی کو طبعی حالت پر چھوڑ دو یہ بھی جائز اور اچھا ہے جیسا کہ امام محمد کا فتویٰ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ "وان ترکه ابیض فلاباس به".

اب یہاں یہ بات رہ گئی کہ فقہاء کے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنے کا کیا حکم ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ نووی مسلم کی شرح ص ۱۹۹ پر اس طرح لکھتے ہیں:

ہمارے مسلک شوافع کے مطابق سفید بالوں کا خضاب مستحب ہے اور مردوں اور عورتوں کے لئے سیاہ رنگ کے علاوہ ہر رنگ مستحب ہے سیاہ رنگ کا خضاب بعض کے ہاں مکروہ ہے مگر مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے اور یہی ہمارا مسلک ہے، قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں کہ سلف صالحین کا پہلے تو اس میں اختلاف ہے کہ آیا بالوں کا کسی رنگ ۔ سے خضاب کرنا افضل ہے یا سفید رکھنا افضل ہے بعض سلف نے ترک خضاب کو افضل قرار دیا ہے کیونکہ ایک حدیث میں خضاب کرنے سے ممانعت آئی ہے نیز آنحضرت نے خود خضاب کو استعمال نہیں کیا ہے حضرت علی حضرت عمر اور ابی بن کعب رضی اللہ عنھم کا مسلک بھی یہی ہے۔ سلف صالحین کے ایک اور طبقہ کا مسلک یہ ہے کہ خضاب کرنا افضل ہے صحابہ کی ایک بڑی جماعت کی یہی رائے ہے کیونکہ کثیر احادیث میں خضاب کی ترغیب وارد ہے۔

اس کے بعد ان سلف کا آپس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا سیاہ خضاب کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

صحابہ کی ایک بڑی جماعت سیاہ خضاب کے عدم جواز کی قائل ہے لیکن چند صحابہ و تابعین ایسے بھی ہیں جنہوں نے سیاہ خضاب کو استعمال کیا ہے ان میں حضرت عثمان بن عفان، حضرت حسین بن علی اور حضرت حسن بصری کے نام مشہور ہیں۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ دونوں طرف صحیح روایات موجود ہیں لیکن اس میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ شارحین حدیث نے سیاہ خضاب استعمال کرنے کو چند مجبوریوں پر حمل کیا ہے چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں "وروی ان عثمان والحسن والحسین خضبوا لحاهم بالسواد للمهابة". (مرقات ج ۸ ص ۲۱۳)

علامہ شامی لکھتے ہیں قوله عليه السلام غيروا هذا الشيب واجتنبوا السواد قال الحموی وهذا فی حق غير الغزاة ولايحرم فی حقهم للارهاب ولعله محمل من فعل ذلک من الصحابة. (فتاویٰ شامی ج ۶ ص ۷۵۶)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب احناف کے ہاں مکروہ تحریمی ہے چنانچہ بذل المجهود شرح ابوداود میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ وفی الحديث تهديد شديد فی خضاب الشعر بالسواد وهو مكروه كراهية التحريم. (بذل المجهود ج ۵ ص ۸۲)

ان روایات اور فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ سیاہ خضاب استعمال کرنا ائمہ احناف کے ہاں مکروہ تحریمی ہے اور شوافع کے ہاں مطلق حرام ہے شریعت کی نظر میں اس حرمت کا اصل منشأ یہ ہے کہ بوڑھے اور جوان میں التباس نہ آئے اور کوئی کسی کو دھوکہ نہ دے سکے کیونکہ بوڑھا ادھیڑ عمر کا آدمی ہوگا لیکن خضاب کی وجہ سے اپنے آپ کو جوان ظاہر کریگا یہ دھوکہ چونکہ صرف سیاہ خضاب سے ہوتا ہے اس لئے اس کو منع کردیا گیا دیگر رنگوں سے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ بوڑھا ہے اس لئے مہندی لگائی ہے

تو التباس نہیں آئے گا نیز سیاہ خضاب میں تغییر خلق اللہ بھی ہے۔ بہر حال اس شخص کیلئے احادیث میں شدید وعید ہے جو سیاہ خضاب استعمال کرتا ہے ہاں مجاہد کے لئے گنجائش ہے تا کہ دشمن پر رعب ہو یا ایسے شخص کے لئے جس کی شادی تو جوان لڑکی سے ہوئی ہو وہ اپنی بیوی کے پیش نظر ایسا کرتا ہے تو باوجود خلاف اولی ہونے کے جائز ہوگا یا کوئی شخص ایسے علاقے میں رہتا ہے کہ وہاں اس شخص سے شدید نفرت ہوتی ہے جو سیاہ خضاب استعمال نہ کرے ان مجبوریوں کی وجہ سے بدرجہ مجبوری سیاہ خضاب استعمال کرنا مجبوری ہے ورنہ وسیاہ خضاب کرنا کہاں ضروری ہے جب کمر جھک جائے تو خضاب سے کیا سیدھی ہوگی؟ بابا سعدی نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس نے سر کے سفید بالوں میں سیاہ خضاب کیا تھا تو فرمایا۔

موئے تلبیس سیاہ کردہ گیر ☆ راست نہ خواہد شد ایں پشت کوز

یعنی فرض کرلو تم نے سیاہ خضاب سے بالوں کو سیاہ کردیا اب جوان لگ رہی ہو لیکن یہ ٹیڑھی کمر کیسے سیدھی ہوگی؟ سیاہ خضاب کی ممانعت کے بارے میں آنے والی حدیث نمبر ۶ اور حدیث نمبر ۳۴ کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

بہر حال تعجب ہے ان علماء پر جو ان واضح ممانعت کو سمجھتے ہوئے پھر بھی کسی عذر شرعی کے بغیر سیاہ خضاب کو جائز کہتے ہیں اور اس پر کتابیں تصنیف کرتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

فان کنت لاتدری فتلک مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة اعظمُ

حضرت ابوبکرؓ کے والد کو خضاب کے بارے میں حکم

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أُتِىَ بِأَبِىْ قُحَافَةَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَرَأْسُهُ وَلِحْيَتُهُ كَالثُّغَامَةِ بَيَاضاً فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوْا هٰذَا بِشَىْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کے والد ابوقحافہ کو فتح مکہ کے دن لایا گیا اور اسی دن انہوں نے اسلام قبول کیا ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال گویا ثغامہ تھے یعنی بالکل سفید تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ان بالوں کی سفیدی کو کسی چیز کے ذریعہ بدل ڈالو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب کرنا یعنی سیاہ خضاب استعمال نہ کرنا۔ (مسلم)

توضیح

حضرت ابوبکر کے والد کا نام عثمان ہے ابوقحافہ ان کی کنیت تھی فتح مکہ کے موقع پر انتہائی بڑھاپے کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے جب آنحضرت کے پاس لائے گئے تو سر اور داڑھی کے بال ثغامہ پھول کی طرح سفیدی کی وجہ سے چمک رہے تھے آنحضرت

نے فرمایا اس پر خضاب کرو لیکن سیاہ خضاب سے بچو معلوم ہوا سیاہ خضاب استعمال کرنا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔

"الثغامة" یہ ایک پودا ہے جس کے پھول انتہائی سفید ہوتے ہیں اسی کے ساتھ بالوں کی سفیدی کو تشبیہ دی گئی ہے۔

یہود کے برعکس سر کے بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے

﴿۷﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدُلُونَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرُقُونَ رُؤُسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں ملتا تھا اس میں آپ اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے چنانچہ اہل کتاب اپنے سر کے بالوں کو یوں ہی چھوڑے رکھتے تھے (یعنی وہ مانگ نہیں نکالتے تھے بلکہ اپنے بالوں کو یونہی پڑے رہنے دیتے تھے) جب کہ مشرکین اپنے سروں میں مانگ نکالتے تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل کتاب کے طریقے کے مطابق) اپنی پیشانی کے بال یوں ہی چھوڑے رکھتے تھے لیکن بعد میں مانگ نکالنے لگے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"موافقة اهل الكتاب" چونکہ اہل کتاب کے پاس آسمانی کتاب اور آسمانی مذہب تھا اس لئے آنحضرت پر جب تک شریعت محمدیہ کے مطابق کوئی حکم نہ آتا آپ اہل کتاب کے طور طریق کو اہل مکہ کے مشرکین کے طور طریق پر ترجیح دیتے تھے اہل مکہ کے پاس حضرت ابراہیمؑ کے کچھ مٹے بجھے آثار ہوتے تھے اسی قاعدہ کے مطابق آنحضرت نے سدل اور فرق کے معاملہ میں پہلے اہل کتاب کے طریق سدل کو ترجیح دی پھر وحی سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ سدل کا نہیں بلکہ فرق اور مانگ نکالنے کا تھا سر کے بالوں کو سر کے چاروں اطراف میں لٹکتے رہنے کا نام سدل ہے اور سر کے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دائیں بائیں کر کے درمیان میں مانگ نکالنے کا نام فرق ہے آنحضرت نے پہلے سدل کو اختیار کیا پھر یہود کے طریق کو چھوڑ دیا اور یہ صرف اس ایک واقعہ میں نہیں ہوا ہے بلکہ کئی واقعات ایسے ہیں جن میں آنحضرت نے یہود کی موافقت کے بجائے مخالفت کو اختیار کیا ہے مثلاً پہلے سدل کیا پھر مخالفت کر کے فرق کو اختیار کیا، پہلے بالوں کو سفید رکھا پھر خضاب کا حکم دیا، پہلے عاشوراء کا روزہ رکھا پھر اس کے ساتھ ایک اور کے ملانے کا حکم دیا، پہلے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی پھر مخالفت کر کے کعبہ کی طرف پڑھنا شروع کیا، پہلے حائضہ عورت سے بالکل بائیکاٹ کیا پھر جماع کے علاوہ اختلاط کا حکم دیا، پہلے جمعہ کے روزہ کا حکم دیا پھر اکیلے جمعہ کے روزہ کو منع کیا، پہلے جنازہ کے لئے قیام کا حکم دیا پھر یہود کی مخالفت میں ترک کردیا،

پہلے ہفتہ اور اتوار کے روزے رکھنے سے منع فرمایا پھر یہود و نصاریٰ کی مخالفت میں روزہ رکھنا شروع کیا کہ ان کی عید ہے تو ہم روزہ رکھیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے طور و طریق اپنانے سے کتنا دور رکھنا چاہتے تھے اور آج کل مسلمان حکمران ہر چیز میں یہود و نصاریٰ کو کس طرح گلے لگا رہے ہیں یہود و نصاریٰ ان کی طرف نہیں آئے ہیں بلکہ یہ لوگ اور ان کے نااہل حکمران ان کی طرف چلے گئے ہیں (فالی اللہ المشتکی)۔

سر کے بالوں میں قزع کرنا منع ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ قِيْلَ لِنَافِعٍ مَاالْقَزَعُ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَأْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَأَلْحَقَ بَعْضُهُمُ التَّفْسِيْرَ بِالْحَدِيْثِ

اور حضرت نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قزع سے منع فرماتے ہوئے سنا حضرت نافعؒ سے پوچھا گیا کہ قزع کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا قزع اس کو کہتے ہیں کہ لڑکے کے سر کے بعض حصہ کو مونڈا جائے اور بعض حصے کو چھوڑ دیا جائے۔ (بخاری ومسلم) اور بعض راویوں نے وضاحت کو حدیث کے ساتھ جوڑا ہے (یعنی ان راوی نے مطابق قزع کے یہ معنی آنحضرت ہی نے بیان فرمائے)۔

توضیح

"القزع" سر کے بعض بالوں کو کاٹنا اور بعض کو چھوڑنا قزع کہلاتا ہے "قال النووی القزع حلق بعض الرأس مطلقاً"۔

"قیل لنافع" یعنی حدیث کے راوی سے کسی نے پوچھا کہ قزع کیا چیز ہے تو آپ نے جواب میں قزع کی تعریف کی اس میں راوی نے قزع کو بچے کے ساتھ خاص کیا ہے یہ قید بوجہ رواج ہے کیونکہ عام طور پر قزع بچوں کے بالوں میں کیا جاتا ہے ورنہ ممانعت کے اعتبار سے جس طرح قزع بچے کے لئے مکروہ ہے اسی طرح بڑوں کے لئے بھی مکروہ ہے قزع کی بیشمار صورتیں ہیں بعض لوگ حج اور عمرہ کے دوران حلق کی غرض سے ایک چوتھائی سر ایک عمرہ پر کٹواتے ہیں پھر دوبارہ سہ بارہ ایسا کرتے ہیں پیچھے بال منڈاتے ہیں کچھ چھوڑتے ہیں قزع کی یہ مکروہ ترین صورت ہے بعض لوگ نظر بد سے بچاؤ کے لئے بچوں کے بالوں میں نالے بناتے ہیں آگے سے پیچھے اور دائیں سے بائیں طرف بال تراش کر لکیریں بناتے ہیں یہ بھی بدترین قزع ہے۔ بعض لوگ بچوں کے سر کے بالوں کو تراش کر پیشانی کے اوپر تالو تک بال چھوڑ دیتے ہیں اور اس کو چونڈے بولتے ہیں یہ بھی قزع ہے اسی طرح انگریزی بال رکھنا بھی قزع میں آتا ہے جیسے فوجی کٹ، سدھیر کٹ، سنتوش کٹ، پپی بال وغیرہ

وغیرہ، اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ اگر سر کے سارے بال برابر کٹوا کر چھوٹے کر دیئے گئے تو یہ قزع نہیں ہے لیکن اگر بعض بال چھوٹے اور بعض بڑے چھوڑ کر تراش خراش کیا یہ سب قزع ہے جو مکروہ ہے خواہ بڑے کریں یا چھوٹے بچے کریں، مذہبی شعار کے طور پر ہندو لوگ سر پر جو چوٹی رکھتے ہیں وہ بھی بدترین قزع ہے اگر کوئی مسلمان ہندوؤں کی طرح چوٹی رکھتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى صَبِيًّا قَدْ حُلِقَ بَعْضُ رَأْسِهِ وَتُرِكَ بَعْضُهُ فَنَهَاهُمْ عَنْ ذَالِكَ وَقَالَ احْلِقُوا كُلَّهُ أَوِ اتْرُكُوا كُلَّهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے لڑکے کو دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ مونڈا گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے لڑکے کی پرورش کرنے والوں کو اس سے منع فرمایا اور فرمایا کہ پورے سر کو مونڈ دیا پورے سر کو چھوڑ دو۔ (مسلم)

"احلقوا کلہ" اس حدیث میں بھی قزع سے ممانعت کا بیان ہے کیونکہ پورے بال کٹوانے یا پورے کو رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ بعض کو رکھنا اور بعض کٹوانا منع ہے جو قزع ہے۔

ہیجڑہ اور مخنث بننا حرام ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَقَالَ أَخْرِجُوْهُمْ مِنْ بُيُوْتِكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخنث مردوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں نیز آپ نے فرمایا کہ مخنثوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔ (بخاری)

توضیح

"المخنثین" مخنث باب تفعیل سے ہے اور مجرد میں سمع یسمع سے نرم پڑنے اور ٹوٹ پھوٹ اور شکستگی کے معنی میں ہے جن لوگوں کی حرکات وسکنات قول وفعل عورتوں کی طرح ہو لباس عورتوں کی طرح اپناتے ہوں آواز چال چلن میں عورتوں کی طرح انداز رکھتے ہوں یہ مخنث ہیں اس کو ہیجڑہ بھی کہتے ہیں اگر مخنث خلقی اور طبعی وپیدائشی ہو تو اس پر کوئی شرعی گرفت نہیں ہے وہ قدرتی آفت میں مبتلا ہے معذور ومجبور ہے لیکن اگر کوئی ٹھیک ٹھاک آدمی ہے اور وہ حرکات وسکنات میں عورتوں کا طرز زندگی اور وضع قطع اختیار کرتا ہے حتیٰ کہ جنسی آلہ کو تبدیل کرتا ہے تو یہ مجرم ہے اور اسی قسم پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ مہندی لگانا عورتوں کے

لئے مسنون ہے اور مردوں کے لئے ضرورت کے بغیر مکروہ ہے مخنث کے مقابلہ میں یہاں ان عورتوں پر بھی لعنت کی گئی ہے جو طرز زندگی میں اور حرکات وسکنات اور اقوال وافعال میں مردوں کی چال چلن اپناتی ہیں ہاں رائے دینے اور علم میں مردوں کی مشابہت اختیار کرنے میں قباحت نہیں ہے۔

"اخرجوهم" چونکہ یہ مخنث میل جول کے اعتبار سے مردوں کے زمرہ میں آتے ہیں اس لئے فرمایا ان کو گھروں سے نکالدو تاکہ عورتوں کے ساتھ میل جول نہ رہے۔

﴿۱۱﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ (بخاری)

مردوں اور عورتوں کے لباس اور رہنے سہنے اور بود وباش کے الگ الگ طریقے ہیں اپنے اپنے طریقہ پر چلنا چاہیے تاکہ مشابہت نہ آئے۔

سر کے بالوں میں مصنوعی بال جوڑنے کا حکم

﴿۱۲﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ [illegible] جو عورت اپنے بالوں میں کسی دوسری عورت کے بالوں کو جوڑتا ہے (تا کہ خوبصورتی [illegible]) [illegible] جو عورت کسی دوسری عورت سے بالوں میں اپنے بالوں کا جوڑ لگانے اور جو عورت [illegible] عورت گدوائے ان سب پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الواصلة" یہ ضرب یضرب سے مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ملانا اور [illegible] ہے یہاں دوسرے انسان کے بالوں کو اپنے بالوں کے ساتھ جوڑنے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ ایک عورت اپنے بالوں کے حسن ودرازی کے لئے کسی دوسری عورت کے بالوں کا چوٹا اور گچھا لیکر اپنے بالوں کے ساتھ شامل کرتی ہے اس عورت کو واصلہ کہتے ہیں اور یہ کام باعث لعنت ہے کیونکہ اس میں تغییر خلق اللہ بھی ہے اور دوسرے انسان کے جسم کے اجزا سے شرعی ضابطہ کے بغیر فائدہ اٹھانا بھی ہے جو ناجائز ہے نیز اس میں دھوکہ اور جھوٹ بھی ہے۔ علامہ طیبی واصلہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

"الواصلة التي تصل شعرها بشعر آخر زوراً" (طیبی ج۸ ص ۲۵۰)
"والمستوصلة" یہ باب استفعال سے ہے سین اور تا طلب کے لئے ہے یعنی جو عورت کسی اور عورت سے مطالبہ کرتی ہے کہ میرے سر میں یہ بال جوڑ دو، علامہ طیبی یوں وضاحت فرماتے ہیں

والمستوصلة التي تأمر من يفعل بها ذلك

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی فارسی شرح اشعۃ اللمعات میں دونوں لفظوں کا مطلب اس طرح بیان کرتے ہیں کہ
واصلہ زنے کہ پیوندی کند مو یہائے خود را بمو یہائے دیگر تا بسیار شود و زیادہ گردد۔
و مستوصلہ آنکہ بفرماید دیگرے را کہ پیوند کند بمو یہائے وے مو یہائے دیگر (اشعۃ اللمعات ج۳ ص ۶۱۲)

ترجمہ: واصلہ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے بالوں کو دوسرے بالوں کے ساتھ پیوند لگا کر جوڑتی ہے تاکہ اس کے اپنے بال زیادہ گھنے اور لمبے ہو جائیں اور مستوصلہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی اور عورت سے مطالبہ کرتی ہے کہ میرے بالوں کیساتھ کسی اور کے بالوں کو پیوند لگا کر جوڑ دے۔

ان دونوں صورتوں میں عورت ایک ہی ہے اور اپنے بالوں کے بڑھانے کے چکر میں پڑی ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ واصلہ وہ ہے جو اپنے بالوں کو کسی اور عورت کے سر میں لگا کر جوڑتی ہے وہ صورت بھی اگرچہ ممنوع ہے۔ لیکن حدیث کا مطلب وہ نہیں ہے میں نے امتیاز ور یہاں اس لئے لگایا کہ مظاہر حق وغیرہ بعض شارحین کو یہاں سہو ہو گیا ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر انسان کے بالوں کو عورت اپنے بالوں میں جوڑتی ہے تو یہ مطلقاً حرام ہے۔ لیکن اگر بالوں کے علاوہ اون یا کوئی اور دھاگے ملاتی ہے اس کا حکم کیا ہے؟ تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ بھی جائز نہیں ہے فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ سر کے بالوں میں انسان کے بال شامل کرنا حرام ہے لیکن اون وغیرہ دھاگے شامل کرنا جائز ہے۔

اب اگر کوئی عورت کسی جانور کے بال مثلاً خچر گھوڑے کی دم کے بال اپنے بالوں میں شامل کرتی ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟
تو امام مالک اور دیگر اکثر علماء مطلقاً بالوں کے جوڑنے کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ حدیث کی ممانعت عام ہے یہی راجح ہے البتہ بعض علماء نے کچھ خاص حالت میں حیوان کے بالوں کو جوڑنا جائز قرار دیا ہے۔

آج کل بازاروں میں کئی کئی ہزار کے بنے ہوئے سر کے بال خول کے ساتھ ملتے ہیں عورتیں خریدتی ہیں اور مستحق لعنت بنتی ہیں۔
"الواشمة" وشم جسم گودنے کو کہتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ سوئی یا دیگر تیز دھار آلہ کو جسم میں چبھویا جائے جب زخم لگ جائے اور خون بہنے لگ جائے تو اس زخم میں سرمہ یا نیل وغیرہ ڈالکر بھر دیا جائے جب کھال مل کر زخم ٹھیک ہو جاتا ہے تو نیچے نیلے نشان اور خال نظر آتے ہیں جو ہمیشہ کے لئے رہتے ہیں واشمہ اسی عورت کو کہتے ہیں جو یہ عمل خود اپنے جسم میں کرتی ہے اور "مستوشمہ" اس عورت کو کہتے ہیں جو اس عمل کو خود نہیں کسی دوسرے شخص سے کرواتی ہے عبارت کا ترجمہ یوں ہے

''گودنے والی اور گدوانے والی عورت''۔

اس میں تغییر خلق اللہ ہے اس لئے حرام ہے علماء نے لکھا ہے کہ اگر نجس مادہ کھال کے نیچے دب کر رہ گیا تو پھر اس سے وضو اور غسل اور نماز صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ وہ جگہ نجس رہتی ہے واللہ اعلم

مصر ولیبیا اور افغانستان میں وشم کا یہ عمل بہت زیادہ ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

تغییر خلق اللہ حرام ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ مَالِيْ لَااَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَأْتُ مَابَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَاوَجَدْتُ فِيْهِ مَاتَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَأْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ اَمَاقَرَأْتِ مَاآتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ گودنے والی اور گدوانے والی عورتیں، منہ پر سے بال نچوانے والی عورتیں، افزائش حسن کے لئے دانتوں کو سوہان ریتی سے رتوانے والی عورتیں، ان سب پر کہ جو اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں تغییر کرتی ہیں اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے (جب ابن مسعودؓ کی یہ روایت عورتوں تک پہنچی تو) ایک عورت حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجتے ہیں؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میرے لئے کیا رکاوٹ ہے کہ میں اس پر لعنت نہ بھیجوں جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور جس کو کتاب اللہ میں ملعون قرار دیا گیا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے بھی اس چیز کو پڑھا ہے جو دو دفتیوں کے درمیان ہے۔ (یعنی میں نے بھی پورا قرآن کریم پڑھا ہے) لیکن اس میں مجھے یہ بات جو آپ کہتے ہیں (صریح الفاظ میں) کہیں نہیں ملی ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اگر تم قرآن کریم کو غور وفکر کے ساتھ اور سمجھ کر پڑھتی تو اس میں تمہیں یقیناً اس کا حکم ملتا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی ہے۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھو یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں جو کچھ دیں اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اور جس چیز سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو اس عورت نے کہا کہ ہاں یہ آیت تو میں نے پڑھی ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ بس یہ وہ چیز ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''اَلْمُتَنَمِّصَاتِ ''مُتَفَعِّلَاتٌ'' کے وزن پر ہے میم ثانی پر شد ہے منماص ای المنقاش موچنی اور اچھاوا کو کہتے ہیں چہرہ

سے چھوٹے چھوٹے بال جس آلہ سے نوچے جاتے ہیں اسی کو منماص کہتے ہیں اس طرح عمل کرنے والی عورت کو نامصہ کہتے ہیں جس کا ذکر دوسری حدیث میں ہے، یہاں متنمصہ کا ذکر ہے وہ یہ عورت ہے جو دوسروں سے یہ کام کرواتی ہے یعنی بال نوچوانے والی عورت ہے۔

"المتفلجات" یہ فَلَج سے ہے دو دانتوں کے درمیان فاصلہ اور کھڑکی کو کہتے ہیں جاہلیت میں حسن بڑھانے کے لئے عورتیں سوہان اور ریتی کے ذریعہ سے دانتوں کو گھساتی تھیں تاکہ دانت سلیقہ دار بن جائیں یا بیچ میں فاصلہ بنا کر دانتوں کو کھڑکی دار بنالیتی تھیں تاکہ خوبصورت لگے اس میں چونکہ خلق اللہ کی تغییر ہے اس لئے ممنوع اور باعث لعنت ہے "انــه" یعنی شان یہ ہے۔"کیت و کیت" یعنی واشمات اور اس کے بعد والی عورتوں پر آپ نے لعنت کی ہے ۔

"ومن هو فی کتاب الله"ای ومن هو ملعون فی کتاب الله.

حضرت ابن مسعود کے کلام سے اس عورت پر اشتباہ آگیا کہ قرآن میں کہاں مذکور ہے اس لئے کہنے لگی کہ میں نے پورے قرآن کو اول سے لیکر آخر تک پڑھا ہے یہ حکم وہاں نہیں ہے۔

"اللوحین" ای الدفتین، یعنی دونوں طرف سے اول سے لیکر آخر تک پڑھا ہے لوحین سے پورا قرآن مراد لیا ہے۔

"قرأتیه و جدتیه" دونوں جگہ میں اشباع ہے یعنی اگر تم واقعی سمجھ کر پڑھ لیتی! تو یہ حکم ضرور پالیتی!!

"فانه" یعنی آنحضرتؐ نے منع فرمایا ہے گویا قرآن نے منع فرمایا ہے۔

نظر بد ایک حقیقت ہے

﴿۱۴﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَيْنُ حَقٌّ وَنَهٰى عَنِ الْوَشْمِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نظر لگنا برحق ہے نیز آپ نے گودنے سے منع فرمایا۔ (بخاری)

توضیح

"العیــن حق" یعنی نظر بد ایک حقیقت ہے کوئی وہم اوہام نہیں ہے معتزلہ وغیرہ روشن خیال لوگ نظر بد کو نہیں مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف وہم ہے جس طرح پل پر سے گذرنے والا ڈرتا ہے اور اپنے آپ کو گرنے والا خیال کرتا ہے اسی طرح یہ شخص وہم میں مبتلا ہے کہ مجھ پر فلاں کی نظر لگ گئی ہے۔ اہل سنت فرماتے ہیں کہ نظر بد ایک حقیقت ہے یہ کوئی وہم نہیں ہے۔ قرآن و حدیث کی متعدد نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں معتزلہ کو خود وہم ہو گیا ہے۔

نظر بد لگنے کا طریقہ علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ عائن وناظر کی قوت واہمہ منظور پر اثر کرتی ہے تو وہ متأثر ہو جاتا ہے یا عائن وناظر کی آنکھوں سے باقاعدہ جراثیم جاتے ہیں اور منظور پر اثر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکم سے ناظر کی نظر میں یہ تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔اب یہاں سوال یہ ہے کہ وشم اور نظر بد کو ایک ساتھ کیوں رکھا گیا ہے حالانکہ نظر بد کی احادیث الگ باب میں آرہی ہیں یہاں اس کا کیا کام ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل وشم میں اکثر کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وشم کی وجہ سے نظر بد ختم ہو جاتی ہے اس کے جواب میں فرمایا کہ وشم نہ کرو نظر بد ایک حقیقت ہے وہ جب لگتی ہے تو وشم اس کو نہیں روک سکتا۔

﴿۱۵﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَبِّدًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملبد دیکھا ہے۔(بخاری)

توضیح

"ملبدا" اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے حج کے موقع پر گوند وغیرہ سے اپنے سر کے بالوں کو جما رکھا تھا کہ میں نے دیکھ لیا۔آنحضرت نے گرد وغبار سے بچاؤ کے لئے ایسا کیا ہوگا یا کوئی اور مقصد ہوگا احرام کی حالت میں ایسا کرنا جائز ہے لیکن بالوں کو ڈھانکنا جائز نہیں ہے۔

مرد کے لئے زعفران کا استعمال منع ہے

﴿۱۶﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَتَزَعْفَرَ الرَّجُلُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد اپنے بدن یا کپڑوں پر زعفران ملے۔(بخاری ومسلم)

توضیح

"ان یتزعفر الرجل" تزعفر زعفران سے بنا ہے مطلب یہ ہے کہ مرد نہ اپنے کپڑوں میں زعفران کی خوشبو استعمال کر سکتا ہے اور نہ زعفران کی خوشبو اپنے جسم پر مل سکتا ہے اس لئے کہ زعفران ملنا عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے باقی اگر بعض صحابہ نے زعفران کو استعمال کیا ہے یا خلوق کو استعمال کیا ہے جو زعفران کا دوسرا نام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاید وہ ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہو دوسرا جواب یہ ہے کہ نہایت قلیل مقدار میں استعمال کیا ہوگا ممانعت کثیر مقدار کی ہے۔

آنحضرت نے اعلیٰ خوشبو استعمال فرمائی

﴿۱۷﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أُطَيِّبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَطْيَبِ مَانَجِدُ حَتّٰى أَجِدُ وَبِيْصَ الطِّيْبِ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ مجھے جو بہترین خوشبو میسر آتی وہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لگاتی، یہاں تک کہ اس خوشبو کی چمک مجھ کو آپ کے سر اور داڑھی میں نظر آتی۔ (بخاری ومسلم)

مخلوط اور غیر مخلوط خوشبو کی دھونی کا ذکر

﴿۱۸﴾وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اسْتَجْمَرَ اسْتَجْمَرَ بِأَلُوَّةٍ غَيْرِ مُطَرَّاةٍ وَبِكَافُوْرٍ يَطْرَحُهُ مَعَ الْأَلُوَّةِ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا كَانَ يَسْتَجْمِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ جب خوشبو کی دھونی لیتے تو کبھی تو صرف اگر کی دھونی لیتے جس میں مشک وغیرہ مخلوط نہ ہوتا۔ اور کبھی کافور کی دھونی لیتے کہ اس کو اگر کے ساتھ (یعنی دونوں کو ملا کر) آگ میں ڈالتے نیز حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح دھونی لیتے تھے کہ کبھی تو صرف اگر کی دھونی لیتے اور کبھی کافور اور اگر دونوں مخلوط کر کے اس کی دھونی لیتے۔ (مسلم)

توضیح

"استجمر" استجمار کے کئی معنی آتے ہیں یہاں انگیٹھی میں خوشبو ڈال کر اس کی دھونی لینے کو استجمار کہا گیا ہے مراد خوشبو کی دھونی ہے۔

"بألوّة" باجارہ ہے ہمزہ پر زبر ہے پیش بھی جائز ہے لام پر پیش ہے واو پر شد اور زبر ہے اخر میں گول تا ہے۔

"وهي عود يتبخر به" یعنی الوۃ عود کو کہتے ہیں عود ایک اعلیٰ قسم کی لکڑی ہے جس کو جلا کر خوشبو حاصل کی جاتی ہے۔ حرمین شریفین میں مجمع کے اندر یا کبھی مطاف کے اندر عرب لوگ جلاتے ہیں لوگ دوڑ دوڑ کر دھونی لیتے ہیں۔ اس کو "اگر" بھی کہتے ہیں آج کل مسجدوں میں اگر کی بتی جلائی جاتی ہے "غیر مطراۃ" ای غير مخلوطة بغيرها من الطيب كالمسك والعنبر "یعنی الوۃ اور عود کبھی مشک وعنبر کے بغیر جلایا جاتا تھا اور کبھی اس کے ساتھ کافور ملا کر مخلوط جلایا جاتا تھا۔ یعنی ایک دفعہ کیلئے عود کی دھونی لیتے تھے اور دوسری دفعہ کافور وغیرہ مشک وعنبر ملا کر مخلوط کی دھونی لیتے تھے "یطرحہ" پھینکنے کے معنی میں ہے مخلوط مراد ہے "غیر مطراۃ" سے غیر مخلوط مراد ہے۔

الفصل الثانی

مونچھیں کٹانا قدیم سنت ہے

﴿۱۹﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ ﴿صَلَوَاتُ الرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ﴾ يَفْعَلُهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لبوں کو کترتے یا لیتے تھے اور حضرت ابراہیم جو خدا کے دوست تھے وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ یعنی وہ بھی اپنی لبیں ترشواتے تھے۔ (ترمذی)

مونچھیں بڑھانے والوں کے لئے وعید

﴿۲۰﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت زید ابن ارقم سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لبوں کو نہ کترواے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی)

توضیح

"فلیس منا" یعنی اس شعبہ میں ہمارے طریقہ پر نہیں ہے باقی دین میں ہے۔ یا ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں یہ بطور اسلوب حکیم فرمایا کہ وہ پریشان ہو کر توبہ کرلیگا یا یہ تشدید و تغلیظ اور تہدید و توبیخ ہے۔

داڑھی کو اطراف سے برابر کرنے کا حکم

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کو عرض و طول میں (یعنی نیچے سے بھی اور دائیں بائیں جانب سے بھی) کم کرلیتے تھے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

"یاخذ من اطراف لحیته" اس سے مراد وہ بڑھے ہوئے بال ہیں جو دوسرے بالوں سے بڑھ جاتے ہیں جس سے داڑھی کی ہمواری میں فرق آتا ہے اس لئے اس کے زائد حصہ کو کاٹا جاتا ہے اس سے داڑھی چھوٹی کرنے کا جواز نہیں نکلتا جس طرح مودودی صاحب کے پیروکار خشخشی داڑھی رکھتے ہیں البتہ ایک مشت تک داڑھی چھوٹی کرنا جائز ہے جس طرح حضرت ابن عمر نے کیا تھا اس سے کم کرنا جائز نہیں ہے داڑھی میں اصل حکم تو اعفاء اور بڑھانے کا ہے ایک قبضہ تک کم کرنا جواز کی آخر حد ہے گویا صحابی نے اخری حد کی حد بتائی ہے۔

مرد کو خلوق استعمال کرنا جائز نہیں

﴿۲۲﴾وَعَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى عَلَيْهِ خَلُوْقاً فَقَالَ أَلَكَ امْرَأَةٌ قَالَ لَا قَالَ فَاغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ اغْسِلْهُ ثُمَّ لَاتَعُدْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت یعلی ابن مرہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یعلیٰؓ کے کپڑوں پر زعفران سے مرکب خوشبو خلوق لگی ہوئی دیکھی تو فرمایا کہ کیا تم بیوی والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا تو پھر اس کو دھوڈالو پھر دھوؤ اور پھر دھوؤ اور پھر آئندہ کبھی اس کو استعمال نہ کرنا۔ (ترمذی ،نسائی)

توضیح

خلوق ایک قسم کا عطر ہے جس کو عورتیں استعمال کرتی ہیں زعفران سے خلوق کا عطر بنتا ہے جب مردوں کے لئے زعفران منع ہے تو خلوق بھی منع ہے۔

"الک امرأة" آنحضرت نے یہ اس لئے پوچھا کہ اگر بیوی والا ہے تو شاید اس کے جسم سے لگا ہوگا جو معاف ہے لیکن جب آنحضرت کو معلوم ہوا کہ اس نے مستقل طور پر استعمال کیا ہے تو آپ نے تین بار فرمایا کہ جاؤ اور اس کو دھوکر آؤ بلکہ تین بار دھوڈالو۔

﴿۲۳﴾وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ رَجُلٍ فِيْ جَسَدِهٖ شَيْءٌ مِنْ خَلُوْقٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے بدن پر تھوڑی سی بھی خلوق لگی ہوئی ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"خــلــوق" یعنی یہ شخص نماز پڑھیگا مگر عورتوں کی مشابہت کی وجہ سے نماز قبول نہیں ہوگی کیونکہ خلوق عورتوں کی خوشبو ہے اس نے مشابہت اختیار کی لیکن ابن ملک فرماتے ہیں کہ یہاں خلوق استعمال کرنے پر یہ وعید شدید آئی ہے جو زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ پر محمول ہے۔

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ قَدِمْتُ عَلٰى أَهْلِيْ مِنْ سَفَرٍ وَقَدْ تَشَقَّقَتْ يَدَايَ فَخَلَّقُوْنِيْ بِزَعْفَرَانٍ فَغَدَوْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ وَقَالَ اذْهَبْ فَاغْسِلْ هٰذَا عَنْكَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت عمار ابن یاسرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر سے واپسی میں اپنے گھر والوں کے پاس اس حال میں پہنچا کہ میرے دونوں ہاتھ پھٹے ہوئے تھے چنانچہ میرے گھر والوں نے (علاج کے طور پر) میرے ہاتھوں پر اس خوشبو کا لیپ کیا جس میں زعفران مخلوط تھی پھر جب میں صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا تو آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ جاؤ اور اس خوشبو کو اپنے بدن پر سے دھو ڈالو۔ (ابوداود)

"فلم یرد علی" یعنی خلوق استعمال کرنے کی وجہ سے آنحضرت نے مجھے سلام کا جواب نہیں دیا شاید آنحضرتؐ کو حضرت عمار کے عذر کا علم نہیں ہوا تھا۔ ورنہ وہ معذور و مجبور تھے بطور دوا استعمال کیا تھا۔

مردوں اور عورتوں کے عطریات میں فرق

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيْبُ الرِّجَالِ مَاظَهَرَ رِيْحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَاظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو تو ظاہر ہو لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہو جیسے مشک و عنبر اور عطر وغیرہ اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے جس کا رنگ تو ظاہر ہو لیکن اس کی بو نہ پھیلے جیسے مہندی اور زعفران وغیرہ۔ (ترمذی و نسائی)

توضیح

عورت باپردہ چیز ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے جسم کی خوشبو کسی اجنبی مرد پر نہ پڑے البتہ گھر کی زینت عورت کے لئے ضروری ہے اس لئے عورت کی خوشبو میں زینت زیادہ ہو خوشبو کم ہو اور مرد کا پردہ نہیں ہوتا اس لئے خوشبو تیز لگائے لیکن

زیبائش وزینت مرد کی شانِ مردانگی کے خلاف ہے تو اس کے عطر میں خوشبو تیز اور زینت کم ہونی چاہئے۔

﴿۲۶﴾وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سکہ تھی ایک مرکب خوشبو کا نام آپ اس میں سے خوشبو لگاتے تھے۔(ابوداؤد)

توضیح

"سکة" سین پر پیش ہے ک پر شد کے ساتھ زبر ہے اخر میں گول تا ہے۔ اکثر شارحین نے سکۃ کا ترجمہ ومفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ ایک مخلوط مرکب عطر ہے لیکن یہ بات دل کو لگتی نہیں ہے کیونکہ "یتطیب منها" کا لفظ اس کے ساتھ پورا موافق نہیں ہے۔

مرقات میں ملاعلی قاری نے کئی اقوال کے بعد فرمایا "وقیل الظاهر ان المراد بها ظرف فیها طیب"

علامہ جزری فرماتے ہیں کہ "ویحتمل ان یکون وعاء"۔

علامہ میرک کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ برتن ہوسکتا ہے۔

بہرحال عطر کی ڈبیہ مراد لینا بہت ہی اچھا ہے پھر اس کے اندر عطر مخلوط ہو یا غیر مخلوط ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آنحضرتؐ کثرت سے سر میں تیل لگاتے تھے

﴿۲۷﴾وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دُهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيْحَ لِحْيَتِهِ وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک میں کثرت سے تیل استعمال کرتے تھے کثرت سے داڑھی میں کنگھی کرتے تھے اور اکثر سر مبارک پر ایک کپڑا رکھتے تھے جو ایسا نظر آتا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔(شرح السنہ)

توضیح

"یکثر دهن" یہاں سوال یہ ہے کہ تیل تو آنحضرتؐ زیادہ استعمال فرماتے تھے لیکن کثرت سے کنگھی سے تو آپ نے منع فرمایا ہے یہاں کثرت کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس کثرت سے آپ نے منع فرمایا ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے یہاں کثرت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت فی نفسہ کنگھی زیادہ استعمال فرماتے تھے یہ مطلب نہیں کہ ممنوعہ حد تک کنگھی کا استعمال فرماتے تھے سر میں کنگھی کے لئے ترجل

اور داڑھی میں کنگھی کرنے کے تسریح کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

"ویکثر القناع" پگڑی وغیرہ کے نیچے جس نرم کپڑے کو استعمال کیا جاتا ہے اس کو قناع کہتے ہیں آنحضرت چونکہ سر میں تیل زیادہ استعمال فرماتے تھے اس لئے تیل لگانے کے بعد یہ نرم کپڑا پگڑی کے نیچے رکھتے تھے تاکہ پگڑی کو تیل نہ لگ جائے۔

"کان ثوبہ" ثوبہ میں جو ضمیر ہے یہ اسی قناع کے ثوب کی طرف راجع ہے یعنی جس نرم کپڑے کو آنحضرت پگڑی کے نیچے استعمال فرماتے تھے وہ کپڑا تیل میں اس طرح بھیگ جاتا تھا اور اس طرح چکنا رہتا تھا جس طرح تیل بیچنے والے آدمی کا کپڑا ہوتا ہے تیل بیچنے والے کے بدن کے کپڑے بھی چکنے ہوجاتے ہیں اور خاص کر اس کے ہاتھ میں ایک کپڑا ہوتا ہے جس سے وہ ہاتھ صاف کرتا ہے وہ تیل میں تر بتر رہتا ہے۔

بہر حال یہ ضمیر آنحضرت کے جسم مبارک پر پہنے ہوئے کپڑوں کی طرف نہیں لوٹتی ہے کیونکہ آنحضرت نظافت میں انظف الناس تھے۔ ملا علی قاری نے کچھ روایات بھی نقل فرمائی ہیں جن میں وضاحت اور تصریح کے ساتھ یہ ضمیر اسی قناع کی طرف لوٹائی گئی ہے۔

نبی پاک کے گیسوئے مبارک

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أُمِّ هَانِيءٍ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا بِمَكَّةَ قَدْمَةً وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ فتح مکہ کے دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے تو اس وقت آنحضرتؐ کے چار گیسو گندھے ہوئے تھے یعنی دو دائیں طرف تھے اور دو بائیں طرف۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"قدمة" یہ قدم کے لئے مفعول مطلق ہے قاف پر زبر ہے دال ساکن ہے میم پر زبر ہے "ای مرة واحدة" یعنی اس آمد سے فتح مکہ کی آمد مراد ہے۔ آنحضرتؐ چار بار مکہ تشریف لائے ہیں عمرۃ القضاء میں پھر فتح مکہ کے دن پھر طائف کے پاس جعرانہ سے آئے اور آخری بار حجۃ الوداع میں آئے "غدائر" یہ غدیرۃ کی جمع ہے اصل میں مینڈھی کو کہتے ہیں لیکن وہ مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ حفاظت کے پیش نظر آپ کے بال چار حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔

آنحضرت کی مانگ کا ذکر

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِذَا فَرَقْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ صَدَعْتُ فَرْقَهُ عَنْ

يَافُوْخِهٖ وَاَرْسَلْتُ نَاصِيَتَهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں میں مانگ نکالتی تو تالو پر سے بالوں کے دو حصے کر کے مانگ چیرتی اور آپ کی پیشانی کے بال دونوں آنکھوں کے درمیان چھوڑتی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"فرقت" فرق مانگ کو کہتے ہیں اور فرقت مانگ نکالنے کو کہا گیا ہے۔

"رأسه" یعنی سر کے بالوں میں مانگ نکالتی تھی "صدعت" صدع چیرنے کے معنی میں ہے مانگ نکالنے کے لئے بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کرنا مراد ہے۔

"یافوخه" یافوخ سر کے اس درمیانی حصے کو کہتے ہیں جہاں تالو ہوتا ہے بچپن میں یہ جگہ پھڑکتی رہتی ہے۔

"بین عینیه" حضرت عائشہؓ مانگ نکالنے کی صورت یہ بتاتی ہیں کہ اس کا ایک سرا تالو کے پاس ہوتا تھا اور دوسرا سرا دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کے اوپر ہوتا تھا یہ تو مانگ کی صورت ہوگئی اب ناصیہ اور چوٹی کے بالوں کی کیفیت اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ ناصیہ کے آدھے بال مانگ کی دائیں جانب ہوتے تھے اور آدھے بال مانگ کی بائیں جانب میں ہوتے تھے۔

حدیث کا یہی مفہوم ہے لیکن الفاظ کی تنگی ہے وضاحت پوری نہیں ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں "بین عینیه بحیث یکون نصف شعر ناصیته من جانب یمین ذلک الفرق والنصف الاٰخر من جانب یسار ذلک الفرق اه"

ملا علی قاری الفاظ کی تنگی اور باریک فرق کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں. "وتامل فیما بین القوسین من الفرق فانه فرق دقیق وبالتامل حقیق لمن له توفیق". (مرقات)

روزانہ کنگھی کرنے کی ممانعت

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّرَجُّلِ اِلَّا غِبًّا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عبداللہ ابن مغفلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا الا یہ کہ ایک روز ناغہ دے کر کنگھی کی جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"الاغبا" قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ "غب" کا لفظ ہر اس کام کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کام کو ایک دن کیا جائے اور ایک دن چھوڑا جائے۔ کنگھی کے بارے میں بھی یہی مطلب ہے کہ سر اور داڑھی میں روزانہ کنگھی نہ کرو کیونکہ مسلمان اس آرائش اور زیبائش کے لئے پیدا نہیں ہے اور نہ یہ تکلفات اس کی زندگی کا حصہ ہیں کہ ہر وقت خواہ مخواہ کنگھی ہی کے پیچھے پڑا رہے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ہر وضو کے بعد داڑھی میں کنگھی کرتے ہیں اور اس کو سنت سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت روزانہ دو مرتبہ کنگھی کرتے تھے علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا کوئی ثبوت نہیں ہے البتہ عورتوں کا حکم الگ ہے علماء نے لکھا ہے کہ عورت ہر روز کنگھی کر سکتی ہے کیونکہ اس کا کام ہی کنگھی چوٹی بنانا ہے۔ بہر حال یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے کسی فرض یا حرام کا نہیں ہے تاہم آج کل تو جوان مرد اور عورتیں ایسے بے حیا ہو گئے ہیں کہ چلتے چلتے اٹھتے بیٹھتے ہاتھ میں کنگھی ہے اور کرتے چلے جارہے ہیں ایسی بے حیا عورتیں بھی نظر آرہی ہیں جو سڑک کے کنارے کھلے عام سر میں کنگھی کرتی چلی جارہی ہیں۔

زیادہ عیش کی زندگی چھوڑ کر کبھی ننگے پیر چلا کرو

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِفُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ مَالِيْ أَرَاكَ شَعِثاً قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْهَانَا عَنْ كَثِيْرٍ مِنَ الْاِرْفَاهِ قَالَ مَالِيْ لَاأَرٰى عَلَيْكَ حِذَاءً قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا أَنْ نَحْتَفِيَ أَحْيَاناً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

حضرت عبداللہ ابن بریدہؒ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت فضالہ ابن عبیدؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ کو پراگندہ بال (یعنی آپ کے بال بغیر کنگھی کئے ہوئے) دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیش و آرام کی زیادہ چیزیں اختیار کرنے سے ہمیں منع فرمایا کرتے تھے (اور کنگھی و تیل کا زیادہ استعمال بھی اسی میں شامل ہے) اس شخص نے پھر یہ پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں آپ کے پیروں میں جوتیاں نہیں دیکھ رہا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ ہم کبھی کبھی ننگے پیر بھی پھرا کریں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"شعثا" پراگندہ بال کو کہتے ہیں اس میں زیادہ کنگھی نہ کرنے اور تیل نہ ڈالنے اور عیش کی زندگی ترک کرنے کی علامت تھی اس لئے جواب میں "کثیر من الارفاہ" کے الفاظ آئے ہیں جس کا مفہوم عیش و آرام کی زندگی ہے کہ کھانوں پر کھانے

ہوں لباسوں پر لباس کی بھرمار ہو "الارفاء التنعم ومظاهرة الطعام على الطعام واللباس على اللباس"(مرقات)

"ان نحتفی" ننگے پاؤں چلنے کو احتفا کہتے ہیں اس سے جفاکشی آتی ہے، پاؤں مضبوط ہو جاتے ہیں، تواضع اور انکساری آتی ہے اور ننگے پاؤں چلنے کی طاقت پیدا ہوتی ہے جو بوقت مجبوری کام آتا ہے نیز مٹی کے ساتھ پاؤں کے تلوے لگنے سے ٹی بی کی بیماری سے بچاؤ ہوتا ہے "احیانا" یعنی کبھی کبھی کا معمول ہو ہمیشہ نہ ہو۔

بہر حال ہر حال میں اعتدال بہترین حال ہے ۔

اپنی مٹی پہ تو چلنے کا سلیقہ سیکھو ☆ سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

اگر کوئی بال رکھے تو اس کا اکرام ضروری ہے

﴿۴۲﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ لَهُ شَعَرٌ فَلْيُكْرِمْهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سر پر بال رکھے ہوئے ہو اس کو چاہئے کہ اپنے بالوں کو اچھی طرح رکھے (یعنی ان کو دھویا کرے ان میں تیل لگایا کرے کنگھا کیا کرے اور مجنون شخص کی طرح ان کو بکھرا ہوا نہ رہنے دے کیونکہ نفاست وصفائی اور خوش سلیقگی ایک پسندیدہ و محبوب چیز ہے)۔(ابوداؤد)

توضیح

بالوں کا اکرام یہ ہے کہ اس میں تیل ڈالا جائے، اس میں کنگھی کی جائے، اس کو بنوایا جائے۔ اسلام شائستگی اور تہذیب کا حکم دیتا ہے اور ہر چیز کو اس کا جائز مقام دیتا ہے اور ہر چیز میں افراط و تفریط سے پاک اعتدال کی تعلیم دیتا ہے بالوں میں ایسا بھی نہ ہو کہ ہر وقت اس کی خدمت میں آدمی لگا رہے لیکن اگر بال رکھے ہیں تو آدمی پر لازم ہے کہ اس کی دیکھ بھال بھی کرے تا کہ معاشرہ میں رہنے سہنے کا قابل بن جائے۔

بہترین خضاب کونسا ہوتا ہے؟

﴿۴۳﴾وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کے ذریعہ بڑھاپے یعنی بالوں کی سفیدی کو تبدیل کیا جا سکتا ہے ان میں سب سے بہتر چیز مہندی اور وسمہ ہے۔(ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"الحناء والکتم" کتم ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو وسمہ کیساتھ ملا کر بالوں کے خضاب کے کام میں لائی جاتی ہے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کتم خود وسمہ کو کہتے ہیں۔ اب زیر بحث حدیث کے سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہے کہ آیا حناء اور کتم دونوں کو ملا کر خضاب کیا جائے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ صرف مہندی یا صرف وسمہ کا الگ الگ خضاب کیا جائے۔

علامہ ابن اثیر جزری نے نہایہ میں جو لکھا ہے اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں صرف حنا یا صرف کتم کا خضاب کرنا مراد ہے انہوں نے بطور دلیل یہ کہا ہے کہ اگر مہندی کے ساتھ کتم کو ملا دیا جائے تو اس سے سیاہ خضاب نکل آتا ہے اور سیاہ خضاب کا استعمال کرنا احادیث صحیحہ کثیرہ کی وجہ سے منع ہے لہٰذا یہاں "الحناء والکتم" میں واؤ بمعنی "او" ہے جو تنویع کے لئے ہے اور تنویع کے لئے واؤ آتا رہتا ہے اب حدیث کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ خضاب کرنے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ مہندی سے خضاب کرے یا کتم کا خضاب استعمال کرے۔ مہندی کا خضاب سرخ ہوتا ہے اور صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے۔ علامہ ابن اثیر کی یہ تحقیق تو بہت ہی عمدہ ہے لیکن ملا علی قاری وغیرہ شارحین فرماتے ہیں کہ حدیث کی ساری روایات میں واؤ مذکور ہے ان تمام اسانید کو خلاف ظاہر پر حمل کرنا دشوار ہے اس لئے بعض دیگر شارحین کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں واؤ بمعنی مع ہے اور حناء و کتم کے ملانے سے سیاہ رنگ نہیں آتا بلکہ سرخ مائل بسیاہی رنگ پیدا ہو جاتا ہے جس کو براؤن بھی کہہ سکتے ہیں۔

میرے خیال میں دراصل الجھن یہاں سے پیدا ہوئی ہے کہ حضرات شارحین نے کتم کے بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ نہیں کیا ہے بعض حضرات نے کتم کو وسمہ کہا ہے جو کالا رنگ ہے بعض نے اس کو ایسی گھاس قرار دیا ہے جس سے سبز رنگ پیدا ہوتا ہے بعض نے کتم کو سرخ رنگ والا پودا قرار دیا ہے اب حدیث میں لفظ مہندی کے ساتھ جس شارح نے جس رنگ کو ملایا ہے اس نے ویسے ہی فیصلہ کر دیا ہے ملا علی قاری کے خیال میں کتم سے پیدا ہونے والے رنگ کالا ہوتا ہے پھر آپ نے ایک جامع کلام پیش کیا ہے جس سے تمام حضرات کے کلام میں اتفاق آجاتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ کتم اور مہندی کے مخلوط خضاب کی مختلف نوعیت ہوتی ہے اگر کتم کے اجزاء مہندی پر غالب ہوں یا کتم اور مہندی دونوں برابر ہوں تو خضاب سیاہ ہوتا ہے جو ناجائز ہے جیسا کہ ابن اثیر نے نہایہ میں اس مخلوط کو کالا قرار دیکر ناجائز کہہ دیا اور پھر واؤ کو "او" تنویع کے معنی میں لے لیا اور اگر مہندی کے اجزا کتم کے اجزا پر غالب ہوں تو خضاب کا رنگ سرخ نکلتا ہے جو جائز ہے جیسا کہ دیگر شارحین نے لیا ہے اور واؤ کو اپنے اصل معنی پر رکھا ہے جو بمعنی مع ہے۔

سیاہ خضاب کرنے والے کے لئے شدید وعید

﴿۳۴﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ قَوْمٌ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ يَخْضِبُوْنَ بِهٰذَا السَّوَادِ كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ لَايَجِدُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا آخر زمانہ میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کبوتر کے پوٹے کی مانند اس سیاہی کے ذریعہ خضاب کریں گے (یعنی وہ جو خضاب استعمال کریں گے وہ ایسا ہی سیاہ ہوگا جیسے بعض کبوتروں کے پوٹے سیاہ ہوتے ہیں) ایسے لوگ جنت کی بو بھی نہیں پائیں گے۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"بھذا السواد" معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں کوئی خاص سیاہ خضاب تھا اسی کی طرف اشارہ کیا یا مراد جنس سواد ہے "کحواصل" یہ حوصلة کی جمع ہے پرندہ کے گلے اور گردن کے نیچے جو سینہ ہے اسی کو حوصلہ کہتے ہیں جہاں ابتداء میں غذا جمع ہو جاتی ہے بعض کبوتروں میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ حصہ کالا ہوتا ہے عام میں ایسا نہیں ہوتا البتہ سیاہ اور سفید مخلوط رنگ اکثر کبوتروں میں ہوتا ہے شاید اسی سے تشبیہ ہو کیونکہ کالے رنگ کے باوجود کچھ بال سفید رہ جاتے ہیں۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے شدید وعید ہے جو داڑھی میں کالا خضاب کرتے ہیں اسی طرح مسئلہ عورتوں کے سر کے بالوں کا بھی ہے تعجب ان علماء پر ہے جو اس وعید کے باوجود کالے خضاب کی ترغیب دیتے ہیں اور دعوت چلاتے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ سرخ جائز نہیں کالا خضاب کرو اور یہ جرأت بھی کرتے ہیں کہ مسلم شریف کی روایت "اجتنبوا السواد" کا جملہ صحیح نہیں ہے۔

"لایجدون رائحة الجنة" اگر اس کو جائز سمجھتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں تو جنت کی خوشبو حرام، اور اگر صرف اس پر عمل کرتے ہیں تو میدان محشر میں جنت کی خوشبو دیگر مسلمانوں کو پہنچتی رہیگی یہ لوگ محروم ہونگے یا یہ تشدید و تہدید و تغلیظ پر محمول ہے بہرکیف سیاہ خضاب کا حرام ہونا اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے۔

زرد خضاب کرنا جائز ہے

﴿۳۵﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَيُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانِ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دباغت دیئے ہوئے اور بغیر بال کے چمڑے کی پاپوش پہنتے

تھے اور اپنی ریش مبارک پر ورس (ایک گھاس جو یمن کے علاقہ میں ہوتی تھی) اور زعفران کے ذریعہ زرد رنگ چڑھاتے تھے نیز حضرت ابن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے (یعنی مذکورہ پاپوش پہنتے اور مذکورہ خضاب استعمال کرتے)۔ (نسائی)

"۱" دباغت شدہ کھال کو جس کے بال اکھیڑ کر کھال صاف کی گئی ہو سبتیہ کہتے ہیں۔

﴿۳۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ قَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ مَا أَحْسَنَ هٰذَا قَالَ فَمَرَّ آخَرُ وَقَدْ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا ثُمَّ مَرَّ آخَرُ قَدْ خَضَبَ بِالصُّفْرَةِ فَقَالَ هٰذَا أَحْسَنُ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گذرا جس نے مہندی کا خضاب لگا رکھا تھا آپ نے فرمایا اس کا خضاب کتنا اچھا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ایک اور شخص گذرا جس نے مہندی اور وسمہ کا خضاب لگا رکھا تھا جو خالص سیاہ نہیں تھا آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ خضاب پہلے سے بھی بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد ایک اور شخص گذرا جس نے زرد خضاب لگایا تھا آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ ان سب سے زیادہ اچھا ہے۔ (ابوداؤد)

"بالحناء والکتم" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ والکتم میں واو مع کے مع میں ہے جیسا کہ پہلے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

﴿۳۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيِّرُوا الشَّيْبَ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالزُّبَيْرِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھاپے یعنی بالوں کی سفیدی کو خضاب کے ذریعہ بدل ڈالو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو جو خضاب نہیں کرتے۔ (ترمذی) اور نسائی نے اس روایت کو ابن عمرؓ اور زبیرؓ سے نقل کیا ہے۔

مؤمن کے سفید بال نورانیت کا سبب ہیں

﴿۳۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْتِفُوا الشَّيْبَ فَإِنَّهُ نُوْرُ الْمُسْلِمِ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِهَا حَسَنَةً وَكَفَّرَ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَرَفَعَهُ بِهَا دَرَجَةً. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید بالوں کو نہ چنو کیونکہ بڑھاپا (یعنی بالوں کا سفید ہونا) مسلمانوں کے لئے نورانیت کا سبب ہے جو شخص حالت اسلام میں

بڑھاپے کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ (یعنی جب کسی مسلمان کا ایک بال سفید ہوتا ہے) تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کی ایک خطا کو محو کر دیتا ہے۔ اور اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"لاتنتفوا" سفید بال نوچنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ انوار الٰہی کا مظہر ہے اور مؤمن کا وقار ہے تو اس کا بڑھنا اچھا ہے نوچنا اچھا نہیں ہے۔ قیامت کے دن جب اندھیرا ہوگا اس سفید ریش کی داڑھی کے بال مصباح، ٹارچ اور روشنی کا کام دیں گے۔

﴿۳۹﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت کعب ابن مرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہوتا ہے اس کا بڑھاپا قیامت کے دن نور کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ (ترمذی، نسائی)

آنحضرتؐ کے جمہ، لمہ اور وفرہ کے بال

﴿۴۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُوْنَ الْوَفْرَةِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے نہایا کرتے تھے (یعنی پانی سے بھرا ہوا ایک ہی برتن ہم دونوں کے درمیان رکھا رہتا تھا) اور آنحضرت کے سر کے بال جمہ کے اوپر اور وفرہ کے نیچے ہوتے تھے۔ (نسائی)

توضیح

"من اناء واحد" ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک برتن سے باری باری الگ الگ غسل فرماتے ایک ساتھ مراد نہیں ہے اور اگر ایک ساتھ مراد لیا جائے تو بیچ میں پردہ ہوگا جیسے چادر لٹکادی تو ایک طرف مرد ایک طرف عورت بیچ میں برتن، یا رات کے وقت میں اندھیرا ہوتا ہے وہ وقت مراد ہے حضرت عائشہ نے فرمایا ہے کہ میں نے زندگی میں آنحضرت کا ستر نہیں دیکھا تو آنحضرت تو ان سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

"لہ شعر فوق الجمة" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال مختلف اوقات میں مختلف انداز کے ہوتے تھے احادیث میں آپ کے سر کے بالوں کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں پہلا لفظ جمة ہے جیم پر پیش ہے میم پر شد ہے یہ سب سے لمبے بال ہوتے ہیں جو کندھوں تک پہنچ جاتے ہیں اس کے بعد دوسرا لفظ لِمَّة ہے لام پر زیر ہے میم مشدد ہے یہ درمیانہ توسط

درجہ کے بال ہوتے ہیں جو کندھوں کے قریب تک پہنچ جاتے ہیں اس کے بعد تیسرا نمبر لفظ وفرہ ہے واو پر زبر ہے فا ساکن ہے را پر زبر ہے یہ سب سے چھوٹے بالوں کو کہا جاتا ہے جو کان کی لو تک پہنچ جاتے ہیں، اس مجموعہ کے لئے "جلو" کا لفظ یاد رکھنا چاہئے یعنی جمہ لمہ وفرہ، اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ترقی ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں "الوفرة الشعرة الى شحمة الاذن والجمة الى المنكب واللمة التى المت بالمنكبين" (طیبی ج ۸ ص ۲۵۹)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ موئے سر سہ نام دارد (۱) جمہ (۲) وفرہ (۳) لمہ، جمہ موئے تا دوش ووفرہ تا نرمہ گوش ولمہ بین بین اصح در تفسیر ایں الفاظ ایں است الخ۔ (ج ۳ ص ۶۲۰)

حدیث کو آسانی سے سمجھنے کے لئے یوں سمجھیں کہ جمہ سب سے لمبے بال ہوتے ہیں اور وفرہ سب سے چھوٹے ہوتے ہیں اور لمہ متوسط ہوتے ہیں۔ فوق الجمہ کا مطلب یہ کہ کامل جمہ سے کچھ اوپر تھے جمہ کی حد تک نہیں آتے تھے اور "دون الوفرة" میں دون اردون کے معنی میں ہے یعنی وفرہ سے کچھ نیچے تھے تو کندھوں سے کچھ اوپر اور کان کی لو سے کچھ نیچے متوسط درجہ کے تھے جو لمہ کہلاتا ہے اور یہی بیان کرنا مقصود ہے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں دون الجمہ فوق الوفرۃ کے الفاظ آئے ہیں جو اس بالا مطلب کو واضح کرتے ہیں کہ جمہ سے کم اور وفرہ سے زیادہ جو لمہ کا درجہ ہے۔

شیخ عبدالحق کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے دیگر مطالب بھی بیان کئے جاتے ہیں مگر صحیح یہی تفسیر ہے ویسے جمہ کا لفظ مطلق بالوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے ساتھ والی خریم کی روایت میں ہے۔

مردوں کے لئے زیادہ لمبے بال اچھے نہیں ہیں

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الرَّجُلُ خُرَيْمُ الْأَسَدِيُّ لَوْلَا طُوْلُ جُمَّتِهٖ وَإِسْبَالُ إِزَارِهٖ فَبَلَغَ ذٰلِكَ خُرَيْمًا فَأَخَذَ شَفْرَةً فَقَطَعَ بِهَا جُمَّتَهٗ إِلٰى أُذُنَيْهِ وَرَفَعَ إِزَارَهٗ إِلٰى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت ابن حنظلیہؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک شخص ہیں روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خریم اسدی اچھا آدمی ہے اگر اس کے بال لمبے نہ ہوں اور اس کا تہبند لٹکتا ہوا نہ ہو۔ جب خریمؓ کو آنحضرت کے اس ارشاد کا علم ہوا تو انہوں نے ایک استرا لے کر اپنے بالوں کو کانوں کی لووں تک کاٹ ڈالا اور اپنے تہبند کو آدھی پنڈلیوں تک کر لیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الاسدی" ہمزہ پر زبر ہے اور سین ساکن ہے یہ لفظ حقیقت میں ازدی ہے اور ازدی سے مراد ازد شنوءۃ ہے ازد بن غوث یمن کے ایک قبیلہ کے دادا کا نام ہے قاموس میں لکھا ہے کہ ازد کے لفظ سے اسد کا لفظ زیادہ واضح ہے مدینہ کے اکثر انصاری اسی شخص ازد بن غوث یا اسد بن غوث کی نسل سے تھے اس لفظ سے قبیلہ اسد مراد نہیں۔ آنحضرتؐ نے خریم کی تعریف بھی کی اور ایک نقص پر آگاہ بھی کیا اس نے نقص کو فوراً دور کیا تعلیم دینے والے کے دینے کا کیا کہنا اور تعلیم لینے والے کا کیا کہنا ان کے بال ضرورت سے زیادہ لمبے تھے؟

حج اور عمرہ میں سر منڈانا افضل ہے اس کے علاوہ بال رکھنا افضل ہے بشرطیکہ نمائش وزیبائش مقصود نہ ہو مسلمان ہر وقت مجاہد ہوتا ہے اور مجاہد سر کے بال منڈا نہیں سکتا لڑنا مشکل ہو جاتا ہے نیز بالوں سے کافر ڈرتے ہیں تبلیغ کا ایک بزرگ محمد احمد اپنے بیانات میں کہتا رہتا ہے کہ لمبے بال لوگ اس لئے رکھتے ہیں کہ قیامت کے روز فرشتوں کو اس کے پکڑنے اور دوزخ میں پھینکنے میں آسانی ہو یہ شخص مجاہدین اور جہاد کا دشمن ہے۔ حضور اکرمؐ نے ہمیشہ بال رکھے ہیں پوری عمر میں چار یا پانچ مرتبہ منڈائے ہیں قیامت میں فرشتوں کے پکڑنے کے لئے کیا صرف بال ہونگے کیا ہاتھ پاؤں گردن اور کمر اور دیگر اعضا نہیں ہوں گے اگر صرف بال ہیں تو پھر داڑھی کو بھی صاف کرلو۔

برکت کے بال

﴿۴۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَتْ لِيْ ذُؤَابَةٌ فَقَالَتْ لِيْ اُمِّيْ لَا اُجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَأْخُذُهَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے سر پر لمبے بال تھے میری والدہ کاٹنے سے منع کرتی تھیں کیونکہ آپ ان بالوں کو کھینچتے تھے اور پکڑتے تھے لہذا میں برکت حاصل کرنے کے لئے ان بالوں کو یونہی چھوڑ دوں گی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ذوابۃ" زلف کو کہتے ہیں "لا اجزھا" ای لا اقطعھا، میں اس کو نہیں کاٹوں گی اس لئے کہ آنحضرت کے مبارک ہاتھ اس پر لگے ہیں تو یہ برکت والے بال ہیں اسی طرح حضرت حذیفہ کے سر پر آنحضرت نے طائف کے موقع پر ہاتھ پھیرا تھا آپ نے زندگی بھر اس کو رکھا۔ حضرت شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کے ہاتھ حضرت احمد علی لاہوری کی داڑھی کے بالوں پر لگے تھے آپ نے زندگی بھر داڑھی کے بالون کو قینچی سے کم نہیں کیا جب بیٹھتے تھے تو داڑھی ناف تک پہنچ جاتی تھی یہ برکت

کے بال ہوتے ہیں اسلام میں سر کے بال رکھنے کی ممانعت نہیں بلکہ بال نہ رکھنے کا عقیدہ خوارج کا بتایا گیا ہے۔ تبلیغی جماعت کا ایک بزرگ محمد احمد صاحب بال رکھنے کے خلاف آج کل بیانات دے رہا ہے اس شخص کو جہاد اور مجاہدین سے عداوت اور دشمنی ہے شاید دشمنوں کے اشارہ پر یہ بیڑا اٹھا رکھا ہے۔

ضرورت کے پیش نظر سر کے بال منڈا دینا جائز ہے

﴿۴۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمْهَلَ آلَ جَعْفَرٍ ثَلَاثًا ثُمَّ أَتَاهُمْ فَقَالَ لَاتَبْكُوْا عَلٰى أَخِيْ بَعْدَ الْيَوْمِ ثُمَّ قَالَ ادْعُوْا لِيْ بَنِيْ أَخِيْ فَجِيْءَ بِنَا كَأَنَّا أَفْرَاخٌ فَقَالَ ادْعُوْا لِيَ الْحَلَّاقَ فَأَمَرَهُ فَحَلَقَ رُؤُسَنَا. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کی اولاد کو تین دن کی مہلت دی (یعنی جب حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ نے ان کے گھر والوں کو تین دن تک رونے دھونے اور سوگ کرنے کی اجازت دی) اور اس عرصہ میں آپ ان کے ہاں تشریف نہیں لائے پھر آپ ان لوگوں کو تسلی و دلاسہ دینے کے لئے ان کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ بس آج کے بعد میرے بھائی جعفرؓ پر مت رونا پھر فرمایا کہ میرے بھتیجوں (یعنی عبداللہؓ، عونؓ اور محمدؓ کو جو جعفرؓ کے لڑکے ہیں) میرے پاس لے کر آؤ چنانچہ ہم سب آپ کی خدمت میں لائے گئے اور اس وقت ہم چوزوں کی طرح (یعنی بہت کمسن تھے) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ نائی کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ (جب نائی آگیا) تو آپ نے اس کو ہمارے بال مونڈنے کا حکم دیا اور اس نے ہمارے سروں کو مونڈا۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

حضرت جعفر حضرت علی کے بھائی اور آنحضرت کے محبوب چچازاد بھائی تھے، غزوہ موتہ میں شہید ہوگئے، اسماء بنت عمیس کے شوہر تھے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم رہ گئے تھے، ایک کا نام عبداللہ تھا دوسرے کا نام عون اور تیسرے کا نام محمد تھا، انہیں کے سروں کے منڈانے کے لئے آنحضرت نے نائی کو بلوایا اور ان کے سر کے بال ترشوائے شاید صفائی کی غرض سے ایسا کیا معلوم ہوا کہ بال رکھنا بھی جائز ہے اور ضرورت کے پیش نظر منڈانا بھی جائز ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں ہے قلبی غم الگ چیز ہے اس پر پابندی نہیں ہوسکتی ہے ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ تین دن گذرنے کے بعد تعزیت کرنا جائز نہیں ہے۔

لڑکیوں کا ختنہ

﴿۴۴﴾ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ الْأَنْصَارِيَّةِ أَنَّ امْرَأَةً كَانَتْ تَخْتِنُ بِالْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ لَاتُنْهِكِي فَإِنَّ ذٰلِكَ أَحْظٰى لِلْمَرْأَةِ وَأَحَبُّ إِلَى الْبَعْلِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ هٰذَا الْحَدِيْثُ ضَعِيْفٌ وَرَاوِيْهِ مَجْهُوْلٌ

اور حضرت ام عطیہ انصاریؓ کہتی ہیں کہ مدینہ میں ایک عورت تھی جو عورتوں کا ختنہ کیا کرتی تھی۔ جیسا کہ اس زمانہ میں عورتوں کے ختنہ کا بھی رواج تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اس عورت سے فرمایا کہ ختنہ کو زیادہ مت کاٹا کرو بلکہ تھوڑا سا اوپر سے کاٹ دیا کرو کیونکہ یہ یعنی زیادہ نہ کاٹنا عورت کے لئے بھی بہت لذت بخش ہوتا ہے۔ اور مرد کو بھی بہت پسندیدہ ہوتا ہے یعنی اگر اس کو زیادہ کاٹ دیا جائے تو جماع میں نہ عورت کو لذت ملتی ہے اور نہ مرد کو ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس کے راوی مجہول ہیں۔

توضیح

''لاتنھکی'' یعنی ختنہ کرنے میں مبالغہ نہ کرو بلکہ ضروری حصہ کو معمولی طور پر کاٹ دو۔ یہ کم کاٹنا طرفین کے جماع کی لذت میں معاون ہے زیادہ نہیں، عرب کے ممالک چونکہ گرم تھے عورتوں کے اندام نہانی میں چربی نما گوشت اُبھر کر آتا تھا اس کو کاٹ دیا جاتا تھا یہی لڑکیوں کا ختنہ تھا، اذا جاوز الختان الختان کی حدیث سے بھی اس ختنہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ احد کے میدان میں حضرت حمزہ نے ایک کافر پر حملہ کرتے ہوئے فرمایا ''یاابن مقطعة البظور'' اے ختنہ کے کاروبار کرنے والی عورت کے بیٹے۔ ان روایات سے لڑکیوں کے ختنہ کا ثبوت ملتا ہے لیکن یہ گرم ممالک کا مسئلہ ہے ہمارے ملک میں اس مسئلہ کو بیان نہیں کرنا چاہئے اہل بدعت پروپیگنڈہ کریں گے تماشہ ہو جائے گا اس کا یہاں کوئی ماہر بھی نہیں نیز یہ کوئی شرعی مامور اور ضروری حکم بھی نہیں ہے گرم ممالک میں شوافع اس کام کو کرتے ہیں بس یہ کافی ہے وہ مٹھائی اور دعوت بھی کھلاتے ہیں لیکن اہل بدعت جو اہل حق کو اس کی وجہ سے بدنام کرتے ہیں وہ بہت ظلم کرتے ہیں کسی عالم نے اپنی طرف سے یہ عمل تو ایجاد نہیں کیا ہے احادیث میں اس کی طرف اشارہ ہے اگر کوئی عالم اس سے متعلق کوئی تحقیق بیان کرے تو کونسا جرم ہے؟

عورتوں کے لئے بالوں میں مہندی لگانا جائز ہے

﴿۴۵﴾ وَعَنْ كَرِيْمَةَ بِنْتِ هَمَّامٍ أَنَّ امْرَأَةً سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ خِضَابِ الْحِنَّاءِ فَقَالَتْ لَابَأْسَ وَلٰكِنِّيْ أَكْرَهُهُ كَانَ حَبِيْبِيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْرَهُ رِيْحَهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت کریمہ بنت ہمام سے روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے سر کے بالوں پر مہندی کا خضاب کرنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اگرچہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن میں اس کو اچھا نہیں سمجھتی کیونکہ میرے محبوب یعنی آنحضرت اس کی بو کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"یکرہ ریحہ" یہ سر کے بالوں کی بات ہوگی ورنہ ہاتھوں پر مہندی لگانے کو آنحضرت نے عورتوں کے لئے پسند بھی کیا اور ترغیب بھی دی ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے اس حدیث میں حضرت عائشہ عام عورتوں کے لئے سر کے بالوں میں مہندی لگانے کو جائز قرار دے رہی ہیں۔ لہٰذا اگر عورتیں سر کے بالوں میں مہندی کا خضاب کرنا چاہیں تو جائز ہے البتہ سیاہ خضاب جائز نہیں۔

عورتوں کیلئے ہاتھوں پر مہندی لگانا مستحب ہے

﴿۴۲﴾وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ فَقَالَ لَاأُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ فَكَأَنَّهُمَا كَفَّا سَبُعٍ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ عتبہ کی بیٹی ہندہ نے جب یہ کہا کہ اے اللہ کے نبی! مجھ کو بیعت کر لیجئے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں کو مہندی لگا کر ان کی رنگت کو متغیر نہ کر لوگی میں تم سے زبانی بیعت نہیں لوں گا۔ تمہارے ہاتھ مہندی کے بغیر ایسے ہیں کہ جیسے درندے کے ہاتھ ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ان ھندا" ھندہ بنت عتبہ حضرت ابوسفیان کی بیوی اور حضرت معاویہ کی ماں ہیں، جنگ احد میں حضرت حمزہ کی شہادت کی اصل محرک یہی تھی پھر فتح مکہ کے دن اسلام لائی تھیں اور مختلف غزوات میں حصہ لیا۔ یہ بیعت شاید بیعت اسلام کے علاوہ کوئی بیعت تھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اپنے ہاتھوں پر مہندی لگانا مستحب ہے اور اسے ترک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بھی مردوں سے ایک قسم کی مشابہت آتی ہے اسلام گھریلو نظام کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہے اس لئے عورت کو ہر قسم زینت اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ شیطان اور اس کی شاخ این جی اوز مسلمانوں کے گھریلو نظام کو تباہ کرنا چاہتا ہے اور بیوی کو مرد بنا کر شوہر کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے۔

﴿۴۷﴾وَعَنْهَا قَالَتْ أَوْمَتِ امْرَأَةٌ مِنْ وَرَاءِ سِتْرٍ بِيَدِهَا كِتَابٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ مَاأَدْرِيْ أَيَدُرَجُلٍ أَمْ يَدُامْرَأَةٍ قَالَتْ بَلْ يَدُامْرَأَةٍ قَالَ لَوْكُنْتِ امْرَأَةً لَغَيَّرْتِ أَظْفَارَكِ يَعْنِيْ بِالْحِنَّاءِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن ایک عورت نے پردہ کے پیچھے سے اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کیا جس میں ایک پرچہ تھا

جو کسی شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا یعنی اس عورت نے پردہ کے پیچھے سے اپنا ہاتھ نکال کر وہ پرچہ آنحضرت کو دینا چاہا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ ہاتھ مرد کا ہے یا عورت کا؟ اس عورت نے عرض کیا کہ یہ ہاتھ عورت کا ہے آپ نے فرمایا اگر تم عورت ہوتیں تو اپنے ناخن کی رنگت کو مہندی کے ذریعہ ضرور تبدیل کرتیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"اومت امراة" یہ لفظ اصل مادہ کے اعتبار سے اومات ہے تخفیف کی غرض سے دوسرے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا ہے اشارہ کے معنی میں ہے "بیدھا کتاب" یہ جملہ امراۃ کے لئے صفت واقع ہوا ہے یعنی اس عورت کے ہاتھ میں ایک لکھا ہوا پرچہ تھا شاید کوئی مسئلہ معلوم کر رہی تھی "فقبض النبیؐ" یعنی آنحضرتؐ نے ہاتھ بڑھانے کے بعد پیچھے کھینچ لیا اس حدیث سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس سے اور زیر بحث دونوں حدیثوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت نے بیعت وغیرہ میں عورتوں کے ہاتھوں سے ہاتھ ملاتے تھے حالانکہ متعدد صحیح اور صریح روایات میں حضرت عائشہؓ سے اس کی نفی فرماتی ہیں لہذا زیر بحث دونوں حدیثوں میں یہ تاویل ہوگی کہ آنحضرت نے پہلے ارادہ کیا کہ ہاتھ سے بیعت لے لیں پھر آپ نے صرف زبان سے بیعت لی یا ہاتھ پر آستین لپیٹ کر ایسا کیا ہوگا تاکہ عورتوں کو برکت حاصل ہو جائے آنحضرتؐ امت کی عورتوں اور مردوں کے باپ کے درجہ میں تھے جس طرح حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں ہے ﴿النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وھو ابوھم﴾ لیکن اس کے باوجود آنحضرت نے مکمل احتراز کیا ہے اور اجنبی عورتوں سے پردہ کیا ہے اور کسی عورت کے ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملایا ہے۔

﴿۴۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لُعِنَتِ الْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ وَالنَّامِصَةُ وَالْمُتَنَمِّصَةُ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ مِنْ غَيْرِ دَاءٍ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ملانے والی اور ملوانے والی یعنی اپنے بالوں میں انسانی بالوں کو جوڑ لگاتے اور لگواتے والی اور بالوں کو چننے والی اور چنوانے والی نیز بغیر کسی مرض کے گودنے اور گدوانے والی یہ سب عورتیں ملعون قرار دی گئی ہیں۔ (ابوداؤد)

"من غیر داء" یعنی یہ امور بدرجہ مجبوری بطور علاج جائز ہیں ورنہ تغییر خلق اللہ کی وجہ سے ناجائز ہیں الفاظ کی تشریح گذر چکی ہے۔

مردوں اور عورتوں کا لباس میں التباس باعث لعنت ہے

﴿۴۹﴾وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ

وَالْمَرْأَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو زنانہ لباس پہنے اسی طرح اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ جو مردانہ لباس پہنے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"لعن" مردوں کا لباس الگ رنگ میں ہوتا ہے اور عورتوں کا الگ رنگ اور ڈیزائن میں ہوتا ہے اب اگر مرد نے عورتوں والا سرخ لباس پہن لیا تو یہ ان کے لئے باعث لعنت ہے یا عورت نے مردوں والا مثلاً سفید لباس پہن لیا یہ ان کے لئے باعث لعنت ہے اسی طرح مردوں کی طرح ٹوپی یا واسکٹ عورت کے لئے جائز نہیں ہے خواہ وہ یونیفام کے تحت مجبور ہو یا شوق وذوق میں مخمور ہو وہ عورت ہے اس کو مردانہ وضع قطع سے احتراز کرنا چاہئے اسی طرح مردوں کو زنانہ وضع قطع سے احتراز کرنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نکل جائیں گے اور لعنت کے مستحق بن جائیں گے۔

﴿۵۰﴾وَعَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ قِيْلَ لِعَائِشَةَ إِنَّ امْرَأَةً تَلْبَسُ النَّعْلَ قَالَتْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَةَ مِنَ النِّسَاءِ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ملیکہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کو بتایا گیا کہ ایک عورت مردانہ جوتے پہنتی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"الرجلة" رجل مذکر ہے رجلة مؤنث ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جو بول چال، رنگ ڈھنگ، وضع قطع اور رہن سہن میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہے یہ مذموم حرکت ہے جو باعث لعنت ہے لیکن جو عورت علم ودانش اور عقل ورائے اور حکمت ودانائی میں مردوں کی مشابہ صفات رکھتی ہے وہ مشابہت مذموم نہیں ہے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ "كانت عائشة رجلة الرأي" یعنی حضرت عائشہ کی رائے اور عقل مردوں کی طرح تھی۔ رجلة میں جیم پر پیش ہے۔

آنحضرت نے اپنے اہل بیت کے لئے سادہ زندگی پسند فرمائی

﴿۵۱﴾وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ كَانَ آخِرُ عَهْدِهِ بِإِنْسَانٍ مِنْ أَهْلِهِ فَاطِمَةَ وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا فَاطِمَةَ فَقَدِمَ مِنْ غَزَاةٍ وَقَدْ عَلَّقَتْ مِسْحاً أَوْ سِتْراً عَلَى بَابِهَا وَحَلَّتِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ قُلْبَيْنِ مِنْ فِضَّةٍ فَقَدِمَ فَلَمْ يَدْخُلْ فَظَنَّتْ أَنَّ مَامَنَعَهُ أَنْ يَدْخُلَ مَارَأَى

فَهَتَكَتِ السِّتْرَ وَفَكَّتِ الْقُلْبَيْنِ عَنِ الصَّبِيَّيْنِ وَقَطَعَتْهُ مِنْهُمَا فَانْطَلَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيَانِ فَأَخَذَهُ مِنْهُمَا فَقَالَ يَاثَوْبَانُ اذْهَبْ بِهٰذَا اِلٰى آلِ فُلَانٍ اِنَّ هٰؤُلَاءِ أَهْلِيْ أَكْرَهُ أَنْ يَأْكُلُوْا طَيِّبَاتِهِمْ فِيْ حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا يَا ثَوْبَانُ اِشْتَرِ لِفَاطِمَةَ قِلَادَةً مِنْ عَصَبٍ وَسِوَارَيْنِ مِنْ عَاجٍ.
رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر روانہ ہوتے تو اپنے اہل وعیال کے لوگوں میں سب سے آخری وقت حضرت فاطمہ کو عطا کرتے اور جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے ہاں جاتے یعنی سفر کے لئے روانگی کے وقت آپ پہلے دیگر اہل بیت سے الوداعی ملاقات فرماتے پھر ان سب سے فارغ ہو کر اور سب کو رخصت کر کے آخر میں حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے جاتے ان سے جو کچھ کہنا سننا ہوتا کہتے سنتے اور جو کوئی وصیت ونصیحت کرنی ہوتی وہ کرتے اور ان کو خدا حافظ کہہ کے روانہ ہو جاتے اور پھر جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے جاتے اور سب سے پہلے ان سے ملاقات کرتے چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ایک جہاد کے سفر سے واپس آئے تو اس وقت حضرت فاطمہؓ نے اپنے مکان کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ لٹکا رکھا تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہ پردہ آرائش کی خاطر لٹکایا تھا کیونکہ اگر پردہ کی ضرورت کی خاطر لٹکایا ہوتا تو آنحضرت کو کوئی ناگواری نہیں ہوتی نیز انہوں نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے دوکڑے پہنا رکھے تھے یعنی ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک کڑا یا دو دو کڑے پہنا رکھے تھے جب آنحضرت اپنے معمول کے مطابق سفر سے واپسی میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کی ملاقات کے لئے ان کے گھر تشریف لائے اور یہ چیزیں دیکھیں تو آپ ان کے گھر میں داخل نہیں ہوئے حضرت فاطمہ سمجھ گئیں کہ جس چیز نے آنحضرت کو میرے گھر میں داخل ہونے سے روکا وہ یہ ہے جو آپ نے دیکھا ہے یعنی دروازہ پر پردہ لٹکنا اور حسنؓ اور حسینؓ کے ہاتھوں میں کڑے کا ہونا چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے فوراً پردہ کو پھاڑ ڈالا اور دونوں صاحبزادوں کے ہاتھ سے دونوں کڑوں کو اتار لیا اور ان کو توڑ ڈالا پھر دونوں صاحبزادے ان ٹوٹے ہوئے کڑوں کو لے کر روتے ہوئے آنحضرت کی خدمت میں گئے آپ نے کڑوں کو ان دونوں سے لے لیا اور مجھ سے فرمایا کہ ثوبانؓ ان کڑوں کو لے جا کر فلاں شخص کے گھر والوں کو دے آؤ یعنی آپ نے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی شخص کا نام لے کر فرمایا کہ اس کے گھر والوں کو دے آؤ کیونکہ وہ محتاج وضرورت مند تھے چونکہ یہ دونوں بچے میرے اہل بیت میں سے ہیں اس لئے میں اس کو اچھا نہیں سمجھتا کہ یہ دنیاوی زندگی میں بہترین غذا کھائیں یعنی میرے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے کہ میرے یہ بچے بہترین غذاؤں اور نفیس پوشاک واسباب سے لذت وفائدہ اٹھائیں یا آپ نے بہترین غذا سے عیش وآرام کی زندگی اختیار کرنا اور دنیا کی لذتیں حاصل کرنا مراد لیا نیز آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا یہ واضح فرمایا کہ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں اس چیز کو اختیار کرتا ہوں کہ وہ اس دنیا میں فقر وزہد اور تنگی و

مشقت کی زندگی اپنا ئیں تا کہ آخرت میں ان کے درجات بلند ہوں اوران کا شماران لوگوں میں نہ ہو جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اذھبتم طیبا تکم فی حیوتکم الدنیا لیکن اس کے ساتھ ہی آنحضرت چشم تصور سے اپنی لخت جگر فاطمہ کی شکستہ دلی کو بھی دیکھ رہے تھے۔اس لئے ان کے تیئں شفقت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ ثوبانؓ! فاطمہؓ کیلئے عصب کا ایک ہار اور دونوں بچوں کے لئے ہاتھی دانت کے دو کڑے خرید لینا تا کہ فاطمہ کی بھی دلجوئی ہو جائے اور بچوں کی اشک شوئی ہو جائے۔(احمد،ابوداؤد)

توضیح

''اخر عهده بانسان فاطمة'' یعنی آنحضرت جب کسی سفر یا جہاد کے لئے تشریف لے جاتے تو سارے اہل بیت کی عورتوں سے الوداعی ملاقات کے بعد آخر میں حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کر کے سفر پر چلے جاتے اور واپسی میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ ہی سے ملاقات فرماتے، یہ صرف عورتوں کا معاملہ بیان کیا گیا ہے مردوں کا نہیں ہے ''من غزاة'' اصل مادہ غزوۃ ہے واؤ الف سے بدل دیا گیا ہے '' علقت'' یہ تعلیق سے ہے لٹکانے کے معنی میں ہے ''مسحاً'' ٹاٹ کو کہتے ہیں ''اوستراً'' او شک کے لئے ہے ''ستر'' پردہ کو کہتے ہیں ''وحلّت'' یہ بھی باب تفعیل سے زیور پہنانے کے معنی میں ہے۔''قلبین'' قاف پر ضمہ ہے لام ساکن ہے با پر زبر ہے قلب مفرد ہے ای سوارین یعنی چاندی کے دو کنگن پہنائے تھے ''فکت'' الگ کرنے اور توڑنے کے معنی میں ہے ''وقطعته منهما'' یہ جملہ ماقبل کلام کے لئے عطف تفسیر کے طور پر ہے یعنی دونوں کنگن ان کے جسم سے اتار کر دونوں کو توڑ ڈالا ''فأخذه منهما'' یعنی آنحضرت نے یہ منظر دیکھا تو اوران دونوں کی حالت پر ترس آ گیا یعنی دونوں پر ترس کھایا شفقت ورحمت آئی۔ یہ ترجمہ بہت عمدہ ہے لیکن ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ ترجمہ مناسب نہیں ہے بلکہ یہ ترجمہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ان دونوں سے وہ ٹوٹے پھوٹے کنگن لے لئے اور حضرت ثوبان کو دیئے ''الی فلان'' یعنی وہ فقیر لوگ ہیں ان کو دیدو۔''اکره'' یہ جملہ تعلیل کے محل میں بھی ہو سکتا ہے تو عبارت اس طرح ہوگی ''ای لانی اکره ان یاکلوا'' یا یہ استیناف کے موقع میں ہے عبارت اس طرح ہوگی ''ان هؤلاء ای الحسن والحسین وعلیا وفاطمة اهل بیتی واکره ان یاکلوا'' یعنی یہ عمدہ اشیاء صدقہ کرلو اور یہ درم لیکر بازار سے فاطمہ کے لئے عصب کا ہار لاؤ تا کہ اسکی دلجوئی ہو جائے اور حسنین کے لئے دو کنگن ہاتھی دانت کے لے آؤ تا کہ ان کی اشک شوئی ہو جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنگن حضرت فاطمہ کے تھے آپ نے حسنین کو پہنا دیئے تھے۔

''عصب'' یعنی عصب کا قلادہ خرید لو، شارحین حدیث اس بارے میں سخت تشویش میں ہیں کہ عصب سے کیا چیز مراد ہے جس سے قلادہ بنایا جاتا ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ یمن میں بننے والا ایک کپڑا ہے جس کے کچھ اجزاء سے ہار بنائے جاتے ہیں

مگر شارحین لکھتے ہیں کہ کپڑے سے ہار بنانا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ لہٰذا علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ میں نے اہل یمن سے سنا ہے کہ عصب ایک دریائی حیوان کے دانتوں کو کہتے ہیں جن سے بہترین سفید ہار بنتے ہیں اس حیوان کو فرس فرعون کہتے ہیں۔ اھ

میں نے ابھی پچھلے جون ۲۰۰۵ء میں زامبیا لوساکا میں کفوئے کے دریا میں بیشمار فرس فرعون دیکھے اس کو جاموس البحر بھی کہتے ہیں اور خنزیر البحر بھی کہتے ہیں یہ بھینس کی طرح ہے اس کا منہ گھوڑے کی طرح ہے اور اس کا باقی جسم خنزیر کی طرح ہے بہت بڑا ہے چھ منٹ تک پانی کے اندر غوطہ لگائے رہتا ہے اور جب سر باہر کرتا ہے تو ایک زوردار مکروہ آواز نکل آتی ہے عصب کے ہار اس کے دانتوں سے بنائے جاتے ہونگے۔

"عاج" ہاتھی کے دانتوں سے کنگن بنائے جاتے ہیں یہ ہڈی ہے اس کا استعمال احناف کے نزدیک جائز ہے عاج کے اس مشہور معنی کو چھوڑ کر غیر مشہور معنی لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے آنحضرت نے اپنے اہل بیت کے لئے دنیا کی کٹھن زندگی کو پسند فرمایا تاکہ آخرت کی ساری راحتیں اور نعمتیں محفوظ رہ جائیں اور اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا کی وعید سے بچ جائیں۔

سرمہ لگانے کا مسنون طریقہ اور اثمد کے فوائد

﴿۵۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوْا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ وَثَلَاثَةً فِيْ هٰذِهٖ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصفہانی سرمہ برابر لگایا کرو کیونکہ وہ سرمہ بینائی کو روشن کرتا ہے۔ اور بالوں یعنی پلکوں کو اگاتا ہے جو آنکھوں کی زیبائی وحفاظت کی ضامن ہوتی ہیں حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لمبی سرمہ دانی تھی جس سے آپ روزانہ رات میں تین بار اس آنکھ میں اور تین بار اس آنکھ میں سرمہ لگاتے تھے یعنی مسلسل تین سلائی دائیں آنکھ میں اور تین بائیں آنکھ میں لگاتے تھے۔ (ترمذی)

توضیح

"اثمد" بعض حضرات کا خیال ہے کہ اثمد مطلق سرمہ کو کہا جاتا ہے لیکن احادیث کے پیش نظر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اثمد ایک مخصوص معدنی سرمہ کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اثمد ایک مخصوص قسم اصفہانی سرمہ ہے جو آنکھوں سے بہنے والے پانی کو روکتا ہے اور آنکھ کے زخم کے لئے مفید ہے نیز آنکھ کی سوزش کو دفع کرتا ہے اور آنکھ کی روشنی والی رگوں کو طاقت بخشتا ہے چھوٹے بچوں اور بوڑھو کے لئے بطور خاص مفید ہے زیر بحث حدیث میں اس کے دو فوائد کا ذکر ہے ایک یہ کہ

پلکوں کے بالوں کو بڑھاتا ہے جس سے آنکھ کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور خوبصورتی بھی آتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اثمد سرمہ آنکھوں کی نگاہ کو تیز کرتا ہے سرمہ لگانے کا ایک طریقہ اس حدیث میں ہے کہ تین سلائیاں ایک آنکھ میں پھیر لی جائیں اور تین دوسری میں، رات کا وقت اس لئے منتخب کیا گیا ہے کہ اس میں زیادہ دیر تک سرمہ آنکھوں میں رہتا ہے "مکحلۃ" لمبی سرمہ دانی کو کہتے ہیں یعنی کحل کا ظرف۔

چند مفید دواؤں کا ذکر

﴿۵۳﴾وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالْإِثْمِدِ ثَلَاثاً فِي كُلِّ عَيْنٍ قَالَ وَقَالَ إِنَّ خَيْرَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ اللَّدُوْدُ وَالسَّعُوْطُ وَالْحِجَامَةُ وَالْمَشِيُّ وَخَيْرَ مَااكْتَحَلْتُمْ بِهِ الْإِثْمِدُ فَإِنَّهُ يَجْلُوا الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ وَإِنَّ خَيْرَ مَاتَحْتَجِمُوْنَ فِيْهِ يَوْمُ سَبْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ تِسْعَ عَشْرَةَ وَيَوْمُ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ عُرِجَ بِهِ مَامَرَّ عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا عَلَيْكَ بِالْحِجَامَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں سونے سے پہلے ہر آنکھ میں اصفہانی سرمہ کی تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے۔ نیز حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم علاج کے لیے جن چیزوں کو اختیار کرتے ہو ان میں بہترین چیزیں چار ہیں ایک تو لدود، دوسرے سعوط، تیسرے حجامۃ اور چوتھے مشی۔ آنکھوں کے لگانے کی چیزوں میں بہترین چیز اصفہانی سرمہ ہے جو بینائی کو روشن کرتا ہے اور پلکوں کے بالوں کو جماتا ہے۔ نیز بھری ہوئی سینگی کھنچوانے کے لئے چاند کی سترھویں، انیسویں، اور اکیسویں تاریخ بہترین دن ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج میں تشریف لے گئے تو فرشتوں کی کوئی بھی ایسی جماعت نہیں تھی جس کے پاس سے آپ گزرے ہوں اور اس نے یہ نہ کہا ہو کہ بھری ہوئی سینگی کھنچوانا آپ کے لئے ضروری ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

"ان خیر ماتداویتم" یعنی بہترین اور مفید دوائیں چار ہیں (۱) لدود، یہ ہر وہ دواء ہے جو مریض کے منہ میں باچھوں کے ذریعہ سے ٹپکائی جائے۔ (۲) سعوط، یہ وہ دوا ہے جو مریض کی ناک میں ٹپکائی جائے (۳) حجامہ پچھنے لگوانے اور سینگی کھنچوانے کو کہتے ہیں یعنی خون نکالنا (۴) المشی، یہ ہر اس دست آور دوا کو کہتے ہیں جس کے استعمال کے بعد دست جاری ہو جاتے ہیں آدمی کا پیٹ بھی چلنے لگتا ہے اور خود آدمی بھی بیت الخلا کی طرف بار بار دوڑ کر جاتا ہے اسی وجہ سے اس کو

المثنی کہدیا گیا "وان خیرما" یعنی سینگی کھنچوانے کے بہترین ایام ہر ماہ کی سترہ انیس اور اکیس تاریخیں ہیں یہ معتدل ایام ہیں جن میں خون میں اعتدال رہتا ہے۔ کتاب الطب میں مزید وضاحت آئے گی ان شاء اللہ۔

حمام استعمال کرنے کا ذکر

﴿۵۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى الرِّجَالَ وَالنِّسَاءَ عَنْ دُخُولِ الْحَمَّامَاتِ ثُمَّ رَخَّصَ لِلرِّجَالِ أَنْ يَدْخُلُوهَا بِالْمَيَازِرِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو حمام میں جانے سے منع فرمادیا تھا پھر بعد میں آپ نے مردوں کو اس صورت میں جانے کی اجازت دے دی تھی جب کہ ان کے جسم پر تہ بند ہو۔ (ترمذی، ابوداود)

توضیح

"الحمامات" ہر زمانہ میں حمام کا نظام الگ الگ رہا ہے پہلے زمانہ میں ایک مکان میں ایک ساتھ غسل کرنے کا اہتمام ہوتا تھا اس میں گرم پانی ہوتا تھا مرد اور عورتیں ایک ساتھ اس میں نہاتے تھے اس لئے ابتدا میں آنحضرت نے مردوں اور عورتوں کو اس میں جانے سے منع فرمادیا اس کے بعد مردوں کو جانے کی اجازت دیدی مگر عورتوں کی پابندی برقرار رہی کیونکہ عورتیں اگرچہ تنہا حمام میں جائیں پھر بھی عورتیں آپس میں ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتی ہیں مردوں کو ایسے مشترکہ حمام میں غسل کے لئے جانے کی یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ ناف سے لیکر گھٹنے تک ازار بند باندھے رکھے آج کل سوئمنگ پول اور دیگر پانی کے حوضوں اور نہروں میں مشترکہ طور پر برہنہ ہو کر غسل کرنا پرانے حمامات کی ایک نئی شکل ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بے حیا اور اخلاق سوز ہے کیونکہ یہ سوئمنگ پول غسل کے لئے نہیں بلکہ کچھ اور مقاصد کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔

عورتیں مشترکہ حمامات میں نہ جائیں

﴿۵۵﴾ وَعَنْ أَبِي الْمَلِيحِ قَالَ قَدِمَ عَلَى عَائِشَةَ نِسْوَةٌ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ فَقَالَتْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُنَّ قُلْنَ مِنَ الشَّامِ قَالَتْ فَلَعَلَّكُنَّ مِنَ الْكُوْرَةِ الَّتِي تَدْخُلُ نِسَاءُ هَا الْحَمَّامَاتِ قُلْنَ بَلَى قَالَتْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَاتَخْلَعُ امْرَأَةٌ ثِيَابَهَا فِي غَيْرِ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا هَتَكَتِ السِّتْرَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ رَبِّهَا، وَفِي رِوَايَةٍ فِي غَيْرِ بَيْتِهَا إِلَّا هَتَكَتْ سِتْرَهَا فِيمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو ملیح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ملک شام کے شہر حمص کی کچھ عورتیں آئیں۔ حضرت

عائشہؓ نے ان سے پوچھا تم کہاں کی رہنے والی ہو؟ انہوں نے کہا کہ ملک شام کی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ شاید تم اس علاقہ کی رہنے والی ہو جہاں کی عورتیں حمام میں جاتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں تب حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بھی عورت اپنے خاوند کے گھر کے علاوہ کہیں اور کپڑے اتارتی ہے تو گویا وہ اس پردہ کو چاک کر دیتی ہے جو اس کے اور اللہ عزوجل کے درمیان ہے۔ یعنی اس روایت میں في بيت غير زوجها کے بجائے في بيتها کے الفاظ ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"الكورة" کورہ کاف پر پیش ہے شہر اور کنارہ اور علاقہ کے معنی میں ہے "لاتخلع" کپڑے اتارنے کے معنی میں ہے "هتكت الستر" پردہ چاک کرنے کے معنی میں ہے مراد ادب اور حیا کا پردہ چاک کرنا ہے "اي حجاب الحياء وجلباب الادب"۔

"وبين ربها" کیونکہ عورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پابند ہے کہ وہ پردہ کرے اور اجنبی مرد اس کو نہ دیکھ سکے بلکہ عورت کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ شوہر کے علاوہ کسی خالی جگہ میں اپنے بدن کو ننگا کرے۔

﴿۵۶﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتُفْتَحُ لَكُمْ أَرْضُ الْعَجَمِ وَسَتَجِدُوْنَ فِيْهَا بُيُوْتاً يُقَالُ لَهَا الْحَمَّامَاتُ فَلَايَدْخُلَنَّهَا الرِّجَالُ إِلَّا بِالْأُزُرِ وَامْنَعُوْهَا النِّسَاءَ إِلَّا مَرِيْضَةً أَوْ نُفَسَاءَ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عنقریب تمہیں عجم کی سرزمین پر فتح حاصل ہوگی جہاں تمہیں ایسے گھر ملیں گے جن کو حمام کہا جائے گا لہٰذا خبردار ان میں مرد تہ بند کے بغیر داخل نہ ہوں۔ اور عورتوں کو تو ان میں داخل ہونے سے بالکل منع کر دینا الا یہ کہ کوئی عورت بیمار ہو یا نفاس کی حالت میں ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"النساء)) یعنی مردوں کو اجازت ہے کہ وہ ازار بند باندھ کر حمام میں جا کر غسل کریں مگر عورتوں کو ازار بند باندھے ہوئے بھی مشترکہ حماموں میں جانے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس کے پورے جسم کا پردہ ہے۔

ہاں اگر کوئی شرعی عذر اور اخلاقی مجبوری ہو کہ عورت بیمار ہو اور حمام استعمال کرنے سے علاج کر رہی ہو یا نفاس کی حالت میں ہو اور غسل کی ضرورت ہے تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں بچے کی ولادت کے بعد چالیس دن تک عورت نفاس میں رہتی ہے۔

جو شخص ایمان کا دعویٰ رکھتا ہے وہ مشترکہ حمام میں نہ جائے

﴿۵۷﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايَدْخُلِ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايُدْخِلْ حَلِيْلَتَهُ الْحَمَّامَ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَايَجْلِسْ عَلٰى مَائِدَةٍ تُدَارُ عَلَيْهَا الْخَمْرُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ.

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ بغیر تہ بند کے حمام میں داخل نہ ہو۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی عورت کو حمام میں داخل نہ ہونے دے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چلتا ہو۔ (ترمذی، نسائی)

توضیح

"بغیر ازار" یعنی ازار بند کے ساتھ جانا جائز ہے لیکن برہنہ بدن جانا منع ہے اسی طرح اپنی بیوی کو حمام لے جانا منع ہے یہ بات یاد رکھیں کہ آج کل عورتوں کے ایسے حمامات بنے ہوئے ہیں جہاں ایک چھوٹے سے کمرہ میں علیحدہ غسل کی جگہ ہوتی ہے وہاں حمام میں عورت برہنہ ہو کر جاسکتی ہے کیونکہ وہاں نہ مرد ہوتے ہیں اور نہ عورتیں ساتھ ہوتی ہیں وہ مشترکہ حمام نہیں ہے حدیث میں مشترکہ حمام کی ممانعت کا ذکر ہے۔ "یدار" یعنی ایسا دسترخوان ہو جس پر شراب کا دور چل رہا ہو وہاں بیٹھنا حرام ہے۔

الفصل الثالث

آنحضرتؐ نے سر مبارک میں کبھی خضاب نہیں کیا

﴿۵۸﴾عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْشِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِيْ رَأْسِهِ فَعَلْتُ قَالَ وَلَمْ يَخْتَضِبْ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ وَقَدِاخْتَضَبَ أَبُوْبَكْرٍ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَاخْتَضَبَ عُمَرُ بِالْحِنَّاءِ بَحْتاً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ثابتؓ سے روایت ہے کہ حضرت انسؓ ابن مالکؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں آنحضرت کے سر مبارک میں سفید بالوں کی تعداد شمار کرنا چاہتا تو یقیناً شمار کر لیتا یعنی آپ کے سر مبارک میں چند ہی بال سفید تھے اس صورت میں آپ کو خضاب کرنے کی کیا ضرورت تھی چنانچہ آپ نے کبھی خضاب نہیں کیا ایک روایت میں حضرت انسؓ نے یا حضرت انسؓ سے ثابتؓ نے یہ عبارت مزید نقل کی کہ حضرت ابوبکرؓ نے مہندی اور وسمہ کا خضاب استعمال کیا اور اور حضرت عمرؓ نے صرف مہندی کا خضاب استعمال کیا۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"شمطاط" شمطط کی جمع ہے سفید اور سیاہ بالوں کے سنگم کو شمطط کہتے ہیں "ای بیاض شعر الرأس بخالطه سواد" الحناء و الکتم" یعنی مخلوط خضاب استعمال کیا۔ "بحتاً" یعنی صرف خالص مہندی کا خضاب کیا مخلوط استعمال نہیں کیا۔

آنحضرتؐ نے زرد خضاب استعمال کیا ہے

﴿۵۹﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالصُّفْرَةِ حَتّٰى يَمْتَلِئَ ثِيَابُهُ مِنَ الصُّفْرَةِ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ قَالَ اِنِّيْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْهَا وَقَدْ كَانَ يَصْبُغُ بِهَا ثِيَابَهُ كُلَّهَا حَتّٰى عِمَامَتَهُ. رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ اپنی داڑھی پر زرد خضاب کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے کپڑے بھی زرد آلود ہو جاتے تھے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ زرد خضاب کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ریش مبارک پر زرد خضاب کرتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کے نزدیک داڑھی پر خضاب کرنے کے لئے زرد رنگ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں تھی، نیز آنحضرت اپنے تمام کپڑے یہاں تک کہ عمامہ کو بھی زرد رنگ دیتے تھے۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

زرد خضاب سے ورس کے ذریعہ خضاب کرنا مراد ہے یہ زعفران کے مشابہ رنگ ہوتا ہے آنحضرت نے ریش مبارک میں اس کا استعمال فرمایا ہے کپڑوں میں آنحضرت نے زرد رنگ استعمال نہیں کیا ہے۔ نہایہ میں لکھا ہے کہ مختار قول یہ ہے کہ کبھی کبھی آنحضرت نے بالوں کو رنگا ہے اکثر رنگ نہیں کیا ہے لہذا ہر راوی نے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر بیان کیا ہے کسی نے کہا آنحضرت نے رنگ نہیں کیا کسی نے کیا کہا ہے نیز آپ کا خضاب قلیل ہوتا تھا تو چاہو یہ کہو کہ خضاب نہیں کیا یعنی کثیر نہیں کیا اور چاہو تو کہو کہ خضاب کیا یعنی قلیل کیا۔ "ثیابه" قصداً و عمداً آپ نے کپڑوں اور عماموں کو کبھی زرد رنگ میں نہیں رنگا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے ہاں اگر بغیر قصد وارادہ عمامہ اور قمیص کو زرد رنگ لگا ہو وہ الگ بات ہے۔

آنحضرت کے بال

﴿۶۰﴾وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَوْهَبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَأَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعَراً مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْباً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب کہتے ہیں کہ ایک دن میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک نکال کر دکھایا جو رنگین تھا۔ (بخاری)

"مخضوباً" یعنی وہ ایک بال خضاب شدہ رنگین تھا یہ اسی قلیل خضاب پر محمول ہے جس کی وجہ سے یہ بال رنگین تھا یا عطریات کی شیشی میں زیادہ دیر تک رکھنے سے بال رنگین ہوگیا تھا یا رنگین معلوم ہو رہا تھا۔

ایک مخنث کو آنحضرت نے شہر بدر کر دیا

﴿٦١﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمُخَنَّثٍ قَدْ خَضَبَ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ بِالْحِنَّاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذَا قَالُوا يَتَشَبَّهُ بِالنِّسَاءِ فَأَمَرَ بِهِ فَنُفِيَ إِلَى النَّقِيعِ فَقِيلَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَلَا نَقْتُلُهُ فَقَالَ إِنِّي نُهِيتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مخنث کو لایا گیا۔ جس نے عورتوں کی طرح اپنے ہاتھ پیر پر مہندی لگا رکھی تھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ شخص اپنے رہن سہن بول چال، اور طور طریقوں میں عورتوں کی مشابہت کرتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت نے اس کو شہر سے باہر نکال دینے کا حکم دیا اور اس کو مدینہ کے ایک جگہ نقیع میں بھیج دیا گیا پھر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اس کو موت کے گھاٹ نہ اتار دیں یعنی چونکہ یہ فسق و فساد اور برائی کی گند پھیلا رہا ہے اس لئے اگر آپ حکم دیں تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو نماز پڑھنے والوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"النقیع" عوالی مدینہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مخنث کو اس لئے شہر بدر کیا کہ وہ تکلف کے ساتھ اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بنا رہا تھا اور اس طرح کرنا حرام ہے۔ "الا نقتلہ" یعنی صحابہ کرام نے سمجھا کہ جب اس نے اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس کو شہر مدینہ سے نکالدیا تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے قتل کیا جائے اسی لئے انہوں نے قتل کرنے کے بارے میں سوال کیا آپؐ نے منع فرمایا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ مسلمان ہے نماز پڑھتا ہے اور مجھے نمازیوں کے قتل سے روکا گیا ہے۔

مرد کے لئے خلوق استعمال کرنا ممنوع ہے

﴿٦٢﴾ وَعَنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ قَالَ لَمَّا فَتَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ جَعَلَ أَهْلُ مَكَّةَ يَأْتُونَهُ بِصِبْيَانِهِمْ فَيَدْعُولَهُمْ بِالْبَرَكَةِ وَيَمْسَحُ رُؤُوسَهُمْ فَجِيءَ بِي إِلَيْهِ وَأَنَا مُخَلَّقٌ فَلَمْ يَمَسَّنِي مِنْ أَجْلِ الْخَلُوقِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ

اور حضرت ولید ابن عقبہؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ پر فتح حاصل ہوئی اور آپ مکہ شہر میں رونق افروز ہوئے تو مکہ والوں نے اپنے بچوں کو آنحضرت کی خدمت میں لانا شروع کیا۔ چنانچہ آنحضرت ان بچوں کیلئے برکت کی دعا کرتے اور پیار وشفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اس موقع پر مجھے بھی آنحضرت کی خدمت میں لایا گیا لیکن چونکہ میرے بدن پر زعفران وغیرہ کی بنی ہوئی خوشبو خلوق لگی ہوئی تھی اس لئے آپ نے مجھ کو خلوق آلودہ ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہیں لگایا۔ (ابوداؤد)

خلوق چونکہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے مردوں کے لئے جائز نہیں اس لئے آنحضرت نے ہاتھ نہیں لگایا۔

اگر کسی کے بال ہوں تو اس کی دیکھ بھال ضروری ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي جُمَّةً أَفَأُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا قَالَ فَكَانَ أَبُو قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَكْرِمْهَا. رَوَاهُ مَالِكٌ

اور حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے سر کے بال مونڈھوں تک ہیں۔ کیا ان میں کنگھا کیا کروں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور ان کی تکریم بھی کیا کرو یعنی ان میں تیل وغیرہ لگا کر ان کی دیکھ بھال کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم کے اس ارشاد ہاں اور ان کی تکریم کیا کرو کی تعمیل میں حضرت ابوقتادہؓ اکثر دن بھر میں دو مرتبہ اپنے بالوں میں تیل لگایا کرتے تھے۔ (مالک)

توضیح

"واکرمھا" یعنی اپنے بالوں کا اکرام کرو، اس جملہ سے حضرت ابوقتادہ نے استفادہ کیا اور بالوں کی خوب دیکھ بھال شروع کی یہاں تک کہ دن میں دو مرتبہ کنگھی کرتے تھے یہ زیب وزینت کے لئے نہ تھا نہ اپنی کوئی ذاتی خواہش تھی بلکہ آنحضرت کے حکم کی تعمیل میں ایسا کرتے تھے اس لئے یہ جائز بلکہ محمود قرار پایا۔

غیر مسلموں کی وضع قطع اختیار کرنا منع ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانٍ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِي أُخْتِي الْمُغِيرَةُ قَالَتْ وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوا هٰذَيْنِ أَوْ قُصُّوهُمَا فَإِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُودِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ

اور حضرت حجاج ابن حسانؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ یعنی میں اور میرے گھر کے کچھ افراد حضرت انسؓ ابن مالک کی

خدمت میں حاضر ہوئے اس دن کے واقعہ کو مجھ سے میری بہن نے بیان کیا جن کا نام مغیرہ ہے یعنی اس وقت میں بچہ تھا اور مجھے اس دن حضرت انسؓ کی خدمت میں حاضر ہونا تو یاد ہے لیکن اس حاضری کی کیفیت اور وہاں جو احوال پیش آئے ان کی تفصیل مجھے یاد نہیں ہے۔ چنانچہ میری بہن نے مجھے بتایا کہ تم ان دنوں بچے تھے اور تمہارے سر پر دو گندھے ہوئے گیسو یا دو کچھے تھے حضرت انسؓ نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور تمہارے حق میں برکت کی دعا کی نیز فرمایا کہ ان دونوں کو منڈوا ڈالو یا کاٹ ڈالو کیونکہ یہ یہودیوں کی وضع ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"فحدثتنی" حجاج بن حسان اپنے بچپن کا قصہ سناتے ہیں کہ ہم جب حضرت انس کے ہاں داخل ہوئے تو وہاں کیا ہوا اس کا قصہ میری بہن نے مجھے بتا دیا کیونکہ میں چھوٹا تھا داخل ہونا یاد تھا لیکن دیگر احوال کا علم نہیں تھا وہ میری بہن نے بیان کئے۔ بہن نے کہا کہ تم اس وقت چھوٹے تھے تیرے سر میں بالوں کے دو گندھے ہوئے گیسو تھے یا دو کچھے تھے یہ شک راوی کو ہوا ہے قصتان پیشانی کے اوپر والے بالوں کو کہتے ہیں۔

عورت کو اپنے سر کے بال منڈانا حرام ہے

﴿۲۵﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَحْلِقَ الْمَرْأَةُ رَأْسَهَا. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی عورت اپنا سر منڈائے۔ (نسائی)

توضیح

عورت کے لئے سر کی بالوں کی وہی حیثیت ہے جو مردوں کے لئے داڑھی کی ہے جس طرح مردوں کو داڑھی منڈانا حرام ہے عورتوں کے لئے سر کے بال منڈانا حرام ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ یورپ میں عورتوں نے سر منڈانا شروع کیا ڈاکٹر لوگوں نے بھی حامی بھری کچھ عرصہ بعد ان عورتوں کی داڑھیاں نکل آئیں تب ڈاکٹروں نے کہا کہ غلطی ہوگئی کہ فطرت کے خلاف فیصلہ کیا چونکہ عورت کے جسم کی پوری قوت غریزی کا زور سر کے بالوں پر پڑتا ہے جس سے بال لمبے ہو جاتے ہیں اور حرارت خارج ہوتی ہے جب عورتوں نے سر کے بال کٹوا دیئے تو جسمانی حرارت چہرہ کی طرف متوجہ ہوئی تو داڑھیاں نکل آئیں۔

سر اور داڑھی کے بال بکھرا ہوا ہونا تہذیب کے خلاف ہے

﴿۲۶﴾وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ كَأَنَّهٗ يَأْمُرُهٗ بِإِصْلَاحِ شَعْرِهٖ

وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ. رَوَاهُ مَالِكٌ

اور حضرت عطاء ابن یسارؒ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک ایسا شخص آیا جس کے سر کے اور داڑھی کے بال پراگندہ یعنی بکھرے ہوئے اور الجھے ہوئے تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر اس کے سر اور داڑھی کی طرف اپنے دست مبارک سے اس انداز میں اشارہ کیا جیسے آپ اس کو یہ حکم دے رہے ہوں کہ وہ اپنے سر کے بالوں اور داڑھی کو سنوارے چنانچہ اس شخص نے اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو سنوارا اور پھر واپس آیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ اس کے سر کے بال پراگندہ ہوں اور وہ ایسا دکھائی دے جیسے کوئی شیطان جن ہو یعنی اس نے اس اپنی شکل وصورت ایسی بنا رکھی ہو جیسے کوئی جن اپنے بال بکھرے ہوئے اور بدہیئت شکل وصورت میں رکھتا ہے۔ (مالک)

"ثائر الرأس" پراگندہ بال جس میں نہ کنگھی ہو نہ تیل ہو نہ کچھ ہو نہ کچھ ہو۔ "کانہ شیطان" معلوم ہوا شیطان بڑا غیر مہذب، بدتہذیب اور ہر برائی کو کرنے والا ہے۔

گھر کے صحن کو صاف رکھو

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ سَمِعَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ كَرِيْمٌ يُحِبُّ الْكَرَمَ جَوَادٌ يُحِبُّ الْجُوْدَ فَنَظِّفُوْا اُرَاهُ قَالَ اَفْنِيَتَكُمْ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ قَالَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِمُهَاجِرِ بْنِ مِسْمَارٍ فَقَالَ حَدَّثَنِيْهِ عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهٗ اِلَّا اَنَّهٗ قَالَ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابن مسیب (تابعیؒ) سے روایت ہے کہ ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا گیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکی پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ نہایت ستھرا ہے ستھرائی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرم کرنے والا ہے کرم کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہایت سخی اور عطا کرنے والا ہے سخاوت وعطا کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا تم صاف ستھرا رکھو۔ (حضرت ابن مسیب سے روایت کرنے والے راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابن مسیبؒ نے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے صحنوں کو یعنی انہوں نے **فنظفوا** کے بعد افنیتکم کا لفظ بھی کہا تھا گویا اس جگہ پورا جملہ یہ ہے کہ تم اپنے صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو جو اپنے گھروں کے صحن وآنگن کو کوڑے کرکٹ سے ناپاک وگندہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسیب کا یہ قول حضرت مہاجر ابن مسمار تابعی کے سامنے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت عامر بن سعد (تابعی) نے اور انہوں نے اپنے والد حضرت سعد ابن ابی وقاص صحابی سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے لیکن

مہاجرؒ نے جو حدیث نقل کی اس میں انہوں نے یہ نقل کیا کہ تم اپنے گھروں کے صحن کو صاف ستھرا رکھو یعنی ان کی روایت میں افنیتکم کا لفظ صریحا مذکور ہے جب کہ ابن مسیب کی روایت میں یہ لفظ گمان کے درجہ میں نقل کیا گیا ہے۔

''افنیتکم'' گھر کے صحن مراد ہے نیز گھر کے سامنے اور ارد گرد اطراف و جوانب بھی مراد ہیں۔

بڑھاپا عظمت اور وقار ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَعِيْدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ يَقُوْلُ كَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ أَوَّلَ النَّاسِ ضَيَّفَ الضَّيْفَ وَأَوَّلَ النَّاسِ اخْتَتَنَ وَأَوَّلَ النَّاسِ قَصَّ شَارِبَهُ وَأَوَّلَ النَّاسِ رَأَى الشَّيْبَ فَقَالَ يَارَبِّ مَاهٰذَا قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَقَارٌ يَاإِبْرَاهِيْمُ قَالَ رَبِّ زِدْنِيْ وَقَارًا. رَوَاهُ مَالِكٌ.

اور یحییٰ ابن سعیدؒ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت ابراہیم جو اللہ کے دوست تھے سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے مہمان کی مہمانداری کی یعنی مہمان کی پذیرائی و مہمانداری کی ابتداء انہوں ہی نے کی وہ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے ختنہ کیا وہ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے اپنی مونچھیں کتریں اور وہ سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے بڑھاپا یعنی سفید بال دیکھا چنانچہ انہوں نے جب سب سے پہلے اپنے بالوں میں سفیدی کو دیکھا تو عرض کیا کہ میرے پروردگار یہ کیا ہے؟ پروردگار کا جواب آیا کہ ابراہیمؑ یہ وقار ہے یعنی یہ اس بڑھاپے کی علامت ہے جو علم و دانش میں اضافہ کا باعث اور عزت و وقار کا ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے انسان لہو ولعب کی مشغولیت اور گناہوں کے ارتکاب سے باز رہتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ پروردگار یہ تو تیری بہت بڑی نعمت ہے لہذا میرے وقار میں اضافہ فرما۔ (مالک)

توضیح

یہ سب اوائل ابراہیم علیہ السلام ہیں یعنی سب سے اول آپ نے اس پر عمل کیا۔ چند اوائل ابراہیم یہ ہیں۔ (۱) ناخن کاٹنا (۲) مانگ نکالنی (۳) زیرناف بالوں میں استرا استعمال کرنا (۴) پائجامہ پہننا (۵) مہندی اور وسمہ کا خضاب لگانا (۶) منبر پر خطبہ دینا (۷) خدا کی راہ میں جہاد کرنا (۸) لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کرنا جس کو خمیس کہتے ہیں اور اسے دشمن کے سامنے کھڑا کرنا (۹) لوگوں کے ساتھ معانقہ کرنا (۱۰) ثرید تیار کر کے لوگوں کو کھلانا (۱۱) بیت اللہ کی بنیادیں ڈالنا (۱۲) مہمان نوازی کرنا (۱۳) احکام حج کے طریقے بتلا دینا (۱۴) داڑھی کا سفید ہونا۔

الحمد للہ آج بروز جمعہ ۱۸ شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۲۰۰۵ء میں بندہ باب الترجل کی تحریر سے رات پونے ایک بجے فارغ ہوا یہ تحریر کراچی میں اپنے گھر میں ہوئی ہے باب الترجل جیسا مشکل باب میرے خیال میں اس سے پہلے کوئی نہیں گذرا اس کی احادیث نے میری کمر جھکا لی مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج میں اس کے لکھنے سے فارغ ہو گیا۔

مورخہ ۷ اربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب التصاویر

تصویروں کا بیان

تصاویر تصویر کی جمع ہے کسی چیز کی صورت بنانے کو تصویر کہتے ہیں خواہ مجسمہ کی صورت میں ہو یا ہاتھ کی کشیدہ کاری سے ہو یا کیمرہ و مشین اور شعاعوں کے ذریعہ سے ہو سب کو تصویر کہہ سکتے ہیں اس باب میں جن تصاویر کا بیان ہے ان سے جاندار کی تصاویر مراد ہیں کیونکہ شریعت جائز اور ناجائز سے گفتگو کرتی ہے اور ناجائز تصاویر وہی ہیں جو جاندار کی ہوں غیر جاندار اشیاء کی تصاویر اسلام میں منع نہیں ہیں۔

باب التصاویر کی احادیث میں جن جاندار تصاویر کا بیان کیا گیا ہے اس میں پردوں پر تصویروں کی ممانعت کا تذکرہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ تصویر کی ممانعت کا تعلق صرف مجسموں سے نہیں ہے بلکہ جاندار حیوان کی ہر قسم تصویر حرام ہیں خواہ ہاتھ سے بنائی گئیں ہوں یا کوئی اور ذریعہ استعمال کیا گیا ہو جاندار کی تصاویر کی حرمت کی دو وجہ ہیں (۱) حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جاندار کی تصاویر میں تخلیق خداوندی سے مشابہت ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ تصاویر کے راستہ سے ہمیشہ شرک آیا ہے اور آئندہ بھی آئے گا۔ آج کل لوگ آغا خان کی تصویر کو پوجتے ہیں، خمینی کی تصاویر کی پوجا پاٹ ہوتی ہے، الطاف حسین کی تصاویر کو ان کے چاہنے والے سجدہ لگاتے ہیں، اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں شرک نہیں کرتا ہوں تو جو لوگ تصاویر کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہیں اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟

بت پرستی دین احمد میں کبھی آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

الفصل الاول

رحمت کے فرشتے وہاں نہیں آتے جہاں شوقیہ کتا یا تصاویر ہوں

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُ الْمَلٰئِکَۃُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَلَاتَصَاوِیْرُ. مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابوطلحہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر ہو اور نہ اس گھر میں داخل ہوتے ہیں جس میں کتا ہو۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"الملائکۃ" اس سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں جو گھروں میں آتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں اور رحمت خداوندی کے باعث بنتے ہیں جن سے گھروں میں برکتیں آتی ہیں ملائکہ سے یہاں وہ فرشتے مراد نہیں ہیں جو انسان کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں یا نامہ اعمال کے لکھنے پر مامور ہیں یا روح قبض کرنے والے فرشتے ہیں وہ تو ہر حال میں آتے ہیں۔

"کلب" اس سے مراد شوقیہ کتا ہے شریعت نے جن کتوں کو گھر میں رکھنے کی اجازت دی ہے وہ کتے مراد نہیں ہیں مثلاً گھر کی حفاظت کا کتا یا شکاری کتا یا ریوڑ اور کھیت کی حفاظت کا کتا ایسے کتے یہاں مراد نہیں ہیں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حدیث میں جو حکم ہے اس میں عموم ہے کہ گھر میں مطلق کتا رکھنا منع ہے خواہ شوقیہ ہو یا ضرورت کا ہو دونوں صورتوں میں رحمت کے فرشتے گھر میں نہیں آتے ہیں (کذا قال النووی) تاہم یہ قول شاذ ہے۔

"ولا تصاویر" یہ عطف ہے کلب کے لفظ پر اور چونکہ کلب کا جملہ نفی کے ماتحت ہے تو لا تصاویر کا عطف اعادہ عامل کے ساتھ صحیح ہوگیا اصل عبارت اس طرح بن گئی "لاتدخل الملائکۃ بیتافیہ کلب ولاتدخل الملائکۃ بیتا فیہ تصاویر" ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں "واعادۃ لا کاعادۃ الفعل" یعنی لا تصاویر میں لا کا اعادہ ایسا ہی ہے گویا لاتدخل الملائکۃ میں فعل کا اعادہ ہوگیا "فلیتدبر فانہ دقیق"۔

گویا اس حدیث کا مطلب اور مسند احمد وترمذی کی حدیث کا مطلب ایک ہی ہے اس کی عبارت اس طرح ہے "ان الملائکۃ لاتدخل بیتافیہ تماثیل او صورۃ" ۔ بہر حال حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا حرام ہے اور یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے خواہ یہ تصویر کپڑے پر بنائی گئی ہو یا نقود اور نوٹوں سکوں پر بنائی گئی ہو یہ تو بنانے کھینچوانے کی بات ہے باقی گھر میں رکھنے کا جہاں تک تعلق ہے تو اگر بطور اعزاز واحترام گھر کی دیواروں پر ہو یا عمامہ اور چادر پر ہو یا کوٹ اور بنیان پر ہو یہ سب حرام ہے ہاں جو تصاویر معزز ومکرم نہ ہوں بلکہ ممتہان وممداس ہوں کہ نیچے بچھے ہوئے فرش پر یا تکیہ پر ہوں اور اس کی تذلیل ہورہی ہو تو اس کو اس طرح گھر میں رکھنا حرام نہیں ہے (کذا فی المرقات)

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اخبارات کی تصاویر جو بطور اہانت زمین پر پڑی رہتی ہیں شاید اس کی حرمت شدید نہیں ہوگی ماہر علماء کی طرف رجوع ضروری ہے۔ واللہ اعلم

ہمارے ملک کے سرکاری اداروں میں بطور اعزاز بانی پاکستان محمد علی جناح کی تصاویر لٹکانا حرام ہیں ان دفاتر میں رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے نوٹوں پر جو تصاویر ہیں یہ ایوب خان کے زمانہ میں شروع ہوگئیں تھیں اس کا گناہ حکومت پر ہے کیونکہ عام لوگ بطور اعزاز ان کو نہیں رکھتے ہیں مجبوری ہے۔

غیر ضروری اور شوقیہ کتوں کا مارڈالنا ضروری ہے

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا وَقَالَ اِنَّ

جبریل کان وعدنی ان یلقانی اللیلۃ فلم یلقنی اما واللہ ما اخلفنی ثم وقع فی نفسہ جرو کلب تحت فسطاط لہ فامر بہ فاخرج ثم اخذ بیدہ ماء فنضح مکانہ فلما امسی لقیہ جبریل فقال لقد کنت وعدتنی ان تلقانی البارحۃ قال اجل ولکنا لاندخل بیتا فیہ کلب ولاصورۃ فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انہ یامر بقتل کلب الحائط الصغیر ویترک کلب الحائط الکبیر۔ رواہ مسلم

اور حضرت ابن عباسؓ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت اداس و غمگین نظر آئے اور اس اداسی و غمگینی کا سبب بیان کرتے ہوئے میمونہؓ سے یا کسی اور زوجہ مطہرہؓ سے یا اپنے دل میں یا اظہار تعجب وحیرت کے طور پر خود اپنے سے آپؐ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ نے آج کی رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ میرے پاس نہیں آئے خدا کی قسم اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی ہو پھر اچانک آپؐ کے ذہن میں کتے کے اس پلہ کا خیال آیا جو آپ کے خیمے یعنی کسی تخت یا ٹاٹ وغیرہ کے نیچے پڑا تھا چنانچہ آپ سمجھ گئے کہ حضرت جبرائیلؑ اسی پلہ کی وجہ سے میرے پاس نہیں آئے اور آپ نے اس پلے کو نکال دینے کا حکم دیا جب وہ پلا وہاں سے نکال دیا گیا تو آپ نے اپنے ہاتھوں میں پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا جہاں وہ پلہ بیٹھا ہوا تھا پھر جب شام ہوئی تو حضرت جبرائیلؑ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے تو گذشتہ شب میں مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا؟ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا کہ ہاں لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو اس کے بعد دوسرے دن صبح کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھوٹے باغات کے کتوں کو بھی مار ڈالنے کا حکم دے دیا اور بڑے باغات کے کتوں کو چھوڑنے کا حکم دیا کیونکہ ان باغات کی حفاظت کے لئے کتوں کا رکھنا ضروری تھا۔ (مسلم)

توضیح

عرب معاشرہ میں بھی شوقیہ کتوں کے پالنے کا رواج ہو گیا تھا جس طرح دیگر دنیا میں تھا ابتداء اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کے مارنے کا مطلقاً حکم دیا تھا جب لوگوں کے دلوں میں کتوں کی نفرت بیٹھ گئی تب آنحضرتؐ نے ضرورت کے پیش نظر چند کتوں کے پالنے کی اجازت دیدی۔ زیر بحث حدیث میں وہی ابتدائی دور کا نقشہ ہے کہ آنحضرت نے عام کتوں کے مارنے کا حکم دیا تھا ہاں بڑے باغ کی حفاظت والے کتے کی ضرورت کے پیش نظر اجازت دیدی تھی یہ بھی دوسرا مرحلہ تھا ورنہ اس سے پہلے تو کسی کتے کو رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ کتوں کے مفاسد کا آج کل اندازہ ہوتا ہے مغرب اور یورپ کے اکثر گھروں میں عورتیں کتوں کو شوہر کے درجہ میں پالتی ہیں اور ان سے شوہر کا کام لیتی ہیں ابھی چند ماہ قبل ہندوستان میں ایک عورت نے اعلانیہ طور پر کتے سے شادی کر لی اور نکاح پڑھایا گیا۔

"جرو کلب" کتے کے چھوٹے بچے کو جرو کہتے ہیں جس کا ترجمہ پلا ہے (گوکرے)۔
"فسطاط" اس کا ترجمہ خیمہ ہے لیکن اصل واقعہ کے اعتبار سے یہ کوئی ٹاٹ یا چارپائی یا کوئی تخت تھا جس کے نیچے پلا چھپا ہوا تھا۔ "الحائط" کھجور وانگور وغیرہ کے بڑے باغ کو کہتے ہیں۔

حضور اکرم تصاویر والی چیز کو توڑ ڈالتے تھے

﴿۳﴾وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصَالِيْبُ اِلَّانَقَضَهٗ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑتے تھے جس پر تصویر ہو اور آپ اس کو توڑ نہ ڈالتے ہوں۔ (بخاری)

"تصالیب" اس کا مفرد تصلیب ہے جس کا معنی صلیب کی تصویر بنانا ہے۔ جو عیسائیوں کی مقدس علامت ہے لیکن یہاں تصالیب سے مراد مطلق جاندار کی تصویر ہے جو ممنوع ہے حضور اکرمؐ اگر ایسی تصویر کو دیکھتے تو فوراً توڑ ڈالتے تھے کیونکہ۔

بت پرستی دین احمدؐ میں ابھی آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

جہاں تصویر تھی وہاں حضور اکرمؐ داخل نہیں ہوئے

﴿۴﴾وَعَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قَالَتْ قُلْتُ اِشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَاخَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَاتَدْخُلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ ایسا تکیہ خرید لیا جس پر تصویریں تھیں۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں داخل ہوتے وقت جب اس تکیہ کو دیکھا تو دروازے پر رک گئے اور حجرہ میں داخل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ اس تصویر دار تکیہ کی وجہ سے آپ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے اثرات کو بھانپ گئیں۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نافرمانی چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی طرف متوجہ ہوتی ہوں میں نے ایسا کونسا گناہ کیا ہے کہ آپ میرے حجرے میں داخل نہیں ہو رہے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تکیہ کیسا ہے اور

تم اس کو کہاں سے لائی ہو؟ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے جواب دیا میں نے اس تکیہ کو آپ کے لئے خریدا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں اس کا سہارا لے کر بیٹھیں اور جس وقت چاہیں اس کو سوتے وقت سر کے نیچے رکھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ در کھو تصویر بنانے والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جو تصویریں تم نے بنائی ہیں ان میں جان ڈالو اور ان کو زندہ کرو نیز آپ نے فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اسی طرح انبیاء واولیاء کے لئے بھی یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ تصویر والے گھر میں داخل ہوں ۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"نمرقة" نون پر پیش ہے میم ساکن ہے راپر بھی پیش ہے چھوٹے تکیہ کو کہتے ہیں علامہ نووی نے لکھا ہے کہ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اس سے پردہ مراد ہے اھ۔

اگر پردہ مراد لیا جائے تو احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے گا اور یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ تصاویر کیمرہ مشین سے ہوں یا ہاتھ سے بنائی گئی ہوں سب ناجائز ہیں خواہ مجسمہ کی صورت ہو یا غیر مجسمہ ہو دیکھئے یہاں پردہ پر جو تصویریں تھیں یہ کوئی مجسمے تو نہیں تھے بلکہ آج کل کے کاغذ کے اوراق اور کپڑوں کی تصاویر کی طرح تھیں۔

"احیوا ما خلقتم" یعنی تم نے جو حیوان کی تصاویر بنائی ہیں اب اس میں جان ڈالو ورنہ عذاب بھگتے رہو یہ تعلیق بالمحال اور تعجیز ہے۔

آنحضرت نے تصاویر کو مٹا ڈالا

﴿۵﴾ وَعَنْهَا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے شہ نشین پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا جس پر تصویریں تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردہ کو دیکھا تو اس کو پھاڑ دیا حضرت عائشہؓ نے اس پھٹے ہوئے پردہ کا یہ مصرف نکالا کہ اس کے دو تکیے بنا دیئے چنانچہ وہ دونوں تکیے گھر میں رکھے رہتے تھے اور آنحضرت ان پر تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"سهوة" سین پر زبر ہے ھا ساکن ہے واو پر زبر ہے گھر کے اندر کے چھوٹے سے الگ چبوترہ اور شہ نشین کو کہتے ہیں یعنی بیٹھنے کی دو چھوٹی سی جگہ جہاں عورتیں اپنا سامان رکھتی ہیں یا دیوار کے اندر اس طاق کو سھوۃ کہتے ہیں جس کو عورتیں بطور خزانہ اور بکس وصندوق استعمال کرتی ہیں جس کے سامنے پردہ لٹکایا جاتا ہے "تماثیل" تصویریں مراد ہیں کیونکہ نرم پردہ پر مجسمے نہیں بنائے جاتے، "فهتكه" آنحضرت نے اس پردہ کو چاک کیا، ایک وجہ تو بے جا اسراف اور آرائش وزیبائش تھی اور دوسری وجہ جاندار کی ناجائز تصاویر کی تھی۔

"نمرقتین" حضرت عائشہ نے ان دو ٹکڑوں سے دو تکیے بنا دیئے کیونکہ توڑنے سے تصویریں مٹ گئی تھیں۔

سوال

اس سے پہلی والی حضرت عائشہ ہی کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت تکیہ پر بنی ہوئی تصاویر کی وجہ سے گھر میں تشریف نہیں لائے حالانکہ یہاں تصاویر والے کپڑے کے دو تکیئے گھر میں آنحضرت کے استعمال کے لئے رکھے گئے یہ تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب

زیر بحث حدیث میں ھتکہ کا لفظ آیا ہے کہ آنحضرت نے اس پردہ کو چاک کیا اس سے تصاویر کی حیثیت ختم ہوگئی لہٰذا تعارض نہیں۔
یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ آنحضرت نے آرائش وزیبائش اور بے جا اسراف کی وجہ سے یہ پردہ پھاڑ ڈالا تھا جس طرح آئندہ حدیث نمبر ۶ میں تفصیل موجود ہے اس حدیث میں اس پردہ پر جاندار کی تصاویر نہیں تھیں اگرچہ اس پر تماثیل کا اطلاق کیا گیا ہے یہ تاویل کمزور سی ہے پہلا جواب اچھا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجسمہ کے علاوہ کپڑے یا کاغذ پر تصویر بنانا بھی منع ہے۔

بلا ضرورت دیواروں کو پردے نہ پہناؤ

﴿۶﴾ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کیلئے سفر میں تشریف لے گئے تو میں نے آپ کے جانے کے بعد ایک کپڑا حاصل کیا اور اس کا پردہ دروازہ پر لٹکایا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر جہاد سے واپس تشریف لائے اور وہ پردہ پڑا ہوا دیکھا تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے کہ ہم مٹی اور پتھر کو کپڑے پہنائیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"نمطا" ایک عمدہ قسم کے نرم بچھونے کو کہتے ہیں ہودج پر بھی ڈالا جاتا ہے ہوسکتا ہے یہ نمدہ سے معرب ہو، آنحضرت نے اس کو اس لئے پھاڑ دیا کہ اس پر گھوڑے کی تصویر بنی ہوئی تھی ورنہ دروازہ پر کپڑا ڈالنا اور پردہ کرنا تو آنحضرت کے ارشاد کی تعمیل تھی یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پردہ غیر ضروری آرائشی زیبائش تھا اس لئے آنحضرت نے پھاڑ دیا حدیث کے آخری الفاظ اس احتمال کی تائید کرتے ہیں کیونکہ آنحضرت نے ناپسندی کی وجہ یہ بتادی کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کا پابند نہیں بنایا کہ ہم مٹی اور پتھر کو کپڑے پہنائیں۔

قیامت میں تصویر کشی کرنے والوں کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا

﴿۷﴾وَعَنْهَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّالنَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"یضاھون" مضاھات سے ہے جو مشابہت کے معنی میں ہے بعض نسخوں میں ہمزہ بھی ہے وہ بھی ایک لغت ہے۔ صورت بنانا اللہ تعالیٰ کا کام اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ﴿ویصورکم فی الارحام کیف یشاء﴾
لہٰذا جو شخص تصویر بناتا ہے وہ درحقیقت اپنے فعل کو اللہ تعالیٰ کے فعل کے ساتھ مشابہ کرکے پیش کرتا ہے جو بڑا گناہ ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تصویر کشی کی ممانعت کی ایک وجہ تخلیق خداوندی سے مشابہت ہے۔
"اشد الناس عذابا" اگر تصویر بنانے والا شرک اور بتوں کی عبادت کی غرض سے تصویر بناتا ہے تو یہ کفر ہے اس لئے قیامت میں اس کو سب سے زیادہ سخت عذاب ہوگا اور اگر بت پرستی کی غرض سے نہیں بلکہ تخلیق خداوندی کی مشابہت کی غرض سے بناتا ہے تو یہ بھی کفر ہے اس لئے سخت ترین عذاب ہوگا۔ اور اگر تصویر کشی صرف زیب وزینت اور شوق وذوق کی غرض سے ہو تو یہ فسق وفجور اور معصیت ہے آدمی کبیرہ گناہ کا مستحق بنے گا پھر یہ حدیث تشدید وتغلیظ اور تہدید وتوبیخ پر محمول ہوگی کسی نے خوب کہا ۔

بت پرستی دین احمدؐ میں ابھی آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

"الناس" ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ اگر مصور کا فعل اسی عقیدے کے تحت ہو (کہ وہ تخلیق خداوندی کی مشابہت کرنے والا ہو) تو وہ کافر ہو جاتا ہے اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اس قبیح کفر پر اس شخص کو دوسرے کافروں کی نسبت زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ (اس صورت میں الناس سے مراد کافر ہونگے اور کلام حقیقت پر محمول ہوگا) اور اگر ایسا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو پھر اس شخص کے حق میں یہ حدیث تغلیظ وتہدید پر محمول ہوگی الخ۔ (اس صورت میں الناس سے مسلمان مراد ہونگے کلام زجروتوبیخ اور تہدید وتشدید پر حمل کیا جائے گا)۔
بہرحال تصویر سے جاندار کی تصویر مراد ہے علماء فرماتے ہیں کہ حدیث کی اس شدید وعید سے وہ تصاویر خارج ہیں جو اتنی چھوٹی

اور تلی ہوں کہ اگر اس کو زمین پر ڈالدیا جائے تو کھڑے آدمی کو وہ صاف نظر نہ آتی ہوں یا ایسی تصاویر ہوں جن کے ساتھ ایسے اعضاء نہ ہوں جن کے بغیر آدمی زندہ نہیں رہ سکتا جس طرح آدھی تصویر ہوتی ہے ایسی تصاویر مجبوری کے تحت حج وعمرہ یا شناختی کارڈ وغیرہ ضروری دستاویزات کے لئے شاید حرام نہیں ہونگی ایسی چھوٹی تصاویر اور اسی طرح وہ تصاویر جو بطور اکرام نہ ہوں بلکہ مُھان ہوں اس کو گھر میں رکھنے سے شاید یہ وعید نہ ہو اگرچہ بعض علماء اس میں بھی احتیاط کرتے ہیں۔

مصور میں ہمت ہے تو چیونٹی پیدا کرے

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ شَعِیْرَةً. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میرے پیدا کرنے کی طرح پیدا کرے یعنی جس طرح میں صورت بناتا ہوں اسی طرح وہ بھی صورت بناتا ہے اگرچہ حقیقت میں وہ اس مادہ سے صورت نہیں بناتا جس مادہ سے خدا کی بنائی ہوئی صورتیں ہیں تاہم وہ کوئی صورت بناتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ صورت میری بنائی ہوئی ہے اگر تصویر وصورت بنانے والے واقعۃً تخلیق کا دعویٰ کرتے ہیں تو ذرا وہ ایک چیونٹی تو بنائیں یا ایک دانہ تو پیدا کریں یا ایک جو تو پیدا کر کے دکھائیں۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

یعنی تصویریں بنا بنا کر تخلیق خداوندی کی مشابہت اگر اختیار کرنی ہے تو پھر کھل کر میدان میں آؤ اور ایک چیونٹی پیدا کرو یا ہوا میں اڑنے والا ذرہ پیدا کر دیا جو کا دانہ پیدا کرو اس حدیث میں امر کا صیغہ تعجیز کے لئے ہے۔ بہرحال پوری دنیا کے بادشاہ اور عوام مل کر ایک چھٹانک مٹی پیدا نہیں کر سکتے ہیں مرغی چوزوں کی دلکش تصویروں میں مشابہت اختیار کرتے ہیں لیکن پوری دنیا کے بادشاہ اور عوام مل کر مرغی کا ایک انڈا نہیں دے سکتے ہیں ذرا ایک انڈا و بکر دکھا تو دیں اگر نہیں تو پھر دوسرے کی تخلیق میں بے جا جوڑ توڑ کیوں کرتے ہو؟ عاجز ہو کر قادر بننے کی کوشش کرنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

اللہ کے ہاں مصور کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا

﴿۹﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَاللّٰهِ الْمُصَوِّرُوْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا خدا کے ہاں سخت ترین عذاب کا مستوجب مصور ہے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"المصورون" اصطلاحی طور پر جاندار کی تصویر بنانے والے کو مصور کہتے ہیں غیر جاندار کی تصویر بنانے والے کو نقاش کہا جاتا ہے ، یہاں جاندار کی تصویر مراد ہے اس حدیث اور گذری ہوئی حدیث نمبر ۲ کی توضیح وتشریح ایک جیسی ہے وہاں تفصیل گذر چکی ہے۔

جتنی تصویریں بناؤ اتنا عذاب کماؤ

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ فَيُعَذِّبُهُ فِيْ جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَالَارُوْحَ فِيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہر مصور دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بنائی ہوئی ہر تصویر کے بدلے ایک شخص پیدا کیا جائے گا جو تصویر بنانے والے کو دوزخ میں عذاب دیتا رہے گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر تمہیں تصویر بنانے کی ضرورت ہی ہو تو درختوں یا کسی غیر ذی روح کی تصویر بنالو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"نفس" یعنی جتنی تصویریں دنیا میں مصور نے جاندار کی بنائی ہیں ان تمام تصاویر کو قیامت میں ایک حیوانی شکل دی جائے گی اور دوزخ کی آگ میں وہ حیوان عذاب کی صورت میں اس مصور کے اوپر مسلط ہوجائیں گے "فیعذبہ" اگر مذکر کا صیغہ ہے تو ضمیر فاعل لفظ اللہ کی طرف لوٹ جائے گی اور اگر مؤنث کا صیغہ ہے تو ضمیر فاعل نفس کی طرف لوٹ جائے گی۔ بہر حال ہر مصور کو سوچنا چاہیے کہ وہ جتنی تصویریں بنائیگا اتنا ہی اپنا عذاب بڑھائے گا۔

تین بڑے گناہ اور ان پر عجیب سزا

﴿۱۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلُمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنَيْهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ایسا خواب دیکھنے کا دعویٰ کرے جو کہ اس نے نہیں دیکھا ہے یعنی جھوٹا خواب بیان کرے تو اس کو قیامت کے دن دو جو میں گرہ لگانے پر مجبور کیا جائیگا جس کو وہ ہرگز نہیں کر سکے گا۔ اور جو شخص کچھ لوگوں کی بات چیت کی طرف اپنا کان لگائے جب کہ وہ لوگ اس شخص کے

سننے کو پسند نہ کریں اور اس سے فرار اختیار کریں تو قیامت کے دن اس شخص کے کان میں سیسہ ڈالا جائے گا اور جو شخص تصویر بنائے گا اس کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ اور اس کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس تصویر میں روح پھونکے حالانکہ وہ ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔ (بخاری)

توضیح

"تحلم" یعنی ایسا خواب بیان کیا جو دیکھا نہیں تھا بلکہ جھوٹ بنا کر بیان کیا تو اس کو یہ سزا ہوگی کہ جو کے دو دانوں کو آپس میں گرہ دینے پر مجبور کیا جائے گا جب گرہ نہیں لگا سکے گا تو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا کیونکہ یہ تعلیق بالمحال ہے، جھوٹا خواب بیان کرنا عام جھوٹ بولنے سے زیادہ سخت اس لئے ہے کہ جھوٹے خواب میں یہ شخص عالم غیب پر جھوٹ بولتا ہے نیز خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہے تو گویا اس شخص نے نبوت کے ایک حصہ میں جھوٹ بولا جو بڑا جرم ہے مثلاً یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ مجھے ولایت کا فلاں رتبہ دیا گیا ہے یا فلاں شخص کی مغفرت ہوگئی ہے یا میں نے حج کیا ہے یا میں نے حضور اکرم کو خواب میں دیکھا ہے یا مجھے جنت کا پروانہ ملا ہے اس طرح جھوٹا خواب بیان کرنا باعث عذاب ہے۔

"استمع" یعنی کچھ لوگوں کی خفیہ باتوں کے سننے کے لئے کان لگاتا ہے اور باتیں سن کر اس کو پھیلاتا ہے اور فساد برپا کرتا ہے یہ حرام ہے۔

"صب" یعنی ڈالا جائے گا۔ "الآنک" یہ سیسہ اور تانبے کو کہا جاتا ہے۔

"ولیس بنافخ" یعنی جس شخص نے جاندار کی تصویر بنائی قیامت میں اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اب اس میں جان ڈالدو وہ شخص اس میں جان نہیں ڈال سکے گا تو اس پر اس کو سزا ہوگی اور یہ سزا ہمیشہ کے لئے ہوگی یہ بھی تعلیق بالمحال ہے کہ اس میں روح ڈالو ورنہ عذاب میں پڑے رہو جب روح نہیں ڈال سکے گا تو عذاب میں پڑا رہیگا۔

نردشیر کھیلنے کی مذمت

﴿۱۴﴾ وعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ شِيرِ فَكَاَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نردشیر کے ذریعہ کھیلا اس نے گویا سور کے گوشت اور خون میں اپنا ہاتھ ڈبویا۔ (مسلم)

توضیح

"نردشیر" چوسر کی قسم میں سے ایک کھیل ہے اس کھیل کو سب سے پہلے فارس کے بادشاہ شاہ پور بن اردشیر بن بابک نے

ایجاد کیا تھا جو آدمی اس کھیل کو کھیلے گا گویا وہ مجوسی رسم کو زندہ رکھنا چاہتا ہے جس میں گناہ ہے۔ دوسرا ایک کھیل ہے جس کو شطرنج کہتے ہیں جس کا تذکرہ آیندہ آرہا ہے۔ احناف کے نزدیک دونوں کھیل مکروہ تحریمی ہیں مگر شوافع کے نزدیک اگر وقت ضائع نہ ہو نماز نقصانہ ہو محض تشحیذ اذہان کی نیت سے ہو تو مباح اور جائز ہے ائمہ احناف نے وعیدوں کو دیکھا ہے وعید کے سامنے تشحیذ اذہان کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں ہے۔ امام شافعی کا ایک قول ہے کہ شطرنج مکروہ ہے اس قسم کے کھیل میں تصاویر کا استعمال ہوتا ہوگا اس لئے اس کو تصاویر کے باب میں ذکر کیا گیا۔ خنزیر کا گوشت اور اس کا خون حرام ہونے کیساتھ ساتھ مزید نفرت طبع کا باعث ہے اس لئے نفرت دلانے کے لئے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

الفصل الثانی

﴿۱۳﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَیْتُکَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ یَمْنَعْنِیْ اَنْ اَکُوْنَ دَخَلْتُ اِلَّا اَنَّهٗ کَانَ عَلَی الْبَابِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِیْهِ تَمَاثِیْلُ وَکَانَ فِی الْبَیْتِ کَلْبٌ فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِیْ عَلٰی بَابِ الْبَیْتِ فَیُقْطَعُ فَیَصِیْرَ کَهَیْئَةِ الشَّجَرَةِ وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْیُقْطَعْ فَلْیُجْعَلْ وِسَادَتَیْنِ مَنْبُوْذَتَیْنِ تُوْطَئَانِ وَمُرْ بِالْکَلْبِ فَلْیُخْرَجْ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل آئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں گذشتہ شب آپ کے پاس آیا تھا لیکن مجھ کو گھر میں آنے سے جس چیز نے روکا وہ یہ تھی کہ دروازے کے پردے پر تصویریں تھیں بایں طور کہ گھر میں جو رنگین منقش کپڑا تھا اس کا پردہ بنایا گیا تھا اور اس پر بھی تصویریں بنی ہوئی تھیں نیز گھر میں کتا بھی موجود تھا لہٰذا آپ ان تصویروں کے سر کاٹے جانے کا حکم دیجئے جو دروازے کے پردے پر ہیں اور ان تصویروں کے سر اس طرح کاٹ دیئے جائیں کہ ان کی ہیئت وشکل بدل جائے اور وہ درخت کی شکل کے ہو جائیں اور پھر اس پردہ کو کاٹ کر ان کے دو تکیے بنانے کا حکم دیجئے جو سہارا لے کر بیٹھنے اور تکیہ لگا کر سونے کے لئے گھر میں فرش پر پڑے رہیں اور روندے جاتے رہیں نیز کتے کو بھی گھر سے نکال باہر کرنے کا حکم دیجئے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا جیسا کہ حضرت جبرائیل نے بتایا تھا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"فیقطع" جن تصاویر کے سر کٹے ہوئے ہوں اس کی ممانعت نہیں ہے جس طرح اس حدیث میں ہے اور جو تصاویر چھوٹی ہوں اس کی ممانعت بھی نہیں ہے چھوٹی تصویر کے لئے معیار یہ ہے کہ وہ اتنی پتلی ہو کہ کھڑا آدمی جب اس کو زمین پر رکھدے تو اس کے اعضاء الگ الگ معلوم نہیں ہو رہے ہوں نیز جن تصاویر میں ایسے اعضاء نہ ہوں جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہے

جیسے پیٹ نہیں ہے ناف سے نیچے نہیں ہے اس میں بھی یہ شدید وعید نہیں ہے۔ اگر تصاویر بڑی ہوں تو فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ اگر نمازی اس حالت میں نماز پڑھ رہا ہو کہ تصاویر اس کے مصلے کے آگے ہوں یا اوپر دیواروں پر دائیں بائیں معلق ہوں یا پہنے ہوئے کپڑے پر ہوں تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اگر یہ تصاویر بچھونے اور فرش پر بچھان کے درجہ میں ہوں تو راجح قول یہ ہے کہ اگر وہ سجدہ کی جگہ پر نہ ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہوگی یہ تفصیل ان تصاویر کے بارے میں ہے جو بڑی ہوں چھوٹی تصاویر میں یہ کراہت نہیں ہے۔ (کذا فی فتاویٰ الخانیہ)

"قرام" نرم پردہ کو کہتے ہیں معلوم ہوا مجسمہ کے علاوہ تصاویر بھی ناجائز ہیں کیونکہ یہاں مجسمہ مراد نہیں ہے بلکہ ہلکے پھلکے پردہ پر تصاویر مراد ہیں۔ "وسادتین" یعنی جب ان تصاویر کے سر توڑ دیئے جائیں یا پردہ کو چاک کیا جائے تو اب تصویریں باقی نہیں رہیں گی لہٰذا تکیہ بنانا جائز ہوا۔

مصورین پر محشر میں دوزخ کی گردن مسلط ہوگی

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ عُنُقٌ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهَا عَيْنَانِ تَبْصُرَانِ وَاُذُنَانِ تَسْمَعَانِ وَلِسَانٌ يَنْطِقُ يَقُوْلُ اِنِّيْ وُكِّلْتُ بِثَلٰثَةٍ بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ وَكُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَبِالْمُصَوِّرِيْنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن دوزخ میں سے ایک گردن نکلے گی یعنی آگ کا ایک شرارہ لمبی گردن کی صورت میں نکلے گا اس گردن میں دیکھنے والی دو آنکھیں ہوں گی، سننے والے دو کان ہوں گے اور بولنے والی زبان ہوگی وہ گردن کہے گی کہ میں تین طرح کے لوگوں پر مسلط کی گئی ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات پر متعین کیا ہے کہ میں ان تین طرح کے لوگوں کو دوزخ میں کھینچ کر لے جاؤں اور لوگوں کے سامنے ان کو ذلیل ورسوا کر کے عذاب میں مبتلا کروں ان میں سے ایک طرح کے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کے ساتھ تکبر وعناد کا برتاؤ کیا۔ یعنی دنیا میں ان پر حق ظاہر ہوا مگر انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا۔ دوسری طرح کے لوگوں میں ہر وہ شخص شامل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارا ہے۔ اور تیسری طرح کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے تصویر سازی کی ہے۔ (ترمذی)

شراب، جوا اور کوبہ حرام ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَقَالَ كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ قِيْلَ الْكُوْبَةُ الطَّبْلُ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت ابن عباسؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور کوبہ بجانے کو لسان نبوت کے ذریعہ حرام قرار دیا ہے نیز آپ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز کو حرام ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ

''کوبہ'' طبل کو کہتے ہیں۔ (بیہقی)

توضیح

"الکوبة" کوبہ کے معنی اور مصداق میں تین اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد نرد ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے بربط مراد ہے تیسرا قول یہ کہ اس سے مراد طبل ہے، مگر اس طبل سے غازی کا طبل مستثنیٰ ہے اس حدیث کو شاید نرد کی وجہ سے یہاں ذکر کیا گیا ہے جس میں تصاویر ہوتی ہیں۔

﴿۱٦﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَالْكُوْبَةِ وَالْغُبَیْرَاءِ وَالْغُبَیْرَاءُ شَرَابٌ تَعْمَلُهُ الْحَبَشَةُ مِنَ الذُّرَةِ وَیُقَالُ لَهَا السُّكُرْكَةُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، جوئے، کوبہ اور غبیرا سے منع کیا ہے اور غبیرا ایک قسم کی شراب ہوتی ہے جس کو حبشہ کے لوگ جوار سے بناتے ہیں اور اس کو سکرکہ کہتے ہیں۔ (ابوداؤد)

"الذرة" مکئی کو ذرہ کہا گیا ہے سیاہ فام لوگ سب سے زیادہ مکئی کو استعمال کرتے ہیں اس سے شراب بھی بناتے ہیں۔ کوبہ کی وجہ سے یہ حدیث باب التصاویر میں آگئی ہے۔ "غبیرا" اس شراب کا دوسرا نام سکرکہ بھی ہے۔

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدِ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نرد سے کھیلا درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ (احمد، ابوداؤد)

کبوتر بازی ناجائز ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا یَتْبَعُ حَمَامَةً فَقَالَ شَیْطَانٌ یَتْبَعُ شَیْطَانَةً. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَه وَالْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَان.

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتروں کے پیچھے پڑا ہوا تھا یعنی ان کے ساتھ لہو ولعب کرنے اور ان کو اڑانے میں مشغول تھا آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے اور شیطان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح

"شیطان یتبع شیطانة" کبوتر بازی ناجائز ہے کیونکہ اس میں بہت ساری خرابیاں ہیں مثلاً اس سے وقت ضائع

ہو جاتا ہے آدمی نمازوں سے غافل ہو جاتا ہے ذکر اللہ سے غفلت پیدا ہوتی ہے کبوتر اڑانے والا گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر بے پردگی اور بے حیائی کا مرتکب ہو جاتا ہے اس طرح یہ انسان فسق و فجور کا شکار ہو جاتا ہے تو ٹھیک ٹھاک شیطان بن جاتا ہے اگر کبوتروں کے اڑانے میں کوئی جوابازی بھی کرتا ہے پھر تو اس کے شیطان بننے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا ہے۔
باقی کبوتر کو اس لئے شیطانہ کہدیا گیا کہ وہ آدمی کی اس بربادی کا سبب اور ذریعہ بن گیا ہے اور ان تمام مفاسد کا مرکز بن گیا، اگر کوئی شخص افزائش نسل کی غرض سے کبوتروں کو پالتا ہے اور اس کی دیکھ بال کرتا ہے تو اگرچہ اس کا پالنا جائز ہے لیکن یہ خارجی مفاسد ناجائز ہیں۔

الفصل الثالث

جاندار کی تصویر کشی کا پیشہ ناجائز ہے

﴿۱۹﴾عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ اِنِّيْ رَجُلٌ اِنَّمَا مَعِيْشَتِيْ مِنْ صَنْعَةِ يَدِيْ وَاِنِّيْ اَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيْرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا اُحَدِّثُكَ اِلَّا مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فَاِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيْهِ الرُّوْحَ وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيْهَا اَبَدًا فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيْدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ فَقَالَ وَيْحَكَ اِنْ اَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تَصْنَعَ فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ وَكُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيْهِ رُوْحٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت سعید ابن ابو الحسن تابعیؒ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ناگہاں ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ابن عباسؓ میری معاشی زندگی کا انحصار میرے ہاتھوں کی محنت مزدوری پر ہے جن کے ذریعہ میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں کیونکہ شریعت نے اس پیشہ کو حرام قرار دیا ہے اور کوئی دوسرا پیشہ مجھے آتا نہیں کہ جس کے ذریعہ اپنی روزی کا انتظام کریں تو کیا اس مجبوری کے تحت میرے لئے یہ پیشہ جائز ہے۔ یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے جب یہ دیکھا کہ تصویر کشی کے کام سے اس شخص کا تعلق سخت نوعیت کا ہے اور شاید میرے منع کرنے سے باز نہ آئے تو انہوں نے اس کے سامنے آنحضرت کی حدیث بیان کی چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے اس بات کے علاوہ اور کوئی بات بیان نہیں کروں گا جس کو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو تم توجہ سے سنو کہ میں نے آنحضرت کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص تصویر سازی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں مبتلا رکھے گا یہاں تک کہ وہ اس تصویر میں روح پھونک دے درآنحالیکہ وہ اس تصویر میں ہرگز روح نہیں پھونک سکے گا۔ اس شخص نے یہ وعید سن کر بڑا گہرا سانس لیا اور اس کا چہرہ خوف کی وجہ سے پیلا پڑ گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ تم پر افسوس ہے اگر تم اس تصویر کشی کے پیشہ کے علاوہ دوسرے پیشوں کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہو تو ایسا کرو کہ ان

درختوں کی اوران چیزوں کی تصویریں بنانے لگو جو بے جان ہیں۔ (بخاری)

توضیح

"فربا الرجل" ربا بربو سے ہے یعنی ایک ٹھنڈا لمبا سانس لیا اور خوف خدا سے رنگ پیلا پڑ گیا۔ گھوڑا جب دوڑتا ہے اور تھک کر لمبا سانس لیتا ہے اس کو ربا الفرس ربوۃ کہتے ہیں کاش اگر کوئی شارح اس کا ترجمہ کانپنے سے کرتا تو ربوۃ شدیدۃ بھی صحیح سمجھ میں آجاتا اور واصفر وجهه بھی سمجھ میں آجاتا مگر کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا ہے بس سانس چڑھنے اور ٹھنڈا لمبا سانس بلند کرنے کا ترجمہ کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جاندار کے علاوہ ہر چیز کی تصویر بنانا جائز ہے۔

تصاویر کے ذریعہ سے بت پرستی آئی ہے اور آئے گی

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِهَا وَتَصَاوِيرَ فِيهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ أُولٰئِكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولٰئِكَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ کی ازواج میں سے بعض نے ایک کنیسہ کا ذکر کیا جس کو ماریہ کہا جاتا تھا کنیسہ یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہ کو کہتے ہیں۔ جو کنشیت کا معرب ہے اسی کے بارے میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت کی بیماری میں آپ کے پاس بیٹھی ہوئی ازواج آپ کی دلبستگی کے لئے باتوں میں مشغول تھیں کہ بعض ازواج مطہرات یعنی ام سلمہ اور ام حبیبہ نے کنیسہ کا ذکر کیا جس کو انہوں نے ملک حبشہ میں دیکھا تھا اور آپ کی وہ ازواج مطہرات یعنی ام سلمہؓ اور ام حبیبہ حبشہ جا چکی تھیں جہاں کے لوگ عیسائیت کے پیروکار تھے۔ چنانچہ ان دونوں نے کنیسہ کی خوبصورتی اور اس میں بنی ہوئی تصویروں کا ذکر کیا آنحضرت نے یہ تذکرہ سن کر اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ وہ لوگ یعنی حبشہ والے یا نصاریٰ ایسا کرتے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی نیک و صالح آدمی مرجاتا ہے۔ تو وہ اس کو قبر پر عبادت گاہ بنالیتے ہیں۔ جس کو کنیسہ کہا جاتا ہے۔ اور اس کنیسہ میں اپنے نیک و صالح لوگوں کی یہ تصاویر بناتے ہیں۔ وہ لوگ حقیقت میں خدا کی بدترین مخلوق ہیں (بخاری، مسلم)

توضیح

"کنیسة" یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہ کو کنیسہ کہتے ہیں "وتصاویر فیها" ای ذکرتا حسن تصاویرها، گرجا کی خوبصورتی اور اس میں تصاویر کی خوبصورتی کو بطور تعجب بیان کیا۔

"علی قبرہ مسجداً" یعنی قبر کو عبادت گاہ بناتے تھے اور پھر اس کے نام پر کنیسہ بناتے تھے اور پھر اس میں ان صالحین کی تصاویر بنا کر دل کی تسلی کے لئے رکھتے تھے جب بوڑھے مرجاتے تو نئی نسل کو شیطان کہتا تھا کہ تمہارے بڑے ان تصاویر اور صالحین کے ان مجسموں کی عبادت کرتے تھے تو نئی نسل بتوں کی عبادت میں مبتلا ہو جاتی جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں شرک کی ابتدا بھی اسی طرح ہوئی تھی معلوم ہوا تصاویر کے ذریعہ سے شرک کی ابتدا بھی ہوئی اور آئندہ بھی شرک اسی راستہ سے آتا رہیگا آج کل قبروں کے پجاری بریلوی حضرات ہیں جو بدعتی بھی ہیں اور شرک میں بھی مبتلا ہیں "اشرار خلق اللہ" یعنی تصویر کشی کرنے والے اور پھر قبروں کو عبادت گاہ بنانے والے بدترین خلائق ہیں کیونکہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف
بت پرستی دین احمد میں ابھی آئی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھوائی نہیں

پانچ قسم لوگوں کو قیامت میں شدید ترین عذاب ہوگا

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَتَلَ نَبِيًّا اَوْ قَتَلَهُ نَبِيٌّ اَوْ قَتَلَ اَحَدَ وَالِدَيْهِ وَالْمُصَوِّرُوْنَ وَعَالِمٌ لَمْ يَنْتَفِعْ بِعِلْمِهِ......

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سخت ترین عذاب اس شخص پر ہوگا جو نبی کو قتل کرے یا جہاد میں اس کو نبی قتل کرے یا جو والدین میں سے کسی ایک کو قتل کرے اور جو شخص تصویر بنائے یا جو عالم اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھائے یعنی اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے ان پر بھی سخت ترین عذاب ہوگا۔

توضیح

اس حدیث میں پانچ قسم لوگوں کا بیان ہے جن کو قیامت میں شدید ترین عذاب ہوگا (۱) جس نے کسی نبی کو شہید کر دیا (۲) جس کو نبی نے جہاد کے میدان میں قتل کیا قصاص میں نہیں (۳) جس بدبخت نے ماں باپ میں سے کسی ایک کو قتل کیا (۴) جاندار کی تصویر کشی کرنے والا (۵) وہ عالم جو علم کا حق ادا نہ کرے نہ اس کی دعوت دے نہ اس پر عمل کرے۔

شطرنج کی مذمت

﴿۲۲﴾وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ الشَّطْرَنْجُ هُوَ مَيْسِرُ الْاَعَاجِم.....

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے شطرنج عجمی لوگوں یعنی غیر مسلم قوموں کا جوا ہے۔

توضیح

"میسر الاعاجم" یعنی عجم اور اہل فارس کے مجوسیوں کا جوا اور قمار ہے لہٰذا ان مجوسیوں کی مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے اس لئے ان کا خاص کھیل نرد چوسر اور شطرنج کھیلنا جائز نہیں ہے۔

احناف کے نزدیک یہ اشیاء مکروہ تحریمی ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تشحیذ اذھان کے لئے شطرنج کھیلنا جائز ہے ان سے بھی ایک قول منقول ہے کہ شطرنج مکروہ ہے۔ پہلے حدیث نمبر ۱۲ کے تحت تفصیل گذر چکی ہے۔

خطا کار آدمی شطرنج کھیلتا ہے

﴿۲۳﴾وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَامُوْسَى الْاَشْعَرِيَّ قَالَ لَايَلْعَبُ بِالشَّطْرَنْجِ اِلَّا خَاطِئٌ.....

اور حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا شطرنج صرف وہ شخص کھیلتا ہے جو خطا کار ہو۔

شطرنج ایک باطل کھیل ہے

﴿۲۴﴾وَعَنْهُ اَنَّهُ سُئِلَ عَنْ لَعِبِ الشَّطْرَنْجِ فَقَالَ هِيَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَايُحِبُّ اللّٰهُ الْبَاطِلَ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ......

اور حضرت ابن شہابؒ سے روایت ہے کہ ان سے شطرنج کھیلنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ کھیل ایک باطل شے ہے اور اللہ تعالیٰ باطل کو پسند نہیں کرتا۔ مذکورہ بالا چاروں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح

ہدایہ میں لکھا ہے کہ احادیث کی وعید کے پیش نظر شطرنج اور نردشیر کھیلنا مکروہ تحریمی ہے۔ جامع صغیر میں ایک روایت منقول ہے کہ شطرنج کھیلنے والا ملعون ہے۔

"نساب الاحساب" کتاب میں امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا مکروہ ہے شاید امام شافعی سے دو قول منقول ہیں ایک میں مباح اور دوسرے میں شطرنج مکروہ ہے درمختار میں لکھا ہے کہ اس قسم کے سب کھیل مکروہ ہیں۔

کتے اور بلی میں فرق

﴿۲۵﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ دَارَ قَوْمٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَدُوْنَهُمْ دَارٌ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْتِيْ دَارَ فُلَانٍ وَلَا تَأْتِيْ دَارَنَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّ فِيْ دَارِكُمْ كَلْبًا قَالُوْا اِنَّ فِيْ دَارِهِمْ سِنَّوْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسِّنَّوْرُ سَبُعٌ. رَوَاهُ الدَّارُ قُطْنِيُّ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار میں سے بعض لوگوں کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے حالانکہ ان کے پڑوس میں اور لوگوں کے بھی گھر تھے لیکن آپ ان کے یہاں نہیں جاتے تھے ان لوگوں پر یہ بات بڑی گراں گذرتی تھی کہ آپ ہمارے پڑوس میں دوسرے لوگوں کے گھر تشریف لاتے ہیں لیکن ہمارے یہاں نہیں آتے چنانچہ ان لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ فلاں کے گھر تو تشریف لاتے ہیں لیکن ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہمارا گھر آپ کی تشریف آوری کی سعادت سے محروم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے گھر اس لئے نہیں آتا کہ تمہارے گھروں میں کتے پلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا ان کے گھروں میں بلی پلی ہوئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلی درندہ ہے۔ (دار قطنیؒ)

توضیح

آنحضرتؐ انصار کے بعض حضرات کے ہاں تشریف لے جاتے تھے راستہ میں کچھ گھر انصار کے دیگر حضرات کے بھی پڑتے تھے ان سے گذر کر آنحضرتؐ کا آگے جانا ان پر شاق گذرا کہ آنحضرت ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے ہیں تا کہ ہمیں بھی یہ بڑا اعزاز حاصل ہو سکے کسی نے خوب کہا ۔

گلاہ گوشہ دھقان بہ آفتاب رسید
چوں سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

آنحضرتؐ نے ان لوگوں سے معذرت فرمائی کہ تم لوگوں نے محلہ میں کتا پال رکھا ہے اس لئے میں تمہارے محلہ میں نہیں آتا ہوں ان حضرات نے کہا کہ جہاں آپ جاتے ہیں ان لوگوں کے گھروں اور محلہ میں بلی ہے آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا بلی درندہ ہے یہ کتے کی طرح نہیں کتا شیطان ہے اور شیطان کے ساتھ فرشتوں کی عداوت ہے بلی شیطان نہیں ہے اس لئے اس کو کتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

کتاب الطب والرقی

طب اور جھاڑ پھونک کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿کلوا واشربوا ولاتسرفوا﴾

وقال تعالیٰ ﴿رب اعوذبک من همزات الشیاطین واعوذبک رب ان یحضرون﴾

الطب: طا پر کسرہ مشہور ہے علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ طا پر زبر زیر اور پیش تینوں حرکات پڑھ سکتے ہیں "الطب هو علاج الامراض" یعنی بیماری کے علاج کرنے کو طب کہتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں "طب بحرکات ثلاثہ علاج کردن" اسی سے طبیب ہے جو معالج کو کہتے ہیں "وطَبٌّ بالفتح طا طبیب ومرد حاذق درکار خود، ومتطبب علم طب خوانندہ وعمل کنندہ بدان کہ ہنوز حاذق نشدہ باشد وطب بکسرہ بمعنی سحر نیز آمدہ ومطبوب مسحور، یعنی طب زبر کے ساتھ طبیب کو بھی کہتے ہیں اور اپنے کام میں ہر ماہر کو بھی کہتے ہیں متطبب علم طب پڑھنے والے نو آزمودہ طبیب کو کہتے ہیں نیز طب جادو کے معنی میں بھی آتا ہے فلان مطبوب یعنی فلاں جادو زدہ ہے۔

علامہ طیبیؒ نے اس مادہ سے متعلق ایک شعر لکھا ہے

لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ یُسْتَطَبُّ بِهَا

اِلَّا الْحَمَاقَةَ اَعْيَتْ مَنْ يُدَاوِيهَا

طب کی دو قسمیں ہیں (۱) طب جسمانی (۲) طب روحانی۔

چنانچہ حفظان صحت اور دفع مرض کی غرض سے علاج معالجہ کو طب جسمانی کہتے ہیں جس کا تعلق ظاہر بدن سے ہے اور باطنی وروحانی امراض مثلاً کینہ وحسد، حرص والالچ، تکبر وغرور اور برے اخلاق وعادات اور برے اعمال کے ازالہ کے لئے جو علاج معالجہ ہوتا ہے اس کو طب روحانی کہتے ہیں۔

آنحضرت کی بعثت کا اصل مقصد اگرچہ طب روحانی تھا لیکن چونکہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کامل ومکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے آنحضرت نے طب جسمانی سے متعلق بڑے واضح انداز میں کافی مقدار تک اصول وقواعد اور بنیادی ضابطے امت کے سامنے رکھے ہیں۔

اس تفصیل کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ فن طب کے دو ماخذ ہیں ایک ماخذ وحی الٰہی ہے کہ وحی کے ذریعہ سے بعض دفعہ

آنحضرت کو بتادیا گیا کہ فلاں مرض کا علاج فلاں چیز سے ہے۔
علم طب کا دوسرا ماخذ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ تجربہ سے کسی دوا کو کسی مرض کے لئے مفید پایا گیا۔ حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جب کسی درخت یا پودے کے پاس نماز پڑھتے تو پھر اس سے پوچھتے کہ تیرا نام کیا ہے وہ نام بتاتا پھر آپ پوچھتے کہ تو کس مرض کے لئے دوا ہے وہ بتادیتا تو آپ اس کو لکھ لیتے اس طرح طب عام ہوا الخ۔
جمہور امت اس پر متفق ہے کہ علاج کے جواز پر کثیر دلائل کے پیش نظر علاج کرنا مستحب اور جائز ہے بعض خشک قسم کے صوفی علاج معالجہ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرض کا آنا تقدیر میں لکھا ہوا ہوتا ہے جو آدمی مرض کا علاج کرتا ہے گویا وہ تقدیر کا مقابلہ کرتا ہے اور تقدیر کا مقابلہ جائز نہیں لہٰذا علاج جائز نہیں ہے۔
ان حضرات کے اس مفروضے کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ العلاج والدواء من قدر الله۔ یعنی جس طرح مرض تقدیر میں لکھا ہے اس کا علاج اور دواء بھی تقدیر میں لکھا گیا ہے البتہ اگر کوئی شخص اعلیٰ توکل کا مالک ہو اور علاج نہیں کرنا چاہتا ہو تو علاج کوئی فرض تو نہیں ہے صرف مستحب امر ہے کرے تو کرے نہ کرے تو نہ کرے لیکن اس کو ناجائز کہنا جائز نہیں ہے۔ باقی طب نبوی اور دوسرے لوگوں کے طب میں یہ فرق ہے کہ طب نبوی کا نسخہ جب بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے تو اس کا علاج یقینی ہوتا ہے اور دوسرے طب کے علاج میں یقین نہیں ہوتا یہی وہ چیز ہے جو بعض اطباء کو شک میں ڈالتی ہے کہ طب نبوی میں ایک نسخہ کسی مرض کے لئے بتایا گیا ہوتا ہے لیکن وہ اطباء کے نزدیک مرض کے بالکل برعکس ہوتا ہے بلکہ مرض کے لئے مضر ہوتا ہے مثلاً شہد پینا دستوں کو لاتا ہے اب دستوں کے دفع کرنے کے لئے بطور علاج مریض کو شہد دینا عام فہم سے بالاتر ہے لیکن طب نبوی میں بتادیا گیا کہ یہ علاج ہے اور واقعۃً یہ علاج ہے کیونکہ دست ایک فاسد مادہ کی وجہ سے آتے ہیں اور وہ فاسد مادہ شہد کی وجہ سے دور ہو جاتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۸ میں یہ قصہ تفصیل سے آرہا ہے۔ طب نبوی میں بطور خاص اس قاعدہ کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ کبھی کسی دوا کو کسی مرض کے لئے بطور خاص بتایا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال باقی مرکبات کے ساتھ ملا کر مقصود ہوتا ہے کبھی کبھی مفرد حیثیت سے بھی کام کرتا ہے لیکن عام طور پر طب نبوی کا بتایا ہوا نسخہ دوسرے مرکبات کے ساتھ ملا کر دینا مقصود ہوتا ہے البتہ طب نبوی کا بتایا ہوا جزء پورے معجون مرکب کے لئے بنیاد اور جزء اعظم ہوتا ہے۔ طب نبوی میں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ لسان نبوت نے جس مرض کا ذکر کیا ہے مرض وہی ہو مثلاً بخار کے لئے لسان نبوت نے غسل کو مفید قرار دیا ہے تو یہ ہر بخار کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ خاص حجازی بخار کے لئے ہے بہر حال مسلمان حکماء کو اس موضوع پر بصیرت کے ساتھ لکھنا چاہئے تاکہ طب نبوی پر ملاحدہ اعتراض نہ کرسکیں، کئی صدیوں سے انگریز نے جس طرح مسلمانوں کے دیگر اسلامی شعبوں کو پامال کر رکھا ہے وہیں پر اس ظالم دشمن نے طب نبوی پر حملہ کر کے اس کے مقابلے میں اپنا انگریزی طرز علاج رائج کیا ہے اور طب نبوی کو مشکوک بنایا ہے آج مسلمان

ڈاکٹر اپنے اسلامی تشخص کو بھلا چکے ہیں وہ بھی کافروں سے مل کر طب نبوی پر اعتراض کرتے ہیں۔ شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ جدید تعلیم کی وجہ سے انگریز نے ہمارا تاج چھینا ہمارا تخت چھینا ہمارا دین چھینا اور ہمیں دین پر معترض بنا کر چھوڑا۔ الخ

یہاں آخر میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ علاج معالجہ میں ضروری ہے کہ اپنے معالج پر تجویز علاج میں مکمل اعتماد وبھروسہ کرنا چاہئے۔ اگر معالج پر شک ہوگیا اور اعتماد نہ رہا تو علاج سے فائدہ نہیں ہوگا بالکل اسی طرح طب نبوی میں بھی علاج پر کامل یقین وبھروسہ اور اعتماد ضروری ہے ورنہ فائدہ نہیں ہوگا۔ دیکھئے قرآن عظیم کو اللہ تعالیٰ نے شفاء فرمایا ہے، شہد کو شفا قرار دیا ہے، زمزم شفا ہے، لیکن خلوص نیت اور کامل اعتماد ویقین یہاں بھی ضروری ہے ورنہ فائدہ نہیں ہوگا اعتماد والوں کو فوراً فائدہ ہوتا ہے۔

بہر حال صحت بدن کی بنیاد تین اشیاء پر قائم ہے۔ (۱) مضر صحت اشیاء سے احتراز۔ (۲) اصول صحت کے مطابق صحت کا خیال رکھنا۔ (۳) اخلاط فاسدہ سے جسم کو پاک رکھنا۔

"**والرقی**" یہ رقیۃ کی جمع ہے رقیۃ جھاڑ پھونک اور منتر جنتر کو کہتے ہیں۔ اگر جھاڑ پھونک قرآن وحدیث کے نصوص اور اس کے وظائف سے ہو تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ کلام معلوم المعنی نہیں ہے تو اس سے جھاڑ پھونک جائز نہیں ہے اور اگر معلوم المعنی کلام ہے لیکن اس میں شرکیہ الفاظ ہیں تو یہ بھی ناجائز ہے اور اگر وہ کلام معلوم المعنی ہے اور شریعت کی تعلیمات کے موافق ہے اس میں کوئی شرک وبدعت کا لفظ نہیں ہے تو اس سے جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے باقی جن احادیث میں جھاڑ پھونک کی ممانعت آئی ہے اس سے ناجائز جھاڑ پھونک کی نفی مراد ہے۔ معتزلہ جھاڑ پھونک کے قائل نہیں ہیں اس سلسلہ میں ایک قصہ ملاحظہ ہو۔

حکایت

میں نے اپنے اساتذہ سے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک اللہ والا آدمی تھا جس کا نام ابوالخیری تھا ایک دن وہ کسی مریض کو دم کر رہا تھا کہ ایک روشن خیال معتزلی وہاں آگیا اور ابوالخیری پر اعتراض کیا کہ "**اذا ترفض فلاشی**" یعنی اس دم سے کیا فائدہ ہوگا یہ تو ایک پھونک ہے جب تم نے ماری تو وہ ہوا میں تحلیل ہو کر ختم ہو جاتی ہے اس کا وجود باقی نہیں تو اثر کیا کریگا؟

اس اللہ والے نے دم کرنا موقوف کیا اور اس معتزلی کو خوب مغلظات بکیں معتزلی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں غصہ سے رگیں پھول گئیں اور حالت دگرگوں ہوگئی تو ابوالخیری نے کہا کہ کیا ہوگیا؟ اس نے کہا پوچھتے بھی ہو کیا ہوگیا اتنی گالیاں دیں کہ میرے جسم میں آگ لگ گئی ہے۔ ابوالخیری نے کہا کہ یہ گالیاں تو ایک پھونک ہے "**اذا ترفض فلاشی**" اس نے کہا مجھے سخت تکلیف پہنچی۔ اللہ والے نے کہا کہ جب میرے کلام میں یہ تاثیر ہے تو اللہ تعالیٰ کے کلام میں کتنا اثر ہوگا؟

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَااَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی دَاءً اِلَّااَنْزَلَ لَهٗ شِفَاءً. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری ہے اور پیدا نہیں کی ہے جس کے لئے شفا نازل نہ کی ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کے ساتھ اس کا علاج بھی پیدا کیا ہے تاکہ اگر وہ مرض لاحق ہو تو اس علاج کے ذریعہ شفا ملے۔ (بخاری)

دوا صرف ظاہری سبب ہے شفاء اللہ تعالیٰ دیتا ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّاءِ بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بیماری کی دوا ہے لہٰذا جب دوا بیماری کے موافق ہو جاتی ہے تو بیمار خدا کے حکم یعنی اس کے مشیت وارادہ سے اچھا ہو جاتا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"برأ باذن الله" بیماری سے شفایاب ہونے کو برأ کہتے ہیں۔

اس حدیث سے اور اس سے پہلے حدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوگئی کہ جب کسی کو بیماری لاحق ہو جائے تو علاج معالجہ اور دوا استعمال کرنا مستحب ہے جس طرح مرض کا لاحق ہونا تقدیر الٰہی کے تابع ہے اسی طرح دوائی اور ازالہ مرض کا کوئی بھی جائز ذریعہ بھی تقدیر الٰہی کے تابع ہے۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ دوا کے استعمال کے بعد اثر ڈالنے والا اور شفا دینے والا اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔ دوا صرف ایک سبب اور ذریعہ ہے مؤثر حقیقی نہیں ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو کسی بھی علاج اور جھاڑ پھونک کے لئے بطور اصل اور بطور قاعدہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ کسی بھی دوا یا جھاڑ پھونک کو مؤثر بالذات سمجھنا درست نہیں ہے مؤثر حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس کی طرف سے دوا وغیرہ کو مستقل حکم ہوتا ہے تب دوا اثر کرتی ہے۔ اسی نظریہ کو عقائد کی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے متکلمین کہتے ہیں کہ کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کا مستقل

حکم ہوتا ہے کہ یہ کھانا اس کھانے والے کے پیٹ کو سیر کرے اور پانی اس پینے والے کی پیاس کو بجھادے اور اگر کوئی شخص آگ میں گرتا ہے تو گرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آتا ہے کہ اسکو جلادو ورنہ آگ اثر نہیں کر یگی جیسے حضرت ابراہیم پر آگ نے اثر نہیں کیا۔

ملاعلی قاریؒ نے بحوالہ حمیدی ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک پردہ ہوتا ہے فرشتہ اس پردہ کو بیمار کے مرض اور دوا کے درمیان حائل کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیمار جو بھی دوا استعمال کرتا ہے وہ مرض کو نہیں لگتی (شفا حاصل نہیں ہوتی) جب اللہ کی مشیت ہوتی ہے کہ بیمار اچھا ہو جائے تو وہ فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ مرض اور دوا کے درمیان سے پردہ اٹھایا جائے اس کے بعد جب بیمار دوا کو استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس دوا کے ذریعہ شفا دیتا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں پر پیدا کیا ہے اسی جگہ میں اس کے کھانے پینے اور دوا کا انتظام بھی کیا ہے جو جڑی بوٹیوں اور پھل فروٹ میں پوشیدہ ہے۔

تین چیزوں میں شفاء ہے

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّفَاءُ فِيْ ثَلٰثٍ فِيْ شَرْطَةِ مِحْجَمٍ اَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ اَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ وَاَنَا اَنْهٰى اُمَّتِيْ عَنِ الْكَيِّ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شفا تین چیزوں میں ہے پچھنے والی سینگی لگانے میں، یا شہد پینے میں (خواہ خالص شہد پیا جائے یا پانی وغیرہ میں ملا کر پیا جائے) اور آگ سے داغنے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔ (بخاری)

توضیح

"شرطة محجم" شرط فعلة کے وزن پر نشتر مارنے کو کہتے ہیں مگر یہاں صرف مارنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے نشتر کا مفہوم اس میں نہیں کیونکہ آگے محجم کا لفظ ہے جس سے حجام کے لوہے کا وہ آلہ مراد ہے جس کے ذریعہ حجام جسم میں زخم لگاتا ہے اور خون نکالتا ہے پورے جملے کا ترجمہ شیخ عبدالحق نے فارسی میں اس طرح کیا ہے

شفا در سہ چیز است یکی در خون کشیدن است

اردو میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا ہے پچھنے والی سینگی لگانے میں، ملاعلی قاری نے عربی میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے

"وهو الضرب على موضع الحجامة ليخرج الدم منه"

"او كية بنار" تیسری چیز جس میں شفاء ہے وہ آگ سے داغنے میں ہے یعنی داغ لگانے والے نے لوہا گرم کیا اس سے بیمار

کو داغا یا روئی اور اسپند میں آگ لگا کر داغ دیا آج کل بھی اس کے ماہرین یہ کام کرتے ہیں اور علاج کامیاب ہو جاتا ہے۔

سوال

آگ سے داغنے کے علاج سے بعض احادیث میں ممانعت آئی ہے جیسے زیر بحث حدیث میں ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے خود داغ کے عمل سے بعض صحابہ کا علاج کیا ہے صحابہ کے معمولات میں بھی داغ کا عمل پایا جاتا ہے ان روایات میں بظاہر تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب

اصل حقیقت اس طرح ہے کہ داغنے کا عمل جائز علاجوں میں سے ایک علاج ہے لیکن اس کے استعمال سے منع کرنے کی کچھ خارجی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ یہ کہ آنحضرتؐ نے امت پر شفقت ورحمت کے طور پر داغنے سے امت کو منع فرمایا کہ جب تک دوسرا علاج ممکن ہے داغنے کی طرف نہیں آنا چاہئے کیونکہ آگ سخت چیز ہے لیکن جب کوئی اور سہل طریقہ موجود نہ ہو تو پھر مجبوری میں معذوری ہے۔

ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ داغنے کے عمل کو عرب مؤثر بالذات سمجھتے تھے اس وجہ سے آنحضرتؐ نے اس غلط عقیدہ کے تحت داغنے کو منع فرمادیا مطلق ممانعت نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ زیادہ مبالغہ اور کئی فاحش سے آنحضرت نے روکا ہے بقدر حاجت کی اجازت پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

احادیث میں داغنے کا ذکر

﴿۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رُمِيَ أُبَيٌّ يَوْمَ الْأَحْزَابِ عَلَى أَكْحَلِهِ فَكَوَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ غزوہ احزاب کہ (جس کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں) کے دن حضرت ابی کی رگ ہفت اندام پر تیر آکر لگا جس سے خون جاری ہو گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو داغ دیا یعنی آپ نے زخم کے منہ کو داغنے کا حکم فرمایا، یا خود اپنے دست مبارک سے داغا تاکہ خون بند ہو جائے۔ (مسلم)

توضیح

"الاحـــزاب" غزوہ خندق اور غزوہ احزاب ایک ہی غزوہ کے دو نام ہیں چار ہجری میں یہ غزوہ پیش آیا تھا دس ہزار کفار نے مدینہ منورہ کا ایک ماہ تک محاصرہ کر رکھا تھا جانبین سے دو بدو لڑائی کی نوبت بوجہ خندق نہیں آئی البتہ تیراندازی ہوتی رہی اسی

میں کئی صحابہ زخمی ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب کو اکحل یعنی بازو کی رگ میں تیر لگا اسی اکحل میں حضرت سعد بن معاذ کو بھی تیر لگا خون بند نہیں ہو رہا تھا تو آنحضرتؐ نے دونوں کو داغ دیا۔ اکحل رگ جان کا نام ہے اگر یہ گردن کے پاس ہو تو اس کا نام ابجر ہوتا ہے جب بازو میں یہ رگ آتی ہے تو اس کا نام اکحل ہو جاتا ہے اور جب یہ رگ ران اور پنڈلی میں آتی ہے تو اس کا نام النساء ہو جاتا ہے جو عرق النسا کے نام سے مشہور ہے۔

﴿۵﴾وَعَنْهُ قَالَ رُمِيَ سَعْدُبْنُ مُعَاذٍ فِيْ اَكْحَلِهٖ فَحَسَمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ بِمِشْقَصٍ ثُمَّ وَرِمَتْ فَحَسَمَهُ الثَّانِيَةَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعد ابن معاذؓ کی رگ ہفت اندام پر تیر آ کر لگا (جس سے خون جاری ہو گیا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے تیر کے پیکان کے ذریعہ (زخم کو) داغ دیا پھر جب ان کے ہاتھ پر ورم آ گیا تو آپ نے دوبارہ داغا۔ (مسلم)

﴿٦﴾وَعَنْهُ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ طَبِيْبًا فَقَطَعَ مِنْهُ عِرْقًا ثُمَّ كَوَاهُ عَلَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی ابن کعبؓ کے پاس ایک طبیب بھیجا طبیب نے ان کی ایک رگ کو کاٹ ڈالا اور اس (زخم) پر داغ دیا۔ (مسلم)

کلونجی کی خاصیت

﴿۷﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْحَبَّةِ السَّوْدَاءِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ اِلَّا السَّامَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ اَلسَّامُ الْمَوْتُ وَالْحَبَّةُ السَّوْدَاءُ الشُّوْنِيْزُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سیاہ دانہ سام کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے۔ ابن شہابؒ نے بیان کیا کہ سام سے موت مراد ہے اور سیاہ دانہ سے کلونجی مراد ہے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"الحبة السوداء" سیاہ دانہ سے مراد کلونجی ہے یہ ایک پودے کا بیج ہے اس کا حجم اور رنگ روغن اور ذائقہ بالکل پیاز کے بیج کی طرح ہے شبہ ہوتا ہے کہ یہی کلونجی ہے لیکن یہ کلونجی نہیں ہے بلکہ کلونجی پنجاب کے علاقوں میں پیدا ہوتی ہے اس کو باقاعدہ کاشت کیا جاتا ہے اس کا پودا چھوٹا سا ہوتا ہے۔

"السام" موت کو سام کہتے ہیں۔ "الشونیز" یہ کلونجی کے پودے کا اصل نام ہے۔ علامہ طیبیؒ کا خیال ہے کہ کلونجی صرف ان امراض کا علاج ہے جو امراض رطوبت اور بلغم سے پیدا ہوں کیونکہ کلونجی کا مزاج خشک اور گرم ہے تو طبائع مرطوبہ بلغمیہ کے لئے مفید ہے عام نہیں لیکن طیبیؒ کے علاوہ تمام شارحین اسکو عموم پر حمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعی کلونجی موت کے علاوہ ہر بیماری کے لئے شفا ہے لیکن اس طور پر شفاء ہے کہ دیگر ادویہ کے ساتھ اسکو ملایا جائے اور کلونجی کا جزء اس میں اہم و اعظم ہو علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ حدیث میں عموم ہے اس لئے عام معنی لینا زیادہ بہتر ہے کلونجی پر لوگوں نے مستقل کتابیں لکھی ہیں بیشمار بیماریوں کے لئے اس کے خاص خاص نسخے تجویز کئے گئے ہیں۔

شہد میں شفا ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَخِیْ اِسْتَطْلَقَ بَطْنُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْقِہٖ عَسَلاً فَسَقَاہُ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ لَہٗ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَاءَ الرَّابِعَۃَ فَقَالَ اِسْقِہٖ عَسَلًا فَقَالَ لَقَدْ سَقَیْتُہٗ فَلَمْ یَزِدْہُ اِلَّا اسْتِطْلَاقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَدَقَ اللّٰہُ وَکَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ فَسَقَاہُ فَبَرَأَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے یعنی اس کو دست پر دست آرہے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو شہد پلادو اس شخص نے (جاکر) اپنے بھائی کو شہد پلایا (کچھ دیر کے بعد) پھر آیا اور کہنے لگا کہ میں نے شہد پلا دیا تھا۔ لیکن شہد نے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کیا کہ اس کے پیٹ چلنے میں اور زیادتی کر دی ہے یعنی شہد پلانے کے بعد سے دستوں میں پہلے سے بھی زیادتی ہوگئی ہے آنحضرت نے اس شخص کو تین مرتبہ یہی حکم دیا (یعنی آپ ہر بار یہی فرماتے کہ اس کو شہد پلادو اور وہ شخص شہد پلاتا رہا۔ پھر آکر کہتا کہ میں نے شہد پلادیا مگر دستوں میں پہلے سے بھی زیادتی ہوگئی ہے یہاں تک کہ وہ جب چوتھی مرتبہ آیا اور کہنے لگا کہ اس کے دستوں میں زیادتی ہوگئی ہے تو آنحضرت نے پھر یہی فرمایا کہ اس کو شہد پلادو۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے شہد پلا دیا ہے مگر شہد نے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کیا ہے کہ اس کے پیٹ چلنے میں اور زیادتی کر دی ہے تب آنحضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو سچ فرمایا ہے مگر تمہارے بھائی کا پیٹ ہی جھوٹا ہے۔ آخر کار اس شخص نے اپنے بھائی کو پھر شہد (خالص یا پانی میں ملا کر پلایا) تو وہ اچھا ہوگیا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"عسلاً" لوگوں اور عام اطباء کا خیال تھا کہ شہد خود مسہل ہے استطلاق بطن کے مریض کے لئے مناسب نہیں ہے لیکن

حضور اکرم شہد پر زور دیے رہے رہتے تھے اور اطباء کے ظاہر بینی کو مسترد فرمار ہے تھے جب علاج ہو گیا تو پھر طب اور اطباء سب نے مانا کہ استطلاق بطن کی اصل علت آنتوں میں ایک فاسد مادہ ہوتا ہے جب تک وہ ختم نہیں ہوگا بیماری ختم نہیں ہوگی شہد سے اسہال پر اسہال ہو کر آخر میں وہ فاسد مادہ زائل ہو جاتا ہے تب علاج مکمل ہو جاتا ہے اس حقیقت کو اطباء نہیں جانتے تھے حالانکہ یہ علاج بالمثل ہے اور اطباء کے ہاں یہ ایک مسلم حقیقت ہے، کتاب الطب کی ابتداء میں اس پر کلام ہو چکا ہے۔
کلونجی اور شہد کی برکت پر یقین رکھنے سے بھی شفا حاصل ہو جاتی ہے صحابہ کرام نے مختلف امراض کے لئے شہد استعمال کیا ہے بلکہ ظاہری جسم پر شہد ملنے سے علاج کرتے تھے زخم پر شہد کی پٹی عجیب الاثر ہے بشرطیکہ شہد خالص ہو شہد خالص اس وقت کراچی میں آٹھ سو روپے فی کلو ہے ۲۰۰۵ء

قسط کے فوائد

﴿۹﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمْثَلَ مَاتَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ وَالْقُسْطُ الْبَحْرِيُّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن چیزوں کو تم دوا علاج کے طور پر اختیار کرتے ہو ان میں بہترین چیز سینگی کھچوانا اور بحری قسط کا استعمال کرنا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"القسط" یہ ایک جڑی کا نام ہے جس کو "کوٹ" بھی کہتے ہیں شاید کوٹ ہی کا عربی قسط ہو یہ ایک دوا کا نام ہے جو دور دراز جنگلوں میں ہوتا ہے چھوٹا سا پودا ہے اسکی جڑ ہے کشمیر کے علاقوں میں بہت ہوتی ہے خاص کر کیل اور زوار یہ کے جنگلات میں بہت ہے، انگریز کے زمانہ میں اس کے نکالنے پر سخت پابندی تھی ۳۰۲ قتل کا کیس ہو جاتا تھا اطباء کے ہاں قسط کے بیشمار فوائد ہیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسط بحری ہے جو سفید رنگ میں ہے دوسری قسط ہندی ہے جس کا رنگ سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے قسط بحری زیادہ مفید ہے زیر بحث حدیث میں قسط بحری کو بہترین دواؤں میں شمار کیا گیا ہے۔

"کوٹ" سے بچوں کے گلے کی مخصوص بیماری "عذرہ" کا علاج

﴿۱۰﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُعَذِّبُوْا صِبْيَانَكُمْ بِالْغَمْطِ مِنَ الْعُذْرَةِ وَعَلَيْكُمْ بِالْقُسْطِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے بچوں کے حلق کی بیماری کو ہاتھ یا کپڑے سے دبا کر ان کو اذیت نہ پہنچاؤ بلکہ تمہیں قسط کا استعمال کرنا چاہیے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

''الغمز'' ہاتھ سے دبانے کو غمز کہتے ہیں ''العذرۃ'' عین پر پیش ہے ذال ساکن ہے را پر زبر ہے شیر خوار بچوں کے حلق اور گلے میں ایک بیماری ہوتی ہے عذرہ اس کا نام ہے اس کا سبب خون کا ہیجان ہوتا ہے بچوں کی مائیں ان بچوں کے تالو میں انگلی ڈال کر تالو کو زور سے دباتی ہیں جس سے ناک کے راستے سے کالا خون نکل آتا ہے اس عمل سے بچوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بجائے آسان علاج بتادیا کہ قسط کو حل کر کے اس کا پانی حاصل کیا جائے اور اس پانی کو بچے کی ناک میں ٹپکایا جائے یہ پانی جب جمع شدہ خون کی جگہ پر پہنچ جاتا ہے تو خون خشک ہوجاتا ہے بچے کو شفا ہوجاتی ہے۔ یہاں بھی اطباء کو حیرانی ہوئی کہ قسط سخت گرم ہے اور یہ بیماری بھی گرمی سے پیدا ہوتی ہے اس کے لئے قسط کو کیسے تجویز فرمادیا اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ خون اور اس کا ہیجان اصل میں بلغم کی وجہ سے ہوتا ہے گویا اس بیماری کا اصل فاسد مادہ بلغم ہے اور قسط سے بلغم ختم ہوجاتا ہے لہٰذا یہ اس کا بہترین آسان علاج ہے۔

''کوٹ'' سے ذات الجنب کا علاج

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَاتَدْغَرْنَ أَوْلَادَكُنَّ بِهٰذَا الْعَلَاقِ عَلَيْكُنَّ بِهٰذَا الْعُوْدِ الْهِنْدِيِّ فَإِنَّ فِيْهِ سَبْعَةَ أَشْفِيَةٍ مِنْهَا ذَاتُ الْجَنْبِ يُسْعَطُ مِنَ الْعُذْرَةِ وَيُلَدُّ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ام قیس کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے بچوں کے حلق کا علاج اس طرح دبا کر کیوں کرتی ہو بلکہ تمہیں ان کا علاج عود ہندی یعنی کوٹ کے ذریعہ کرنا چاہیئے کیونکہ عود ہندی میں سات بیماریوں کی شفا ہے جن میں ایک ذات الجنب ہے۔ عذرہ کی صورت میں سعوط کیا جائے (یعنی عذرہ بیماری کو دور کرنے کے لئے عود ہندی کو پانی میں گھول کر ناک میں ٹپکایا جائے) اور ذات الجنب کی صورت میں لدود کیا جائے (یعنی ذات الجنب کی بیماری کو دور کرنے کے لئے عود ہندی کو پانی میں گھول کر باچھ کی طرف سے منہ میں ٹپکایا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''تدغرن'' تفعلن کے وزن پر ہے یہ دغر سے ہے دبانے کے معنی میں ہے جیسے غمز کا لفظ پہلے گزر گیا ہے۔ ''العلاق'' اس میں عین پر تینوں حرکات آتی ہیں نچوڑنے کے معنی میں ہے یہ بھی دغر کے معنی میں ہے دبانا نچوڑنا مراد ہے یعنی تم عورتیں کیوں اور کس وجہ سے اپنے چھوٹے بچوں کے حلق میں انگلی ڈالکر تالو کو دباتی ہو اور ان کو شدید تکلیف میں مبتلا کرتی ہو تم عود ہندی کو کیوں استعمال

نہیں کرتی ہو جس میں اس بیماری کے علاوہ کئی دیگر بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ عود ہندی اسی قسط اور کوٹ کو نام ہے۔

''ذات الجنب'' یہ بیماری دو قسم پر ہے ایک یہ کہ سینہ میں اندر عضلات کی وجہ سے ورم آجاتا ہے یہ خطرناک صورت ہے اور مہلک مرض ہے دوسری قسم یہ کہ پہلو میں ریاح جمع ہو کر درد پیدا ہو جاتا ہے عود ہندی اور قسط ہندی اس دوسری قسم ذات الجنب کے لئے مفید ہے کیونکہ عود ہندی ریاحی امراض کے لئے دوا ہے ذات الجنب کے علاج کے لئے عود ہندی کو پانی میں گھول کر باچھوں کی طرف سے منہ میں ٹپکایا جاتا ہے۔

''سبعة اشفية'' یعنی سات بیماریوں کا علاج قسط میں موجود ہے دو کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا باقی پانچ کا نام نہیں لیا شاید لوگوں کے ہاں وہ بیماریاں مشہور تھیں نیز یہ بھی یاد رکھو کہ قسط کی دوا صرف ان سات امراض کے علاج میں منحصر نہیں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تذکرہ سات کا کیا ہے باقی کی نفی نہیں ہے کیونکہ قسط چوتھے دن کے بخار کے لئے مفید ہے دماغ کی قوت کے لئے مفید ہے اعضائے رئیسہ کے لئے مفید ہے، فالج، لقوہ، رعشہ کیلئے مفید ہے۔ پیٹ کے کیڑوں کے لئے مفید ہے مردمی قوت کے لئے مفید ہے ریاحی امراض کے لئے مفید ہے وبائی امراض کے لئے مفید ہے چہرہ کی چھائیوں کے لئے مفید ہے (مظاہر حق)

بخار کا علاج پانی سے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ وَرَافِعِ ابْنِ خَدِيجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ فَابْرِدُوْهَا بِالْمَاءِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن خدیج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بخار جہنم کی بھاپ ہے لہٰذا تم اس کو پانی سے ٹھنڈا کرو۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''من فيح جهنم'' یعنی بخار دوزخ کی آگ کی تپش کا نمونہ ہے اس کلام میں تشبیہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بخار کی حرارت وتپش دوزخ کی حرارت وتپش کی طرح ہے اس حرارت کو توڑنے کے لئے بہترین علاج پانی ہے کیونکہ پانی کی طبعیت میں برودت ہے یہ برودت اس حرارت کو توڑ دیگی۔

یہ بات یاد رکھیں کہ بخار کی کئی قسمیں ہیں بعض بخار کے لئے پانی بہت مفید ثابت ہوتا ہے میں نے ایک دفعہ سخت بخار میں غسل کیا ابھی غسل سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ بخار ختم ہو گیا لیکن بعض بخار کے لئے پانی اور غسل انتہائی نقصان دہ ہوتا ہے لہٰذا اس ارشاد نبوی کے لئے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اس بخار کا تعین کرے جس کے لئے غسل مفید قرار دیا گیا ہے حجاز مقدس میں

حجازی بخار ہوتا تھا اس کے لئے پانی مفید تھا ویسے عام بخاروں میں ٹھنڈے پانی کی پٹیاں اور جسم پر برف ملنا بہت مفید ہوتا ہے، عام ڈاکٹر تمام تیز بخاروں میں اس کا حکم دیتے ہیں اور فائدہ ہوتا ہے۔

نظر بد کیلئے جھاڑ پھونک کے ذریعہ علاج کی اجازت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّقْيَةِ مِنَ الْعَيْنِ وَالْحُمَةِ وَالنَّمْلَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک کے ذریعہ نظر بد، ڈنگ اور نملہ کا علاج کرنیکی اجازت دی ہے۔ (مسلم)

توضیح

"رخص" اجازت دینے کے معنی میں ہے پہلے جھاڑ پھونک کی ممانعت تھی کہ کہیں جاہلیت کے الفاظ اس میں نہ آئیں جب یہ خطرہ نہ رہا تو اجازت مل گئی رخص ممانعت کے بعد اجازت کو کہتے ہیں۔

"فی الرقیة" یعنی جھاڑ پھونک کی اجازت دی۔ "العین" نظر بد کو کہتے ہیں بعض لوگوں کی آنکھوں میں قدرتی طور پر نظر بد کے ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو نظر لگنے کے ساتھ جا کر منظور الیہ پر پڑ جاتے ہیں تو وہ متاثر ہو جاتا ہے بعض کے جراثیم بہت تیز اور سخت ہوتے ہیں تو اس کی نظر بد زیادہ مضر ہوتی ہے عرب میں بنو اسد کے لوگ اس میں مشہور تھے ان میں سے بعض ایسے تھے کہ گھر میں بیوی سے کہتے کہ چولھے پر ہانڈی چڑھا دو میں ابھی گوشت بنا کر لاتا ہوں یہ کہہ کر باہر جاتا اور کسی حیوان پر نظر جما کر دیکھتا حیوان مرجاتا لوگ گوشت بنا کر تقسیم کرتے ہر علاقے میں ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک آدمی تھا اس نے ایک خوبصورت گول پتھر کو دیکھا اور کہا کیا ہی خوبصورت پتھر ہے پتھر مسجد میں رکھا ہوا تھا عام لوگوں کے سامنے فوراً پتھر ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔

"الحمة" اصل میں زہر کو کہتے ہیں پھر اس کا اطلاق بچھو کے ڈنگ مارنے پر ہوا کیونکہ اس میں بھی زہر ہوتا ہے۔

"النملة" اصل میں چیونٹی کو کہتے ہیں یہاں جسم کے اطراف میں چھوٹے دانوں پر بولا گیا ہے کیونکہ یہ دانے بھی چیونٹیوں کی طرح بدن میں پھیلتے ہیں کبھی پھوڑوں پھنسیوں کی شکل میں آتے ہیں آنے والی حدیث نمبر ۴۲ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَسْتَرْقِيَ مِنَ الْعَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم نظر بد کا اثر دور کرنے کے لئے جھاڑ پھونک کرائیں۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۵﴾ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى فِيْ بَيْتِهَا جَارِيَةً فِيْ وَجْهِهَا سَفْعَةٌ تَعْنِيْ صُفْرَةً فَقَالَ اسْتَرْقُوْا لَهَا فَاِنَّ بِهَا النَّظْرَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی تو آپ نے فرمایا کہ اس پر منتر پڑھواؤ یعنی اس کی جھاڑ پھونک کراؤ۔ کیونکہ اس کو نظر لگی ہے۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

"سـفـعة" چہرہ کی زردی کو سفعۃ کہتے ہیں سین پر زبر ہے اور "فا" ساکن ہے عین پر زبر ہے سین پر پیش بھی پڑھا گیا ہے اس کا ترجمہ علامۃ الشیطان سے بھی کیا گیا ہے اور ضربۃ واحدۃ یعنی شیطان کے تھپڑ مارنے سے بھی اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ راوی نے زرد رنگ سے ترجمہ کیا ہے شیخ عبدالحق نے چہرہ کی سیاہی کے ساتھ بھی ترجمہ کیا ہے مراد شیطان کی نظر بد ہے اور جنات کی نظر بد انسان کی نظر بد سے بدتر ہوتی ہے لغت کی کتابوں میں سفعۃ کا اطلاق چہرہ کے سیاہ دھبوں پر کیا جاتا ہے۔ مشہور یہی ہے۔

وہ جھاڑ پھونک جائز ہے جس میں خلاف شرع بات نہ ہو

﴿۱۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرُّقٰى فَجَاءَ اٰلُ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ كَانَتْ عِنْدَنَا رُقْيَةٌ نَرْقِيْ بِهَا مِنَ الْعَقْرَبِ وَاَنْتَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّقٰى فَعَرَضُوْهَا عَلَيْهِ فَقَالَ مَا اَرٰى بِهَا بَاْسًا مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منتر پڑھنے اور پھونکنے سے منع فرمادیا تو عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ جو منتروں کے ذریعہ جھاڑ پھونک کرتے تھے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمارے پاس ایک منتر ہے جس کو ہم بچھو کے کاٹے پر پڑھا کرتے تھے اب آپ نے منتروں سے منع فرمادیا ہے اس کے بعد انہوں نے منتر کو پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا (تاکہ آپ اس منتر کو درست یا غلط ہونے کا فیصلہ فرمائیں) آنحضرتؐ نے (منتر کو سنکر) فرمایا کہ میں اس منتر میں کوئی حرج نہیں دیکھتا تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکے تو وہ ضرور نفع پہنچائے (خواہ جھاڑ پھونک کے ذریعہ اور خواہ کسی اور طرح سے بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

ابتدائی مباحث میں اس طرح احادیث پر مکمل کلام ہو چکا ہے کہ کونسے دم جائز ہیں کونسے جائز نہیں جھاڑ پھونک کے لئے ایک ضابطہ لکھا جا چکا ہے۔

چھ آیات شفا سے نظر بد کا علاج

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذَالِكَ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَابَاْسَ بِالرُّقٰى مَالَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ کہتے ہیں کہ ہم زمانہ جاہلیت میں (جھاڑ پھونک کے ذریعہ) منتر پڑھا کرتے تھے پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان منتروں کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ان منتروں کو پڑھ کر مجھ کو سناؤ جب تک ان میں شرک نہ ہو میں کوئی حرج نہیں دیکھتا۔ (مسلم)

توضیح

"مالم یکن فیه شرک" ابتدائی مباحث میں تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ کونسے جھاڑ پھونک جائز ہیں اور کونسے جائز نہیں ہیں اور اس کا ضابطہ کیا ہے یہاں اسی ضابطہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس جھاڑ پھونک میں شرکیہ کلمات نہ ہوں وہ جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔

حکایت

شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت ایک قصہ لکھا ہے کہ شیخ ابو القاسم قشیریؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ میرا بچہ شدید بیمار ہوا یہاں تک کہ ہم ان کی زندگی سے مایوس ہوگئے اسی دوران میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا میں نے بچے کی بیماری کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا کہ تم آیات شفا سے کیوں غافل ہو رہے ہو؟ میں جب بیدار ہوا تو میں نے قرآن کریم میں آیات شفا کو تلاش کیا جو کل چھ آیات ملیں اس کو میں نے کاغذ پر لکھا اور دھو کر بچے کو پانی پلا دیا بچہ فوراً ایسا اٹھ کھڑا ہوا گویا اس کے پیروں کا بند کھول دیا گیا ہو وہ چھ آیات یہ ہیں۔ جو آدھی آیات کی شکل میں ہے۔

(۱) ویشف صدور قوم مؤمنین (۲) وشفاء لمافی الصدور (۳) یخرج من بطونها شراب مختلف الوانه فیه شفاء للناس (۴) وننزل من القرآن ماهو شفاء ورحمة للمؤمنین (۵) واذا مرضت فهو یشفین (۶) قل هو للذین آمنوا هدی وشفاء۔

نظر بد کا لگنا ایک حقیقت ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعَيْنُ حَقٌّ فَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ وَاِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوْا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ نظر بد حق ہے (یعنی نظر لگنا ایک حقیقت ہے) اگر تقدیر پر سبقت لے جانے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ نظر ہی ہوتی اور جب تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو تم دھودو۔ (مسلم)

توضیح

"العین حق" یعنی نظر بد کا لگنا حق اور ایک حقیقت ہے یہ کوئی وہم اور توہم نہیں ہے دیکھنے والے کی آنکھوں میں کبھی کوئی چیز اچھی لگتی ہے تو اس کا اثر منظور الیہ تک پہنچ جاتا ہے اور وہ متاثر ہو جاتا ہے گویا عاین کی آنکھوں سے وائرس کی صورت میں ایک مسموم زہریلا مادہ نکلتا ہے اور جراثیم کی صورت میں جا کر منظور الیہ کے جسم سے پیوست ہو جاتا ہے اور اثر کرتا ہے جس طرح بعض سانپوں کی آنکھوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ اپنی نظر اور نگاہ کے ذریعہ سے منظور الیہ کی طرف اپنا زہر منتقل کر دیتا ہے جیسا پچھلے ابواب میں بعض سانپوں کے بارے میں احادیث میں مذکور ہے ہاں اگر اس وائرس اور جراثیم کے سامنے کوئی رکاوٹ موجود ہو جائے تو اس کا اثر منظور الیہ تک نہیں پہنچتا ہے مثلاً منظور الیہ کے پاس دفع نظر کی تعویذ ہو یا کوئی دوسرا وظیفہ ہو۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ نظر بد لگنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے یہ صرف انسانی وھم ہے کیونکہ تقدیر میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہی ہوگا نظر بد کا دخل تقدیر میں نہیں ہوسکتا ہے۔ علماء حق فرماتے ہیں کہ معتزلہ کا خیال غلط ہے اور نظر کا لگنا قرآن سے ثابت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی وضاحت ہے باقی نظر بد اور تقدیر کے درمیان کوئی تضاد نہیں بلکہ خود یہ نظر بد مقدرات الٰہیہ میں سے ہے "سابق القدر" یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب تقدیر الٰہی کے دائرہ میں ہے کوئی چیز تقدیر کی گرفت سے باہر نہیں ہے بالفرض اگر کوئی چیز ایسی ہوتی کہ وہ تقدیر کے دائرہ کو توڑ کر آگے نکل سکتی تو وہ نظر بد ہوتی لیکن تقدیر کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہیں ہے لہٰذا نظر بد بھی تقدیر کے دائرے کے اندر ہے۔

"واذا استغسلتم" یعنی اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ اس کی نظر لگ جاتی ہے اور لوگوں میں معروف و مشہور ہے اور اس کی نظر کسی کو لگ گئی تو دیگر علاجوں کے علاوہ پیغمبر اسلام نے ایک علاج یہ بتایا ہے کہ عاین سے مطالبہ کیا جائے کہ تم غسل کر کے پانی کو ٹب وغیرہ میں محفوظ کرلو اور پھر منظور الیہ کو دیدو وہ اس پانی سے غسل کر لے گا تو ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ آنے والی حدیث نمبر ۴۸ میں اس کا تفصیلی قصہ آرہا ہے۔

زیر بحث حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جس شخص کو نظر بد لگ گئی ہے وہ اگر نظر لگانے والے سے مطالبہ کرے کہ تم غسل کر کے پانی مجھے دیدو تو اس کو فوراً ایسا کرنا چاہئے اور اس جہالت میں نہیں آنا چاہئے کہ اس میں میری بے عزتی ہے اسلام سے پہلے

عرب کے لوگ اس طرح عمل کرتے تھے اسلام نے بھی اس عمل کو برقرار رکھا ہے اس میں تاثیر ہوگی ورنہ کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ منظور الیہ کا وہم دور ہو جائے گا کہ اب مجھ پر نظر بد کا اثر نہیں رہا۔

الفصل الثانی

بڑھاپے کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے

﴿۱۹﴾عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَنَتَدَاوٰى قَالَ نَعَمْ يَاعِبَادَاللّٰهِ تَدَاوَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً اِلَّا وَضَعَ لَهٗ شِفَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ الْهَرَمُ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

حضرت اسامہؓ ابن شریک کہتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ کیا ہم بیماری میں دوا و علاج کریں؟ آپ نے فرمایا ہاں اے اللہ کے بندو دوا و علاج کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری پیدا نہیں کی ہے جس کی شفا نہ رکھی ہو۔ علاوہ ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"افنتداوی" کیا ہم دوائی استعمال کریں، صحابہ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ انہوں نے یہ سوچا کہ شاید دوائی استعمال کرنا تقدیر الٰہی کے منافی ہوگا یا اعلیٰ توکل کے خلاف ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ علاج کرو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اللہ نے ہر بیماری کے لئے دوا نازل فرمائی ہے یہ خود تقدیر کا ایک حصہ ہے ہاں بڑھاپا ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔

مریض کو زبردستی کھانا نہ کھلاؤ

﴿۲۰﴾وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُكْرِهُوْا مَرْضَاكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَاِنَّ اللّٰهَ يُطْعِمُهُمْ وَيَسْقِيْهِمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مریضوں کو زبردستی نہ کھلاؤ کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

انسانی جان کی بقاء کے لئے صرف غذا نہیں ہے یہ تو ظاہری اسباب میں سے ایک سبب ہے اللہ تعالیٰ جب چاہے تو کسی غیبی ذریعہ سے انسان کو زندہ رکھ سکتا ہے مثلاً مریض ہے وہ اگر ظاہری غذا نہیں کھا سکتا ہے تو اس کو مجبور نہ کرو اللہ تعالیٰ نے اس کی

بقاء کا غیبی انتظام فرمایا ہے وہ اس طرح کہ مریض کے جسم کی رطوبت پگھل جاتی ہے اور مریض کی غذا کے کام آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو غیب سے کھلا پلا رہا ہے تم اس کو مجبور نہ کرو الٹا نقصان کرلوگے۔

سرخ بادہ کا علاج

﴿۲۱﴾وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَوٰى اَسْعَدَ بْنَ زُرَارَةَ مِنَ الشَّوْكَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ بن زرارہ کے جسم پر سرخ بادہ (کی بیماری کے علاج) کیلئے داغ دیا۔ اور اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

"الشوكة" وهي حمرة تعلو الوجه والجسد،، (مرقات) یعنی شوکہ اس سرخی کا نام ہے جو چہرہ اور جسم پر حاوی ہوجاتی ہے اس کو اطباء سرخ بادہ کہتے ہیں جسم کی ایک جگہ سے ابتدا ہوتی ہے پھر پورے جسم میں یہ بیماری پھیل جاتی ہے اس کو سرخ بادہ کہتے ہیں شاید پشتو میں اس کو لمبہ کہتے ہیں بہت سخت بیماری ہے۔

ذات الجنب کا علاج

﴿۲۲﴾وَعَنْ زَيْدِبْنِ اَرْقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَتَدَاوٰى مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ بِالْقُسْطِ الْبَحْرِيِّ وَالزَّيْتِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم ذات الجنب کی بیماری میں قسط بحری اور زیتون کے تیل کے ذریعہ علاج کریں۔ (ترمذی)

﴿۲۳﴾وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْعَتُ الزَّيْتَ وَالْوَرْسَ مِنْ ذَاتِ الْجَنْبِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت زید ابن ارقمؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب کے علاج کے لئے زیتون کے تیل اور ورس کی تعریف کرتے تھے۔ (ترمذی)

زیتون کے تیل کو زیت کہتے ہیں "ورس" ایک قسم کی گھاس ہے جس کا رنگ سرخ و زرد ہوتا ہے اس کے ریشے زعفران کی طرح ہوتے ہیں کئی دواؤں میں استعمال ہوتا ہے۔

سنا بہترین دوا ہے

﴿۲۴﴾وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاَلَهَا بِمَا تَسْتَمْشِيْنَ قَالَتْ بِالشُّبْرُمِ قَالَ حَارٌّ حَارٌّ قَالَتْ ثُمَّ اسْتَمْشَيْتُ بِالسَّنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْاَنَّ شَيْئًا كَانَ فِيْهِ الشِّفَاءُ مِنَ الْمَوْتِ لَكَانَ فِي السَّنَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم کس چیز سے جلاب (مسہل) لیتی ہو؟ انہوں نے کہا شبرم سے۔ آپ نے فرمایا شبرم تو گرم ہے گرم۔ اسماء کہتی ہیں کہ پھر میں نے سنا سے جلاب لیا اور نبی کریم نے فرمایا اگر کسی چیز میں موت سے شفاء ہوتی یعنی موت کا علاج کسی دوا میں ہوتا تو وہ سنا ہوتی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"اسماء بنت عمیس" حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ محترمہ ہیں انکی شہادت کے بعد حضرت صدیق کے نکاح میں آئی تھیں۔

"تستمشین" استمشاء طلب مشی کو کہتے ہیں اور مشی سے مراد اسہال اور دست ہے یعنی کس چیز سے جلاب لیتی ہو تاکہ اسہال ہوجائے؟ "بالشبرم" یہ ایک گھاس کا نام ہے اس پودے کے دانے مراد ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں جو مسور کے برابر ہوتے ہیں یہ دانے دست آور ہوتے ہیں اس کو پانی میں جوش دیا جاتا ہے اور پھر اس کا پانی پیا جاتا ہے جس سے جلاب ہوجاتا ہے۔

"حار حار" یعنی شبرم گرم ہے گرم ہے، اس لفظ کو بطور تاکید مکرر لایا گیا ہے بعض نسخوں میں حار کے بعد "جار" جیم کے ساتھ ہے وہ صرف وزن بنانے کے لئے الفاظ مہملہ میں سے ہے جیسے کتع بتع یا پانی شانی۔ اطباء کہتے ہیں کہ شبرم درجہ چہارم کی گرم دواؤں میں سے ہے بہت زیادہ دست لاتا ہے اس لئے اس میں احتیاط شرط ہے۔

"فی السنا" قصر کے ساتھ ہے بعض نے مد کے ساتھ بھی پڑھا ہے ایک پودا ہے اس کے پتوں کو سنا کہتے ہیں مہندی کے پتوں کے مشابہ ہوتے ہیں اس کی عمدہ قسم سنا مکی ہے اسکو پیستے ہیں اور پھر استعمال کرتے ہیں سخت کڑوا ہے یہ درجہ اول میں گرم ہے معتدل ہے اس میں کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ صفرا کو کاٹتا ہے بلغم کے اسہال اور تنقیہ کے لئے انتہائی مفید ہے دل کے خول کو طاقتور بناتا ہے اس میں سوداوی وساوس کو دفع کرنے کی خاصیت بطور خاص موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ موت کے سوا تمام امراض کے علاج میں مفید تر ہے۔

حرام چیزوں سے علاج مت کرو

﴿۲۵﴾وَعَنْ اَبِیْ دَرْدَاءَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے بیماری بھی اتاری ہے اور دوا بھی، اور ہر بیماری کے لئے دوا مقرر کی ہے لہٰذا تم دوا سے بیماری کا علاج کیا کرو لیکن حرام چیز سے علاج نہ کرو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"بالحرام" حرام چیز سے مراد خنزیر کے اجزاء اور شراب وغیرہ اشیاء ہیں ریچھ کا گوشت شیر وغیرہ مردار جانوروں کے اجزاء سے علاج حرام ہے متعدد احادیث میں حرام اشیاء سے علاج کرنے کو منع کیا گیا ہے گویا اس میں شفا ہی نہیں تو استعمال فضول ہے۔ حضرت ابن مسعود کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان میں تمہارے لئے شفا بھی نہیں رکھی ہے۔ ایک صحابی حضرت طارق جعفیؓ نے آنحضرتؐ سے شراب کے ذریعہ علاج کی اجازت مانگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب دوا نہیں بلکہ درد اور مرض ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مریضوں کے عدم شفاء کے لئے بد دعا مانگی جو حرام سے دوا کرتے ہیں فرمایا " من تداوی بالحرام فلاشفاہ اللہ.

(کذا فی اشعۃ اللمعات والمرقات)

ملا علی قاری وغیرہ شارحین نے لکھا ہے کہ اگر کوئی حاذق و ماہر اور دیندار و پرہیزگار طبیب کسی مریض کو کہہ دے کہ تیرا علاج شراب کے علاوہ کسی اور دوا میں نہیں ہے تو پھر بطور علاج اس کا استعمال جائز ہوگا۔

یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے لیکن اس کا تحقق ہونا محال ہے مثلاً سب اطباء اس پر کیسے متفق ہو سکتے ہیں کہ اس مرض کا علاج شراب کے علاوہ کسی چیز میں نہیں ہے اسی طرح حاذق و ماہر اطباء کا وجود بھی بہت نادر ہے گویا ان قیودات کے ساتھ شراب کے استعمال کا جواز تعلیق بالمحال ہے۔

﴿۲۶﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّوَاءِ الْخَبِیْثِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبیث دوا سے منع فرمایا۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"الخبیث" اس سے مراد حرام دوا ہے جس کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے یا اس سے مراد وہ دوا ہے جس سے طبیعت نفرت کرتی

ہو علما و اطباء نے لکھا ہے کہ طبیعت جس دوا سے نفرت کرتی ہے اس میں عموماً علاج اور شفا نہیں ہوتی ہے اس صورت میں یہ نہی کراہت پر محمول ہوگی۔

مہندی سے درد کا علاج

﴿۲۷﴾وَعَنْ سَلْمٰى خَادِمَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ مَاكَانَ اَحَدٌ يَشْتَكِيْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا فِيْ رَأْسِهٖ اِلَّا قَالَ احْتَجِمْ وَلَا وَجَعًا فِيْ رِجْلَيْهِ اِلَّا قَالَ اخْتَضِبْهُمَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سلمیٰؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سر کی (ایسی) بیماری کی شکایت کرتا (جس کا تعلق خون کی زیادتی و دباؤ سے ہوتا) تو آپ فرماتے کہ سینگی کھچواؤ۔ اور جو شخص پاؤں کے درد کی شکایت کرتا (یعنی ایسا درد جو گرمی و حرارت کی بنا پر ہوتا) تو آپ فرماتے کہ پیروں پر مہندی لگالو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"اختضبهما" اس خضاب سے مراد مہندی لگانا ہے یعنی جہاں پاؤں یا سر میں درد ہو وہاں پر مہندی لیپ کر کے لگائی جائے تو درد ختم ہو جاتا ہے زیر بحث حدیث میں سر کے درد کے لئے سینگی کروانے کا حکم ہے مردوں کو چاہئے کہ ناخنوں پر مہندی نہ لگائیں تاکہ عورتوں سے مشابہت نہ آئے۔

مہندی سے زخم اور پھوڑوں کا علاج

﴿۲۸﴾وَعَنْهَا قَالَتْ مَاكَانَ يَكُوْنُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرْحَةٌ وَلَا نَكْبَةٌ اِلَّا اَمَرَنِيْ اَنْ اَضَعَ عَلَيْهَا الْحِنَاءَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت سلمیٰ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے (جسم کے کسی حصہ پر) جب بھی کوئی زخم آجاتا (خواہ تلوار، چھری یا اور کسی ایسی چیز کے کٹ جانے کی صورت میں ہوتا) یا پتھر اور کانٹے سے آپ زخمی ہو جاتے تو مجھ کو حکم دیتے کہ میں اس زخم پر مہندی (کی چھلس) رکھ دو۔ (ترمذی)

توضیح

"قرحة" جسم کے پھوڑوں اور دانوں پر بھی بولا جاتا ہے اور چھری چاقو کے زخم پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے دونوں معنی لیے

جاسکتے ہیں لیکن پھوڑوں کا معنی زیادہ بہتر ہوگا تا کہ حدیث میں عموم آجائے کیونکہ زخم کا ذکر بعد میں خود موجود ہے۔
"نـکبة" مطلق زخم کو بھی کہتے ہیں لیکن اگر قرحہ سے زخم مراد لینے کی صورت میں فرق کرنا مقصود ہوتو نکبۃ پتھر یا کانٹے وغیرہ کے زخم پر حمل کیا جائے گا۔

سینگی کھنچوانے کا ذکر

﴿۲۹﴾وَعَنْ اَبِیْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَحْتَجِمُ عَلٰى هَامَتِهٖ وَبَيْنَ كَتِفَيْهِ وَهُوَيَقُوْلُ مَنْ اَهْرَاقَ مِنْ هٰذِهِ الدِّمَاءِ فَلَايَضُرُّهٗ اَنْ لَّايَتَدَاوٰى بِشَيْءٍ .
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ .

اور حضرت ابو کبشہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اور اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان بھری ہوئی سینگیاں کھنچواتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ان خونوں میں سے کچھ نکال دیا کرے اور پھر وہ کسی بیماری کا علاج نہ کرے تو اس کو کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

"علـى هامَتِه" سر اور کھوپری کو ھامہ کہتے ہیں "كتـفيه" یعنی کندھوں کے درمیان سے کبھی بھری ہوئی سینگی کھنچواتے تھے اور کبھی مونڈھوں کے درمیان سے خون نکالتے تھے۔ "اهـــــراق" وافر مقدار میں خون گرانے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی سینگی کھنچوانے کے بعد کسی اور علاج کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

﴿۳۰﴾وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ عَلٰى وَرِكِهٖ مِنْ وَّثْأٍ كَانَ بِهٖ.
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ .

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کولہے پر بھری ہوئی سینگی کھنچوائی کیونکہ آپ ﷺ کے پائے مبارک پر موچ آگئی تھی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ورک" کولہے اور موٹی ران کو ورک کہتے ہیں۔ "من وثأ" ملا علی قاری اور علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ یہ لفظ واؤ کے زبر اور ثا کے سکون اور آخر میں ہمزہ کے ساتھ ہے۔ پاؤں میں موچ آنے یا گوشت میں زخم لگنے کو کہتے ہیں وفی القاموس الوثء وجع يصيب اللحم لا يبلغ العظم، او وجع في العظم بلا كسر او هو الفك.

اسی فلک کو موج آنا کہتے ہیں لغت میں یہ لفظ زیادہ تر اسی موج آنے کے لئے بولا جاتا ہے لیکن اس حدیث میں موج آنے کا ترجمہ لینا بعید معلوم ہوتا ہے باقی دو مطلب زیادہ واضح ہیں کیونکہ پچھنے لگوانے کا فائدہ اس میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

سینگی کھنچوانے کی اہمیت

﴿۳۱﴾عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ لَیْلَۃِ اُسْرِیَ بِہٖ اَنَّہٗ لَمْ یَمُرَّ عَلٰی مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ اِلَّا اَمَرُوْہُ مُرْ اُمَّتَکَ بِالْحِجَامَۃِ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے واقعات بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ آپ ملائکہ کی جس جماعت کے پاس سے گزرے اس نے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) یہ حکم دیا کہ آپ اپنی امت کو پچھنے لگوانے کا حکم دیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح

"مر امتک" اس حدیث سے پچھنے اور سینگی کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے اس کی اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ امراض دموی فساد خون سے پیدا ہوتے ہیں کیونکہ فساد خون تمام امراض کی جڑ ہے جن کو امراض دموی کہتے ہیں خون کے فشار اور فساد سے بلڈ پریشر ہوتا ہے جس سے شوگر ہو جاتی ہے اور شوگر ایک قسم موت ہے امراض دموی کا سب سے بڑا علاج خون نکلوانا ہے۔ جو حجامہ ہے۔

"فصد" کی نسبت پچھنے میں زیادہ فائدہ اس لئے ہے کہ اس سے جلد کی اطراف کے ہر حصہ سے خون کھینچا جا سکتا ہے فصد سے تو صرف ایک رگ سے خون نکلتا ہے۔

"امتک" سے مراد پوری امت ہے جن کو اس علاج کی ضرورت پڑ جائے یہ عام مفہوم ہے اور امت سے صرف عرب بھی مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ ان کو بطور خاص مفید اور نافع تر ہے کیونکہ ان کا ملک سخت گرم ہے عام مفہوم لینا زیادہ واضح ہے کفار اغیار نے مسلمانوں سے ان کا طریقہ علاج چھین لیا ہے اب ان چیزوں کو وہ بجائے نافع کے مضر قرار دیتے ہیں ور مسلمان حکمران صرف دیکھتے ہیں۔

مینڈک کی دوا بنانے کی ممانعت

﴿۳۲﴾وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ طَبِیْبًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ضِفْدَعٍ یَجْعَلُھَا فِیْ دَوَاءٍ فَنَھَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِھَا. رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عثمانؓ سے روایت ہے کہ ایک طبیب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مینڈک کو دوا میں شامل کرنے کے بارے میں پوچھا (کہ آیا یہ درست ہے یا نہیں؟) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"عن ضفدع" طبیب نے آنحضرتؐ سے یہ سوال اس لئے کیا کہ اس سے پہلے اطباء کے ہاں یہ دستور تھا کہ دوا میں مینڈک کو شامل کرتے تھے اسلامی نقطۂ نظر سے طبیب نے یہ سوال کیا آنحضرتؐ نے مینڈک کو مارنے اور اسے دوا میں شامل کرنے سے منع فرمادیا۔ جامع صغیر میں ہے کہ "نهى عن قتل الضفدع للدواء" ملا علی قاری فرماتے ہیں " ولم يكن النهي عن قتلها ابقاء عليها و مكرمة لها بل لانه لم ير التداوي بها لرجسها وقذارتها" (مرقات)
یعنی آنحضرتؐ مینڈک مارنے کی ممانعت اس پر ترس کھانے یا اسکے تقدس کی وجہ سے نہیں فرمائی بلکہ آنحضرت نے اس کے مارنے کو اس لئے منع فرمایا کہ مینڈک میں اس کی نجاست اور کراہت طبع کی بنیاد پر علاج نہیں پایا۔ میرے خیال میں یہ حدیث علامات نبوت میں سے ایک علامت اور معجزہ ہے کیونکہ پوری دنیا میں میڈیکل تجربات مینڈکوں پر ہوتے ہیں کروڑوں مینڈک بے مقصد مارے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ اس میں فائدہ کم اور نقصان زیادہ تھا نجس بھی تھا اور استقذار طبع بھی تھی۔

آنحضرتؐ کے پچھنے لگوانے کا بیان

﴿۳۳﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْاَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گردن کی دونوں رگوں میں مونڈھوں کے درمیان بھری ہوئی سینگی کھنچواتے تھے۔ (ابوداؤد) ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ عبارت بھی نقل کی ہے کہ اور آنحضرت سترھویں، انیسویں، اور اکیسویں تاریخ کو سینگی کھنچواتے تھے۔

توضیح

"اخدعین" گردن کی دونوں جانب جو دو رگیں ہیں اس کو اخدعین کہتے ہیں۔ "الکاهل" کندھوں کے درمیان حصہ کو کاھل کہتے ہیں۔ بلکہ گردن کے نیچے پشت کے چھ مہروں پر مشتمل پورے حصہ کو کاھل کہا جاتا ہے (مرقات)

پچھنے لگوانے کے دن اور تاریخیں

﴿۳۴﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْتَحِبُّ الْحِجَامَةَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سترھویں، انیسویں، اور اکیسویں، تاریخ کو سینگی کھنچوانا پسند فرماتے تھے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

ان دنوں اور تاریخوں میں خون نکالنے یا نہ نکالنے کا تعین مفوض الی علم الشارع ہے اس میں کوئی شخص دخل اندازی نہیں کرسکتا ہے۔ البتہ بعض روایات میں کچھ دنوں کی خاصیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو جتنا اشارہ ہے اتنا ہی اشارہ سمجھ لینا چاہئے تاریخوں میں اطباء کا خیال ہے کہ چاند کے حساب سے انسان کے بدن کا خون بھی گھٹتا بڑھتا ہے چاند کی پندرہ تاریخ سے اکیس تک خون کا جوش بہت زیادہ ہوتا ہے اس لئے ان تاریخوں میں خون کا اخراج زیادہ ضروری اور قابل اصلاح ہوتا ہے۔

﴿۳۵﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ احْتَجَمَ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَاِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ كَانَ شِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوہریرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص سترھویں، انیسویں، اور اکیسویں تاریخ کو سینگی کھنچوائے گا اس کو ہر بیماری سے شفا ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

﴿۳۶﴾وَعَنْ كَبْشَةَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ اَبَاهَا كَانَ يَنْهٰى اَهْلَهُ عَنِ الْحِجَامَةِ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَيَزْعَمُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ يَوْمُ الدَّمِ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَرْقَاُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت کبشہؓ بنت ابی بکرہ سے روایت ہے کہ ان کے باپ اپنے گھر والوں کو منگل کے دن سینگی لگوانے سے منع کرتے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے تھے کہ منگل کا دن خون (کے غلبہ) کا دن ہے اور اس دن ایک گھڑی آتی ہے کہ خون بند نہیں ہوتا (لہٰذا اس دن خون نکلوانے کی صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ وہی گھڑی پڑ جائے اور خون رکنے کا نام نہ لے جس سے ہلاکت بھی واقع ہوسکتی ہے)۔ (ابوداؤد)

توضیح

اس حدیث میں منگل کے دن خون کے اخراج سے منع کیا گیا ہے اور وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں ایک وقت ہے جس میں اگر

خون نکالا گیا تو کبھی بند نہیں ہوگا آدمی مرجائے گا اور شاید حضرت آدمؑ کے بیٹے ھابیل کا خون قابیل نے اسی دن گرایا تھا لہٰذا یہ خون خراب کا دن ہے۔ یزعم کا لفظ شک کے لئے استعمال ہوتا ہے تو یہ حدیث مرفوع کے بجائے موقوف ہوسکتی ہے۔

﴿۳۷﴾وَعَنِ الزُّهْرِيِّ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ اَوْ يَوْمَ السَّبْتِ فَاَصَابَهُ وَضَحٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ وَقَدْ اُسْنِدَ وَلَا يَصِحُّ

اور حضرت زہری تابعیؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) جو شخص ہفتہ کے دن یا بدھ کے دن سینگی کھنچوائے اور پھر اس کو کوڑھ کی بیماری لگ جائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔ (ابوداؤد، احمد) اور ابوداؤد نے کہا ہے کہ یہ حدیث (ایک روایت میں) مسند بیان کی گئی ہے (یعنی وہ روایت راویوں کے اعتبار سے متصل ہے) اور وہ اسناد صحیح نہیں ہے۔

توضیح

اس حدیث میں ہفتہ اور بدھ کے دن خون نکالنے سے منع کیا گیا ہے۔ "وَضَحٌ" یہ روشنی اور وضاحت سے لیا گیا ہے مراد یہ ہے کہ ان دنوں میں خون اتنا زیادہ گر جائے گا کہ آدمی کو برص کی بیماری لاحق ہوجائے گی وضح برص کو کہتے ہیں یعنی جسم کا سفید ہوجانا۔

"فلا یلومن" یعنی کسی قانون اور کسی شرعی ضابطہ پر الزام نہ لگائے شریعت نے تو انکی رہنمائی فرمادی جب اس نے اس پر عمل نہیں کیا تو اب اپنے آپ کو ملامت کرے۔

﴿۳۸﴾وَعَنْهُ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ احْتَجَمَ اَوِ اطَّلٰى يَوْمَ السَّبْتِ اَوِ الْاَرْبِعَاءِ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهُ فِي الْوَضَحِ. رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت زہریؒ بطریق ارسال کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہفتہ یا بدھ کے دن بھری ہوئی سینگی کھنچوائے یا (اپنے بدن کے کسی عضو پر) لیپ کرے تو وہ کوڑھ میں مبتلا ہوجانے کی صورت میں اپنے آپ کو ملامت کرے۔ (شرح السنۃ)

مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

شیطان کس طرح انسان کو غلط منتر جنتر پر مجبور کرتا ہے

﴿۳۹﴾وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ رَاٰى فِيْ عُنُقِيْ خَيْطًا فَقَالَ مَا هٰذَا فَقُلْتُ خَيْطٌ رُقِيَ لِيْ فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلَ عَبْدِاللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَۃَ شِرْکٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ ھٰکَذَا لَقَدْ کَانَتْ عَیْنِیْ تَقْذِفُ وَکُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰی فُلَانِ الْیَھُوْدِیِّ فَاِذَا رَقَاھَا سَکَنَتْ فَقَالَ عَبْدُاللّٰہِ اِنَّمَا ذَالِکَ عَمَلُ الشَّیْطَانِ کَانَ یَنْخَسُھَا بِیَدِہٖ فَاِذَا رُقِیَ کَفَّ عَنْھَا اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْکِ اَنْ تَقُوْلِیْ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَایُغَادِرُ سَقَمًا. رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بیوی زینب کہتی ہیں کہ ایک دن حضرت عبداللہ نے میری گردن میں تاگا پڑا ہوا دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ تاگا ہے۔ جس پر میرے لئے منتر پڑھا گیا ہے زینب کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ نے (یہ سن کر) اس تاگے کو میری گردن سے نکال لیا اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور پھر کہا کہ اے عبداللہ کے گھر والو تم شرک سے بے پرواہو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بلاشبہ منتر گنڈے اور ٹوٹکے شرک ہیں۔ میں نے کہا آپ یہ بات کس طرح کہہ رہے ہیں۔ جب کہ مجھ کو منتر سے بہت فائدہ ہوا ہے چنانچہ میری آنکھ (درد کے سبب) نکل پڑی تھی اور میں فلاں یہودی کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اس یہودی نے جب منتر پڑھ کر آنکھ کو دم کیا تو آنکھ کو آرام مل گیا۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ (یہ تمہاری نادانی وغفلت ہے) اور وہ درد اس کا اچھا ہو جانا منتر کے سبب سے نہیں تھا بلکہ حقیقت میں وہ شیطان کا کام تھا شیطان تمہاری آنکھ کو کونچتا تھا (جس سے تمہیں درد محسوس ہوتا تھا) پھر جب منتر پڑھا گیا تو چونکہ وہ ایک شیطان کا کام تھا اس لئے شیطان نے کونچنا چھوڑ دیا۔ تمہارے لئے وہ دعا بالکل کافی تھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے (یعنی اے لوگوں کے پروردگار تو ہماری بیماری کو دور کردے اور شفا عطا فرمادے کیونکہ تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے علاوہ شفا نہیں ہے ایسی شفا جو بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"رقی لی فیه" یعنی یہ تاگہ ہے جس پر میرے لئے منتر جنتر پڑھا گیا ہے۔ "الرقی" یعنی وہ جھاڑ پھونک جس میں کسی بت یا شیطان یا فرعون وہامان کا نام ہو یا کوئی شرکیہ کلمہ ہو یا جس کا معنی معلوم نہ ہو ایسے جھاڑ پھونک کرنا منع ہے۔

"والتمائم" تمیمة کی جمع ہے منکوں کو کہتے ہیں عرب لوگ کچھ ہڈیاں مہرے وغیرہ لیکر اس کا ہار بناتے تھے اور پھر بچوں کے گلے میں یا پاؤں میں باندھتے تھے ان کا خیال تھا کہ اس سے نظر بد وغیرہ آفات سے بچاؤ ہوتا ہے اصل حقیقت تمائم کی یہی ہے پھر اس میں وسعت پیدا ہوگئی اور اس کا اطلاق عام تعویذات پر بھی ہونے لگا لہٰذا جن تعویذات میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو ادعیہ ماثورہ ہوں صالح وظائف ہوں اس کی ممانعت نہیں ہے یہ فرق سمجھنا انتہائی ضروری ہے شرکی تعویذات منع ہیں شرعی تعویذات جائز ہیں۔

واذا المنیة انشبت اظفارھا الفیت کل تمیمة لاتنفع

"التولة" تا پر زیر ہے واؤ اور لام پر زبر ہے جادو کے ٹونکے کو کہتے ہیں کہ تاگہ پر کچھ جادو کے ٹونکے پڑھ کر عورت کو مرد اور مرد کو عورت پر عاشق بنایا جاتا ہے جس کو پشتو میں ''کوڈے'' کہتے ہیں اس میں عموماً جادو اور شرک کا عمل ہوتا ہے یہ سب ناجائز ہے اس لئے آنحضرت نے فرمایا کہ یہ سب شرک ہے یعنی بے شک منتر منکے اور ٹونکے شرک ہیں۔

حزب اللہ اور جماعت المسلمین کے گمراہ لوگ اس حدیث کے ان الفاظ کی صحیح تشریح نہیں کرتے ہیں اور عوام کو بتاتے ہیں کہ مطلق تعویذات منع ہیں حالانکہ ان کا یہ کہنا غلط ہے تعویذات کا بنانا ثابت ہے البتہ اس کو کاروبار بنانا یا غلط انداز اختیار کرنا غلط ہے تو غلط لوگوں کے غلط کام کو غلط کہا جائے نہ کہ مطلق تعویذ کو غلط کہا جائے۔

"لم تقول ھکذا" یعنی آپ کیوں روکتے ہو حالانکہ ہمیں تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ منتر جنتر میں فائدہ ہوتا ہے

"تقذف" یعنی آنکھیں دکھتی تھیں گویا اس میں کسی نے تنکا پھینکا ہو، مجہول کا صیغہ ہے۔

"اختلف الی" یعنی جھاڑ پھونک کے لئے فلاں یہودی کے پاس آتی جاتی رہتی تھیں۔

"رقاھا" جب وہ دم کرتا تھا "سکنت" آرام آجاتا تھا۔

"عمل الشیطان" یعنی شیطان کا ایک منظم منصوبہ ہوتا ہے وہ عقائد و اعمال خراب کرنے کے لئے یہ سازش کرتا ہے کہ پہلے کسی جگہ کو دبا کر بیمار کرتا ہے جب انسان ناجائز جھاڑ پھونک کرتا ہے یا مزار پر حاضری دیکر چادر چڑھاتا ہے یا غیر اللہ کے نام نذر و نیاز اور ذبح کرتا ہے تو شیطان اس جگہ سے انگلی ہٹاتا ہے تو آدمی ٹھیک ہو جاتا ہے اور اس کا عقیدہ ان غلط منتروں اور ٹوٹکوں پر پکا ہو جاتا ہے۔ "ینخسھا" یعنی دباتا ہے مارتا رہتا ہے۔ "کف" یعنی یہ یہودی ملحد جب دم کرتا ہے تو شیطان اس جگہ کو چھوڑ دیتا ہے، بیمار سمجھتا ہے کہ یہ کمال یہودی کے منتر میں ہے، تم کو چاہئے کہ نبوی ارشادات کے مطابق یہ وظائف پڑھا کرو۔

نشرہ شیطان کا کام ہے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَةِ فَقَالَ هُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"النشرة" نون پر پیش ہے شین ساکن ہے را پر زبر ہے یہ ایک قسم کا سفلی عمل ہے جو آسیب کے دفعیہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ نشرہ ایک رقیہ و منتر ہے جس کے ذریعہ سے مجنون کے جنون کا علاج کیا جاتا ہے اس کو نشرہ اس لئے کہتے ہیں کہ عرب کا خیال تھا کہ جنات اس مرض کو مجنون سے لیکر ادھر ادھر پھیلاتے ہیں۔ جریر شاعر کہتا ہے۔

ادعوک دعوة ملهوف کان به مسّاً من الجن اوریحامن النشر

حدیث میں جس نشرہ کا ذکر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جادو کا عمل مراد ہے۔ اور اگر اس سے تعویذات اور منتر جنتر کا عمل مراد لیا جائے تو اس کا احتمال بھی ہے لیکن پھر تعویذات اور جھاڑ پھونک سے جاہلیت کے شرکیہ تعویذات مراد ہونگے اور غلط جھاڑ پھونک مراد ہوگا کیونکہ جائز تعویذات جائز ہیں۔

گلے میں گنڈے لٹکانے کی مذمت

﴿۱۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اُبَالِيْ مَا اَتَيْتُ اِنْ اَنَا شَرِبْتُ تِرْيَاقًا اَوْ تَعَلَّقْتُ تَمِيْمَةً اَوْ قُلْتُ الشِّعْرَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں ہر عمل سے لا پرواہ ہو جاؤں گا اگر میں تریاق پیوں یا گلے میں منکا ڈالوں اور یا میں اپنے دل سے اور اپنے قصد وارادہ سے شعر لکھوں۔ (یعنی خود اشعار بناؤں) (ابوداؤد)

توضیح

"وعن عبداللہ بن عمر" یہاں کاتب کی غلطی سے مشکوۃ کے نسخوں میں عبداللہ بن عمر لکھا ہوا ہے یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں عبداللہ بن عمر بن خطاب نہیں۔

"ما ابالی" یعنی مجھے کوئی باک اور پرواہ نہیں رہیگی کہ میں کوئی جائز یا ناجائز کا ارتکاب کروں اگر میں ان تین چیزوں کا ایک بار ارتکاب کروں۔ "ما ابالی" پہلا والا ما نافیہ ہے دوسرا موصولہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں ان تین چیزوں کا ارتکاب کروں تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ میں کسی جائز اور ناجائز کا ارتکاب کروں پھر تو ہر ناشروع کام کا ارتکاب بھی جائز ہو جائے گا اگر ان ناجائز اشیاء کا ارتکاب میں کروں جب میں کسی ناجائز کا ارتکاب نہیں کرتا تو ان تین اشیاء کا بھی نہیں کرونگا۔ ایک ناجائز تو تریاق کا استعمال ہے جب اس میں شراب یا سانپ کا گوشت ملایا گیا ہو تو یہ میرے لئے اور میری

امت سب کے لئے حرام ہے یا میں شرکیہ منکے اور گندے گلے میں لٹکا دوں یہ شرکیہ گنڈے میرے لئے بھی اور میری امت سب کے لئے حرام ہیں۔ اور یا میں شعر کہدوں یہ میرے لئے حرام ہے البتہ میری امت کے لئے حرام نہیں ہے کیونکہ شعر تو ایک کلام ہے "حسنہ حسن وقبیحہ قبیح" لیکن شان نبوت کے یہ منافی ہے کہ میں شعر گوئی کروں شاعر بنوں اور شعر بناؤں ہاں دوسرے کا ایک آدھ شعر کبھی پڑھ لینا وہ منع نہیں ہے۔

اس زمانہ میں تریاق میں شراب یا سانپ کا گوشت ملایا جاتا تھا اور پھر زہر کا علاج ہوتا تھا اگر یہ ناجائز اشیا تریاق میں نہ ہوں تو فی نفسہ تریاق تو ایک جائز مرکب کا نام ہے جو ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح شرکیہ گنڈے اگر نہ ہوں صالح تعویذات ہوں تو امت کے لئے وہ بھی منع نہیں ہیں اور شعر تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منع تھے۔

غلط جھاڑ پھونک منع ہے

﴿۴۲﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اكْتَوٰى اَوِ اسْتَرْقٰى فَقَدْ بَرِئَ مِنَ التَّوَكُّلِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه

اور حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے داغ دلوایا یا منتر پڑھوایا تو وہ توکل سے بری ہوا۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"اکتوی" جھاڑ پھونک، علاج معالجہ اور داغ وغیرہ کو جو شخص مؤثر بالذات سمجھتا ہے تو یہ بالاتفاق ناجائز ہے اور اگر اسباب وذرائع کے درجہ میں مباح سمجھ کر کرتا ہے تو یہ اسباب کا استعمال ہے اسباب پر اتکال اور بھروسہ ناجائز ہے اس کا استعمال تو جائز ہے اب زیر بحث حدیث کو یوں سمجھئے:

کہ اگر کوئی شخص جائز جھاڑ پھونک کرتا ہے اور علاج معالجہ کرتا ہے تو یہ جائز اور مباح ہے لیکن اگر کوئی شخص اس مباح سے بھی اجتناب کرتا ہے اور توکل کے اعلیٰ مقام پر رہنا چاہتا ہے تو جھاڑ پھونک اور علاج معالجہ کوئی فرض تو نہیں ہے کیونکہ اسباب کی طرف زیادہ توجہ کرنا اور اس میں رغبت کامل رکھنا اللہ تعالیٰ سے غافل ہونے کی دلیل ہے جس طرح ساتھ والی روایت میں ہے گویا اس حدیث کا تعلق اعلیٰ قسم کے متوکلین سے ہے جو مباح اشیاء کے استعمال سے بھی احتراز کرتے ہیں یا اس حدیث کا تعلق جاہلیت کے اس غلط جھاڑ پھونک سے ہے جس میں شرک ہو اور داغ دینے سے وہ داغ مراد ہے جس کو مؤثر بالذات سمجھا جائے ساتھ والی حدیث کو بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

﴿۴۳﴾ وَعَنْ عِيْسَى ابْنِ حَمْزَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ حُمْرَةٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ

تَمِيمَةً فَقَالَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ

اور حضرت عیسی ابن حمزہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عکیم کے پاس گیا تو (دیکھا کہ) ان کا بدن سرخی کی بیماری میں مبتلا تھا میں نے کہا کہ آپ تعویذ کیوں نہیں باندھ لیتے؟ انہوں نے کہا کہ میں اس کام سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں۔ (کیونکہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کوئی چیز لٹکاتا ہے یا (باندھتا ہے تو اسی چیز کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ابوداؤد

وہ امراض جن کے لئے جھاڑ پھونک بہت عمدہ ہے

﴿۴۴﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ بُرَيْدَةَ

اور حضرت عمران ابن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منتر یعنی جھاڑ پھونک کا اثر تو بس نظر یا زہردار جانور (جیسے بچھو وغیرہ) کے ڈنک ہی پر ہوتا ہے (احمد، ترمذی، ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت بریدہؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"عین" نظر بد کو کہتے ہیں "او حمۃ" کسی زہریلے حیوان کے زہریلے ڈنگ کو حمۃ کہا گیا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جھاڑ پھونک تو درحقیقت ان دو بیماریوں کے لئے ہے اگرچہ دیگر امراض کے لئے بھی ہوتا ہے لیکن نظر اور زہریلے ڈنگ کے لئے جھاڑ پھونک تیر بہدف دوا اور علاج ہے گویا کسی اور چیز کے لئے جھاڑ پھونک اتنا مفید ہے ہی نہیں۔ اس سے جھاڑ پھونک کی نفی مقصود نہیں کیونکہ مشکوۃ جلد اول ص ۲۱۷ پر جائز تعویذات اور جھاڑ پھونک کا واضح ثبوت موجود ہے بلکہ ان دو چیزوں کے لئے جھاڑ پھونک کی خصوصی افادیت کا ذکر ہے۔

﴿۴۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا رُقْيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةٍ أَوْ دَمٍ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منتر تو بس نظر یا زہریلے ڈنگ اور خون پر اثر کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

"او دم" اس سے مراد نکسیر کا خون ہے اس لئے جھاڑ پھونک بہت مفید ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ وُلْدَ جَعْفَرٍ تُسْرِعُ اِلَيْهِمُ الْعَيْنُ اَفَاَسْتَرْقِيْ لَهُمْ قَالَ نَعَمْ فَاِنَّهُ لَوْكَانَ شَيْءٌ سَابِقَ الْقَدَرِ لَسَبَقَتْهُ الْعَيْنُ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت اسماء بنت عمیسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ جعفر طیارؓ کی اولاد (چونکہ خوبصورت و خوب سیرت ہے اس لئے ان کو نظر بہت جلدی لگتی ہے تو کیا ان کے لئے منتر پڑھوا ئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں کیونکہ اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاسکتی تو وہ نظر ہوتی (یعنی نظر کا اثر یقیناً ایک سخت ترین چیز ہے لہٰذا اس کے دفعیہ کے لئے جھاڑ پھونک کرانا جائز ہے) (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

"العین" کبھی عاین کی نظر منظور الیہ میں کام کرتی ہے یہ انکی نظر کے اندر ایک جراثیمی مادہ کا اثر ہوتا ہے لیکن کبھی منظور الیہ میں کشش کی وجہ سے ناظر کی نظر کھینچی جاتی ہے یہاں اسی صورت کا ذکر ہے کہ جعفر کی اولاد اتنی خوبصورت اور پر کشش ہے کہ جو بھی ان کو دیکھتا ہے نظر لگ جاتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے دفعیہ اور توڑ کے لئے جائز جھاڑ پھونک کا استعمال کرو کیونکہ نظر بد کا لگنا ایک حقیقت ہے۔

عورتوں کو لکھنا سکھانا کیسا ہے؟

﴿۳۷﴾ وَعَنِ الشِّفَاءِ بِنْتِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا عِنْدَحَفْصَةَ فَقَالَ اَلَاتُعَلِّمِيْنَ هٰذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت شفاء بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور مجھ کو (دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم ان کو یعنی حفصہ کو نملہ کا منتر نہیں سکھا دیتیں جس طرح کہ تم نے ان کو لکھنا سکھایا ہے؟ (ابوداؤد)

توضیح

"رقیۃ النملۃ" نملہ کے بارے میں پہلے بھی حدیث نمبر ۱۳ کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ نملہ ان پھنسیوں کو کہتے ہیں جو انسان کی پسلیوں پر نکل آتی ہیں اور بہت تکلیف پہنچاتی ہیں جو شخص ان پھنسیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس کو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا اس کے جسم پر چیونٹیاں رینگ رہی ہیں شاید اسی وجہ سے ان پھنسیوں کو نملہ (چیونٹی) کہا جاتا ہے۔

حضرت شفاء مکہ مکرمہ میں اس نملہ کے دفعیہ کے لئے ایک منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتی تھیں جب حضرت شفاء نے

اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو اپنے اس منتر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا آنحضرت نے اس کی اجازت دیدی اور پھر فرمایا کہ جس طرح تم نے حفصہ کو خط و کتابت سکھائی یہ منتر اس کو کیوں نہ سکھایا؟
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس منتر کی طرف تھا جو عرب عورتیں چند کلمات بوقت جھاڑ پھونک کہا کرتی تھیں وہ کلمات یہ ہیں۔

العروس تنتعل وتختضب وتكتحل ☆ وكل شئ تفتعل غير انها لاتعصى الرجل

یعنی دلہن جوتے پہن کر مہندی اور سرمہ بھی لگائے گی سب کچھ کر یگی لیکن شوہر کی نافرمانی نہیں کر یگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور خاص یہ منتر حضرت حفصہ کو سکھانے کا حکم اس لئے دیا کہ اس میں **لاتعصی الرجل** کے الفاظ ہیں اس میں حضرت حفصہ پر تعریض ہے کہ انہوں نے واقعہ شرب عسل میں آنحضرت کا راز فاش کیا تھا جو نافرمانی تھی اور وفادار عورت شوہر کی نافرمانی نہیں کرتی۔

"**الکتابة**" جس طرح تم نے حفصہ کو خط سکھایا تھا۔ایک حدیث میں ہے "**لاتعلموهن الکتابة**" عورتوں کو خطاطت سکھاؤ۔ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خط و کتابت کی ممانعت بعد میں آئی ہے یہ قصہ پہلے کا ہے لہٰذا خط سکھانے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ خط و کتابت میں ازواج مطہرات کو بطور خاص اجازت تھی باقی عام عورتوں کے لئے ممانعت تھی۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ ابتدا میں اجازت تھی بعد کی عورتوں کے لئے بوجہ فساد زمان ممانعت آئی جس طرح ابتدا میں مسجد میں جا کر نماز باجماعت کی اجازت تھی مگر اب نہیں۔

نظر بد لگنے کا ایک عجیب واقعہ

﴿۴۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ رَاٰى عَامِرُبْنُ رَبِيْعَةَ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَغْتَسِلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَارَاَيْتُ كَالْيَوْمِ وَلَاجِلْدَ مُخَبَّاَةٍ قَالَ فَلُبِطَ سَهْلٌ فَاُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيْلَ لَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ وَاللّٰهِ مَايَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَقَالَ هَلْ تَتَّهِمُوْنَ لَهٗ اَحَدًا فَقَالُوْا نَتَّهِمُ عَامِرَبْنَ رَبِيْعَةَ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِرًا فَتَغَلَّظَ عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَامَ يَقْتُلُ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ اَلَابَرَّكْتَ اِغْتَسِلْ لَهٗ فَغَسَلَ لَهٗ عَامِرٌ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ وَاَطْرَافَ رِجْلَيْهِ وَدَاخِلَةَ اِزَارِهٖ فِيْ قَدَحٍ ثُمَّ صُبَّ عَلَيْهِ فَرَاحَ مَعَ النَّاسِ لَيْسَ لَهٗ بَاْسٌ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ تَوَضَّاْلَهٗ فَتَوَضَّاَلَهٗ

اور حضرت ابوامامہؓ ابن سہل ابن حنیف کہتے ہیں کہ (ایک دن) عامر ابن ربیعہؓ نے (میرے والد) سہل ابن حنیفؓ کو نہاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم (سہل کے جسم اور ان کے رنگ وروپ کے کیا کہنے) میں نے تو آج کے دن کی طرح (کوئی خوبصورت بدن کبھی) نہیں دیکھا اور پردہ نشین (خوبصورت عورت) کی بھی کھال (سہل کی کھال جیسی نازک وخوش رنگ) نہیں دیکھی ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ (عامر) کا یہ کہنا تھا کہ ایسا محسوس ہوا (جیسے) سہل کو گرا دیا گیا۔ چنانچہ ان کو اٹھا کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ سہل کے علاج کے لئے کیا تجویز کرتے ہیں خدا کی قسم یہ تو اپنا سر بھی اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے آنحضرتؐ نے (سہل کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ کیا کسی شخص کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے ان کو نظر لگائی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا (جی ہاں) عامر ابن ربیعہؓ کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے نظر لگائی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) عامر کو بلایا اور ان کو سخت سست کہا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مار ڈالنے کے درپے ہوتا ہے تم نے سہل کو برکت کی دعا کیوں نہیں دی تاکہ ان پر نظر کا اثر نہ ہوتا، پھر آپ نے عامر کو حکم دیا کہ تم سہل کے لئے (اپنے اعضاء کو) دھوؤ اور اس پانی کو اس پر ڈال دو۔ چنانچہ عامر نے ایک برتن میں اپنا منہ ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے، دونوں پاؤں کی انگلیوں کے پورے اور زیر ناف جسم (یعنی ستر ران اور کولہوں) کو دھویا اور پھر وہ پانی (جس سے عامر نے یہ تمام اعضاء دھوئے تھے) سہل پر ڈالا گیا (اس کا اثر یہ ہوا کہ) سہل فوراً اچھے ہوگئے اور اٹھ کر لوگوں کے ساتھ اس طرح چل پڑے جیسے ان کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ (شرح السنۃ، موطا امام مالک) اور امام مالک کی ایک روایت میں یہ منقول ہے کہ آنحضرتؐ نے (ٹوکنے والے سے) فرمایا کہ نظر بد حق ہے تم نظر زدہ کے لئے وضو کرو چنانچہ اس نے نظر زدہ کے لئے وضو کیا۔

توضیح

"ولا جلد مخبأة" یعنی عامر نے سہل کے متعلق کہا کہ ان کی کھال اس طرح نرم ونازک اور خوبصورت ہے کہ آج تک ایسی خوبصورت چیز نہیں دیکھی ہے بلکہ پردہ نشین دوشیزہ لڑکی کی کھال بھی اس طرح خوش رنگ نہیں دیکھی ہوگی۔

"فلبط" علامہ طیبی نے اس صیغہ کو باب تفعیل سے معروف کا صیغہ لیا ہے اور سہل اس کا فاعل ہے لبط منہ کے بل زمین پر گرنے کے معنی میں ہے۔

ملا علی قاری نے اس صیغہ کو ضرب اور نصر سے مجہول کا صیغہ قرار دیا ہے گویا ایسا محسوس ہوا کہ سہل منہ کے بل زمین پر گرائے گئے۔

"فتغلظ" یعنی آنحضرتؐ نے عامر کو سخت الفاظ سے یاد کیا اور خوب ڈانٹا۔ "الا برکت" یعنی جب تم کو سہل کا بدن بھا گیا تھا تو تم نے اس کے لئے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ کہ **بارک اللہ علیک** کہہ دیتے۔

"اغتسل لہ" یعنی اب ان کو اپنے اعضاء کے دھون کا پانی دیدو، علماء نے لکھا ہے کہ عاین اور ناظر کلی اور وضو کرے پاؤں گھٹنے

اور ناف کے نیچے علاقہ کو دھوئے اور ایک ٹب میں پانی جمع کرے اور پھر نظر زدہ شخص کی پشت کی طرف سے اس کے سر پر وہ پانی ڈالدے، یہ شریعت کا حکم ہے جائز اور نافع ہے کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اس میں اپنی عقل کو دخل دینا بے فائدہ ہے۔
علامہ مازریؒ فرماتے ہیں کہ ناظر کا غسل کرنا اور پانی منظور الیہ کو دینا اس پر واجب ہے لہٰذا اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو اس کو مجبور کیا جاسکتا ہے بلکہ قید کیا جاسکتا ہے ایک مر رہا ہے دوسرا اعضاء کا دھون نہیں دے رہا یہ کونسا انصاف ہے؟
قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں جو شخص نظر لگانے میں مشہور ہو تو اس سے اجتناب کرنا اور اس کے سامنے نہ آنا اور احتیاط کرنا لازم ہے اور حاکم پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو لوگوں کے میل جول اور اختلاط سے روک دے اور اس کو پابند بنادے کہ وہ صرف گھر میں رہے اور باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے اگر وہ غریب ہے تو اس کے کھانے پینے کا انتظام بیت المال سے کرے مگر اس کو باہر آنے کی اجازت نہ دے۔

معوذتین سے نظر بد کا علاج

﴿۴۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنَ الْجَانِّ وَعَیْنِ الْاِنْسَانِ حَتّٰی نَزَلَتِ الْمُعَوِّذَتَانِ فَلَمَّا نَزَلَتْ اَخَذَبِھِمَا وَتَرَکَ مَاسِوَاھُمَا. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنات سے اور انسان کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے یہاں تک کہ معوذتین نازل ہوئیں جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ان سورتوں کے ذریعہ دعا مانگنے لگے اور ان کے علاوہ دوسری چیزوں سے پناہ مانگی چھوڑ دی۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

مُغَرِّبُوْن کا مطلب کیا ہے؟

﴿۵۰﴾ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ رُئِیَ فِیْکُمُ الْمُغَرِّبُوْنَ قُلْتُ وَمَاالْمُغَرِّبُوْنَ قَالَ الَّذِیْنَ یَشْتَرِکُ فِیْھِمُ الْجِنُّ. رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَذُکِرَ حَدِیْثُ بْنِ عَبَّاسٍ خَیْرَ مَاتَدَاوَیْتُمْ فِیْ بَابِ التَّرَجُّلِ.

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے اندر (یعنی انسانوں میں) مغربون دکھائی دیتے ہیں میں نے عرض کیا مغربون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا مغربون وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ جنات (یعنی شیاطین) شریک ہوتے ہیں؟۔ (ابوداؤد) اور حضرت ابن عباس کی روایت خیر ماتداویتم الخ باب الترجل میں نقل کی جاچکی ہے۔

توضیح

"ھل رئی" یعنی کیا انسانوں میں مغربون دکھائی دیتے ہیں؟ یہاں استفہام، تنبیہ اور استیقاظ کے لئے ہے اور ھل بمعنی قد ہے۔ "المغربون" باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے دور کرنے اور بعید ہونے کے معنی میں آتا ہے اس مفہوم کے تعین میں چونکہ اشتباہ تھا اس لئے حضرت عائشہؓ نے پوچھا "وما المغربون" یعنی یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں ان کی حقیقت کیا ہے، کس جنس اور کس طبقہ سے ان کا تعلق ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ مغربون وہ طبقہ اور لوگ ہیں جن کے ساتھ جنات کا اشتراک عمل ہے۔

سوال

اب سوال یہ ہے کہ مغربون کا تعارف اس حدیث میں صرف اتنا ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ شیاطین اور جنات کا اشتراک عمل ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم خود متعین نہیں ہے کہ جنات کے اشتراک عمل کا مطلب کیا ہے؟

جواب پہلا مفہوم

مغربون کا ترجمہ دور ہونا اور بعید ہونا ہے اور اس لفظ کا ایک مفہوم ومطلب یہ ہے کہ مغربون وہ لوگ ہیں جو بوقت جماع ذکر اللہ سے دور رہتے ہیں یعنی جماع شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے ہیں اور یہ دعا نہیں پڑھتے "اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا" جب یہ لوگ اپنے آپ کو ذکر اللہ سے اور اس دعا سے دور رکھتے ہیں تو شیطان قریب آجاتا ہے اور جماع کرنے والے شخص کے ذکر سے اپنے ذکر کو لپیٹ دیتا ہے اور جماع میں اس شخص کے ساتھ شریک ہوجاتا ہے، اس کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ خیر وبھلائی سے دور ہوجاتی ہے اور شیطان کا ان پر پورا قابو آجاتا ہے جس کو بعض مزاحی لوگ کہتے ہیں یہ لڑکا بے بسم اللہ پیدا ہوا ہے۔

شارحین لکھتے ہیں کہ آج کل نئی نسل کے بگاڑ کا ایک بڑا ذریعہ یہی کوتاہی ہے، قرآن عظیم میں ﴿وشارکھم فی الاموال والاولاد﴾ والی آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسرا مفہوم

یہ کہ مغربون سے مراد زنا کار مرد اور عورتیں ہیں جو زنا کے ذریعہ سے حسب ونسب کو غائب کر کے خراب کردیتے ہیں، دوسرے بعید نسب کو اپنے نسب میں شامل کردیتے ہیں یا اپنے قریب نسب کو دوسرے بعید نسب میں شامل کردیتے ہیں اور یہ سارا کام شیطان کے اشتراک عمل سے ہوتا ہے زنا پر آمادہ کرنا شیطان کا عمل اور اس کا کام ہے جیسے ﴿یامرھم بالفحشاء والمنکر﴾ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ولاتقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبيلا﴾

تیسرا مفہوم

مغربون اوراس کے اشتراک عمل کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد جنات کے وہ مرد ہیں جن کے انسانوں کی عورتوں سے ناجائز تعلقات قائم ہوں اور وہ ان عورتوں سے زنا کرتے ہوں اوراس کے نتیجے میں ان عورتوں کی اولاد پیدا ہوتی ہو اس طرح جنات انسانوں کیساتھ شریک ہوگئے انسان جب اپنے دین سے دور ہو جاتا ہے تو جن اس پر سوار ہو جاتے ہیں کیونکہ حفاظت کی باڑ ختم ہو جاتی ہے اور حصار ٹوٹ جاتا ہے۔

چوتھا مفہوم

مغربون اوران کے اشتراک عمل کا چوتھا مفہوم یہ ہے کہ مغربون انسانوں میں کاہنوں اور نجومیوں کا وہ طبقہ ہے جن کے بعض شیاطین کے ساتھ براہ راست تعلقات ہوتے ہیں چنانچہ شیاطین آسمان سے خبریں لاکران کو دیتے ہیں اور یہ جوگی لوگ اس کو عام انسانوں میں پھیلاتے ہیں اور جھوٹ موٹ ملاکر اپنے کاروبار کو چمکاتے اور چلاتے ہیں۔ پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے۔

الفصل الثالث

صحت و بیماری کا مرکز معدہ ہے

﴿۵۱﴾عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِعْدَةُ حَوْضُ الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَیْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَةِ وَاِذَا فَسَدَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسُّقْمِ

حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا معدہ بدن کا حوض ہے اور پیٹ کی رگیں (جو اعضاء جسم سے پیوستہ ہیں) معدہ کی طرف (پانی پینے والے کی طرح) آتی ہیں جب معدہ درست ہوتا ہے تو یہ رگیں معدہ سے صحت بخش رطوبات کے ساتھ اعضاء جسم کی طرف جاتی ہیں جس سے بدن کو صحت وطاقت حاصل ہوتی ہے اور جب معدہ خراب ہوتا ہے تو یہ رگیں فاسد رطوبات کے ساتھ اعضاء کی طرف جاتی ہیں جس سے بدن کو بیماری اور ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔

توضیح

"حوض البدن" یعنی انسان کے بدن اوراس کے معدے کے درمیان جو نسبت اور رشتہ وتعلق ہے وہ وہی نسبت ہے جو پانی کے حوض اور درخت وفصل کے درمیان ہے تو جس پانی وتالاب کے کنارے میں کھڑا درخت اپنی جڑوں کے ذریعہ پانی سے اپنی بقا کے لئے حیاتیاتی رطوبات حاصل کرتا ہے اسی طرح انسانی جسم مختلف رگوں کے ذریعہ اپنے معدہ سے صحت اور طاقت

کی رطوبات حاصل کرتا ہے چنانچہ اگر حوض میں پانی صاف اور صحت بخش ہوتا ہے تو وہ درخت کی تازگی کا سبب بنتا ہے اور اگر پانی کھارا اور مضر صحت ہوتا ہے تو وہ درخت کی خشکی اور تباہی کا ذریعہ بنتا ہے یہ تو اس حدیث کا مفہوم و مطلب ہے آگے نظام ہضم کے متعلق کچھ لکھتا ہوں تا کہ مزید وضاحت ہو جائے۔

عجیب قدرتی نظام ہضم

اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم میں عجیب قدرتی نظام ہضم بنا رکھا ہے جو سالہا سال سے چلتا ہے اور انسان کو پتہ بھی نہیں کہ شکر ادا کرے چنانچہ غذا جب معدہ میں پہنچتی ہے تو معدہ کی مشینری تیز ہو جاتی ہے اور اس طرح عمل شروع کرتی ہے کہ معدہ غذا کے کچھ اجزاء کو فضلات کی صورت میں نیچے گرا دیتا ہے جو مقعد کے راستے سے خارج ہو جاتے ہیں اور غذا کے اچھے اجزا کو جگر میں پہنچا دیتا ہے یہ نظام ہضم کا پہلا مرحلہ ہے اس کے بعد جگر میں صفراء، سوداء، دم اور ماء جمع ہو جاتے ہیں جگر صفراء کو پتہ میں ڈال دیتا ہے یہ کڑوا تلخ پانی ہے اس کا ایک ایک قطرہ پتہ معدہ میں ڈالتا رہتا ہے تا کہ نئی غذا ہضم ہو کر تحلیل ہو جائے یہی قطرہ اگر معدہ میں نہ گرے بلکہ باہر ہو جائے تو پورے بدن میں صفراء سے یرقان کی بیماری پھیل جاتی ہے جگر سوداء کو تلی میں ڈال دیتا ہے اور تلی تازہ رہتی ہے جگر پانی کو گردوں میں پہنچا دیتا ہے اور گردوں کی نالیوں سے گزر کر فضلہ پانی مثانہ میں جا کر جمع ہو جاتا ہے اور پیشاب کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور پیشاب کی نالی سے خارج ہو جاتا ہے۔

جگر دم یعنی خون کو دل تک پہنچا دیتا ہے اور دل میں پمپنگ کا دفاعی نظام ہے جو اس خون کو جسم کی تمام رگوں اور شریانوں میں پھیلا کر متحرک رکھتا ہے یہی حرکت اگر پانچ منٹ کے لئے بند ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے نبض کی حرکت اسی نظام کا حصہ ہے یہی خون جب مادہ حیوان کے تھنوں میں پہنچتا ہے تو وہاں تھن کے گوشت میں اللہ تعالیٰ نے ایسا فلٹر سسٹم قائم کیا ہے کہ یہی خون صاف اور شفاف دودھ میں بدل جاتا ہے جس کو مزے لے لے کر انسان پیتا ہے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" زیر بحث حدیث میں اسی عجیب و غریب نظام ہضم اور نظام قدرت کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ہے کہ "المعدة حوض البدن"۔ اور اسی عجیب نظام کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ عیسیٰ اور ان کی ماں خدا نہیں تھے بلکہ خدا کے بندے تھے "کانا یاکلان الطعام" وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے اور اس لمبے نظام ہضم سے ان کو گزرنا پڑتا تھا اسی کے شکر ادا کرنے کی طرف بابا سعدی نے اشارہ کر کے کہا ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ☆ تا تو نانے بکف آرے و بغفلت نخوری

بچھو کے کاٹے کا علاج

﴿٥٢﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى

الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِه فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَاتَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَاغَيْرَهُ اَوْ نَبِيًّا وَغَيْرَهُ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهُ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهُ عَلٰى اِصْبَعِه حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ. رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک روز رات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتے ہوئے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا تھا کہ اس (ہاتھ) کی انگلی میں بچھو نے کاٹ لیا آپ نے اپنی پاپوش مبارک کے ذریعہ اس بچھو کو مار ڈالا اور جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ بچھو پر خدا کی لعنت ہو، نہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو یا یہ فرمایا کہ نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو، اس کے بعد آپ نے نمک اور پانی منگوایا اور دونوں کو ایک برتن میں گھول دیا اور پھر آپ اس پانی اور نمک کو انگلی کے اس حصے پر ڈالتے جاتے تھے جہاں بچھو نے کاٹا تھا اور انگلی کو ملتے جاتے تھے، نیز قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

آنحضرتؐ کے موئے مبارک

﴿۵۳﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ اَرْسَلَنِيْ اَهْلِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ وَكَانَ اِذَا اَصَابَ الْاِنْسَانَ عَيْنٌ اَوْ شَيْءٌ بَعَثَ اِلَيْهَا مِخْضَبَةً فَاَخْرَجَتْ مِنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَتْ تُمْسِكُهُ فِيْ جُلْجُلٍ مِنْ فِضَّةٍ فَخَضْخَضَتْهُ لَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ قَالَ فَاطَّلَعْتُ فِي الْجُلْجُلِ فَرَاَيْتُ شَعَرَاتٍ حُمْرًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عثمان ابن عبداللہ ابن موہب کہتے ہیں (ایک دن) میرے گھر والوں نے مجھ کو پانی کا ایک پیالہ دے کر ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا، معمول یہ تھا کہ جب کسی کو نظر لگتی یا اور کوئی بیماری ہوتی تو ام سلمہ کے پاس ایک پیالہ بھیجا جاتا اور ام سلمہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک نکالتیں جس کو وہ چاندی کی ایک نلکی میں رکھتی تھیں اور اس موئے مبارک کو پانی میں ڈال کر ہلاتیں اور پھر مریض اس پانی کو پی لیتا، (جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کو شفا عطا فرما دیتا) راوی کہتے ہیں کہ میں نے چاندی کی اس نلکی میں جھانک کر دیکھا تو مجھ کو (آنحضرتؐ) کے کئی سرخ بال نظر آئے۔ (بخاری)

توضیح

"بقدح" مجھے پیالہ دیکر میرے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ کی طرف بھیجا، "وکان" یعنی اس وقت معمول یہ تھا کہ کوئی بیمار ہوتا تو وہ اپنا برتن ام سلمہ کے پاس بھیجتا اور ام سلمہ کے پاس آنحضرتؐ کے موئے مبارک چاندی کی ایک نلکی میں رکھے

ہوئے تھے حضرت ام سلمہ ان بالوں میں سے ایک یا زیادہ بال نکال کر اس شخص کے پیالے کے پانی میں ڈالکر ہلا دیتیں تاکہ موئے مبارک کی برکت پانی میں آجائے وہ آدمی اپنے پیالے کے اسی مبارک پانی کو لے جاتا اور اپنے مریض کو شفا کی غرض سے پلاتا۔

"مخضبہ" میم پر زیر ہے اور خ ساکن ہے ض پر زبر ہے اور ب کے بعد ضمیر ہے جو انسان کی طرف لوٹتی ہے مخضب ٹب، ترامی، لگن، تھال اور تغاری کو کہتے ہیں مراد برتن ہے جس میں پانی رکھا جاسکتا ہے "فاخرجت" یعنی حضرت ام سلمہ کی عادت تھی کہ ان بالوں میں سے بعض کو نکال لیتیں تاکہ اس پانی میں ڈالدیں۔ "جلجل" یعنی ان بالوں کو حضرت ام سلمہ نے ایک چاندی کی ڈبیہ اور نلکی میں محفوظ کر رکھا تھا۔ جلجل اگر چہ جرس اور گھنٹی کو کہتے ہیں لیکن یہاں گھنٹی نما ڈبیہ مراد ہے جو چاندی کی بنی ہوئی تھی اور اس مقصد کے لئے چاندی کا استعمال جائز تھا جس طرح کعبہ کو ریشم پہناتے ہیں اور سونا لگاتے ہیں۔

"فخضخضته" مضمضته کی طرح ہے لفظاً و معنًی۔ یعنی ام سلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کو اس شخص کے برتن کے پانی میں ڈال کر پانی کو ہلا دیتیں تاکہ پانی میں برکت آجائے یہ مطلب زیادہ واضح ہے کیونکہ اس سے پہلے حدیث میں تصریح موجود ہے کہ ام سلمہ بال کو نکال دیتی تھیں جو چاندی کی ڈبیہ میں رکھے ہوتے تھے لیکن ملا علی قاری نے یہاں اس ضمیر کو جلجل کی طرف راجع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں "ای حرکت الجلجل فی الماء" ڈبیہ کو پانی میں رکھ کر حرکت دیتی تھیں۔ شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ام سلمہ موئے مبارک کو اس شخص کے برتن کے پانی میں ڈال کر حرکت دیتی تھیں تاکہ اس میں برکت آجائے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں "فاخرجت من شعر" پس بیرون می آورد ام سلمہ بعضے از مویہائے پیغمبر و دران ظرف می انداخت۔

"فخضخضته" پس می جنبانید ام سلمہ مخضب را کہ در وی آب بود و مویہائے شریف را در وی انداختی۔ یعنی حضرت ام سلمہ جس موئے مبارک کو جس برتن میں ڈال چکی ہوتیں اس برتن کو ہلا دیتی تھیں اس حدیث کے سمجھنے میں مجھے ہمیشہ قلق رہتا تھا آج الحمدللہ یہ حدیث حل ہوگئی اور دل خوش ہوگیا۔

کھمبی کے خواص

﴿۵۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْکَمْاَةُ جُدَرِیُّ الْاَرْضِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْکَمْاَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَاءُهَا شِفَاءٌ لِّلْعَیْنِ وَالْعَجْوَةُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهِیَ شِفَاءٌ مِّنَ السَّمِّ قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاَخَذْتُ ثَلٰثَةَ اَکْمُؤٍ اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا فَعَصَرْتُهُنَّ فَجَعَلْتُ مَاءَ هُنَّ فِیْ قَارُوْرَةٍ وَکَحَلْتُ بِهٖ جَارِیَةً لِّیْ عَمْشَاءَ

فَبَرَأَتْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کئی حضرات نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کھمبی زمین کی چیچک ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں (بلکہ) کھمبی من کی قسم سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے اور عجوہ جو کھجور کی سب سے نفیس اور عمدہ قسم ہے جنت کی کھجور ہے اور اس میں زہر سے شفا کی خاصیت ہے، حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ (آنحضرتؐ) کا یہ ارشاد سنکر میں نے تین یا پانچ یا سات کھمبیاں لیں اور ان کو نچوڑ لیا اور اس پانی کو ایک شیشی میں بھر کر رکھ لیا پھر میں اس پانی کو اپنی ایک چندھی لونڈی کی آنکھوں میں ڈالنے لگا تو وہ اچھی ہوگئی اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

توضیح

"الکماۃ" پہاڑی علاقوں میں ساون کے مہینوں میں زمین اور زمین پر پڑی ہوئی لکڑیوں میں ایک چیز پیدا ہوجاتی ہے جس کی کئی اقسام ہوتی ہیں بعض گیندے کے پھول کی طرح ہوتا ہے بعض چھتری نما ہوتا ہے جو اوپر سے سیاہی مائل ہوتا ہے اور نیچے سے سفید تر ہوتا ہے جس میں باریک نالیاں ہوتی ہیں جو اس چیز کے تراشے بنادیتی ہیں، اس کا ذائقہ گوشت کا ہوتا ہے اس کو ساگ اور گوشت کی طرح پکایا جاتا ہے بہت لذیذ ہوتا ہے پشتو میں اس کو ''خرڑی'' کہتے ہیں۔ افریقی ملک زامبیا میں غریب لوگ ٹوکریوں میں بھر بھر کر سڑک کے کنارے پر لاتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں۔ "جدری الارض" یہ کھمبی کی ایک قسم ہے جو گویا زمین کے جسم پر دانے ہیں جو چیچک کی طرح لگتے ہیں اسی وجہ سے صحابہ نے پوچھا ہے کہ کیا یہ زمین کی چیچک ہے؟ ''من المن'' یعنی جس طرح بطور نعمت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو من وسلویٰ دیا تھا یہ کھمبی ہمارے لئے من کی جگہ میں ہے یہ چیچک نہیں بلکہ نعمت ہے جو محنت کے بغیر اللہ تعالیٰ دیتا ہے صحابہ نے کھمبی کی مذمت کا ارادہ کیا آنحضرتؐ نے ان کے خیال کو رد فرما کر اس کو نعمت قرار دیا۔ کھمبی کو سانپ کی چھتری بھی کہتے ہیں۔

''وماءها شفاء'' یعنی آنکھوں کی بیماریوں اور نظر کے لئے شفاء ہے کہ اس کا اصلی طبعی پانی نچوڑ کر حاصل کیا جائے اور پھر اس کے قطرے آنکھوں میں ڈالے جائیں یہ انفرادی طور پر بھی علاج ہے اور ممکن ہے کہ دوسری ادویہ کے ساتھ ملا کر عدج ہوتا ہو۔ اس حدیث کے آخری حصہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا تجربہ منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انفرادی طور پر علاج ہے۔ ''عمشا'' ایسی لڑکی جس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہوں۔

ہر ماہ کے پہلے تین ایام میں شہد چاٹنے سے شفاء

﴿٥٥﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَعِقَ الْعَسَلَ ثَلٰثَ غَدَوَاتٍ فِيْ كُلِّ

شَهْرٍ لَمْ يُصِبْهُ عَظِيمٌ مِنَ الْبَلَاءِ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر مہینے میں تین دن صبح کے وقت شہد چاٹ لیا کرے تو وہ کسی بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا۔

توضیح

"ثلاث" حدیث میں ہر ماہ کے تین دن کا بتایا ہے خواہ کوئی بھی تین دن ہوں لیکن ابتدائی مہینہ کے تین دن مقرر کر لئے جائیں تو نظم وضبط کے اعتبار سے بہتر ہوگا البتہ نہار منہ چاٹنے کی طرف غدوات کے لفظ سے اشارہ ہو سکتا ہے لہٰذا نہار منہ پانی میں ملا کر پی لینا چاہئے یا ویسے چاٹ لیا جائے مگر شرط یہ ہے کہ شہد خالص ہو، قارم کا نہ ہو نہ شکر سے بنایا گیا ہو۔

اطباء لکھتے ہیں کہ نہار منہ شہد کو پینا یا چاٹنا بلغم کو [illegible] ہے معدے کو صاف کرتا ہے اس کی لزوجت اور فضلات کو دور کرتا ہے معدے کو اعتدال کے ساتھ گرمی پہنچاتا ہے بدن کے سدّوں کو کھولتا ہے علاوہ ازیں شہد بدن کے استرخاء اور ہر قسم ریاح کو زائل کرتا ہے پیشاب، حیض اور عورت کے دودھ کو جاری کرتا ہے مثانہ اور گردوں کی پتھری کو توڑتا ہے جسم کے ردی مواد کو خارج کرتا ہے۔

شفاء کے دو بڑے ذرائع

﴿۵۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالشِّفَائَيْنِ الْعَسَلُ وَالْقُرْاٰنُ. رَوَاهُمَا ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ الصَّحِيْحُ اَنَّ الْاٰخِيْرَ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شفا دینے والی دونوں چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلو ایک تو شہد ہے دوسرے قرآن ان دونوں روایتوں کو ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے، نیز بیہقی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دوسری حدیث (یعنی علیکم بالشفائین) مرفوع نہیں بلکہ ابن مسعود پر موقوف ہے۔

بلاضرورت پچھنے لگوانا نقصان دہ ہے

﴿۵۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ عَلٰى هَامَتِهٖ مِنَ الشَّاةِ الْمَسْمُوْمَةِ قَالَ مَعْمَرٌ فَاحْتَجَمْتُ اَنَا مِنْ غَيْرِ سَمٍّ كَذٰلِكَ فِيْ يَافُوْخِيْ فَذَهَبَ حُسْنُ الْحِفْظِ عَنِّيْ حَتّٰى كُنْتُ اُلَقَّنُ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فِي الصَّلٰوةِ. رَوَاهُ رَزِيْنٌ

اور حضرت ابو کبشہ انماریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیماری کے سبب کہ جو بکری کا زہر آلود گوشت کھا لینے کی وجہ سے لاحق ہوگئی تھی اپنے سر پر سینگی کھنچوائی، (حدیث کے ایک راوی) معمر کا بیان ہے کہ میں نے کوئی زہر آلود چیز کھائے بغیر اسی طرح اپنے سر پر سینگی کھنچوائی تو میں اپنے حافظہ کی خوبی سے محروم ہو گیا، یہاں تک کہ مجھ کو نماز میں الحمد سیکھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ (رزین)

توضیح

"یافوخی" یعنی ضرورت کے بغیر یا تجربہ کے بغیر سر کے تالو پر پچھنے لگوادیئے اس سے حافظہ کی قوت ختم ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے بغیر نہ تو آپریشن کرانا چاہئے اور نہ خون نکالنا چاہئے ضرورت بھی ہو پھر بھی تجربہ کار کی نگرانی میں کرنا چاہئے کہتے ہیں۔۔

"نیم حکیم خطرۂ جان ☆ نیم ملا خطرۂ ایمان

سینگی کھنچوانے کے دن

﴿۵۸﴾وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ يَانَافِعُ يَنْبَغُ بِيَ الدَّمُ فَأْتِنِيْ بِحَجَّامٍ وَاجْعَلْهُ شَابًّا وَلَاتَجْعَلْهُ شَيْخًا وَلَاصَبِيًّا قَالَ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحِجَامَةُ عَلَى الرِّيْقِ اَمْثَلُ وَهِيَ تَزِيْدُ فِي الْعَقْلِ وَتَزِيْدُ فِي الْحِفْظِ وَتَزِيْدُ الْحَافِظَ حِفْظًا فَمَنْ كَانَ مُحْتَجِمًا فَيَوْمَ الْخَمِيْسِ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ فَاحْتَجِمُوْا يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَاجْتَنِبُوا الْحِجَامَةَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ فَاِنَّهُ يَوْمُ الَّذِيْ اُصِيْبَ بِهِ اَيُّوْبُ فِي الْبَلَاءِ وَمَايَبْدُوْ جُذَامٌ وَلَابَرَصٌ اِلَّافِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ اَوْلَيْلَةِ الْاَرْبِعَاءِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت نافع کہتے ہیں (ایک دن) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نافع میرے جسم میں خون جوش کھا رہا ہے ذرا تم سینگی کھینچنے والے کو بلا دو لیکن جوان آدمی کو لانا، کسی بوڑھے یا بچے کو مت پکڑ لانا (کیونکہ طاقتور آدمی زیادہ اچھی طرح سینگی کھینچے گا) نافع کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، بھری ہوئی سینگی نہار منہ کھنچوانا زیادہ بہتر ہے اس سے عقل میں زیادتی ہوتی ہے (جس شخص کے حافظہ نہیں ہوتا) اس کا حافظہ تیز ہوتا ہے اور (جس کا حافظہ تیز ہوتا ہے اس کے) حافظہ میں زیادتی ہوتی ہے لہٰذا جو شخص سینگیاں کھنچوانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے جمعرات کے دن سینگی کھنچوائے، اور جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے سینگی کھنچوانے سے اجتناب کرو، پھر پیر اور منگل کے دن کھنچوائے اور بدھ کے دن سینگی کھنچوانے سے اجتناب کرو کیونکہ بدھ کا دن وہ دن ہے جس میں حضرت ایوب علیہ السلام مبتلائے بلاء

ہونے اور جذام یا کوڑھ کی بیماریاں بدھ کے دن یا بدھ کی رات میں ظاہر ہوتی ہیں۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"الثلثاء" فصل ثانی میں حدیث نمبر ۳۶ میں مذکور ہے کہ منگل کے دن سینگی مت کھنچواؤ اور یہاں حدیث میں اس دن کی اجازت بھی ہے فضیلت بھی ہے یہ تضاد ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت کبشہ کی جو حدیث گزر چکی ہے اس پر کلام ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ فضیلت اور اجازت اس منگل کے بارے میں ہے جو ہر مہینہ کی سترھویں تاریخ میں آجائے ہر منگل کی فضیلت واجازت نہیں ہے۔ اس حدیث کے آخر میں جو بیماریوں کا ذکر کیا گیا ہے یہ اغلبی امور ہیں کوئی حصر نہیں۔

سینگی ہو سترھویں تاریخ ہو منگل کا دن ہو

۵۹﴿وَعَنْ مَعْقَلِ ابْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَامَةُ يَوْمَ الثُّلَثَاءِ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مِنَ الشَّهْرِ دَوَاءٌ لِدَاءِ السَّنَةِ۔ رَوَاهُ حَرْبُ ابْنُ اِسْمَاعِيْلَ الْكِرْمَانِيُّ صَاحِبُ اَحْمَدَ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِذَالِكَ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰي وَرَوٰى رَزِيْنٌ نَحْوَهُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔

اور حضرت معقل ابن یسار کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منگل کے دن سترھویں تاریخ کو سینگی کھنچوانا سال بھر کی بیماریوں کا علاج ہے۔ اس روایت کو حرب ابن اسمٰعیل کرمانی نے نقل کیا ہے جو امام احمد بن حنبل کے مصاحب ہیں اور روایت کی اسناد ایسی (قوی) نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے۔ (ابن جارود کی کتاب) منتقی میں بھی اسی طرح منقول ہے نیز اسی طرح کی روایت رزین نے بھی حضرت ابوہریرہ سے نقل کی ہے۔

توضیح

اس حدیث میں منگل کے دن سینگی لگوانے کی فضیلت اور جواز کا ذکر ہے جبکہ اس سے پہلے حضرت کبشہ کی حدیث نمبر ۳۶ میں منگل کے سینگی لگوانے کی ممانعت کا ذکر ہے۔ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت کبشہ کی روایت پر کلام ہے وہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ممانعت مطلق منگل کے دن کی ہے لیکن اگر منگل کا دن مہینہ کی سترھویں تاریخ میں آجائے تو اس کی اجازت بھی ہے اور افادیت بھی ہے۔

خلاصہ یہ کہ سینگی ہو سترھویں تاریخ ہو اور منگل کا دن ہو تو اجازت ہی اجازت ہے لہذا تضاد نہیں ہے۔

باب الفال والطيرة

فال اور طیرہ کا بیان

ملاحظہ:۔الحمدللہ یہ سطور میں ۲۹ شعبان ۱۴۲۶ھ میں بیت اللہ الحرام مکہ مکرمہ میں لکھ رہا ہوں

لفظ فال ہمزہ کے بغیر استعمال ہوتا ہے اردو میں بھی اس کو فال کہتے ہیں اور شگون بھی کہتے ہیں اصل میں فال مطلق شگون میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس کا غالب استعمال اچھائی اور بھلائی میں ہوتا ہے اچھی فال اور نیک شگون کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے کسی خاص حالت میں کوئی اچھا کلمہ سن لیا یا کسی اچھی چیز کو دیکھ لیا تو اس کو اپنی اچھائی اور کامیابی کا راز قرار دیا، مثلاً ایک شخص بیمار ہے موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہے اس نے کسی سے سنا جو کہہ رہا تھا یا سالم یا کوئی شخص تجارت کے لئے سفر پر نکلا ہے کہ اس نے کسی سے یہ کہتے ہوئے سنا یا ناجح یا فائز یا راشد۔

یا کوئی آدمی دشمن کے مقابلہ کے لئے میدان جہاد میں نکلا ہے کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا جس کا نام ظفر علی خان یا فتح علی خان تھا جس میں فتح وظفر کی طرف اشارہ ہے۔یا کوئی شخص پردیس میں ایک شہر میں داخل ہو رہا تھا کہ سامنے سے ایک شخص آیا جس کا نام بُریدہ تھا جس سے ٹھنڈے اور اچھے حالات کی طرف اشارہ ہو رہا تھا۔

یا کوئی شخص اپنی گمشدہ چیز کی تلاش کے لئے نکلا کہ سامنے سے ایک شخص آرہا تھا اور کسی سے کہہ رہا تھا یا واجد ۔ان الفاظ سے اپنے مقصد کے لئے نیک شگون لینا فال ہے۔

شرعی اعتبار سے نیک فال اور نیک شگون لینا اور اس پر اپنی اچھائی کا اندازہ کرنا جائز ہے۔فال کبھی کبھی برائی اور بدی میں بھی استعمال ہوتا ہے جس کو بدفالی اور بدشگونی کہتے ہیں شرعاً بدفالی لینے اور بدشگونی کی اجازت نہیں ہے۔

"الطیرۃ" یہ مصدر ہے جو تطیر باب تفعُّل سے خاص طور پر آتا ہے عام مصادر ایسے نہیں ہوتے ہیں۔ الطیرۃ صرف بدفالی اور بدشگونی کے معنی میں آتا ہے اس لفظ کے مفہوم میں طیر اور طیران پڑا ہے جس کے معنی اڑتے اڑانے کے ہیں۔عرب کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا تو وہ گھونسلوں اور دیگر مقامات سے پرندوں کو اڑانے بھگانے کی کوشش کرتا تھا تاکہ اس سے نیک یا بدشگون لے سکے اگر پرندہ سیدھی جانب میں اڑتا تو اس کو عرب لوگ مبارک سمجھتے تھے اور اس کو ایمن کہتے تھے اور سفر جاری رکھتے تھے،اور اگر پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو اس کو نامبارک سمجھتے تھے اور اس کو اشأم کہتے تھے یعنی منحوس اور سفر سے باز آجاتے تھے۔ایمن کا ترجمہ ہے مبارک اور اشام کا ترجمہ ہے منحوس اور نامبارک۔

عرب اپنے اوہام کے تحت اڑنے والے اس پرندے کو سانح اور بارح بھی کہتے تھے۔

سانح اس کو کہتے تھے جو دائیں جانب اڑ کر چلتا اور بارح اس کو کہتے تھے جو بائیں طرف اڑ کر جاتا، چونکہ یہ سب جاھلیت کے اوھام تھے اس لئے اسلام نے اس کو منع کر دیا ہے۔ اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان اوہام سے اپنے آپ کو دور رکھے تا کہ وہ صحیح مسلمان رہے۔ ہر قوم اور ہر ملک اور ہر علاقے کے الگ الگ اوھام اور رسومات ہیں احادیث میں ان اوھام کا بیان ہے جو عرب کے ہاں رائج تھے مگر شریعت کا حکم عام ہے جہاں بھی اور جس انداز سے بھی لوگ ان اوھام میں مبتلا ہوں شریعت اس کورد کرتی ہے۔

الفصل الاول

بدشگونی لینا منع ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا طِیَرَةَ وَخَیْرُهَا الْفَالُ قَالُوْا وَمَا الْفَالُ قَالَ الْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ یَسْمَعُهَا اَحَدُكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بدشگونی بے حقیقت ہے اس سے بہتر تو (اچھی) فال ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اور فال کیا چیز ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ اچھا کلمہ ہے جس کو تم میں سے کوئی شخص سنے اور اس سے اپنی مراد پانے کی توقع پیدا کرے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لاطیرۃ" یعنی بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں ہے نفع اور نقصان کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے دفع مضرت میں بدشگونی کا کوئی عمل دخل نہیں ہے لہٰذا اس کی طرف نسبت کرنا اور اس کو حقیقی سمجھنا شرک ہے۔ بدشگونی کے ذکر کے بعد آنحضرتؐ نے نیک فال کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا "وخیرھا الفال" یعنی اس بدشگونی سے بہتر تو فال ہے۔ فال اور طیرۃ سے متعلق پہلے تفصیل گزر چکی ہے۔

سوال

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت نے فال کے بارے میں فرمایا کہ یہ طیرہ سے زیادہ اچھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طیرہ بھی کچھ نہ کچھ اچھا ہے حالانکہ طیرہ میں کوئی اچھائی نہیں ہے؟

جواب

اس ظاہری سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں خیر کا لفظ اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اپنے اصل معنی فعلی میں

استعمال ہوا ہے جیسے "الصیف احر من الشتاء" یہاں شتاء میں حرارت کا تصور نہیں کہ صیف کی حرارت اس سے زیادہ ہو بلکہ اتنا بتانا ہے کہ موسم گرما گرم ہوتا ہے اسی طرح "وھو اھون" کا صیغہ ھین کے معنی میں ہے "واصحاب الجنة خیر" اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یا جیسے "الاخص والاعم" اپنے اصل معنی میں ہیں یا "العسل احلیٰ من الحنظل" میں احلیٰ اصل فعل میں استعمال ہوا ہے تو "خیرھا الفال" بھی اسی طرح ہے۔

چند بے اصل اوہام اور اس کا بطلان

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاطِيَرَةَ وَلَاهَامَةَ وَلَاصَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگنا اور بد شگونی ہامہ اور صفر یہ سب چیزیں بے حقیقت ہیں (البتہ) تم جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو، (بخاری)

توضیح

"لاعدوی" یعنی بیماری میں چھوت چھات کا فلسفہ غلط ہے اور عوام الناس کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ بیماری ایک سے اڑ کر دوسرے کو لگتی ہے عام اطباء کا خیال ہے کہ سات قسم کی ایسی بیماریاں ہیں جو ایک سے دوسرے کو جا کر لگتی ہیں وہ یہ ہیں۔
(۱) جذام (۲) چیچک (۳) خارش (۴) آبلے اور بدن کے پھوڑے (۵) گندہ ذہنی (۶) رمد یعنی آنکھوں کا دکھنا (۷) وبائی امراض۔ اطباء کی بات اور ان کے تجربات اپنی جگہ پر لیکن احادیث مقدسہ اور شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ایک سے سرایت کر کے دوسرے کو بیماری لگنے کا عقیدہ قائم کرنا اور یہ سمجھنا کہ صرف اور صرف اس بیمار شخص کی وجہ سے مجھے بیماری لاحق ہوگئی ہے یہ توہم پرستی ہے بیماری اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے اور اس کے نظام قدرت کے تحت پھیلتی ہے اگر چند لمحوں کے لئے یہ مان لیا جائے کہ یہ بیماری پہلے شخص سے اڑ کر اس دوسرے شخص پر آ کر گئی ہے تو سوال یہ ہے اس پہلے شخص کی طرف یہ بیماری کیسے آئی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آئی ہے تو جس طرح پہلے شخص پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیماری آتی ہے اسی طرح دوسرے شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کے مستقل حکم سے آتی ہے اطباء کے خیال اور ان کے تجربات کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان حضرات نے بیماری کے ظاہری سبب اور علت کو دیکھا ہے اور شریعت نے بیماری کی اصلی اور حقیقی علت کو بیان کیا ہے دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے انبیاء کرام کی تعلیم اور ان کی نگاہ موثر حقیقی اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے لہٰذا ظاہری اسباب کا ذکر نہیں کرتے ہیں لیکن اطباء اور عوام الناس ظاہری اسباب کو دیکھتے ہیں تو اس کا ذکر کر دیتے ہیں۔
"ولاطیرۃ" اسکی تشریح اس سے پہلے حدیث نمبر ا میں ہو چکی ہے۔

"ولاھامۃ" عربی لغت کے اعتبار سے ھامہ سر کی کھوپڑی کو کہتے ہیں لیکن یہاں اس لفظ کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔
(۱) بعض علماء نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ھامہ سے مراد وہ پرندہ ہے جو مردہ کی کھوپڑی سے پیدا ہو جاتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کی کھوپڑی سے ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے وہ میت کے گھر پر آتا رہتا ہے جو اس گھر کے لئے نحوست کی علامت ہوتی ہے اسلام نے اس عقیدہ کو رد کر دیا کہ اس طرح کہانی صحیح نہیں ہے یہ توہم پرستی ہے۔
(۲) بعض علماء نے ھامہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ھامہ سے مراد الو ہے، عرب کا عقیدہ تھا کہ جب کوئی آدمی کسی کو قتل کر دے تو مقتول کی کھوپڑی اور سر سے الو کی شکل میں ایک پرندہ پیدا ہوتا ہے یہ الو چیختا چلاتا ہے کہ مجھے پانی پلا دو یعنی انتقام لو جب تک مقتول کے ورثاء اس کا قصاص اور بدلہ نہیں لیتے یہ پرندہ فریاد کرتا رہتا ہے جاہلیت کے عرب شعراء نے اس عقیدہ کو اپنے اشعار میں خوب اچھالا ہے چنانچہ ایک حماسی شاعر اپنے دوستوں کی قبروں پر یوں شعر پڑھتا ہے۔ ؎

اقیم علی قبر یکما لست بارحاً طوال اللیالی اویجیب صداکما (حماسہ ص ۱۵۰)

یہ جو لفظ "صدا" ہے یہ اسی عقیدہ کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا ہے۔
(۳) بعض علماء نے ھامہ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ھامہ اور بوم اور بومہ سے یہی متعارف الو مراد ہے۔ الو کے متعلق عرب کا خیال تھا کہ یہ جہاں آکر کسی کے گھر اور مکان وغیرہ پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ جگہ ویران اور تباہ و برباد ہو جاتی ہے گویا الو کا ٹھکانہ ویران مقام ہے۔ اردو کا شاعر کہتا ہے۔ ؎

بلبلوں نے گرنیا گلشن میں جا ☆ بوم ویرانے میں ٹکراتا رہا

عرب کے علاوہ عجم کے بعض اوھام پرست جاہل لوگ بھی الو کے متعلق یہی خیال رکھتے ہیں شریعت نے ان اوھام کو مسترد کر دیا ہے۔

"ولاصفر" شارحین اس لفظ کے دو مفہوم بیان کرتے ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کا عقیدہ تھا کہ جب صفر المظفر کا مہینہ آتا ہے تو وہ اپنے ساتھ مختلف مصیبتیں اور بلائیں لاتا ہے یہ منحوس مہینہ ہے لہذا اس میں شادی نہیں کرنی چاہئے ہمارے علاقوں میں اوھام پرست عورتیں اپنے سروں پر کپڑا لپیٹ کر ہاتھ میں ڈنڈا لیتی ہیں اور گھر کے کونوں اور ستونوں کو مارتی ہیں اور اپنی زبان میں کہتی رہتی ہیں "سپرے بلا اوزہ سپرے بلا اوزہ" یعنی صفر کی بلا ہمارے گھر سے نکل جاؤ نکل جاؤ۔ شریعت نے اس توہم پرستی کو رد فرما دیا اور حکم دیا کہ لاصفر یعنی صفر کی کوئی نحوست نہیں ہے۔
لاصفر کا دوسرا مفہوم شارحین اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بعض اوھام پرست لوگوں کا خیال تھا کہ پیٹ کے اندر ایک کیڑے کا نام صفر ہے اس کو جب بھوک لگتی ہے تو وہ پیٹ کے اندر سے آنتوں کو کاٹتا ہے جس سے آدمی مرجاتا ہے شریعت نے اس

وہم کو مسترد کر دیا۔

بعض نے اس لفظ کا تیسرا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ اس میں نسیئی کی طرف اشارہ ہے کہ صفر کو محرم اور محرم کو صفر سے تبدیل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ عرب اپنی ضروریات اور اغراض و مقاصد کے تحت مہینوں اور سالوں میں ردوبدل کیا کرتے تھے جسکی تفصیل اس سے پہلے کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔

اگلی روایت نمبر ۴ میں "ولا نــــوء" کے الفاظ بھی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ بارش اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے کسی برج یا ستارہ کی وجہ سے نہیں ہوتی جس طرح عرب کا خیال تھا کہ نوء یعنی بچھتر ستارہ اور برج کی وجہ سے بارشیں ہوتی ہیں اور عجم لوگ سُہیل اور سُہیلیٔ اور گُپ اور گُپ ڑئیں کی طرف بارش کو منسوب کرتے ہیں۔

"وفرمن المجذوم" جذام ایک خطرناک بیماری ہے جس سے اعضا غیر متوازن ہو کر کٹ جاتے ہیں۔

سوال

جذام والے شخص سے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں زیر بحث حدیث میں ہے کہ جذام والے شخص سے ایسے بھاگو جس طرح تم شیر کو خطرناک سمجھ کر بھاگتے ہو، دوسری حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ جذام والے شخص نے آنحضرتؐ سے بیعت لینے کا ارادہ کیا آنحضرتؐ نے پیغام بھیجا کہ واپس جاؤ ہم نے بیعت کر لی جیسے حدیث نمبر ۶ میں آرہا ہے۔اس حدیث کے بعد حدیث نمبر ۱۰ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے جذام والے ایک شخص کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ کھانے میں بٹھلا دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے بھروسہ اور توکل پر کھاؤ۔

اب ان احادیث میں آپس میں بھی تعارض ہے اور زیر بحث حدیث کے دونوں جملوں میں بھی تعارض ہے کیونکہ ایک میں ہے کہ "لاعـــدوی" یعنی بیماری ایک دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتی ہے اور اسی میں ہے کہ جذام والے شخص سے بھاگو تو ان تعارضات کا کیا جواب ہے؟

پہلا جواب

ان تعارضات کے حل کے لئے علماء نے تین جوابات دیئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ جذامی شخص سے احتراز اور اجتناب کی جو احادیث ہیں وہ "سداً للذرائع" ہیں۔مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں بیماری اللہ تعالیٰ لاتا ہے لیکن لوگوں کو وہم اور وسوسہ آتا ہے اور شبہ ہو جاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ بیماری اس بیمار کے ساتھ ملنے جلنے کی وجہ سے آئی ہو اس طرح لوگوں کے عقیدے خراب ہو نگے تو لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے بچانے کے لئے فرمایا کہ جذامی شخص کے پاس سے بھاگو تا کہ تم اس وہم اور وسوسہ میں نہ پڑ جاؤ اس عارض کی وجہ سے آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ورنہ اصل حکم وہی ہے کہ بیماری اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی

ہے اور چھوت چھات کی کوئی حیثیت اور کوئی حقیقت نہیں ہے یہ تو لاعدویٰ کے ساتھ تعارض کا دفعیہ ہو گیا۔

دوسرا جواب

اس تعارض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ''لاعدویٰ'' کے عام حکم سے صرف جذام کی بیماری کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں تجاوز ہے باقی میں نہیں ہے۔

تیسرا جواب

اس تعارض کے حل کے لئے تیسرا جواب یہ ہے کہ جذام والے شخص سے بھاگنے کا حکم ظاہری اسباب کی بنیاد پر ہے حقیقت کے اعتبار سے نہیں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جذام والے شخص کی اس بیماری میں ایک بو ہوتی ہے عام اختلاط سے وہ بو دوسرے میں اثر کر جاتی ہے اور دوسرے کو بیماری لگ جاتی ہے یہ اثر صرف ظاہری اسباب کی حد تک ہوتا ہے حقیقت میں بیماری اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے تو مجذوم سے عدم اختلاط کا حکم صرف حفظان صحت کے اصول کے تحت ہے۔ عدویٰ اور چھوت چھات کے اصول کے تحت نہیں ہے۔

باقی آنحضرت کو چونکہ کامل یقین تھا اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ تھا اور حقیقی علت کی صحیح معرفت تھی اس لئے جذام والے شخص کو اپنے ساتھ بٹھلا کر ایک ساتھ کھانا کھایا اور دوسروں کو ڈرایا۔

کسی بیماری کا متعدی ہونا بے حقیقت بات ہے

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَةَ وَلَاصَفَرَ فَقَالَ اَعْرَابِيٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَابَالُ الْاِبِلِ تَكُوْنُ فِي الرَّمْلِ لَكَاَنَّهَا الظِّبَاءُ فَيُخَالِطُهَا الْبَعِيْرُ الْاَجْرَبُ فَيُجْرِبُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ اَعْدَالْاَوَّلَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بیماری کا ایک سے دوسرے کو اڑ کر لگنا ہامہ اور صفران سب کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ایک دیہاتی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تو پھر ان اونٹوں کے بارے میں کیا کہا جائیگا جو (اپنی تندرستی اور اپنی جلد، کھال کی صفائی ستھرائی کے اعتبار سے) ہرن کی مانند ریگستان میں دوڑتے پھرتے ہیں لیکن جب کوئی خارشی اونٹ ان میں مل جاتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی خارش زدہ بنا دیتا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا اچھا تو یہ بتاؤ پہلے اونٹ کو کس نے خارش زدہ بنایا؟ یعنی خارش پیدا ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی سے اڑ کر لگے لہذا جس طرح ان تندرست اونٹوں میں آملنے والے خارش زدہ اونٹ میں خارش کا پیدا ہونا بتقدیر الٰہی ہوتا ہے اسی طرح دوسرے اونٹوں کا خارش زدہ ہو جانا بھی حکم الٰہی کے تحت اور نظام قدرت کے مطابق ہوتا ہے۔ (بخاری)

توضیح

"الرمل" ریگستان اور صحرا مراد ہے اس سے دیہاتی نے صحت مند ماحول کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "الظبا" ظبی کی جمع ہے ہرن کو کہتے ہیں یعنی صحت اور تندرستی میں ہرن کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ "یخالط" ملنے اور اختلاط کے معنی میں ہے۔ "الاجرب" خارشی اونٹ کو کہتے ہیں۔ "فیجربها" یعنی ان تمام صحت منداونٹوں کو یہ ایک خارشی اونٹ خارشی بنادیتا ہے تو یہ چھوت چھات کا اثر ہے اور ایک کی بیماری کا دوسروں کی طرف تجاوز اور متعدی ہونے کی دلیل ہے۔

"الاول" یعنی سب سے پہلے جس اونٹ پر خارش کی بیماری آئی وہ کون لایا ہے؟ ظاہر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی قدرت کی وجہ سے آئی ہے اس لئے چھوت چھات اور بیماری کے تجاوز اور متعدی ہونے کا عقیدہ غلط ہے یہ بے حقیقت اور بے اصل بات ہے۔

اس قسم کی احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کی نگاہ حقیقی علت اور حقیقی سبب پر ہوتی ہے انبیاء کرام ظاہری اسباب کے بجائے اصل حقیقت کی بات بطور تعلیم پیش کرتے ہیں اور عوام الناس اطباء اور تجربہ کار لوگوں کی نگاہیں ظاہری اسباب پر ہوتی ہیں اس لئے وہ ظاہری سبب کی طرف نسبت کرتے ہیں جیسے ابتدا میں لکھا جاچکا ہے۔

نوء اور نچھتر کی کوئی حیثیت نہیں ہے

﴿۴﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَدْوٰى وَلَاهَامَةَ وَلَانَوْءَ وَلَاصَفَرَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سے دوسرے کو بیماری لگنا ہامہ، نوء، اور صفر کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (مسلم)

توضیح

"نوء" نوء کی جمع انواء ہے ایک ستارہ یا ایک برج مراد ہے۔ شاعر ساحر کہتا ہے۔

جمد القطار ولورنته کما تری بهتت کما تبجس الانواءُ

نوء کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ ایک ستارہ کا طلوع ہونا اور دوسرے کا غروب ہونا ہے اور موسم ربیع میں اس طرح تبدیلی آتی ہے عرب کا عقیدہ تھا کہ ان ستاروں کے طلوع ہونے اور غروب ہونے سے بارشیں ہوتی ہیں شریعت نے اس کو مسترد کردیا اور بتادیا کہ بارش اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں ہوتی۔

نہایہ میں لکھا ہے کہ نوء کی جمع انواء ہے جس کے معنی قمر اور چاند کی ان منازل کے ہیں جن کو نچھتر کہتے ہیں، قمر اور چاند کی

اٹھائیس منازل ہیں جس کی طرف قرآن میں اس طرح اشارہ ہے ﴿والقمر قدرناه منازل﴾
اہل جاہلیت بارش کو انہیں منازل اور پچھتروں کی طرف منسوب کرتے تھے اور ان منازل اور پچھتروں کو بارش کے لئے موثر حقیقی سمجھتے تھے۔ چنانچہ جاہلیت میں عرب کا خیال تھا کہ چاند یا کوئی ستارہ جب ان منازل میں سے فلاں منزل میں اتر آتا ہے تو بارش ہو جاتی ہے اس عقیدہ کو شریعت نے شرک قرار دیا ہے عجم کے لوگ بھی بعض بارشوں کو اس قسم کے ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً جب سہیل ستارہ طلوع ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ سہیل کی بارش ہے یا یہ سہیلے کی بارش ہے۔ یہ گُپ کی بارش ہے یہ گُپ زمیں کی بارش ہے یہ سب شرکیہ عقائد ہیں۔

غول اور چڑیل ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا

﴿۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَاعَدْوٰى وَلَاصَفَرَ وَلَاغُوْلَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک سے دوسرے کو بیماری کا لگنا صفر اور غول کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ (مسلم)

توضیح

"ولا غـــــول" غول کی جمع اغوال اور غیلان ہے یہ جنات اور شیاطین کی ایک جنس اور قسم ہے جس کو چڑیل کہتے ہیں عرب کا خیال تھا کہ جنگلات میں اس قسم کے جنات اور شیاطین ہیں جو اپنے رنگ روغن کو اور شکل وصورت کو تبدیل کرتے ہیں اور لوگوں کو ہلاک کر ڈالتے ہیں اور راستوں سے بھٹکاتے ہیں، آنحضرتؐ نے ان کے اس عقیدہ کو رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر غول اور یہ شیاطین کچھ نہیں کر سکتے ہیں تم اس بے حقیقت خطرہ سے خطرہ محسوس نہ کرو اور ان کے بڑوں سے پناہ نہ مانگو غول کی اصل حقیقت چڑیل ہے جس کو پشتو میں "گذیرچ" کہتے ہیں یہ جنات کی ایک قسم ہے جو شکل وصورت تبدیل کر کے لوگوں کو ڈراتے ہیں ان سے جو ڈر گیا وہ مر گیا کیونکہ یہ چڑیل رات کے وقت سامنے آتی ہے کبھی گھوڑے کی شکل میں آ گئی تو کچھ دیر بعد کتے کی شکل میں نمودار ہو گئی کچھ دیر کے بعد ایک ڈراونی چڑیل نما عورت کی شکل میں آتی ہے کچھ دیر کے بعد ایک بڑے دیو کی شکل میں آ جاتی ہے کبھی مرغی اپنے چوزوں کے ساتھ کڑک کڑک کرکے سامنے آ جاتی ہے دیکھنے والا ڈر جاتا ہے، جو ڈر گیا وہ مر گیا اور اگر کوئی نہیں ڈرا تو یہ کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ ہلاک کرنے کی طاقت اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ غول اور چڑیل صرف ڈراتا ہے تو آنحضرتؐ نے "لا غول" فرما کر غول کے وجود کی نفی نہیں فرمائی بلکہ غول کے ان کرتبوں کے ضرر اور نقصان کی نفی فرمائی ہے کہ ڈرو نہیں اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا اور نہ ان میں ایسی طاقت ہے کہ کسی کو راستے سے بھٹکا دے۔ جو لوگ صحرائی اور قبائلی نظام کو نہیں جانتے وہ

اس حدیث کے مفہوم کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔

جذامی سے اجتناب

﴿۶﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ فِيْ وَفْدِ ثَقِيْفٍ رَجُلٌ مَجْذُوْمٌ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّاقَدْبَايَعْنَاكَ فَارْجِعْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عمرو ابن شرید اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ قبیلہ ثقیف کے لوگوں کا جو وفد آیا تھا اس میں ایک شخص جذامی بھی تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس ایک آدمی کو بھیج کر کہلا دیا کہ ہم نے تم سے (زبانی) بیعت لے لی ہے، لہٰذا تم لوٹ جاؤ (گویا آپ نے اس کو سامنے نہیں بلایا تاکہ حاضرین مجلس کو کراہت محسوس نہ ہو)۔ (مسلم)

اس حدیث کی تفصیل پہلے لکھی جا چکی ہے۔

الفصل الثانی

نیک فال لینا جائز ہے

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَفَاءَ لُ وَلَايَتَطَيَّرُ وَكَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچھی فال لیتے تھے اور شگون بد نہیں لیتے تھے، نیز آپ اچھے ناموں کے ذریعہ فال لینے کو پسند فرماتے تھے۔ (شرح السنہ)

پرندوں کو اڑانا اس کے نام اور آواز سے فال لینا شرک ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ قَطَنِ بْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْعِيَافَةُ وَالطَّرْقُ وَالطِّيَرَةُ مِنَ الْجِبْتِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت قطن ابن قبیصہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیافہ طرق اور شگون بد لینا یہ سب چیزیں جبت میں سے ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"العیافۃ" عیافہ زمانہ جاہلیت...

"العیافة" عیافہ دانی عرب کے ہاں ایک فن سمجھا جاتا ہے اور اس سے فال نکالنے کا عام رواج تھا اسکی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کسی پرندے کو بھگا کر اڑاتا تھا یا وہ خود اڑ کر جاتا تھا تو یہ شخص دیکھتا تھا کہ اس پرندے کا نام کیا ہے اسکی آواز کیسی ہے

اور کس طرف کس انداز سے اڑ کر جاتا ہے ان تمام چیزوں سے عرب فال نکالتے تھے۔ زیادہ تر پرندہ کے نام اور اسکی آواز سے فال لیتے تھے مثلاً اڑنے والے پرندے کا نام اگر عقاب ہوتا تھا تو اس سے عقوبت کی بدفالی لیتے تھے اور اگر غراب ہوتا تھا تو اس سے غریب الوطن اور سفر کی بدفالی لیتے تھے اور اگر نام ہدہد ہوتا تھا تو اس سے ہدایت اور رہنمائی مراد لیتے تھے۔ عیافہ اور طیرہ میں اتنا فرق ہے کہ طیرہ عام ہے خواہ پرندہ ہو یا کوئی جانور اور انسان ہو اس سے بدفالی لینے کو طیرہ کہتے ہیں۔ لیکن عیافہ پرندوں کے ناموں اور آوازوں کے ساتھ خاص ہے۔ آج کل بھی ایسے اوہام پرست لوگ موجود ہیں جو اس مرض میں مبتلا ہیں۔

"الطرق" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ طرق کنکریاں مارنے کو کہتے ہیں عرب کے ہاں فال لینے کی یہ بھی ایک صورت ہوتی تھی وہ لوگ اپنے مطالب معلوم کرنے کے لئے ہوا میں کنکریاں پھینکتے تھے اور مٹی یا راکھ وغیرہ اڑاتے تھے جس طرف راکھ اور مٹی زیادہ اڑ کر چلی جاتی یہ لوگ اسی طرف کا سفر کرتے دوسری طرف کو منحوس سمجھتے تھے ہمارے ہاں ایک شکاری آدمی چھوٹی سی تھیلی میں راکھ بھر لیا کرتا تھا اور پھر انگلی سے اس کو درمیان سے مارتا تھا جس طرف زیادہ راکھ چلی جاتی وہ آدمی اسی طرف شکار کے لئے جاتا تھا۔ شریعت نے اس کو منع کر دیا کہ یہ صرف توہم پرستی ہے۔

طرق کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ عرب کے لوگ ریت وغیرہ پر مختلف قسم کے ہندسے لکھتے تھے اسی طرح خطوط کھینچ کر زائچے بنایا کرتے تھے اور اس سے اپنا مطلب نکالتے تھے جس طرح علم رمل و جفر ہوتا ہے اس کو بھی شریعت نے منع کر دیا ہے۔

"الجبت" لفظ جبت سے یا جادو اور کہانت مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ پرندوں کے گزرنے سے اور ان کی آوازوں اور ناموں سے اور کنکریاں پھینکنے اور مٹی اڑانے سے بدشگون لینا اور اس سے فال نکالنا یا رمل و زائچہ کے ذریعہ حالات معلوم کرنا سب کے سب سحر اور کہانت کے حکم میں ہیں جو شرک کے کام ہیں۔

یا جبت سے مراد شیطان ہے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سارے کام شیطانی ہیں شیطان اس کو پسند کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی طرف آمادہ کرتا ہے۔

اوہام پرستی سے بچنے کا علاج توکل ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّيَرَةُ شِرْكٌ قَالَهُ ثَلٰثًا وَمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّدَبْنَ اِسْمَاعِيْلَ يَقُوْلُ كَانَ سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ يَقُوْلُ فِيْ هٰذَاالْحَدِيْثِ وَمَامِنَّا اِلَّا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ هٰذَاعِنْدِيْ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا شگون بد لینا شرک ہے آپ نے اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہ بات تین مرتبہ فرمائی اور ہم میں سے ہر آدمی کو اللہ تعالیٰ اپنے بھروسہ اور توکل پر چلاتا ہے (یعنی یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ کسی کام وسفر کے قصد وارادہ کے وقت کوئی ایسی چیز ظاہر ہو جائے جس سے بتقاضائے بشریت دل ودماغ میں کوئی وہم اور تردد پیدا ہو تو اس وہم وتردد پر قطعاً بھروسہ واعتماد نہ کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ویقین رکھتے ہوئے اس کام کو کیا جائے یا اس سفر پر چلا جائے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح

"الطیرۃ شرک" اگر بدشگونی کا پکا عقیدہ کوئی شخص رکھتا ہے اور بدشگونی کو قطعی اور یقینی امر سمجھتا ہے تو یہ شرک جلی ہے جو حرام ہے اور اگر عام عادت کے مطابق دستور اور رواج کے طور پر بدشگونی کرتا ہے تو یہ شرک خفی ہے۔ شرک خفی کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مشرکین کے طریقوں اور ان کی عادات میں سے ہے۔

"بالتوکل" یعنی اوہام پرستی سے بچنے کا علاج یہ ہے کہ آدمی ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شکوک وشبہات کو مسترد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ کائنات میں جو کچھ تغیر اور تصرف ہوتا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ایام واوقات اور انسانوں اور ان کے حالات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہمارا نظام اللہ تعالیٰ کے کاموں پر اثر انداز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہمارے کاموں پر اثر انداز ہے۔ اس روایت کے آخر میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ "ومامنا" آخر تک یہ کلام حضرت ابن مسعود کا اپنا کلام ہے مرفوع حدیث نہیں ہے۔

آنحضرتؐ نے جذامی کے ساتھ کھانا کھایا

﴿۱۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخَذَ بِيَدِ مَجْذُوْمٍ فَوَضَعَهَا مَعَهُ فِي الْقَصْعَةِ وَقَالَ كُلْ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلاً عَلَيْهِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھانے کے پیالہ میں اپنے ساتھ شریک کیا اور فرمایا کہ کھاؤ، میرا اللہ پر اعتماد وبھروسہ ہے اور میں اسی کی ذات پر توکل کرتا ہوں۔ (ابن ماجہ)

بدشگونی کوئی چیز نہیں ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ سَعْدِبْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاهَامَةَ وَلَاعَدْوٰى وَلَاطِيَرَةَ وَاِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِيْ شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْاَةِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سعد ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ ہامہ کوئی چیز ہے نہ ایک سے دوسرے

کو بیماری کا لگنا کوئی حقیقت رکھتا ہے اور نہ شگون بد میں کوئی حقیقت ہے اگر کسی چیز میں شگون بد ہوتا تو گھر میں گھوڑے میں اور عورت میں ہوتا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"فی الدار" اس حدیث کی تشریح و توضیح اس سے پہلے ہو چکی ہے لیکن چونکہ یہاں اس بحث کا اصل مقام ہے اس لئے کچھ اشارہ کرنا ضروری ہے بدشگونی اور نحوست کے سلسلے میں مختلف احادیث منقول ہیں بعض احادیث میں مطلقاً ہر قسم کی اشیاء سے بدشگونی کی نہی اور ممانعت مذکور ہے اور بعض احادیث میں گھوڑے، گھر اور عورت وغیرہ بعض اشیاء میں نحوست کے ثبوت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے جیسے زیر بحث حدیث میں ہے۔ لہٰذا ان مختلف احادیث میں تطبیق دینا اور مناسبت وموافقت پیدا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ علماء اور شارحین حدیث نے مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔

توجیہ اول

پہلی توجیہ یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں آنحضرت کا کلام بطور فرض اور بطور شرط ہے کہ فرض کرلو اگر دنیا کی کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی لیکن چونکہ نحوست کا عقیدہ رکھنا صحیح نہیں ہے لہٰذا ان تین چیزوں میں بھی نحوست نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے بھی یہی توجیہ کی ہے فرماتے ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں اس کا موقع ومحل اور امکان تھا لیکن جب اس میں نہیں تو کسی چیز میں نہیں۔

توجیہ دوم

دوسری توجیہ حضرت ابوھریرہ راوی حدیث نے خود بیان فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ گھر میں نحوست کا مطلب یہ ہے کہ وہ تنگ ہو گھوڑے میں نحوست یہ ہے کہ وہ سرکش ہو اور عورت میں نحوست یہ ہے کہ بدزبان اور بداخلاق ہو۔

توجیہ سوم

تیسری توجیہ یہ ہے کہ ظاہری اسباب کے اعتبار سے ان تین چیزوں کی نحوست کو عام احادیث سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے کہ طبعی طور پر ان چیزوں میں نحوست کا دخل ہے مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

آنحضرتؐ نیک فال لینے کو پسند فرماتے تھے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ اَنْ يَّسْمَعَ يَارَاشِدُ يَانَجِيْحُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کام کے لئے باہر نکلتے تو آپ کو یہ اچھا معلوم ہوتا کہ کسی کی زبان سے یہ سنیں اے راشد اے نجیح یعنی کسی کام کے لئے جاتے وقت اس طرح کے نام والفاظ سننا نیک فال ہے۔ (ترمذی)

﴿۱۳﴾وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَايَتَطَيَّرُ مِنْ شَيْءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلاً سَاَلَ عَنِ اسْمِهٖ فَاِذَا اَعْجَبَهُ اِسْمُهُ فَرِحَ بِهٖ وَرُئِيَ بِشْرُ ذَالِكَ فِيْ وَجْهِهٖ وَاِنْ كَرِهَ اِسْمَهُ رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذَالِكَ فِيْ وَجْهِهٖ وَاِذَا دَخَلَ قَرْيَةً سَاَلَ عَنِ اسْمِهَا فَاِذَا اَعْجَبَهُ اِسْمُهَا فَرِحَ بِهٖ وَرُئِيَ بِشْرُ ذَالِكَ فِيْ وَجْهِهٖ وَاِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رُئِيَ كَرَاهِيَةُ ذَالِكَ فِيْ وَجْهِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز سے شگون بد نہ لیتے تھے اور جب آپ کسی عامل (کارکن کو کہیں) روانہ کرنے لگتے تو اس کا نام دریافت فرماتے اگر اس کا نام اچھا معلوم ہوتا تو آپ اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو اس سے آپ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی (یہاں تک کہ آپ اس کے نام کو کسی اچھے نام سے بدل دیتے) اسی طرح جب آپ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس بستی کا نام پوچھتے اگر آپ کو اس کا نام اچھا معلوم ہوتا تو اس سے خوش ہوتے اور آپ کی خوشی آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی اور اگر اس کا نام برا معلوم ہوتا تو آپ کی ناگواری آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوتی۔ (ابوداؤد)

مکان میں بے برکتی کا ذکر

﴿۱۴﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا فِيْ دَارٍ كَثُرَ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَتَحَوَّلْنَا اِلٰى دَارٍ قَلَّ فِيْهَا عَدَدُنَا وَاَمْوَالُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَرُوْهَا ذَمِيْمَةً. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن بارگاہ رسالت میں ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم ایک مکان میں رہا کرتے تھے جس میں ہمارے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی اور ہمارے پاس مال بھی بہت تھا۔ پھر ہم ایک دوسرے مکان میں منتقل ہو گئے تو اس میں ہمارے آدمیوں کی تعداد بھی کم ہو گئی اور ہمارا مال بھی تھوڑا رہ گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اس مکان کو چھوڑ دو جو برا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ذروھا" یعنی تمہیں جب یہ مکان برا لگتا ہے تو اسے چھوڑ دو۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مکان کی نحوست کو کیسے تسلیم کیا جبکہ آپ نے الطیرۃ شرک میں اسکی نفی فرمائی ہے؟ اس کا ایک سطحی جواب تو وہی ہے کہ نحوست کے بارہ میں جن تین اشیاء کا استثنیٰ کیا گیا ہے اس میں گھر بھی ہے یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس سوال کا بہترین جواب علامہ خطابی نے یہ دیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جب دیکھا کہ ان لوگوں کو یہ وہم پیدا ہو گیا ہے کہ اس

مکان کی وجہ سے ہمارے اموال اور افراد میں قلت آگئی ہے اور ہمیں اس مکان کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے تو آنحضرتؐ نے ان کو مکان چھوڑنے کا حکم دیدیا تاکہ ان کا عقیدہ خراب نہ ہو اور یہ وہم آگے جا کر ان کے عقائد کا حصہ نہ بن جائے اس لئے آنحضرت نے اس میں مصلحت دیکھی کہ ان کے وہم کی جڑ کو کاٹ دیا جائے اور ان کو اس وہم کے گرداب میں پھنسنے اور شرک خفی میں مبتلا ہونے سے بچایا جائے اور مکان چھوڑنے کا کہا جائے۔ ''یہ اسلوب حکیم کے طور پر تھا''

وبازدہ علاقہ سے بھاگنے کا مسئلہ

﴿۱۵﴾وَعَنْ يَحْيَى بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَحِيْرٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ مَنْ سَمِعَ فَرْوَةَبْنَ مُسَيْكٍ يَقُوْلُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدَنَا اَرْضٌ يُقَالُ لَهَا اَبْيَنُ وَهِيَ اَرْضُ رِيْفِنَا وَمِيْرَتِنَا وَاِنَّ وَبَاءَ هَا شَدِيْدٌفَقَالَ دَعْهَا عَنْكَ فَاِنَّ مِنَ الْقَرَفِ التَّلَفَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت یحیٰ ابن عبداللہ ابن بحیر کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے بیان کیا کہ جس نے حضرت فروہ ابن مسیک سے روایت سنی کہ انہوں نے (یعنی فروہ نے کہا) کہ میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے پاس ایک زمین ہے جس کو ''ابین'' کہا جاتا ہے اور وہ ہماری زراعت اور غلے کی زمین ہے (یعنی وہ غلہ منڈی ہے جہاں تجارت کے لئے دوسری جگہوں سے غلہ لا کر جمع کیا جاتا ہے اور دوسرے شہروں میں بھیجا جاتا ہے) لیکن اس زمین کی وبا سخت ہے (یعنی وہاں وبائی امراض زیادہ رہتے ہیں آنحضرتؐ نے یہ (سنکر) فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو (یعنی وہاں رہنا اور آنا جانا ترک کر دو کیونکہ وہ طاعون زدہ آبادی کے حکم میں ہے) اور وبا ہلاکت اور اتلاف کا باعث ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

''ابین'' یہ اس زمین اور علاقہ کا نام تھا جس کے بارے میں صحابی نے مسئلہ پوچھا تھا۔ ''ریفنا'' ریف زراعت کو کہتے ہیں ''ومیرتنا'' میرۃ غلہ کو کہتے ہیں ''وباء ھا'' یعنی اس زمین اور علاقہ میں کثرت سے وبائی امراض آتے ہیں اور شدید وبا پھیلتی ہے۔ ''دعھا'' یعنی اس کو چھوڑ دو ''القرف'' وبائی مرض کو قرف کہا گیا ہے۔ قرف کا اصل ترجمہ قرب اور نزدیکی ہے۔ ''التلف'' یہ ہلاکت کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ وبائی امراض کے قرب اور آنے سے ہلاکت واقع ہو جاتی ہے لہٰذا تم اس زمین کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ۔

سوال

یہاں پر یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ وبائی امراض کی جگہ سے بھاگنے کو آنحضرت نے منع فرمایا ہے کئی صحیح احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے پھر آنحضرت نے اس حدیث میں ان لوگوں کو وبائی زمین سے بھاگ نکلنے کی اجازت کیسے دیدی؟

جواب

اس سوال کا ایک جواب علامہ طیبی نے دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے عدویٰ اور چھوت چھات پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی اور نہ یہ اجازت عدویٰ کے نقطۂ نظر سے تھی بلکہ اصول طب کے مطابق حفظان صحت کی بنیاد پر یہ حکم تھا کیونکہ اس جگہ کی آب وہوا ان لوگوں کی طبائع کے موافق نہیں تھی۔ گویا اس حدیث کا تعلق وبائی امراض سے نہیں ہے بلکہ حفظ ماتقدم کی بنیاد پر حفظان صحت سے اس کا تعلق ہے کہ جب اس علاقہ کی آب وہوا تمہارے موافق نہیں ہے تو اس علاقہ کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے ان لوگوں کو جگہ بدلنے کا حکم ان کے عقیدہ کے تحفظ کی بنیاد پر دیا تھا کیونکہ ان کو وہم ہوگیا تھا کہ شاید یہ جگہ ہمارے موافق نہیں ہے اور اس کی وجہ سے آفات ہماری طرف متوجہ ہیں ممکن تھا کہ ان کا یہ وہم ان کے عقیدہ میں بدل جاتا اور وہ بدشگونی کے برے عقیدہ میں مبتلا ہو جاتے اس کے سدباب کے لئے آنحضرت نے مصلحت کے تحت ان کو چلے جانے کا حکم دیدیا اس حدیث سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ وبائی جگہ سے بھاگنا جائز ہے مسئلہ یہ ہے کہ وبا کے پھوٹ پڑنے سے پہلے اس جگہ سے جانا جائز ہے اس کے بعد موت کے خوف سے بھاگنا جائز نہیں ہے۔ ہاں شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ باہر سے آکر وبائی امراض کے علاقہ میں داخل ہونا بھی منع ہے۔ سیلاب وطوفان اور آگ وزلزلہ سے بھاگنا اور محفوظ مقام پر جانا جائز ہے اس کو وبائی زمین پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

الفصل الثالث

شگون بد سے بچنے کی دعا

﴿۱۶﴾ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنُهَا الْفَالُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَاِذَا رَاٰى اَحَدُكُمْ مَايَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ لَايَاْتِيْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ مُرْسَلًا.

حضرت عروہ بن عامر (تابعی) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدشگونی کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کی بہترین صورت (اچھی فال) ہے اور (یاد رکھو) کسی مسلمان کو شگون بد باز نہ رکھے (یعنی کسی مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے اور پھر کسی چیز کو بدشگونی سمجھ کر اس کام سے باز رہے) اور جب تم میں سے کوئی شخص ایسی چیز کو دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے تو یہ چاہئے کہ یہ دعا پڑھے "اللھم لایاتی الخ" اے اللہ اچھائیوں اور برائیوں کا لانے والا صرف تو ہے اور صرف تو ہی برائیوں اور خرابیوں کو دور کرنے والا ہے اور برائی سے منہ موڑنے اور نیکی کی طرف آنے کی توفیق وطاقت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

مورخہ ۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب الکهانة

کاہنوں کا بیان

لغت کی کتاب صراح میں لکھا ہے کہ کہانت فال گوئی کو کہتے ہیں اور فال گوئی کے پیشہ کو بھی کہانت کہا جاتا ہے اس پیشہ کو اختیار کرنے والے شخص کو کاہن کہتے ہیں۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو آیندہ پیش آنے والے واقعات اور حوادثات کی خبریں دیتا ہو اور مستقبل کے علم غیب اور معرفت واسرار کا دعویٰ کرتا ہو۔ یعنی نشانات وامارات وعلامات سے معلوم کر کے مستقبل کے بارے میں جو شخص غیب کی پیشگوئیاں کرے ایسے شخص کو عرب کاہن بھی کہتے ہیں اور عراف بھی کہتے ہیں، ستاروں کے احوال کو دیکھ کر نجومی اور ہاتھ دیکھ کر فال نکالنے والے یا طوطے کے ذریعہ یا رمل جفر اور ابجد وغیرہ ہندسوں کے ذریعہ سے مستقبل کی خبریں دینے والے لوگ سب کے سب کہانت کے اس پیشہ میں داخل ہیں۔

حضور اکرمؐ کی ولادت اور بعثت سے پہلے عرب معاشرہ میں کہانت کا بہت زیادہ چرچا تھا یہاں تک کہ عدالتی فیصلے اور بڑے بڑے جھگڑے کاہنوں کے ذریعہ نمٹائے جاتے تھے۔

بنو زھرہ کی ایک کاہنہ عورت نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ آمنہ کو دیکھا تو کہا" یہ عورت یا خود نذیرہ ہوگی یا اس کے بطن سے نذیر پیدا ہوگا"۔ بنو زھرہ کی اسی کاہنہ عورت نے خواجہ عبداللہ کے ذبح کے بدلہ میں سو اونٹ مقرر کیے تھے

عرب معاشرہ میں کاہنوں کی مختلف قسمیں تھیں

(۱) بعض کاہنوں کے براہ راست جنات اور شیاطین سے رابطے رہتے تھے شیاطین آسمان اول کے قریب جا کر فرشتوں سے آیندہ واقع ہونے والی کوئی بات سن لیتے تو اسے لا کر ان کاہنوں تک پہنچاتے تھے کاہن اس ایک بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں ملا کر اپنے کاروبار جاری رکھتے تھے اور لوگوں کو بیوقوف بناتے تھے آنحضرت کی بعثت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور جنات وشیاطین پر آسمان سے شہاب ثاقب مارے جانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

(۲) بعض کاہن روحانی اعتبار سے خبیث ہوتے تھے لہٰذا ان کے ساتھ ارواح خبیثہ کے رابطے ہوتے تھے اور یہ کاہن ان ارواح خبیثہ سے استفادہ کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کرتے تھے۔

(۳) بعض کاہن زمین وآسمان کی علامات سماوی اور علامات ارضی اور لوگوں کی علامات شخصی کو دیکھ کر ادھر ادھر سے غیب کی

بے سروپا باتیں اڑاتے تھے اور اپنا دھندہ چلاتے تھے۔ اسلام نے ان تمام حیلوں اور ٹوٹکوں کو حرام قرار دیا اور اس سے حاصل شدہ کمائی کو حرام کر دیا لہٰذا کاہن کا یہ عمل حرام ہے اور اس کو کچھ شیرینی وغیرہ لینا دینا بھی حرام ہے۔

الفصل الاول

کہانت اور رمل ناجائز ہے

﴿۱﴾ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَاْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَالِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَالِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت معاویہ ابن حکم کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسی کتنی ہی چیزیں ہیں جن کو ہم زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور ان سے غیب کی باتیں پوچھا کرتے تھے آپ نے فرمایا کہ تم کاہنوں کے پاس نہ جایا کرو۔ حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم شگون بدلیا کرتے تھے آپ نے فرمایا یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو تم میں سے کوئی اپنے دل میں محسوس کر سکتا ہے لیکن یہ تم کو کسی کام سے نہ روکے یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص بتقاضائے بشریت شگون بد کا خیال بھی لائے تو اس سے متاثر ہو کر اپنے قصد وارادہ سے باز نہ رہے کیونکہ بدشگونی وہم سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ لکیریں اور خطوط کھینچتے ہیں آپ نے فرمایا انبیاء میں ایک نبی گزرے ہیں جو لکیریں اور خطوط کھینچا کرتے تھے لہٰذا جس شخص کا خط ان کے موافق ہو وہ مباح ہوگا۔ (مسلم)

توضیح

"فلا یصدنکم" یعنی تم کو یہ اوہام تمہارے کام سے نہ روکیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کرو۔ "یخطون" یعنی لکیریں کھینچتے تھے اور کچھ زائچے بناتے تھے یہ علم رمل و جفر کی طرف اشارہ ہے جو خطوط اور زائچوں کے حساب کے ذریعہ سے لوگ مستقبل کی معلومات حاصل کرتے تھے۔ "نبی من الانبیاء" شارحین لکھتے ہیں کہ اس نبی سے حضرت دانیال علیہ السلام یا حضرت ادریس علیہ السلام مراد ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ رمل و جفر کا یہ علم عطا فرمایا تھا۔ چونکہ رمل و جفر کے اس علم کی نسبت ایک نبی کی طرف تھی اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حکیمانہ انداز سے امت کو اس علم سے منع فرمادیا اور سابق نبی کے اس عمل پر اعتراض بھی نہیں کیا اور فرمایا کہ ایک نبی ایسا عمل کرتے تھے لیکن وہ چونکہ مامون ومحفوظ

معصوم تھے اور بطور معجزہ ایسا کرتے تھے اس لئے ان کا عمل صحیح تھا اب اگر تمہارا یہ عمل اس نبی کے عمل کے بالکل موافق ہو جائے تو صحیح ہوگا اور اگر موافق نہ ہوا تو صحیح نہیں ہوگا اب تم خود فیصلہ کرلو کہ جب تم کو معلوم بھی نہیں کہ تمہارا عمل اس نبی کے عمل کے موافق ہے یا نہیں تم اگر یہ فیصلہ نہیں کر سکتے ہو تو پھر اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں رہیگی، لہٰذا تم اس سے اجتناب کرو کیونکہ یہ علم اب دنیا سے اٹھ گیا ہے اس طرح حکیمانہ جواب سے آنحضرت نے اس عمل کو منع بھی فرمایا اور کسی نبی پر اعتراض بھی نہیں آیا۔

کہانت کی بنیاد کیسی ہے؟

﴿۳﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلَ اُنَاسٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْكُهَّانِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُمْ لَيْسُوْا بِشَيْءٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّهُمْ يُحَدِّثُوْنَ اَحْيَانًا بِالشَّيْءِ يَكُوْنُ حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْكَلِمَةُ مِنَ الْحَقِّ يَخْطَفُهَا الْجِنِّيُّ فَيَقُرُّهَا فِيْ اُذُنِ وَلِيِّهِ قَرَّ الدَّجَاجَةِ فَيَخْلِطُوْنَ فِيْهَا اَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے بارے میں پوچھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا وہ کچھ نہیں ہیں یعنی وہ جن باتوں کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بے بنیاد ہوتی ہیں اس لئے ان کی بتائی ہوئی باتوں پر اعتماد و بھروسہ مت کرو۔ لوگوں نے عرض کیا: رسول اللہ! بعض دفعہ وہ ایسی بات بتاتے ہیں یا ایسی خبر دیتے ہیں جو سچ ہوتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بات حق ہوتی ہے جس کو جن (یعنی شیطان) اچک لیتا ہے اور اپنے دوست (کاہن) کے کان میں اس طرح ڈال دیتا ہے جس طرح مرغ کوئی دوسرے مرغ کو دانہ لینے کے لئے بلاتا ہے پھر وہ کاہن اس بات میں سو ۱۰۰ سے زیادہ جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"یکون حقا" یعنی کبھی کبھی ان کاہنوں کی بتائی ہوئی بات صحیح ثابت ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ "یخطفها" حضور اکرم نے حضرت عائشہ کو بتادیا کہ کاہنوں کی ایک آدھ بات جو صحیح ثابت ہوتی ہے اس کی اصل حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کا ایک حکم آجاتا ہے آسمان کے نیچے بادلوں میں فرشتے آپس میں اس حکم سے متعلق گفتگو کرتے ہیں جنات میں سے سرکش قسم کے شیاطین آسمان کے نیچے بادلوں میں چھپ چھپا کر جاتے ہیں اور فرشتوں سے ایک آدھ بات سن کر اچک لیتے ہیں اور زمین پر لاتے ہیں۔

"فیقر" مرغی کی کڑک کڑک کی آواز کو کہتے ہیں یعنی مرغی جب دوسری مرغی کو دانہ کی طرف بلاتی ہے اور کڑک کڑک کی

آواز دیتی ہے اسی طرح یہ جن اپنے دوست کاہن اور جوگی کے کانوں میں اوپر کی بات ڈالدیتے ہیں اور وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر پھیلاتا ہے آیندہ حدیث نمبر ۹ میں شیاطین کے چڑھنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے کہ بزدل شیطان سب سے نیچے زمین پر رہتا ہے اس کے کاندھوں پر دوسرا کھڑا ہوتا ہے اس طرح سب سے بہادر بالکل اوپر آسمان کے قریب بادلوں میں پہنچ جاتا ہے اوپر سے ان پر شہاب ثاقب مارا جاتا ہے اگر کسی پر لگا تو وہ مرجاتا ہے یا پاگل ہوجاتا ہے مگر ان سب کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ سنی ہوئی بات زمین تک آجائے اور ان کی گمراہی کی مہم جاری ہوجائے۔

ایک سچ کے ساتھ سو جھوٹ

﴿۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ فِي الْعَنَانِ وَهُوَ السَّحَابُ فَتَذْكُرُ الْاَمْرَ قُضِيَ فِي السَّمَاءِ فَتَسْتَرِقُ الشَّيَاطِيْنُ السَّمْعَ فَتَسْمَعُهُ فَتُوْحِيْهِ اِلَى الْكُهَّانِ فَيَكْذِبُوْنَ مَعَهَا مِائَةَ كَذْبَةٍ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فرشتوں کی کوئی جماعت جب عنان یعنی ابر میں اترتی ہے اور (آپس میں) ان باتوں اور ان امور کا تذکرہ کرتی ہے جو آسمان میں مقرر ہوئے ہیں (اور دنیا میں وقوع پذیر ہونے والے ہیں) تو شیاطین چوری چھپے ان کی باتوں کو سننے کے لئے کان لگائے رکھتے ہیں اور جب وہ کوئی بات سن لیتے ہیں تو اس کو کاہنوں کے پاس پہنچادیتے ہیں اور وہ کاہن شیاطین سے سنی ہوئی اس بات میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملالیتے ہیں۔ (بخاری)

نجومیوں کے پاس جانے والے کی چالیس دن کی نمازیں مردود

﴿۴﴾ وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت حفصہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن یا نجومی کے پاس جائے اور اس سے کچھ پوچھے (یعنی غیب کی باتیں دریافت کرے) تو اس کی چالیس دن رات کی نمازیں قبول نہیں کی جاتی۔ (مسلم)

توضیح

"صلوۃ اربعین لیلۃ" یعنی دن رات کی فرض نمازیں قبول نہیں ہونگی یا تہجد کی نماز قبول نہیں ہونگی یہ سزا اس شخص کی ہے جس نے نجومی کی تصدیق کی، یہ کتنی بڑی محرومی کی بات ہے کہ انسان اپنی اہم عبادت نماز سے محروم ہوجاتا ہے اور یہ جرم کتنا سخت ہے کہ چالیس دن تک اس کا اثر باقی رہتا ہے حالانکہ نجومی کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہوتا ہے بلکہ سب دھوکہ ہے بابا سعدی نے

گلستان میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک نجومی کے گھر میں ان کی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد گھسا ہوا لطف اٹھا رہا تھا اور نجومی قریب بازار میں لوگوں کو آسمان کی باتیں بتا رہا تھا اس پر سعدی بابا نے فرمایا۔

بر اوج فلک چہ دانی چیست　　چوں نہ دانی کہ درسرائے تو کیست

یعنی تم آسمان کی بلندیوں کی کونسی بات معلوم کرلو گے جبکہ تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ تیرے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟

علامہ اقبال نے فن نجوم سے متعلق کہا۔

تیری تقدیر کو انجم شناس کیا جانے　　تو خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں

ستاروں کو بارش کا سبب قرار دینا کفر ہے

﴿۵﴾وَعَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدِنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى اَثَرِ سَمَاءٍ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِيْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِيْ مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ.　　مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت زید ابن خالد جہنی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات میں بارش ہو چکی تھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم جانتے ہو تمہارے پروردگار نے اس وقت کیا فرمایا ہے صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں نے (آج) اس حال میں صبح کی کہ بعض تو مجھ پر ایمان لائے اور بعض نے کفر کیا چنانچہ جس شخص نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور ستاروں کے ساتھ کفر کیا (یعنی ستاروں کے اثر کے منکر ہیں) اور جس شخص نے کہا کہ فلاں ستارے کے طلوع ہونے اور فلاں ستارے کے غروب ہونے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو اس نے میرے ساتھ کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

''کــافــر بی'' اگر کوئی شخص بارش برسانے میں کسی ستارے مثلاً سہیل سہیلے گُپ اور گُپ ڈیں کو مؤثر حقیقی سمجھتا ہے تو یہ شخص کافر ہو جاتا ہے اور اگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بارش فقط اللہ تعالیٰ برساتا ہے یہ ستارے ظاہری اسباب ہیں تو یہ کفر نہیں ہے مگر یہ عقیدہ رکھنا بھی مکروہ ہے حدیث کے الفاظ سے مطلق حرمت معلوم ہوتی ہے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِیْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِیْنَ یُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَیْثَ فَیَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی اللہ تعالیٰ آسمان سے کوئی برکت نازل کرتا ہے تو انسانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت اس کے ذریعہ کفر میں مبتلا ہو جاتی ہے (یعنی کچھ نہ کچھ لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو اس برکت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے دوسرے ذرائع و اسباب کی طرف منسوب کر دیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی ہے۔ (مسلم)

الفصل الثانی

علم نجوم اور سحر وجادو ایک چیز ہے

﴿۷﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ عِلْمًا مِّنَ النُّجُوْمِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِّنَ السِّحْرِ زَادَ مَا زَادَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم نجوم کا ایک حصہ سیکھتا ہے تو گویا وہ علم سحر کا ایک حصہ سیکھتا ہے اس طرح وہ اتنا ہی زیادہ سحر کا علم سیکھتا ہے جتنا زیادہ وہ نجوم کا علم سیکھتا ہے۔ ابوداؤد، احمد، ابن ماجہ

"شعبة من السحر" یعنی علم نجوم بھی جادو اور ٹوٹکے کا ایک حصہ ہے جس شخص نے جتنا زیادہ علم نجوم سیکھا اس نے اتنا ہی جادو سیکھ لیا اور ظاہر ہے جادو سیکھنا حرام ہے۔

نجومیوں کی تصدیق کرنا حرام ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی كَاهِنًا وَصَدَّقَهٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتٰی امْرَاَتَهٗ حَائِضًا اَوْ اَتٰی امْرَاَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا فَقَدْ بَرِیٔ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے پاس جائے اور اس کی بتائی ہوئی باتوں کو سچا جانے یا جو شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہو یا جو شخص اپنی بیوی کے پیچھے کی طرف بدفعلی کرے تو وہ اس چیز (یعنی قرآن وسنت وشریعت) سے بیزار ہوا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا۔ (احمد، وابوداؤد)

"بری" اگر نجومی کی تصدیق بھی کی اور اس حرام کام کو حلال بھی جانا تو اس صورت میں یہ شخص واقعۃً کافر ہو گیا اور اگر اس نے اس فعل کو حلال نہیں کہا بلکہ معصیت کے درجہ میں گناہ کیا تو پھر یہ حدیث تشدید وتہدید اور توبیخ وتغلیظ پر محمول ہوگی۔

الفصل الثالث

کاہنوں کو غیب کی بات کس طرح پہنچتی ہے

﴿۹﴾ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَضَی اللّٰهُ الْاَمْرَ فِی السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِکَةُ بِاَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِقَوْلِهٖ کَاَنَّهٗ سِلْسِلَةٌ عَلٰی صَفْوَانٍ فَاِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْ قَالَ الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ فَسَمِعَهَا مُسْتَرِقُوا السَّمْعِ وَمُسْتَرِقُوا السَّمْعِ هٰکَذَا بَعْضُهٗ فَوْقَ بَعْضٍ وَوَصَفَ سُفْیَانُ بِکَفِّهٖ فَحَرَّفَهَا وَبَدَّدَبَیْنَ اَصَابِعِهٖ فَیَسْمَعُ الْکَلِمَةَ فَیُلْقِیْهَا اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ ثُمَّ یُلْقِیْهَا الْاٰخَرُ اِلٰی مَنْ تَحْتَهٗ حَتّٰی یُلْقِیْهَا عَلٰی لِسَانِ السَّاحِرِ اَوِ الْکَاهِنِ فَرُبَمَا اَدْرَکَ الشِّهَابُ قَبْلَ اَنْ یُلْقِیْهَا وَرُبَمَا اَلْقَاهَا قَبْلَ اَنْ یُدْرِکَهٗ فَیَکْذِبُ مَعَهَا مِائَةَ کَذْبَةٍ فَیُقَالُ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ لَنَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا کَذَا وَکَذَا فَیُصَدَّقُ بِتِلْکَ الْکَلِمَةِ الَّتِیْ سُمِعَتْ مِنَ السَّمَاءِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی چیز کا حکم جاری کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان سنکر خوف وعاجزی سے اپنے بازوؤں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کی آواز اس زنجیر کی آواز کی مانند ہوتی ہے جس کو صاف پتھر پر کھینچا جائے پھر جب فرشتوں کے دلوں سے خوف دور ہوجاتا ہے تو وہ فرشتے مقرب فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم جاری فرمایا ہے مقرب فرشتے وہ حکم بتاتے ہیں جو پروردگار نے جاری کیا ہے (یا مقرب فرشتے دریافت کرنے والے فرشتوں سے کہتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پروردگار نے فرمایا ہے) حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات بلند قدر اور بلند مرتبہ ہے چنانچہ ان باتوں کو جو فرشتوں کے درمیان ہوتی ہیں چوری چھپے سننے والے (یعنی جنات وشیاطین) سن لیتے ہیں اور وہ چوری چھپے سننے والوں کی ہیئت کو اپنے ہاتھ (کی انگلیوں) کے ذریعہ بیان کیا چنانچہ انہوں نے ہاتھ کو ٹیڑھا کر کے انگلیوں کے درمیان فرق کیا (یعنی حضرت سفیان نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کے اوپر تلے ہونے کی طرف اشارہ کیا اور بتایا کہ وہ جنات وشیاطین آسمان سے زمین تک اس طرح سلسلہ وار اور اوپر تلے کھڑے رہتے ہیں) اور اوپر والا جن فرشتوں کی بات چوری چھپے سن کر اپنے نیچے والے جن کو پہنچا دیتا ہے اور وہ اپنے نیچے والے جن کو پہنچاتا ہے یہاں تک کہ آخری جن (جو سب سے نیچے ہوتا ہے) اس بات کو ساحر یا کاہن کی زبان تک پہنچاتا ہے ادھر (ان جنات وشیاطین کو مارنے اور بھگانے کے لئے آسمان سے شعلے پھینکے جاتے ہیں تو) کبھی تو یہ شعلے ساحر یا کاہن تک وہ بات پہنچانے سے پہلے ہی چوری چھپے سننے والے (جن کو) آ پکڑتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ جن اس شعلے کے پہنچنے سے پہلے ساحر یا کاہن تک وہ بات پہنچ جاتی ہے تو وہ اس میں سو جھوٹی باتیں شامل کرلیتا ہے (اور لوگوں کے سامنے ان جھوٹی باتوں کے درمیان وہ بات بھی بیان کرتا ہے جو اس تک

جنات وشیاطین کے ذریعہ پہنچتی ہے) چنانچہ جب کوئی شخص اس کاہن کو (اس کی بتائی ہوئی باتوں میں سے جھوٹی باتوں کے ذریعہ جھٹلاتا ہے (یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے جو فلاں فلاں بات کہی تھی وہ جھوٹی ثابت ہوئی تو ان گمراہ لوگوں کی طرف سے جو کاہن کی باتوں کو سچا جانتے ہیں جھٹلانے والے کے سامنے) یہ کہا جاتا ہے کہ کیا یہ حقیقت نہیں ہے اور کیا تم نہیں جانتے کہ اس کاہن نے فلاں فلاں دن ہم سے فلاں بات کہی تھی اور اس طرح اس کاہن کی سچائی کی تصدیق اس بات سے کی جاتی ہے جو اس تک (جنات کے ذریعہ) آسمان سے پہنچی تھی۔ (بخاری)

توضیح

"خضعانا" عاجزی اور تواضع اور خوف کے طور پر بازو پھڑ پھڑاتے ہیں، "صفوان" مضبوط چٹان کو کہتے ہیں۔ "فزع" یعنی جب فرشتوں کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے۔ "ماذا قال ربکم" نیچے آسمان والے فرشتے مقرب فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا حکم کیا ہے؟ "الحق" یعنی مقرب فرشتے کہتے ہیں کہ جو حکم اللہ تعالیٰ کا آیا ہے وہ حق ہی ہے۔ "فحرفها" یعنی سفیان ثوری نے شیاطین کے اوپر چڑھنے کی کیفیت بتائی آپ نے ہاتھ کو ٹیڑھا کیا اور انگلیوں کو اوپر نیچے رکھ کر بیچ میں فرق کیا۔ حدیث نمبر ۲ میں اس کی کیفیت کی تفصیل لکھی جا چکی ہے کہ جو سب سے بزدل ہے وہ زمین پر بیٹھ جاتا ہے اس کے اوپر دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے یہ سلسلہ اوپر تک جاتا ہے۔

شہاب ثاقب کی حقیقت

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهُمْ بَيْنَاهُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاكُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَايُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَاقَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَيَخْطَفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَاءِهِمْ وَيُرْمَوْنَ فَمَاجَاءُوْا بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ فَهُوَ حَقٌّ وَلٰكِنَّهُمْ يَقْرِفُوْنَ فِيْهِ وَيَزِيْدُوْنَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک

دفعہ رات کے وقت کچھ صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کی تیز روشنی پھیل گئی (یہ دیکھ کر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اس طرح ستارہ ٹوٹنے کو کیا کہتے تھے؟ صحابہ نے عرض کیا حقیقت حال اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں ہم تو یہ کہا کرتے تھے کہ آج کی رات کوئی بڑا آدمی پیدا کیا گیا ہے اور (کبھی یہ کہتے کہ) آج کی رات کوئی بڑا آدمی مرگیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی موت سے ٹوٹتا ہے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ہمارا رب جس کا نام بابرکت ہے جب کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے تسبیح (یعنی سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد کرنے لگتے ہیں) پھر (ان کی تسبیح کی آواز سن کر) آسمان کے فرشتے تسبیح کرنے لگتے ہیں جو عرش اٹھانے والے فرشتوں کے قریب ہیں یہاں تک کہ اس تسبیح کی آواز (ایک دوسرے آسمان سے ہوتی ہوئی) آسمان دنیا پر رہنے والے فرشتوں تک پہنچ جاتی ہے پھر وہ فرشتے جو عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتوں سے قریب رہتے ہیں عرش کو اٹھانے والے فرشتوں سے پوچھتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ وہ فرشتے ان کو وہ بات بتاتے ہیں جو پروردگار نے فرمائی ہے پھر اس بات کو ان سے دوسرے فرشتے دریافت کرتے اور ان سے اور فرشتے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ آسمان دنیا پر رہنے والوں تک پہنچ جاتا ہے، پھر اس سنی ہوئی بات کو جنات اچک لیتے ہیں یعنی وہ کان لگائے ایسی باتوں کے منتظر رہتے ہیں اور جب وہ چوری چھپے کوئی بات سن لیتے ہیں تو اس کو وہاں سے لے اڑتے ہیں اور اپنے دوستوں یعنی کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں چنانچہ ان جنات کو مارنے کے لئے ستارے پھینکے جاتے ہیں (لہٰذا ان ستاروں کے پھینکے جانے کا سبب یہ ہے نہ کہ وہ جس کا تم اعتقاد رکھتے ہو یعنی کسی کی موت یا پیدائش وغیرہ) اس طرح کاہن اگر اس بات کو جو آسمان سے سنی گئی ہے اور جنات کے ذریعہ اس تک پہنچی ہے جوں کی توں بیان کریں تو وہ یقیناً صحیح ثابت ہوگی لیکن وہ کاہن ایسا نہیں کرتے بلکہ اس میں جھوٹی باتیں شامل کر دیتے ہیں اور ایک بات کی بہت سی باتیں بنا لیتے ہیں۔ (مسلم)

ستارے کس مقصد کے لئے پیدا کیے گئے؟

﴿۱۱﴾وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهِ النُّجُوْمَ لِثَلٰثٍ جَعَلَهَا زِيْنَةً لِلسَّمَاءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّيَاطِيْنِ وَعَلَامَاتٍ يُهْتَدٰى بِهَا فَمَنْ تَأَوَّلَ فِيْهَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَخْطَأَ وَأَضَاعَ نَصِيْبَهُ وَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْلَمُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا وَفِيْ رِوَايَةِ رَزِيْنٍ وَتَكَلَّفَ مَالَا يَعْنِيْهِ وَلَا عِلْمَ لَهُ بِهِ وَمَا عَجَزَ عَنْ عِلْمِهِ الْأَنْبِيَاءُ وَالْمَلَائِكَةُ وَعَنِ الرَّبِيْعِ مِثْلُهُ وَزَادَ وَاللّٰهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِيْ نَجْمٍ حَيٰوةَ أَحَدٍ وَلَا رِزْقَهُ وَلَا مَوْتَهُ وَإِنَّمَا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَيَتَعَلَّلُوْنَ بِالنُّجُوْمِ

اور حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین باتوں کے لئے پیدا کیا ہے ایک تو یہ کہ ان کو آسمانوں کی زینت

بنایا ہے اور دوسرے شیاطین و جنات کو مارنے کے لئے اور تیسرے علامات کے لئے کہ لوگ ان کے ذریعہ (جنگل وسمندر میں) اپنا راستہ پا سکیں لہٰذا جس شخص نے ان (ستاروں میں ان تین باتوں کے سوا اور کوئی غرض بیان کی تو اس نے خطا کی، اپنا حصہ ضائع کیا اور پھر اس چیز میں تکلف کیا جس کو وہ نہیں جانتا (یعنی آسمان کی چیزوں کے بارے میں جو حقوق ہیں ان کا علم قرآن وسنت کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے حاصل ہونا ممکن نہیں اور جب قرآن وسنت میں ستاروں کی غرض ان تین باتوں کے علاوہ اور کوئی بیان نہیں کی گئی ہے تو مذکورہ باتوں کے علاوہ کوئی اور غرض بیان کرنا ایسی بات کا بیان کرنا ہے جس کا معلوم ہونا متصور ہی نہیں ہے)۔ اس روایت کو بخاری نے بغیر سند کے نقل کیا ہے اور رزین کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اس نے اس چیز کا تکلف کیا جو اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور اس چیز میں تکلف کیا (یعنی اس چیز کو جاننے کا دعویٰ کیا) جس کا اس کو علم نہیں اور اس چیز میں تکلف کیا جس کے علم سے انبیاء اور فرشتے عاجز رہے ہیں، ربیع نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ قسم ہے خدا کی اللہ تعالیٰ نے ستارے میں نہ تو کسی کی زندگی (یعنی پیدائش) مقرر کی ہے نہ کسی کا رزق (یعنی مال وجاہ وغیرہ) اور نہ کسی کی موت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کاہن اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی افتراء پردازی کرتے ہیں اور ستاروں کے طلوع وغروب ہونے کو کسی واقعہ وحادثہ کی علت قرار دیتے ہیں۔

توضیح

"لثـــلاث" شہاب ثاقب کے بارے میں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ عام ستارے نہیں ہیں بلکہ جنات کو مارنے کے لئے مستقل شعلے اور راکٹ ہیں بظاہر یہ آسمان کے ستارے نظر آتے ہیں اگرچہ یہ بھی ستارے ہیں لیکن آسمان میں مرکوز ستارے نہیں ہیں واللہ اعلم۔

اسلام سے پہلے لوگوں کا خیال تھا کہ کسی بڑے آدمی کے پیدا ہونے یا اس کی موت کے حادثہ کے وقت ستارے ٹوٹ جاتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کے ستاروں کے تین مقاصد بیان فرمائے ہیں۔(۱) آسمان دنیا کی زینت کے لئے ہیں کیونکہ آسمان انسانوں کے لئے بمنزلہ چھت ہے اور چھت میں روشنی اور زینت کے لئے لوگ مختلف چیزیں جوڑتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بنائی ہوئی چھت میں زینت اور روشنی کے لئے سورج اور چاند اور ستارے جوڑ دئے۔ ﴿وَلَـــقَـــدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾

(۲) ستاروں کو جوڑنے کا دوسرا مقصد شیاطین کا مارنا ہے جو اوپر جاتے ہیں ان پر شہاب پڑتا ہے۔ (۳) ستاروں کے پیدا کرنے کا تیسرا مقصد دنیا کے لوگوں کی رہنمائی ہے سمندر ہو یا دشت و بیابان اور صحرا ہو اس اٹمی دور میں بھی انسان ستاروں سے رہنمائی حاصل کر رہا ہے اور ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہے۔ "اضـــاع نـصـيـبـــه" یعنی عمر کا ایک حصہ ضائع کیا اور ستاروں کے اصل مقاصد کو مدنظر نہیں رکھا۔

"ویتعللون بالنجوم" یعنی ستاروں کو کسی حادثہ اور واقعہ کے لئے بطور علت پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں ستارے سے یہ ہوگیا فلاں سے وہ ہوگیا فضول اندازوں اور انکلوں کے پل باندھتے ہیں

نجومی ساحر ہے اور ساحر کافر ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَاذَكَرَ اللّٰهُ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ اَلْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَالْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَالسَّاحِرُ كَافِرٌ. رَوَاهُ رَزِيْنٌ

اور حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے علم نجوم کا کوئی حصہ سیکھا اور سیکھنے کی غرض ان تین چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز سے متعلق ہو کہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ذکر فرمائی ہیں تو اس نے بلاشبہ علم سحر کا ایک حصہ سیکھا (جب کہ علم سحر ایک برا علم ہے کیونکہ اس کی بعض قسم فسق میں داخل ہے اور بعض قسم موجب کفر ہے) اور یاد رکھو منجم کاہن کے حکم میں ہوتا ہے اور کاہن ساحر کے حکم میں ہے اور جو شخص سحر کرے اور اس کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے (اسی طرح منجم اور کاہن بھی اپنی بداعتقادی کی بناء پر کافر ہو جاتے ہیں)۔ رزین

توضیح

"المنجم کاهن" نجومی کو اس لئے کاہن قرار دیا گیا ہے کہ دونوں ایک ہی جنس کے لوگ ہیں ایک میدان ہے اور ایک ہی کام ہے کیونکہ نجومی بھی غیب کی باتوں میں کاہن کی طرح الٹی سیدھی باتیں بناتا ہے اور پھر بتاتا ہے۔ "والکاهن ساحر" کاہن کو اس لئے ساحر کہا گیا کہ جو نقصان انسانوں کو جادوگر پہنچاتا ہے وہی نقصان کاہن بھی پہنچاتا ہے لہٰذا ضرر اور نقصان میں دونوں یکساں ہیں تو کاہن ساحر ہے "والساحر کافر" یعنی جادوگر کافر ہے۔

سحر کی تعریف

سحر اور جادو کی ایک تعریف یہ ہے۔ "السحر هو اخراج الباطن فی صورة الحق"۔

دوسری تعریف اس طرح ہے۔ "کل مادق ولطف ماخذهٗ فهو سحر" یعنی ہر باریک اور لطیف انداز سے حاصل شدہ چیز سحر اور جادو ہے۔ گویا ہاتھ کی صفائی اور فنون لطیفہ کا اعلیٰ مظاہرہ سحر اور جادو ہے یہاں چند خارق عادت اور مافوق الفطرۃ چیزوں کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اگرچہ جلد اول ص نمبر ۲۴۸ میں اس کا بیان ہو چکا ہے چنانچہ خارق عادت اور مافوق العادۃ چیزیں سات ہیں۔

(۱) خارق عادت اشیاء میں سے پہلی چیز "ارهاص" ہے اگر نبی کے ہاتھ نبوت سے پہلے خارق عادت چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو ارہاص کہتے ہیں گویا یہ چیز اس نبی کی آمد کا اعلان ہے جیسے نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو پتھروں کا سلام کرنا تھا۔

(۲) معجزات: اگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر اس کی نبوت کی تصدیق کے لئے کوئی خارق عادت امر ظاہر ہوجائے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔

(۳) کرامت: اگر کسی متبع سنت صاحب ایمان شخص کے ہاتھ پر کوئی خارق عادت امر ظاہر ہو جائے تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ پیغمبر کو اپنے معجزہ کا علم بھی ہو جاتا ہے اور اس کے ظہور کا قصد بھی ہوتا ہے لیکن ولی کی کرامت میں یہ شرط نہیں ہے۔

(۴) معونات: یہ وہ خارق عات امور ہیں جو کسی متبع سنت شخص کی مدد کے لئے ظاہر ہو جائیں جیسے حالت مخمصہ میں غیب سے کھانا پینا مل جائے۔

(۵) استدراج: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی کافر دشمن خدا کے ہاتھ پر اس کے مقصود کے موافق ظاہر ہو جائیں جیسے دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونگے۔

(۶) اہانت: یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی کافر دشمن خدا کے ہاتھ پر اس کے مقصود کے خلاف ظاہر ہوجائیں تاکہ وہ ذلیل وخوار ہوجائے جیسے مسیلمہ کذاب نے یک چشم شخص کی آنکھ پر ہاتھ پھیر دیا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہوگئی باغ میں درختوں کی جڑوں میں کلی کر کے پانی ڈالدیا تو سارے درخت سوکھ گئے ایک بچے کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو اس کا حافظہ ختم ہوگیا۔

(۷) السحر: خارق عادت میں ساتویں چیز جادو ہے یہ ایسے خارق عادت امور ہیں جو کسی انسان کے ہاتھ پر منتر جنتر اور جادو کے ذریعہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

معتزلہ کے نزدیک جادو ایک وہم ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن جمہور کے نزدیک سحر اور جادو کی ایک حقیقت ہے اور اس کی یہ تعریف ہے "**اخراج الباطل فی صورۃ الحق**" یا "**کل مالطف و دق مأخذ فھو سحر**" امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک ساحر کافر ہے لہٰذا واجب القتل ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر جادو کے عمل میں ضروریات دین کا انکار ہے تو یہ کفر ہے اور اگر جادو کے عمل میں صرف شرکیہ کلمات ہیں تو یہ شرک ہے اور اگر اس میں ایسے کلمات ہوں جو اعمال حسنہ کے منافی ہیں تو یہ معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اور اگر اس میں ایسے کلمات ہیں جو صحیح ہیں اور صحیح مقصد کے لئے اس کو استعمال کیا جائے تو یہ مباح اور جائز ہے جیسے زوجین کے درمیان اصلاح مقصود ہو، احناف کی یہ تفصیل بہت عمدہ ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس طرح مسلمان جادو کا دنیا میں کہیں وجود بھی ہے یا صرف تصور ہے؟ کیونکہ جادو کی بنیاد خبیث اعمال وافعال اور خبیث اقوال پر قائم ہے۔

کام اللہ تعالیٰ کرتا ہے نسبت غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے

﴿۱۳﴾ وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو امسک اللہ القطر عن عبادہ خمس سنین ثم ارسلہ لاصبحت طائفۃ من الناس کافرین یقولون سقینا بنوء المجدح. رواہ النسائی.

اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ پانچ برس تک اپنے بندوں کو بارش سے محروم رکھے اور پھر بارش برسائے تو لوگوں کی ایک جماعت اس صورت میں بھی کفر کرتی ہوئی یہ کہے گی کہ مجدح یعنی قمر کی منزل کے سبب ہم پر بارش ہوئی ہے۔ (نسائی)

توضیح

"بنوء المجدح" مجدح میم کے کسرہ کے ساتھ ہے جیم ساکن ہے اور دال پر زبر ہے۔ چاند کے منازل میں سے ایک منزل کا نام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کا خیال تھا کہ اس منزل میں جب چاند داخل ہوجاتا ہے تو خوب بارشیں ہوتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کو باطل قرار دیا اور بطور دلیل اشارہ فرمادیا کہ مثلاً پانچ سال تک جو بارش رکی ہوئی تھی تو مجدح منزل کہاں تھی اس نے بارش کیوں نہیں برسائی اگر بارش مجدح منزل برساتی تو یہ موجود تھی اور بارش نہیں تھی اب جب اللہ تعالیٰ نے بارش برسادی تو لوگوں نے مجدح کی طرف نسبت کردی یہ افسوس کی بات ہے۔

اس حدیث میں جس علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ درحقیقت ایک ضابطہ ہے کہ کائنات میں جن جن امور کو لوگ مزاروں اور پیروں فقیروں کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوجاتے ہیں لیکن اس کی نسبت غیر اللہ کی طرف کردیتے ہیں یہ بہت زیادتی اور ظلم ہے کہ کام تو کرے اللہ جل وعلیٰ اور نسبت اور تعریف کا سہرا کسی اور کے سر پر باندھا جائے۔

مورخہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ

کتاب الرؤیا

خوابوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ﴾

رؤیا باب فتح یفتح سے آتا ہے لیکن مصدر کے بدلنے سے معنی بدل جاتا ہے اگر مصدر رؤیۃ آجائے تو آنکھوں سے دیکھنے کے معنی میں ہوتا ہے اگر مصدر رایا آجائے تو رائے قائم کرنے کے معنی میں ہوتا ہے، اگر مصدر رئۃ آجائے تو اس کو رویت پڑپوی کہتے ہیں یعنی جن کے پھیپھڑے خراب ہو گئیں اور اگر مصدر رؤیا آجائے تو خواب میں دیکھنے کے معنی میں ہوتا ہے کتاب میں یہی مراد ہے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے دل و دماغ میں نیند کی حالت میں بھی اسی طرح علوم ڈالدیتا ہے جس طرح کہ بیداری کی حالت میں ڈالتا ہے نیند کی حالت میں انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کو خواب کہتے ہیں۔

خواب کی تین قسمیں ہیں

(۱) خواب کی پہلی قسم تو محض خیال ہے گویا دن بھر انسان جو گھومتا پھرتا ہے اور آنکھوں سے مختلف چیزوں کا نظارہ کرتا ہے رات کو خواب میں وہی چیزیں متشکل ہو کر آتی ہیں کیونکہ دل و دماغ پر انہیں اشیاء کا نقشہ چھایا رہتا ہے۔

(۲) خواب کی دوسری قسم اضغاث واحلام ہے یہ وہ ڈراؤنے، ہیبت ناک اور پراگندہ خواب ہوتے ہیں جو شیطانی اثرات کے عکاس ہوتے ہیں۔

(۳) خواب کی تیسری قسم وہ خواب ہیں جو من جانب اللہ ہوتے ہیں اور بشارت و بھلائی اور بہتری کو ظاہر کرتے ہیں اسی قسم کو رؤیا صالحہ کہتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے دل و دماغ میں علم و معرفت کا ایک نور پیدا کر دیتا ہے اس لئے وہ خواب میں ان چیزوں کا ایسا ہی ادراک کرتا ہے جس طرح بیداری میں ادراک کرتا ہے یہ دراصل آیندہ وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کبھی یہ اشارہ انتہائی خفی ہوتا ہے کہ صرف ماہرین اس کی تعبیر کو سمجھ سکتے ہیں اور کبھی اتنا واضح ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو جان لیتا ہے۔

خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے امام تو حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ہیں لیکن امت محمدیہ علیٰ صاحبھا الف الف تحیۃ

میں خوابوں کے سب سے بڑے امام علامہ محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں۔
خواب کی تعبیر "علی رجل الطائر" ہوتا ہے یعنی جس نے جس طرح بتادیا اسی طرح تعبیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود تعبیر خواب کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں۔ ابن سیرینؒ کی طرف منسوب کتاب تعبیر الرؤیا کی ابتداء میں اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے (۱) ایک اصل اور قاعدہ یہ ہے کہ شریعت کے قواعد وضوابط کے تحت شریعت کی روشنی میں خواب کی تعبیر کو تلاش کیا جائے اور پھر تعبیر نکالی جائے۔
(۲) دوسرا اصل یہ ہے کہ قرآن کی کسی آیت یا حدیث کے الفاظ کو دیکھ کر اس کی روشنی میں تعبیر نکالی جائے۔
(۳) تیسرا اصل یہ ہے کہ عربی لغت سے استفادہ کر کے اس کی مدد سے تعبیر نکالی جائے یہی وجہ ہے کہ خواب کی تعبیر ایسے آدمی سے معلوم کرنا چاہیے جو خواب دیکھنے والے کا خیر خواہ بھی ہو اور تعبیر نکالنے اور قواعد کا ماہر بھی ہو۔
خواب کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ انبیاء کرام کے خواب وحی خفی کا درجہ رکھتے ہیں اور دیگر صالحین کے خواب اگر شریعت کے کسی ضابطہ سے نہیں ٹکراتے تو ایسے خواب صرف باعث تسلی ہوتے ہیں اس سے کوئی شرعی ضابطہ نہیں بنتا۔ احادیث میں سچے خوابوں کو مبشرات سے یاد کیا گیا ہے۔

الفصل الاول

سچے خواب مبشرات ہیں

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَزَادَ مَالِكٌ بِرِوَايَةِ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ يَرَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰى لَهُ.

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبوت کے آثار میں سے کچھ باقی نہیں رہا ہے علاوہ مبشرات کے صحابہ نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا اچھے خواب۔ (بخاری) اور امام مالک کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ مسلمان آدمی خود خواب دیکھے یا اس کے بارے میں دیکھا جائے۔

توضیح

"المبشرات" یہ بشارت سے ہے خوشخبری کے معنی میں ہے یعنی نبوت کا دروازہ اب بند ہو گیا نبی آخر الزمان کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں لہٰذا آسمانی وحی کا نزول ختم ہو گیا ہے اب خواب کی صورت میں صرف بشارتیں رہ گئیں ہیں، خواب میں چونکہ غالب عنصر بشارت کی ہوتی ہے اس لئے بطور غلبہ اس غالب حیثیت کو مطلقاً مبشرات قرار دیا گیا ہے ورنہ بعض خواب سچے

ہوتے ہیں لیکن اس میں بشارت کے بجائے نذارت ہوتی ہے یعنی غم کی خبر ہوتی ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں مبشرات سے مطلق خبر مراد ہے خواہ بشارت پر مشتمل ہو یا نذارت پر مشتمل ہو۔

سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَاَرْبَعِيْنَ جُزْءٍ مِنَ النُّبُوَّةِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"جزء من ستة" یعنی سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

سوال

یہاں پر یہ سوال ہے کہ بعض روایات میں زیر بحث روایت میں ۴۶ کا ذکر ہے مگر بعض دیگر روایات میں ۲۶ کا ذکر ہے بعض میں ۲۴ اور بعض میں ۷۶ کا ذکر ہے جو بظاہر تضاد ہے اس تضاد کا کیا جواب ہے؟

جواب

اس سوال کا ایک جواب تو وہی معروف جواب ہے کہ اعداد میں تضاد نہیں ہوتا ہے کیونکہ عدد اقل عدد اکثر کے اندر ہوتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کسی عدد میں حصر بیان کرنا اور تعیین وتحدید بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ محض تکثیر بیان کرنا مقصود ہے۔ باقی خاص خاص اعداد کا ذکر کرنا یہ شریعت کے اسرار میں سے ہے ہم اس کی علت اور وجہ بیان کرنے کے مکلف نہیں ہیں البتہ علماء نے چھیالیسویں کے عدد کی ایک حکمت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ پوری نبوت کا زمانہ ۲۳ سال ہے اور چھ ماہ اس میں وہ زمانہ رہا ہے جس میں صرف سچے خواب آئے ہیں اس اعتبار سے چھ ماہ ۲۳ سال کا چھیالیسواں حصہ بنتا ہے اسی وجہ سے فرمایا گیا کہ سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

سوال

یہاں ایک سوال اور ایک اشکال ہے جس کو قادیانی لوگ بھی پیش کرتے ہیں اشکال یہ ہے کہ کسی چیز کا جزء اس کے کل کا حصہ ہوتا ہے اس سے الگ شمار نہیں ہوتا ہے لہذا جب نبوت ختم ہوگئی تو اس کا ایک جزء اور ایک حصہ کیسے باقی رہ گیا؟ معلوم ہوا نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نبوت ہے اور ایک علم نبوت ہے تو نبوت اگر چہ ختم ہوگئی ہے لیکن علم نبوت باقی ہے سچے خواب خود نبوت نہیں بلکہ علم نبوت سے متعلق ہیں قادیانی دجال ہے۔

حضور اکرمؐ کو خواب میں دیکھنے کی تحقیق

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَایَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے درحقیقت مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فقد رانی" یعنی جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعۃ مجھے ہی دیکھا اس شخص کا یہ خواب اضغاث احلام میں سے نہیں ہے بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ شیطان اپنے آپ کو میری شکل وصورت میں نہیں ڈھال سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ہدایت محضہ ہے اور شیطان ضلالت محضہ ہے دونوں میں واضح فرق اور واضح تضاد ہے اگر شیطان اس طرح کرنے پر قادر ہو جائے تو پھر شریعت میں دخل اندازی کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

آج کل حزب اللہ اور جماعۃ المسلمین کے لوگ حضور کو خواب میں دیکھنے کا انکار کرتے ہیں اور بطور دلیل کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے علاوہ کسی نے دیکھا نہیں ہے خواب میں وہ چیز دکھائی دیتی ہے جو آدمی نے پہلے دیکھا ہو، اس مہمل سوال کا جواب یہ ہے کہ جب صحیح حدیث موجود ہے تو تمہاری اس منطق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وہی حق ہے اور اس شخص نے حضور ہی کو دیکھا ہے ہاں آدمی اپنے اعمال کے اعتبار سے حضور کی زیارت کرتا ہے اگر اعمال اچھے ہیں تو آنحضرت کو اچھی صورت میں دیکھتا ہے اور اگر اعمال خراب ہیں تو حضور کو اسی کی روشنی میں دیکھتا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارکہ مکمل طور پر شمائل میں مذکور ہے اس سے دیکھنے کا اندازہ ہو جاتا ہے بہرحال یہ خصائص نبوی اور اعجاز نبوی میں سے ہے کہ آپ کی شکل وصورت میں شیطان نہیں آسکتا ہے۔

جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا

﴿۴﴾وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے خواب میں مجھ کو دیکھا اس نے حق دیکھا یعنی اس کا خواب سچا ہے کہ اس نے مجھ کو ہی دیکھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الحق" یعنی اس شخص نے مجھے ہی دیکھا یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے اس بارے میں دروغ خیالی اور شیطان کا دخل نہیں ہوسکتا ہے یہ اعزاز حضور اکرم کے خصائص میں سے ہے جو اعجاز نبوی کا حصہ ہے ہر آدمی آنحضرت کو اپنے اعمال کے آئینہ میں دیکھتا ہے۔

آنحضرت کو خواب میں دیکھنے کی فضیلت

﴿۵﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَایَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھ کو خواب میں دیکھا وہ عنقریب ہی مجھ کو بیداری کے عالم میں دیکھے گا اور شیطان میری صورت میں نہیں بن سکتا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فسیرانی فی الیقظة" یعنی جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا وہ شخص عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اس حدیث کا ایک مطلب یہ ہے کہ میرے زمانہ میں جو شخص کہیں سے مجھے خواب میں دیکھے گا وہ مجھ سے ملاقات کر کے مجھے بیداری میں دنیا میں دیکھے گا اس صورت میں اس حدیث کا تعلق آنحضرت کی حیات طیبہ سے ہے۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گا تو وہ مجھے عالم آخرت میں بیداری میں دیکھے گا گویا اس شخص کا انجام اچھا رہیگا اور ایمان کے ساتھ اٹھ کر دنیا سے رخصت ہوگا۔

اچھے اور برے خواب دیکھنے کے وقت آدمی کیا کرے؟

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ مَایُحِبُّ فَلَایُحَدِّثْ بِهٖ اِلَّامَنْ یُحِبُّ وَاِذَا رَاٰی مَایَکْرَهُ فَلْیَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَمِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ وَلْیَتْفُلْ ثَلَاثًا وَلَایُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برا خواب

شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس سے وہ خوش ہو تو چاہئے کہ اس خواب کو صرف اس شخص کے سامنے بیان کرے جس کو وہ دوست و ہمدرد سمجھتا ہے (جیسے علماء وصلحاء اور اقرباء نیز وہ اس خواب پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اس کی حمد وتعریف کرے جیسا کہ بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں منقول ہے) اور جب ایسا خواب دیکھے جس کو وہ پسند نہیں کرتا تو چاہئے کہ اس خواب کی برائی اور شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور شیطان کو دور کرنے کے قصد سے تین مرتبہ تھتکار دے نیز اس خواب کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے (خواہ دوست ہو یا دشمن) اور یہ خواب اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ہر قسم خواب کی اصل قدرت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن اچھے خواب دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو ایک بشارت حاصل ہو جاتی ہے جس پر بندہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اس اعتبار سے یہ خواب رحمان کی طرف سے ہے۔ لیکن برے خواب سے آدمی غمگین اور پریشان ہو جاتا ہے اور طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے شیطان بہت خوش ہو جاتا ہے اس لئے کہا گیا کہ ایسے خواب شیطان کی طرف سے ہے یعنی شیطان اس سے خوش ہوتا ہے اس کو خوار کرنے کے۔ لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ ایسی حالت میں بائیں جانب تھوک مار دے تا کہ شیطان ذلیل ہو کر بھاگ جائے اور ایسے خواب کا کسی کے سامنے تذکرہ نہ کرے۔ الغرض اچھے خواب پر اللہ کا شکر ادا کرے اور برے خواب پر شیطان سے نفرت کا اظہار کرے اگلی روایت میں ہے کہ تین دفعہ بائیں جانب تھتکار دے اور اعوذ باللہ پڑھے اور کروٹ کو بدل دے۔

﴿٧﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَاٰى اَحَدُكُمُ الرُّؤْيَا يَكْرَهُهَا فَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهٖ ثَلٰثًا وَيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ثَلٰثًا وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص ایسا خواب دیکھے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور تین بار شیطان سے اللہ کی پناہ مانگے اور اپنی کروٹ کو تبدیل کر دے جس پر وہ خواب دیکھنے کے وقت (سویا ہوا) تھا۔ (مسلم)

خوابوں کے لئے اصولی ضابطہ

﴿٨﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ يَكَدْ يَكْذِبُ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ فَمَا كَانَ مِنَ النُّبُوَّةِ فَإِنَّهٗ لَا يَكْذِبُ

قَالَ مُحَمَّدُبْنُ سِيْرِيْنَ وَاَنَا اَقُوْلُ الرُّؤْيَاثَلاَثٌ حَدِيْثُ النَّفْسِ وَتَخْوِيْفُ الشَّيْطَانِ وَبُشْرٰى مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ رَاٰى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلاَيَقُصُّهُ عَلٰى اَحَدٍ وَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ قَالَ وَكَانَ يَكْرَهُ الْغُلَّ فِى النَّوْمِ وَيُعْجِبُهُمُ الْقَيْدُ وَيُقَالُ الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِى الدِّيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. قَالَ الْبُخَارِىُّ رَوَاهُ قَتَادَةُ وَيُوْنُسُ وَهُشَيْمٌ وَاَبُوْهِلاَلٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ يُوْنُسُ لاَاَحْسِبُهُ اِلاَّعَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْقَيْدِ وَقَالَ مُسْلِمٌ لاَاَدْرِىْ هُوَ فِى الْحَدِيْثِ اَمْ قَالَهُ بْنُ سِيْرِيْنَ وَفِىْ رِوَايَةٍ نَحْوُهُ وَاَدْرَاجَ فِى الْحَدِيْثِ قَوْلَهُ وَاَكْرَهُ الْغُلَّ اِلٰى تَمَامِ الْكَلاَمِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کہ زمانہ قریب ہوگا تو مؤمن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور جو چیز نبوت کے اجزاء میں سے ہو وہ جھوٹی نہیں ہوا کرتی حضرت محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ خواب تین طرح کے ہوتے ہیں ایک تو نفس کا خیال، دوسرے شیطان کا ڈرانا اور تیسرے خدا کی طرف سے بشارت پس جو شخص کوئی برا خواب دیکھے تو اس کو کسی کے سامنے بیان نہ کرے اور اٹھے اور نماز پڑھ لے نیز ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں طوق کو دیکھنا اچھا نہیں سمجھتے تھے اور قید کو دیکھنا پسند فرماتے تھے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ قید کا مطلب دین پر ثابت قدم رہنا ہے یہ پوری روایت بخاری ومسلم نے نقل کی ہے امام بخاری کہتے ہیں کہ اس حدیث کو قتادہ یونس ہشیم اور ابوہلال نے محمد ابن سیرین سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے اور یونس نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ حدیث کا وہ جزء جس میں ابن سیرین نے قید کا ذکر کیا ہے یعنی یہ الفاظ (یعجبهم القید والقید ثبات فی الدین) حضرت ابوہریرہؓ کا قول نہیں ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور امام مسلم نے یہ کہا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ جزء کہ جس میں قید کے الفاظ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں یا ابن سیرین کا اپنا قول ہے۔ مسلم کی ایک اور روایت میں اسی طرح کے الفاظ ہیں نیز مسلم نے یہ بھی کہا ہے کہ (حضرت ابوہریرہؓ یا محمد ابن سیرین نے حدیث میں ادراج کیا ہے بایں طور کہ انہوں نے کہا میں طوق کو دیکھنا اچھا سمجھتا ہوں۔۔۔ الخ۔ (گویا مسلم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کا پورا آخری جزء جو طوق اور قید کے ذکر پر مشتمل ہے آنحضرت کا ارشاد نہیں ہے بلکہ حضرت ابوہریرہؓ یا محمد ابن سیرین کا اپنا قول ہے نیز بخاری ومسلم کے ان اقوال کی روشنی میں قال وکان یکرہ الخ کی ضمیروں کی حقیقت حال بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ ان ضمیروں کو کس کی طرف راجع ہونا چاہئے۔

توضیح

"اذااقترب الزمان" اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب قرب قیامت کا زمانہ آجائے تو مسلمانوں کو کثرت کے ساتھ سچے خواب آنے لگیں گے چونکہ غیب کا پردہ اٹھنے والا ہوگا تو خواب بھی سچے ہونگے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کی موت

کا زمانہ قریب ہو جائے تو اسکے خواب سچے ہونگے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ جب زمانہ میں دن اور رات کا وقت برابر ہو جائے اور زمانہ میں اعتدال آجائے جس سے لوگوں کے مزاج میں بھی اعتدال آجاتا ہے تو اس وقت سچے خواب آئیں گے جس طرح صبح کے وقت کا خواب سچا ہوتا ہے اسی طرح اس معتدل زمانہ کا خواب سچا ہوگا۔ اس حدیث کے عمومی الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کے سارے خواب سچے ہوتے ہیں اس بارے میں امام ابن سیرین نے کچھ وضاحت فرمائی ہے کہ سچا خواب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو ہر خواب سچا بھی نہیں اور جھوٹا بھی نہیں پھر آپ نے خوابوں کی تین قسمیں بیان فرمائیں "قال" اس میں فاعل کی ضمیر ابن سیرین کی طرف لوٹتی ہے اور "وکان یکرہ" میں ضمائر آنحضرت کی طرف لوٹتی ہیں۔ "الغل" غین پر پیش اور لام پر شد ہے طوق کو غل کہتے ہیں "القید" ڈنڈا بیڑی کو قید کہتے ہیں۔

ڈراونے اور مہمل خوابوں کی تعبیر نہ پوچھا کرو

﴿۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَاَنَّ رَاْسِيْ قُطِعَ فَقَالَ فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِذَا لَعِبَ الشَّيْطَانُ بِاَحَدِكُمْ فِيْ منامه فَلَايُحَدِّثْ بِهِ النَّاسَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ ڈالا گیا ہے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کے خواب میں اس کے ساتھ شیطان تماشہ کرے تو وہ اس خواب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔ (مسلم)

توضیح

"اذا لعب" یعنی شیطان انسان کو ڈراونے خواب دکھاتا ہے اور اس کو کھیل کود اور لوگوں کے لئے تماشہ بناتا ہے اس لئے آنحضرتؐ نے اپنی امت کو یہ تعلیم فرمائی کہ شیطان کے اس طرح کے ڈراونے خوابوں کا اثر نہ لیا کرو اور نہ اس کو اہمیت دو کہ اس کی تعبیر کے لئے مارے مارے پھرتے رہو گے یہ مہمل خواب ہیں اس کا کسی کے سامنے اظہار نہ کرو۔

خواب کی تعبیر کا ایک ضابطہ

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ ذَاتَ لَيْلَةٍ فِيْمَا يرى النَّائِمُ كَاَنَّا فِيْ دَارِ عُقْبَةَ بْنِ رَافِعٍ فَاُتِيْنَا بِرُطَبٍ مِنْ رُطَبِ ابْنِ طَابٍ فَاَوَّلْتُ اَنَّ الرِّفْعَةَ لَنَا فِي الدُّنْيَا وَالْعَاقِبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ دِيْنَنَا قَدْ طَابَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک رات کو ان چیزوں میں جن میں سونے والا دیکھتا ہے (یعنی خواب میں) دیکھا گویا میں اور میرے صحابہ عقبہ ابن رافع کے گھر بیٹھے ہوئے ہیں اور میرے سامنے تازہ کھجوریں لائی گئیں جن کو رطب ابن طاب کہا جاتا ہے چنانچہ میں نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ ہمارے لئے دنیا رفعت وسربلندی ہے اور آخرت میں نیک عاقبت یعنی اچھی جزا کا انعام ہے اور یہ ہمارا دین اچھا ہے۔ (مسلم)

توضیح

"ان الرفعة لنا" اس حدیث سے تعبیر خواب کا ایک اصل اور ضابطہ معلوم ہوتا ہے ابتداء بحث میں تعبیر کے تین اصولوں میں سے ایک اصل یہ تھا کہ کبھی عربی لغت کی بنیاد پر تعبیر نکالی جاتی ہے زیر بحث حدیث میں آنحضرتؐ نے تین ناموں کی لغت سے تعبیر نکالی ہے۔ عقبہ کے لفظ سے آنحضرتؐ نے عاقبت اور آخری انجام کی بھلائی کی تعبیر نکالی اور رافع کے لفظ سے آپ نے دنیا وآخرت کی بلندی کی تعبیر نکالی اور طاب کے لفظ سے آپ نے دین اسلام کے طیب اور اچھا ہونے کی تعبیر لی۔

ہجرت سے متعلق آنحضرت کا ایک خواب

﴿۱۱﴾وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَاَيْتُ فِي الْمَنَامِ اَنِّيْ اُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ اِلٰى اَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِيْ اِلٰى اَنَّهَا الْيَمَامَةُ اَوْ هَجَرَ فَاِذَا هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَثْرِبُ وَرَاَيْتُ فِيْ رُؤْيَايَ هٰذِهٖ اَنِّيْ هَزَزْتُ سَيْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَ مَا اُصِيْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰى فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَا جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِيْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوموسی اشعریؓ کہتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہجرت سے پہلے مکہ میں ایک دن میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کرکے ایک ایسی زمین کی طرف جا رہا ہوں جس میں کھجوروں کے درخت ہیں، چنانچہ اس خواب کی تعبیر میں میرا یہ خیال ہوا کہ وہ شہر (جہاں میں ہجرت کرکے جاؤنگا یمامہ ہوگا یا ہجر لیکن حقیقت میں وہ مدینہ نکلا جس کا قدیم نام یثرب ہے اور میں نے اپنے اس خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ میں نے اپنی تلوار کو ہلایا اور وہ اوپر سے ٹوٹ گئی چنانچہ تلوار ٹوٹنے کی تعبیر جنگ احد کے دن پریشانیوں اور مصائب کی صورت میں ظاہر ہوئی جس سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا پھر میں نے خواب ہی میں تلوار کو دوسری مرتبہ ہلایا تو وہ تلوار نہ صرف درست ہوگئی بلکہ پہلے سے بھی بہتر ہوگئی چانچہ تلوار درست ہونے کی تعبیر (جنگ احد ہی کے موقع پر یا فتح مکہ یا صلح حدیبیہ کے وقت) اللہ تعالی کی طرف سے عطا کی جانے والی فتح اور مسلمانوں کی اجتماعیت کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"یمامہ" پہلے زمانہ میں یمامہ بہت سرسبز وشاداب علاقہ اور حجاز کے شہروں میں سے ایک مرکزی شہر تھا ہجر بھی بہت زیادہ

سرسبز و شاداب تھا ان دونوں شہروں میں کھجور کے بہت زیادہ باغات تھے آنحضرت کا خیال اسی کی طرف گیا کہ شاید خواب میں اسی کی طرف ہجرت کا اشارہ ہو رہا ہے آج کل یمامہ سعودی عرب کے دار الخلافہ ریاض کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہو کر رہ گئی ہے اور ہجر کی بھی یہی حالت ہے۔

"یثـــرب" مدینہ منورہ کا پرانا نام یثرب تھا آنحضرتؐ نے اسے بدل دیا اور مدینہ نام رکھا مدینہ میں کھجوروں کے بہت زیادہ باغات ہوتے تھے اسی لئے اس کا نام نخلہ بھی ہے مدینہ منورہ کے اسلامی نام سو کے قریب ہیں میں نے توضیحات ج چہارم کتاب الحج ص ۴۱۰ میں سب کو ذکر کیا ہے۔

"ورئیت" یہ ایک اور خواب کا بیان ہے جو ہجرت کے بعد آنحضرت نے دیکھا تھا جیسے دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ خواب کا یہ حصہ بھی ہجرت سے پہلے دیکھا ہو جو اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اگر چہ یہ بعید لگ رہا ہے۔

"هززته" تلوار ہلانے کو کہتے ہیں۔تلوار کا ٹوٹنا گویا شکست کی طرف اشارہ تھا اور پھر جڑنا مسلمانوں کے دوبارہ جمع ہونے اور فتح حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا یا تلوار کا دوبارہ جڑنا آئندہ فتوحات مثلاً فتح مکہ صلح حدیبیہ اور فتح خیبر کی طرف اشارہ تھا۔

آنحضرت کے ایک اور خواب کی تعبیر

﴿۱۲﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ اُوْتِیْتُ بِخَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَ فِیْ كَفِّیْ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَیَّ فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَذَهَبَا فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَیْنِ الَّذَیْنِ اَنَا بَیْنَهُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْیَمَامَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ یُقَالُ اَحَدُهُمَا مُسَیْلَمَةُ صَاحِبُ الْیَمَامَةِ وَالْعَنَسِیُّ صَاحِبُ صَنْعَاءَ لَمْ اَجِدْ هٰذِهِ الرِّوَایَةَ فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَذَكَرَهَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِیِّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک دن) میں سو رہا تھا کہ (خواب میں) زمین کے خزانے میرے سامنے لائے گئے پھر میرے ہاتھ پر سونے کے دو کڑے رکھے گئے جو مجھ پر گراں گزرے اس کے بعد مجھ پر وحی آئی (یعنی خواب ہی میں بطور الہام میرے دل میں اللہ نے یہ بات ڈالی) کہ ان کڑوں پر پھونک مارو، چنانچہ میں نے پھونک ماری تو وہ کڑے اڑ گئے میں نے ان دونوں کڑوں سے ان دونوں جھوٹوں کے بارے میں تعبیر لی (باعتبار مسکن علاقہ کے) جن کے درمیان میں ہوں یعنی ایک تو یمامہ والا اور دوسرا صنعاء والا، بخاری ومسلم اور ایک روایت میں (جس کو ترمذی نے نقل کیا ہے) یوں ہے کہ آپ نے ان دونوں جھوٹوں کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ) ان میں سے ایک کو تو مسیلمہ کہا جاتا ہے جو یمامہ کا رہنے والا ہے اور دوسرا اسود عنسی ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے (مصنف مشکوٰۃ کہتے ہیں کہ) مجھے یہ روایت بخاری ومسلم میں نہیں ملی ہے اور اس کو صاحب جامع الاصول نے ترمذی سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"سوارین" آنحضرت نے سونے کے دو کنگن اور کڑے اپنے ہاتھ کی ہتھیلی میں دیکھے جس کو آپ نے پسند نہیں کیا آپ کو اسے پھونکنے کا حکم ملا تو آپ نے اس میں پھونک ماردی جس سے وہ ان علاقوں کی طرف چلے گئے جہاں دو جھوٹے نبی ظاہر ہونے والے تھے ایک تو صنعاء یمن کا کذاب اسود عنسی تھا جس نے اسلام پر بڑی مصیبت لا ڈالی لیکن اس کے علاقے کے مسلمان چٹان کی طرح کھڑے ہو گئے اور فیروز دیلمی نے اس کو قتل کر دیا اس کے دو دن بعد شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا آپ نے صحابہ کو بتادیا "فیروز فاز فیروز" کہ فیروز کامیاب ہوگیا مجھے جبریل نے بتادیا کہ فیروز نے اسود عنسی کو قتل کر دیا۔ دوسرا مسیلمہ کذاب یمامہ میں کھڑا ہو گیا حضرت صدیق اکبرؓ چٹان کی طرح اس کے مقابلے پر کھڑے رہے آخر کار اسلام کے لشکر جرار نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں حدیقۃ الموت میں اس خبیث پر حملہ کر دیا اور وحشی بن حرب اور حضرت ابو دجانہؓ کی مشترکہ کاروائی سے مسیلمہ کذاب واصل جہنم ہوگیا۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أُمِّ الْعَلَاءِ الْأَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ رَأَيْتُ لِعُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ فِي النَّوْمِ عَيْنًا تَجْرِيْ فَقَصَصْتُهَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَالِكَ عَمَلُهٗ يُجْرٰى لَهٗ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ام العلاء انصاریہؓ کہتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ عثمان ابن مظعونؓ کے لئے (پانی کا) ایک چشمہ جاری ہے جب میں نے یہ خواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان کے عمل کا ثواب ہے جو ان کے لئے جاری رکھا گیا ہے۔ (بخاری)

توضیح

"عینا تجری" عین سے مراد آنکھ نہیں بلکہ اس سے پانی کا چشمہ مراد ہے حضرت عثمان بن مظعون شان والے صحابی ہیں اور آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی اور آپ کے محبوب تھے مدینہ منورہ میں وہ پہلے شخص ہیں جو بقیع الغرقد میں دفن کیے گئے۔ چشمہ جاری رہنے سے ان کے عمل کے مسلسل جاری رہنے کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہ صحابی مرابط تھے اور مرابط کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے اس لئے ان کا عمل اس طرح نظر آگیا۔

عالم برزخ کی سیر سے متعلق ایک خواب

﴿۱۴﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا قَالَ فَإِنْ رَأَى أَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَاشَاءَ اللّٰهُ فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ هَلْ رَأَى مِنْكُمْ أَحَدٌ رُؤْيَا قُلْنَا لَا قَالَ لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ أَتَيَانِيْ فَأَخَذَا بِيَدَيَّ فَأَخْرَجَانِيْ إِلَى

اَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَاِذَا رَجُلٌ جَالِسٌ وَرَجُلٌ قَائِمٌ بِيَدِهٖ كَلُّوْبٌ مِنْ حَدِيْدٍ يُدْخِلُهٗ فِيْ شِدْقِهٖ فَيَشُقُّهٗ حَتّٰى يَبْلُغَ قَفَاهُ ثُمَّ يَفْعَلُ بِشِدْقِهِ الْاٰخَرِ مِثْلَ ذَالِكَ وَيَلْتَئِمُ شِدْقُهٗ هٰذَا فَيَعُوْدُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهٗ قُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَاْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْ صَخْرَةٍ يَشْدَخُ بِهَا رَاْسَهٗ فَاِذَا ضَرَبَهٗ تَدَهْدَهَ الْحَجَرُ فَانْطَلَقَ اِلَيْهِ لِيَاْخُذَهٗ فَلَا يَرْجِعُ اِلٰى هٰذَا حَتّٰى يَلْتَئِمَ رَاْسُهٗ وَعَادَ رَاْسُهٗ كَمَا كَانَ فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلٰى ثَقْبٍ مِثْلِ التَّنُّوْرِ اَعْلَاهُ ضَيِّقٌ وَاَسْفَلُهٗ وَاسِعٌ تَتَوَقَّدُ تَحْتَهٗ نَارٌ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ اِرْتَفَعُوْا حَتّٰى كَادَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا خَمَدَتْ رَجَعُوْا فِيْهَا وَفِيْهَا رِجَالٌ وَنِسَاءٌ عُرَاةٌ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى وَسْطِ النَّهْرِ وَعَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَا انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ خَضْرَاءَ فِيْهَا شَجَرَةٌ عَظِيْمَةٌ وَفِيْ اَصْلِهَا شَيْخٌ وَصِبْيَانٌ وَاِذَا رَجُلٌ قَرِيْبٌ مِنَ الشَّجَرَةِ بَيْنَ يَدَيْهِ نَارٌ يُوْقِدُهَا فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا وَسْطَ الشَّجَرَةِ لَمْ اَرَ قَطُّ اَحْسَنَ مِنْهَا فِيْهَا رِجَالٌ شُيُوْخٌ وَشَبَابٌ وَنِسَاءٌ وَصِبْيَانٌ ثُمَّ اَخْرَجَانِيْ مِنْهَا فَصَعِدَا بِيَ الشَّجَرَةَ فَاَدْخَلَانِيْ دَارًا هِيَ اَحْسَنُ وَاَفْضَلُ مِنْهَا فِيْهَا شُيُوْخٌ وَشَبَابٌ فَقُلْتُ لَهُمَا اِنَّكُمَا قَدْ طَوَّفْتُمَانِي اللَّيْلَةَ فَاَخْبِرَانِيْ عَمَّا رَاَيْتُ قَالَا نَعَمْ اَمَّا الرَّجُلُ الَّذِيْ رَاَيْتَهٗ يُشَقُّ شِدْقُهٗ فَكَذَّابٌ يُحَدِّثُ بِالْكِذْبَةِ فَتُحْمَلُ عَنْهُ حَتّٰى تَبْلُغَ الْاٰفَاقَ فَيُصْنَعُ بِهٖ مَا تَرٰى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالَّذِيْ رَاَيْتَهٗ يُشْدَخُ رَاْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ بِمَا فِيْهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهٖ مَا رَاَيْتَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَالَّذِيْ رَاَيْتَهٗ فِي الثَّقْبِ فَهُمُ الزُّنَاةُ وَالَّذِيْ رَاَيْتَهٗ فِي النَّهْرِ اٰكِلُ الرِّبَا وَالشَّيْخُ الَّذِيْ رَاَيْتَهٗ فِيْ اَصْلِ الشَّجَرَةِ اِبْرَاهِيْمُ وَالصِّبْيَانُ حَوْلَهٗ فَاَوْلَادُ النَّاسِ وَالَّذِيْ يُوْقِدُ النَّارَ مَالِكٌ خَازِنُ النَّارِ وَالدَّارُ الْاُوْلَى الَّتِيْ دَخَلْتَ دَارُ عَامَّةِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَمَّا هٰذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ وَاَنَا جِبْرَئِيْلُ وَهٰذَا مِيْكَائِيْلُ فَارْفَعْ رَاْسَكَ فَرَفَعْتُ رَاْسِيْ فَاِذَا فَوْقِيْ مِثْلُ السَّحَابِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مِثْلُ الرَّبَابَةِ الْبَيْضَاءِ قَالَ ذَاكَ مَنْزِلُكَ قُلْتُ دَعَانِيْ اَدْخُلْ مَنْزِلِيْ قَالَ اِنَّهٗ بَقِيَ لَكَ عُمُرٌ لَمْ تَسْتَكْمِلْهُ فَلَوِ اسْتَكْمَلْتَهٗ اَتَيْتَ مَنْزِلَكَ۔

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِي رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَدِيْنَةِ فِي بَابِ حَرَمِ الْمَدِيْنَةِ .

اور حضرت سمرہ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ (صبح کی) نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا چہرہ اقدس ہماری طرف متوجہ کرتے اور پوچھتے کہ آج کی رات تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ حضرت سمرہ کہتے ہیں کہ اگر ہم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ اس کو بیان کرتا اور آپ اس کی وہ تعبیر فرما دیتے جو اللہ تعالیٰ الہام فرماتا، چنانچہ (اپنے معمول کے مطابق) ایک دن آنحضرتؐ نے ہم سے وہی سوال کیا اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ نہیں آپ نے فرمایا لیکن میں نے آج کی رات خواب دیکھا ہے (اور وہ یہ) کہ دو شخص میرے پاس آئے اور میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر مجھے مقدس سرزمین ملک شام کی طرف لے چلے پس ایک جگہ پہنچ کر میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اور ایک شخص اپنے ہاتھ میں لوہے کا آنکڑا لئے کھڑا ہے اور وہ اس آنکڑے کو بیٹھے ہوئے شخص کے کلے میں ڈالتا ہے اور اس کو چیرتا ہے یہاں تک کہ اس کی گدی تک چیرتا چلا جاتا ہے پھر وہ دوسرے کلے کے ساتھ اس طرح کرتا ہے (یعنی اس کو بھی گدی تک چیر دیتا ہے) جب وہ کلا اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے تو پھر پہلے کی طرح وہی عمل کرتا ہے آنحضرت یہ فرماتے ہیں کہ میں نے (یہ دیکھ کر) ان دونوں آدمیوں سے پوچھا (جو مجھے اپنے ساتھ لائے تھے) یہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے کہا کہ چلتے رہئے (یعنی یہ مت پوچھئے کہ کیا ہو رہا ہے بلکہ آگے چلیئے ابھی بہت عجائبات دیکھنے ہیں اس کی تعبیر معلوم ہو جائے گی) چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ آئے جہاں ایک شخص چت پڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے سر کے پاس اتنا بڑا پتھر لئے کھڑا تھا جس سے ہاتھ بھر جائے اور اس سے چت پڑے شخص کے سر کو کچلتا تھا چنانچہ جب وہ پتھر کو (کھینچ کر) اس کے سر پر مارتا تو پتھر (سر کچل کر) لڑھکتا ہوا دور چلا جاتا (پھر دوبارہ مارنے کی غرض سے) اس پتھر کو اٹھانے کے لئے جاتا اور جب لوٹ کر آتا تو اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اس شخص کا سر درست ہو جاتا اور پھر وہ اس پر پتھر مارتا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری تھا (کہ اس کا سر درست ہوتا رہتا) اور وہ اس پر پتھر مارتا رہتا میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ ان دونوں نے جواب دیا کہ چلے چلیئے چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسے گڑھے پر پہنچے جو تنور کی مانند تھا کہ اس کے اوپر کا حصہ تنگ تھا اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا اور اس کے اندر آگ بھڑک رہی تھی جب آگ اوپر کی طرف بھڑکتی تو کچھ لوگ جو آگ کے اندر تھے (شعلوں کے ساتھ) اوپر آ جاتے یہاں تک کہ اس گڑھے سے نکلنے کے قریب ہو جاتے اور جب شعلہ کا زور گھٹ جاتا تو وہ سب پھر اندر چلے جاتے (میں نے دیکھا کہ) اس آگ میں کئی مرد تھے اور کئی عورتیں تھیں اور سب ننگے تھے میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ چلے چلئے چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک کہ ایک ایسی نہر پر پہنچے جو (پانی کے بجائے) خون سے بھری ہوئی تھی جو نہر کے بیچ میں ایک شخص کھڑا ہوا تھا اور ایک شخص اس کے کنارے پر تھا جس کے آگے پتھر رکھے ہوئے تھے جب وہ

شخص جو نہر کے بیچ میں تھا آگے (کنارے پر) آیا اور چاہا کہ باہر نکل آئے تو اس شخص نے جو کنارے پر تھا اس کے منہ پر پتھر پھینک کر مارا جس سے وہ اپنی جگہ لوٹ گیا اور پھر اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا کہ نہر کے اندر کا آدمی جب باہر نکلنے کا ارادہ کرتا تھا تو کنارے والا آدمی اس کے منہ پر پتھر مارتا اور اس کو اسی جگہ واپس کر دیتا (میں نے یہ دیکھ کر) پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ چلئے چلئے۔ چنانچہ ہم آگے چلے یہاں تک ایک سرسبز و شاداب باغ کے پاس پہنچے اس باغ میں ایک بڑا درخت تھا اور اس کی جڑ پر ایک بوڑھا اور کچھ لڑکے (بیٹھے) تھے پھر کیا دیکھتا ہوں کہ اس درخت کے پاس ایک اور شخص بھی ہے جس کے آگے آگ جل رہی ہے وہ اس کو جلا بھڑکا رہا تھا پھر وہ دونوں آدمی مجھ کو لے کر درخت پر چڑھے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو درخت کے بالکل درمیان تھا (اور یہ گھر اتنا اچھا تھا کہ) میں نے کبھی اس سے اچھا کوئی گھر نہیں دیکھا اس گھر میں کتنے ہی جوان بوڑھے مرد تھے کتنی ہی عورتیں اور کتنے ہی بچے تھے اس کے بعد وہ دونوں مجھ کو اس گھر سے نکال کر درخت کے اور اوپر لے گئے اور مجھ کو ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو پہلے گھر سے بھی بہت اچھا اور افضل تھا اس میں بھی بوڑھے اور جوان آدمی موجود تھے اب میں نے ان دونوں آدمیوں سے کہا کہ آج کی رات تم نے مجھ کو خوب گھمایا پھرایا لیکن میں نے جو کچھ دیکھا اس کی حقیقت سے تو مجھ کو آگاہ کرو؟ ان دونوں نے کہا کہ اچھا ہم آپ کو بتاتے ہیں (پھر انہوں نے بیان کرنا شروع کیا کہ) جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کے کلے چیرے جا رہے تھے وہ ایسا شخص ہے جو جھوٹا تھا جھوٹ بولتا تھا اور اس کی جھوٹی باتیں نقل و بیان کی جاتی تھیں جو دنیا میں چاروں طرف پھیلتی تھیں چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ نے دیکھا اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جس شخص کو آپ نے دیکھا کہ اس کا سر کچلا جا رہا تھا وہ ایسا شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن سکھایا تھا (یعنی اس کو قرآنی علوم سیکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی) لیکن وہ شخص اس (قرآن سے) بے نیاز ہو کر رات میں سوتا رہا اور دن میں قرآن کے مطابق عمل نہیں کیا چنانچہ اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جا رہا ہے جو آپ نے دیکھا اور اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور جن لوگوں کو آپ نے تنور میں دیکھا وہ زنا کار ہیں اور جس شخص کو آپ نے نہر میں دیکھا وہ سود خور ہے (ان سب کو بھی اپنے کئے کی سزا مل رہی ہے اور قیامت تک یوں ہی ملتی رہے گی) اور جس بوڑھے شخص کو آپ نے درخت کی جڑ کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا ہے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے پاس جو بچے ہیں وہ آدمیوں کی اولاد ہیں اور جو شخص درخت سے کچھ فاصلے پر آگ جلا رہا ہے وہ دوزخ کا داروغہ ہے اور درخت کے اوپر پہلا گھر جس میں آپ داخل ہوئے تھے وہ (جنت میں عام) مومنوں کا مکان ہے اور یہ گھر (جو پہلے گھر سے اوپر واقع ہے) شہداء کا مکان ہے میں جبرئیل ہوں اور یہ (جو میرے ساتھ ہیں) میکائیل ہیں اور ذرا آپ اوپر سر اٹھائیے (آنحضرت فرماتے ہیں کہ) میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اوپر (نہایت بلندی میں) ابر کی مانند کوئی چیز ہے اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ تہ در تہ سفید ابر کی مانند کوئی چیز ہے تب ان دونوں نے کہا کہ یہ ابر کی مانند جو چیز آپ دیکھ رہے ہیں دراصل جنت میں آپ کا مکان ہے۔ میں نے کہا کہ تم لوگ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے مکان میں چلا جاؤں ان دونوں نے کہا کہ ابھی تو آپ کی عمر باقی ہے جس کو آپ نے پورا نہیں

کیا ہے جب آپ اپنی عمر کو پورا کرلیں گے تو اپنے مکان میں چلے جائیں گے (بخاری) اور حضرت عبداللہ ابن عمر کی وہ روایت جو مدینہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب دیکھنے سے متعلق ہے وہ حرم مدینہ کے باب میں نقل کی جا چکی ہے۔

توضیح

"فاخرجانی" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کئی معراج ہوئے ہیں یہ معراج انہیں میں سے ایک ہے لیکن لیلۃ الاسریٰ والی معراج خواب کا واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ جسد عنصری کے ساتھ بربراری کی حالت میں ہوئی ہے۔ "کلوب" لوہے کی سلاخ کو کہتے ہیں جس کو اردو میں "آنکڑا" کہتے ہیں۔ "شدقة" کلے کو شدق کہتے ہیں جس کو باچھ بھی کہتے ہیں۔ "یلتئم" التئام جڑنے کے معنی میں ہے۔ "بفهر" بڑے پتھر کو کہتے ہیں جو لوہے کی طرح مضبوط ہوتا ہے جس کو دوسرے الفاظ میں چٹان کہتے ہیں۔ "یشدخ" سر کچلنے کے لئے شدخ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "تدهده" پتھر کے لڑھکنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ "خمدت" آگ بجھنے اور اس کے شعلے نیچے چلے جانے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

الفصل الثانی

تعبیر کے لئے خواب کو یا حبیب یا لبیب کے سامنے رکھو

﴿۱۵﴾ عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَّاَرْبَعِیْنَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ وَهِیَ عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ یُحَدِّثْ بِهَا فَاِذَا حَدَّثَ بِهَا وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهُ قَالَ لَاتُحَدِّثْ اِلَّا حَبِیْبًا اَوْ لَبِیْبًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ اَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ الرُّؤْیَا عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ تُعَبَّرْ فَاِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ وَاَحْسِبُهُ قَالَ وَلَا تَقُصَّهَا اِلَّا عَلٰی وَادٍّ اَوْ ذِیْ رَاْیٍ

حضرت ابورزین عقیلیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور خواب کو جب تک بیان نہ کیا جائے وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے اور جب اس کو کسی کے سامنے بیان کردیا جاتا ہے تو وہ واقع ہوجاتا ہے (راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے (یہ بھی فرمایا) دانا اور دوست کے علاوہ کسی اور کے سامنے خواب کو بیان نہ کرو۔ (ترمذی) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا خواب کی جب تک تعبیر بیان نہیں کی جاتی وہ پرندہ کے پاؤں پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کردی جاتی ہے تو وہ تعبیر واقع ہوجاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ آنحضرتؐ نے (یہ بھی) فرمایا اور دوست وعقلمند کے علاوہ کسی اور کے سامنے خواب کو بیان نہ کرو۔

توضیح

"علی رجل طائر" بے ثباتی اور بے قراری اور سریع زائل ہونے کے لئے عرب کے ہاں یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے کہ یہ چیز تو پرندہ کے پاؤں اور پنجے کے ساتھ لٹک رہی ہے پرندہ کے پاؤں کو قرار نہیں جونہی اس نے حرکت کی توں ہی وہ چیز گر جائے گی اسی طرح خواب کا معاملہ ہے کہ جب تک کسی کے سامنے ظاہر نہ کیا تو قائم ہے لیکن فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور جب کسی کے سامنے ظاہر کیا تو فوراً زائل ہوگیا اور اپنی تعبیر کی طرف چلا گیا گویا خواب تعبیر نکالنے والے کے انتظار میں رہتا ہے جونہی اس نے تعبیر نکالی خواب ختم ہو جائے گا اس لئے حبیب یعنی خیر خواہ محبوب کے سامنے رکھو وہ اچھی تعبیر کا خیال کریگا یا لبیب یعنی عاقل اور ماہر کے سامنے رکھو وہ اچھی تعبیر نکال لیگا۔

ورقہ بن نوفل کامیاب ہو کر مرا ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَرَقَةَ قَالَتْ لَهُ خَدِيْجَةُ اِنَّهُ كَانَ قَدْ صَدَّقَكَ وَلٰكِنْ مَاتَ قَبْلَ اَنْ تَظْهَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْتُهُ فِي الْمَنَامِ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيْضٌ وَلَوْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَكَانَ عَلَيْهِ لِبَاسٌ غَيْرُ ذٰلِكَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ بن نوفل کے بارے میں پوچھا گیا (کہ وہ مومن تھے یا نہیں؟) اور حضرت خدیجہؓ نے آپ کے سامنے بیان کیا کہ وہ آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن آپ کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے مر گئے تھے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو خواب میں ورقہ بن نوفل کو اس حالت میں دکھلایا گیا ہے کہ اس پر سفید کپڑے تھے اور اگر وہ دوزخی ہوتے تو ان کے جسم پر اور طرح کے کپڑے ہوتے۔ (احمد و ترمذی)

اگر ممکن ہو تو بیداری میں خواب پر عمل کراؤ

﴿۱۷﴾ وَعَنِ ابْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عَمِّهِ اَبِيْ خُزَيْمَةَ اَنَّهُ رَاَى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ اَنَّهُ سَجَدَ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَاضْطَجَعَ لَهُ وَقَالَ صَدِّقْ رُؤْيَاكَ فَسَجَدَ عَلٰى جَبْهَتِهِ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ بَكْرَةَ كَاَنَّ مِيْزَانًا نَزَلَ فِي السَّمَاءِ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا.

اور حضرت خزیمہ ابن ثابت اپنے چچا (حضرت ابو خزیمہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حالت میں جس میں سونے والا دیکھتا ہے یعنی خواب میں دیکھا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کیا ہے پھر انہوں نے یہ خواب

آنحضرتؐ کے سامنے بیان کیا تو آپ (وہ خواب سن کر) ابوخزیمہ کی خاطر لیٹ گئے (تا کہ وہ پیشانی اقدس پر سجدہ کرلیں) اور فرمایا کہ اپنے خواب کو سچا کر دیعنی اپنے خواب کے مطابق عمل کرو، چنانچہ انہوں نے آنحضرت کی پیشانی پر سجدہ کرلیا (شرح السنۃ) اور حضرت ابوبکرؓ کی یہ روایت "کان میزانا نزل من السماء" کو مناقب ابوبکر وعمر کے باب میں نقل کیا جائیگا۔

توضیح

"علی جبهته" یعنی ابوخزیمہؓ نے خواب دیکھا کہ وہ خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ لگا رہا ہے صبح اس نے وہ خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا تو آپ لیٹ گئے اور فرمایا کہ اپنا خواب سچا کر دو اور میری پیشانی پر سجدہ لگادو۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ جب تک کسی خواب پر بیداری میں عمل کرنا کرانا ممکن ہو تو خواب دیکھنے والے کو اس پر عمل کرنا چاہئے خاص کر جب عبادات کا معاملہ ہو کہ خواب میں ایک خاص مسجد میں نماز پڑھی یا خاص دن میں روزہ رکھا یا خاص بزرگ کی زیارت کی تو بیداری میں ان افعال پر عمل کرنا چاہئے۔

الفصل الثالث

﴿۱۸﴾ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ لِاَصْحَابِهٖ هَلْ رَاٰى اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنْ رُؤْيَا فَيَقُصُّ عَلَيْهِ مَنْ شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّقُصَّ وَاِنَّهٗ قَالَ لَنَا ذَاتَ غَدَاةٍ اِنَّهٗ اَتَانِي اللَّيْلَةَ اٰتِيَانِ وَاِنَّهُمَا ابْتَعَثَانِيْ وَاِنَّهُمَا قَالَا لِيَ انْطَلِقْ وَاِنِّي انْطَلَقْتُ مَعَهُمَا وَذَكَرَ مِثْلَ الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ فِي الْفَصْلِ الْاَوَّلِ بِطُوْلِهٖ وَفِيْهِ زِيَادَةٌ لَيْسَتْ فِي الْحَدِيْثِ الْمَذْكُوْرِ وَهِيَ قَوْلُهٗ فَاَتَيْنَا عَلٰى رَوْضَةٍ مُعْتَمَّةٍ فِيْهَا مِنْ كُلِّ نَوْرِ الرَّبِيْعِ وَاِذَا بَيْنَ ظَهْرَيِ الرَّوْضَةِ رَجُلٌ طَوِيْلٌ لَا اَكَادُ اَرٰى رَاْسَهٗ طُوْلًا فِي السَّمَاءِ فَاِذَا حَوْلَ الرَّجُلِ مِنْ اَكْثَرِ وِلْدَانٍ رَاَيْتُهُمْ قَطُّ قُلْتُ لَهُمَا مَا هٰذَا مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ قَالَا لِيَ انْطَلِقْ فَانْطَلَقْنَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى رَوْضَةٍ عَظِيْمَةٍ لَمْ اَرَ رَوْضَةً قَطُّ اَعْظَمَ مِنْهَا وَلَا اَحْسَنَ قَالَ قَالَا لِيَ ارْقَ فِيْهَا قَالَ فَارْتَقَيْنَا فِيْهَا فَانْتَهَيْنَا اِلٰى مَدِيْنَةٍ مَبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَلَبِنِ فِضَّةٍ فَاَتَيْنَا بَابَ الْمَدِيْنَةِ فَاسْتَفْتَحْنَا فَفُتِحَ لَنَا فَدَخَلْنَاهَا فَتَلَقَّانَا فِيْهَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِنْ خَلْقِهِمْ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ وَشَطْرٌ مِنْهُمْ كَاَقْبَحِ مَا اَنْتَ رَاءٍ قَالَ قَالَا لَهُمُ اذْهَبُوْا فَقَعُوْا فِيْ ذٰلِكَ النَّهْرِ قَالَ فَاِذَا نَهْرٌ مُعْتَرِضٌ يَجْرِيْ كَاَنَّ مَاءَهُ الْمَحْضُ فِي الْبَيَاضِ فَذَهَبُوْا فَوَقَعُوْا فِيْهِ ثُمَّ رَجَعُوْا اِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوْءُ عَنْهُمْ فَصَارُوْا فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ وَذَكَرَ فِيْ تَفْسِيْرِ هٰذِهِ الزِّيَادَةِ وَاَمَّا الرَّجُلُ الطَّوِيْلُ الَّذِيْ فِي الرَّوْضَةِ فَاِنَّهٗ اِبْرَاهِيْمُ

وَاَمَّا الْوِلْدَانُ الَّذِيْنَ حَوْلَهٗ فَكُلُّ مَوْلُوْدٍ مَاتَ عَلَى الْفِطْرَةِ قَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ وَاَمَّا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَانُوْا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيْحٌ فَاِنَّهُمْ قَوْمٌ قَدْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحًا وَاٰخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت سمرہ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے اکثر یہ پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ جس کو (خواب دکھانا چاہتا اور وہ خواب دیکھتا تو وہ اپنا خواب آنحضرتؐ کے سامنے بیان کردیتا ایک دن آنحضرتؐ نے ہمارے سامنے بیان کیا کہ آج رات (میں نے خواب دیکھا کہ) دو شخص میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ کو اٹھا کر کہا کہ ہمارے ساتھ چلیے چنانچہ میں ان کے ساتھ چل پڑا اس کے بعد حدیث کے راوی سمرہؓ نے وہی طویل حدیث بیان کی جو (اس خواب سے متعلق) پہلی فصل میں گزر چکی ہے لیکن اس حدیث میں پہلی فصل والی حدیث سے کچھ زیادہ باتیں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا پس ہم ایک ایسے باغ میں پہنچے (جہاں درختوں کی کثرت اور ان میں سرسبزی وشادابی کی بہتات کی وجہ سے) اندھیرا پھیلا ہوا تھا باغ میں ہر طرف بہار ہی بہار تھی اور ہمہ اقسام کے شگوفے کھلے ہوئے تھے، پھر اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ باغ کے بیچوں بیچ ایک شخص کھڑے ہوئے ہیں وہ بہت لمبے تھے کہ ان کا سر بھی مجھے نظر نہیں آرہا تھا کیونکہ ان کی لمبائی آسمان سے باتیں کررہی تھی پھر مجھے یہ بھی نظر آیا کہ ان کے گرد بہت سے لڑکے تھے جن کو میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا میں نے ان دونوں سے پوچھا کہ یہ لمبا شخص کون ہے اور یہ لڑکے کون ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے (میری بات کا جواب دینے کے بجائے) مجھ سے کہا کہ چلے چلیے چنانچہ ہم آگے چلے اور ایک بہت بڑے باغ کے پاس پہنچے جس سے بڑا اور جس سے اچھا کوئی اور باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ (وہاں پہنچ کر) ان دونوں نے مجھ سے کہا کہ باغ کے اندر چلیے یا اس کے درختوں پر چڑھیے چنانچہ ہم چڑھے اور ایک ایسے شہر کے قریب پہنچے جو سونے اور چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا ہے پھر ہم اس شہر کے دروازے پر آئے اور اس کو کھلوایا اور جب وہ دروازہ ہمارے لئے کھول دیا گیا تو ہم اندر داخل ہوئے اور اس شہر میں ہم ایسے کتنے ہی لوگوں سے ملے جن میں سے ہر ایک کے بدن کا آدھا حصہ اس سے بھی بہتر تھا جس کو تم دیکھتے ہو اور آدھا حصہ اس بھی بدتر تھا اور آدھا حصہ انتہائی حسین وتندرست تھا اور آدھا حصہ انتہائی بھدا وخراب تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان دونوں نے ان سب سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطہ لگاؤ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب ان دونوں نے یہ بات کہی تو) میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں عرضا ایک نہر بہ رہی ہے جس کا پانی خالص دودھ کی طرح سفید ہے چنانچہ وہ لوگ نہر کے پاس گئے اور اس میں کود گئے، پھر جب وہ (غوطہ لگا کر) ہمارے پاس واپس آئے تو ان کے جسم کی خرابی وبرائی دور ہو چکی تھی اور ان کا پورا جسم بہترین شکل وصورت میں تبدیل ہو گیا تھا، اس کے بعد آنحضرتؐ نے حدیث کے ان زیادہ الفاظ کی وضاحت

میں فرمایا کہ وہ لمبے شخص جو باغ میں تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے اور ان کے گرد جو لڑکے تھے وہ ایسے بچے تھے جو فطرت پر مرجاتے ہیں (یعنی جو بچے چھوٹی عمر میں نابالغ مرجاتے ہیں وہ حضرت ابراہیم کے پاس رہتے ہیں) راوی یہ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اور مشرکوں کے لڑکے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا مشرکوں کے نابالغ لڑکے بھی حضرت ابراہیم ہی کے پاس رہتے ہیں اور وہ لوگ جن کا آدھا جسم اچھا اور آدھا جسم برا تھا وہ ایسے لوگ تھے جن کے اعمال ملے جلے تھے کہ انہوں نے کچھ اچھے عمل کیے اور کچھ برے عمل، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا۔ (بخاری)

جھوٹا خواب بیان کرنا بڑا جھوٹ ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْ اَفْرَى الْفِرَى اَنْ يُرِيَ الرَّجُلُ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَيَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بہتانوں میں سے ایک بڑا بہتان یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں سے وہ چیز دکھلائے جو (حقیقت میں آنکھوں نے نہیں دیکھی ہے۔ (بخاری)

توضیح

"افری الفری" یعنی سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ آدمی آنکھوں سے وہ چیز دکھلائے جو آنکھوں نے نہیں دیکھی یعنی جھوٹا خواب بیان کرنا بڑے بہتانوں میں سے ایک بہتان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خواب کا تعلق وحی سے ہے اور نظام وحی اور نظام غیب پر بہتان اور جھوٹ باندھنا عام جھوٹ کی طرح نہیں بلکہ بہت سخت ہے۔

صبح کا خواب سچا ہوتا ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْدَقُ الرُّؤْيَا بِالْاَسْحَارِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ.

اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا پچھلے پہر کا خواب زیادہ سچا ہوتا ہے۔ ترمذی، دارمی

توضیح

"الاسحار" چونکہ رات کے آخری حصہ میں پیٹ خالی ہو جاتا ہے اور اس کے پراگندہ بخارات ختم ہو جاتے ہیں نیز آدمی بشری آلائشوں سے دور ہو کر ملکوتی صفات پر آجاتا ہے اس لیے اس وقت کے خواب سب سے زیادہ سچے اور پکے ہوتے ہیں۔

مورخہ ۲۴ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

کتاب الآداب

آداب کا بیان

آداب جمع ہے اس کا مفرد ادب ہے۔ ادب ہر اس قول اور فعل کا نام ہے جس کو اچھا اور قابل تحسین کہا جائے۔ بعض نے ادب کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "الادب هو اعطاء كل شئى حقه ووضع كل شئى موضعه" یعنی موقع و محل کے پیش نظر ہر چیز کو اس کا جائز مقام دینا ادب کہلاتا ہے بعض نے کہا کہ بڑوں کا احترام کرنا اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کا نام ادب ہے۔ ادب کا مفہوم چونکہ بہت وسیع ہے اس لئے یہ انسانی زندگی اور انسانی تہذیب کے تمام پہلوؤں کو شامل ہے یہی وجہ ہے کہ آداب کے ضمن میں زندگی سے تعلق رکھنے والی مختلف احادیث آئیں گی۔

ادب کے ضمن میں سلام کا باب بھی ہے اس کے بعد استیذان کا باب بھی ہے پھر مصافحہ و معانقہ کا باب ہے پھر باب القیام ہے اس کے بعد عطاس اور تثاؤب کا باب ہے اس کے بعد باب الضحک ہے پھر باب الاسامی اور اس کے بعد باب البیان والشعر ہے۔ الغرض کتاب الرقاق تک تمام ابواب کتاب الآداب کے ماتحت ہیں سب سے پہلے باب جو آرہا ہے وہ باب السلام ہے۔

باب السلام

سلام کا بیان

سلام اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کا ترجمہ اس طرح ہے یعنی وہ اللہ جو ہر عیب اور ہر نقص و کمزوری سے پاک اور محفوظ ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں سلام کی ابتداء ہوئی اس وقت چونکہ مسلم و غیر مسلم میں پہچان کی ضرورت تھی تو ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کہتا تھا السلام علیکم یعنی میری طرف سے تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی وہ جواب میں کہتا تھا وعلیکم السلام یعنی میری طرف سے بھی تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی گویا ابتداء میں سلام کو ڈنمبر کے طور پر استعمال کیا گیا پھر شریعت نے اس کو عام کر کے مسلمانوں کے لئے مشروع قرار دیا۔ اب سلام کا پورا مفہوم اس طرح ہے کہ السلام علیکم کہنے والا دوسرے سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں ہر قسم ظاہری و باطنی مصائب سے محفوظ رکھے جواب دینے والا بھی وعلیکم السلام کہہ کر یہی مفہوم ادا کرتا ہے اب دونوں طرف سے ایک دوسرے کو سلامتی کی ضمانت بھی دیدی گئی اور دعا بھی ہوگئی اسی مفہوم کے پیش نظر پہلے زمانہ میں حکام جب کسی مجرم کو سزا دینا چاہتے تھے تو وہ سلام کے جواب میں کہتے تھے لا اسلام ولا کلام یعنی میں تجھے سلامتی کی ضمانت نہیں دیتا ہوں آج کل چونکہ حکام جاہل ہیں اس لئے وعلیکم السلام بھی کہتے ہیں اور پھر گالی دے کر سزا بھی دیتے ہیں یہ

لوگ سلام کے مفہوم سے جاہل ہیں اور جاہل حیوان لایعقل ہی ہوتا ہے۔ سلام کرنا سنت ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب ہے اگرچہ اس واجب سے یہ سنت افضل ہے۔

فاسق فاجر کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنی چاہئے ہاں اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اسی طرح غیر مسلم کا معاملہ ہے کہ ان کے سلام کا جواب دینا چاہئے مگر سلام میں پہل نہیں کرنی چاہئے پھر سلام کے اصول میں سے چند اصول اس طرح ہیں کہ کم لوگوں کو چاہئے کہ زیادہ لوگوں کے سلام میں پہل کریں اسی طرح چھوٹوں کو چاہئے کہ بڑوں کے سلام میں پہل کریں کھڑے لوگوں کو چاہئے کہ بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کریں اسی طرح گاڑی وغیرہ پر سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل آدمی کو سلام کرے ہر آنے والے شخص کو چاہئے کہ وہ مقامی مجلس کے لوگوں کو سلام میں پہل کرے۔

جو لوگ کھانا کھانے میں مشغول ہوں ان کو سلام نہیں کرنا چاہئے کیونکہ سلام کرنے والا اپنے سلام کے جواب کا منتظر رہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کھانے والے روٹی کھانے کی وجہ سے سلام میں سستی کریں تو یہ شخص ناراض ہو جائے گا ہاں اگر سلام کرنے والا بھوکا ہو تو وہ سلام کر سکتا ہے اس کے سلام کا مطلب یہ ہوگا کہ گویا یہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا چاہتا ہے۔

پیشاب پاخانہ یا کسی جبری گناہ میں آلودہ شخص کو سلام نہیں کرنا چاہئے اسی طرح تلاوت اور ذکر اذکار یا مطالعہ و تکرار میں مشغول شخص کو سلام نہیں کرنا چاہئے جہاں سلام کرنا جائز نہیں وہاں سلام سننے والوں پر جواب دینا بھی لازم نہیں ہے۔ فقہاء کرام نے اشعار کے ایک طویل قصیدہ میں ان تمام مواضع کو ذکر کیا ہے جہاں سلام نہیں کرنا چاہئے فقہ کی کتابوں شامی وغیرہ میں وہ قصیدہ دیکھنا چاہئے۔

الفصل الاول

تخلیق آدم اور فرشتوں کو سلام

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰئِکَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلٰئِکَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَکَ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِکَ فَذَهَبَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَقَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَکُلُّ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَلٰی صُوْرَةِ اٰدَمَ وَطُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ یَزَلِ الْخَلْقُ یَنْقُصُ بَعْدَهٗ حَتَّی الْاٰنَ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

حضرت ابو ہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ان کی لمبائی ساٹھ گز کی تھی۔ جب خدا نے ان کو بنایا تو ان سے فرمایا جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو اور وہ جماعت فرشتوں کی تھی جو وہاں بیٹھی ہوئی

تھی پھر سنو کہ وہ تمہیں کیا جواب دیتی ہے وہ (جو جواب دے گی) وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب ہے چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام (اس حکم خداوندی کی تعمیل میں فرشتوں کی اس جماعت کے پاس گئے اور کہا "السلام علیکم" فرشتوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ آنحضرت نے فرمایا کہ (گویا) آدم کے سلام کے جواب میں ورحمۃ اللہ کا لفظ فرشتوں نے زیادہ کیا (پھر) آپ نے فرمایا کہ پس جو شخص جنت میں داخل ہوگا وہ آدم کی صورت پر ہوگا بایں طور پر کہ اس کی لمبائی ساٹھ گز کی ہوگی پھر حضرت آدم کے بعد لوگوں کی ساخت برابر کم ہوتی رہی یہاں تک کہ موجودہ مقدار کو پہنچی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"علی صورتہ" یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر بنایا، اس حدیث کے سمجھنے میں چند اقوال ہیں۔

(۱) پہلا قول یہ ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے لہٰذا کسی تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ سلف صالحین کے طرز پر یہ کہا جائے گا "مایلیق بشانہ" یعنی جو اللہ کے شایان شان ہو ہم اس کو مانتے ہیں

(۲) بعض علماء نے اس حدیث کے مفہوم میں یہ تاویل کی ہے کہ صورتہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ اچھے صفات ہیں جن صفات پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا جیسے "حی، عالم، کریم، بصیر، متکلم" گویا انسان اللہ تعالیٰ کے صفات کا مظہر ہے۔ اس توجیہ میں "بصورتہ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے گی اور صورت سے صفت مراد ہوگی۔

(۳) بعض علماء نے اس حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ہی کی صورت پر بنایا یعنی جس صورت پر حضرت آدم کو بنایا وہ آدم ہی کی قسمت میں تھی آدم اپنی نظیر آپ تھے کسی اور کی صورت کا نمونہ نہیں تھے جس طرح بعض بچہ نہ باپ کی شکل میں ہوتا ہے اور نہ ماں کی شکل میں ہوتا ہے تو مائیں کہتی ہیں کہ یہ اپنی شکل پر پیدا ہوا ہے اس تاویل کے پیش نظر بصورتہ میں ضمیر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف لوٹے گی اور مطلب وہی ہوگا کہ آدمؑ اپنی نظیر آپ تھے۔

(۴) اس حدیث کا مفہوم بعض علماء نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے صورت اور مجسمہ کی شکل میں پیدا کیا یعنی مرحلہ وار پیدا نہیں کیا کہ پہلے نطفہ ہو پھر مضغہ ہو پھر عظام ہو پھر لحم ہو اور پھر تخلیق ہو اس طرح نہیں ہوا بلکہ ابتدائے آفرینش سے مکمل صورت تھی کہ آپ ۶۰ گز کے قد پر تھے "فتبارک اللہ احسن الخالقین" اس کے بعد انسان کم ہوتا گیا اب ڈھائی تین گز رہ گیا پھر جب انسان جنت میں داخل ہونگے تو ۶۰ گز کے پورے ہونگے بہر حال حضرت آدمؑ نے فرشتوں کو سلام کیا فرشتوں نے جواب دیا وہی طریقہ اولاد آدم میں چلا آیا جو اس وقت صرف مسلمانوں کے پاس ہے باقی انسان وحوش وطیور میں شامل ہوگئے ہیں یاد رہے کہ شرعی گز کم وبیش دو بالشت ہوتا ہے۔

سلام کرنا بہترین عمل ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ

تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اہل اسلام کی کونسی خصلت بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ کھانا کھلانا اور ہر شناسا و ناشناسا کو سلام کرنا۔ (بخاری و مسلم)

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حق ہیں

﴿۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُؤْمِنِ عَلَى الْمُؤْمِنِ سِتُّ خِصَالٍ يَعُوْدُهُ اِذَا مَرِضَ وَيَشْهَدُهُ اِذَا مَاتَ وَيُجِيْبُهُ اِذَا دَعَاهُ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِذَا لَقِيَهُ وَيُشَمِّتُهُ اِذَا عَطَسَ وَيَنْصَحُ لَهُ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ لَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَلٰكِنْ ذَكَرَهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ بِرِوَايَةِ النَّسَائِيِّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حق ہیں جب (کوئی) مسلمان بیمار ہو تو دوسرا مسلمان اس کی عیادت کرے، جب کوئی مسلمان مر جائے تو اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو، جب کوئی کھانے پر بلائے تو اس کی دعوت کو قبول کرے، جب ملے تو اس کو سلام کرے، جب چھینکے تو اس کا جواب دے اور چھٹے یہ کہ (ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی ہر حالت میں) خیر خواہی کرے خواہ وہ حاضر ہو یا غائب اور مشکوۃ کے مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو نہ تو صحیحین میں پایا ہے اور نہ حمیدی کی کتاب میں البتہ اس کو صاحب جامع الاصول نے نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ (۱) بیمار پرسی کرنا (۲) جنازہ پڑھنا (۳) دعوت قبول کرنا (۴) بوقت ملاقات سلام کرنا (۵) چھینک مارنے پر جواب دینا (۶) ہر حال میں اس کی خیر خواہی کرنا

آپس میں سلام کرنا محبت بڑھنے کا ذریعہ ہے

﴿۴﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَلَاتُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا اَوْلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جب تک کہ ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکو گے اور تمہارا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تم (اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے) آپس میں تعلق و دوستی قائم نہ کرو نیز آپ نے فرمایا اور کیا میں تمہیں ایک ایسا ذریعہ نہ بتادوں جس کو تم اختیار کرو تو آپس میں دوستی کا تعلق قائم ہو جائے اور وہ ذریعہ یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو یعنی آشنا و ناآشنا سب کو سلام کرو۔ (مسلم)

کون کس کو سلام کرے؟

﴿۵﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلٰى

اَلْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سواری پر ہو وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے آدمی زیادہ تعداد والے آدمیوں کو سلام کرے۔ (بخاری و مسلم)

﴿۶﴾وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور کم تعداد والے زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔ (بخاری)

حضور اکرمؐ نے بچوں کو سلام کیا ہے

﴿۷﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

اگر چہ اصولی طور پر بچوں کو چاہئے کہ وہ بڑوں کو سلام کرنے میں پہل کریں لیکن آنحضرتؐ نے تواضع اور شفقت کے طور پر پہلے بچوں کو سلام کیا ہے جس سے جواز کا پتہ چلا نیز بچے زیادہ بھی تھے اس لئے آپ نے ان کو سلام کیا نیز آپ گزرنے والے بھی تھے اس لئے آپ نے سلام کیا نیز بچوں کو سلام کی تعلیم دینی تھی۔

غیر مسلم کو سلام کرنے کا مسئلہ

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِىْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں ابتداء نہ کرو اور جب تم راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو تنگ ترین راستے پر چلے جانے پر مجبور کرو۔ (مسلم)

توضیح

"لاتبدؤا" یعنی یہود و نصاریٰ کو سلام میں ابتداء نہ کرو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کو سلام میں ابتداء کرنا حرام ہے الا یہ کہ تحت مجبوری ہو تو سلام میں ابتداء کرنا جائز ہوگا اگر نا واقفی میں کافر کو سلام کیا تو اس طرح واپس کرنا چاہئے کہ

"استرجعت سلامی" میں اپنا سلام واپس کر رہا ہوں اگر غیر مسلم نے ابتداء میں سلام کیا تو صرف جواب دینا جائز ہے۔ مبتدع کو بھی ابتداء میں سلام نہیں کرنا چاہئے ہاں اگر مجبوری ہو تو صحیح ہے۔ اس حدیث میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی راستہ میں تمہیں ملے تو اس کو تنگ راستہ پر چلنے کی طرف مجبور کر دو، مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ اگر اہل کتاب میں سے کوئی ذمی ہو تو اس کو کھلے راستے پر جانے کا حق نہیں ہے اسی طرح اگر مسلمان اور اہل کتاب ایک راستہ پر چل رہے ہوں اور راستہ مسلمانوں کے لئے تنگ پڑ رہا ہو تو یہود و نصاریٰ کو کھلے راستے پر چلنے کا حق نہیں لہٰذا اس کو تنگ راستہ پر چلنے کا حکم دیا جائے گا اگر وہ اس پر عمل نہیں کریگا تو دھکہ دیکر ان کو مجبور کیا جائیگا، ہائے افسوس یہ بھی ایک دور تھا کہ مسلمان یہود و نصاریٰ کو دھکے دیا کرتے تھے مگر جب مسلمانوں کے حکمران نااہل ہو گئے تو آج یہود و نصاریٰ مسلمانوں کو تنگ و تاریک مقام کی طرف دھکے دے رہیں غیر مسلم کے سلام کے جواب میں ھداک اللہ کے الفاظ سے جواب دینا چاہئے۔

مسلمانوں سے یہود کی عداوت وشرارت

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمُ الْيَهُوْدُ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ اَحَدُهُمُ السَّامُ عَلَيْكَ فَقُلْ وَعَلَيْكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہودی تمہیں سلام کرتے ہیں تو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں "السام علیک" (یعنی تمہیں موت آئے) لہٰذا تم ان کے جواب میں یہ کہو "وعلیک" (یعنی تمہیں موت آئے)۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۰﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَعَلَيْكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تمہیں سلام کریں تو تم ان کے جواب میں کہو علیکم۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

یہود کی شرارت وخباثت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ خبیث کسی مسلمان کو ملاقات کے وقت بھی معاف نہیں کرتے بلکہ سلام کی صورت میں دعا کے بجائے بد دعا دیتے ہیں۔ جب صحابہ کو سلام کرتے تو السلام علیکم کی جگہ زبان موڑ کر السام علیکم کہا کرتے تھے جس کا ترجمہ موت اور ہلاکت ہے اس وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم ان کو جواب میں وعلیکم کہا کرو یعنی یہ موت و ہلاکت تم پر ہو۔ بعض روایات میں صرف علیکم کا لفظ ہے وہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ وعلیکم میں تشریک کا خطرہ ہے

کیونکہ مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہماری ہلاکت اور موت کے ساتھ تم پر بھی موت وہلاکت ہو، جن روایات میں وعلیکم ہے تو اس میں واوٴ استناف کے معنی میں لیا جائے گا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ موت وہلاکت صرف تم پر ہو"ای وعلیکم ماتستحقون" بہر حال دونوں لفظ جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم وصبر

﴿۱۱﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاْذَنَ رَهْطٌ مِنَ الْيَهُوْدِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقُلْتُ بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْاَمْرِ كُلِّهٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَيْكُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَيْكُمْ وَلَمْ يَذْكُرِ الْوَاوَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ اِنَّ الْيَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكَ قَالَ وَعَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَاعَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ قَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَاقَالُوْا قَالَ اَوَلَمْ تَسْمَعِيْ مَاقُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ فَيُسْتَجَابُ لِيْ فِيْهِمْ وَلَايُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَاتَكُوْنِيْ فَاحِشَةً فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی چنانچہ ان کو اجازت دے دی گئی اور جب وہ آپ کے پاس آئے تو کہا کہ تم پر موت ہو یس میں نے کہا" بلکہ تمہیں موت آئے اور تم پر لعنت ہو" آنحضرتؐ نے فرمایا عائشہ اللہ تعالیٰ محبت ونرمی کرنے والا ہے اور ہر کام میں محبت ونرمی کو پسند کرتا ہے میں نے عرض کیا کیا آپ نے سنا نہیں، انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا بیشک میں نے سنا اور میں نے (ان کے جواب میں) کہا کہ وعلیکم اور ایک روایت میں یہ لفظ علیکم ہے یعنی واوٴ کا ذکر نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کچھ یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انہوں نے (السلام علیکم) کہنے کے بجائے یہ کہا کہ السام علیکم آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وعلیکم حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی یہ بدتمیزی مجھ سے برداشت نہیں ہوئی اور میں نے ان کے جواب میں کہا کہ تمہیں موت آئے اور تم پر اللہ کی لعنت ہو اور تم پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عائشہ رک جاوٴ تمہیں نرمی اختیار کرنی چاہئے نیز سخت گوئی اور لچر باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے حضرت عائشہ نے کہا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا لفظ کہا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا اور کیا تم نے نہیں سنا انہوں نے جو کچھ کہا ہے میں نے اس پر کیا جواب دیا ہے؟ (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) ان کے حق میں میری دعا (یا بددعا) تو قبول ہوتی ہے لیکن میرے حق میں ان کی دعا (یا بددعا) قبول نہیں ہوتی اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا عائشہ تم لچر باتیں کرنے والی

مت بنو کیونکہ اللہ تعالیٰ لچر باتوں کو اور بے تکلف لچر باتیں بنانے کو پسند نہیں کرتا۔

توضیح

یہود کی عداوت وخباثت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سلام میں بددعا دینے کی کوشش کرتے تھے "السام علیکم" بولتے تھے جس کا معنی یہ تھا کہ تجھ پر موت اور ہلاکت آجائے آنحضرتؐ سنتے تھے اور سمجھتے تھے لیکن صرف وعلیکم سے جواب دیا کرتے تھے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے سنا تو خوب جواب دیا جس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے عائشہ نرمی کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں تم نرمی سے کام لو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا ان یہودیوں کی بات کو آپ نہیں سن رہے ہیں جو سلام میں بددعا دیتے ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سنتا ہوں اور جواب بھی دیتا ہوں ان کی بددعا میرے حق میں قبول نہیں ہوتی اور میری بددعا ان کے حق میں قبول ہوتی ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلم اور صبر برداشت کا بڑا نمونہ موجود ہے۔ "الفحش" یعنی کمزور اور خلاف وقار بات کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے۔
التفحش" یعنی تکلف کرکے فحش بات کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

مسلم اور غیر مسلم کی مخلوط مجلس میں سلام کا طریقہ

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ أَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْأَوْثَانِ وَالْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی مجلس کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان اور مشرکین باہم بیٹھے ہوئے تھے اور مشرکین میں بت پرست بھی تھے اور یہودی بھی، چنانچہ آپؐ نے مجلس والوں کو سلام کیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"اخلاط" یعنی ایک ہی مجلس میں مسلم اور غیر مسلم جب بیٹھے ہوں تو ان کو سلام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ مسلمان کی نیت کرکے آدمی سلام کرے، اسی طرح فاسق مجاہر اور حالق لحیہ یعنی داڑھی منڈانے والا اگر نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوں تو صالحین کی نیت کرکے سلام کرنا چاہئے۔ حالق لحیہ اور فاسق مجاہر کو سلام کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہئے۔

راستوں اور چبوتروں میں بیٹھنا کب جائز ہوجاتا ہے؟

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا مِنْ مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا قَالَ فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ

حَقَّهٗ قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا تم راستوں میں بیٹھنے سے اجتناب کرو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمارے لئے راستوں میں بیٹھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے جہاں ہم باتیں کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا جب تم (مجبوری کی بنا پر) بیٹھنے کے علاوہ دوسری صورت سے انکار کرتے ہو تو پھر راستہ کو اس کا حق ادا کرو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ راستہ کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا آنکھوں کا بند کرنا یعنی حرام چیزوں پر نظر نہ ڈالنا، ایذا رسانی سے باز رہنا یعنی تنگ راستہ دینے یا کسی اور طرح گزرنے والوں کو ایذا نہ پہنچانا، سلام کا جواب دینا اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ راستوں اور چبوتروں پر بیٹھ کر لوگوں پر آوازیں کسنا اور گپ کرنا منع ہے ہاں اگر بوجہ مجبوری باہر بیٹھنا پڑ رہا ہو تو پھر اس کے جواز کے لئے یہ شرط ہے کہ گزرنے والوں کے سلام کا خوب جواب دے اور اگر وہ ناواقف ہو تو ان کو راستہ کی رہنمائی کرے معروف کا حکم کرے نگاہیں نیچے رکھے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَاِرْشَادُ السَّبِيْلِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَقِيْبَ حَدِيْثِ الْخُدْرِيِّ هٰكَذَا

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے (یہ بھی فرمایا کہ) جو شخص راستہ بھول جائے یا جو شخص راستہ نہ جانتا ہو اس کو راستہ بتانا اس روایت کو ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کیا ہے جیسا کہ صاحب مصابیح نے اور ان کی اتباع میں صاحب مشکوٰۃ نے یہاں نقل کیا ہے۔

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ قَالَ وَتُغِيْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَتَهْدُوا الضَّالَّ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَقِيْبَ حَدِيْثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ هٰكَذَا وَلَمْ اَجِدْهُمَا فِي الصَّحِيْحَيْنِ.

اور حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کے سلسلے میں نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مظلوم کی فریاد رسی کی جائے اور گم کردہ راہ کو راستہ بتایا جائے اس روایت کو حضرت ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے بعد اسی طرح نقل کیا ہے اور میں نے ان دونوں حدیثوں کو صحیحین میں نہیں پایا۔

"ملھوف" مصیبت زدہ فریاد کرنے والے کو کہتے ہیں ان کی مدد کرنا اور گم کردہ راہ کو صحیح رہنمائی کرنا یہ ایسے امور ہیں کہ اس کی وجہ سے راستہ میں بیٹھنا جائز ہو جاتا ہے کیونکہ یہ نیک ارادہ سے بیٹھنا ہے۔

الفصل الثانی

اسلامی معاشرہ کے چھ باہمی حقوق

﴿۱۲﴾عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيْبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطِسَ وَيَعُوْدُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَتْبَعُ جِنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَايُحِبُّ لِنَفْسِهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر مسلمان کے چھ حقوق ہیں جو حسن سلوک سے متعلق ہیں جب کوئی مسلمان ملے تو اس کو سلام کرنا، جب کوئی مسلمان (کھانے کے لئے یا کسی اور غرض سے بلائے) تو اس کو قبول کرنا، جب کوئی مسلمان چھینکے تو اس پر یرحمک اللہ کہنا، جب کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، جب کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جانا اور مسلمان کے لئے اس چیز کو پسند کرنا جس کو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے (ترمذی ،داری)

توضیح

"بالمعروف" شارحین لکھتے ہیں کہ بالمعروف میں با کا متعلق محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے۔ "للمسلم علی المسلم خصال ستة متلبسة بالمعروف" یعنی ان چھ خصال کو معروف اور اچھے طریقے سے پورا کرنا چاہئے دستور کے مطابق اس کا حق ادا کرنا چاہئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مراد نہیں ہے۔

جن چھ خصال کو دستور کے موافق اور حسن سلوک اور خوش اسلوبی سے پورا کرنا چاہئے وہ یہ ہیں۔ (۱) بوقت ملاقات سلام کرنا (۲) دعوت طعام قبول کرنا (۳) چھینک کا جواب دینا (۴) بیمار پرسی کیلئے مریض کے پاس جانا (۵) موت پر اس کا جنازہ پڑھنا (۶) جنازہ کے ساتھ جانا۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ مذکورہ خصال پانچ ہیں جبکہ چھ کا حکم ہے۔ اس کا جواب شیخ عبدالحق نے یہ دیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ چلنا یہ جنازہ پڑھنے کے بعد ہوا ہے لہذا جنازہ پڑھنے کا ذکر ضمن میں آگیا مستقل طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔

سلام جتنا کامل ہوگا ثواب بھی کامل ملے گا۔

﴿۱۷﴾وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ

وَبَرَكَاتُهُ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص آیا اور کہا السلام علیکم آنحضرتؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا پھر وہ شخص بیٹھ گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لئے دس نیکیاں لکھی گئی ہیں پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آنحضرتؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا کہ اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئی ہیں اس کے بعد ایک اور شخص آیا اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آنحضرتؐ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا اور جب وہ بیٹھ گیا تو فرمایا کہ اس کے لئے تیس نیکیاں لکھی گئی ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

یعنی ایک شخص صرف السلام علیکم کہتا ہے اس پر دس نیکیاں ملتی ہیں اگر ساتھ ورحمۃ اللہ ملا دیا تو بیس نیکیاں ہو جائیں گی اور اگر "وبرکاتہ" ملا دیا تو تیس نیکیاں سلام کرنے والے کو ملیں گی الغرض جتنا سلام کامل ہوگا اس کا ثواب بھی کامل ملے گا اور معروف الفاظ کے اضافہ کرنے سے ثواب میں اضافہ ہوگا آنے والی حدیث میں ومغفرتہ کا لفظ بھی ہے جس کی وجہ سے چالیس نیکیوں کی بشارت دی گئی ہے سلام اگر چہ ایک آدمی کو کیا جا رہا ہو مسنون طریقہ یہی ہے کہ علیکم جمع کی ضمیر کو استعمال کیا جائے سلام کرنے میں بھی اور جواب دینے میں بھی۔

﴿۱۸﴾ وَعَنْ مُعَاذِبْنِ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَعْنَاهُ وَزَادَ ثُمَّ اَتٰى اٰخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَمَغْفِرَتُهُ فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ وَقَالَ هٰكَذَا تَكُوْنُ الْفَضَائِلُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت معاذ ابن انسؓ نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر کی حدیث کے ہم معنی روایت نقل کی ہے جس میں معاذؓ نے یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں، پھر ایک اور شخص یعنی چوتھا شخص آیا اور کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے (اسکے سلام کا جواب دیا) اور فرمایا کہ اس کے لئے چالیس نیکیاں لکھی گئی ہیں نیز یہ فرمایا کہ اسی طرح ثواب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے یعنی سلام کرنے والا جس قدر الفاظ بڑھاتا جائے گا اسی قدر اس کے ثواب میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ (ابوداؤد)

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَاَبِالسَّلَامِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک تر وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔ (احمد و ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

ابتداء بالسلام کی فضیلت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ دو ساتھیوں کا کسی راستہ میں آمنا سامنا ہو جائے اگر ایسا نہ ہو تو سلام

کرنے کے جو قواعد ہیں اس میں افضل یہی ہے کہ قلیل کثیر کو سلام کریں آنے والا بیٹھنے والوں کو اور سوار پیدل کو سلام کریں اور چھوٹے بڑوں کو سلام کریں۔

اجنبیات کو سلام کرنے کا حکم

﴿۲۰﴾ وَعَنْ جَرِيرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِنَّ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ

اور حضرت جریر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان کو سلام کیا۔ (احمد)

توضیح

"فسلم علیهن" یعنی آنحضرتؐ نے عورتوں کو سلام کیا اس حدیث میں یہ تفصیل نہیں ہے کہ عورتیں بوڑھی تھیں یا جوان تھیں یا مخلوط تھیں جو کچھ بھی ہو عورتوں کو سلام کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے میں ایک خصوصیت تھی آپ اس امت کے باپ کے حکم میں ہیں اس لئے امت کی خواتین آنحضرت کی بیٹیاں ہیں ہاں آنحضرت کے علاوہ کسی مسلمان اور کسی پیر فقیر کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کو سلام کریں البتہ اگر عورت بالکل بوڑھی ہو تو اس کو سلام کرنا جائز ہے جوان عورتوں کو اجنبی مرد کا سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ فتنہ کھولنے کا سبب اور دروازہ ہے۔

ایک آدمی کا سلام کرنا یا جواب دینا پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِبٍ قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَرُدَّ اَحَدُهُمْ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَرْفُوْعًا وَرَوٰى اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ رَفَعَهُ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ وَهُوَ شَيْخُ اَبِي دَاوُدَ

اور حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا جب کچھ لوگ گزر رہے ہوں تو ان میں سے کسی ایک کا سلام کرنا ان سب کی طرف سے کافی ہوگا اسی طرح جو لوگ بیٹھے ہوئے ہوں ان میں سے کسی ایک کا جواب دینا ان سب کی طرف سے کافی ہوگا۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق مرفوع نقل کیا ہے اور ابوداؤد نے اس روایت کو (بطریق موقوف) نقل کیا ہے نیز انہوں نے (اپنی سند بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اس روایت کو حسن بن علی نے مرفوع بیان کیا ہے اور یہ حسن ابن علی (امام حسن ابن علی ابن ابی طالب نہیں ہیں بلکہ) وہ حسن ہیں جو ابوداؤد کے استاد و شیخ ہیں اور ابوداؤد نے بھی حسن ابن علی کی سند سے مرفوع ہی نقل کیا ہے لیکن دوسری سند سے موقوف نقل کیا ہے۔

توضیح

سلام کرنے میں پہل کرنا مستحب اور افضل ہے مگر یہ سنت علی الکفایہ ہے مطلب یہ کہ جماعت میں سے کسی ایک نے سلام

کیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور اگر سننے والوں میں سے کسی ایک نے جواب دیدیا تو سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا اگر سب شرکت کریں تو یہ بھی منع نہیں ہے۔

سلام کرنے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کرو

۲۲﴿وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَاِنَّ تَسْلِيْمَ الْيَهُوْدِ الْاِشَارَةُ بِالْاَصَابِعِ وَتَسْلِيْمَ النَّصَارٰى الْاِشَارَةُ بِالْاَكُفِّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہمارے غیروں کے ساتھ مشابہت کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے تم نہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت کرو اور نہ عیسائیوں کے ساتھ، یہودیوں کا سلام کرنا انگلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے اور عیسائیوں کا سلام کرنا ہتھیلیوں کے ذریعہ اشارہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے۔

توضیح

"الاشارة بالاصابع" چونکہ سلام کرنا تمام انبیاء کی سنت رہا ہے اور اسلام جس سلام کو پیش کرتا ہے یہ انبیاء کرام کا طریقہ تھا لیکن یہود و نصاریٰ نے انبیاء کرام کے طریقے کو چھوڑ دیا اور اپنی طرف سے سلام کے طریقے وضع کئے چنانچہ یہود نا بہودا انگلیوں کے اشاروں سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ نے ہتھیلی سے سلام کرنے کو اختیار کیا جس کی شکل سیلوٹ کی ہے سلام کا لفظ کسی کے ہاں نہیں ہے اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہاتھ کے بجائے زبان سے السلام علیکم کے الفاظ کے ساتھ سلام کریں صرف ہاتھ ہلا کر سلام نہ کریں ہاں اگر کوئی آدمی دور ہو اور اس تک آواز نہیں جاتی ہو تو ہاتھ کے ساتھ سلام کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ زبان سے سلام کے الفاظ بھی ادا کرے۔ خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کی کسی بھی خصوصیت میں ان سے مشابہت اختیار کرنا جائز نہیں ہے خاص کر سلام کے معاملہ میں اجتناب کرنا اور اپنے اسلامی شعائر کو زندہ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اسی طرح بعض قومیں سلام میں ہاتھ جوڑ کر نمستے کے الفاظ ادا کرتی ہیں کچھ لوگ کمر جھکا کر سلام کرتے ہیں اور کوئی صرف سر جھکا کر سلام کرتے ہیں یہ سب طریقے اسلام میں منع ہیں اسلام کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے یہ کسی بھی طریقہ میں غیر مسلموں کا محتاج نہیں ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

"اسنادہ ضعیف" عمرو بن شعیب کا طریقہ ضعیف ہے لیکن دیگر طرق صحیح ہیں

ہرنئی ملاقات پرسلام کرنا چاہئے

﴿۲۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص جب اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے تو چاہئے کہ (پہلے) اس کو سلام کرے اور اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا (بڑا) پتھر حائل ہوا اور پھر اس سے ملاقات ہو تو اس کو (دوبارہ) سلام کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح

مستثنےٰ صورتوں کے علاوہ ہر ملاقات پر ایک مسلمان کا دوسرے کے ساتھ سلام کرنا مسنون ہے خواہ ان دونوں کی جدائی کچھ وقت کے لئے کیوں نہ ہوئی ہو بس ذرا سا غائب ہونے کے بعد ملاقات پر سلام کرنا چاہئے مثلاً بیچ میں دیوار یا درخت بھی حائل ہوجائے پھر بھی ملاقات پر سلام کرنا مسنون ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جو لوگ آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں اور پھر اٹھ کر سلام شروع کردیتے ہیں یہ مناسب نہیں ہے جیسے نمازوں کے بعد یا عیدین کے بعد۔ ہاں رخصت کے وقت سلام جائز اور مسنون ہے۔

گھر میں داخل ہوتے یا نکلتے وقت سلام کرو

﴿۲۴﴾وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ بَیْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَهْلِهٖ وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ. رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا

اور حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم گھر میں گھسو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو اور جب گھر سے باہر نکلو تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ذریعہ رخصت کرو۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح

"علی اهله" یعنی گھر میں داخل ہوتے وقت اور اسی طرح نکلتے وقت اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو داخل ہوتے وقت کا سلام تو امن وامان کی دعا ہے اور رخصت کے وقت کا سلام دیانت وامانت کی دعا ہے لیکن بیوی کو سلام کرنے سے پہلے اسکو سمجھا دینا چاہئے کہ اس طرح سلام کرنا سنت طریقہ ہے اگر ایسا نہ کیا تو خطرہ ... کہ بیوی یہ خیال کر یگی کہ آج تو میاں مجھے سلام کرنے لگا ہے کل سجدہ کریگا۔

"فاو دعوا" یعنی گھر والوں کو الوداعی سلام کر کے گھر سے باہر جاؤ۔
اس مطلب کے پیش نظر یہ صیغہ وداع سے ہوگا جو رخصت کرنے کے معنی میں ہے لیکن شیخ عبدالحق ؒ نے لکھا ہے کہ اودعوا ایداع سے ہے جو امانت رکھنے کے معنی میں ہے گویا یہ شخص اپنے سلام کے ذریعہ سے اپنے اہل وعیال اور اپنے مال کو اپنے گھر میں بطور امانت رکھ کر جا رہا ہے یہ مطلب بعید ہے۔

﴿۲۵﴾ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَابُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بیٹے جب تم اپنے گھر والوں سے ملو تو سلام کرو وہ سلام تم پر اور تمہارے گھر والوں پر خیر و برکت کے نزول کا باعث ہوگا۔ (ترمذی)

کلام سے پہلے سلام کرنا چاہئے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ مُنْكَرٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام کلام سے پہلے ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

توضیح

سلام کا جو مقصد ابتدا میں لکھا گیا ہے اس کے پیش نظر دو آدمیوں کی ملاقات میں سب سے پہلے سلام کا لفظ ہونا چاہئے تاکہ طرفین کی سلامتی کی ضمانت فراہم ہوجائے اس کے بعد دیگر کلام کا آغاز کرنا چاہئے۔ بعض لوگ پہلے دوسری باتیں کرتے ہیں اور پھر سلام کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے جیسے ریڈیو پاکستان میں خبروں کا آغاز اس طرح کرتے ہیں یہ ریڈیو پاکستان ہے السلام علیکم۔ اسی طرح بعض قومیں خوش آمدید، مرحبا اور اھلا وسھلا اور بخیر راغلے کے الفاظ پہلے استعمال کرتے ہیں پھر سلام کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ پہلے سلام ہو پھر کلام ہو۔

سلام میں جاہلیت قدیمہ وجدیدہ کی تقلید ناجائز ہے

﴿۲۷﴾ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَاَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْاِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں یہ کہا کرتے تھے "انعم اللہ بک عینا وانعم

صباحا" یعنی خدا تمہاری وجہ سے آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے اور تم ہر صبح نعمتوں میں داخل ہو۔ پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہمیں یہ کہنے سے منع کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

اسلام سے پہلے جاہلیت کے لوگ مل ملاقات کے وقت مختلف اوقات کے لئے کچھ کلمات کہا کرتے تھے ان میں ایک کلمہ "انعم الله بک عیناً" تھا اور دوسرا کلمہ "انعم صباحاً" تھا دونوں میں خوشحالی اور تر و تازگی کی دعا تھی اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطہ حیات ہے اس لئے اس نے اپنے ماننے والوں کو کسی غیر کی طرف محتاج نہیں بنایا ہے بلکہ اپنے مل ملاقات کے اسلامی طریقے وضع کر کے دیئے ہیں مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل اسلام سے بیزار مسلمانوں نے جاہلیت جدیدہ کے طور طریق کو اپنے لئے فخر کا ذریعہ بنایا ہے جاہلیت جدیدہ میں صبح کے لئے گڈ مارننگ اور شام کے لئے گڈ ایوننگ اور دوسرے اوقات کے لئے دوسرے الفاظ استعمال کرتے ہیں یہ تقلید غلط ہے جو قومیں اپنی حدود میں اپنی روایات اور حرکات سے خود تنگ آچکے ہیں ہم خوشی سے اس کو اپناتے ہیں اور فخر کرتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ ؎

اپنے خورشید میں پھیلا دیئے سائے ہم نے ۔۔۔ مانگتے پھرتے ہیں اغیار سے مٹی کے چراغ

غائبانہ سلام اور اس کا جواب

﴿۳۸﴾ وَعَنْ غَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِيْ أَبِيْ عَنْ جَدِّيْ قَالَ بَعَثَنِيْ أَبِيْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتِهِ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَبِيْ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلَى أَبِيْكَ السَّلَامُ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ

اور حضرت غالب کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ مجھ سے میرے باپ نے اور ان سے ان کے باپ (یعنی میرے دادا نے) بیان کیا کہ مجھ کو میرے باپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے ہوئے کہا کہ تم آنحضرتؐ کے پاس جاؤ اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کرو میرے دادا نے بیان کیا ہے کہ میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے باپ نے آپ کو سلام عرض کیا ہے آنحضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ تم پر اور تمہارے باپ پر سلامتی ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح

اگر کوئی شخص دور سے کسی کا سلام کسی شخص کے لئے لائے اور اس پر پیش کرے تو اس کا جواب کس طرح دینا چاہئے اس کی تعلیم اس حدیث میں دی گئی ہے کہ اس کے جواب میں "وعلیک وعلیه السلام" یا اس شخص کا نام لیکر "وعلیک وعلی ابیک

السلام" کہا کرے اس طرح اسلام نے سلام لانے والے اور بھیجنے والے دونوں کو سلام کے جواب میں شریک کر دیا ہے۔

خطوط میں سلام لکھنے کا طریقہ

﴿۲۹﴾وَعَنْ اَبِی الْعَلاَءِ الْحَضْرَمِیِ اَنَّ الْعَلاَءَ الْحَضْرَمِیَّ کَانَ عَامِلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ اِذَا کَتَبَ اِلَیْهِ بَدَاَ بِنَفْسِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوالعلاء حضرمیؒ کہتے ہیں کہ علاء حضرمی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عامل مقرر تھے جب وہ آنحضرت کو خط لکھتے تو اپنی طرف سے شروع کرتے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ابی العلاء الحضرمی" حضرمی نسبت ہے حضرموت کی طرف اور حضرموت یمن کے مشہور شہر کا نام ہے حضرت العلاالحضرمی اسی شہر کی طرف منسوب ہیں یہ جلیل القدر صحابی ہیں آنحضرت نے ان کو بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا پھر حضرت صدیق وعمر کے دور میں بھی آپ گورنر رہے بڑے مجاہد تھے ان کے ہاتھ پر بڑی کرامات ظاہر ہوئیں مشکوۃ کے نسخوں میں عن ابی العلا الحضرمی کے الفاظ ہیں بعض نسخوں میں عن ابن العلاء الحضرمی ان العلا الحضرمی کے الفاظ آئے ہیں یہی واضح اور قابل فہم ہیں اس حدیث میں حضرت علاء حضرمی کے خط کے الفاظ میں ان کا نام پہلے ہے اور اس کے بعد آنحضرت کا نام ہے اور پھر سلام ہے خطوط میں سلام کے لکھنے کا یہی مسنون طریقہ ہے آنحضرتؐ نے بھی اسی طرز کو اختیار فرمایا ہے۔

خط لکھ کر اس پر مٹی چھڑکنے کی وجہ

﴿۳۰﴾وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا کَتَبَ اَحَدُکُمْ کِتَابًا فَلْیُتَرِّبْهُ فَاِنَّهٗ اَنْجَحُ لِلْحَاجَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ مُنْکَرٌ

اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) خط لکھے تو چاہے کہ وہ خط (لکھنے کے بعد) اس پر مٹی ڈال دے یا مٹی چھڑک کر جھاڑ دے کیونکہ یہ چیز حاجت براری کیلئے بہت کارآمد ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔

توضیح

"فلیتربه" یعنی خط لکھنے کے بعد اس خط کو خاک آلود کر دو۔ خط کو خاک آلود کرنے کی مصلحت میں علماء نے مختلف باتیں لکھی

ہیں۔پہلی بات یہ لکھی ہے کہ پہلے زمانہ میں قلم اور دوات کے ساتھ خط لکھا جاتا تھا قلم کی سیاہی خط لکھنے کے بعد بھی گیلی رہتی تھی اگر کاغذ کو لپیٹ لیا جاتا تو لکھا ہوا خط مٹ جاتا اس لئے خط کے حروف سکھانے کے لئے لوگ اس پر باریک غبار ڈالتے تھے آنحضرتؐ نے بھی اسی چیز کی تعلیم دی ہے کہ اس طرح کرو تمہاری حاجت بہت جلد پوری ہو جائے گی حدیث کا یہ مطلب بہت واضح ہے اور سمجھنے کے اعتبار سے بالکل آسان ہے۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس خط کو لکھنے کے بعد مٹی پر رکھدو اور کہدو کہ اس کے مضمون میں جو درخواست ہے اس حاجت اور ضرورت کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ خط کچھ نہیں کر سکتا ہے یہ تو صرف ایک ذریعہ ہے جو استعمال کیا گیا ہے بہر حال علماء نے اس حدیث کو منکر قرار دیا ہے۔

مضمون کے تسلسل کے لئے قلم کان پر رکھنا چاہئے

﴿۳۱﴾وَعَنْ زَيْدِبْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ يَدَيْهِ كَاتِبٌ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ ضَعِ الْقَلَمَ عَلٰى اُذُنِكَ فَاِنَّهُ اَذْكَرُ لِلْمَآلِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِهٖ ضُعْفٌ

اور حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؐ کے سامنے ایک لکھنے والا بیٹھا ہوا تھا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ قلم کو اپنے کان پر رکھ لو کیونکہ یہ چیز مطلب کو بہت یاد دلاتی ہے، امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔

ضرورت کے تحت غیر مسلموں کی زبان سیکھنا جائز ہے

﴿۳۲﴾وَعَنْهُ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ اَمَرَنِيْ اَنْ اَتَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَقَالَ اِنِّيْ مَا اٰمَنُ يَهُوْدَ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ فَمَامَرَّبِيْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُ فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَاِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت زید ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں یہودیوں سے خط وکتابت کرنا سیکھ لوں نیز آپ نے فرمایا کہ خط وکتابت کے معاملہ میں مجھے یہودیوں پر اطمینان نہیں ہوتا، زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد) آدھا مہینہ بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ میں نے (یہودیوں کی زبان سیکھ لی اور ان سے خط وکتابت کرنا) سیکھ لیا چنانچہ جب آنحضرتؐ یہودیوں کو کوئی مکتوب بھیجنا چاہتے تو اس کو میں ہی لکھتا اور جب یہودی آپؐ کے پاس کوئی مکتوب

بھیجتے تو اس کو آپ کی خدمت میں میں ہی پڑھتا۔ (ترمذی)

توضیح

"السریانیة" تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی لیکن یہود عبرانی اور سریانی دونوں کو استعمال کرتے تھے اور یہ دونوں زبانیں قریب قریب تھیں آنحضرت کو بعض دفعہ کسی کو خط لکھنا پڑتا تو سریانی میں ضرورت پڑتی یا سریانی میں لکھا ہوا خط آتا تو آنحضرت اس کے پڑھنے اور لکھنے دونوں میں یہود سے استفادہ فرماتے لیکن یہود پر اعتماد واعتبار نہیں تھا یہ احتمال تھا کہ وہ کچھ کے بجائے کچھ کہدے اور کچھ لکھدے اس لئے آنحضرت نے زید کو حکم دیا کہ تم سریانی اور یہود کی زبان میں لکھنا سیکھ لو ان کے ذہن پر شاباش ہو کہ نصف ماہ پندرہ دن سے بھی کم میں آپ نے یہ زبان سیکھ لی اور اس میں لکھنا شروع کر دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلم معاشرہ میں ہر قسم کے افراد کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمان کسی شعبہ میں غیر مسلموں کی طرف محتاج نہ ہوں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا اپنا حجام ہونا چاہئے اپنا طبیب ہونا ضروری ہے اپنا لوہار چاہئے اپنا انجینئر وغیرہ وغیرہ۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ضرورت کے تحت غیر مسلموں کی زبان سیکھنا جائز ہے۔

ملاقات اور رخصت کے وقت سلام کرو

﴿۳۳﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَانْتَهٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں پہنچے تو (پہلے) سلام کرے اور پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، نیز جب کھڑا ہو تو اس وقت بھی سلام کرے کیونکہ پہلا سلام کرنا دوسرے سلام کرنے سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔ (ترمذی وابوداؤد)

راستہ میں بیٹھنے کا حق ادا کرو

﴿۳۴﴾وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاخَیْرَ فِیْ جُلُوْسٍ فِی الطُّرُقَاتِ اِلَّامَنْ هَدَی السَّبِیْلَ وَرَدَّ التَّحِیَّةَ وَغَضَّ الْبَصَرَ وَاَعَانَ عَلَی الْحَمُوْلَةِ. رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ جُرَیٍّ فِیْ بَابِ فَضْلِ الصَّدَقَةِ شَرْحُ السُّنَّةِ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستوں پر بیٹھنا کوئی اچھا کام نہیں ہے ہاں جو شخص (راستہ بھولے ہوئے یا اندھے کو) راستہ بتلائے۔ سلام کا جواب دے۔ (حرام چیزوں کو دیکھنے سے) آنکھوں کو بند رکھے اور اس شخص کی مدد کرے جو بوجھ لادے ہوئے ہو تو ایسے شخص کا راستہ پر بیٹھنا گوارا ہے۔ شرح السنۃ اور ابی جری کی روایت باب فضل الصدقۃ میں نقل کی جا چکی ہے۔

"الحمولة" یہ اس جانور کو کہتے ہیں جس پر بوجھ لادا جاتا ہے مطلب یہ کہ راستہ میں بیٹھنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے کہ وہ یہ کام بھی کرے کہ کسی مجبور شخص کے ساتھ مدد کر کے اس کی سواری پر اس کا سامان لاد کر رکھے اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو فضول راستہ میں نہ بیٹھا کرے۔

الفصل الثالث

سلام کی ابتداء حضرت آدمؑ نے کی

﴿۳۵﴾عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ وَنَفَخَ فِيْهِ الرُّوْحَ عَطَسَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ بِاِذْنِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ يَا اٰدَمُ اذْهَبْ اِلٰى اُولٰٓئِكَ الْمَلَائِكَةِ اِلٰى مَلَاءٍ مِنْهُمْ جُلُوْسٍ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ قَالُوْا عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى رَبِّهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ بَنِيْكَ بَيْنَهُمْ فَقَالَ لَهُ اللّٰهُ وَيَدَاهُ مَقْبُوْضَتَانِ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ فَقَالَ اخْتَرْتُ يَمِيْنَ رَبِّيْ وَكِلْتَا يَدَيْ رَبِّيْ يَمِيْنٌ مُبَارَكَةٌ ثُمَّ بَسَطَهَا فَاِذَا فِيْهَا اٰدَمُ وَذُرِّيَّتُهٗ فَقَالَ اَيْ رَبِّ مَا هٰؤُلَاءِ قَالَ ذُرِّيَّتُكَ فَاِذَا كُلُّ اِنْسَانٍ مَكْتُوْبٌ عُمْرُهٗ بَيْنَ عَيْنَيْهِ فَاِذَا فِيْهِمْ رَجُلٌ اَضْوَءُهُمْ اَوْ مِنْ اَضْوَءِهِمْ قَالَ يَارَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُكَ دَاوٗدُ وَقَدْ كَتَبْتُ لَهٗ عُمْرَهٗ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ يَارَبِّ زِدْ فِيْ عُمْرِهٖ قَالَ ذَالِكَ الَّذِيْ كَتَبْتُ لَهٗ قَالَ اَيْ رَبِّ فَاِنِّيْ قَدْ جَعَلْتُ لَهٗ مِنْ عُمْرِيْ سِتِّيْنَ سَنَةً قَالَ اَنْتَ وَذَاكَ قَالَ ثُمَّ سَكَنَ الْجَنَّةَ مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اُهْبِطَ مِنْهَا وَكَانَ اٰدَمُ يَعُدُّ لِنَفْسِهٖ فَاَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ قَالَ لَهٗ اٰدَمُ قَدْ عَجِلْتَ قَدْ كُتِبَ لِيْ اَلْفُ سَنَةٍ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنَّكَ جَعَلْتَ لِاِبْنِكَ دَاوٗدَ سِتِّيْنَ سَنَةً فَجَحَدَ فَجَحَدَتْ ذُرِّيَّتُهٗ وَنَسِيَ فَنَسِيَتْ ذُرِّيَّتُهٗ قَالَ فَمِنْ يَوْمِئِذٍ اُمِرَ بِالْكِتَابِ وَالشُّهُوْدِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو بنایا اور ان کے جسم میں روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق و اجازت سے خدا کی حمد کی۔ اللہ

تعالیٰ نے ان (کی حمد) کے جواب میں فرمایا یرحمک اللہ یعنی تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اور پھر فرمایا کہ آدم فرشتوں کی اس جماعت کے پاس جاؤ جو وہاں بیٹھی ہوئی ہے اور کہو السلام علیکم چنانچہ حضرت آدمؑ ان فرشتوں کے پاس گئے اور ان کو سلام کیا فرشتوں نے (جواب میں) کہا کہ علیک السلام ورحمۃ اللہ اس کے بعد حضرت آدم اپنے پروردگار کے پاس آئے (یعنی اس جگہ لوٹ کر آئے جہاں پروردگار نے ان سے کلام کیا تھا) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی دعا ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو دیں گے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا درآنحالیکہ اس کے دونوں ہاتھ بند تھے کہ ان دونوں ہاتھوں میں سے جس کو چاہو پسند کرلو حضرت آدمؑ نے کہا کہ میں نے اپنے پروردگار کے داہنے ہاتھ کو پسند کرلیا اور میرے پروردگار کے دونوں ہاتھ داہنے بابرکت ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس ہاتھ کو کھولا تو حضرت آدم نے کیا دیکھا کہ اس میں آدم اور آدم کی اولاد کی صورتیں تھیں انہوں نے پوچھا کہ پروردگار یہ کون ہیں؟ پروردگار نے فرمایا یہ تمہاری اولاد ہے۔ حضرت آدمؑ نے یہ بھی دیکھا کہ ہر مسلمان کی عمر اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی ہے پھر انکی نظر ایک ایسے انسان پر پڑی جو سب سے زیادہ روشن تھا یا ان میں کے روشن ترین لوگوں میں سے ایک تھا حضرت آدم نے پوچھا کہ میرے پروردگار یہ کون ہے؟ پروردگار نے فرمایا یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے اور میں نے اس کی عمر چالیس سال لکھی ہے حضرت آدم نے کہا کہ پروردگار اس کی عمر کچھ اور بڑھادے پروردگار نے فرمایا یہ وہ چیز ہے جس کو میں اس کے حق میں لکھ چکا ہوں۔ حضرت آدمؑ نے کہا کہ پروردگار (اگر اس کی عمر لکھی جا چکی ہے تو میں اپنی عمر سے ساٹھ سال اس کو دیتا ہوں پروردگار نے فرمایا تم جانو اور تمہارا کام جانے یعنی اس معاملہ میں تم مختار ہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت آدم جنت میں رہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اور پھر ان کو (جنت سے) زمین پر اتارا گیا اور حضرت آدمؑ برابر اپنی عمر کے سالوں کو گنتے رہے (یہاں تک کی ان کی عمر نو سو چالیس سال ہوئی تو) موت کا فرشتہ (روح قبض کرنے کے لئے) ان کے پاس آیا۔ حضرت آدم نے اس سے کہا کہ تم نے جلدی کی میری عمر تو ایک ہزار سال کی مقرر کی گئی ہے فرشتے نے کہا کہ (یہ صحیح ہے) لیکن آپ نے اپنی عمر کے ساٹھ سال اپنے بیٹے داؤد کو دیدیئے ہیں۔ حضرت آدم نے اس سے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی انکار کرتی ہے نیز حضرت آدم (اس ممانعت کو) بھول گئے تھے (جو حق تعالیٰ کی طرف سے مشہور درخت کا پھل کھانے سے متعلق تھی اور ان کی اولاد بھی بھولی تھی) آنحضرتؐ نے فرمایا اس دن سے لکھنے اور گواہ بنانے کا حکم دیا گیا۔ (ترمذی)

توضیح

"اضوء" یعنی سب سے زیادہ چمکدار اور روشن تھے یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی جزئی فضیلت تھی اور شاید حضرت آدمؑ کا ان کی طرف متوجہ ہونا وہ قلبی میلان اور مناسبت ہو جو دونوں میں خلافت ارضی کی وجہ سے تھی کیونکہ حضرت آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ الگ رکھا اور خلافت کا الگ رکھا، حضرت داؤدؑ میں اللہ تعالیٰ نے پھر یہ سلسلہ جمع فرمادیا اسی طرح ان کے بعد بھی نبوت کے ساتھ خلافت کا عہدہ اکٹھا کیا گیا۔

"ستین سنة" یہاں ساٹھ سال دینے کی بات ہے جبکہ مشکوٰۃ ج ا ص ۳۲۵ باب الایمان بالقدر میں چالیس سال کا ذکر آیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ چالیس سال دینے والی بات زیادہ واضح اور راجح ہے ساٹھ سال کی بات کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے۔ یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عمر دیکر پھر انکار کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قصد وارادہ سے یہ انکار نہیں کیا بلکہ مرور دھور کی وجہ سے آپ بھول گئے تھے۔ "فنسی ولم نجدله عزه"

﴿۳۶﴾ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ

اور حضرت اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں کے پاس سے گزرے جب کہ ہم کچھ عورتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ نے ہمیں سلام کیا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

سلام کے ثواب کے حصول کے لئے بازار کا چکر لگانا

﴿۳۷﴾ وَعَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهُ كَانَ يَاْتِي ابْنَ عُمَرَ فَيَغْدُوْ مَعَهُ اِلَى السُّوْقِ قَالَ فَاِذَا غَدَوْنَا اِلَى السُّوْقِ لَمْ يَمُرَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ عَلٰى سِقَاطٍ وَلَا عَلٰى صَاحِبِ بَيْعَةٍ وَلَا مِسْكِيْنٍ وَلَا عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا سَلَّمَ عَلَيْهِ قَالَ الطُّفَيْلُ فَجِئْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِيْ اِلَى السُّوْقِ فَقُلْتُ لَهُ وَمَا تَصْنَعُ فِي السُّوْقِ وَاَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَى الْبَيْعِ وَلَا تَسْئَالُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُ بِهَا وَلَا تَجْلِسُ فِيْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا هٰهُنَا نَتَحَدَّثُ قَالَ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ يَا اَبَابَطْنٍ قَالَ وَكَانَ الطُّفَيْلُ ذَا بَطْنٍ اِنَّمَا نَغْدُوْ مِنْ اَجْلِ السَّلَامِ نُسَلِّمُ عَلٰى مَنْ لَقِيْنَاهُ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

اور حضرت طفیل ابن ابی ابن کعب سے روایت ہے کہ وہ حضرت (عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور پھر صبح کے وقت ان کے ساتھ بازار جایا کرتے تھے حضرت طفیل کہتے ہیں کہ جب ہم صبح کے وقت بازار میں جاتے تو حضرت عبداللہ ابن عمر جس سقاطی، جس بیچنے والے، جس مسکین اور جس کسی شخص کے پاس سے گزرتے تو اس کو سلام کرتے حضرت طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ ابن عمر کے پاس آیا اور وہ مجھ کو اپنے ہمراہ بازار لے جانے لگے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ بازار جا کر کیا کریں گے آپ نہ تو کسی خرید وفروخت کی جگہ ٹھہرتے ہیں اور نہ کسی بیچی جانے والی چیز کے بارے میں دریافت کرتے ہیں نہ تو مول تول اور کوئی سودا کرتے ہیں اور نہ بازار کی کسی مجلس میں شریک ہوتے ہیں (لہذا بازار جانے سے اچھا تو یہی ہے کہ) آپ ہمارے ساتھ یہیں بیٹھیں تا کہ کچھ باتیں ہی کریں حضرت طفیل کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے (یہ سنکر)

مجھ سے کہا کہ اے بڑے پیٹ والے راوی کا بیان ہے کہ طفیل کا پیٹ بڑا تھا (کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم خرید وفروخت کرنے یا کسی اورغرض سے بازار جایا کرتے ہیں نہیں بلکہ) ہم صرف سلام کرنے کی غرض سے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو سلام کرتے ہیں جو ہم کوملتا ہے اوراس طرح ہم بازار جا کرثواب حاصل کرتے ہیں۔ (مالک، بیہقی)

توضیح

"فاستبعنی" یعنی مجھے ساتھ لیااور بازار روانہ ہو گئے۔ "لاتقف" یعنی کسی بیع پر خرید وفروخت کے لئے کھڑے نہیں ہوتے ہو؟ "ولاتسوم" یعنی سودا بھی کرتے ہو تو صرف گھومنے سے کیا فائدہ ہے یہاں مسجد میں بیٹھ جائیں اور اس میں حدیث پڑھ پڑھ کر ہمیں سنائیں۔ "سقاطی" کباڑ مال میں کاروبار کرنے والا۔ "یاابابطن" یعنی اے پیٹ والے، جس آدمی کا پیٹ بڑا ہو اس کو ابو بطن کہتے ہیں جس طرح یہاں کہا گیا ہے لیکن علم کے زیادہ شوقین آدمی کو بھی ابو بطن کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس وجہ سے ان کو ابو بطن کہدیا ہو اس میں کوئی منافات نہیں حضرت علی کو بھی علم کی کثرت کی وجہ سے شیخ بطین کہتے ہیں۔

سلام میں بخل کرنے والا بڑا بخیل ہے۔

﴿۳۸﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰى رَجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِفُلَانٍ فِيْ حَائِطِيْ عَذْقٌ وَاِنَّهٗ قَدْ اٰذَانِيْ مَكَانُ عَذْقِهٖ فَاَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ بِعْنِيْ عَذْقَكَ قَالَ لَاقَالَ فَهَبْ لِيْ قَالَ لَاقَالَ فَبِعْنِيْهِ بِعَذْقٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ لَافَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَارَاَيْتُ الَّذِيْ هُوَاَبْخَلُ مِنْكَ اِلَّاالَّذِيْ يَبْخَلُ بِالسَّلَامِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے باغ میں فلاں شخص کے کھجور کا درخت ہے اور صورت حال یہ ہے کہ وہاں اس درخت کے ہونے سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس شخص کے پاس بھیجا تا کہ اس کو بلا لائے جب وہ آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنا کھجور کا درخت میرے ہاتھ فروخت کردو اس نے کہا کہ میں فروخت نہیں کرتا آپؐ نے فرمایا کہ (اگر اس درخت کو بیچنے میں تمہیں کوئی عار محسوس ہوتا ہے تو) اس کو میرے نام ہبہ کردو، اس نے کہا میں ہبہ بھی نہیں کرتا، آپؐ نے فرمایا کہ اچھا اس درخت کو تم میرے ہاتھ کھجور کے ایسے درخت کے عوض فروخت کردو جو تمہیں جنت میں ملے اس نے کہا کہ اس طرح بھی فروخت کرتا نہیں آپؐ نے فرمایا میں نے تم سے بڑا بخیل کسی شخص کو نہیں دیکھا علاوہ اس شخص کے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے یعنی سلام کے معاملہ میں کوتاہی کرنے والا شخص تم سے بھی بڑا بخیل ہے کہ وہ اتنا ذرا سا کام کر کے بھی زیادہ ثواب حاصل نہیں

کرنا چاہتا۔(احمد، بیہقی)

توضیح

سلام میں کچھ خرچ نہیں ہوتا زبان کے چند کلمات ہیں جس کا فائدہ بہت زیادہ ہے اس میں بخل کرنے والا واقعی بڑا بخیل ہے۔ "عذق" کھجور کے درخت کو عذق کہا گیا ہے۔اس شخص کی عجیب حالت تھی کہ آنحضرت نے ان سے درخت خریدنا چاہا اس نے انکار کیا پھر آپ نے بطور عطیہ مانگ لیا اس نے پھر انکار کیا پھر آپ نے اس کے عوض جنت میں کھجور کے درخت کا وعدہ فرمایا اس نے پھر انکار کیا تو آنحضرت نے فرمایا کہ اس شخص سے دنیا میں کوئی بھی بڑا بخیل نہیں ہے ہاں سلام میں جو شخص بخل کرے وہ اس سے بڑا بخیل ہے اس شخص کی طبیعت میں سختی تھی راجح یہ ہے کہ مسلمان تھا بس "وخلق الانسان ضعیفا"

سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے

﴿۳۹﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبْرِ . رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَان .

اور حضرت عبداللہ ابن مسعود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہے۔(بیہقی)

توضیح

"البادی" یا تو راستے میں دو ساتھیوں کے ملنے پر جو آدمی سلام میں پہل کرتا ہے وہ مراد ہے کہ اس میں کوئی تکبر نہیں ہوتا ہے۔یا اس سے مراد ایسے دو شخص ہیں جو ایک دوسرے سے ناراض ہوں اور ملاقات پر ایک نے سلام میں پہل کیا اور باتوں کو کھول دیا تو اس کے سارے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اور یہ تکبر سے بھی خالی ہے۔پہلا مفہوم زیادہ عام ہے۔

یہ سطور میں مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے سامنے لکھ رہا ہوں الحمد للہ ثم الحمد للہ ۹ رمضان ۱۴۲۶ھ

[illegible] ۱۴۱۸ھ

باب الاستیذان

اجازت لینے کا بیان

قال اللّٰه تعالیٰ ﴿یاایھاالذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیربیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا﴾

اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل مذہب اور عالمی قانون ہے اس لئے اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے تمام مسائل کے حل کی بہترین ضمانت دی گئی ہے اسی سلسلہ میں انسانی معاشرت کے مسائل میں سے ایک دوسرے کے گھر میں آنے جانے کا مسئلہ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے ﴿یاایھاالذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیربیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھافان لم تجدوا فیھا احدا فلاتدخلوھا حتی یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھوازکی لکم واللّٰه بماتعملون علیم﴾ (سورۃ نور ۲۷،۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور استیذان دونوں کو جمع فرمایا ہے۔ ادب وتہذیب کا تقاضا ہے کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو کیونکہ اس سے بہت سارے نقصانات واقع ہو سکتے ہیں اسی وجہ سے شریعت نے اس امر کو مستحب قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر جانا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ پہلے جا کر گھر کے سامنے کھڑا ہو جائے اور پھر اندر داخل ہونے کی اجازت مانگ لے، اگر گھر کے مالک پر پہلے نظر پڑے تو سلام کرے اور پھر اس طرح اجازت مانگے "أَأَدْخُلُ" کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟

اگر گھر کا مالک گھر پر نہ ہو یا نظر نہیں آرہا ہے تو تین دفعہ السلام علیکم کے الفاظ سے سلام کہدے اور پھر واپس چلا جائے اسی طرح اگر گھر کا مالک گھر پر موجود ہے لیکن اس نے کہدیا کہ بھائی میں مصروف ہوں واپس چلے جاؤ تو اس آنے والے شخص کو چاہئے کہ واپس چلا جائے چونکہ استیذان اجازت مانگنے کے معنی میں ہے تو گھر کے مالک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اجازت دے یا نہ دے اجازت دینا آنے والے شخص کا کوئی جبری حق نہیں ہے بلکہ آنے والے شخص کے لئے یہ بہتر واطہر اور پاکیزہ طریقہ ہے کہ کسی شکایت یا عداوت کے بغیر واپس چلا جائے قرآن کا اعلان ہے ﴿ھوازکی لکم﴾ سبحان اللہ اسلام کیا ہی پاکیزہ نظام دیتا ہے۔

الفصل الاول

تین بار سلام پر اگر اجازت نہ ملی تو واپس جاؤ

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اَتَانَا اَبُوْمُوْسٰی قَالَ اِنَّ عُمَرَ اَرْسَلَ اِلَیَّ اَنْ اٰتِیَهٗ فَاَتَیْتُ بَابَهٗ

فَسَلَّمْتُ ثَلَاثًا فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ فَرَجَعْتُ فَقَالَ مَامَنَعَكَ اَنْ تَاْتِيَنَا فَقُلْتُ اِنِّي اَتَيْتُ فَسَلَّمْتُ عَلٰى بَابِكَ ثَلَاثًا فَلَمْ تَرُدُّوْا عَلَيَّ فَرَجَعْتُ وَقَدْ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَأْذَنَ اَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ فَقَالَ عُمَرُ اَقِمْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةَ قَالَ اَبُوْسَعِيْدٍ فَقُمْتُ مَعَهٗ فَذَهَبْتُ اِلٰى عُمَرَ فَشَهِدْتُّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابوموسی اشعریؓ ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ نے میرے پاس ایک شخص کو بھیج کر مجھے بلا بھیجا تھا جب میں حسب طلب ان کے دروازے پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کیلئے تین مرتبہ سلام کیا تو مجھ کو سلام کا جواب نہیں ملا چنانچہ میں واپس چلا آیا پھر (بعد میں ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے مجھ سے پوچھا کہ میرے پاس آنے سے تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ میں نے کہا کہ میں آپ کے پاس آیا تھا اور آپؓ کے دروازے پر کھڑے ہو کر تین مرتبہ سلام کیا لیکن آپ نے اس کا جواب نہیں دیا اور نہ آپ کے کسی خادم نے جواب دیا لہذا میں واپس آ گیا کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کے گھر جائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر) تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو چاہئے کہ واپس چلا آئے حضرت عمر نے یہ سن کر) فرمایا کہ اس حدیث کے گواہ لاؤ یعنی اس حدیث کے صحیح ہونے پر گواہ پیش کرو کہ یہ آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوموسی اشعری کے ساتھ (چلنے کے لئے) کھڑا ہوا اور حضرت عمرؓ کے پاس جا کر گواہی دی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"مامنعک" یعنی آپ کو میں نے بلایا تھا تو کس چیز نے آپ کو میرے پاس آنے سے روکا تھا؟ "اقم علیه بینة" یعنی جو حدیث آپ نے بیان کی ہے اب اس پر گواہ پیش کرو کہ یہ واقعی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے یا نہیں؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ کثرت سے احادیث بیان کرنے لگے ہیں تو آپ نے احادیث بیان کرنے میں احتیاط کے پیش نظر یہ قانون بنایا تھا کہ جو شخص حدیث بیان کریگا اس پر لازم ہوگا کہ کم از کم ایک آدمی کو اس پر بطور گواہ پیش کرے کہ اس نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ واقعی مرفوع حدیث ہے یا نہیں ابتداء میں ایسا نہیں تھا بعد میں بطور احتیاط یہ قانون بنایا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ خبر واحد قابل اعتبار نہیں خبر واحد تو پھر بھی خبر واحد رہیگی یہ حضرت عمرؓ کی طرف سے احتیاط تھی تا کہ جھوٹے لوگ غلط حدیثیں گھڑنے کی جرأت نہ کر سکے۔

"فقلت انی" اصل عبارت اس طرح ہے "فقلت منعنی لانی" یہ حضرت عمرؓ کے سوال "مامنعک" کا جواب ہے۔

"قال ابو سعید" تفصیلی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت ابوموسی اشعریؓ پریشانی کے عالم میں صحابہ کی اس مجلس

میں پہنچ گئے جہاں حضرت ابی بن کعب بیٹھے ہوئے تھے ان حضرات نے دل لگی کے طور پر حضرت ابوموسیٰؓ کو مزید ڈرا دیا حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا میرے بھائیو میں پریشان ہوں میری مدد کرو اور جس نے یہ حدیث سنی ہو وہ میرے ساتھ چلا جائے حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ ہم اس مجلس میں سب سے چھوٹے صحابی کو آپ کے ساتھ بھیجیں گے تاکہ اس قصہ کو زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو مجلس میں سب سے چھوٹے حضرت ابوسعید خدری بیٹھے ہوئے تھے وہ حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ چلے گئے اور گواہی دیدی کہ واقعی یہ مرفوع حدیث ہے۔اس کے بعد حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ حضور اکرمؐ کے صحابہ کے لئے عذاب اور تکلیف کا سبب نہ بنیں حضرت عمرؓ نے فرمایا سبحان اللہ میں عذاب نہیں بننا چاہتا میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ لوگ حدیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیں۔

تین بار سلام کرنے میں پہلا سلام تعارف کے لئے ہوتا ہے دوسرا سلام اجازت کے لئے ہوتا ہے اور تیسرا سلام واپس چلے جانے کے لئے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود کا آنحضرتؐ سے قرب

﴿۲﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْنُکَ عَلَيَّ اَنْ تَرْفَعَ الْحِجَابَ وَاَنْ تَسْتَمِعَ سِوَادِيْ حَتّٰى اَنْهَاکَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میری طرف سے تمہیں یہ اجازت ہے کہ تم پردہ اٹھاؤ اور میری باتیں سنو تا آنکہ میں تمہیں منع نہ کردوں۔ (مسلم)

توضیح

"ان ترفع الحجاب" یعنی گھر کے دروازہ کا پردہ اٹھاؤ اور میری باتیں سنو "سوادی" ای سرازی یعنی ایسی پوشیدہ باتیں کہ اس کے کرنے کے وقت ایک جسم دوسرے کے جسم کے ساتھ لگ جائے تاکہ کوئی اور نہ سنے۔حضور اکرمؐ کے گھر کے دروازہ پر بوریہ کا پردہ تھا حضرت ابن مسعود کو یہ خصوصی حیثیت حاصل تھی کہ صرف پردہ اٹھائیں اور اندر جائیں ہاں اگر پردہ اٹھانے کے بعد حضور اکرمؐ نے داخل ہونے سے منع کردیا تو پھر اجازت نہیں ہوگی ورنہ صرف پردہ اٹھانا ہی اجازت تھی اس سے حضرت ابن مسعود کی شان عالی اور قرب نبوی کا خوب پتہ چلتا ہے عام نووارد صحابہ خیال کرتے تھے کہ حضرت ابن مسعود حضور اکرمؐ کے گھر کے افراد میں سے ایک فرد ہیں ہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ حضرت ابن مسعود کا یہ آنا جانا بیٹھک کی حد تک تھا ازواج مطہرات سے پردہ تو لازم تھا گھر کی بے پردگی کبھی نہیں ہوئی۔

اپنا تعارف غیر مبہم الفاظ میں کرنا چاہئے

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى اَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ مَنْ ذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا كَاَنَّهٗ كَرِهَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں ایک قرض کے معاملہ میں جو میرے باپ پر تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لئے دروازے کو کھٹکھٹایا، آپ نے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ہوں، آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ میں ہوں، میں ہوں، گویا آپ نے میرے اس طرح جواب دینے کو برا سمجھا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"فــي ديــن" حضرت جابر کے والد صاحب جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے لیکن آٹھ بچیوں کے علاوہ اپنے پیچھے بہت سارا قرض بھی چھوڑ گئے تھے۔ حضرت جابر اس سلسلہ میں انتہائی پریشان رہتے تھے آنحضرتؐ نے ان سے بہت تعاون بھی کیا اسی قرض کے سلسلہ میں حضرت جابر آنحضرت کے دروازہ پر آئے تھے کہ قرض خواہوں سے کچھ بات ہو جائے تا کہ وہ نرمی کریں یا قرض کی ادائیگی کی کوئی صورت بن جائے چنانچہ آنحضرت کی برکت سے یہ قرض اتر گیا اور تھوڑی سی کھجوروں میں برکت آگئی۔

"من ذا" اس لفظ سے حضورا کرمؐ نے آواز دینے والے کی تعیین و تمیز کا ارادہ کیا تھا آگے سے حضرت جابر نے "انا" کا لفظ استعمال کیا جس سے نہ تعیین ہو سکا اور نہ تمیز حاصل ہوئی اس پر آنحضرت نے نکیر فرمائی کہ انا انا کیا چیز ہے صاف الفاظ میں اپنا نام بتادو تا کہ ابہام دور ہو جائے انا کے لفظ کے استعمال کرنے سے تو ابہام اب تک باقی ہے پھر اس کے بولنے سے فائدہ کیا ہوا؟

آنحضرت نے حضرت جابر کی آواز پہچانی ہوگی مگر تعلیم امت کے لئے نکیر فرمائی بعض علماء کہتے ہیں کہ صرف دروازہ کھٹکھٹانے سے آنحضرت ناراض ہوئے کیونکہ اجازت کے لئے تو اسلام میں سلام اور استیذان مقرر ہے۔

اس حدیث سے ان لوگوں کو بھی تعلیم ملتی ہے جو ٹیلیفون کر کے باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اپنا نام نہیں بتاتے گویا ان کا خیال ہے کہ ان کی آواز دنیا کے سب لوگ پہچان لیتے ہیں یہ خام خیالی ہے صاف الفاظ میں کہنا چاہئے کہ میں معروف شاہ ہوں اور قطر سے بات کر رہا ہوں لفظ "انا انا" میں اگر آنحضرت کی نکیر اور ناراضگی کو اس طرح لیا جائے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ میں بھی میں ہوں یعنی میں میں سے تو کوئی تعارف حاصل نہیں ہو سکتا تو اس مطلب کا بھی امکان ہے اگرچہ میں نے کہیں لکھا ہوا نہیں دیکھا ہے۔

قاصد کے ساتھ آنے کے وقت مزید اجازت کی ضرورت نہیں

﴿۴﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ لَبَنًا فِیْ قَدَحٍ فَقَالَ اَبَاهِرٍّ اِلْحَقْ بِاَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ اِلَیَّ فَاَتَیْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَاَقْبَلُوْا فَاسْتَاْذَنُوْا فَاَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوْا. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (آپ کے گھر) میں داخل ہوا تو آپؐ نے گھر میں دودھ کا ایک پیالہ رکھا ہوا پایا آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ابوہریرہؓ اہل صفہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرے پاس بلا لاؤ، چنانچہ میں ان کے پاس جا کر ان کو بلا لایا جب وہ لوگ آئے تو دروازے پر رک کر اندر آنے کی اجازت چاہی آپؐ نے ان کو اجازت دی تو وہ اندر آگئے۔ (بخاری)

توضیح

"اهل صفة" حضرت ابوہریرہ مسجد نبوی میں آنحضرت کے مدرسہ صفہ کے طالب علم تھے صفہ میں کبھی اسی (۸۰) طالب علم رہتے تھے کبھی چار سو تک بڑھ جاتے کبھی کم ہو جاتے، ضرورت کے وقت جہاد کے لئے تیار رہتے تھے گویا یہ قطعہ منتظرہ کے مجاہدین تھے جو جہادی مدرسہ میں پڑھتے تھے حضرت ابوہریرہ انھیں میں سے ایک تھے خود بھوکے تھے دودھ کا پیالہ آگیا خوش ہوا کہ میں پی لوں گا مگر حضرت ابوہریرہ کو حکم ہوا کہ سب کو بلا لو قاصد کے ساتھ آکر انہوں نے گھر کے پاس اندر داخل ہونے کے لئے پھر اجازت مانگ لی شاید یہ اس وجہ سے مانگی کہ یہ حضرات دیر سے آگئے ہونگے یا شدت حیاء کی وجہ سے دروازہ کے پاس دوبارہ اجازت مانگی جو ایک استحبابی امر ہے۔ حدیث نمبر ۶ میں وضاحت ہے۔

الفصل الثانی

سلام کر کے اجازت مانگو

﴿۵﴾عَنْ کَلَدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ ابْنَ اُمَیَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ اَوْ جِدَایَةٍ وَضَغَابِیْسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَعْلَی الْوَادِیْ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَیْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ارْجِعْ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَاَدْخُلُ؟ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ

حضرت کلدہ ابن حنبلؓ کہتے ہیں کہ صفوان ابن امیہؓ نے میرے ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دودھ، ہرن کا بچہ اور ککڑی بھیجی اور اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی کنارہ پر (جس کو معلی کہتے ہیں) قیام پذیر تھے، کلدہ

کہتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں یونہی چلا گیا تو میں نے آنحضرت کی قیامگاہ میں داخل ہونے سے پہلے نہ سلام کیا اور نہ اندر آنے کی اجازت مانگی، چنانچہ آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ واپس جاؤ (یعنی یہاں سے نکل کر دروازہ پر جاؤ) اور وہاں کھڑے ہو کر) کہو کہ السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"جدایۃ" جدایہ ہرن کے اس چھوٹے بچے کو کہتے ہیں جو چھ ماہ کا ہو بھیڑ بکری کے بچے کو بھی جدایہ کہتے ہیں جیم پر کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہے۔ "ضغابیس" یہ ضغبوس کی جمع ہے ککڑی کو کہتے ہیں جو ایک فٹ سے زیادہ لمبے اور انگوٹھے کی طرح موٹے ہوتے ہیں اس کو پشتو میں ترہ کہتے ہیں۔ "اعلی الوادی" اس سے مکہ مکرمہ کے بالائی حصے مراد ہیں جس کو المعلاۃ کہتے ہیں۔ "ارجع" یعنی اجازت کے لئے اس شخص نے سلام نہیں کیا آنحضرت نے بطور تعلیم وتنبیہ اس کو واپس جانے کا حکم دیا اور پھر سلام کر کے آنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت لینے کے لئے سلام کرنا ضروری امر ہے۔

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ فَجَاءَ مَعَ الرَّسُوْلِ فَاِنَّ ذَالِكَ لَهُ اِذْنٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ رَسُوْلُ الرَّجُلِ اِلَى الرَّجُلِ اِذْنُهُ

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو بلایا جائے اور وہ اسی کے ساتھ چلا آئے جو اس کو بلانے گیا ہے تو اس کے ساتھ آنا ہی اس کے لئے اجازت ہے۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کسی شخص کا کسی شخص کو بلانے کے لئے اس کے پاس آدمی بھیجنا ہی اس کی طرف سے اجازت ہے۔

اجازت کے وقت دروازہ سے ہٹ کر کھڑا ہونا چاہئے

﴿۷﴾وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰى بَابَ قَوْمٍ لَمْ يَسْتَقْبِلِ الْبَابَ مِنْ تِلْقَاءِ وَجْهِهٖ وَلٰكِنْ مِنْ رُكْنِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ فَيَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَذَالِكَ اَنَّ الدُّوْرَ لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا سُتُوْرٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَنَسٍ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فِيْ بَابِ الضِّيَافَةِ.

اور حضرت عبداللہ ابن بسر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر جانے کیلئے اس کے دروازہ پر پہنچتے تو دروازہ کی طرف منہ کر کے کھڑے نہ ہوتے تا کہ گھر والوں پر نظر نہ پڑ جائے (بلکہ دائیں بائیں جانب کھڑے ہوتے اور پھر اجازت مانگنے کے لئے) فرماتے السلام علیکم اور دروازے کے سامنے کھڑے نہ ہونے کی وجہ یہ ہوا کرتی تھی کہ اس

زمانہ میں دروازوں پر پردے نہ پڑے ہوئے تھے۔ (ابوداؤد) اور انس کی یہ روایت قال علیہ الصلوٰۃ والسلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ باب الضیافۃ میں نقل کی جا چکی ہے

توضیح

"لم یستقبل" یعنی دروازہ کے مقابل کھڑا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب دروازہ کھل جائے گا تو اس طرح گھر کے اندر نظر پڑ سکتی ہے بلکہ دائیں بائیں کھڑا ہونا چاہئے جیسے تبلیغ والے اور ٹیوشن والے کرتے ہیں مفسد قسم کے لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بالکل بیچ میں کھڑے ہو کر اندر جھانکنے کی کوشش کرتے ہیں اس حدیث کے آخری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور اسلام میں مسلمانوں کے دروازوں پر پردے نہیں ہوتے تھے اور بعد کے دور میں پردے آگئے لہٰذا اگر نظر اندر پڑنے کا خطرہ نہ ہو تو پھر سامنے کھڑا ہونا منع نہیں ہوگا ممانعت کی اصل علت تو نظر کا اندر پڑنا ہے۔ البتہ نفس سنت پر عمل کرنے کی غرض سے سامنے کھڑا ہونا مناسب نہیں ہوگا۔

الفصل الثالث

گھر میں ماں بھی ہو پھر بھی اجازت مانگ کر جاؤ

﴿۸﴾ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلاً سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَسْتَاذِنُ عَلٰى اُمِّيْ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ رَجُلٌ اِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً قَالَ لاَ قَالَ فَاسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا. رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً

حضرت عطاء ابن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے میں بھی اجازت طلب کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی وقت اس کے جسم کے اعضاء کھلے ہوئے ہوں جو بیٹے کو بھی دیکھنا جائز نہیں ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں اس کے ساتھ ہی رہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کے پاس جانا چاہو تو اجازت حاصل کر کے جاؤ اس نے کہا کہ میں اپنی ماں کا خادم ہوں آپ نے فرمایا بہر صورت اجازت حاصل کر کے اس کے پاس جاؤ۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اپنی ماں کو برہنہ دیکھو؟ اس شخص نے کہا کہ ہرگز نہیں آپ نے فرمایا تو پھر اجازت حاصل کر کے اس کے پاس جایا کرو۔ اس روایت کو امام مالک نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح

"فاستأذن" یعنی گھر میں بسا اوقات عورتیں ایسی حالت میں بیٹھی رہتی ہیں جس میں کوئی آدمی پسند نہیں کرتا ہے کہ ان پر نظر پڑ جائے لہٰذا ہر صورت میں اجازت مانگ کر اندر جانا چاہئے اجازت کی صورت یہ بھی ہے کہ سلام کے علاوہ داخل ہوتے وقت آدمی کھنکار کر جائے جوتوں کی آہٹ بڑھا کر جائے یا دروازہ کو جھنکا دیکر جائے تا کہ اندر کی خواتین کو آنے والے کا اندازہ ہو جائے حدیث میں ماں کا ذکر ہے مراد وہ تمام عورتیں ہیں جو محارم کے قبیلے سے ہوں ہاں اگر گھر میں صرف بیوی ہو تو اس طرح اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کو اجازت کی ایک صورت

﴿۹﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ لِيْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدْخَلٌ بِاللَّيْلِ وَمَدْخَلٌ بِالنَّهَارِ فَكُنْتُ إِذَا دَخَلْتُ بِاللَّيْلِ تَنَحْنَحَ لِيْ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کو بھی اور دن کو بھی آیا جایا کرتا تھا، چنانچہ جب میں رات کے وقت حاضر ہوتا تو آپ مجھے اجازت دینے کے لئے کھنکھار دیتے تھے۔ (نسائی)

توضیح

"تنحنح لی" حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت علی کو رات کے وقت آنحضرت کے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت اس طرح ہوتی تھی کہ آنحضرت کھنکار لیتے تھے اس سے یہ امر معلوم نہ ہو سکا کہ دن کے وقت اجازت کی کونسی علامت مقرر تھی ممکن ہے کہ دن کے وقت حضرت علی کا کھنکھارنا اجازت کی علامت ہوتی تھی جس طرح کہ عام طریقہ یہی ہوتا ہے۔
اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ اس طرح کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت کا کھنکھارنا عدم اجازت کی دلیل تھی اس لئے حضرت علی فرماتے ہیں کہ آپ کے کھنکھارنے سے میں واپس چلا جاتا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ آنحضرت کا کھنکھارنا اجازت اور عدم اجازت دونوں کی علامت ہوتی تھی تاہم خارجی قرینہ سے معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ اجازت کی علامت ہے اور یہ عدم اجازت کی علامت ہے۔

﴿۱۰﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَأْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ.

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سلام سے پہل نہ کرے اس کو اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دو۔ (بیہقی)

باب المصافحة والمعانقة

مصافحہ اور معانقہ کا بیان

اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے مسائل کا حل اس میں موجود ہے مصافحہ کرنا مسلمانوں کی معاشرت کا ایک حصہ ہے اس لئے اسلام میں اس کے مسائل وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے مصافحہ صفحہ سے ہے صفحہ کسی چیز کی چوڑائی والے حصہ کو کہتے ہیں۔ چہرہ کے چوڑے حصہ کو بھی صفحہ کہتے ہیں درگزر اور اعراض کا معنی بھی صفحہ میں پڑا ہے تو مصافحہ کا مطلب یہ ہوا ایک ہاتھ کی چوڑائی کو دوسرے کے ہاتھ کی چوڑائی پر رکھنے کا نام مصافحہ ہے اس طرح ہاتھ رکھنے اور آپس میں ملنے سے درگزر کا معنی بھی پورا ہو جاتا ہے کیونکہ مصافحہ میں درگزر ہوتا ہے۔

اسلام میں سلام کرنے کا الگ مقام ہے اور مصافحہ کرنے کا الگ مقام ہے لیکن سلام مع المصافحة بھی اسلام میں مشروع ہے تا کہ ملاقات کا پورا حق ادا ہو جائے۔

مل ملاقات کے وقت دیگر اقوام کے بھی کچھ طریقے ہیں یہود انگلیوں سے ایک خاص طرز پر اشارہ کرتے ہیں اور عیسائی ہتھیلی سے سلیوٹ کرتے ہیں اسلام نے نہایت عمدہ طریقہ سکھایا ہے اور آنحضرت کا طریقہ سب سے عمدہ ہے کیونکہ۔

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک ☆ سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

مصافحہ دونوں ہاتھ سے کرنا علماء وصلحاء کی نشانی ہے اور یہ کامل سنت ہے لیکن غیر مقلدین اس سے بہت زیادہ ناراض ہوتے ہیں وہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

اگر سلف صالحین کے ہاں کبھی کبھار ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوا ہو تو وہ عام عادت نہیں تھی عام عادت جو منقول ہے اور جن کو علماء وصلحاء نے کامل سنت کہا ہے وہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ ہے جو متوارث چلا آیا ہے اگر چہ کسی صریح حدیث سے واضح طور پر اس کا ثبوت مجھے نہیں ملا ہے امام بخاری نے بخاری میں ایک عنوان قائم کر رکھا ہے لیکن وہ اخذ الید بالیدین ہے کہ آنحضرت نے حضرت ابن مسعود کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا اس سے استدلال کرنے کی کوشش کی جاتی ہے غیر مقلدین کے علاوہ وہ جزیرۂ عرب اور سعودی کے لوگ اور عام جنٹلمین لوگ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں۔

نماز جمعہ وعیدین اور پنجگانہ نمازوں کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کو علماء نے خلاف سنت بلکہ بدعت کہا ہے اور اس کو مکروہ لکھا ہے، کسی اجنبیہ جوان عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ جن کو دیکھنا جائز نہ ہو اس کا جسم چھونا بھی جائز نہیں ہے بوڑھی عورت سے سلام بوجہ عدم فتنہ جائز ہے۔

سلام کے بعد سینہ پر ہاتھ رکھنا کسی حدیث ونص سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ اغلاط عوام میں سے ہے اور عشاق کا طریقہ ہے شاعر ساحر کہتا ہے۔ ؎

حاولن تفدیتی وخفن مراقباً ☆ فوضعن ایدھن فوق ترائباً

"والمعانقة" سلام اور مصافحہ کے ساتھ معانقہ بھی اسلام میں جائز ہے معانقہ گردن کو گردن سے اور کچھ سینہ کو سینہ سے ملا کر ملنے کو کہتے ہیں کچھ لوگ اس کی ایک مکروہ شکل بناتے ہیں اور پیٹ کو جھٹکے دیتے ہیں یہ معانقہ نہیں بلکہ مباطنہ ہے خیال رکھنا چاہئے۔ قمیص نہ ہونے کی صورت میں بھی معانقہ مکروہ ہے۔

الفصل الاول

مصافحہ ثابت ہے

﴿۱﴾عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسٍ اَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت قتادہ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ (باہمی ملاقات کے بعد) مصافحہ کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ (بخاری)

بچے کو چومنا مستحب ہے

﴿۲﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ الْاَقْرَعُ اِنَّ لِيْ عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَاقَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَايُرْحَمُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَثَمَّ لُكَعٌ فِيْ بَابِ مَنَاقِبِ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَذُكِرَ حَدِيْثُ اُمِّ هَانِئٍ فِيْ بَابِ الْاَمَانِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی کا بوسہ لیا تو ایک صحابی اقرع ابن حابس نے جو اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہا کہ میرے دس بچے ہیں اور میں نے ان میں سے کسی کا بھی بوسہ نہیں لیا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر ان کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا یعنی جو شخص اپنی اولاد یا مخلوق اپنی اولاد یا مخلوق خدا پر لطف وشفقت نہیں کرتا اس پر اللہ کی رحمت وشفقت نہیں ہوتی۔ (بخاری ومسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت "اثم لکع" کو ہم انشاء اللہ مناقب اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کے باب میں نقل کریں گے اور حضرت ام ہانی کی روایت باب الامان میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثانی

مصافحہ کی فضیلت

﴿۳﴾عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيَتَصَافَحَانِ اِلَّاغُفِرَلَهُمَا قَبْلَ اَنْ يَّتَفَرَّقَا. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ قَالَ اِذَاالْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَانِ وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو مسلمان ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے خدا ان کو بخش دیتا ہے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب دو مسلمان ملیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کریں، اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور بخشش چاہیں تو ان دونوں کو بخش دیا جاتا ہے۔

سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے

﴿۴﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى اَخَاهُ اَوْ صَدِيْقَهُ اَيَنْحَنِيْ لَهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُ بِيَدِهٖ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی جب اپنے مسلمان بھائی یا اپنے دوست سے ملاقات کرے تو کیا وہ جھک جائے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اس شخص نے کہا کہ کیا اس سے گلے ملے اور اس کو بوسہ دے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں اس نے کہا تو کیا اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ (ترمذی)

توضیح

"قال لا" یعنی سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے اس سے بدعت اور شرک کا دروازہ کھل سکتا ہے اس حدیث میں جس طرح سلام کے وقت جھکنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اسی طرح اس میں ایک دوسرے سے چپک کر معانقہ کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اور ہاتھ وغیرہ چومنے کو بھی منع کر دیا گیا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھ کا بوسہ اگر دنیا کی غرض سے ہو تو یہ بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر والدین یا اساتذہ یا مشائخ اہل

اللہ کے ہاتھ کا بوسہ لیا جائے تو یہ جائز ہے مگر دنیادار کے ہاتھ وغیرہ کو دنیا کی غرض سے چومنا جائز نہیں ہے لہٰذا ممانعت کی صورت انھیں ممنوع صورتوں کے ساتھ ہے۔

سلام کا ایک طریقہ

﴿۵﴾وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ تَمَامُ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ اَنْ یَّضَعَ اَحَدُکُمْ یَدَہٗ عَلٰی جَبْھَتِہٖ اَوْ عَلٰی یَدِہٖ فَیَسْئَالُہٗ کَیْفَ ھُوَ وَتَمَامُ تَحِیَّاتِکُمْ بَیْنَکُمُ الْمُصَافَحَۃُ. رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَضَعَّفَہٗ

اور حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مریض کی پوری عیادت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر یا اس کے ہاتھ پر رکھے اور پھر پوچھے کہ اس کا کیا حال ہے؟ اور تمہارا پورا سلام کہ جو تم آپس میں کرتے ہو مصافحہ ہے یعنی جب تم سلام کرو تو مصافحہ بھی کرو تا کہ سلام پورا اور کامل ہو۔ اس روایت کو احمد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

سفر سے آنے والے سے معانقہ اور تقبیل جائز ہے

﴿۶﴾وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَۃَ الْمَدِیْنَۃَ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَاہُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرْیَانًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ وَاللّٰہِ مَارَاَیْتُہٗ عُرْیَانًا قَبْلَہٗ وَلَابَعْدَہٗ فَاعْتَنَقَہٗ وَقَبَّلَہٗ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں ایک مرتبہ زید ابن حارثہ مدینہ پہنچے تو اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے، زید" آنحضرتؐ (کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے میرے گھر) آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برہنہ بدن اپنے کپڑے یعنی چادر کو کھینچتے ہوئے زید سے ملنے کے لئے باہر تشریف لے گئے (یعنی اس وقت آنحضرتؐ کے جسم مبارک پر تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں تھا اور آپ اسی حالت میں دروازہ پر تشریف لے گئے) قسم ہے خدا کی میں نے اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی آپ کو برہنہ نہیں دیکھا (یعنی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپؐ نے کسی کے استقبال کے وقت اس طرح اظہار شوق وتمنا کیا ہو اور اس سے ملنے کے لئے برہنہ بدن باہر تشریف لے گئے ہوں) بہر حال آپؐ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا۔ (ترمذی)

توضیح

"فاعتنقہ" یعنی آنحضرت نے زید بن حارثہ سے معانقہ کیا، اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کا ثبوت ملتا ہے آیندہ حضرت

جعفر کی حدیث نمبر ۱۰ سے بھی معانقہ وتقبیل کا ثبوت ملتا ہے فقہاء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ یہ جائز ہے جہاں ممانعت کی روایت ہے وہ اس تقبیل پر محمول ہے جو دنیا کی غرض سے ہو۔ "عریانا" یعنی آنحضرت صرف تہبند پہنے ہوئے تھے بالکل برہنہ بدن نہیں تھے۔

معانقہ جائز ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ اَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ اَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهُ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِيْ وَبَعَثَ اِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِيْ اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ایوب ابن بشیر قبیلۂ عنزہ کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا جب آپ لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیا کرتے تھے تو کیا آنحضرت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ میں نے جب بھی آنحضرتؐ سے ملاقات کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ایک دن کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے مجھے بلانے کے لئے میرے پاس (ایک شخص) کو بھیجا اس وقت میں اپنے گھر میں موجود نہیں تھا۔ جب میں گھر آیا تو مجھے اس کی اطلاع دی گئی۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ اس وقت ایک تخت پر تشریف فرما تھے آپؐ نے مجھ کو گلے لگایا اور یہ گلے لگانا (حصول لطف وسرور اور برکت کے اعتبار سے مصافحہ کی بنسبت) بہتر تھا کہیں زیادہ بہتر۔ (ابوداؤد)

حضرت عکرمہؓ کی آمد پر معانقہ

﴿۸﴾ وَعَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ جِئْتُهُ مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عکرمہؓ ابن ابوجہل کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد اس دن جب کہ میں اسلام قبول کرنے کے لئے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے (مجھے دیکھ کر) فرمایا (اللہ اور رسول کی طرف یا دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف) ہجرت کرنے والے سوار کو خوش آمدید۔ (ترمذی)

توضیح

فتح مکہ کے موقع پر عکرمہ بن ابی جہل مسلمانوں کے مقابلے پر آیا تھا مگر حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں شکست کھا کر یمن کی طرف بھاگ نکلا ان کی بیوی مسلمان ہوگئی تھی اس نے اس کے لئے آنحضرت سے امان لے لی یہ آمد اسی موقع کی ہے

آنحضرت نے بطور تلطف انکو "الراکب" اور "المهاجر" کے نام سے یاد کیا کیونکہ اونٹ پر سوار آرہے تھے اور کفر سے اسلام کی طرف ہجرت کر کے آرہے تھے تفصیلی روایت میں معانقہ کا ذکر ہے اس حدیث سے کسی مسافر کی آمد پر استقبال کا ثبوت بھی ملتا ہے اور مبارک باد کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔

ایک شخص کا آنحضرت کو بوسہ دینے کا عجیب قصہ

﴿۹﴾ وَعَنْ اُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَا يُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهٖ بِعُوْدٍ فَقَالَ اَصْبِرْنِيْ قَالَ اصْطَبِرْ قَالَ اِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيْصَهٗ فَاحْتَضَنَهٗ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهٗ قَالَ اِنَّمَا اَرَدْتُ هٰذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت اسید ابن حضیرؓ جو انصار میں سے تھے کے بارے میں راوی کہتے ہیں کہ اس وقت جب کہ (اسید) لوگوں سے باتیں کر رہے تھے اور ان کے مزاج میں خوش طبعی وظرافت تھی اس کے تحت لوگوں کو ہنسا رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ازراہ مزاق) ان کے پہلو میں ایک لکڑی سے ٹھوکا دیا، انہوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ مجھے اس ٹھوکا دینے کا بدلہ دیجئے آپؐ نے فرمایا کہ لو مجھ سے بدلہ لے لو، انہوں نے کہا کہ آپؐ کے جسم پر کپڑا ہے اور میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کرتہ اٹھا دیا اسید آپؐ کے پہلو سے لپٹ گئے اور پہلو پر بوسہ دینا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں صرف یہی چاہتا تھا (یعنی بدن مبارک پر بوسہ دینا)۔ (ابوداؤد)

توضیح

"رجل" مصابیح میں رجل کا لفظ مجرور ہے جو اسید بن حضیر کی صفت ہے اس سے یہ وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ آنحضرت سے بدلہ لینے کا جو واقعہ مذکور ہے یہ انصار کا مایہ ناز شان والے مشہور صحابی اسید بن حضیر ہیں لیکن مزاح کا یہ انداز ان کی شان کے خلاف ہے لہٰذا یہ واقعہ کسی اور آدمی کا ہے جس کی طبیعت میں مزاح تھا اور وہ بھی انصار میں سے تھے اس کا قصہ مشہور صحابی حضرت اسید بن حضیر نے بیان کیا ہے اس بات کی تائید جامع الاصول کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔

جہاں لفظ رجلا ہے تو عبارت اس طرح ہے "عن اسید بن حضیر قال ان رجلا من الانصار کان فیه مزاح" بہر حال صحیح اور راجح یہی ہے کہ حضرت اسید بن حضیر اس حدیث کے راوی ہیں قصہ اور واقعہ کسی اور شخص کا ہے۔

"اصبرنی" یعنی میں آپ سے بدلہ لوں گا اس لئے آپ میرے لئے صبر کریں مطلب یہ کہ مجھے بدلہ دیں۔ "اصطبر" یعنی میں بدلہ دینے کے لئے صبر کروں گا تم اپنا بدلہ لے لو۔ "مرسلا" ان حضرات نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے

لیکن شرح السنۃ میں بیاضی کے حوالے سے اس حدیث کو متصل ذکر کیا ہے بیاضی بیاضہ بن عامر کی طرف منسوب ہے مطلق بیاضی کا ذکر جہاں ہو وہاں عبداللہ بن جابر انصاری مراد ہوتے ہیں۔

پیشانی پر بوسہ دینا ثابت ہے

﴿١٠﴾ وَعَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقَّى جَعْفَرَبْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهٗ وَقَبَّلَ مَابَيْنَ عَيْنَيْهِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ مُرْسَلًا وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنِ الْبَيَاضِيِّ مُتَّصِلًا

اور حضرت شعبی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابی طالب سے ملے تو ان کو گلے سے لگا لیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اس روایت کو ابوداؤد اور شعب الایمان میں بیہقی نے بطریق ارسال نقل کیا ہے جب کہ مصابیح کے بعض نسخوں اور شرح السنۃ میں یہ روایت بیاضی سے بطریق اتصال نقل کی گئی ہے۔

توضیح

"جعفر بن ابی طالب" حضرت جعفر طیار نے پہلے مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی زیر بحث حدیث میں اسی حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر ہے آنحضرت کی حضرت جعفر سے ملاقات کا جو ذکر ہے وہ اسی موقع کا ہے۔"قبل بین عینیہ" اس سے پیشانی کا بوسہ لینا ثابت ہوجاتا ہے۔

قدوم جعفر پر خوشی

﴿١١﴾ وَعَنْ جَعْفَرِبْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِيْ قِصَّةِ رُجُوْعِهٖ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ قَالَ فَخَرَجْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا الْمَدِيْنَةَ فَتَلَقَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاعْتَنَقَنِيْ ثُمَّ قَالَ مَااَدْرِيْ اَنَابِفَتْحِ خَيْبَرَ اَفْرَحُ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرٍ وَوَافَقَ ذَالِكَ فَتْحَ خَيْبَرَ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت جعفر ابن ابی طالب سرزمین حبشہ سے واپسی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم حبشہ سے روانہ ہوئے اور مدینہ پہنچ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے) ملاقات کی آپ نے مجھے گلے لگایا اور فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ میں خیبر کے فتح ہوجانے کی وجہ سے زیادہ خوش ہوں یا جعفر کے واپس آنے کی وجہ سے۔ اور اتفاق سے حضرت جعفر اسی دن آئے تھے جس دن خیبر فتح ہوا تھا۔ (شرح السنۃ)

پاؤں کو بوسہ دینا کیسا ہے؟

﴿۱۲﴾وَعَنْ زَارِعٍ وَكَانَ فِي وَفْدِ عَبْدِالْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنْ رَوَاحِلِنَا فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَهُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت زارع جو عبدالقیس کے وفد میں شامل تھے کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ پہنچے تو اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے چنانچہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ورجلہ" یعنی ہم سواریوں سے اتر کر آنحضرت کے پاس آئے اور آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ ہاتھ یا پیشانی کے بوسہ دینے میں کوئی خاص مسئلہ نہیں ہے کیونکہ اہل دین کی پیشانی اور ہاتھوں کو بوسہ دینا احادیث سے ثابت ہے اگر کوئی دنیوی غرض نہ ہو تو اس بوسہ میں کوئی کلام نہیں ہے البتہ پاؤں کو بوسہ دینے میں جھکنا پڑتا ہے جس سے سجدہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اس میں کلام ہے۔ اگر کوئی شخص اوپر پلنگ وغیرہ بلند مقام پر ہو اور کوئی شخص اس کے پاؤں کو چوم رہا ہو اور سجدہ کی صورت نہیں بن رہی ہو تو اس میں بحث نہیں ہے بحث اس میں ہے کہ پاؤں کو بوسہ دینے میں جو سجدہ کی صورت بنتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

احناف کے کچھ علماء اس کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کو سجدہ تعظیمی سے الگ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں نہ عبادت والا سجدہ ہے اور نہ تعظیم والا سجدہ ہے یہ صرف احترام واکرام کی ایک صورت ہے۔ "عمدۃ الفقہ" میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اور احسن الفتاوی میں مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز لکھا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو ثابت کرنے اور دلائل پیش کرنے کی بڑی کوشش کی ہے زیر بحث حدیث ان حضرات کی بڑی دلیل ہے لیکن عام فقہاء پاؤں کو بوسہ دینا جائز نہیں سمجھتے ہیں اور زیر بحث حدیث کو خصوصیت پیغمبری پر حمل کرتے ہیں اور قدم بوسی کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں بندہ عاجز بھی انہیں فقہاء کی رائے کو پسند کرتا ہے جنہوں نے پاؤں چومنے کو ناپسند عمل قرار دیا ہے اور حدیث کو خصوصیت پیغمبری پر حمل کیا ہے یا یہ کہ ابتداء میں یہ عمل جائز تھا پھر ممنوع قرار دیا گیا یا کوئی اور وجہ ہوگی بہر حال پاؤں میں پڑ کر جھکنا اور اس کو چومنا اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی معلوم ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کا عمل

﴿۱۳﴾وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا وَفِيْ رِوَايَةٍ حَدِيْثًا وَكَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا

وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے طور طریقہ، عادات و روش اور نیک خصلتی اور ایک روایت میں ہے کہ بات چیت اور کلام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشابہت فاطمہؓ سے زیادہ کسی اور شخص میں نہیں دیکھی (یعنی حضرت فاطمہ ان امور میں آنحضرتؐ سے بہت مشابہ تھیں) فاطمہؓ جب آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آنحضرتؐ کھڑے ہو جاتے ان کی طرف متوجہ ہو جاتے، پھر ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے ان کو بوسہ دیتے اور پھر ان کو اپنے بیٹھنے کی جگہ پر بٹھاتے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب فاطمہ کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کو دیکھ کر کھڑی ہو جاتیں آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں پھر آپ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

''سمتا'' طور وطریقہ کو کہتے ہیں ''ھدیا'' عادات اور روش کے معنی میں ہے ''ودلا'' چال چلن کو کہتے ہیں ان الفاظ میں ترادف بھی اور معمولی تغایر بھی ہے۔

حضرت فاطمہ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ چومنا جائز ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ والدین کے ہاتھ چومنا جائز بھی ہے اور اولاد کو اس پر عمل بھی کرنا چاہئے والدین اگر بطور شفقت اپنی اولاد کے ہاتھ کو بوسہ دیں تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن یہ محبت و شفقت پر محمول امور ہیں اس کو کاروبار نہیں بنانا چاہئے

حضرت صدیق کا عمل

﴿۱۴﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ دَخَلْتُ مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ اَوَّلَ مَاقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَاِذَا عَائِشَةُ اِبْنَتُهٗ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ اَصَابَهَا حُمّٰى فَاَتَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتِ يَابُنَيَّةُ وَقَبَّلَ خَدَّهَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

اور حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ کسی غزوہ سے حضرت ابوبکرؓ کے مدینہ آتے ہی ان کے ساتھ گیا تو دیکھا ہوں کہ ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ لیٹی ہوئی ہیں اور بخار میں مبتلا ہیں چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ میری بیٹی تمہاری طبیعت کیسی ہے اور انہوں نے براہ شفقت و محبت یا بر عایت سنت ان کے رخسار پر بوسہ دیا۔ (ابوداؤد)

اولاد گل ریحان کی مانند ہیں

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِصَبِيٍّ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ وَاِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا آپ نے اس کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ جان لو یہ اولاد بخل کا باعث اور بزدلی کا سبب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اولاد خدا کی عطا کردہ نعمت اور رزق بھی ہے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"مبخلة" اولاد بخل کا ذریعہ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کی اولاد نہ ہوں تو وہ ہاتھ کھلا رکھتا ہے اس کو کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی ہے اندھا دھند خرچ کرتا ہے لیکن جب چوزوں کی طرح اولاد آجاتی ہیں تو پھر آدمی سوچتا ہے کہ اب ان بچوں کی پرورش کے لئے پیسہ بچا کر رکھنا ضروری ہے اس طرح آدمی بخل پر اتر آتا ہے اور کھل کر اپنی ذات پر خرچ نہیں کرتا۔

"مجبنة" آدمی کی جب اولاد نہیں ہوتی تو وہ اندھا دھند میدان جنگ میں کود جاتا ہے نہ اس کو اپنی فکر ہوتی ہے اور نہ جان کی فکر ہوتی ہے لیکن اگر اولاد ہوں تو یہ آدمی انتہائی احتیاط سے زندگی گزارنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ بھائی میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں میں لڑنا نہیں چاہتا اس طرح وہ بزدل بن جاتا ہے۔

"ریحان اللہ" یعنی خوشبودار پھول کی طرح یہ چھوٹے بچے گھومتے پھرتے ہیں عام والدین بچے کو ناک سے لگا کر سونگھتے رہتے ہیں۔ ریحان سے رزق بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق ہے۔

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾ عَنْ يَعْلٰى قَالَ اِنَّ حَسَنًا وَحُسَيْنًا اِسْتَبَقَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُمَا اِلَيْهِ وَقَالَ اِنَّ الْوَلَدَ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ. رَوَاهُ اَحْمَدُ

حضرت یعلیٰ کہتے ہیں کہ حسن اور حسین کہیں سے دوڑتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے ان دونوں کو گلے لگالیا اور فرمایا کہ بچے بخل کا سبب ہیں اور بزدلی کا باعث ہیں۔ (احمد)

ہدیہ دیا کرو محبت بڑھے گی

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ. رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً

اور حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس میں ایک دوسرے سے مصافحہ کیا کرو کہ اس سے بغض و کینہ جاتا رہے گا اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ و تحفہ بھیجتے رہا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور دشمنی جاتی رہتی ہے۔ امام مالک نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

"الغل" کینہ وحسد اور بغض وعداوت کو الغل کہتے ہیں غین پر زیر ہے۔ "الشحناء" دل کے اندر جو کینہ ہوتا ہے اس کو شحناء کہتے ہیں مراد دشمنی ہے۔

مصافحہ کرنے سے گناہ جھڑتے ہیں

﴿۱۸﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى اَرْبَعًا قَبْلَ الْهَاجِرَةِ فَكَاَنَّمَا صَلَّاهُنَّ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالْمُسْلِمَانِ اِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ اِلَّا سَقَطَ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

اور حضرت براء ابن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے دوپہر سے پہلے چار رکعت نماز پڑھی اس نے گویا ان چار رکعتوں کو شب قدر میں پڑھا اور دو مسلمان جب آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان کوئی گناہ باقی نہیں رہتا بلکہ جھڑ جاتا ہے اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ

باب القیام

تعظیماً کھڑے ہونے کا بیان

قیام کھڑے ہونے کے معنی میں ہے لیکن یہاں مطلق کھڑے ہونے کی بات نہیں ہے بلکہ کسی آنے والے کے سامنے تعظیم کے لئے احتراماً کھڑے ہونے کا بیان ہے، بعض احادیث میں اس قیام کی سخت ممانعت آئی ہے حضور اکرمؐ نے اپنے لئے اس قیام کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور اس کو عجمیوں کا ناجائز طریقہ بتایا ہے لیکن بعض احادیث سے قیام کی اجازت معلوم ہوتی ہے اس لئے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف آیا ہے۔

علماء کا اختلاف

احادیث وروایات اور واقعات میں اختلاف کی وجہ سے علماء کرام کے درمیان اختلاف آیا ہے کہ تعظیماً واحتراماً کسی کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا جائز نہیں؟

علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ کسی کے لئے احتراماً کھڑا ہونا جائز نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا طبقہ علماء کرام کا کہتا ہے کہ کسی شخص کی آمد پر بطور احترام واکرام کھڑا ہونا جائز ہے۔

دلائل

جو علماء اس قیام کو منع کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قیام کی ممانعت میں بہت ساری احادیث آئی ہیں اس میں سخت وعیدات ہیں اور اس کو اعاجم کفار اغیار کا طریقہ قرار دیکر منع کیا گیا ہے مثلاً حدیث نمبر ۴ و ۵ و ۶ میں واضح الفاظ میں اس قیام کو ناجائز کہا گیا ہے لہٰذا یہ قیام مکروہ بلکہ بدعت ہے۔

جو علماء اس قیام کو جائز کہتے ہیں وہ حضرت سعد کی حدیث نمبر ۱ سے استدلال کرتے ہیں جس میں **"قوموا الی سیدکم"** کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح احادیث میں ہے کہ آنحضرت حضرت فاطمۃ الزہراء کے لئے کھڑے ہوئے تھے حضرت عکرمہ کی آمد پر آپ کھڑے ہوگئے تھے اور حضرت عدی کی آمد پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے یہ سب جواز کے دلائل ہیں۔

جواب

علماء کا جو طبقہ قیام کو منع کرتے ہیں وہ قیام کے جواز کی روایات کا اس طرح جواب دیتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے واقعہ کو ان کی مجبوری پر حمل کرتے ہیں کہ وہ زخمی تھے اپنی سواری سے خود نہیں اتر سکتے تھے اس لئے آنحضرت نے فرمایا!

"قوموا الی سیدکم" یعنی ان کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ اگر احترام اور تعظیم کی بات ہوتی تو آنحضرت "قوموا السید کم" فرماتے باقی حضرت عکرمہ وعدی وغیرہ کی روایات سخت ضعیف ہیں۔

علماء کا دوسرا طبقہ جو قیام کے جواز کا قائل ہے وہ قیام کی ممانعت کی احادیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ آنحضرت نے عجمیوں کے طرز پر قیام کو منع فرمایا ہے اور وہ یقیناً ممنوع ہے کیونکہ اس میں بڑا شخص مجلس میں بیٹھا رہتا تھا جب تک وہ بیٹھا رہتا باقی لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہتے بلکہ وہ کھڑے رہنے کے پابند ہوتے تھے وہ اپنی مرضی سے بیٹھ نہیں سکتے تھے اور مجلس کا وڈیرہ اس قیام کو چاہتا تھا بلکہ حکم دیتا تھا اس طرح قیام کی حرمت وبدعت ہونے میں کیا شبہ ہے؟ یہ تو سب کے نزدیک حرام ہے لیکن اگر کسی صاحب فضل وبزرگی والے شخص کے لئے محض احترام اور دینی محبت کی بنیاد پر کوئی کھڑا ہوتا ہے وہ عالم وفاضل شخص اس قیام کو پسند بھی نہیں کرتا ہے تو جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طرح کھڑا ہونا جائز ہے۔

علامہ طیبی اور محی السنۃ نے لکھا ہے کہ صلحاء اور علماء بزرگوں اور اولیاء کے لئے دینی محبت کی بنیاد پر کھڑا ہونا جائز ہے۔

"مطالب المؤمنین" نے "قنیہ" کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص خود قیام چاہتا ہے تو اس خود پسندی کی وجہ سے اس کے لئے قیام مکروہ ہے لیکن جو شخص صاحب احترام ہو اور وہ قیام کو طلب بھی نہیں کرتا ہو تو اس کے لئے قیام مکروہ نہیں ہوگا۔

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں کہ احادیث میں ممنوعہ قیام سے وہ قیام مراد ہے جو عجمی لوگ کرتے تھے کہ بیٹھے رہنے والے شخص کے احترام میں کچھ لوگ آخر تک کھڑے رہتے تھے اور وہ اس کے پابند ہوتے تھے یہ مکروہ وممنوع ہے۔

خلاصہ

اس پوری بحث کا خلاصہ اور محاکمہ یہ ہے کہ جو شخص صاحب اکرام ہو عالم ہو ولی کامل اور نیک ہو وہ اپنے لئے کسی کے قیام کو پسند بھی نہیں کرتا ہو اور کوئی شخص دنیوی غرض کے بغیر خالص دینی محبت کی بنیاد پر اس کے احترام کے لئے کھڑا ہوتا ہو اور یہ قیام عجمیوں کے طرز پر بھی نہ ہو تو اس قیام میں مضائقہ نہیں ہے جن احادیث سے جواز کا پتہ چلتا ہے وہ اسی پر محمول ہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص عالم فاضل نہیں ہے یا عالم فاضل ہے لیکن اس قیام کو چاہتا ہے تو اس کے لئے قیام منع ہے اور اگر کوئی دنیادار شخص ہے اور دنیوی اغراض کے تحت لوگ اس کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ دل سے اس کو چاہتا ہے تو یہ سخت ممنوع ہے جن احادیث میں قیام کی ممانعت آئی ہے وہ اسی طرح کے قیام پر محمول ہیں۔

الفصل الاول

حضرت سعدؓ کے لئے مجلس والوں کا اٹھنا

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَةَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَیْهِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِنْهُ فَجَاءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنَا مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ.

مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَمَضَی الْحَدِیْثُ بِطُوْلِهٖ فِیْ بَابِ حُکْمِ الْاُسَرَاءِ

حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب بنوقریظہ حضرت سعد کے حکم وثالث بنانے پر اتر آئے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو حضرت سعد کے پاس بھیجا اس وقت حضرت سعد آنحضرت کی قیام گاہ کے قریب ہی فروکش تھے، چنانچہ وہ خر پر بیٹھ کر آئے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کو دیکھ کر) فرمایا اے انصار تم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ، (بخاری ومسلم) اور یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ قیدیوں کے باب میں گزر چکی ہے۔

اس باب کی ابتدائی بحث گویا اس حدیث کی تشریح وتوضیح ہے جو تفصیل سے لکھی گئی ہے نیز کتاب الجہاد میں حکم الاسرا میں یہ حدیث گزری ہے وہاں کی تشریح ملاحظہ کیجئے۔

کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود بیٹھنا جائز نہیں ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُقِیْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ وَلٰکِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ

اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایسا نہ ہونا چاہئے کہ جو آدمی جس جگہ بیٹھ گیا ہو کوئی شخص اس کو وہاں سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے البتہ (بیٹھنے کی) جگہ کو کشادہ رکھو اور آنے والے کو جگہ دو (تاکہ اٹھانے کی حاجت نہ ہو) بخاری ومسلم

بعض لوگ حیلہ بہانہ کر کے دوسرے کو مجلس سے اٹھا کر رخصت کرتے ہیں اور خود اس کی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں یہ جائز نہیں ہے۔ زبردستی اٹھانا تو اور زیادہ مکروہ وممنوع ہے مجلس میں وسعت پیدا کرنا چاہئے۔

مجلس سے کچھ دیر کیلئے اٹھنے والے کی جگہ کا حکم

﴿۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَیْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر جائے اور پھر وہاں واپس آئے تو اس جگہ کا زیادہ حق دار وہی ہوگا۔ (مسلم)

توضیح

"فھو احق" یعنی ایک شخص مجلس سے کچھ دیر کیلئے اٹھ کر چلا گیا اگر اس نے اپنی جگہ پر اپنی کوئی نشانی رکھ لی یا فوراً واپس

آگیا تو یہ شخص اپنی جگہ کے سب سے زیادہ مستحق اور حقدار ہے لیکن اگر یہ شخص دیر تک نہیں آیا اور اس کی جگہ پر کوئی اور بیٹھ گیا تو اب اس کا حق باقی نہیں رہا اسی طرح اگر کسی شخص نے جگہ گھیر لی اور اس پر چادر وغیرہ رکھ دی لیکن طویل عرصہ تک جگہ سے غائب رہا تب بھی اس کا جگہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی اگر چہ اس نے نشانی رکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کسی جگہ کو اپنے لئے اس طرح خاص کرنا جائز نہیں ہے کہ اس پر کوئی دوسرا بیٹھ بھی نہ سکے۔

الفصل الثانی

آنحضرت اپنے لئے کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے

﴿۴﴾عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

حضرت انس کہتے ہیں کہ صحابہ کے نزدیک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب و عزیز کوئی اور شخص نہیں تھا لیکن (اس محبت و تعلق کے باوجود) صحابہ جب آنحضرت کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت اس کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

توضیح

آنحضرت نے اپنے لئے قیام کو پسند نہیں فرمایا یہ آپ کی کمال انکساری اور تواضع تھی نیز یہ روکنا سد الذرائع بھی تھا اگر آپ اس قیام کو رواج دیتے تو نہ معلوم بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچتی لہذا مختلف اوقات و مقامات اور مختلف حالات کو دیکھنا پڑیگا کہ کن صورتوں میں قیام کی ممانعت ہے اور کن کن صورتوں میں اباحت ہے تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

لوگوں کو اپنے سامنے کھڑا رکھنے کی شدید وعید

﴿۵﴾وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ لوگ اس کے سامنے سیدھے کھڑے رہیں تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں تیار کرے۔ (ترمذی ابوداؤد)

توضیح

"قیاما" وہی عجمیوں والا قیام مراد ہے جس میں نخوت و تکبر اور ترفع و تجبر ہوتا ہے جو یقیناً منع ہے آج کل جمعیت علماء اسلام

کے جلسوں میں لیڈر کی آمد پر پنڈال والے سارے کھڑے ہوجاتے ہیں یہ وہی ممنوع صورت ہے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے ان لیڈروں پر واجب ہے کہ وہ عوام کو اس سے روکے اور وعید سے بچ جائیں۔

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئاً عَلٰی عَصاً فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَاتَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصا مبارک پر سہارا دیئے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم آپ کے احترام میں کھڑے ہوگئے آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اس طرح کھڑے نہ ہو جس طرح عجمی لوگ کھڑے ہوتے ہیں کہ ان میں بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

﴿۷﴾وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِی الْحَسَنِ قَالَ جَاءَ نَا اَبُوْبَكْرَةَ فِیْ شَهَادَةٍ فَقَامَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَاَبٰی اَنْ يَّجْلِسَ فِيْهِ وَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ ذَا وَنَهَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّمْسَحَ الرَّجُلُ يَدَهُ بِثَوْبِ مَنْ لَمْ يَكْسُهُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت سعید ابن ابوالحسن رحمۃ اللہ جو ایک جلیل القدر اور ثقہ تابعی اور حضرت حسن بصری کے بھائی ہیں کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکرہ صحابی ہمارے پاس گواہی دینے کے لئے تشریف لائے ایک شخص ان کے احترام میں اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا لیکن انہوں نے اس جگہ پر بیٹھنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے نیز آنحضرتؐ نے اس بات سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی آدمی کسی ایسے شخص کے کپڑے سے اپنے ہاتھ پونچھے جس کو اس نے کپڑا نہیں پہنایا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"فی شهادة" یعنی کسی مقدمہ میں آپ کو گواہی دینی تھی اس لئے آپ تشریف لائے تھے۔ "فأبٰی" حضرت ابوبکرہ نے اس لئے انکار کیا کہ شاید وہ شخص دل سے خوش نہیں تھا صرف رعایت کی خاطر کھڑے ہوگئے اور جگہ چھوڑ دی یا حضرت ابوبکرہ نے تقویٰ اور احتیاط کی بنیاد پر ایسا کیا یا کوئی اور عارضی وجہ ہوگی کیونکہ یہ عدالت اور محکمہ عدالت کا ماحول تھا۔

اگر مجلس میں واپس آنا ہو تو نشانی رکھ کر جاؤ

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ فَقَامَ فَاَرَادَ الرُّجُوْعَ نَزَعَ نَعْلَهُ اَوْ بَعْضَ مَايَكُوْنُ عَلَيْهِ فَيَعْرِفُ ذٰلِكَ اَصْحَابُهُ فَيَثْبُتُوْنَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف رکھتے اور ہم آپؐ کے گرد بیٹھتے اور پھر آپ واپس

آنے کے ارادہ سے (گھر میں جانے کے لئے) اٹھتے تو (اپنی جگہ) پر جوتیاں اتار کر رکھ جاتے (اور ننگے پیر چلے جاتے) یا اپنے بدن کی کوئی چیز (جیسے چادر وغیرہ) اس جگہ چھوڑ جاتے، اس سے آپ کے صحابہ جان لیتے کہ آپ مجلس میں پھر آئیں گے چنانچہ وہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے۔ (ابوداؤد)

دو آدمیوں کے درمیان گھس کر بیٹھنا منع ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی شخص کے لئے یہ حلال نہیں کہ دو بیٹھے ہوئے آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر جدائی ڈالے۔ (ترمذی وابوداؤد)

توضیح

"ان یفرق" یعنی دو ساتھی آپس میں بیٹھے ہیں کہ اتنے میں تیسرا آدمی آکر ان کے درمیان گھس کر بیٹھ گیا اور دونوں کے درمیان جدائی کردی یہ منع ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دونوں آپس میں ضروری بات کرتے ہوں یا ویسے ان کو وحشت ہوتی ہو یا کوئی اور ترجیحی وجہ موجود ہو اگر اس طرح کوئی مجبوری نہ ہو تو پھر اس طرح بیٹھنے میں مضائقہ نہیں۔ بعض علماء نے تفریق سے دو آدمیوں کے درمیان نفاق اور تفرقہ پیدا کرنا مراد لیا ہے پھر تو مطلب بہت واضح ہوگا آنے والی حدیث میں ہے کہ اگر یہ دونوں ساتھی اجازت دیتے ہیں تو پھر درمیان میں کسی کا بیٹھنا جائز ہوگا بہر حال اس طرح احادیث کا تعلق ازدحام کی حالت سے ہے۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَجْلِسُ بَيْنَ رَجُلَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پہلے سے بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان نہ بیٹھو، الا یہ کہ ان کی اجازت حاصل ہو۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

مجلس برخاست ہونے پر قیام جائز ہے

﴿۱۱﴾ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْلِسُ مَعَنَا فِي الْمَسْجِدِ

يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھتے اور باتیں کیا کرتے تھے، پھر جب آپ اٹھتے تو ہم کھڑے ہو جاتے تھے اور (دیر تک) کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھتے کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک گھر میں تشریف لے گئے۔

توضیح

"قمنا قیاما" اس قیام کا تعلق اس قیام سے نہیں جس کی ممانعت آئی ہے بلکہ یہاں قیام اس لئے کیا کہ مجلس ہی برخاست ہوگئی لہٰذا اب بیٹھنے کا کوئی مقصد نہیں تھا تو جانے کے لئے کھڑے ہوگئے لیکن قیام کی حالت میں صحابہ کرام کچھ انتظار فرماتے تھے کیونکہ ہوسکتا کہ آنحضرت واپس مجلس میں آجاتے یا ان کو اور کوئی ضرورت پیش آجاتی اس لئے صحابہ کچھ انتظار کرتے تھے۔

مجلس میں آنے والے شخص کو اہمیت دینا سنت ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِي الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

اور حضرت واثلہ ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جب کہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو (جگہ دینے) کے لئے اپنی جگہ سے حرکت کی اور ایک طرف کھسک گئے اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مکان میں بیٹھنے کی جگہ کافی فراخ وکشادہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مسلمان کا حق ہے کہ جب اس کو اس کا مسلمان بھائی آتا دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے اور ایک طرف کھسک جائے ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح

"یتزحزح" یعنی آنے والے شخص کے لئے آنحضرت اپنی جگہ سے کچھ ہل گئے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ جگہ ہے آپ نہ ہلیں اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ ایک نو وارد مسلمان کا یہ حق ہے کہ مجلس کے بھائی انکو دیکھ کر کچھ ہل جائیں اس میں ایک تو اچھی تہذیب ہے دوسرا یہ کہ اس شخص کی آمد پر اس کو اہمیت دینا ہے جس سے وہ بہت خوش ہوگا کہ ان لوگوں نے میرے آنے کو بوجھ نہیں سمجھا بلکہ مجھے اہمیت دی اس سے محبتیں بڑھتی ہیں

مورخہ ۲۹ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب الجلوس والنوم والمشی

بیٹھنے لیٹنے اور چلنے کا بیان

اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی کفالت کرتا ہے اسی سلسلہ میں اسلام اپنے ماننے والوں کو سونے، جاگنے، چلنے، پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ سکھاتا ہے اگر کوئی شخص معاشرتی زندگی میں پیش آنے والی ان چیزوں میں شریعت سے رہنمائی حاصل نہیں کریگا تو لامحالہ پھر دیگر اقوام کی تقلید کرنے میں گم ہو کر گمراہ ہو جائیگا۔

الفصل الاول

گوٹ مار کر بیٹھنا جائز ہے

﴿۱﴾عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خانۂ کعبہ کے صحن میں اپنے ہاتھوں کے ذریعہ گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ (بخاری)

توضیح

"محتبیا" گوٹ مار کر بیٹھنے کو احتباء کہتے ہیں یہ ایک خاص طریقہ پر بیٹھنے کا نام ہے وہ طریقہ اس طرح ہے کہ آدمی کا مقعد زمین پر ہو اور گھٹنے کھڑے کر کے منہ کے قریب ہو اور دونوں ہاتھوں کو یا کسی پٹی کو یا چادر کو گھٹنوں سے لپیٹ کر بیٹھ جانے کو احتباء کہتے ہیں حدیث میں صرف دو ہاتھوں کے ساتھ احتباء کا ذکر کیا گیا ہے لیکن احتباء کی صورت عام ہے خواہ ہاتھ سے ہو یا کپڑے سے ہو۔

احتباء کے طرز پر بیٹھنے میں عاجزی اور تواضع ہوتی ہے اس لئے اس طرز پر بیٹھنا مستحب ہے گوٹ مارنے کی صورت میں اگر کسی کے پاس شلوار اور پاجامہ ہو تو اس صورت میں ستر کھلتا نہیں لیکن اگر شلوار پاجامہ نہ ہو بلکہ احرام کی دو چادریں ہوں اور اس میں گوٹ مار کر کوئی آدمی بیٹھتا ہے تو اس میں ستر کھل جاتا ہے لہٰذا اس طرز پر بیٹھنا منع ہے تہبند کا بھی یہی حکم ہے۔

آنحضرت کا مسجد میں آرام کرنا ثابت ہے

﴿۲﴾وَعَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ

مُسْتَلْقِيًا وَاضِعًا اِحْدٰى قَدَمَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت عباد ابن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس طرح چت لیٹے ہوئے دیکھا کہ آپ نے ایک قدم دوسرے قدم پر رکھا ہوا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"واضعا" یعنی آپ مسجد میں آرام کی غرض سے لیٹ گئے اور ایک قدم دوسرے قدم پر رکھدیا ساتھ والی روایت میں قدم پر قدم رکھ کر چت لیٹنے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہاں اسی صورت کی اجازت دی گئی ہے تو دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھنا منع نہیں ہے کیونکہ اس میں ستر کھلنے کا خطرہ نہیں ہے ہاں اگر ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ لی جائے جس سے ستر کھل جاتا ہے وہ منع ہے۔ الغرض گوٹ مار کر لیٹنے کی ممانعت کا مدار ستر کے کھلنے پر ہے اگر ستر کا انتظام ہو گیا ہو تو گوٹ مارنا منع نہیں ہے۔

ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر چت لیٹنا منع ہے

﴿۳﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس پر رکھ لے درآنحالیکہ وہ چت لیٹا ہوا ہو۔ (مسلم)

توضیح

اس حدیث میں ایک خاص طریقہ پر لیٹنے کو منع کر دیا گیا ہے کیونکہ اس میں ستر کھل جاتا ہے وہ طریقہ اس طرح ہے کہ ایک آدمی چت لیٹتا ہے اور ایک ٹانگ کھڑی کر دیتا ہے اور اس کے گھٹنے پر دوسری ٹانگ اور پاؤں رکھدیتا ہے جس سے نیچے کا پورا علاقہ نظر آنے لگتا ہے آدمی احرام میں ہے ازار بند میں ہے تو اس طرح کرنا منع ہے لیکن اگر اس آدمی نے شلوار پہن رکھی ہو یا ستر کا انتظام ہوا ہو تو پھر اس طرح لیٹنا جائز ہے بہر حال اس حدیث میں ممانعت کی ایک خاص صورت ہے لہٰذا اس کا سابق حدیث سے تعارض نہیں ہے۔

﴿۴﴾وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَسْتَلْقِيَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ يَضَعُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلٰى

الْاُخْرٰی. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس طرح چت نہ لیٹے کہ ایک پاؤں کھڑا کر کے اس پر دوسرا پاؤں رکھ لے۔ (مسلم)

تکبر کی چال چلنے والے کا انجام

﴿۵﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَتَبَخْتَرُ فِیْ بُرْدَیْنِ وَقَدْ اَعْجَبَتْهُ نَفْسُهُ خُسِفَ بِهِ الْاَرْضُ فَهُوَ یَتَجَلْجَلُ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ. مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص دو دھاری دار کپڑوں میں (ملبوس) اتراہٹ اور اکڑ کے ساتھ چل رہا تھا نیز اس کے نفس نے اس کو غرور و خود بینی میں مبتلا کر دیا تھا زمین نے اس شخص کو نگل لیا چنانچہ وہ قیامت کے دن تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

بعض علماء نے اس شخص کو قارون قرار دیا ہے لیکن علامہ نووی اور دیگر شارحین کہتے ہیں کہ یہ قارون کے علاوہ کوئی متکبر شخص تھا جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اسلام سے پہلے کسی دور کے کسی آدمی کا قصہ ہے۔

زمین پر اللہ والوں کے چلنے کا انداز اس طرح ہوتا ہے ﴿وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما﴾

الفصل الثانی

آنحضرت نے تکیہ استعمال کیا ہے

﴿۶﴾عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ عَلٰی یَسَارِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت جابرؓ ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ تکیہ آپ کے بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔ (ترمذی)

گوٹ مار کر بیٹھنے کا ذکر

﴿۷﴾وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ فِی الْمَسْجِدِ

اِحْتَبٰی بِیَدَیْہِ۔ رَوَاہُ رَزِیْنٌ

اور حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو دونوں رانوں کو کھڑا کر لیتے اور پنڈلیوں پر دونوں ہاتھوں سے حلقہ باندھ لیتے۔ (رزین)

کبھی آنحضرت قرفصاء کی صورت میں بیٹھتے تھے

﴿۸﴾وَعَنْ قَیْلَۃَ بِنْتِ مَخْرَمَۃَ اَنَّھَا رَاَتْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُوَ قَاعِدٌ الْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ فَلَمَّا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت قیلہ بنت مخرمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں بہ ہیئت قرفصا بیٹھے ہوئے دیکھا قیلہ کہتی ہیں کہ جب میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح انتہائی فروتنی وانکساری کے عالم میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو میں مارے ہیبت کے کانپ گئی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"القرفصآء" قاف پر پیش ہے راساکن ہے فا پر پیش ہے اس کے بعد مد ہے اور پھر ہمزہ ہے قاپر زبر پڑھنا بھی جائز ہے۔
تواضع اور انکساری سے بھرپور آنحضرت کی ایک نشست کا نام قرفصآء ہے یہ اس طرز پر بیٹھنا ہے کہ مثلاً ایک آدمی قعدہ کی شکل میں بیٹھ جائے اور گھٹنے زمین پر رکھے اور پاؤں پیچھے ٹیک دے پھر دایاں ہاتھ بائیں اور بایاں ہاتھ دائیں بغل میں دبا کر رکھے اور اپنے پیٹ کو رانوں اور گھٹنوں پر جھکا کر ڈالدے اور سر کو زمین کے قریب لے جائے یہ قرفصاء بیٹھنا ہے اس میں عاجزی، تواضع اور انکساری ہے اس لئے حضور اکرمؐ نے اسے استعمال فرمایا۔
"المتخشع" یعنی خشوع خضوع اور انکساری کی یہ صورت جب میں نے دیکھ لی تو میں کانپ اٹھی، آنحضرت کو اللہ تعالیٰ نے رعب ودبدبہ دیا تھا اس لئے آپ نے جتنی تواضع اختیار فرمائی اتنا ہی آپ کا رعب بڑھ گیا اس لئے خاتون ڈرگئی۔
"ارعدت" میں کانپ اٹھی۔ "من الفرق" یہ لفظ جب مع یسمع سے آجائے تو یہ خوف اور ڈر کے معنی میں ہوتا ہے۔

آنحضرت فجر کی نماز کے بعد چاشت تک بیٹھتے تھے

﴿۹﴾وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّی الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِیْ مَجْلِسِہٖ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسْنَاءَ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز پڑھ چکتے تو چار زانو بیٹھ جاتے اور سورج اچھی طرح روشن ہو جانے تک اسی طرح بیٹھے رہتے۔ (ابوداؤد)

توضیح

چاشت تک بیٹھنا ثابت ہے تو اس کے ضمن میں چاشت کی نماز بھی ثابت ہوگئی لہٰذا چاشت کی نماز کا انکار کرنا مناسب نہیں ہے۔ "تربع" یعنی آنحضرت چارزانوں ہوکر بیٹھتے اور طلوع آفتاب تک انتظار فرماتے جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مکروہ وقت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے یہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دین اسلام زندہ وتابندہ مذہب ہے جس میں حضور اکرمؐ کے بیٹھنے کی کیفیت تک بھی الحمدللہ محفوظ ہے۔

آنحضرتؐ کے پڑاؤ ڈالنے کا طریقہ

﴿۱۰﴾وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَیْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰی شِقِّهِ الْاَیْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَیْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ وَوَضَعَ رَاْسَهُ عَلٰی کَفِّهِ. شَرْحُ السُّنَّةِ

اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کے دوران آرام کرنے اور سونے کے لئے کسی جگہ رات میں اترتے تو دائیں کروٹ لیٹتے اور جب صبح کے قریب اترتے تو اس طرح لیٹتے کہ اپنا ایک ہاتھ کھڑا کر کے اس کی ہتھیلی پر سر مبارک رکھ لیتے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سفر کے دوران جب آنحضرتؐ رات کے وقت کسی جگہ پر پڑاؤ ڈالتے اور رات کا کچھ حصہ باقی رہتا تو آپ دائیں کروٹ پر سوجاتے تھے جیسا کہ حضر میں آپ کی عادت تھی لیکن اگر رات کا اکثر حصہ گزر چکا ہوتا اور صبح صادق کا وقت بالکل قریب ہوتا تو آنحضرت کروٹ پر نہیں سوتے تھے بلکہ دائیں ہاتھ اور بازو کو کھڑا کرتے اور اس کی ہتھیلی پر سر مبارک رکھتے اور کچھ آرام فرماتے اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ صبح صادق قریب ہوتی تھی تو آپ گہری نیند سونے سے بچنے کی کوشش فرماتے تاکہ فجر کی نماز فوت نہ ہوجائے اس لئے ہتھیلی پر سر رکھ کر کچھ ستانے اور آرام لینے کی کوشش فرماتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی آخرالزمان فجر کی نماز کے لئے کتنا اہتمام فرماتے اور آج کل مسلمان کتنی غفلت برت رہے ہیں ہزاروں میں ایک آدمی مشکل سے ایسا ملیگا جو رات سے اہتمام کرتا ہوگا کہ فجر کی نماز قضاء نہ ہو۔

آنحضرت قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر کبھی نہیں سوئے

﴿۱۱﴾وَعَنْ بَعْضِ اٰلِ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِمَّا یُوْضَعُ فِیْ قَبْرِهٖ وَکَانَ الْمَسْجِدُ عِنْدَ رَاْسِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور ام سلمہؓ کے ایک لڑکے کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھونا اس کپڑے کی مانند تھا جو آپ کی قبر شریف میں رکھا گیا تھا اور مسجد آپؐ کے سر مبارک کے قریب رہا کرتی تھی۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ممایوضع" یہ صیغہ مضارع کے بجائے وضع ماضی کا صیغہ ہونا چاہئے تھا لیکن راوی نے حکایت بزمانہ حال کی غرض سے مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ "نحوا" مانند اور مقدار کے معنی میں ہے اس حدیث میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ آنحضرت اپنی زندگی میں نیچے بچھانے کے لئے اتنا مختصر کپڑا استعمال فرماتے تھے جتنا کپڑا آپ کی قبر میں بچھایا گیا تھا جو بالکل مختصر تھا اب سوال یہ ہے کہ یہ کپڑا قبر میں کیوں بچھایا گیا تھا اور کس نے بچھایا تھا؟
تو علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت مرض وفات میں نیچے بچھانے کے لئے ایک چادر استعمال فرماتے تھے جس کو صحابہ نے دیکھا تھا آپ کے غلام شقران نے اسی چادر کو اٹھا کر چپکے سے قبر میں بچھا دیا کہ مبادا آنحضرت کے بعد کوئی اس کو استعمال نہ کرے لیکن صحابہ کرام نے اسے دیکھ لیا اور قبر سے نکال دیا۔
"عند مسجدہ" یعنی آنحضرت قبلہ رخ سوتے تھے آپ کا حجرہ مسجد نبوی کے بائیں جانب میں تھا جب آپ اپنے حجرہ میں دائیں کروٹ پر سوتے تھے تو آپ کے سر کے پاس مسجد ہوتی تھی اس بیان سے غرض یہ ہے کہ راوی بتانا چاہتا ہے کہ آنحضرتؐ دائیں کروٹ پر سوتے تھے اس حدیث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت نے امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ سوتے وقت بیت اللہ کی طرف چہرہ کیا کرو کیونکہ میں نے زندگی بھر ایسا کیا ہے۔
اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ زندگی بھر سوتے وقت قبلہ کی طرف پاؤں پھیلا کر نہیں سوئے ہیں آج کل عرب پر تعجب ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ بیت اللہ کی طرف پاؤں پھیلا کر سویا جائے جو ایسا نہیں کرتا اسکو ایسا کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں "ان کان هذا بيت الله فانا عبد الله" اگر یہ بیت اللہ ہے تو میں عبد اللہ ہوں پاؤں پھیلانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پیٹ اور منہ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰی بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَا یُحِبُّهَا اللّٰهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اوندھا لیٹے ہوئے دیکھا تو آپؐ نے اس سے فرمایا کہ اس طرح لیٹنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ (ترمذی)

توضیح

"ضجعة" لیٹنے کو ضجعہ کہتے ہیں لیٹنے کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے ہاں مبغوض ہے سونے اور لیٹنے کے چار طریقے ہیں۔
پہلا طریقہ چت لیٹنے کا ہے یہ اہل اعتبار کا طریقہ ہے جو آسمان کے نظام کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔
دوسرا طریقہ دائیں کروٹ پر لیٹنے کا ہے یہ عبادت گاروں کا طریقہ ہے اس میں دل لٹکا رہتا ہے تو نیند کچی ہوتی ہے تو عبادت کے لئے اٹھنا آسان ہوتا ہے۔
تیسرا طریقہ بائیں کروٹ پر لیٹنے کا ہے یہ طریقہ آرام کے طلبگاروں کا ہے اس میں دل نیچے دب کر رہ جاتا ہے تو نیند خوب غفلت کے ساتھ آتی ہے۔
چوتھا طریقہ اہل نار کا ہے یہ لوگ پیٹ اور منہ کے بل اوندھا ہو کر لیٹتے ہیں۔ اس حدیث میں اسی طرح لیٹنے کو منع کیا گیا ہے کیونکہ دوزخ میں دوزخی اسی طرح ہونگے۔

﴿۱۳﴾وَعَنْ يَعِيْشَ بْنِ طِخْفَةَ بْنِ قَيْسٍ الْغِفَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا مُضْطَجِعٌ مِنَ السَّحَرِ عَلٰى بَطْنِيْ اِذَا رَجُلٌ يُحَرِّكُنِيْ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت یعیش ابن طخفہ ابن قیس غفاری اپنے والد ماجد سے جو اصحاب صفہ میں سے تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں سینہ کے درد کی وجہ سے پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص مجھے اپنے پاؤں سے ہلا رہا ہے اور پھر میں نے سنا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے لیٹنے کے اس طریقہ کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے اور پھر میں نے نظر اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

"من السحر" سحر سینہ کے درد کو کہا گیا ہے اصل میں سحر پھیپھڑے کو کہتے ہیں یہاں سینہ کا درد مراد ہے یعنی اس مجبوری سے میں منہ کے بل سو گیا تھا۔

چہار دیواری یا پردہ کے بغیر چھت پر سونا منع ہے

﴿۱۴﴾وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِءَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ مَعَالِمِ السُّنَنِ لِلْخَطَّابِيِّ حِجًى. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت علی ابن شیبان کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات میں گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس

پر پردہ نہ ہو اور روایت میں یوں ہے کہ جس کے گرد رکاوٹ والی چیز نہ ہو تو اس سے ذمہ جاتا رہا۔ (ابوداؤد) اور خطابی کی کتاب معالم السنن میں (لفظ حجاب کے بجائے) حجی کا لفظ ہے۔

توضیح

"حجاب" ایک لفظ حجاب ہے جو پردہ کے معنی میں ہے دوسرا لفظ حجار ہے جو پتھر کے معنی میں ہے تیسرا لفظ حجی ہے جو عقل اور رکاوٹ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس چھت پر چاردیواری یا کوئی منڈیر یا پردہ نہ ہو اور کوئی آدمی رات کو اس پر سوتا ہو تو ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیند میں یہ آدمی کروٹیں بدل بدل کر چھت سے گر جائے اور نیچے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مرجائے۔

"الذمة" اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کے تحفظ کے لئے فرشتے بھی مقرر فرمائے ہیں اور اس تحفظ کے راستے اور طریقے بھی بتائے ہیں اور شریعت نے اس کی تعلیم بھی دی ہے اب جب کوئی شخص ان تمام طریقوں کو نظر انداز کرتا ہے تو شریعت کے تحفظ کی ذمہ داری بھی اٹھ جاتی ہے اب یہ شخص اپنے آپ کو ملامت کرے اپنے گرنے کی نسبت کسی اور کی طرف نہ کرے نہ یہ الزام لگائے کہ میں مسلمان تھا اسلام نے اس مقام پر میری رہنمائی نہیں کی۔

﴿۱۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوٹھے پر سونے سے منع فرمایا ہے جس پر پردہ (کی دیوار) نہ ہو۔ (ترمذی)

حلقہ کے درمیان بیٹھنے والے پر لعنت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ اس شخص کو ملعون قرار دیا گیا ہے جو حلقہ کے درمیان بیٹھے۔ (ترمذی و ابوداؤد)

توضیح

"وسط الحلقة" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک مجلس میں لوگ بیٹھے ہیں ایک شخص باہر سے آتا ہے مجلس میں جگہ نہیں ہے مگر یہ شخص لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر چھلانگ مارتا ہے اور آکر حلقہ کے درمیان بیٹھتا ہے یہ منع ہے ان کو کنارہ

پر بیٹھنا چاہئے تھا۔ اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک حلقہ ہے اس میں لوگ بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے سے آمنے سامنے بات کرتے ہیں ایک شخص آتا ہے اور ان کے درمیان بیٹھ جاتا ہے اور ان کے درمیان حائل بن جاتا ہے جس سے ان لوگوں کو ایذا پہنچ جاتی ہے کیونکہ ان کے درمیان پردہ اور خلل پڑ جاتا ہے اس لئے یہ منع ہے۔

اس جملہ کا تیسرا مفہوم اور مطلب یہ ہے کہ ایک شخص بے حیا اور بدتہذیب بن کر لوگوں کی مجلس کے بیچ میں آ کر بیٹھ جاتا ہے اور مسخرہ پن کا مظاہرہ کرتا ہے بندر کی طرح حرکات کرتا ہے اور لوگوں کو ہنساتا ہے اس پر لعنت کی گئی ہے یہ مطلب بہت واضح ہے۔

بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ جگہ میں ہو

﴿۱۷﴾ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُ الْمَجَالِسِ اَوْسَعُھَا۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین مجلس وہ ہے جو کشادہ و فراخ جگہ میں منعقد کی جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح

مطلب یہ ہے کہ وعظ و نصیحت یا حلقۂ احباب کی محفل ہو یا کوئی مباح تقریب ہو تو اس کی مجلس و نشست ایسی جگہ میں ہونی چاہئے جو کھلی ہو تا کہ کسی کو تنگی نہ ہو۔ یہ امر ارشادی ہے اور برائے رہنمائی ہے اور مسلمانوں کی تہذیب کو زندہ رکھنے کی تعلیم ہے۔

مجلس میں الگ الگ نہ بیٹھو

﴿۱۸﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِیَ اَرَاکُمْ عِزِیْنَ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ (مسجد نبوی) میں آپ کے صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم میں لوگوں کو متفرق و منتشر بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"عــزیــن" عزۃ کی جمع ہے لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں یہاں الگ الگ جماعتیں مراد ہیں آنحضرتؐ نے امت کو یہ تعلیم دیدی ہے کہ اتحاد و اتفاق اور محبت و یگانگت کا تقاضا یہ ہے کہ جب کسی نشست میں بیٹھنا ہو تو ایک ساتھ بیٹھا کرو علیحدہ علیحدہ بیٹھنے سے وحشت اور بیگانگی میں اضافہ ہوگا جبکہ مسلمانوں کی صفت قرآن میں ﴿کانھم بنیان مرصوص﴾ مذکور ہے لہٰذا

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ الگ الگ ٹکڑیوں میں بیٹھنے کے بجائے ایک ساتھ بیٹھا کرو۔

ایسی جگہ نہ بیٹھو جہاں کچھ سایہ اور کچھ دھوپ ہو

﴿۱۹﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَ بَعْضُهُ فِی الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِی الظِّلِّ فَلْیَقُمْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ قَالَ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْءِ فَقَلَصَ عَنْهُ فَلْیَقُمْ فَاِنَّهُ مَجْلِسُ الشَّیْطَانِ هٰكَذَا رَوَاهُ مَعْمَرٌ مَوْقُوْفًا.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سایہ میں بیٹھا ہو اور پھر وہ سایہ ختم ہو رہا ہو بایں طور کہ اس کے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ حصہ سایہ میں ہو تو اس کو چاہئے کہ وہاں سے اٹھ جائے۔ (ابوداؤد) اور شرح السنۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا تم میں سے جو شخص سایہ میں بیٹھا ہو اور پھر وہ سایہ ختم ہو رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہاں سے اٹھ جائے کیونکہ ایسی جگہ جو کچھ سایہ میں ہو اور کچھ دھوپ میں، وہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اسی طرح معمر نے بھی اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق موقوف نقل کیا ہے۔

توضیح

"مجلس الشیطان" اس روایت میں وفی شرح السنۃ سے آخر تک یہ کلام حضرت ابو ہریرہ کا کلام ہے مرفوع حدیث نہیں ہے لیکن اس جیسے خلاف العقل مسائل میں جب موقوف روایت آتی ہے تو مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے بہر حال حضرت ابو ہریرہ کے کلام "انہ مجلس المشیطان" کا ایک مطلب یہ ہے کہ واقعی شیطان ایسی جگہ بیٹھتا ہے تو یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہوگئی پھر شیطان بے کار نابکار ایسی جگہ میں کیوں بیٹھتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا کونسا کام اچھا ہے؟

''اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی ہے''

اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شیطان ایسی جگہ میں بیٹھنے سے خوش ہوتا ہے کہ جس جگہ میں بیٹھنے سے انسان کو تکلیف ہوگی اور ان کی صحت خراب ہوگی کیونکہ آدھا بدن گرم ہو کر خون دوڑنے لگے گا اور آدھا بدن ٹھنڈا منجمد ہوگا اس سے بدن کی صحت پر اثر پڑیگا اور شیطان یہی چاہتا ہے اور اسی سے خوش ہو جاتا ہے۔

عورتوں کو راستے کے کنارے پر چلنے کا حکم ہے

﴿۲۰﴾ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِنَ

الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰى أَنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ۔ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ

اور حضرت ابواسید انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت جب کہ آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے بیان کرتے ہوئے سنا پھر راستہ میں مرد عورتوں سے مل گئے یعنی مرد اور عورتیں مخلوط ہو کر راستہ میں چلنے لگے آنحضرتؐ نے عورتوں سے فرمایا کہ تم مردوں کے پیچھے چلو اور ان سے الگ رہو کیونکہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم راستہ کے درمیان چلو بلکہ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم راستہ کے کنارے پر چلا کرو چنانچہ عورتوں نے آنحضرت کے اس حکم پر اس طرح عمل کیا کہ وہ راستہ چلتیں تو دیواروں سے لگ کر چلا کرتیں یہاں تک کہ (بعض اوقات) ان کا کپڑا دیوار سے اٹک جاتا تھا۔ (ابوداؤد بیہقی)

توضیح

عورتوں کی شرافت اور حشمت وعظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ گھر کی رانی اور چھپا ہوا خزانہ ہو جو گھر میں ہو لیکن اگر کسی شرعی مجبوری سے ان کو کھلے راستے میں چلنے کی ضرورت پڑ جائے تو شریعت کا حکم ہے کہ عورتیں مردوں کے کندھوں سے کندھے ملا کر جھوم جھوم کر نہ چلیں بلکہ ان کو انتہائی عاجزی اور شرافت وعظمت کے ساتھ جھک جھک کر راستے کے کنارے کنارے چلنا چاہئے اور سر پر بڑی اوڑھنی ڈالنی چاہئے اس سے ہر مفسد کے دل پر ان باعظمت خواتین کا رعب اور دبدبہ پڑیگا۔

بہرحال اسلام نے عورتوں کو بڑا مقام دیا ہے لیکن ان کو مردوں سے تمام شعبوں میں پیچھے رکھا ہے اسی کا حصہ ہے کہ راستے کے بیچ میں ان کو نہیں چلنا چاہئے بیچ میں چلنے کا حق مردوں کو حاصل ہے۔

مرد کو دو عورتوں کے درمیان نہیں چلنا چاہئے

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ يَّمْشِيَ يَعْنِي الرَّجُلَ بَيْنَ الْمَرْأَتَيْنِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عورتوں کے درمیان چلنے سے منع فرمایا یعنی مرد کو۔ (ابوداؤد)

توضیح

"ان یمشی" یعنی دو عورتوں کے درمیان کسی مرد کا چلنا منع ہے کیونکہ یہ بے شرمی بھی ہے اور فتنہ میں پڑنے کا خطرہ بھی ہے

اور بڑی قباحت بھی ہے کہ مرد اجنبی عورتوں کی جھرمٹ میں جھوم جھوم کر جا رہا ہے اور فتنہ میں مبتلا ہو رہا ہے۔ اسی طرح ایک عورت کے ساتھ تنہائی میں چلنا بھی منع ہے اور کئی عورتوں کے ساتھ چلنا بھی منع ہے جس میں ناجائز اختلاط ہے۔

مجلس میں جہاں جگہ دیکھو وہاں بیٹھو

﴿۲۲﴾وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَذُكِرَ حَدِيْثَا عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فِيْ بَابِ الْقِيَامِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَيْ عَلِيٍّ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ فِيْ بَابِ اَسْمَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهٖ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

اور حضرت جابر ابن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ہم حاضر ہوتے تو ہم میں سے جو شخص جہاں جگہ دیکھتا اور آخر میں جو جگہ خالی ہوتی وہاں بیٹھ جاتا۔ (ابوداؤد) اور عبداللہ ابن عمرو کی دونوں حدیثیں باب القیام میں نقل کی جا چکی ہے اور حضرت علیؓ وحضرت ابوہریرۃؓ کی دونوں روایتوں کو ہم ان شاء اللہ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ میں نقل کریں گے۔

توضیح

"حیث ینتھی" یعنی مجلس جہاں ختم ہو رہی ہے اس کے آخری کنارے میں جگہ موجود ہے تو اسی میں بیٹھو یہ نہیں کہ اچھی جگہ کی تلاش میں لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے بڑھو اور لوگوں کی گالیاں اور بددعائیں سنو۔

الفصل الثالث

بیٹھنے کا ایک ممنوع طریقہ

﴿۲۳﴾عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ مَرَّبِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جَالِسٌ هٰكَذَا وَقَدْ وَضَعْتُ يَدِيَ الْيُسْرٰى خَلْفَ ظَهْرِيْ وَاتَّكَاْتُ عَلٰى اَلْيَةِ يَدِيْ قَالَ اَتَقْعُدُ قِعْدَةَ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

حضرت عمرو ابن شرید اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے جب کہ میں اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ میرا بایاں ہاتھ تو میری پیٹھ کے پیچھے تھا اور انگوٹھے کی جڑ کے گوشت پر میں سہارا دیئے ہوئے تھا آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس ہیئت پر بیٹھے ہوئے ہو جس ہیئت پر وہ لوگ بیٹھتے ہیں جن پر خدا کا غضب نازل ہوا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"المغضوب علیهم" اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو چکا ہے اب یہ نیک ہوں یا برے ہوں اللہ تعالیٰ کے غضب سے باہر نہیں نکل سکتے سورت فاتحہ میں بھی "غیر المغضوب علیهم" کے الفاظ سے یہود ہی مراد ہیں۔ جس طرز پر بیٹھنے کو آنحضرت نے منع فرمایا یہ متکبرانہ انداز بھی ہے اور یہود سے مشابہت بھی ہے اور خود اس طرح بیٹھنا عجیب کارٹون کی شکل بھی ہے۔ کیونکہ اس میں آدمی بایاں ہاتھ اپنی پیٹھ پر پیچھے سے رکھتا ہے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی جڑ میں جو ابھرا ہوا گوشت ہے اس پر ٹیک لگا کر بیٹھتا ہے اس عجیب ہیئت پر بیٹھنے سے آنحضرت نے منع فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کی چھوٹی چھوٹی علامات میں بھی ان کی مشابہت اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

منہ کے بل لیٹنا دوزخیوں کا طریقہ ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّبِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰی بَطْنِیْ فَرَكَضَنِیْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ یَاجُنْدُبُ اِنَّمَا هِیَ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه.

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے جب کہ میں اپنے پیٹ کے بل یعنی اوندھا لیٹا ہوا تھا، آپؐ نے (یہ دیکھ کر) اپنے پاؤں سے مجھے ٹھوکا دیا اور فرمایا جندب (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) اس طرح لیٹنا دوزخیوں کا طریقہ ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح

"اهل النار" اس لفظ کے دو مطلب ہیں۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ فساق و فجار اور کفار اہل النار کی دنیا میں یہی عادت ہے کہ وہ پیٹ کے بل پر اوندھے ہو کر سوتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کفار جب دوزخ میں ڈالے جائیں گے تو وہ منہ کے بل گرے ہوئے پڑے ہوں گے تو دوزخیوں کی ہیئت دوزخ میں اس طرح ہوگی اس لئے کسی مسلمان کو یہ ہیئت اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

باب العطاس والتثاؤب

چھینکنے اور جمائی لینے کا بیان

العطاس چھینک کو کہتے ہیں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے چھینک لی ہے چنانچہ آپ کے بدن میں جب روح ڈالی گئی تو آپ نے چھینک لی اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ الحمدللہ کہدو جب حضرت آدم نے الحمدللہ کہدیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا "یرحمک اللہ یا آدم"۔

چھینکنا انسان کے لئے صحت کی علامت ہوتی ہے دماغ کی کدورت اس سے ختم ہو جاتی ہے جسم خوش اور چست ہو جاتا ہے ثقل دماغ اور بوجھ اتر جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ شکر کے طور پر الحمدللہ پڑھ لے اور جو شخص اس کو سنے اس پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ "یرحمک اللہ" کہدے اس کے بعد چھینکنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ "یھدیکم اللہ ویصلح بالکم" سے ان کو دعا دے اگر چھینکنے والے نے الحمدللہ نہیں پڑھا یا آہستہ پڑھا کہ کسی نے نہیں سنا تو جواب دینا کسی پر واجب نہیں ہوگا یعنی یہ ضروری نہیں کہ یرحمک اللہ کہدے۔

اگر چھینکنے والے کے جواب میں پوری جماعت میں سے ایک آدمی نے یرحمک اللہ کہدیا تو سب کی طرف سے یہ کافی ہے اگر چھینکنے والا بار بار چھینکتا ہے تو وہ زکام اور بیماری میں مبتلا ہوگا لہٰذا ہر بار جواب دینا کسی پر لازم نہیں ہے، بعض روایات میں الحمدللہ علی کل حال کے الفاظ آئے ہیں یہ زیادہ بہتر الفاظ ہیں اور عام فہم اور آسان ہیں، اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے وہ مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے "والتثاؤب" جمائی لینے کو کہتے ہیں اس کے مسائل بھی آرہے ہیں۔

الفصل الاول

چھینکنے سے رحمان اور جمائی سے شیطان خوش ہوتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعُطَاسَ وَیَکْرَهُ التَّثَاؤُبَ فَاِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ وَحَمِدَاللّٰهَ کَانَ حَقًّا عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ سَمِعَهٗ اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَاَمَّا التَّثَاؤُبُ فَاِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّیْطَانِ فَاِذَاتَثَاءَ بَ اَحَدُکُمْ فَلْیَرُدَّهٗ مَااسْتَطَاعَ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا تَثَاءَ بَ ضَحِکَ مِنْهُ الشَّیْطَانُ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَالَ هَا ضَحِکَ الشَّیْطَانُ مِنْهُ

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چھینکنے کو تو پسند کرتا ہے لیکن جمائی کو ناپسند کرتا ہے لہٰذا تم میں سے جب کوئی شخص چھینکے اور اللہ کی تعریف کرے تو اس چھینک اور الحمد للہ کو سننے والے ہر مسلمان پر حق ہے کہ وہ چھینکنے والے کے جواب میں یرحمک اللہ کہے، رہی جمائی کی بات تو جمائی کا آنا شیطانی اثر ہے لہٰذا تم میں سے جب کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ حتی الامکان اس جمائی کو روکے واضح رہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو اس پر شیطان ہنستا ہے۔ (بخاری) اور مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (تو چاہئے کہ حتی الامکان اس جمائی کو روکے) کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص ہاء کہتا ہے (یعنی جمائی لیتا ہے) تو اس پر شیطان ہنستا ہے۔

توضیح

"**یحب العطاس**" یعنی اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتا ہے یہ اس لئے کہ چھینک سے چستی آتی ہے بیداری اور چالاکی پیدا ہوتی ہے جس سے فہم وادراک بڑھ جاتا ہے پورا جسم ہشاش بشاش ہوجاتا ہے اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جمائی سے بوجھ و ثقل بڑھ جاتا ہے اونگ وغفلت اور سستی وبدفہمی بڑھ جاتی ہے اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور شیطان کو پسند ہے۔

عطاس اور تثاؤب دونوں اپنے انجام اور اپنے نتیجہ کے اعتبار سے پسند یا ناپسند ہیں جمائی کے انجام وثمرہ کو شیطان پسند کرتا ہے رحمان کو ناپسند ہے اور عطاس کے انجام اور ثمرہ کو رحمان پسند کرتا ہے شیطان کو ناپسند ہے آسیب زدہ آدمی مسلسل جمائی لیتا رہتا ہے۔

"**کان حقا**" اس لفظ کی وجہ سے علماء کرام نے مختلف رائے قائم کی ہیں کہ آیا چھینک کا جواب فرض ہے یا واجب ہے یا مستحب ہے احناف کے ہاں چھینک کا جواب واجب علی الکفایہ ہے حنابلہ کا مسلک بھی اسی طرح ہے شوافع کے ہاں چھینکنے والے کا جواب سنت علی الکفایہ ہے۔ مالکیہ کے ہاں مختلف اقوال ہیں وجوب کا قول بھی ہے اور سنت کا بھی ہے اور مستحب کا بھی ہے۔ غیر مقلدین حضرات کے ایک طبقہ کے نزدیک چھینک کا جواب فرض ہے۔ بہر حال احناف سمیت جمہور علماء کے نزدیک چھینک کا جواب واجب علی الکفایہ ہے مگر وہ شرط برقرار ہے کہ چھینکنے والا زور سے الحمد للہ کہدے۔

جمائی سے متعلق ایک ادب یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ کی پشت اپنے منہ پر رکھے یا کوئی کپڑا رکھے تاکہ منہ ڈھک جائے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے جمائی کے وقت انسان کی شکل بگڑ جاتی ہے تو شیطان ہنستا ہے اور مزاق اڑاتا ہے کہ اس کی شکل کو دیکھو اس کی وجہ سے میں مردود ٹھہرا ہوں۔

چھینک کے جواب کا مسنون طریقہ

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُلِلّٰهِ وَلْيَقُلْ

لَهٗ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو چاہئے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی یا یہ فرمایا کہ اس کے دوست کو چاہئے کہ وہ اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور جب اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے تو چھینکنے والے کو چاہئے کہ یوں کہے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کرے اور تمہارے دل وتمہارے احوال درست کرے۔ (بخاری)

چھینکنے والا اگر الحمد للہ نہ کہے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے

﴿۳﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخَرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذَا حَمِدَ اللّٰهَ وَلَمْ تَحْمَدِ اللّٰهَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آنحضرتؐ نے ان میں سے ایک آدمی کو چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا جس آدمی کی چھینک کا جواب آپ نے نہیں دیا تھا اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اس آدمی کو تو جواب دیا لیکن مجھ کو جواب نہیں دیا؟ آپؐ نے فرمایا اس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی تھی یعنی الحمد للہ کہا جب کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فشمت" یہ تشمیت سے ہے چھینکنے والا جب الحمد للہ کہتا ہے اور اس کے جواب میں کوئی شخص یرحمک اللہ کہتا ہے اس جواب کو تشمیت کہتے ہیں آنحضرت نے اس شخص کی چھینک کے جواب میں یرحمک اللہ فرمایا جس نے الحمد للہ کہہ دیا تھا اور جس نے نہیں کہا اس کو جواب نہیں دیا اس نے شکایت کی اسی شکایت اور اس کے جواب کا بیان اس حدیث میں ہے۔

﴿۴﴾وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَّمْ يَحْمَدِ اللّٰهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص چھینکے اور اللہ کی حمد کرے تو اس کو جواب دو یعنی یرحمک اللہ کہو اور اگر وہ اللہ کی حمد نہ کرے تو اس کو جواب نہ دو۔ (مسلم)

مزکوم شخص کی چھینک کا جواب دینا لازم نہیں

﴿۵﴾وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرٰى فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِيِّ اِنَّهُ قَالَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ اِنَّهُ مَزْكُوْمٌ

اور حضرت سلمہ ابن اکوع سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کی چھینک کا جواب دیتے سنا جو ایک وقت آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا چنانچہ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا یرحمک اللہ پھر جب اس کو دوسری بار چھینک آئی تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو زکام ہوگیا ہے (مسلم) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے اس شخص کو تیسری مرتبہ چھینکنے پر یہ فرمایا کہ اس شخص کو زکام ہوگیا ہے۔

جب جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھو

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهٖ عَلٰى فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے کیونکہ شیطان اس میں گھس جاتا ہے۔ (مسلم)

ہاتھ رکھنے سے شیطان اندر داخل نہیں ہوتا چونکہ یہ غفلت کی علامت ہے تو اس فرصت کو غنیمت جان کر شیطان اندر گھسنے کی کوشش کرتا ہے یا اپنے وساوس داخل کرتا ہے ہاتھ رکھنے سے وہ کچھ نہیں کرسکتا ہے۔

الفصل الثانی

چھینک کے وقت منہ ڈھانک کر آواز پست کرنا چاہئے

﴿۷﴾عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰى وَجْهَهٗ بِيَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَغَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تو اپنے چہرہ مبارک کو اپنے ہاتھوں یا اپنے کسی کپڑے سے ڈھانک لیتے تھے اور اپنی چھینک کی آواز کو پست کر لیتے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے، نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

توضیح

چھینکنے کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ منہ اور چہرہ کو آدمی ڈھانک لے تاکہ خراب شکل نظر نہ آئے اور آواز جتنا کم ہوسکتا ہے اتنا کم کیا جائے۔ بعض آدمی بڑے اخلاص سے آواز میں اتنا بڑا دھما کہ پیدا کرتا ہے کہ پاس والے گھبرا جاتے ہیں دو سال پہلے یہاں حرمین میں ایک آدمی آیا تھا وہ اتنے زور سے چھینک مارتا تھا کہ حرم مکہ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بلند آواز جاتی تھی اور لوگ دیکھنے لگ جاتے کہ کوئی واقعہ ہوا میں نے خود بار بار اس شخص کی آواز سنی ہے اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔

چھینک اور اس کا جواب

﴿۸﴾وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلِ الْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَلْیَقُلِ الَّذِیْ یَرُدُّ عَلَیْہِ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ وَلْیَقُلْ ھُوَیَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ

اور حضرت ابوایوب سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو چاہئے کہ وہ یوں کہے الحمدللہ علی کل حال یعنی ہر حال میں خدا کی تعریف ہے اور جو شخص اس کا جواب دے اس کو یوں کہنا چاہئے یرحمک اللہ اور پھر چھینکنے والے کو یوں کہنا چاہئے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت بخشے اور تمہارے دل یا تمہارے احوال کو درست فرمائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

یہود کی چھینک پر آنحضرت کا جواب

﴿۹﴾وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کَانَ الْیَھُوْدُ یَتَعَاطَسُوْنَ عِنْدَالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَرْجُوْنَ اَنْ یَقُوْلَ لَھُمْ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ فَیَقُوْلُ یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ. رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ یہودی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوتے تو جان بوجھ کر چھینکتے اس امید میں کہ آپ ان کے جواب میں یرحمک اللہ کہیں گے لیکن آپ محض یہ فرماتے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

یہود ایک منصوبہ ساز قوم ہے ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اسلام قبول کئے بغیر ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن جائیں اور آنحضرت کی زبان سے اس کا اعلان ہو اس لئے وہ آنحضرت کی مجلس میں بار بار چھینک مارتے تھے اور حضور کی جانب سے یرحمک اللہ کے انتظار میں رہتے آنحضرتؐ نے ہمیشہ ان کو ہدایت کی دعا فرمائی لیکن ایمان سے پہلے ان کو رحمت کی دعا نہ فرمائی

"یھدیکم اللہ" فرماتے تھے۔

چھینک کے وقت السلام علیکم پر حضورؐ ناراض ہوئے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ قَالَ كُنَّا مَعَ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ فَعَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ لَهُ سَالِمٌ وَعَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ فَكَاَنَّ الرَّجُلَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ فَقَالَ اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَقُلْ اِلَّا مَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ وَعَلٰى اُمِّكَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلْيَقُلْ لَهُ مَنْ يَرُدُّ عَلَيْهِ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ وَلْيَقُلْ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ.

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ہلال ابن یساف کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت سالم ابن عبیدؓ کے ساتھ تھے کہ جماعت میں سے ایک شخص کو چھینک آئی اور اس نے (الحمد للہ کے بجائے) السلام علیکم کہا۔ حضرت سالم نے اس شخص کے جواب میں کہا کہ تم پر اور تمہاری ماں پر بھی سلام، اس شخص نے گویا اپنے دل میں ان الفاظ کا برا مانا، حضرت سالم نے (اس ناگواری کو محسوس کرتے ہوئے کہا کہ (اس ناگواری کی کیا بات ہے) تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے وہی الفاظ کہے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائے تھے جب کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینکا تھا اور اس نے السلام علیکم کہا تھا چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ تم پر اور تمہاری ماں پر سلام پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اس کو چاہئے کہ الحمد للہ رب العالمین کہے اور جواب دینے والے کو چاہئے کہ یرحمک اللہ کہے اور پھر چھینکنے والے کو چاہئے کہ یوں کہے یغفر اللہ لی ولکم یعنی اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

"وجد فی نفسه" وجد موجدۃ سے سخت غصہ ہونے کے معنی میں ہے غصہ ہونے والا یہ شخص صحابی نہیں تھا بلکہ تابعی تھا اس بچارے نے مجلس میں چھینک مارنے پر کہا "السلام علیکم" اس کے جواب میں سالم بن عبید صحابی نے کہا وعلیک وعلی امک السلام۔ اس طرز سلام میں اس شخص کی ماں کا ذکر مجلس میں آ گیا اس لئے یہ غصہ ہوئے صحابی نے اس کے غصہ کو محسوس کیا تو پھر بتادیا کہ آپ ناراض نہ ہوں میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے یہ آنحضرتؐ نے بھی ایک شخص کے بارے میں اختیار فرمایا تھا میں نے سنت پر عمل کیا۔

سوال

اب یہاں یہ سوال ہے کہ آنحضرتؐ نے چھینک مارنے والے شخص کی غلطی پر اس کی ماں کو کیوں یاد فرمایا؟

جواب

اس سوال کے دو جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے سلام کو بے موقع اور بے محل استعمال کیا تو یہ ایسا ہی ہوا کہ گویا کوئی شخص مخاطب کے بجائے اس کی ماں کو سلام کا جواب دیدے۔ جس طرح وہ بے موقع اور بے محل ہوگا اسی طرح چھینک کے جواب میں السلام علیکم بے موقع اور بے محل ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرت نے اشارہ کردیا کہ یہ جو کچھ تجھ سے سرزد ہوا ہے یہ تیرا قصور نہیں ہے بلکہ تیری ماں کا قصور ہے کہ اس نے تجھے صحیح تعلیم نہیں دی اور تیری صحیح تربیت نہیں کی اس لئے تم ان آداب سے محروم رہ گئے لہٰذا اصل شاباش تمہاری ماں کو ہے۔ اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم حاصل ہوگئی کہ شریعت کی اصطلاحات اور اطلاقات کو بے جا اور بے محل استعمال کرنا جائز نہیں ہے جو حکم جس مقام کے لئے ہو اسی میں استعمال کرنا چاہئے دوسری یہ تعلیم بھی حاصل ہوگئی کہ شریعت کے وضع کردہ الفاظ کے بجائے دوسرے الفاظ کو استعمال کرنا جائز نہیں اگرچہ اس کا معنی بہت اچھا ہو۔

تین بار تک چھینک کا جواب آخری حد ہے

﴿۱۱﴾وَعَنْ عُبَيْدِبْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلَاثًا فَإِنْ زَادَ فَشَمِّتْهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اور حضرت عبید ابن رفاعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا چھینکنے والے کی لگاتار تین چھینک تک جواب دیا جائے اور اگر کوئی شخص تین بار سے زائد چھینکے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ چاہے اس کو جواب دیا جائے اور چاہے جواب نہ دیا جائے۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۱۲﴾وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ شَمِّتْ اَخَاكَ ثَلَاثًا فَإِنْ زَادَ فَهُوَزُكَامٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ لَااَعْلَمُهُ اِلَّااَنَّهُ رَفَعَ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی کی چھینک کا تین بار تک جواب دو اگر وہ اس سے زائد بار چھینکے تو (سمجھو) کہ اس کو زکام ہوگیا ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی۔ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ میں تو جانتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہؓ نے اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے۔

الفصل الثالث

شارع کے وضع کردہ الفاظ کی پابندی ضروری ہے

﴿۱۴﴾ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اور حضرت نافع کہتے ہیں کہ (ایک دن) کا واقعہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کے برابر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینکا اور پھر کہا الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ حضرت ابن عمرؓ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں الحمدللہ والسلام علی رسول اللہ لیکن یوں ہے نہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا ہے (اور وہ) یہ ہے کہ ہم یوں کہیں الحمدلله علی کل حال یعنی ہر حال میں خدا کی تعریف ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

اس حدیث میں بھی وہی بات مذکور ہے جو اوپر لکھی گئی ہے کہ شریعت کے وضع کردہ اصطلاحات اور اطلاقات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے اگر چہ کوئی شخص اپنی طرف سے بہت ہی اچھے جملے بنا کر پڑھ رہا ہو لیکن یہ رائج سکہ نہیں ہے اس پر شریعت کا ٹھپہ نہیں لگا ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اب یہاں دیکھئے اس شخص نے درود پڑھا جو اچھے جملے ہیں لیکن بے محل ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ یہ اچھے جملے تو میں بھی کہتا ہوں اور جائز بھی ہے لیکن اس وقت اس کا موقع ومحل نہیں ہے بلکہ یہ بے محل ہے اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس بے موقع عمل پر آج کل بدعتی حضرات کے بعض اعمال بھی قیاس کئے جاسکتے ہیں جیسے وہ جمعہ کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر درود پڑھتے ہیں اذان سے پہلے درود پڑھتے ہیں اور الفاظ بھی درود کے نہیں ہوتے ہیں تو درود تو اچھا عمل ہے لیکن اس کے لئے ایک موقع ومحل ہے روضۂ اطہر پر جا کر خط کے الفاظ کے ساتھ درود ہوتا ہے مگر یہ حضرات روضۂ اطہر کے بجائے گلگت اور خنجراب سے وہ الفاظ پڑھنا شروع کردیتے ہیں اور جو لوگ انکا ساتھ نہیں دیتے تو کہتے ہیں یہ دشمن رسول ہیں یاد رکھو یہ بدعتی لوگ غلط راستے پر چل پڑے ہیں جس طرح بابا سعدی نے کہا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو می روی بترکستان است

باب الضحک

ہنسنے کا بیان

اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے اس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبہ کی کفالت موجود ہے اسی سلسلہ میں انسان کے ہنسنے کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان میں ہنسنے کا مادہ رکھا ہے لہٰذا ہنسنا منع نہیں ہے بلکہ جائز ہے لیکن اس میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے چہرہ کی رونق اور وقار ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور روحانی اعتبار سے دل مردہ ہو جاتا ہے سب سے اچھا تبسم ہے اور سب سے برا قہقہہ ہے صحابہ کرام خوب ہنستے تھے لیکن ان میں کبھی غفلت نہیں آئی وہ دن کے شہسوار تھے اور رات کے رھبان اور عابد وزاہد درویش تھے، ہنسنے کے باوجود ان کے دلوں میں ایمان ایک پہاڑ کے برابر ہوتا تھا حضور اکرمؐ کا اکثر ہنسنا تبسم کی صورت میں ہوتا تھا۔

الفصل الاول

آنحضرت تبسم فرماتے تھے

﴿۱﴾عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا زیادہ ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا کہ (آپ کا منہ کھل گیا ہو اور) مجھے آپ کا کوا (یا مسوڑھا) نظر آیا ہو بلکہ آپ کا ہنسنا مسکرانے کی حد تک رہتا تھا۔ (بخاری)

توضیح

"مستجمعاً" استجماع مکمل طور پر ہنسنے کو کہا گیا ہے جس سے قہقہہ لگانا مراد ہے "لھواتہ" حلق اور تالو میں جو کوا لٹکا رہتا ہے اس کو لھوات کہتے ہیں مکمل قہقہہ لگا نا ہنسنا مراد ہے کہ آپ نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

"یتبسم" ہنسنے کے تین اقسام ہیں اگر زور سے ایسا ہنسنا ہو جس سے حلق اور پورا منہ نظر آجائے تو یہ قہقہ ہے اور اگر آواز کے ساتھ معمولی ہنسنا ہو تو اس کو ضحک کہتے ہیں اور اگر آواز بالکل نہ ہو صرف سامنے کے دانت کھل جائیں تو یہ تبسم ہے۔

آنحضرت کا جریر بن عبداللہ کے ساتھ معاملہ

﴿۲﴾وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَاحَجَبَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَارَآنِي إِلَّاتَبَسَّمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جریر کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھ کو ملاقات سے منع نہیں کیا اور جب بھی آپ مجھ کو دیکھتے تو مسکراتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی آنحضرت کی وفات سے چند دن پہلے مسلمان ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرتی حسن سے اتنا نوازا تھا کہ ان کو اس امت کا یوسف کہا گیا ہے۔ یہ اپنے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دو خصوصیات کا ذکر فرماتے ہیں۔

"ماحجبنی" ایک خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے جب بھی چاہا کہ آنحضرت سے ملاقات کروں آپ نے مجھے کبھی نہیں روکا بلکہ ملنے کی اجازت دی۔ اس سے گھر کی بے پردگی مراد نہیں بلکہ آنحضرت سے میل جول اور ملاقات مراد ہے۔

دوسری خصوصیت یہ کہ جب بھی حضور اکرمؐ نے مجھے دیکھا آپ نے تبسم فرمایا شاید حضور اکرم کو حضرت جریر کے چہرہ میں اللہ تعالیٰ کے انوارات کا پرتو نظر آتا ہو گا یا قدرت الٰہی کے حسین وجمیل منظر کو دیکھ کر فتبارک اللہ احسن الخالقین پر تبسم فرماتے ہوں گے۔

قصہ ہائے پارینہ پر ہنسنا جائز ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِىْ يُصَلِّىْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ فِىْ اَمْرِالْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ لِلتِّرْمِذِىِّ يَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ.

اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ جس مصلے پر فجر کی نماز پڑھتے وہاں سے اس وقت تک نہیں اٹھتے تھے جب تک کہ سورج (اچھی طرح) نہ نکل آتا جب سورج نکل آتا تو آپ اشراق کی نماز پڑھنے یا گھر میں تشریف لے جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے اس دوران صحابہ زمانہ جاہلیت کی باتیں کرتے رہتے اور ہنسا کرتے ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکراتے رہتے (مسلم) اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے کہ صحابہ اشعار پڑھنے سننے میں لگے رہتے۔

"یتناشدون الشعر" یعنی جائز حد تک اشعار پڑھتے تھے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آنحضرت کی منقبت اور انسانی حکمت پر مشتمل اشعار پڑھتے تھے یہ زندہ دل لوگوں کی نشانی ہے اور جائز ہے۔

الفصل الثانی

حضور اکرم بہت مسکراتے تھے

﴿۴﴾عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَارَأَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ.

حضرت عبداللہ ابن حارث ابن جزءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی اور شخص کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

الفصل الثالث

صحابہ کرام خوب ہنستے تھے

﴿۵﴾عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ؟ قَالَ نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں: حالانکہ ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی بڑا ایمان تھا اور حضرت بلال ابن سعد تابعی کہتے ہیں کہ میں نے صحابہ کو اس حال میں پایا ہے کہ وہ تیر کے نشانوں کے درمیان دوڑا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے مگر جب رات آتی تو وہ اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے ہوجاتے۔ (شرح السنۃ)

توضیح

"قال نعم" پوچھنے والا تابعی ہے جو حضرت ابن عمر صحابی سے پوچھتے ہیں کہ کیا صحابہ ہنستے بھی تھے سائل کا خیال یہ تھا کہ ہنسا چونکہ غفلت کا ایک حصہ ہوتا ہے اور صحابہ غفلت سے بہت دور تھے اس لئے ہنستے نہیں ہوں گے۔ اس کے جواب میں حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ہاں صحابہ خوب ہنستے تھے لیکن ان کے دلوں میں ہنسنے کی وجہ سے غفلت نہیں آتی بلکہ دلوں میں پہاڑ برابر ایمان ہوتا تھا۔ اس جملہ میں حضرت ابن عمرؓ نے اس شخص کے قلبی خدشہ کا جواب دیدیا ہے اور اشارہ کر دیا کہ جائز حد تک ہنسنا انسانی فطرت ہے اور یہ زندہ دل لوگوں کی علامت ہے۔

حیات الحیوان میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی ملاقات کے موقع

پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہنسے جس پر حضرت یحیٰ نے فرمایا کہ آپ خدا کو بھول گئے ہو کہ ہنستے ہو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے اتنے مایوس ہوگئے؟ اس پر دونوں نے چاہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہو جائے کہ ان دونوں میں سے کون اچھی حالت میں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ تم دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کو وہ زیادہ محبوب ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں یعنی فیصلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہوگیا۔

زیر بحث حدیث میں ایک راوی بلال بن سعد تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ صحابہ تیر اندازی کے نشانوں کے درمیان دوڑتے تھے اور ایک دوسرے پر ہنسا کرتے تھے لیکن رات کو راھب بن جاتے اور عبادت کرتے تھے یعنی دن کے شہسوار اور رات کے تہجد گزار تھے۔ "رهبان الليل وفرسان النهار"

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

باب الأسامي

ناموں کا بیان

اسامی اور اسماء جمع ہے اس کا مفرد اسم ہے نام کو اسم کہتے ہیں اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے اس نے مسلمانوں کی ہر سطح پر رہنمائی فرمائی ہے یہاں تک کہ نام رکھنے میں بھی رہنمائی ہے چنانچہ اس باب میں وہ احادیث آئیں گی جن میں اچھے ناموں کے رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے اور برے ناموں سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے یا اسے تبدیل کرنے کی رہنمائی کی گئی ہے۔

الفصل الاول

آنحضرت کی کنیت پر اپنی کنیت رکھنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السُّوْقِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار میں تھے ایک شخص نے ابو القاسم کہہ کر پکارا آپ نے پلٹ کر اس شخص کی طرف دیکھا اس نے عرض کی کہ میں نے آپ کو نہیں پکارا تھا بلکہ اس شخص کو آواز دی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تم میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت مقرر نہ کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"ولاتکتنوا بکنیتی" ایک اسم محض ہوتا ہے جو والدین اپنی اولاد کے لئے پیدائش کے وقت رکھتے ہیں ایک لقب ہوتا ہے جو معاشرہ میں لوگ کسی کو دیدیتے ہیں جیسے ولی الدین یا مصلح الدین وغیرہ۔ ایک کنیت ہوتی ہے یہ وہ ہے کہ کوئی شخص مثلاً اپنے بیٹے یا بیٹی یا باپ وغیرہ کے نام سے اپنے آپ کو متعارف اور مشہور کراتا ہے جیسے ابو بکر، ابوذر، ابو حفص، ابن عباس، ابن مسعود۔ اسلام نے کنیت رکھنے کی اجازت دیدی ہے لیکن صحیح احادیث میں یہ بات ملتی ہے کہ آنحضرت کی کنیت جو ابوالقاسم تھی اس پر کسی کو کنیت رکھنے کی اجازت نہیں تھی آنحضرتؐ کے ایک صاحبزادے کا نام قاسم تھا آنحضرت کی کنیت انہیں کی وجہ سے ابوالقاسم تھی۔ اب محل بحث یہ امر ہے کہ آیا آنحضرت کی حیات مبارکہ تک اس کنیت کے رکھنے کی ممانعت محدود تھی یا یہ ممانعت ہمیشہ کے لئے ہے اس بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔

شوافع کا قول

شوافع اور اہل ظواہر کے ہاں کسی شخص کو ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز نہیں ہے۔

امام محمدؒ

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے یہ تو جائز نہیں کہ وہ اپنا نام محمد رکھے اور کنیت ابوالقاسم رکھے، اگر الگ الگ رکھنا چاہتا ہے تو محمد نام رکھنا بھی جائز ہے اور نام کچھ اور ہو تو ابوالقاسم کنیت رکھنا بھی جائز ہے۔

امام مالک کا قول

امام مالک فرماتے ہیں کہ نام اور کنیت سب جائز ہے حضور اکرم کی حیات طیبہ میں آپ کی کنیت رکھنے کی ممانعت تھی اب سب کچھ جائز ہے۔

احناف کا قول

ائمہ احناف نے اس کو راجح قرار دیا ہے کہ حضور اکرم کی حیات میں آپ کی کنیت پر کنیت رکھنا سخت منع تھا اب اگر چہ اس طرح سخت ممانعت نہیں مگر ایک قسم کی ممانعت اب بھی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری واضح فیصلہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ راجح اور صحیح یہی ہے کہ کنیت رکھنے کی یہ ممانعت حضور اکرم کی حیات تک محدود تھی کیونکہ آپ کی حیات میں اس لفظ کے استعمال سے اشتباہ آتا تھا جیسا کہ حدیث نمبر۱ میں تفصیل ہے کہ ایک شخص نے پکارا یا ابا القاسم، آنحضرتؐ نے انکی آواز سن لی تو چہرہ انور موڑ کر دیکھا اس شخص نے کہا کہ آپ کو نہیں میں کسی اور شخص کو بلا رہا ہوں جس کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ اس پر آنحضرت نے ابوالقاسم کنیت رکھنے کو منع فرمادیا کیونکہ اس سے آنحضرت رنجیدہ ہوجاتے تھے نیز یہود کی کتابوں میں نبی آخر الزمان کے بارے میں ابوالقاسم کی

کنیت شاید کافی مشہور تھی اسی لئے یہود آپ کو ابوالقاسم ہی کی کنیت سے پکارتے تھے اس اشتباہ کی وجہ سے بھی یہ کنیت ممنوع تھی لیکن جب آنحضرت کا انتقال ہوگیا تو کنیت کی یہ ممانعت ختم ہوگئی گویا یہاں انتہاء حکم بوجہ انتہاء علت ہوگیا۔

مجھے میرے رب نے قاسم بنایا ہے

﴿۲﴾وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِيْ وَلَاتَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ فَاِنِّيْ اِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا اَقْسِمُ بَيْنَكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے نام پر نام رکھا کرو لیکن میری کنیت پر کنیت مقرر نہ کرو کیونکہ مجھ کو قاسم قرار دیا گیا ہے اور میں تمہارے درمیان تقسیم کرتا ہوں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"اقسم بینکم" قاسم تقسیم کرنے والے کو کہتے ہیں آنحضرت کی جو کنیت ابوالقاسم تھی یہ صرف بیٹے کے نام کی وجہ سے نہ تھی بلکہ آپ کی کچھ صفات اور خصوصیات کی وجہ سے بھی آپ کو ابوالقاسم کہا گیا ہے۔ چنانچہ آپ کی صفت تقسیم کی وجہ سے بھی آپ کو ابوالقاسم کہا گیا ہے کیونکہ آپ مال غنیمت بھی تقسیم فرماتے تھے اموال صدقات بھی تقسیم فرماتے تھے اور علوم وحی کی تقسیم کی وجہ سے بھی آپ کو ابوالقاسم کہا گیا ہے جس طرح فضائل والے شخص کو ابوالفضل کہتے ہیں صفت حرب میں شہرت رکھنے والے شخص کو ابوالحرب کہتے ہیں اسی طرح آنحضرت کی صفت فیاضی اور صفت تقسیم اموال کی وجہ سے ابوالقاسم کہا گیا ہے اس حدیث میں آپ کی کنیت کی علت اور سبب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عبداللہ اور عبدالرحمن سب سے بہتر نام ہیں

﴿۳﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآءِكُمْ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کے نزدیک تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پسند نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ (مسلم)

توضیح

"عبداللہ" ان جیسے ناموں میں چونکہ کمال درجہ کی توحید اور کمال درجہ عبدیت ہے اس لئے یہ محبوب نام ہیں لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ نام انبیاء کرام کے ناموں کے بعد پسندیدہ ہیں لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یہ دونوں نام زیادہ پسندیدہ نہیں ہونگے یا کمتر ہوں گے یا اسم محمد کے ساتھ پسندیدگی میں برابر ہونگے۔

غلام کا نام یسار اور افلح نہ رکھو

﴿۴﴾وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُسَمِّيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا وَلَارَبَاحًا وَلَانَجِيْحًا وَلَاأَفْلَحَ فَإِنَّكَ تَقُوْلُ أَثَمَّ هُوَ؟ فَلَايَكُوْنُ فَيَقُوْلُ لَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ
وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ لَاتُسَمِّ غُلَامَكَ رَبَاحًا وَلَايَسَارًا وَلَاأَفْلَحَ وَلَانَافِعًا

اور حضرت سمرہ ابن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلام کا نام یسار، رباح نجیح اور افلح نہ رکھو کیونکہ اگر کسی وقت تم نے کسی شخص سے پوچھا کہ کیا وہ یسار یا رباح یہاں ہے اور وہ وہاں نہ ہو تو جواب دینے والا کہے گا کہ وہ (یعنی یسار یا رباح) یہاں نہیں ہے۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اپنے غلام کا نام رباح، یسار، افلح اور نافع نہ رکھو۔

توضیح

"یسار" یہ یسر سے ہے جو آسانی کے معنی میں ہے، رباح ربح سے نفع کے معنی میں ہے نجیح کامیابی کے معنی میں ہے اور افلح بھی کامیابی اور نجات کے معنی میں ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایسے نام نہ رکھو جن کے ظاہری معنی اچھی صفات اور کامیابیوں کی طرف اشارہ کر رہے ہوں مثلاً سعد ہے نجیح اور یسار ہے جب گھر میں کوئی آواز دیگا کہ اندر یسار ہے افلح ہے تو جواب آئے گا کہ یسار نہیں ہے افلح نہیں ہے اس سے بظاہر ایک خیر کی نفی ہوتی ہے۔ جس کو بددعا کہہ سکتے ہیں اس لئے آنحضرتؐ نے ایسے ناموں کو رکھنا منع کر دیا اس میں اگر چہ ان ناموں کی ذات کی نفی مراد ہوتی ہے لیکن ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ناموں میں جو صفات ہیں اس کی بھی نفی ہو رہی ہے اگر چہ غیر ارادی طور پر ہو اس لئے ممانعت کر دیگئی لیکن یہ ممانعت مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے جو خلاف اولیٰ اور افضل غیر افضل کی بات ہے آنے والی حضرت جابر کی روایت سے خود واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ابتداء میں یہ حکم صادر فرمایا تھا مگر امت کے حرج میں پڑنے کے پیش نظر آنحضرت نے بعد میں اس پر خاموشی اختیار کی اور منع نہیں کیا۔

اب افلح اور یسار نام رکھنا جائز ہے

﴿۵﴾وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَرَادَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّنْهٰى عَنْ أَنْ يُّسَمّٰى بِيَعْلٰى وَبِبَرَكَةَ وَبِأَفْلَحَ وَبِيَسَارٍ وَبِنَافِعٍ وَبِنَحْوِ ذٰلِكَ ثُمَّ سَكَتَ بَعْدُعَنْهَا ثُمَّ قُبِضَ وَلَمْ يَنْهَ عَنْ ذٰلِكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ یعلی برکت، افلح، یسار، نافع اور اس طرح کے دوسرے نام رکھنے سے لوگوں کو منع فرمادیں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ اس ارادہ کے بعد آپ نے سکوت فرمایا یہاں تک کہ

آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور ان ناموں کے رکھنے کو منع نہیں فرمایا۔ (مسلم)

توضیح

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ وہ سابق حکم بعد میں موقوف ہوگیا چونکہ اس میں امت کے لئے بڑا حرج تھا اس لئے بعد میں آنحضرت نے اس پر خاموشی اختیار کی ورنہ پھر تو عبداللہ نام رکھنا بھی مشکل ہو جاتا کہ گھر میں اللہ کا بندہ نہیں ہے ان دو قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ ابتداء اور انتہاء کا فرق ہے ابتدا میں منع کیا گیا آخر میں اجازت دیدی گئی۔

قبیح ترین نام اور لقب شہنشاہ ہے

﴿۶﴾وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْنَی الْاَسْمَآءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عِنْدَاللّٰهِ رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِكَ الْاَمْلَاكِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَاَخْبَثُهُ رَجُلٌ كَانَ یُسَمّٰی مَلِكَ الْاَمْلَاكِ لَامَلِكَ اِلَّا اللّٰهُ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین نام والا وہ شخص ہوگا جس کو شہنشاہ کا نام دیا جائے۔ (بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ترین اور سب سے بدتر وہ شخص ہو جا جس کو شہنشاہ کا نام دیا جائے خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

توضیح

"ملک الاملاک" کا ترجمہ فارسی میں شہنشاہ ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے چونکہ بادشاہ علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو اس طرح نام میں مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ پر بادشاہی کا دعویٰ لازم آتا ہے اور یہ بات بہت بڑا جرم ہے اس لئے اس کو قبیح ترین نام قرار دیا گیا ہے۔ "اخنی" قبیح کے معنی میں ہے اغلظ واخبث بھی یہی چیز ہے۔
شاہ ایران نے یہ نام رکھا تھا پھر معزول ہونے کے بعد ساحل سمندر کی طرف بھاگتا ہوا نظر آگیا ایک کتے نے اس کا پیچھا کیا تھا کوئی ملک اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا کینسر سے مرگیا مصر میں مجبوراً دفن کیا گیا فرعون کا پڑوسی بن گیا۔

ایسا نام مناسب نہیں جس میں خود رائی ہو

﴿۷﴾وَعَنْ زَیْنَبَ بِنْتِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَتْ سُمِّیْتُ بَرَّةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ سَمُّوْهَا زَیْنَبَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت زینب بنت ابی سلمہ کہتی ہیں کہ میرا نام برہ (یعنی نیکوکار) رکھا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نفس کی تعریف نہ کرو تم میں جو شخص نیکوکار ہے اس کو اللہ خوب جانتا ہے اس بچی کا نام زینب رکھو۔ (مسلم)

توضیح

"برۃ" نیکوکار کے معنی میں ہے اس طرح نام رکھنے میں خود بینی اور خود رائی کا احتمال ہے اور اس میں اپنے نفس کے لئے تزکیہ کا دعویٰ بھی ہے جو مناسب نہیں ہے اس لئے اس نام کو آنحضرت نے تبدیل فرمادیا لیکن یہ یادرکھنا چاہئے کہ جس طرح یسار اور نجیح کی ممانعت تھی پھر اجازت مل گئی اسی طرح برہ کا معاملہ سمجھ لینا چاہئے۔

﴿۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتْ جُوَيْرِيَةُ اِسْمُهَا بَرَّةُ فَحَوَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَهَا جُوَيْرِيَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ اَنْ يُقَالَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ بَرَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ حضرت جویریہ کا نام برہ تھا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ نام بدل کر جویریہ رکھ دیا کیونکہ آنحضرت کو یہ پسند نہیں تھا کہ کوئی شخص یوں کہے کہ آپ برہ کے پاس سے نکلے۔ (مسلم)

برا نام تبدیل کرنا چاہئے

﴿۹﴾وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ بِنْتًا كَانَتْ لِعُمَرَ يُقَالُ لَهَا عَاصِيَةُ فَسَمَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيْلَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے ایک بیٹی تھی جس کو عاصیہ کہا جاتا تھا چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام جمیلہ رکھا۔ (مسلم)

توضیح

زمانہ جاہلیت میں عرب کا دستور تھا کہ وہ ڈراؤنے نام رکھتے تھے نیز نافرمانی اور آزادی کی طرف اشارہ کرنے والے نام رکھتے تھے اسی لئے ان کے ناموں میں جبل، حجر، حرب، صخرۃ، حمار، اسد، فہد اور اس قسم کے بارعب نام ملتے ہیں آنحضرتؐ نے ایسے ناموں کی اصلاح فرمائی ہے اور اس کو تبدیل کیا ہے اور اس طرح ہر عالم کو کرنا چاہئے کہ علاقے کے برے ناموں کو تبدیل کرائے قوموں میں آج کل سب سے عمدہ نام بنگلہ دیش کے لوگ رکھتے ہیں اور سب سے بیکار نام سندھی اور پٹھانوں اور پھر پنجابیوں کے ہیں پٹھانوں میں جب آخر میں خان کا لفظ آجائے تو یہ کافی ہے خواہ اصل نام کچھ بھی نہ ہو درخت کے پتے کے ساتھ خان لگایا جائے تو پتے خان بہترین نام ہے۔

﴿۱۰﴾وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اُتِيَ بِالْمُنْذِرِ بْنِ اَبِيْ اُسَيْدٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وُلِدَ فَوَضَعَهُ عَلٰى فَخِذِهٖ فَقَالَ مَا اسْمُهُ؟ قَالَ فُلَانٌ قَالَ لَا لٰكِنِ اسْمُهُ الْمُنْذِرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اور حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ منذر ابن ابی اسید جب پیدا ہوئے تو ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے ان کو اپنی ران مبارک پر رکھا اور پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے لانے والے نے بتایا کہ فلاں نام ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ (یہ نام اچھا نہیں ہے) بلکہ اس کا نام منذر ہے۔ (بخاری و مسلم)

اپنے غلام اور لونڈی کو عبدی وامتی نہیں کہنا چاہئے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ كُلُّكُمْ عَبِیْدُ اللّٰهِ وَكُلُّ نِسَائِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰكِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ وَفَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَلَایَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَلٰكِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَمَوْلَایَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَایَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِهٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاكُمُ اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص (اپنے غلام اور باندی کو) عبدی اور امتی نہ کہے تمہارے سب مرد اللہ کے بندے اور تمہاری سب عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں بلکہ یوں کہے کہ میرا غلام یعنی میرا لڑکا اور میری جاریہ یعنی میری لڑکی۔ یا میرا خادم اور میری خادمہ اسی طرح کوئی غلام (اپنے مالک کو) میرا رب نہ کہے بلکہ میرا سردار کہنا چاہئے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میرا سردار یا میرا مولی کہنا چاہئے ایک اور روایت میں یوں ہے کہ کوئی غلام اپنے مالک کو میرا مولی نہ کہے کیونکہ تمہارا مولی صرف اللہ ہے۔ (مسلم)

توضیح

"عبدی" جاہلیت کے دور میں عرب اپنے غلام کو یا عبدی اے میرے بندے کہتے تھے اور لونڈی کو یا امتی اے میری مملوکہ کہتے تھے اس میں ایک انسان کو اپنا بندہ قرار دیا جاتا تھا حالانکہ انسان سارے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اسی طرح امۃ مملوکہ کے معنی میں لیتے تھے حالانکہ حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے یہ الفاظ موہم شرک بنتے تھے تو آنحضرتؐ نے اس کی ممانعت فرمادی۔

اب سوال یہ ہے کہ عبد اور امۃ کا اطلاق قرآن میں موجود ہے ﴿من عبادکم وامائکم﴾ تو اس حدیث میں ممانعت کیسے کی گئی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اس صورت میں ہے کہ کوئی شخص تکبر و تجبر اور غرور وسرکشی کے طور پر اس طرح اطلاق کرتا ہو اور غلط معنی لیتا ہو گویا عبدی سے اپنا بندہ میراد لیتا ہو کہ میں نے پیدا کیا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح نہیں کرتا ہو تو پھر یہ اطلاق جائز ہے جس طرح قرآن وحدیث میں ہے گویا عبد اور امۃ کا ایک مفہوم غلط ہے اس مفہوم میں پکارنا جائز نہیں ہے اور دوسرا مفہوم صحیح ہے اس میں پکارنا جائز ہے۔

اسلام نے جس طرح آقاؤں کی اصلاح فرمائی ہے اسی طرح غلاموں اور لونڈیوں کی بھی اصلاح کی ہے کہ اپنے اقاؤں کو رب یا ربی کہہ کر پکارنا جائز نہیں ہے اس میں بھی وہی بات ہے کہ رب کا ایک مفہوم ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس صفت اور اس مفہوم میں کسی کو رب کہہ پکارنا جائز نہیں ہے۔لیکن رب کا ایک مفہوم ایسا ہے کہ اس کا اطلاق غیر اللہ پر ہوتا ہے وہ صرف مالک وآقا کے معنی میں ہے اس لئے اس کی اجازت ہے لہٰذا رب کے اطلاق کی نفی بھی ہے اور اثبات بھی ہے۔اسی طرح لفظ مولیٰ ہے اس کے پانچ معنی آتے ہیں بعض معانی کے اعتبار سے کسی مخلوق کو مولیٰ کہہ کر نہیں پکارا جاسکتا ہے جو خالق و مالک کے معنی میں ہے لیکن بعض معانی کے اعتبار سے غیر اللہ پر اس کا اطلاق ہوسکتا ہے اس لئے نفی واثبات کے الگ الگ مواقع ہیں۔

انگور کو "کرم" کہنے کی ممانعت

﴿۱۲﴾وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْلُوا الْكَرْمَ فَإِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ لَاتَقُوْلُوا الْكَرْمَ وَلٰكِنْ قُوْلُوا الْعِنَبَ وَالْحَبَلَةَ

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کرم نہ کہو کیونکہ کرم مومن کا دل ہے (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک حدیث میں حضرت وائل ابن حجر سے یوں منقول ہے کہ انگور کے درخت کو) کرم نہ کہو بلکہ عنب اور حبلہ کہو۔

توضیح

عرب کے لوگ انگور کو اس لئے کرم کہتے تھے کہ انگور سے شراب بنتی تھی جو کہ کرام الناس پی لیتے تھے ایک حماسی شاعر کہتا ہے۔

اِنَّا مُحَيُّوْكِ يَاسَلْمىٰ فَحَيِّينا ۔۔۔۔ وان سقيت كرام الناس فاسقينا

بہرحال کرم کے لفظ میں شراب کا پس منظر پڑا ہوا تھا آنحضرتؐ نے اس اطلاق کو منع فرمادیا کہ ایک نجس چیز جو شراب ہے اس کے مادہ اور مبدء و بنیاد کو کرم کے نام سے کیوں یاد کیا جائے اس لئے آپ نے فرمادیا کہ کرم نہ کہو عنب کہو یا حبلہ کہو انگور کے درخت یا اس کی شاخ یا جڑ کو حبلہ کہتے ہیں۔

زمانہ کو بُرا نہ کہو

﴿۱۳﴾وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُسَمُّوا عِنَبَ الْكَرْمَ وَلَاتَقُوْلُوْا يَاخَيْبَةَ الدَّهْرِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَالدَّهْرُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہو اور یہ نہ کہو کہ اے ناامیدی زمانہ کی کیونکہ بلاشبہ اللہ (ہی کے اختیار) میں زمانہ ہے۔ (بخاری)

توضیح

"الله الدهر" سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں وہ توقیفی نام ہیں اس میں الدھر نام نہیں ہے تو یہاں کیسے کہا گیا کہ اللہ دھر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ الله الدهر بمعنی متصرف في الدهر یا الله هو المدهر یعنی زمانہ میں تصرف کرنے والا اور اس میں الٹ پلٹ لانے والا اللہ تعالیٰ ہے اب دھر کو برا کہنے سے کیوں منع کیا گیا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمانہ تو خود کچھ بھی نہیں کر سکتا ہے زمانہ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کرتا ہے زمانہ کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے تو جو شخص زمانہ کو گالی دیتا ہے وہ درحقیقت اس کے پیچھے مؤثر حقیقی کو غیر شعوری طور پر گالی دیتا ہے یہ گالی بحال متعلقہ کے اعتبار سے ہے اس میں فاعل مختار کی بے ادبی کا خطرہ ہے اس لئے منع کر دیا گیا کہ زمانہ کو برا نہ کہو اس کی تفصیل توضیحات جلد اول کی ابتدائی ابواب ایمان میں گزر چکی ہے۔

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَسُبُّ اَحَدُكُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص زمانہ کو برا نہ کہے کیوں حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی زمانہ کو الٹ پھیر کرنے والا ہے۔ (مسلم)

اپنے آپ کو خبیث نہ کہو

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يُؤْذِيْنِيْ اِبْنُ اٰدَمَ فِيْ بَابِ الْاِيْمَانِ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یوں نہ کہے کہ میرا دل خبیث ہو گیا بلکہ لقست نفسی کہے یعنی میری طبیعت خراب ہو گئی۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت یؤذینی ابن آدم باب الایمان میں نقل کی جا چکی ہے۔

الفصل الثاني

ابوالحکم کی کنیت مناسب نہیں ہے

﴿۱٦﴾ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِيءٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهٖ

سَمِعَهُمْ يَكْنُوْنَهُ بِاَبِي الْحَكَمِ فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ فَلِمَ تُكْنٰى اَبَاالْحَكَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِيْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْ شَيْءٍ اَتَوْنِيْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَاالْفَرِيْقَيْنِ بِحُكْمِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَااَحْسَنَ هٰذَا فَمَالَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِيْ شُرَيْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُاللّٰهِ قَالَ فَمَنْ اَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَاَنْتَ اَبُوْشُرَيْحٍ

رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت شریح ابن ہانیؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ ان کی قوم ان کو ابوالحکم کی کنیت کے ذریعہ یاد و مخاطب کرتی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہے اور حکم اسی کی طرف سے ہے پھر تم نے اپنی کنیت ابوالحکم کیوں مقرر کی ہے، حضرت ہانیؓ نے عرض کیا کہ جب میری قوم کے لوگ کسی معاملہ میں اختلاف کا شکار ہوتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے معاملے میں جو حکم فیصلہ کرتا ہوں دونوں فریق میرے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ بہت اچھی بات ہے (لیکن یہ بتاؤ) تمہارے کتنے بچے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں انہوں نے کہا میرے تین بچے ہیں جن کے نام) شریح مسلم اور عبداللہ ہیں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا کہ ان تینوں میں بڑا کون ہے؟ حضرت ہانیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا شریح۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تو پھر آج سے تم) ابوشریح ہو۔ (نسائی)

توضیح

"الحکم" اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس شخص کی کنیت ابوالحکم تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی بے ادبی کا پہلو نکل سکتا تھا آنحضرتؐ نے اس کنیت کو ناپسند کیا اور اس کو ابوشریح کے نام سے بدل دیا۔ ابوالحکم یعنی حکم کا باپ اور حکم اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاکستان کے سیاسی لیڈر اور جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب کو ابوالاعلیٰ کہنا بھی منع ہے جس طرح ابوالحکم منع ہے۔

اجدع نام رکھنا اچھا نہیں ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ لَقِيْتُ عُمَرَ فَقَالَ مَنْ اَنْتَ قُلْتُ مَسْرُوْقُ بْنُ الْاَجْدَعِ قَالَ عُمَرُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْاَجْدَعُ شَيْطَانٌ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت مسروق (تابعی) کہتے کہ جب میں حضرت عمرؓ سے ملا تو انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو میں نے عرض کیا کہ میں اجدع کا بیٹا مسروق ہوں، حضرت عمرؓ نے (میرے باپ کا نام اجدع سن کر) فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اجدع ایک شیطان کا (نام) ہے (ابوداؤد وابن ماجہ)

توضیح

"اجــدع" مسروق کی تاریخ اور وجہ تسمیہ اس سے پہلے ج ۵ ص ۳۷۴ پر لکھا جا چکا ہے اجدع کان اور ناک کٹے ہوئے آدمی کو کہتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے تفنن اور ظرافت طبع کے طور پر یہ فرمایا جس میں اشارہ تھا کہ اگر تمہارا والد اس وقت زندہ ہوتا تو اس کا نام بدل دیا جاتا۔

اچھے نام رکھو

﴿۱۸﴾وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَائَكُمْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تم کو تمہارے اور تمہارے باپ کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ لہٰذا تم اپنے اچھے نام رکھو۔ (احمد وابوداؤد)

بعض تو میں عجیب ہوتی ہیں بچوں کو پیدا کرتی ہیں سارا بوجھ اٹھاتی ہیں لیکن معمولی زحمت کر کے اچھا نام نہیں سوچتی۔

آنحضرت کا نام اور کنیت ایک ساتھ نہ رکھو

﴿۱۹﴾وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يَّجْمَعَ اَحَدٌ بَيْنَ اِسْمِهٖ وَكُنْيَتِهٖ وَيُسَمِّيْ مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص آپؐ کے نام اور کنیت کو ایک ساتھ اختیار کرے اور جس شخص کا نام محمد ہو اس کو ابوالقاسم (بھی) کہا جائے۔ (ترمذی)

﴿۲۰﴾وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمَّيْتُمْ بِاِسْمِيْ فَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْيَتِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوُدَ قَالَ مَنْ تَسَمّٰى بِاِسْمِيْ فَلَا يَكْتَنِ بِكُنْيَتِيْ وَمَنْ تَكَنّٰى بِكُنْيَتِيْ فَلَا يَتَسَمَّ بِاِسْمِيْ

اور حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میرے نام پر اپنا نام محمد رکھو تو میری کنیت پر کنیت مقرر نہ کرو۔ (ترمذی ابن ماجہ) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص میرے نام پر نام رکھے تو وہ میری کنیت پر کنیت نہ مقرر کرے اور جو شخص میری کنیت پر کنیت مقرر کرے تو میرے نام پر نام نہ رکھے۔

آنحضرت کے نام اور کنیت رکھنے کی اجازت

﴿۲۱﴾وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ وَلَدْتُ غُلَامًا فَسَمَّيْتُهُ مُحَمَّدًا وَكَنَّيْتُهُ اَبَالْقَاسِمِ فَذُكِرَلِيْ اَنَّكَ تَكْرِهُ ذَالِكَ فَقَالَ مَاالَّذِيْ اَحَلَّ اِسْمِيْ وَحَرَّمَ كُنْيَتِيْ اَوْ مَاالَّذِيْ حَرَّمَ كُنْيَتِيْ وَاَحَلَّ بِاِسْمِيْ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ مُحْيِ السُّنَّةِ غَرِيْبٌ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ایک لڑکا ہوا ہے اور میں نے اس کا نام محمد اور کنیت ابوالقاسم رکھی ہے لیکن مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اس کو پسند نہیں فرماتے (یعنی بتانے والے نے مجھ کو یہ بتایا ہے کہ آپ نے اپنا نام اور کنیت ایک ساتھ اختیار کیے جانے کو حرام قرار دیا ہے؟) آپ نے فرمایا ایسی کیا چیز ہے جس نے میرے نام پر نام رکھنے کو تو حلال و جائز رکھا ہے اور میری کنیت پر کنیت مقرر کرنے کو حرام کیا ہے یا یہ فرمایا کہ ایسی کیا چیز ہے جس نے میری کنیت پر کنیت رکھنے کو تو حرام کیا ہے اور میرے نام پر نام رکھنے کو حلال رکھا ہے؟ (ابوداؤد) اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

اس حدیث کو ممانعت کی دیگر احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا جا سکتا ہے اسی لئے جمہور کے ہاں یہ فیصلہ ہے کہ آنحضرت کے نام اور کنیت کو آپ کی وفات کے بعد رکھنا جائز ہے اختلافی اقوال پیچھے نقل کر چکا ہوں۔

﴿۲۲﴾وَعَنْ مُحَمَّدِبْنِ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ وُلِدَلِيْ بَعْدَكَ وَلَدٌ اُسَمِّيْهِ بِاِسْمِكَ وَاُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ قَالَ نَعَمْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ

اور حضرت محمد ابن حنفیہ اپنے والد ماجد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بتائیے کہ اگر آپ کے (وصال کے) بعد میرے یہاں (حضرت فاطمہؓ سے یا کسی اور بیوی سے) کوئی بچہ پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ (ابوداؤد)

حضرت انس کی کنیت

﴿۲۳﴾وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَنَّانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَقْلَةٍ كُنْتُ اَجْتَنِيْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَاالْوَجْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ صَحَّحَهُ

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت اس ساگ کے نام مقرر کی تھی جس کو میں اکھاڑتا تھا (یعنی آپ نے ایک دن مجھے ایک ساگ کہ جس کو عربی میں حمزہ کہتے ہیں اکھاڑتے ہوئے دیکھا تو اس کی مناسبت سے میری کنیت ابوحمزہ رکھ دی۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا کہ ہمارا علم یہ ہے کہ یہ حدیث اس سند

کے علاوہ (جو جامع ترمذی میں نقل کی گئی ہے) اور کسی سند کے ساتھ مذکور نہیں ہے) لیکن صاحب مشکوۃ کہتے ہیں کہ مصابیح میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔

توضیح

جس گھاس اور ساگ کو حضرت انس چنتے تھے اس کا نام حمزہ ہوتا تھا اس لئے آپ کی کنیت ابوحمزہ رکھی گئی اس سے معلوم ہوگیا کہ کنیت رکھنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اولاد کی وجہ سے ہو بلکہ دیگر اشیاء کی وجہ سے بھی کنیت رکھی جاسکتی ہے البتہ اس کے ساتھ وابستگی اور تعلق ضروری ہے جیسے ابو ہریرہ ابوحمزہ ابوالکلام وغیرہ۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ آدمی بالغ ہو تب اس کی کنیت رکھی جائے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک چھوٹے بچے کو کنیت سے یاد کیا جائے جیسے ابوعمیر چھوٹا بچہ تھا کہ حضور نے کنیت دیدی۔

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُغَيِّرُ الْاِسْمَ الْقَبِيْحَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیا کرتے تھے۔ (ترمذی)

آنحضرت نے کئی نام تبدیل فرمائے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ مَيْمُوْنٍ عَنْ عَمِّهِ اُسَامَةَ بْنِ اَخْدَرِيٍّ رَجُلاً يُقَالُ لَهُ اَصْرَمُ كَانَ فِي النَّفَرِ الَّذِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اسْمُكَ قَالَ اَصْرَمُ قَالَ بَلْ اَنْتَ زُرْعَةُ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ وَغَيَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَ الْعَاصِ، وَعَزِيْزٍ وَعَتَلَةَ وَشَيْطَانٍ وَالْحَكَمِ وَغُرَابٍ وَحُبَابٍ وَشِهَابٍ وَقَالَ تَرَكْتُ اَسَانِيْدَهَا لِلْاِخْتِصَارِ

اور حضرت بشیر ابن میمونؒ (تابعی) اپنے چچا حضرت اسامہ بن خدری سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک جماعت حاضر ہوئی تو اس میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کو اصرم کہا جاتا تھا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ (نہیں بلکہ آج سے) تمہارا نام زرعہ ہے۔ اس روایت کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے، نیز انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، حباب اور شہاب ناموں کو بدل دیا تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے اختصار کے پیش نظر ان روایتوں کو (کہ جس میں مذکورہ ناموں کو بدلنے کا ذکر ہے) بغیر اسناد کے نقل کیا ہے۔

توضیح

"اصــــرم" یہ کاٹنے کے معنی میں ہے جیسا کہ کوئی درخت یا فصل کاٹی جاتی ہے یہ نام اچھا نہیں تھا اس کے بدلے آپؐ نے تعبیری نام زرعہ رکھا جو کھیت اور کاشت کو کہتے ہیں۔ عاصی عاص نافرمانی اور سرکشی کے معنی میں ہے اس لئے آنحضرت نے

اس کو تبدیل فرمادیا۔ "عــزیــز" یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے عبدالعزیز تو اچھا ہے لیکن صرف عزیز مناسب نہیں نیز اس کے معنی میں تعلّی اور زبردستی ہے جو شان عبدیت کے خلاف ہے۔

"عتلة" غلیظ شدید اور سرکش کو کہتے ہیں مؤمن ایسا نہیں ہوتا۔ "شیطان" برائیوں کی جڑ اور اس کے داعی کا نام شیطان ہے اس لئے اس نام کو رکھنا غلط ہے کیونکہ شیطان یا شط سے بنا ہے جس کے معنی جل جانا اور ہلاک ہونا ہے یا شیطان شطن سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں اللہ کی رحمت سے نکلا ہوا ہونا اور بعید ہونا دونوں معنی بیکار ہیں اور خود شیطان بد کردار ہے لہٰذا یہ نام بیکار ہے۔ "حــکــم" یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے جب آپ نے ابوالحکم کو منع کردیا تو صرف حکم نام رکھنا تو بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔

"غراب" کوے کو غراب کہتے ہیں جو ایک مکروہ پرندہ ہے مردار بھی ہے۔ "حباب" شیطان کا نام ہے اور سانپ کا نام بھی ہے اس لئے بطور نام رکھنا غلط ہے "شــهــاب" شیطان پر مارے جانے والے ستاروں کو شہاب ثاقب کہتے ہیں اگر اس کی اضافت دین کی طرف ہو جائے جیسے شہاب الدین تو پھر جائز ہے۔

زعموا کا لفظ جھوٹ کا پل ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ لِاَبِيْ مَسْعُوْدٍ مَاسَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اِنَّ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ حُذَيْفَةَ

اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابوعبداللہ سے یا حضرت ابوعبداللہ نے حضرت ابومسعود انصاری سے دریافت کیا کہ آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ زعموا کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (یہ لفظ) مرد کی بری سواری ہے۔ ابوداؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوعبداللہ حضرت حذیفہ بن الیمان کی کنیت ہے۔

توضیح

"زعــمــوا" یعنی زعموا کا جو لفظ ہے یہ آدمی کی بدترین سواری ہے۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ زعم کے لفظ کے ساتھ جو قول کیا جائے یہ اس بات اور اس قول کو کہتے ہیں جس میں پورا اعتماد اور اطمینان نہ ہو، اگر چہ کبھی کبھی لفظ زعم یقینی بات کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے لیکن عام قاعدہ یہی ہے کہ یہ لفظ شک اور گمان کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ زیر بحث حدیث میں ایک صحابی نے دوسرے سے پوچھا ہے کہ کیا آپ نے حضور اکرمؐ سے لفظ زعموا کے متعلق سنا ہے صحابی نے جواب دیا کہ ہاں میں

نے سنا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ آدمی کی بدترین سواری ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک آدمی کسی حیلے بہانے سے اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ذرائع استعمال کرتا ہے اسی طرح ایک آدمی جب کسی جھوٹی بات کو پھیلانا چاہتا ہے تو وہ کسی ثبوت یا سند یا کسی کے نام کے بغیر کہتا ہے کہ لوگوں کا اس طرح خیال ہے لوگ اس طرح کہتے ہیں اس طرح بتایا جاتا ہے، کلام کے اس انداز سے آدمی اس لفظ کی آڑ میں بے تحاشہ جھوٹ بولتا اور پھیلاتا ہے آج کل بی بی سی کی خبروں میں جھوٹ تک پہنچنے اور اسے پھیلانے میں سب سے زیادہ اسی لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے ایک جزئی بات اور واقعہ کو قاعدہ کلیہ کی شکل دینے کے لئے اسی لفظ کو بطور پل استعمال کیا جاتا ہے کہ لوگ اس طرح کہتے ہیں لوگوں کا اس طرح خیال ہے یہ عجیب طریقہ ہے کہ کسی جھوٹے آدمی کو کبھی نہیں پکڑا جاسکتا ہے کیونکہ نہ وہ کسی کا نام لیتا ہے اور نہ سند وثبوت بتاتا ہے۔ اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ اس طرح بے سروپا باتوں کو نہیں پھیلانا چاہئے اور بلا تحقیق سنی سنائی باتوں کو نہیں اڑانا چاہئے بلکہ پوری تحقیق اور اعتماد کے ساتھ ٹھوس حقیقت کی بنیاد پر بات آگے پہنچانا چاہئے۔

شرک فعلی کی طرح شرک قولی سے بچنا بھی ضروری ہے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُنْقَطِعًا قَالَ لَاتَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ. رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

اور حضرت حذیفہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس طرح نہ کہو کہ (وہی ہوگا) جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے (کیونکہ اس طرح کے کہنے کا مطلب ارادہ ومشیت میں اللہ اور بندے کو برابر کا درجہ دینا ہے جب کہ کسی کام کا ہونا یا نہ ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت ومرضی پر منحصر ہوتا ہے) البتہ ظاہری اسباب ووسائل کے پیش نظر انسان کی طرف ارادہ ومشیت کی نسبت کرنا ہی منظور ہو تو پھر) یوں کہو کہ (وہی ہوگا) جو اللہ چاہے اور پھر فلاں چاہے۔ (احمد وابوداؤد)

توضیح

''وشاء فلان'' یعنی مشیت کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت ملانا نہیں چاہئے کہ کوئی کہے کہ اللہ ورسول جو چاہے وہی ہوگا اس طرح ایک جملہ بنا کر ملانا جائز نہیں بلکہ اس طرح فاصلہ کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے اور پھر فلاں آدمی چاہے، اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی مشیت مقدم ہوگی اور آدمی کی مشیت اس کے تابع ہو جائے گی یہ صورت صحیح ہے لوگ اس طرح باتوں میں بہت غلطیاں کرتے ہیں حالانکہ جس طرح شرک فعلی سے آدمی اجتناب کرتا ہے اسی طرح شرک قولی سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے۔

منافق کو سردار مت کہو

﴿۲۸﴾وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُولُوا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَإِنَّهُ إِنْ يَكُ سَيِّدًا فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت حذیفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کسی منافق کو سید نہ کہو یعنی سردار آقا نہ کہو کیونکہ اگر وہ سید ہو (اور تم نے اس کو سید کہا) تو تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

"سید" سردار اور آقا کو سید کہتے ہیں منافق چونکہ اللہ تعالیٰ کے دین اور مسلمانوں کا دشمن ہوتا ہے زبان پر کچھ بھی ہو وہ قلبی طور پر اسلام سے عداوت رکھتا ہے تو ایسے دشمن خدا کو سید اور آقا کے احترام والے الفاظ سے یاد کرنا جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ذلت ورسوائی اور خواری و بربادی کے الفاظ سے یاد کیا ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص منافق کی تعریف وتوصیف کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھٹلاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اگر کوئی منافق واقعۃً اپنے خاندان کا سردار ہے یا ملک کا سربراہ ہے پھر بھی اس کو سردار و آقا نہیں کہنا چاہئے کیونکہ وہ ان شاندار الفاظ کے ساتھ یاد کرنے کا اہل نہیں ہے۔ آج کل مسلمانوں کے منافق حکمرانوں کی تعریف میں جو خوشامدی لوگ ان کے قصیدے پڑھتے ہیں ان کو چاہئے کہ اس سے باز آجائیں اور اپنے رب کو ناراض نہ کریں ورنہ آخرت کے عذاب کے لئے تیار ہو جائے۔

الفصل الثالث

بُرے نام کا بُرا اثر پڑتا ہے

﴿۲۹﴾عَنْ عَبْدِالْحَمِيْدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ شَيْبَةَ قَالَ جَلَسْتُ اِلٰى سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ فَحَدَّثَنِيْ اَنَّ جَدَّهُ حَزْنًا قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ اِسْمِيْ حَزْنٌ قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَا اَنَا بِمُغَيِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْ قَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ فَمَا زَالَتْ فِيْنَا الْحُزُوْنَةُ بَعْدُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

حضرت عبدالحمید ابن جبیر ابن شیبہ کہتے ہیں کہ میں حضرت سعد ابن میسب کی خدمت میں حاضر تھا کہ انہوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ میرے دادا (جن کا نام حزن تھا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا میرا نام حزن ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ (حزن اچھا نام نہیں ہے) بلکہ میں تمہارا نام سہل رکھتا ہوں میرے دادا نے کہا کہ میرے باپ نے میرا جو نام رکھا ہے میں اس کو بدل نہیں سکتا حضرت سعید نے فرمایا کہ اس کے بعد سے اب تک ہمارے خاندان میں ہمیشہ سختی رہی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"حــزن" یہ نومسلم صحابی تھے شاید آنحضرت کے کلام کو حکم کے بجائے اختیاری سمجھ لیا اور نام تبدیل کرنے کو پسند نہیں کیا لیکن نام کا ترجمہ چونکہ سختی ومصیبت تھا اس لئے اس نام کا اثر ان کے خاندان پر رہا اور ہمیشہ حکمرانوں کی طرف سے آلام ومصائب کے شکار رہے۔حضرت سعید بن المسیب جلیل القدر تابعی ہیں یہ افسوس کر رہے ہیں کہ کاش اگر میرے دادا حضور اکرمؐ کے بتائے ہوئے نام سھل کو اپناتے تو ہمارے خاندان پر بھی نرمی اور سہولت رہتی کیونکہ اچھے اور برے نام کا اثر ضرور پڑتا ہے۔حزن سخت اور دشوار گزار پتھریلی زمین کو کہتے ہیں اور سھل نرم ملائم اور ہموار زمین کو کہتے ہیں۔

اچھے اور سچے نام

﴿۳۰﴾وَعَنْ اَبِیْ وَهْبِ الْجُشَمِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ.

اور حضرت ابو وہب جشمی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء کے ناموں پر اپنے نام رکھو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں نیز زیادہ سچے نام، حارث اور ہمام ہیں اور سب سے برے نام حرب اور مرہ ہے۔(ابوداؤد)

توضیح

"الانبیـــــاء" یعنی انبیاء کرام کے ناموں پر اپنا نام رکھو اس میں خفیہ اشارہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے نام پر اپنا نام نہ رکھو اس حدیث میں یہ بھی بتایا گیا کہ زمانہ جاہلیت کے طرز پر برے اور ڈراؤنے نام نہ رکھو جیسے حرب ہے یا مرہ ہے مرہ کڑوے اور تلخ کو کہتے ہیں ابلیس کی کنیت بھی ابومرہ ہے۔اور حرب جنگ کو کہتے ہیں جاہلیت کے دور میں حمار کلب عبدالشمس وغیرہ نام بھی رکھے جاتے تھے یہ بھی قبیح نام ہیں۔ "حــــارث" کھیتی باڑی اور کسب وکمائی کے لئے حارث کا لفظ استعمال ہوتا ہے اب دنیا کا ہر شخص کسب وکمائی میں مشغول ہے اس لئے یہ سچا نام ہے۔اسی طرح "ھمام" اہتمام اور قصد وارادہ کو کہتے ہیں اور ہر شخص کسی نہ کسی اہتمام اور قصد وارادہ میں پڑا رہتا ہے اس لئے یہ بھی سچا نام ہے۔